

۶۶۶

جملہ حقوق محفوظ

اللَّهُ وَمَلَائِكَتُهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

کتاب مستطاب

سیرۃ النبی

یعنی

سلوچ اقدس سیر عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جلد چہارم

مشتمل بر منصب نبوت

اولاً

مقدمین منصب نبوت کی حقیقت اور اس کے لوازم و خصائص پر بحث ہو پھر قبل از اسلام دنیا کے متہدن ممالک اور خصوصاً ملک عرب کی مذہبی و اخلاقی حالت کی تفصیل ہو اور اسکے بعد نبوت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا اور عرب کی جس عظیم الشان اصلاح کا فرض انجام دیا اس کا اجمالی ذکر ہو پھر اسلامی عقائد کا یہ تفصیلی بیان ہے

تالیف

مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۴ ربيع الاول سنة ۱۳۶۳ھ

باہتمام مولوی مسعود علی ندوی

مطبع ریف ہزار عظیم گڑھ مطبوع گڑھ

۱۹۵۹ء

طبع چہارم

۱۳۶۳ھ

139126

فہرست مضامین سیرت بنی جلد پریم

| صفحہ | مضمون | صفحہ | مضمون | صفحہ | مضمون |
|------|---------------------------------|------|-------------------------------|-------|---------------------------|
| ۸۲ | المام واجتہاد و حکمت | ۱۶ | بنی کی دو بعثتیں | | مقدمہ |
| ۸۴ | نبوت | ۱۸ | بعثت کے لئے کسی قوم کا انتخاب | | ۱ - ۲۰۹ |
| ۹۲ | عصمت اور بے گناہی | ۱۹ | بعثت کا زمانہ | | منصب نبوت |
| ۱۰۲ | بعض شبہات کا ازالہ | ۱۹ | بنی کی یقینی کامیابی | ۲۰۹-۱ | کتاب کا موضوع |
| ۱۰۶ | نکتہ | ۳۳ | ایک شبہ اور اس کا جواب | ۱ | آپ کے پیغمبرانہ کارنامے |
| ۱۱۲ | بنی کی بشریت | ۳۵ | بنی اور غیر بنی کے امتیازات | ۲ | بنی اور مصلح اور حکیم |
| ۱۲۴ | اجتہاد نبوی میں خطا | ۴۶ | نبوت کے لوازم اور خصوصیات | ۳ | نبوت کی حقیقت اور خصوصیات |
| ۱۲۵ | اس خطا کے معنی | ۵۰ | وہی استدراود | ۴ | نبوت رسالت کے ثبوت کا |
| ۱۲۶ | پانچ اجتہادی امور پر نبی الہی | ۵۵ | غیبی علم | ۵ | احمالی طریقہ |
| ۱۲۷ | پہلا واقعہ | ۵۸ | علم انسانی کے ماخذ | ۶ | تفصیلی ثبوت کے تین طریقے |
| ۱۲۸ | دوسرا واقعہ | ۶۰ | ذرائع علم کے حصول کے زمانے | ۷ | پہلا طریقہ |
| ۱۳۳ | تیسرا واقعہ | ۶۴ | اور ان کے مراتب | ۸ | دوسرا طریقہ |
| ۱۳۴ | چوتھا واقعہ | ۶۹ | غیر مادی علم | ۹ | تیسرا طریقہ |
| ۱۳۵ | پانچواں واقعہ | ۷۵ | علم غیب | ۱۰ | بنی کی ضرورت |
| ۱۳۸ | آپ غلط استدلال | ۷۹ | غیب کی حقیقت | ۱۱ | بنی کی عصمت |
| ۱۴۲ | عقل بشری | ۸۵ | وحی اور ملکہ نبوت | ۱۲ | بنی کی محبوبیت |
| ۱۴۴ | ملکہ نبوت عقل نبوت کا شرعی ثبوت | ۸۶ | کتاب اور سنت | ۱۳ | مصلحین |
| ۱۴۶ | حکمت | ۸۸ | وحی مشاہدہ اور وحی غیر مشاہدہ | ۱۴ | مصلحین کے اقسام |
| ۱۴۳ | کتاب و حکمت کی تعلیم | ۸۲ | احادیث قرآن کا بیان میں | ۱۵ | |



| صفحہ | مضمون | صفحہ | مضمون | صفحہ | مضمون | | | |
|---|-------------------------------|------|---|-------------------------------|---|------------------|-----|--|
| ۲۹۲ | زنا اور فواحش | | کی تمدنی اور مذہبی حالت کی تھی | ۱۶۶ | علم | | | |
| ۲۹۳ | بے شرمی و بے حیائی | ۲۱۳ | مخمس فارس | ۱۶۸ | علم و علم | | | |
| ۲۹۴ | عورتوں پر ظلم | ۲۱۸ | عیسائی روم | ۱۶۲ | شرح صدر | | | |
| ۲۹۸ | وحشت و جہالت | ۲۲۹ | ہندوستان | ۱۶۹ | بینین کتاب | | | |
| | | ۲۳۳ | یہود | ۱۸۲ | ارات | | | |
| عربوں کے خصوصیات اور خیر الامم بننے کی اہلیت ۳۰۰ - ۳۰۹ | | | ظہور اسلام کے وقت عرب کی مذہبی و اخلاقی حالت ۲۳۶ - ۲۹۹ | | رسول کا وجود مستقل ہدایت تذکیہ نور آیات و ملکوت کی رویت سما ع غیب تبلیغ و دعوت ایک شبہ کا ازالہ انبیاء کی تعلیم کا امتیازی عقیدہ نبوت کی عرض و غایت تائید و نصرت خاتمہ | | | |
| | | | ۳۰۰ | صحت نسبت | ۲۴۴ | خدا کا اعتقاد | ۱۹۰ | |
| | | | ۳۰۲ | کسی پہلے مذہب میں داخل نہ تھے | ۲۴۹ | ملائکہ کی الوہیت | ۱۹۱ | |
| | | | ۳۰۳ | محکوم نہ تھے | ۲۵۱ | جنات کی الوہیت | ۱۹۲ | |
| ۳۰۴ | کئی فاسد تعلیم سے نا آشنا تھے | ۲۵۲ | بیت پرستی | ۲۰۱ | | | | |
| ۳۰۵ | وہ زمین کے دستاویز آباد تھے | ۲۵۹ | ستارہ پرستی | ۲۰۲ | | | | |
| ۳۰۵ | بعض اخلاقی خوبیاں | ۲۶۳ | جن اور شیاطین اور بھوت پرستی | ۲۰۴ | | | | |
| ۳۰۶ | شجاع و بہادر تھے | ۲۶۳ | کہانت | ۲۰۸ | | | | |
| ۳۰۶ | پر جوش تھے | ۲۶۴ | ادب پرستی | | | | | |
| ۳۰۶ | حق گو تھے | ۲۶۸ | خجگ بوئی | | | | | |
| ۳۰۶ | نقل و دانش والے تھے | ۲۶۹ | شراب خوری | | | | | |
| ۳۰۶ | ذہن اور حافظہ کے تیز تھے | ۲۸۳ | قمار بازی | | | | | |
| ۳۰۶ | نیاض تھے | ۲۸۵ | سود خوری | | | | | |
| ۳۰۸ | مسادات پسند تھے | ۲۸۶ | لوٹ مار | | | | | |
| ۳۰۸ | علی تھے | ۲۸۹ | چوری | | | | | |
| ۳۰۹ | ان اوصاف کی مصلحت | ۲۹۱ | سفاکی و بے رحمی و وحشت | ۲۱۲ | ظہور اسلام کے وقت دنیا | | | |
| | | | | | ۲۱۰ - ۲۳۶ | | | |
| | | | | | ظہور اسلام کے وقت دنیا | | | |

| صفحہ | مضمون | صفحہ | مضمون | صفحہ | مضمون |
|-----------|--------------------------------|-----------------------------------|----------------------------|--|----------------------------|
| ۳۹۸ | تعلیمات نبوی کی ہمہ گیری | ۳۵۲ | اعراض اور قول بلیغ | صبح سعادت ۳۱۰ - ۳۲۲ | |
| ۴۰۳ | اسلام کے چار حصے | ۳۵۵ | تیسیر و تبشیر | | |
| | | ۳۵۷ | تدریج | | |
| | عقائد | ۳۵۷ | تالیف قلب | ۳۱۰ | ایک قوم کا انتخاب |
| ۴۰۵ - ۴۱۵ | | ۳۵۷ | دعوتِ عقل | ۳۱۱ | اصلاح و ہدایت کی مشکلات |
| ۴۰۵ | عقائد کی حقیقت اور اہمیت | ۳۵۹ | نذیب میں زبردستی نہیں | ۳۱۲ | حالت |
| | | ۳۶۳ | میدان جنگ میں تبلیغ | ۳۱۹ | آبائی دین و رسوم کی پابندی |
| | | ۳۶۹ | مسلح تبلیغی جماعتیں | ۳۲۵ | قوم پرستی |
| | اللہ تعالیٰ پر ایمان | ۳۷۰ | تبلیغ و دعوت کی تنظیم | ۳۲۹ | قبل کی خانہ جنگیاں |
| ۴۱۶ - ۴۵۳ | | ۳۷۲ | مبلغوں کی تعلیم و تربیت | ۳۳۲ | سیاسی مشکلات |
| | | ۳۷۲ | دعوت بالقرآن | ۳۳۵ | ذریعہ معاش |
| ۴۱۷ | اصلاح عقائد | ۳۷۲ | اشاعتِ اسلام کی قدرتی | ۳۳۲ | رفع شک |
| ۴۱۸ | تعددِ خدا کا ابطال | ۳۷۳ | ترتیب | تبلیغ نبوی اور اس کے اصول اور اسباب ۳۴۵ - ۳۹۷ | |
| ۴۲۰ | بزرگوں کی مشرکانہ تنظیم سے | ۳۷۴ | قبولِ اسلام کے لئے کیا چیز | | |
| ۴۲۲ | ردِ کنا | ۳۷۴ | درکار تھقی؟ | | |
| ۴۲۳ | درمیانی واسطوں کا مشرکانہ | ۳۷۸ | اشاعتِ اسلام کے اسباب | ۳۲۵ | نریضہ تبلیغ |
| | اعقاد | ۳۷۸ | ذرائع | ۳۲۷ | تبلیغ کی اہمیت |
| ۴۲۶ | خوارقِ خدا کے حکم سے ہوتے ہیں | ۳۸۷ | ایک ضروری نکتہ | ۳۲۸ | اس کی وسعت |
| ۴۲۹ | حرام و حلال کرنا خدا کا کام ہے | ۳۸۸ | مواعظ کا ازالہ | ۳۵۲ | تبلیغ کے اصول |
| ۴۳۰ | غیر خدا کی مشرکانہ تنظیم | | | ۳۵۲ | قولِ لیلین |
| ۴۳۱ | صدقاتِ الہی کی توحید | اسلام مختصر سوال و جواب | | | |
| ۴۳۲ | مخفی قوتوں کا ابطال | | | | |
| ۴۳۷ | اہلِ ہام و خرافات کا ابطال | | | | |
| ۴۳۹ | کفارہ اور شفاعت کے | ۳۹۸ - ۴۰۴ | | | |
| | غلط معنی کی تردید | | | | |

| صفحہ | مضمون | صفحہ | مضمون | صفحہ | مضمون |
|------|--|------|--|------|--|
| ۶۱۲ | یہود و نصاریٰ فروری اخلافاں | ۶۰۱ | وحدة الاديان | ۵۸۷ | پیغمبروں کی عصمت |
| ۶۱۳ | ایک دوسرے کو برسرِ باطل کہتے تھے | ۶۰۲ | تمام سچے مذاہب ایک ہیں | ۵۸۸ | قرآن میں پیغمبروں کا جامع تذکرہ |
| ۶۱۴ | وہ مسلمانوں کو یہودیت نصرا کی دعوت دیتے تھے، | ۶۰۳ | دین اور شرع، منک منہاج | ۵۹۰ | وہ انبیاء جن کا تذکرہ قرآن میں نہیں ہے، |
| ۶۱۵ | اسلام کی دعوت اصل دین الہی کی جانب | ۶۰۴ | کافرق صحیفے وقتاً فوقتاً کیوں نازل ہوئے | ۵۹۱ | ایسے انبیاء کی شناخت کا اصول |
| ۶۱۶ | اسلام کا تمام اہل مذاہب کو یکساں خطاب | ۶۰۶ | وحدة دین پر قرآن کی شہادت | ۵۹۱ | انبیاء کی باہمی ترجیح کا مسئلہ |
| ۶۱۷ | قبول عمل کیلئے ایمان شرط ہے، | ۶۰۸ | وحدة دین کی دعوت عامہ | ۵۹۱ | دین تقیم |
| ۶۱۸ | ایمان و عمل کے لئے نبی کی تصدیق ضروری ہے، | ۶۰۹ | اسلام اور مذاہب کے اتحاد دین ہمیشہ ایک رہا | ۵۹۲ | کتاب الہی پر ایمان لانے کا مقصد |
| ۶۱۹ | اسلام کامل تمام رسولوں کی تصدیق ہے، | ۶۰۹ | شرع اور منہاج میں تبدیلی ہوتی، | ۵۹۵ | اس عقیدہ کا تکمیلی پہلو |
| ۶۲۰ | یہود و نصاریٰ انبیاء کی تکذیب کرتے رہے، اسلئے اصل اسلام سے ہٹ گئے، | ۶۱۰ | اس کی مثالیں | ۵۹۵ | تمام کتب الہی پر ایمان لانا ضروری ہے، |
| ۶۲۱ | یہود و نصاریٰ کا حسن عمل | ۶۱۰ | تبدیلی قبلہ خانہ کعبہ کے حج کی تعیین | ۵۹۶ | بیابان قدیم کے غیر معلوم لاکھ صحائف |
| ۶۲۲ | اسلام کا اصل لا اصول توحید کامل و رسالت عمومی ہے، | ۶۱۱ | یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنی کتابوں پر عمل کرنے کی ہدایت | ۵۹۹ | بار معلوم لاکھ آسمانی صحائف میں عقیدہ کا اثر سیاسیات عالم پر |
| ۶۲۳ | اسلام کا ہدایت نامہ ہونا | ۶۱۱ | مسلمانوں کو شریعت اسلام پر عمل کرنے کا حکم | ۵۹۹ | قوام عالم کی قانونی تقسیم اور ان کے حقوق |
| ۶۲۴ | توحید کامل کے بغیر نجات کلی کا کوئی مستحق نہیں | ۶۱۱ | صحیفہ محمدی نے ان کی کتابوں کی تصدیق کی | ۶۰۰ | مسلمان |
| ۶۲۵ | نبوت محمدی کا دعویٰ | ۶۱۲ | اہل کتاب نے اپنی کتابوں کو چھوڑ کر اپنی پیروی کی، | ۶۰۱ | اہل کتاب |
| ۶۲۶ | دعوت محمدی میں ہدایت کی بشارت | ۶۱۲ | وہ دین شریعتوں کا اختلاف غیر ہم | ۶۰۱ | گفار اور مشرکین |

کتاب الہی پر ایمان

۵۹۲ - ۶۳۱

| صفحہ | مضمون | صفحہ | مضمون | صفحہ | مضمون |
|----------------|--|--|--|------|---|
| ۶۳۵ | تورہ و انجیل میں برزخ و نبوت کی تفصیل نہیں | ۶۲۶ | قرآن کی بقا و حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر | ۶۲۱ | اہل مذاہب و تمام انسانوں کو دعوت محمدی کیوں پیش کی گئی، تکمیل دین |
| ۶۳۶ | اسلام اور یوم آخرت کی تفصیل | ۶۲۷ | قرآن کے لفظ و عبارت و معانی کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ | ۶۲۲ | قرآن کے سوا کسی صحیفہ نے دین الہی کی تکمیل کا دعویٰ نہیں کیا |
| ۶۳۷ | اسلام میں تین دور ہا حیات دنیا، برزخ اور قیامت | ۶۲۸ | قرآن کا غالب ہونا ختم نبوت | ۶۲۳ | حضرت موسیٰ کی بشارت ایک نبی کے لئے |
| ۶۳۸ | ان تینوں دوروں میں فرق | ۶۲۹ | وحدت ادیان اور دین اسلام | ۶۲۴ | حضرت عیسیٰ کی بشارت ایک نبی کے لئے |
| ۱۔ برزخ | | ۶۳۰ | وحدت دین کا نفاذ اسلام کی صحیفہ منجور عیسیٰ نے اہل کتاب کو | ۶۲۵ | مولانا محمد صلعم کی آمد اور اس کا دعویٰ |
| ۶۳۹ | قرآن مجید میں لفظ برزخ اور اس کے معنی | ۶۳۱ | وحدت دین کی دعوت دہی صحیفہ محمدی میں | ۶۲۶ | وحی الہی کی جانب سے تکمیل دین کا اعلان |
| ۶۴۰ | قبر، برزخ کا عرف عام | پچھلے دنوں اوپر چلی ہوئی پر ایمان | | ۶۲۷ | تکمیل دین کے اثرات و منظر |
| ۶۴۱ | موت و حیات کی منزلیں | ۶۳۲ | ۶۳۲ - ۶۱۳ | ۶۲۸ | قرآن کا مہین ہونا |
| ۶۴۲ | قرآن میں دو موتوں اور دو حیاتوں کا ذکر | ۶۳۳ | یہ اسلام کے سلسلہ ایمانیات کی کی آخری کڑی ہے، | ۶۲۹ | قرآن کا تمام اگلی کتابوں کی صداقتوں اور تعلیموں پر مشتمل ہونا |
| ۶۴۳ | دو موتوں اور حیاتوں کی تشریح | ۶۳۴ | آخرت کے لفظی معنی اور مفہوم | ۶۳۰ | قرآن محفوظ ہے اور رہے گا |
| ۶۴۴ | عالم برزخ کی کیفیت | ۶۳۵ | آخرت سے مراد عالم بعد موت ہے | ۶۳۱ | اگلی کتابیں تحریفات و تصرفات سے برسی نہیں |
| ۶۴۵ | نیند اور موت کی مشابہت | ۶۳۶ | قرآن میں ایمان باللہ کے بعد سے زیادہ ذرا ایمان آخرت پر | ۶۳۲ | تقدیم مذاہب دینی نہ تھے |
| ۶۴۶ | نیند اور موت کا فرق | ۶۳۷ | آئندہ زندگی کے دور یعنی برزخ و نبوت | ۶۳۳ | اس لئے دائمی حفاظت کا |
| ۶۴۷ | قرآن میں موت کی تشبیہ نیند سے | ۶۳۸ | برزخ کی زندگی کی تعبیر نینت سے | ۶۳۴ | ۶۳۴ - ۶۱۳ |
| ۶۴۸ | قرآن میں دوسری زندگی کے لئے بقا کا لفظ | ۶۳۹ | قرآن میں دوسری زندگی کے لئے بقا کا لفظ | ۶۳۵ | ۶۳۵ - ۶۱۳ |

| صفحہ | مضمون | صفحہ | مضمون | صفحہ | مضمون |
|------|--|------|--|------|--|
| ۶۵۸ | موت کے بعد خدا کی طرف روح کی بازگشت | ۶۴۹ | گناہوں کی مثیلی سزائیں | ۶۴۲ | خواب میں لذت و الم |
| ۶۵۹ | موت کے لئے قرآن مجید میں خدا کی طرف بازگشت کی اصطلاح اور اس کا مفہوم | ۶۵۰ | عادت میں مختلف گناہوں کی مختلف مثیلی سزائوں کے مناظر | ۶۴۳ | خواب کی خیالی دنیا کا جسم پر اثر انداز ہونا |
| ۶۶۱ | اس وقت کا سماں | ۶۵۱ | ان تشلیات کی تعبیر و تشریح | ۶۴۴ | عالم خواب کی لذت و الم کا خاتمہ بیداری میں |
| ۶۶۲ | موت کے سماں کا خاکہ قرآن مجید میں | ۶۵۲ | علم البقیۃ سے انسان کی لائی تصویر ہی یقین اور خارجی جزو کا باہمی تعلق | ۶۴۵ | اور بیداری کی لذت و الم کا خاتمہ عالم خواب میں |
| ۶۶۳ | جسم سے روح کی علیحدگی کے بعد سزا کا دور | ۶۵۳ | علم البقیۃ و عین البقیۃ کا حصول کے حصول کا ذریعہ ایمان ہے | ۶۴۶ | عالم خواب کے لذت و الم کے آثار کے فلسفیانہ اسباب و علل |
| ۶۶۴ | سزا قانون عمل کے مطابق انسانی اعمال کا نتیجہ ہے | ۶۵۴ | علم البقیۃ کے ذریعہ دوزخ کا مشاہدہ دنیا میں | ۶۴۷ | بھولے ہوئے احساسات و معلومات کا خواب میں تشکل ہو کر نظر آنا |
| ۶۶۵ | نیکیوں کا رول کو پشارتیں بزرخ کا عذاب راحت | ۶۵۵ | موت کے بعد حجاب مادیت کا اٹھنا اور اعمال کے مثیلی نتائج کو کسی حد تک دکھنا | ۶۴۸ | اچھے اور برے اعمال کے نقوش ذہن انسانی کے گوشوں میں |
| ۶۶۶ | بزرخ اور اس کے عذاب و سزا کا تذکرہ قرآن مجید میں | ۶۵۶ | قیام روز جزا پر تمام راز ہائے سرستہ کا فاش ہو جانا | ۶۴۹ | مثیلی خواب اور اس کی مثالیں جسم انسانی میں مختلف مادوں کی کمی بیشی سے خواب میں ان کے مناسب مجسم شکلیں اور ان کی مثالیں |
| ۶۶۷ | تبرک کی اصطلاح | ۶۵۷ | احوال بزرخ کا عین البقیۃ | ۶۵۰ | اعمال انسانی کا خواب میں اپنے مناسب قالب میں مجسم ہونا اور ان کی مثالیں |
| ۶۶۸ | احادیث میں بزرخ کا اصطلاح نام قبر سے | ۶۵۸ | موت کے بعد عالم بزرخ کی ابتدا | ۶۵۱ | اسماں کی تشلیات قرآن مجید میں |
| ۶۶۹ | تبرک کا مفہوم | ۶۵۹ | عالم بزرخ میں جزا و سزا کے پس پردہ مشاہدہ کی شہادیں | ۶۵۲ | اعمال کی تشلیات احادیث میں |
| ۶۷۰ | تبرک اور روح و نفوس کی دنیا کی تبرک کی روحیں جسم خاکی کے | ۶۶۰ | قرآن مجید میں | | |

| صفحہ | مضمون | صفحہ | مضمون | صفحہ | مضمون |
|------|---------------------------|------|--|------|-----------------------------------|
| ۸۰۶ | جسمانی سزاؤں کی تصریح | ۸۰۵ | اس کی شہادت حدیثوں میں | ۷۹ | گناہ روحانی بیماری کا اور عذاب |
| | قرآن مجید سے | ۸۰۴ | دفعہ شہدہ | | اس کے نتیجہ پید کا اصطلاحی نام ہے |
| ۸۰۹ | دوزخ میں روحانی سزائیں | | قرآن مجید کی بعض آیتوں سے | | دوزخ کی مثال شفا خانہ ہے |
| | ان کی تصریح قرآن مجید سے | | دوزخ کے دوام کا شہدہ | ۷۱ | دوزخ سے بالآخر نجات ہوگی |
| | | ۸۰۸ | اس شہدہ کا ازالہ | ۷۲ | گو یا دوزخ بھی ایک نعمت ہے |
| | | ۷۹ | چند آیتوں میں کفار کے دوزخ سے الگ نہ ہونے کی تصریح | ۷۳ | دوزخ میں رحمت الہی کا ثبوت |
| | | | | | اور نجات |
| | | | | | اسکی تفسیر حیات احادیث میں |
| ۸۱۲ | جنت کے نام | ۷۹۱ | ان آیات کا مفہوم | ۷۵ | شُرک کفر کی بخشائش نہیں |
| | جنت کا دوام | ۷۹۲ | اللہ تعالیٰ کے وعدہ عذاب | ۷۸ | کیا دوزخ کی انتہا ہے؟ |
| ۸۱۳ | اسکی تصریح قرآن مجید میں | | دوآب میں فرق | ۷۹ | دوزخ رحمت الہی کی چھٹیوں |
| | دائمی قیام سے اہل جنت کا | ۷۹۳ | مشرکین و کفار کی معافی کی | ۸۰ | سے بالآخر سرد ہو جائے گی |
| ۸۱۸ | جنت میں گھبرانا ان کی جنت | | تصریح تصریح کیوں نہیں | | اللہ کے غضب پر رحمت کی |
| | و فطرت کے خلاف ہوگا | | عقیدہ کفارہ اور عقیدہ کرم | | سبق |
| | غیر فانی بادشاہی | | اور عقیدہ منفرت | | دوزخ کی انتہا قرآن مجید |
| ۸۱۹ | جنت کے عیش و مسرت کی | ۷۹۴ | عذابِ طویل کا سبب | ۸۱ | میں مشیت پر ہے |
| | تفسیر آسمانی بادشاہی سے | ۷۹۵ | مشرک و کافر کا آخر انجام؟ | | کفار و مشرکین کے عذاب کی |
| | عیسوی پیغام میں آسمانی | ۷۹۹ | حبور کے نزدیک عذابِ دوزخ | ۸۲ | انتہائیت انہی ہر موقوف ہے |
| | بادشاہی | | کا دوام | | قرآن مجید کی کوئی آیت دوزخ |
| ۸۲۰ | آسمانی بادشاہی کے اجال | ۸۰۳ | بہشت و دوزخ کی جزا و سزا | ۸۳ | کے تسلسل و وجود پر دلالت |
| | کی اسلامی تفصیل | | بھی تیشلی ہے | | نہیں کرتی |
| ۸۲۲ | جنت کے لئے باغ کا استعارہ | | تیشلی سزا کے معنی | | قرآن مجید میں بہشت کے علم |
| | کیا عرب کے لئے ہے؟ | ۸۰۴ | اس کی مثالیں قرآن مجید | ۸۴ | انقطاع کی تصریح کی گئی |
| | اس استعارہ میں ایک نکتہ | | اور احادیث سے | | قرآن مجید سے اسکی تشریح |
| ۸۲۳ | سامان جنت کے دنیاوی نام | ۸۰۶ | دوزخ کی جسمانی سزائیں | ۸۵ | |

جنت

۸۱۲ - ۸۵۹

| صفحہ | مضمون | صفحہ | مضمون | صفحہ | مضمون |
|------|--------------------------------|------------------|------------------------------|------|---------------------------------|
| ۸۶۷ | عقیدہ قضا و قدر کا نتیجہ نشی | ۸۲۲ | مقام نور | ۸۲۲ | جنت میں دنیاوی الفاظ کے |
| ۸۶۸ | سستی و درد نستی نہیں | ۸۲۳ | مقام رضواں | ۸۲۳ | معانی سے بلند تر حقائق |
| ۸۶۹ | اس کا نتیجہ بندہ کی استقلال | ۸۲۴ | مقام طیب و طاهر | ۸۲۴ | اس کی شہادت قرآن مجید |
| ۸۷۰ | اور صبر و ثبات ہی | ۸۲۵ | مقام تسبیح و تہلیل | ۸۲۵ | احادیث سے |
| ۸۷۱ | غلط فہمی کا ازالہ | ۸۲۶ | صبح و شام کی روزی | ۸۲۶ | جنت کی مسرتیں، اعمال |
| ۸۷۲ | قضا و قدر اور سعی عمل کی باہمی | ۸۲۷ | مقام قرب | ۸۲۷ | کی تمثیل ہیں |
| ۸۷۳ | تعلیق | ۸۲۸ | دیدار الہی | ۸۲۸ | اس کی شہادت قرآن مجید |
| ۸۷۴ | پہلے فسق اور نافرمانی ہوتی ہی | ۸۲۹ | ان تعلیمات کا عملی اثر | ۸۲۹ | اور احادیث سے |
| ۸۷۵ | اس کے نتیجہ میں خدا کی طرف | ۸۳۰ | عرب کا ایمان و یقین اور | ۸۳۰ | لطف و مسرت کا تصور |
| ۸۷۶ | سے ضلالت کا ظہور ہوتا ہی | ۸۳۱ | صحارہ کی خشیت الہی | ۸۳۱ | لطف و مسرت کا اعلیٰ ترین |
| ۸۷۷ | جبر و قدر | قضا و قدر | | ۸۳۲ | تخیل |
| ۸۷۸ | جبر و قدر کا مسئلہ لائیل | ۸۶۰ - ۸۸۰ | | ۸۳۳ | جنت میں انسان کی ہر خواہش |
| ۸۷۹ | قدیم مذاہب میں اس کے حل | ۸۶۰ | کیا عقیدہ قضا و قدر | ۸۳۴ | پوری ہوگی، |
| ۸۸۰ | کی دو صورتیں، یا تو خاموشی | ۸۶۱ | ایمانیات میں ہے، | ۸۳۵ | جنت، جان کوئی جسمانی |
| ۸۸۱ | یا جبر کی تلقین | ۸۶۲ | عقیدہ قضا و قدر کا اصل | ۸۳۶ | وروحانی آزار نہیں |
| ۸۸۲ | آنحضرت صلعم نے اس راز | ۸۶۳ | اس عقیدہ کی تعلیم قدیم | ۸۳۷ | جنت، جہاں رشک و حسد |
| ۸۸۳ | کو ظاہر کیا، | ۸۶۴ | مذاہب میں | ۸۳۸ | نہیں، |
| ۸۸۴ | بیک وقت دو صدائیں | ۸۶۵ | خاتم النبیین (صلعم) کی تعلیم | ۸۳۹ | وہاں کی جسمانی زندگی کیسی ہوگی؟ |
| ۸۸۵ | صحیفہ محمدی میں ان دونوں | ۸۶۶ | نے اس کی کیا تکمیل کی اور | ۸۴۰ | جنت ارتقا سے روحانی ہی |
| ۸۸۶ | صدائیتوں کی تفصیل اور | ۸۶۷ | کیا اثرات پیدا ہوئے؟ | ۸۴۱ | مسئلہ ارتقا کے اصول بتائے |
| ۸۸۷ | ان کی تشریح | ۸۶۸ | اصطلاح قدر و قضا کی تشریح | ۸۴۲ | اسلم کا عمل روحانی مدائح |
| ۸۸۸ | ہر ایک و ضلالت کے الفاظ | ۸۶۹ | اس عقیدہ کی اخلاقی اہمیت | ۸۴۳ | کے ارتقا میں |
| ۸۸۹ | سے پیدا شدہ غلط فہمی کا ازالہ | ۸۷۰ | عقیدہ قضا و قدر کی توجیح | ۸۴۴ | امن و سلامتی کا گھر |
| ۸۹۰ | خیر و شر کا مفہوم اسلام میں | | | ۸۴۵ | مقام رحمت |

| صفحہ | مضمون | صفحہ | مضمون | صفحہ | مضمون |
|------|------------------------|------|--------------------------|-----------------------------|----------------------------|
| ۸۸۷ | تمام نیکیاں صرف ایک جڑ | ۸۸۱ | خلاصہ مباحث | ۸۷۸ | اگر خدا چاہتا تو ان کو |
| ۸۸۸ | ایمان کی شاخیں ہیں | ۸۸۲ | ایمان کا مقصد دل کی | ۸۷۹ | ہدایت دینا کی تفسیر |
| ۸۸۹ | ایمان کے بعد عمل کی | ۸۸۳ | اصلاح ہے، | ۸۸۰ | بندہ کی مشیت |
| ۸۹۰ | ضرورت | ۸۸۴ | اسلام میں ایمان و عمل کی | ۸۸۱ | اللہ کی گمراہی کن کیلئے ہے |
| ۸۹۱ | ایمان ملزوم اور اعمال | ۸۸۵ | جامعیت | ۸۸۲ | نتیجہ بحث |
| ۸۹۲ | اس کے لوازم ہیں | ۸۸۶ | درخت اپنے پھل سے پہچانا | ایمان کے نتائج ۸۸۱ - ۸۸۸ | |
| ۸۹۳ | خاتمہ | ۸۸۷ | جاتا ہے | | |
| | | | اہل ایمان کی عملی شناخت | | |

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ
وَعَلَىٰ آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ

اے باز کن در معانی ہر چہ از تو گماں بر م بچونی
بر ما بکلید آسمانی آں من بوم تو ز آں برونی

شاہِ رسل و شفیعِ مرسل خورشیدِ پسین و نورِ اول
سلطانِ ممالکِ رسالت طغرائے صحیفہٴ جلالت (خسرو)

پیش نظر کتاب، سیرۃ النبیؐ کے سلسلہ کی چوتھی جلد ہے، اس کا موضوع منصبِ نبوت ہے

اس تقریب سے پہلے اس میں ایک مقدمہ ہے جس میں نبوت کی حقیقت اور اس کے لوازم

و خصوصیات کی تشریح ہے اس کے بعد دیباچہ ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت و زمانہ

اسلام کے وقت دنیا کی مذہبی و اخلاقی و روحانی حالت کا مرقع دکھایا گیا ہے، بالخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

سے پہلے ملکِ عرب کی جو مذہبی و اخلاقی حالت تھی اور اسکی اصلاح میں جو وقتیں درپیش تھیں شرح و بسط

کے ساتھ ان کی تفصیل کی گئی ہے اس کے بعد آپ کے تعلیمات و ارشادات کی تفصیل سے اس کتاب کا آغاز ہوا ہے

میں کسی خاص فرقہ کے نہیں، اسلام کے وہ عقائد رکھنے تھے جن پر ایمان لانے کا قرآن نے ہم مطالبہ کیا ہے اور جن کی تعلیم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو دی تھی چنانچہ ان اوراق میں ان ہی چند عقائد کی تشریح اور یہی ہیں جو امنت باللہ وملتکته وکتابہ ورسوله والیومہ الآخر والقد رخصہ وشرکاء من اللہ تعالیٰ میں مذکور ہیں یعنی خدا، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اسکے رسولوں اور آخری دن اور قضا و قدر پر ایمان، چنانچہ اس جلد میں مقدمہ دیباچہ کے بعد ان ہی چھ باتوں کی تفصیل تشریح میں نے اپنے جانتے اسکی پوری احتیاط کی ہے کہ کسی مسئلہ کی تشریح میں قلم صراط مستقیم سے جو کچھ نہ کہی، لیکن عالم الغیب جانتا ہے کہ قدم نے کہاں ٹھوکر کھائی ہے، اس لئے اسکی بارگاہ میں نہایت عجز و سجدہ عا ہے کہ خداوند امیری لغزش کو دوسروں کی لغزش کا سبب بنانا اور ہم کو سیدھی راہ دکھانا،

جس کو خدا راہ دکھائے وہ راہ پایا ہوا ہے،

مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِي (۱۶۱)

اور جسکو خدا راہ دکھائے اسکو کوئی گمراہ کرتیو لائین،

وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُضِلٍّ (زمز)

ہمارے پروردگار ہمارے بھول چوک کی

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَاْنَا

باز پرس ہم سے نہ فرمایا،

(بقرہ ۷۸)

تو یقین قبول، روزش باد

ایں نامہ کہ خامہ کر و بنیاد

طالب رحمت

۱۳۵۱ھ
۲۵ ربیع الاول

سید سلیمان ندوی

دارالمصنفین اعظم گڑھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ

منصبت

کتاب کا موضوع
آپ کے پیغمبرانہ کارنامے

سیرت کی عام کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات زندگی کے اندر جو چیز سب سے زیادہ ممتاز ہو کر نظر آتی ہے، وہ غزوات اور لڑائیاں ہیں لیکن یہ غزوات اور لڑائیاں ظاہر ہے کہ مقصد و بالذات نہ تھیں، بلکہ وہ سلسلہ دعوت میں اتفاقاً پیش آئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی انھوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کیا، اور نہ صرف انکار کیا بلکہ اس کے مٹانے کی پزیر و کوشش کی، اس کے قبول کرنے والوں کو تائب اور ان کو ان کے گھروں سے نکال دیا، اپنی جان بچا کر دوسرے شہر کوچلے گئے، وہاں انکی دعوت سے فریغ پایا، اور بہت بڑی تعداد نے اس کی سچائی کو قبول کیا یہ کچھ مخالفوں نے ہر طرف سے پورسش کی، اور

چاہا کہ اس جماعت کو بزیرِ شمشیر مٹا دیں، اُس نے اپنی جان کے بچاؤ کی تدبیریں کیں، اور اُن کی پرزور سازشوں اور کوششوں کے سیلاب کو پہاڑ بن کر روکا، اس کشمکش نے خوزیر زلزلہ ایوں کا ایک سلسلہ چھڑا دیا جو مسلسل دس سال تک قائم رہا، رفتہ رفتہ اعجازِ نبوتِ حسنِ تدبیر، لطفِ اخلاق سے تمام معرکے سر ہوئے اور پھر ایک پُر امن نظام قائم ہو گیا، بے شبہ یہ کارنامہ بھی کچھ کم مستوجبِ منقبت نہیں لیکن ناظرین اس نکتہ کو پیشِ نظر رکھتے ہوں گے کہ ہم کس ذاتِ اقدس کے سوا کچھ لکھ رہے ہیں،

یہ جو کچھ ہوا اور پیش آیا وہ گو نہایت عجیب، حیرت انگیز اور کرشمہ ربانی کا پورا منظر ہے، تاہم وہ حقیقتِ آنحضرت ﷺ کا اصلی، براہِ راست اور مقصود بالذات کارنامہ نہیں، وہ اتفاقی حادثہ ہیں، جو اسلام کی دعوت و اشاعت کی راہ میں دشمنوں کی مخالفت سے پیش آگئے، آپ کے اصلی پیغمبرانہ کارنامے وہ ہیں، جو اگر یہ اتفاقی واقعات رونما نہ ہوئے ہوتے تب بھی ظاہر ہی ہوتے اور وہی آپ کی سیرۃ مبارکہ کے اصلی وقائع اور سوانح ہیں یعنی عرب میں سترتا پار و حانی و اخلاقی انقلاب پیدا کر دینا، تمام عالم کے سامنے کائناتِ ترین اور اخیر شریعت کو پیش کرنا، دنیا کو گوشہ گوشہ کو ترائی توحید اور سرور و محبت سے معمور کرنا، ظلمتِ کدہ عالم کو سراجِ منیر بن کر بقعہ نور بنا دینا، گمراہوں کو راستہ بتانا، بھولوں کو یاد دلانا، بندوں کا رشتہ خدا سے جوڑنا، غلط اوہام کو مٹانا، اخلاقِ فاضلہ سکھانا، گناہوں کے دفتر کو دھونا، انسانوں کو شیطانوں کے دائم فریبِ نکال کر فرشتوں کی صف میں کھڑا کرنا، دنیا کو رفق و محبت، لطف و شفقت اور برادرانہ مساوات کی تعلیم دینا، حکمت و دانائی، بند و مواعظت اور تہذیب و تمدن کے رموز سکھانا، روحانیت کی برباد شدہ دنیا کی دوبارہ تعمیر، اور قلوب و ارواح کے دیران گھروں کی از سر نو آبادی، الغرض خاتم النبیین کا اصلی کام ایک شریعتِ ابدی کی تاسیس، مذاہبِ عالم

کی اصلاح، فن اخلاق کی علمی و عملی تکمیل، قانون الہی کا اظہار و عرض، اور تہذیبِ نفوس کی مروجہ ترقی تھی، اور یہ سب اسی پر آشوب زمانہ میں ہوتا رہا، جس کے لیل و نہار بظاہر صرف حملوں کے تیر پاروں کے روکنے میں صرف ہو گئے، پیش نظر علما و حضرات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کے ان ہی واقعات اور کارناموں پر مشتمل ہے،

بنی اور مصلح اور حکیم | بظاہر نظر آتا ہے کہ اس قسم کے کچھ کام ایسے لوگوں سے انجام پاتے ہیں، جو نبوت اور رسالت کے منصب پر فائز نہیں ہوتے، وہ اپنی قوم و ملک کے سامنے اپنی اصلاح کی دعوت پیش کرتے ہیں، اور سعی و محنت اور متواتر جدوجہد سے ان میں کوئی سیاسی، اجتماعی، تعلیمی، اقتصادی اور معاشرتی انقلاب پیدا کرتے ہیں، اور ان کو قعرِ مذلت سے نکال کر ترقی کی سطح مرتفع تک پہنچاتے ہیں، ایسے لوگوں کو مصلح اور رہنما مہر کہتے ہیں، اور ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے منہ سے اخلاق و حکمت اور پند و موعظت کے موتی چھڑتے ہیں جن کو حکیم کہتے ہیں، اس حالت میں ایک پیغمبر اور ایک مصلح اور ایک حکیم میں کیا فرق ہوگا؟ اس التباس کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے کوئی نظر ایک پیغمبر اور ایک مصلح اور ایک حکیم میں کوئی امتیاز نہیں کرتے، اور اس بنا پر اس سے پہلے کہ ہم آگے بڑھیں، اس فرق و امتیاز کو نمایاں کر دینا ضروری سمجھتے ہیں،

نبوت کی حقیقت | اس فرق کو پوری طرح واضح کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے نبوت کی حقیقت اور خصوصیات اچھی طرح ذہن نشین کرنی جائے، نبوت کی فلسفیانہ حقیقت کی بہترین تشریح امام غزالی نے معارج القدس اور شاہ ولی اللہ صاحب نے حجة اللہ الباقیہ میں کی ہے یہ دونوں بزرگ

معارج القدس کا یہ حصہ حضرت استاد مرحوم نے کلام کے آخر میں بطور ضمیمہ شائع کر دیا ہے۔

تصوّتِ فلسفہ، اور تعلیقاتِ تینوں کو چون سے باخبر ہیں، اس لئے یہ جو کچھ بتائیں گے، اس میں کچھ ذاتی ذوق و مشاہدہ کا حصہ بھی شامل ہوگا،

امام صاحب فرماتے ہیں :-

”نبوتِ انسانیّت کے رتبہ سے بالاتر ہے جس طرح انسانیّت حیوانیت سے بالاتر ہے،..... وہ عطیۃ الہی اور موصیبتِ ربّانی ہے، سعی و محنت اور کسبِ تلاش سے نہیں ملتی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ
 (انعام - ۱۵)

اللہ بہتر جانتا ہے کہ جہاں وہ اپنی پیغمبری کا منصب بنائے،
 اور اسی طرح ہم نے تیرے پاس اپنے حکم سے ایک روح بھیجی تو پہلے نہیں جانتا تھا، کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا؟ لیکن اُس کو ہم نے ایک نور بنایا ہے جس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں عبادِ نانا، (شوریٰ - ۵)

اس موقع کے لئے صریح آیت یہ ہے،
 ذَاكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ
 (مجمعا)

یہ (نبوت) خدا کا نفل ہے جس کو وہ چاہے دے،

۱۵۔ امام صاحب نے آیت پوری نہیں لکھی ہے، میں نے اپنی طرف سے آیت پوری لکھ دی ہے،

گویت صحیح ہو کہ وہ عبادت و ریاضات جو فکر و مراقبہ پر مشتمل اور یا اور شہرت طلبی سے پاک ہوں نفس میں آثار وحی کے قبول کرنے کی استعداد پیدا کر دیتے ہیں، تاہم نبوت کا منصب خاص محض اتفاقی نہیں، جو محنت اور کوشش سے کسی کو حاصل ہو جائے، بلکہ جس طرح نوع انسان کا انسان اور فرشتوں کا فرشتہ بن جانا، ان کے افراد کی سعی و محنت کا مرہونِ منت نہیں، اسی طرح نوع انبیاء کا نبی بن جانا، ان کے افراد کی کوشش اور محنت سے ممکن نہیں، بہر انسان کا بچہ اپنی ذاتی محنت سے نہیں، بلکہ فیاضِ عالم کی بخشش سے انسانیت کا مرتبہ حاصل کرتا ہے، مگر انسانیت کے ممکن کمال کو حاصل حاصل ہو جانے کے لئے اس کو یقیناً کچھ نہ کچھ جدوجہد کرنی پڑتی ہے، اسی طرح نبوت و انبیاء کے لئے اکتسابی چیز نہیں لیکن منشاءِ نبوت کے مطابق ریاضت اور عمل قبول وحی کی استعداد اور تیاری کے لئے البتہ ضروری ہیں،

چنانچہ اسی اصول کے مطابق اکثر پیغمبروں کے آغاز وحی کے حالات میں آپ کو یہ ملیگا، کہ انھوں نے ایک زمانہ تک عبادت و مراقبہ میں بسر کی، ایک ایک مہینہ، ایک ایک چلہ اس طرح گذرا کہ وہ مادامی دنیا کی الایٹون سے یکسر الگ ہو گئے تو رات میں حضرت موسیٰ کی نسبت ہے کہ کتاب ٹٹنے سے پہلے وہ چالیس روز تک کوہ طور پر روزہ کی حالت میں رہے، اسی طرح انجیل میں حضرت عیسیٰ کے متعلق ہے کہ وہ ایک سنساک جنگل میں چالیس روز تک روزہ رکھ کر عبادت میں مصروف رہے، اور وحی سے پہلے آنحضرت ﷺ کا عار حرام میں بیابانوں عزائم گزریں اور فکر و مراقبہ اور عبادت اور ریاضت میں مصروف رہنا سب کو معلوم ہے،

چنانچہ آنحضرت ﷺ سے پہلے حرام میں جا کر جب عبادت میں مشغول ہو تو

رویاے صادقہ دیکھنے لگے جس کی سچائی مثل سپیدہ صبح کے صاف نمایاں ہوتی تھی، وحی کے بعد بھی آپ اس قدر عبادت میں مصروف رہتے تھے کہ آپ کے دونوں پاؤں سوچ جاتے تھے اسی قرآن نے آپ کو خطاب کر کے کہا،

طَهْرًا مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ
لِتَسْتَقِيَ، (طہ - ۱)

(اے پیغمبر! ہم نے یہ قرآن تجھ پر اس لئے
نہیں اتارا کہ تو کلبف اٹھانے،

اس عبادت و ریاضت کے ساتھ نبوت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے حامل حُسنِ صورت، اعتدالِ مزاج، نشوونما کی پاکی، حسن تربیت، طہارتِ نسب، کرمِ اخلاق، نیکی طینت، متانت، سنجیدگی، دوستانہ الہی کے ساتھ نرم خوئی اور تواضع اور دشمنانِ حق کے ساتھ شہادتِ قوت پائی جائے، علاوہ بریں وہ راست گفتار امانت دار، تمام برائیوں سے پاک، فضائلِ محاسن سے آراستہ اور ذلیل باتوں سے پھرا ہوتا ہے، وہ ظلم کرنے والوں کو معاف، اور اپنے ساتھ برائی کرنے والوں کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے، قربت مندوں اور ہمسایوں کے ساتھ احسان مندوں کی امانت، فریاد خواہوں کی فریاد سنی، اسکی طینت اور نیکی سے محبت اور بدی سے نفرت اسکی فطرت ہوتی ہے، اسکی شان جیسا کہ قرآن نے بتایا ہے یہ ہوتی ہے کہ

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ (نجم - ۱) تمہارا ساتھی (پیغمبر) نہ گمراہ ہوا اور نہ بہکا

اسکی یہ صفت دنیاوی عالم میں ہے کہ وہ ہر گمراہی و بے راہ روی سے پاک ہوتا ہی
مَا ذَاقَ الْبَصْرَةَ وَمَا طَغَىٰ (نجم - ۱) اسکی نگاہ نہ کج ہوئی اور نہ سرکش ہوئی،

یہ اس دنیا کے مناظر اور مشاہدات کے متعلق اسکی کیفیت ہوتی ہے،

تمام دنیا کی قومیں اُس کی قوت کے سامنے بالآخر طوعاً و کرہاً مسزنگوں ہو جاتی ہیں با این ہودہ
منفرد جا بر جفا پیشہ بد خو، اور درشت مزاج نہیں ہوتا، وہ پیغمبری اور رسالت کے بارِ عظیم کو اٹھاتا
اور اس کا پورا حق ادا کرتا ہے، اور تمام عالم میں اپنی رحمت کا فیض جاری کرتا ہے،

نبوت رسالت کے ثبوت کا
اجمالی طریقہ

نبوت کے ثبوت کے دو طریقے ہیں، ایک اجمالی، اور دوسرا تفصیلی، اجمالی
طریقہ یہ ہے کہ جس طرح انسان کو حیوان پر نفسِ ناطقہ کی بنا پر فضیلت حاصل

کہ یہ عقلی و دماغی خصوصیت حیوان میں نہیں پائی جاتی، جس کے بل پر انسان حیوان پر حکمرانی کرتا ہے
اور اس کا مالک بنا ہوا ہے اور اُس کو اپنے کام میں لگائے ہوئے ہی، اسی طرح انبیاء علیہم السلام
اپنے نفوسِ قدسیہ کی بنا پر تمام انسانوں پر برتری حاصل ہے، وہ اپنے ان قدسی نفوس اور پیغمبریت و نبوت
سے دوسروں کو براہِ راست سو جھاتے اور خود راہِ راست پر قائم رہتے ہیں، اُن کی پیغمبریت عقل و فہم تمام
انسانی عقولوں سے بالاتر ہوتی ہے، اور اُن کو وہ ربانی خصوصیت حاصل ہوتی ہے جس کی بنا پر وہ تمام
انسانی نتوس کی تدبیر کا فرض انجام دیتے، اور اُن پر قابو پاتے، اور اُن کو کام میں لگاتے ہیں، اور جس
طرح انسانوں کے عجیب و غریب کام حیوانوں کو حیرت انگیز معلوم ہوتے ہیں اسی طرح پیغمبروں کے
عجیب و غریب کام انسانوں کو معجزہ نظر آتے ہیں،

اور اگرچہ نبی عام انسانوں کے ساتھ بشریت اور انسانیت میں برابر کا شریک ہوتا ہے، مگر
عقلیت و معنویت میں وہ اُن سے بالکل الگ ہوتا ہے، کیونکہ اس میں وحی کے قبول کرنے
کی جو صلاحیت ہوتی ہے، وہ دوسرے انسانوں میں نہیں ہوتی، اسی مفہوم کو قرآن نے ان الفاظ
میں ادا کیا ہے،

إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ
میں تمہاری ہی طرح بشر ہوں، مجھ پر وحی

(کہف - ۱۲) کی جاتی ہے،

دیکھو کہ بشریت میں گو پیغمبر کو دوسرے انسانوں کے مثل کہا ہے، مگر ساتھ ہی وحی کے فرق
میں تیار کردہ دونوں میں حد فاضل قرار دیدیا ہے،

نبوت کے تفصیلی ثبوت کے تین طریقے ہیں،

پہلا طریقہ | انسان میں تین قسم کے اختیاری حرکات پائے جاتے ہیں، فکری، قویٰ عملی اور

تینوں سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں، وہ اچھے بھی ہوتے ہیں، اور بُرے بھی، فکر یعنی رائے صحیح بھی
ہوتی ہے اور غلط بھی، قول سچ بھی ہوتا ہے اور جھوٹ بھی، عمل اچھا بھی ہوتا ہے اور بُرا بھی،

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صحیح اور غلط، سچ اور جھوٹ اور اچھے اور بُرے میں تمیز کیونکر ہو

پھر کیا یہ تمیز ہر شخص کر سکتا ہے یا کوئی نہیں کر سکتا، یا بعض کر سکتے ہیں، اور بعض نہیں، پہلے دو احتمال

غلط ہیں، اب رہ گیا تیسرا احتمال، یعنی بعضے انسان ایسے ہوتے ہیں، جو ان کو متعین کر سکتے ہیں کہ

فلان رائے و عقیدہ صحیح اور فلان غلط ہے، فلاں قول سچ، فلاں جھوٹ ہے، اور فلان فعل اچھا اور

فلان برا ہے، جس شخص کو خالقِ فطرت اپنے فضل و کرم سے یہ قوت عطا فرماتا ہے، وہی پیغمبر

صاحبِ شریعت ہوتا ہے،

دوسرا طریقہ | نوعِ انسان کو اپنے اختیاری اعمال و حرکات اور صحیحی معاملات میں باہمی اجتماع اور

تعاون کی ضرورت ہے، اگر انسانوں میں باہم یہ اجتماع اور تعاون نہ ہو تو نہ تو انسان کا کوئی فروزہ

رہے، نہ جان، نہ مال اور عزت و آبرو کی حفاظت ہو سکے، اسی بقائے نفس اور جان و مال و آبرو

کے تحفظ کے اصول و آئین کا نام شریعت ہے، انسان کو اس کے لئے دو قسم کے کاموں کی ضرورت ہے ایک یہ کہ اچھے کاموں میں سب مل کر ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں، اس کو تعاون کہتے ہیں، اور دوسرے یہ کہ بُرے کاموں سے ایک دوسرے کو باز رکھنے کی کوشش کریں، اسکو تمانع کہتے ہیں۔ اسی تعاون کے ذریعہ سے انسان، کھانے، پہننے اور رہنے کے سامان و اسباب فراہم کرتا ہے، تعاون کے ذریعہ نکاح و قرابت، اولاد و اعزہ اور احباب و دوست کے حقوق و تعلقات پیدا ہوتے ہیں اور تمانع کے ذریعہ سے نوع انسانی، اور افراد انسانی کی زندگی، اور ان کی دولت و جائداد، اور عزت و آبرو کے بچاؤ کی صورت پیدا ہوتی ہے، اس تعاون اور تمانع کے اصول ضرور ہے کہ مرتب، محدود اور معلوم ہوں اور وہ اس طرح بنائے جائیں جن میں کسی شخص، خاندان، قبیلہ، قوم، اور ملک کے فوائد کی ترویج نہ ہو، بلکہ ان میں سب کا برابر فائدہ ہو، یہ ظاہر ہے کہ ایسا قانون انسانوں کے ذریعہ نہیں بلکہ وحی ربانی اور تعلیم الہی سے بن سکتا ہے، مطلب یہ ہے کہ محض کسی انسان کی عقل سے جو بہر حال کوئی خاص شخص یا کسی خاص خاندان، قبیلہ، قوم اور ملک کا ہوگا، ایسا غیر جانبدارانہ قانون جس میں تمام مخلوقات کی حیثیت یکساں ہو اور کسی طرف توجہ نہ پائے، اور تمام عالم کے لئے یکساں واجب العمل ہو، بحال ہے، اس لئے ضرور ہے کہ یہ اصول اس کی طرف سے وحی ہوں جس کے ہاتھ میں نظام عالم کی باگ ہے، اور جو پورے نوع انسانی کے اندرونی و بیرونی احوال و کیفیات کے معجزے باخبر ہے، یہ اصول خلاق عالم کی طرف سے جس شخص پر وحی ہوتے ہیں، وہی پیغمبر اور رسول ہوتا ہے،

تیسرا طریقہ | یہ وہ طریقہ ہے کہ جس نے اس کو نہیں جانا، اس نے نبوت کی حقیقت نہیں پہچانی

پہلے پر جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے دو کام ہیں، خالق (پیدا کرنا) نیت سے ہست کرنا اور امر (جو موجود
 ہست ہے، اُس کو اپنی مصلحت کے مطابق حکم دینا) کائنات ان ہی دو چیزوں سے عبارت ہے
 تو جس طرح فرشتے خالق اور مخلوق کے درمیان خلق و ایجاد و پیدائش اور پیغام رسانی میں واسطہ ہیں
 اسی طرح پیغمبر خدا اور بندہ کے درمیان احکام پہنچانے میں واسطہ ہیں اور جس طرح خدا پرستیت
 خالق اور امر (پیدا کرنے والے اور حکم دینے والے) کے ایمان لانا واجب ہے، اسی طرح فرشتوں پر
 اس حیثیت سے کہ وہ خالق و مخلوق کے درمیان ایجاد و پیدائش اور پیغام رسانی کے واسطہ ہیں
 ایمان لانا ضروری ہے اور اسی طرح پیغمبروں پر اس حیثیت سے ایمان لانا فرض ہے کہ وہ خدا
 بندہ کے درمیان حکم کے پہنچانے میں واسطہ ہیں،

اس کے بعد حسب ذیل مقدمات ذہن نشین رکھنے چاہئیں،

۱۔ چونکہ ممکن کا وجود اور عدم برابر ہے، اس لیے ممکن ہے کہ وجود میں آنے کے لئے ایک

مرجح کا ہونا ضروری ہے جس کی وجہ سے وجود کو عدم پر ترجیح ہو، اور وہ شے عدم سے وجود میں آسکے
 یہی امر مرجح ممکن کی علت ہوتا ہے،

۲۔ ہر قسم کے حرکات کے لیے ایک محرک کی ضرورت ہوتی ہے، جو درمبدم حرکت کی توجیہ

کرنا ہے، حرکات کی بھی دو قسمیں ہیں، طبعی اور ارادی، ارادی حرکت کے لئے ضروری ہے کہ اس کے

محرک میں ارادہ اور اختیار پایا جائے، اسی طرح طبعی حرکت کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ اس کا

محرک عقلاً اور تدبیر والا ہو، آفتاب و باہتاب اور دوسری آسمانی مخلوقات کی حرکات کو

طبعی ہیں، تاہم ان کو حرکت دینے کے لئے کسی مائل و مدبر کی ضرورت ہے اسی لئے قرآن نے ان کے لئے لکھا

دَاوْحٰی فِی كُلِّ سَمَآءٍ مَّرْوٰہَا (حم سجدہ) خدا نے ہر آسمان میں اُسکا فرض اور کام دہی کیا

۳۔ اب جس طرح انسانی حرکات کو ارادہ اور اختیار کی حاجت ہے، یعنی ارادہ اور اختیار کے بغیر وہ وقوع میں نہیں آسکتیں، اسی طرح ان حرکات کو ایک ایسے رہنما کی ضرورت ہے، جو ان اعمال و حرکات کا ٹھیک راستہ اور صحیح طریقہ بتائے اور حق کو باطل سے، سچ کو جھوٹ سے، اور خیر کو شر سے ممتاز کر دے

۴۔ خدا کے حکم و قسم کے ہیں تدبیری اور تکلیفی، پہلا حکم تمام نظام عالم میں جاری ہے جس کی بنا پر تمام عالم میں تدبیر اور انتظام کا سلسلہ نظر آتا ہے، قرآن مجید میں ہے،

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنَّجُومُ
اور سورج اور چاند اور ستارے اس کے

مَسْجُورَاتٍ بِأَمْرِہَا لَا تَلْزَمْنَہَا
حکم کے ابواب ہیں، اسی کا کام ہے بنانا

وَاللَّامِہُ (اعراف) اور حکم فرمانا،

تکلیفی حکم صرف انسانوں کے لئے ہے، چنانچہ قرآن میں ہے،

يَا أَيُّہَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّکُمْ
اے انسانو! اپنا اس رب کی عبادت

الَّذِیْ خَلَقَکُمْ، (بقرہ-۲) کرو جس نے تم کو پیدا کیا،

مقدمات مذکورہ بالا سے ثابت ہوا کہ انسان کے تمام حرکات ممکن ہیں، اس لئے

مرجح کی ضرورت ہے، اختیاری ہیں، اس لئے عقل کی ضرورت ہے، خیر و شر کے تحمل ہیں، اس لئے

رہنما کی ضرورت ہے، اسی رہنما کا نام پیغمبر ہے،

نظام عالم میں خدا کا جو تدبیری حکم نافذ ہے، وہ ملائکہ کے ذریعہ سے ہی اسی قیاس پر

میں خدا کا جو تکلفی حکم نافذ ہے، وہ بھی ایسے ہی نفوسِ قدسیہ کے ذریعہ سے ہو گا، اور ان ہی کا نام پیغمبر ہے۔

شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ کے چھ طبعی بحث کے دو ابتدائی بابوں میں اس پر بحث کی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ کمالِ نکتہ سنجی سے کی ہے، شاہ صاحب کی تقریر کو ہم اپنے الفاظ میں لکھتے ہیں :-

بہنی کی ضرورت | انسان میں دو قسم کی توہین ہیں، بہیمی اور ملکوتی، کھانا، پینا، شہوتِ حرص و طمع، استیلا، دجبر و غیرہ افعال، بہیمی قوت کے آثار ہیں، اور غور و فکر، علم و معرفت جن احلاقی صبر و شکر، عبادت و طاعت و غیرہ ملکوتیت کے نتائج ہیں، انسان کی روحانی کامیابی کی ضروری ہے کہ اس کی بہیمی قوت اس کی ملکوتی قوت کے تابع ہو، اگر عقل سلیم ان اصولی طریقوں کو معلوم کر سکتی ہے، جن کے ذریعہ سے بہیمیت کے تابع ملکوتیت ہونے کے فائدے اور گناہ و خصیایں کے نقصانات نما ہر مون، عقل سلیم کے اس علم سے انسان فائدہ اٹھا کر اپنی صلاح کر سکتا ہے، مگر یہ تو امکانِ عقلی ہے، عملی کیفیت یہ ہے کہ انسان کی آنکھوں پر موجود دنیاوی لذتِ حرص و طمع اور پیچا خواہشوں اور غفلتوں کے اتنے توہر توہر سے پڑ جاتے ہیں کہ اس کے عقلی اور فطری وجدان اور قوتِ احساس کا مادہ فاسد ہو جاتا ہے، جیسے بیماری میں انسان کی زبان کا ذائقہ جب بدل جاتا ہے، تو میٹھی سی میٹھی چیز اس کو کڑوی معلوم ہوتی ہے، اسی طرح اندرونی وجدان و احساس کے فاسد ہو جانے سے بھی وہ حق و باطل، خیر و شر اور نیک و بد کی تیز کو بھول جاتا ہے، اس لئے نوعِ انسان کو ایسے صحیح رہنماؤں اور روحانی معلموں کی ضرورت ہے جن کے

احساس و وجدان کا آئینہ گردا لود نہ ہو

اگر افراد، جماعت اور اہل ملک کو ایسے شخص کی ضرورت ہے جو اپنی سیاست کے زور سے ان میں صلح و آشتی اور امن و امان پیدا کر دے، تو ایک قوم کی قوم بلکہ کل دنیا کے لئے ایک ایسے شخص کی ضرورت کیوں نہ ہو، جو ہر گروہ کی استعداد کو پیش نظر رکھ کر اُس کے مطابق، اُس کے حقوق و فرائض کی تعیین کرے، ایسے لوگ جو ایسے اہم فریضہ کو انجام دے سکیں، اُسی طرح کم ہیں، جس طرح دوسرے اصناف کے اہل کمال، انسانوں کے معمولی پیشوں، بنجاری اور لوہاری کو دیکھو کہ کس قدر معمولی ہیں، مگر ان کو کرنا بھی ہر شخص کا کام نہیں، یہ پیشے بھی ایسے لوگوں کے بنیہ وجود میں نہیں آئے، جن کو ان کاموں کا خاص ذوق و وجدان تھا، اور ان کو ان کاموں کی خاص فطری استعداد ملی تھی، جس کے ذریعہ سے انھوں نے اس فن کو تکمیل تک پہنچایا، اور اس کے اصول و قواعد وضع کئے، اور بعد کے آنے والوں نے ان کی تقلید کی، اور اس تقلید سے مدارج علیا تک پہنچے، پھر خلاق اور روحانیات اور ملک و ملت کے مصالح و فوائد عامہ کا فن ^{حسب} اہم اور نازک ہے، کیا اس کو سمجھنا اور وضع کرنا ہر کس و ناکس کا کام ہو سکتا ہے

بنی کی عظمت | پھر اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے، کہ جو شخص اس رہنمائی کے منصب کا مدعی ہو، وہ اپنی نسبت یہ بھی ثابت کرے، کہ وہ ان اصول و قواعد سے بخوبی واقف ہے، اور وہ اپنے علم اور تعلیم میں غلطی اور گمراہی سے محفوظ ہے، اور یہ اُس وقت تک ممکن نہیں جتنک اس کے علم اور تعلیم کا ماخذ اور سرچشمہ غلطیوں سے پاک اور محفوظ نہ ہو، اُس کو ان امور کا علم اسی طرح وجدانی جس طرح انسان کو بھوک اور پیاس کا وجدان ہوتا ہے، کیا ہی کو اس علم میں کہ اس کو بھوک یا پیاس

معلوم ہوتی ہے کوئی غلطی ہو سکتی ہے، اسی طرح اس کو حق و باطل، خیر و شر، اور نیک و بد امور کے درمیان فیصلہ اسی طرح قطعی معلوم ہوتا ہے جس میں نہ دلیل کی حاجت ہوتی ہے اور نہ عقل و عاقل کی ضرورت ہوتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر بھوک اور پیاس ہونے کا علم اس طرح رکھ دیا ہے کہ ہمارے سامنے کوئی معاندگیتی ہی دلیلیں پیش کرے کہ ہم کو بھوک یا پیاس نہیں ہے ہم کبھی اپنے اس وجدانی یقین سے جس کو خدا نے ہمارے اندر پیدا کر دیا ہے، اس معاند کے ان عقلی دلائل سے متاثر ہو کر دست بردار نہیں ہو سکتے، اور اپنے یقین کو غلط نہیں کہہ سکتے۔ بعینہ اسی طرح ان نفوس قدسیہ کے اندر بھی اللہ تعالیٰ نے خاص قسم کا وجدان و ذوقِ سلیم رکھ دیا ہے جس کا عمل ہمیشہ صحیح، اور جس کا احساس ہمیشہ درست، اور جس کا فیصلہ ہمیشہ ناطق ہوتا ہے،

بہنی کی محبوبیت | ایسا شخص جب لوگوں کے سامنے آتا ہے، اور لوگوں کو بار بار کے تجربے سے اسکی

صدقت، سچائی اور راست بازی کا یقین ہو جاتا ہے، اور اس کے ہاتھ سے جو تصرفات صادر ہوتے ہیں، ان سے اُس کا مقرب بارگاہِ الہی ہونا بھی ظاہر ہو جاتا ہے، تو ہر طرف سے لوگ اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور اسکی محبت کی راہ میں جان و مال اور اہل و عیال سب کو قربان کر دیتے ہیں۔ شاہ صاحب اس کے بعد دوسری فصل میں اسی بحثِ نبوت کو ایک اور انداز سے لکھتے

ہیں جس کا اصل یہ ہے

مصلین | فضل و کمال، اور علم و عمل کے لحاظ سے انسانوں کے مختلف درجے ہیں ان

سب بڑا درجہ مہین کا ہے، اور یہ وہ لوگ ہیں جن کی قوتِ ملکیہ نہایت بلند ہے اور جن میں یہ قدرت ہوتی ہے کہ سچے اور صحیح جذبہ سے ایک نیا نظام کو دنیا میں قائم کر دیں، اور ان پر بارگاہِ الہی سے آگے

علوم اور احوال کا ترشح ہوتا ہے جن میں رہائی آثار نظر آتے ہیں، ایسے لوگ معتدل مزاج اور اپنی صورت و سیرت میں درست، اور عقل و ذکاوت میں متوسط ہوتے ہیں، انہیں اس قدر بلکہ کہ جزئیات سے کلیات تک اُن کا پہنچنا مشکل ہے، انہیں اس قدر تیز کہ جزئیات اور محسوسات سے قطع نظر کر کے ہمیشہ ذہنیات اور خیالات میں مبتلا رہیں، صحیح فطرت پر وہ قائم رہتے ہیں، طور و طریق اُن کے پسندیدہ ہوتے ہیں، خدا کے ساتھ اُن کا تعلق عبادت و طاعت سے اور بندوں کے ساتھ عدل و انصاف سے قائم رہتا ہے، وہ اپنے فیصلوں میں شخصی اور جزئی بھلائی اور منفعت کا لحاظ نہیں کرتے، بلکہ منفعت عامہ اور تدبیر کلی کا لحاظ کرتے ہیں، وہ براہ راست کسی کو تکلیف نہیں دیتے، الایہ کہ منفعت عامہ کا حصول اور بڑی تعداد کا فائدہ چھوٹے سے نقصان سے حاصل ہو تو وہ اس جزئی تکلیف اور شخصی نقصان کو گوارا کر لیتے ہیں، وہ ہمیشہ اپنے کاروبار میں عالم غیب کی طرف مائل رہتے ہیں جس کا اثر اُن کی بات چیت، کام، کاج، اور معاملات میں نمایاں ہوتا ہے، ان کا رکنانِ عالم اُن کی تائید و نصرت میں رہتے ہیں، معمولی ریاضت سے اُن کے لئے قرب سکینت کے وہ دروازے کھلتے ہیں، جو دوسروں کے لئے نہیں کھلتے،

مصلحین کے اقسام | منصفین کے درجہ بدرجہ مختلف اصناف ہیں، اور اُن کی مختلف استعدادیں ہیں، اور اس بنا پر اُن میں سے ہر ایک کے الگ الگ اصطلاحی نام ہیں، جو زیادہ تر عبادات کے ذریعہ سے تہذیبِ نفس کے علوم پاتا ہے، وہ کامل ہے، اور جو اخلاقِ فاضلہ اور تدبیر منزل کے اصول حاصل کرتا ہے، وہ حکیم ہے، جو عمومی تدبیر و سیاست کے علوم کا فیض پاتا ہے، اور اُن کے مطابق اسکو لوگوں میں عدل کے قیام اور ظلم کے دور کرنے کی توفیق ملتی ہے، وہ خلیفہ ہے، اور جس پر ملا راعی کا

نزول ہو، اور وہ اس سے تعلیم پائے، اور اس کو مخاطب کرے، اور مختلف قسم کے تصرفات اس سے صادر ہوں، وہ مؤید پر روح القدس کہلاتا ہے، اور وہ جس کی زبان اور دل میں نور ہو کہ لوگ اس کی صحبت اور پسند و موافقت سے نفع اٹھائیں، اور وہ نور اس سے منتقل ہو کر اس کے رفقاءے خاص میں منتقل ہو جس سے وہ بھی کمال کے درجہ تک پہنچ جائیں، اس کا نام ہادی اور مزی (پاک نوا) ہے اور جس کے علم کا بڑا حصہ ملت کے اصول و قواعد اور اسکی مصلحتوں کی واقفیت ہو اور ملت کے منہدم ارکان کو دوبارہ قائم کرنے کی طاقت ہو، وہ امام کہا جائے گا، اور جس کے قلب میں یہ ڈالا جائے کہ وہ لوگوں کو ان کی اس مصیبتِ عظمیٰ سے خبردار کرے، جو اس دنیا میں ان کے لئے ان کے اعمال کے نتیجے کے طور پر مقدر ہے، اور ان کی بد اعمالی کے سبب سے ان سے حق تعالیٰ کی رحمت کو جو دوری ہے، یا قبر اور حشر میں ان پر جو مصیبتیں آنے والی ہیں، اس کا نام مندر (ڈرانے والا) نبیاً کرنے والا ہے،

اور جب نکتِ الہی کا یہ اقتضار ہوتا ہے کہ مخلوق کی ہدایت و اصلاح کے لئے ان مفہمین میں سے کسی کو بھیجے، تو اس کی آمد مخلوق کے تاریکی سے نکل کر، روشنی میں آنے کا سبب ہو جاتی ہے اور وہ بندوں پر یہ فرض تسلیم دیتا ہے، کہ وہ دل و جان سے اس کی اطاعت کریں، اور بارگاہِ الہی میں تاکید ہوتی ہے، کہ جو اس کی اطاعت کرے، اس سے خوشنودی، اور جو اس سے مخالفت کرے، اس سے ناخوشی ظاہر کی جائے یہی شخص نبی ہوتا ہے،

نبی کی دو بشتیں | نبیوں میں بڑا درجہ اس کا ہوتا ہے جس کو اس پنییرانہ بشت کیساتھ ایک اور بشت ملتی ہے، اور وہ یہ کہ مراد الہی یہ ہوتی ہے کہ اس نبی کے ذریعہ سے اس کی قوم، اور اس کی قوم کے

ذریعہ سے دوسری قومیں ظلمت سے نکل کر نور میں آئیں تو اس نبی کی ذاتی بعثت کا نام بعثتِ اولیٰ اور
اس کی قوم کی دوسری قوموں کی ہدایت کے لئے نامزدگی بعثتِ ثانیہ ہے،

نبی کی پہلی بعثت کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے،

| | |
|---------------------------|--|
| ہو الذی بعث فی الاممیین | وہی خدا جس نے ان پڑھوں میں ان ہی |
| رسولاً منهم یتلو علیہم | میں سے ایک رسول بھیجا، جو ان کو اسکی آیتیں |
| ایاتہ ویزکیہم وعلیمہم | سناتا اور ان کو پاک بناتا، اور ان کو کتاب |
| الکتب والحکمة، (جمعہ - ۱) | اور دانائی سکھاتا ہے، |

اور دوسری بعثت کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے،

| | |
|-----------------------------|---|
| کنتم خیر امتہ اخرجت للناس | تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے وجود |
| تأمرون بالمعروف وتنہون | میں لانی گئی، نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی |
| عن المنکر، (ال عمران - ۱۱۰) | سے باز رکھتے ہو، |

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی بعثتِ اولیٰ
امت کے لئے ہوئی، ویسی ہی ان کی امت کی بعثت دوسری قوموں کی طرف ہوئی، اور اسی معنی
میں قرآن پاک کی یہ آیت بھی ہے،

| | |
|------------------------------------|--|
| لیکون الرسول شہیداً علیکم | تاکہ رسول تم پر گواہ ہو، اور تم، لوگوں |
| وتکونوا شہداً علی الناس، (حج - ۱۰) | پڑ گواہ ہو، |

اسی لئے احادیث میں ہے کہ اپنے صحابہ سے فرمایا، فَإِنَّمَا بَعَثْتُمُ مَيَسَّرِينَ وَلَسَرًا

تَبَعُوا مَعْبِرِينَ" تم آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو سبھی کرنے والے بنا کر نہیں، آنحضرت
 صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے پہلے جو انبیاء علیہم السلام آئے، وہ ان مختلف مذکورہ بالا مناصب میں سے
 ایک اور منصب کے ساتھ مبعوث ہوئے، لیکن آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ان تمام منصبوں پر ایک
 ساتھ سرفراز ہوئے اور یہ تمام فنون آپ کی واحد ذات پر جمع کر دیئے گئے، اور آپ کو یہ دونوں
 بعثتیں بھی بکمال استحقاق عطا ہوئیں،

بعثت کے لئے کسی | یہ بھی واضح ہو کہ رسول کی بعثت کے لئے حکمتِ الہی کا اقتضا، اس لئے ہوتا ہے
 قوم کا انتخاب | کہ عالم کی عمومی تدبیر و نظم و نسق میں جو انسانی خیر معتبر ہے، وہ ان دنوں کسی
 رسول کی بعثت میں منحصر ہوتا ہے، اور اس بعثت کے حقیقی سبب کا ظلم اسی داناے غیب کو ہو
 مگر اتنی بات ہم قطعاً جانتے ہیں کہ کچھ اسباب ایسے ہیں جو بعثت کے ساتھ ضرور پائے جاتے ہیں اور
 امت پر اس رسول کی اطاعت اسی لئے فرض ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا کی تمام قوموں سے
 جس قوم کی نسبت یہ جانتا ہے کہ اس میں خدا کی اطاعت و پرستش کی استعداد اور اس میں
 اللہ تعالیٰ کے فیضان اٹھانے کی صلاحیت زیادہ ہے، اس میں وہ رسول مبعوث ہوتا ہے، اور
 چونکہ اس قوم کی اصلاح اسی پیغمبر کی پیروی اور اتباع میں منحصر ہوتی ہے اس لئے بارگاہِ الہی کا
 یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ اس کی اطاعت سب پر واجب کی جائے،

بعثت کا زمانہ | اس موقع پر چند باتیں اور قابلِ ملاحظہ ہیں، اگر یہ وقت وہ وقت ہوتا ہے کہ کوئی
 نئی حکومت اس لئے قائم کی جائے تاکہ اس کے ذریعہ سے ان دوسری حکومتوں کو جو دنیا میں
 اور شرکاً موجب بنی ہوئی ہیں، مٹا دیا جائے، تو ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ اس شخص کو بھیجتا ہے

جو پہلے اس قائم ہونے والی سلطنت کی قوم کی اصلاح کرے، اور اس دین کو درست کرے تاکہ اس کے ذریعہ سے دوسری قوموں کی اصلاح ہو، جس طرح سے ہمارے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی زندگی کی بقا، اور اس کو اپنا برگزیدہ بنا لیا جاتا ہے، تو اس میں وہ ایک ایسے شخص کو بھیجتا ہے جو اس کی کجی کو دور کر دے، اور اس کو کتابِ الہی کی تعلیم دے کر اس کو اس کا مستحق بنا دے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اسرائیل میں بعثت ہوئی، یا کسی قوم کے متعلق قضاے الہی کا فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو فریاد زندگی ملتی رہے، اور اس کا دین و سلطنت برقرار رہے، تو مجد دین نبوت پیدا ہوتے ہیں جیسے نبی اسرائیل کے مختلف زمانوں میں حضرت داؤد، حضرت سلیمان اور پیغمبروں کے ایک گروہ کی بعثت ہوتی رہی، نبی کی یقینی کامیابی ہر نبی کی بعثت کے دور میں اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ اس کو اور اس دو سوسوں کو کامیابی اور اس کے دشمنوں کو پے در پے ناکامی ہو (یہاں تک کہ حق استوار اور دعوتِ مکمل ہو جائے) قرآن پاک میں ہے،

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا

اور ہماری بات اپنے پیغمبروں کے متعلق

الْمُرْسَلِينَ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ

پہلے ہی طے ہو چکی ہے کہ انہی کی مدد کی جائے گی

وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ (الصَّفّت - ۵) ہمارا ہی لشکر غالب ہو گا،

ان دونوں برگزیدوں (امام غزالی، اور شاہ ولی اللہ صاحب) نے اپنے اپنے الفاظ میں

جو کچھ کہا ہے، وہ حرفِ برونِ عجم ہے، انبیائے کرام علیہم السلام کے احوال مبارکہ اور سوانح مقدسہ پر جس کی نظرِ عینی و وسیع ہوگی، اس کو ان اصول کے تسلیم کرنے میں ذرہ بھر شک نہیں ہو سکتا۔

اُن پر استدلال، واقعات اور حوادث سے اسی طرح کیا جاسکتا ہے، جس طرح نفسیات اجتماع (سائیکالوجی آف پیپل) یا نفسیات رہنمائی (سائیکالوجی آف لیڈرشپ) پر واقعات کے تسلسل اور تواتر سے کرتے ہیں، اس طرح امام غزالی اور شاہ ولی اللہ صاحب نے اوپر کے صفحات میں جو کچھ کہا ہے ہم مجازاً کہہ سکتے ہیں کہ وہ نفسیات نبوت کے گویا ابواب ہیں،

موجودہ زمانہ میں خیالات، طرز گفتار، اسلوب تحریر اور طریقہ استدلال، غرض ہر چیز میں فرق ہو گیا ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ اہل زمانہ سے اُن کی اصطلاح میں گفتگو کی جائے، اور اصول قائم کیا جائے، اس پر قرآن مجید سے بھی ساتھ ساتھ استدلال کیا جائے کہ عقل و نقل دونوں درباروں میں کہنے والے کی بات کا اعتبار ہو،

غور کرنے سے یہ معلوم ہو گا کہ دنیا کا ذرہ ذرہ جس غرض و مقصد کے لئے پیدا ہوا ہے اور اپنے ذاتی ارادہ اور قصد کے بغیر خود بخود اس کو پورا کر رہا ہے، اور اس کے خالق نے اس کے روز پیدائش سے اس کو جو حکم دیدیا ہے، اس کی تعمیل سے وہ ہر ہوا خرافت نہیں کرتا، آسمان سے لیکر زمین تک ہر چیز اپنے اپنے کام میں لگی ہوئی ہے، آفتاب دنیا کو گرمی اور روشنی دینے پر مامور ہے اور وہ ہر آن اور ہر لمحہ اس میں مصروف ہے، زمین کو سرسبزی اور شادابی کا کام سپرد ہے، اور وہ اس کو انجام دے رہی ہے، ابر کو سیرابی اور گوبرباری کا حکم ہے، اور وہ اس کی تعمیل کر رہی ہے، درخت پھل دینے پر مقرر ہیں اور وہ اس کام میں لگے ہوئے ہیں، حیوانات جن کاموں پر مامور ہیں وہ بخوشی ان کو کر رہے ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا انسان بھی اس دنیا میں کسی کام پر اسی طرح مقرر ہو کر آیا ہے، یا نہیں؟ اگر آیا ہے، تو کیا اس کو انجام دے رہا ہے؟

جو دیگر موجودات کے وجود کی غرض سے زیادہ اہم ہے،

قرآن پاک دوسرے موجودات و مخلوقات کی نسبت تو یہ کہتا ہے،

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ

اسی نے تمہارے لئے (اے انسانو!)

جَمِيعًا، (بقرہ ۴-۳)

وہ سب پیدا کیا، جو زمین میں ہے،

پھر یہ بھی بتایا،

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا

(اے انسان!) کیا تو غور نہیں کرتا کہ زمین

فِي الْأَرْضِ، (حج - ۹)

میں جو کچھ چاہا اسکو تمہارا کام میں اُس نے لگا دیا

زمین کے بعد آسمان کی نسبت بھی اس نے اعلان کیا،

وَسَخَّرَ لَكُمْ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ

اور (اے انسانو!) اُس نے رات اور دن

الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ

کو اور سورج اور چاند کو تمہارے کام میں لگا دیا

بِنَاءِ مَرْحَلَةٍ، (نحل - ۲)

جو اس کے حکم سے کام میں لگے۔

ہستیان رو ہی ہیں خالق کی اور اس کی مخلوقات کی، مخلوقات کے حالات پر غور کرنے

سے نظر آتا ہے کہ اُن میں ہر ادنیٰ چیز اپنے سے اعلیٰ چیز کے کام آ رہی ہے، جمادات، نباتات کے

نباتات، حیوانات کے اور جمادات اور نباتات اور حیوانات میں انسان کے کام آ رہے ہیں آخر

انسان کو بھی اپنے سے کسی اعلیٰ ہستی کے کام آنا چاہیے، مخلوقات میں تو اب اس سے کوئی اعلیٰ

ہستی نہیں، تو لامحالہ اس کی تخلیق خود خالق کے لئے ہوئی ہے،

الغرض دنیا کی ساری چیزوں کی غرض و غایت بواسطہ یا بلا واسطہ انسانوں کی تقاضا و زندگی

اسیٰش ہے لیکن خود انسان کی اُس کے لئے نہیں، بلکہ خدا کے لئے ہے، جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ . (ذاریات - ۳)

اور میں نے جن اور انسان کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ میری طاعت کریں،

عقل و فہم اور ارادہ و اختیار کے لحاظ سے مخلوقات کی تین قسمیں ہیں،

۱۔ ایک وہ جو ان صفات سے یکسر محروم ہیں، آفتاب، ماہتاب، زمین، مٹی، پتھر، پھل، پھول، درخت،

۲۔ دوسری وہ جو صرف ابتدائی احساس اور علم و فہم رکھتی ہیں، لیکن قیاس و استقراء و

تمثیل اور حاضر پر غائب کو قیاس کر کے کسی نئے علم کا استخراج کرنا ان کی قدرت سے باہر ہے ان کا (ارادہ و اختیار بھی صرف ظاہری محسوس اشیا تک محدود ہے جیسے حیوانات،

۳۔ تیسری وہ مخلوق ہے جو عقل و ادراک رکھتی ہے، قیاس آرائی کرتی ہے، استقراء و تمثیل

کے ذریعہ سے استنباط کرتی ہے، جزئیات سے کلیات بناتی، اور کلیات سے جزئیات پر حکم لگاتی ہے، جزئیات سے نظریات تک پہنچتی، اور غائب کو حاضر پر قیاس کرتی ہے،

پہلی قسم کی مخلوقات سے جو حرکات اور آثار پیدا ہوتے ہیں، وہ اضطراری اور غیر ارادی

ہوتے ہیں، اور کبھی ان میں تعلق نہیں ہوتا، اسی لئے ان کو فطری آثار اور طبعی خصائص کہتے ہیں جن کا

صدر ان مخلوقات سے ہمیشہ یکساں اور بلا ارادہ ہوتا رہتا ہے، دوسری قسم کی مخلوقات سے جو آثار

و حرکات پیدا ہوتے رہتے ہیں، وہ گوارادہ اور احساس اور ابتدائی فہم کے ماتحت صادر ہوتے

ہیں، لیکن ان کے ہر فرد سے صرف ایک ہی قسم کے افعال، حرکات اور آثار یکساں طور سے ظاہر

ہوتے ہیں، اُن کے خلاف نہیں ہو سکتا، اور نہ ایک دوسرے سے کم و بیش ہو سکتا ہے، اُن کے ان
 افعال، حرکات، اور آثار کو جبلت، فطرت، اور طبیعت کہتے ہیں، اُن کے صدور میں بھی
 وہ مخلوقات اپنی فطرت اور طبیعت کے تقاضے سے مجبور ہیں، جیسے حیوانات کے افعال، اور
 اُن کے مختلف انواع کے الگ الگ نوعی کام کہ وہ ازل سے قیامت تک یکساں ایک
 ہی طرح، اور وہ بھی کسی غایت، اور انجام و رال کے پہلے سو سو پچھنے بغیر ان سے صادر
 ہوتے ہیں،

تیسری مخلوق کے بعض افعال کو طبیعت و جبلت کے مطابق ہوتے ہیں، جو دیگر مخلوقات
 کی طرح ویسے ہی بے ارادہ اور اضطراراً سرزد ہوتے ہیں، مگر اس کے اور دوسرے افعال و حرکات
 تمام تر اُس کے ارادہ، اختیار اور فہم سے صادر ہوتے ہیں، صرف یہی آخری قسم کے افعال وہ ہیں
 جن پر خیر و شر اور نیک و بد کا حکم جاری ہوتا ہے، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اُس کے تمام عاقلانہ کلام و
 یعنی، انجام، اور مال بگا، کو خیال کر کے اس کے ارادہ سے صادر ہوتے ہیں، اور ہمیں سے اس کی ذمہ داری
 کا سوال پیدا ہو جاتا ہے،

جن دالوں کے علاوہ تمام دوسری مخلوقات، خیر و شر کی ذمہ داری سے بری ہیں، جہاد
 و نہات تو اس لئے کہ ان کے افعال و حرکات تمام تر مجبورانہ، بے ارادہ، اور فکر و انجام کے بغیر
 ہوتے ہیں، یا یوں کہو کہ اُن احکام کے بموجب ہمیشہ ہوتے ہیں، جو خدا نے اُن کو اول ہی دن
 دیدیئے ہیں، حیوانات بھی اس لئے اس ذمہ داری سے بری ہیں کہ اُن کے افعال و حرکات
 بھی تمام تر جنی و طبیعی ہیں، اور وہ جبلت و طبیعت پر مجبورانہ، بے ارادہ اور انجام کے خیال کے بغیر

عالم ہیں، یا یوں کہو کہ وہ اپنے خالق کے احکام پر ہمیشہ اعتقاداً عمل پیرا ہیں، اسی طرح فرشتے بھی اس تکلیف سے سبکدوش ہیں، کیونکہ وہ بھی اپنی خلقت اور جبلت سے اطاعت پر مجبور ہیں، اور اسی لئے ان سے عصیان نہیں سرزد ہوتا، صرف ایک انسان ایسی مخلوق ہے، جو بہت سی باتوں میں ارادہ، اختیار اور علم رکھتا ہے، نیکی، بدی، اور خیر و شران دونوں پہلوؤں میں سے کسی ایک کے اختیار پر قطعی مجبور نہیں ہے، بلکہ وہ عقل و فہم سے سوچ سمجھ کر، مالِ کار، اور انجام پر غور کر کے یا اپنے جذبات کے ماتحت کوئی کام کرتا ہے، اس لئے وہی خیر و شر کے امتیاز اور حق و باطل کے فرق کے لئے پیغامِ الہی کا محتاج قرار پایا،

جمادات و نباتات، اور دیگر مخلوقات سے احکامِ الہی کی مجبوراۃ اطاعت یعنی جبلت یا

فطرت یا قاصیت کو، قرآن پاک یوں ادا کرتا ہے،

وَلِلّٰهِ سَجْدٌ مِّمَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا
فِی الْاَرْضِ مِنْ دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةِ
وَهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ یَخٰفُوْنَ رَبَّهُمْ
مِنْ فَرَقٍ هَمْدٌ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (نحل ۶) ڈر رکھتے ہیں، اور کرتے ہیں جو حکم پاتے ہیں

اسی فطری اطاعتِ الہی کا دوسرا نام فطری وحی بھی رکھ لو، جیسا کہ قرآن میں ہے،

وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلٰی النَّخْلِ اَنْ یَّخْدِ
مِنَ الْجِبَالِ بُیُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا
یَعْرَشُوْنَ لِیُؤْتِکُم مِّنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ
اور تیرے پروردگار نے شہد کی کہیوں پر وحی
بھیجی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور جہاں
چھتے اٹتے ہیں اپنا لوگھر بنائے پھر پھل سے

فَأَسْأَلُكَ سُبُلَ رَبِّكَ ذُلًّا، کھا پھرانے پڑوگا کہی راہوں پر (مقررہ احکام)

(مخل - ۹) پر اچل، مطیع ہو کر،

دیکھو اس آیت پاک میں طبعی الہام کی مجبورانہ پیروی کو اطاعتِ الہی کہا گیا ہے اور دوسری جگہ ان کی اپنے خالق اور پیدا کرنے والے کے حکم کی اسی طبعی اطاعت اور فطری تقسیم کو ان کی زبان حال کی نماز اور تسبیح فرمایا گیا ہے،

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرِ صَفَاتٍ كُلِّ قَدْرٍ

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ آسمان اور جو کوئی ہے

اور اڑتے جانور پر کھوے اس کی یاد کرتے ہیں

ہر ایک نے جان رکھی ہے اپنی طرح کی نماز

اور سب پاکی کی یاد اور خدا کو معلوم ہے جو ذکر کرتے ہیں

وَاللَّهُ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ

وَالطَّيْرِ صَفَاتٍ كُلِّ قَدْرٍ

عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ

بِمَا تَفْعَلُونَ - (نور - ۶)

لیکن انسان کو دوسرے موجودات و مخلوقات کی طرح مجبور محض نہیں پیدا کیا گیا ہے،

بلکہ جیسا کہ بتایا جا چکا، وہ احساس اور ارادہ جو حیوانات میں معدوم، نباتات میں نخلِ بحث اور

حیوانات میں متحرک ہے، وہ انسان میں پوری طرح پیدا اور کار فرما ہے، اسی طرح وہ ارادہ کی

قدرت و اختیار جو حیوانات میں معدوم، نباتات میں مفقود اور حیوانات میں محدود ہے، وہ انسان

میں ایک حد تک وسیع ہے، علاوہ ازیں ہر کام میں غایت مہی، اور آل اندیشی صرف انسان

کا خاصہ ہے اسی لئے تمام مخلوقات میں وہی ارادہ کی کلیف کا مستحق قرار پایا، اور غیر ذی ارادہ مخلوقات

کی طرح بلا نظر ارادہ اور مجبورانہ اطاعتِ الہی کے لئے نہیں بلکہ بالارادہ طاعت کیلئے اسکی تخلیق ہوئی، فرمایا:

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَلْفَيْنَهَا ظَنًّا

ہم نے اپنی امانت آسمانوں پر اور زمین پر

وَالْأَرْضِ الْجِبَالِ فَأَبْنَىٰ زَمَجَلِيهَا
پہاڑوں پر پیش کی تو انھوں نے انکار کیا،

وَأَشْفَقْنَا مِنَّا وَحَمَلْنَا الْإِنْسَانَ
دعا ہے، اس سوڈے اور انسان نے اسکو اٹھایا

یہ امانت اُس کی نیکی و پیری کی تمیز اور خیر و شر کا فرق ہے جس کے نتیجے کے طور پر شریعت الہی

کا نزول ہوا ہے، انسان کو اپنی اس امانت سے عہدہ برآ ہونے کے لئے بالارادہ اور باختیار افعال

میں بھی بے ارادہ اور بے اختیارانہ افعال کی طرح احکام الہی کی اطاعت کرنا ضروری ہے، یعنی

جس طرح بے اختیارانہ افعال میں فطرت و جبلت کی مجبورانہ اطاعت کر کے حکم الہی کی تعمیل کی

جاتی ہے، اسی طرح بالارادہ اور اختیاری افعال میں بھی شریعت کی بالارادہ اطاعت کر کے حکم الہی

کی تعمیل ضروری ہے،

اس مطلب کو دوسرے لفظوں میں یوں ادا کر سکتے ہیں، کہ غیر ارادی افعال و حرکات

میں جس طرح ہم اپنے فطری الامام و وحی کی مجبورانہ پیروی کرتے ہیں، اسی طرح ارادی افعال میں

بھی شرعی الامام و وحی کی بالارادہ پیروی کریں،

لیکن کسی کی اطاعت اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک اس کے احکام و اوامر سے ہم کو

واقفیت نہ ہو، انبیاء اور رسولؐ وہی ہیں، جن پر اللہ تعالیٰ اپنے ان احکام و اوامر کی شریعت کو

وحی کر رہی اور وہ ان ذی ارادہ بندوں کو اس سے آگاہ و باخبر کرتے، اور اسکی اطاعت کی دعوت دیتے ہیں

یذکرکہ انسان کے علاوہ تمام دیگر بے ارادہ مخلوقات خدا کی اطاعت پر مجبور اور بچپول ہوا

کسی قدر باختیار انسان کے افراد اپنے اسی تھوڑے سے اختیار ارادہ کے بل پر اپنے خالق

مکشی کرنے پر آمادہ ہیں، خود قرآن پاک کے الفاظ میں موجود ہے فرمایا،

الْوَدَّانَ اللَّهُ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي
 السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّيْءِ
 الْقَمَرِ وَالنُّجُومِ وَالْجِبَالِ وَالشَّجَرِ
 وَالْحَيَّاتِ وَكَثِيرٍ مِنَ النَّاسِ
 كَثِيرٌ حَقٌّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ (حج-۲)

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی کے آگے سر جھکتا
 ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور سورج
 اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور
 جانور اور بہت سے انسان اور بہت انسان
 ہیں جن پر عذاب ٹھہر چکا،

دیکھو کہ انسان کے علاوہ تمام دوسری بے ارادہ اور بے عقل مخلوقات کی کلی اطاعت اور
 سرانگندگی کا اعلان ہے، لیکن خاص با ارادہ اور با عقل اور انجام بین انسانوں کی دو قسمیں کر دی گئیں
 مطیع اور سرکش،

کائنات کے صحیفہ کا تدبیر کی مطالعہ کرو، تو معلوم ہو گا کہ جمادات، نباتات، حیوانات اور
 انسان میں سے جس صنفِ مخلوقات میں احساسِ ارادہ اور اختیار کی قسمی کمی ہے، اسی قدر قدرتِ اس کی
 واپہ گیری کی خدمات زیادہ انجام دیتی ہے، اور جس حد تک احساس اور اختیار کا دائرہ اصنافِ ہستی
 میں بڑھتا جاتا ہے، اسی قدر مسلمِ قدرت اپنے دائرے سے کنارہ کش ہوتا جاتا ہے، اور وہ صنفِ
 کائنات اپنی ذمہ داری آپ قبول کرتی جاتی ہے، جمادات اپنی نشوونما کے لئے بیرونی غذا
 کے محتاج نہیں، نباتات جن میں ان اوصاف کی ہستی صرف اپنی آنکھیں کھولتی ہے، ان کی غذا
 خود ان کے پانوں کے نیچے ہوتی ہے، اور وہ خود اٹ کر اور چل کر ان تک پہنچ جاتی ہے، حیوانات
 جن میں یہ اوصاف جاگ کر وٹیں بدلے ہیں، ان کی غذا بے جوتے ہوئے بے چنے نکھار دینے
 پر کام ہے، ہر قدم پر ہر وقت تیار رہتی ہے، لیکن انسان جن میں یہ تینوں اوصاف ٹھیک حکم ان اور کار فرما

ہوتے ہیں، اس کے منہ تک غذا کا ایک دانہ بھی اس وقت نہیں پہنچ سکتا، جب تک اس کی جڑ جنت اور جانفشانی کے پسینہ کا گرم قطرہ پیشانی سے چل کر اس کے پاؤں تک نہیں پہنچتا،

جہاں احساس، ارادہ اور اختیار جیسے جیسے کم ہے، اسی قدر طبیعت، فطرت اور جبلت کی اضطراری حکومت زیادہ قائم ہے، لیکن جیسے جیسے ان تینوں اوصاف کی ترقی و تکمیل ہوتی جاتی ہے، طبیعت، فطرت اور جبلت کی حکومت کا دائرہ تنگ ہو کر احساس، ارادہ اور اختیار کی شہنشاہی قائم ہوتی جاتی ہے، اور حرکات و اعمال کی باگ فطرت و جبلت کے مضبوط اور ناممکن تغیر ہاتھوں سے نکل کر اختیار و ارادہ کے کمزور اور سرآن بدل جانے والے ہاتھوں میں آجاتی ہے، جمادات ہمیشہ وہی کریں گے جو ان کو کرنا چاہیے، نباتات عموماً وہی نہیں گئے، جو ان کو بننا چاہئے؟ حیوانات وہی کام انجام دین گے، جو ان کے سپرد کر دیا گیا ہے، لیکن انسان کسی قدر اختیار اور ارادہ پا کر اکثر اپنی راہ سے ہٹ جاتا ہے، اور حدود و اعتدال سے قدم باہر نکال دیتا ہے، اور اپنے اس اختیار و ارادہ کی ذمہ داری کی امانت کو بھول جاتا ہے، انبیاء اور رسول وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس ذمی ارادہ اور اختیار مخلوق کو اس کی اس ذمہ داری کے فرائض سمجھانے کیلئے آتے ہیں، اس اختیار و ارادہ کے مرکز کا نام مذاہب کی زبان میں "دل" ہے، جو انسان کے سر سے لیکر پاؤں تک کی رگ رگ، اور ریشہ ریشہ کی ایک ایک جنبش و حرکت پر عمل کران ہے، اور اسی کے حکم سے اس جسم کے اندرونی عالم میں سب کچھ ہوتا اور سر انجام پاتا ہے، انبیاء اسی دل کے نظام کو درست کرنے کے لئے آتے ہیں،

انسان کو اپنے وجود، بقا، ترقی اور تکمیل کی ہر منزل میں قدم قدم پر ہزاروں چیزوں کی استیصال

ہوتی ہے، ان چیزوں کے مہیا اور تیار کرنے کے لئے ہر انسان میں استعداد و قوت الگ الگ ہوتی ہے اور یہ استعداد و قوت فیاض قدرت کی طرف سے پیدائش بلکہ پیدائش سے پہلے ہی آب و گل کے عالم میں اس میں ودیعت رکھی جاتی ہے، یہی سبب ہے کہ ہر انسان میں جس قسم کا میلان ہوتا ہے، اسی کی استعداد اس میں پائی جاتی ہے، اور پھر بعد کو خاص خاص فنی الہامات کے ذریعہ سے جن کو تم ایجادات اور اختراعات کہتے ہو، ہر مشیہ وراپنے متعلقہ کام کو بڑھاتا اور ترقی دیتا ہے، اور تمہاری ضرورت کے مطابق تمہارے لئے سامان فراہم کرتا ہے،

ان مادی ضروریات کے بنانے والوں کے حسب استعداد اور حسب حیثیت مختلف درجے اور مرتبے ہیں بعض ان میں سے محض مقلد ہوتے ہیں، جو وہی بنا سکتے ہیں، جو بنا کر سیکھا ہے بعض چابکدست اور ذہین ہوتے ہیں، جو اچھے کاریگروں کے صرف نمونوں کو دیکھ کر اچھی چیزیں تیار کر سکتے ہیں بعض ایسے ذہین اور فطین ہوتے ہیں کہ وہ نئی نئی چیزیں بناتے، دریافت کرتے، اور ایجاد کرتے ہیں، اور بعد کے آنے والے مدت تک ان ہی کی تقلید کرتے رہتے ہیں، کاشتکاری کے اصول ازالہ مرض کی تدبیریں، کھانے پکانے کے طریقے، سواری کے ضروریات، رہنے بہنے کے سامان، پہننے کے کپڑے، لڑنے کے آلات، ان میں سے ہر شے کی ضرورت ہے، اور ان میں ہر ضرورت کے لئے خائن فطرت نے ایک ایک گروہ کو پیدا کر دیا ہے، اور وہ اپنے اپنے کام انجام دیتا رہتا ہے، ان ضروریات کے فراہم ہو جانے سے انسان کی مادی زندگی کی تکمیل ہو جاتی ہے، اب اس کے بعد اس کی روحانی اور اخلاقی زندگی کے ضروریات کا جن کو تم اصول تمدن، طریقہ معاشرت، آئین عدل و انصاف، اخلاق حسہ اور دین و تقویٰ کے نام سے موسوم کرتے ہو، وہ شروع ہوتا ہے

اگر یہ اصول اور تعلیمات انسانوں کے سامنے نہ ہوں تو آدم کے بیٹوں کی یہ جنت ووزخ ہو جائے اور
اشرف المخلوقات کی یہ جماعت جانوروں کا گلہ اور درندوں کا غول بن جائے،

جو تمہارے لئے غلہ پیدا کرتا ہے وہ کاشتکار ہے، اور جو اوزار بناتا ہے وہ لوہا رہتا ہے جو زیور

گھڑتا ہے، وہ سونار ہے، جو تمہارے لئے کپڑے بناتا ہے، وہ بنکر ہے، جو تمہارے مکان بناتا ہے،

وہ معمار ہے، جو تمہاری حفاظت کرتا ہے، وہ سپاہی ہے، جو تمہاری نگہبانی کرتا ہے، وہ حاکم ہے،

جو تمہارے آپس کے جھگڑے چکاتا ہے، وہ قاضی ہے، جو تمہارے ملک کے اندر امن و امان کا ضامن

ہو، وہ بادشاہ ہے، جو تمہاری جسمانی بیماریوں کا معالج ہے، وہ طبیب ہے، جو اپنی مٹا دینے والی

ضرورتوں کے لئے کارگیری کی چیزیں بناتا ہے، اور صنایع ہے، اور جو تمہارے لئے مادی کمالات کے

پھرے سے اسرار کا پردہ ہٹا کر تم کو ہر چیز سے باخبر کرتا ہے وہ حکیم ہے،

اسی طرح جو برگزیدہ افراد تمہارے روحانی و اخلاقی و اجتماعی حالات کے معلم و نگران ہیں

ان کی بھی ایک جماعت ہے لیکن جس طرح تمہارے مادی ضروریات کے بنانے والوں کے حسب

استعداد اور حسب حیثیت درجے ہیں، اسی طرح ان روحانی ضروریات کے فراہم

کرنے والوں میں بھی مرتبے اور درجے ہیں، بعض وہ ہیں جو صرف اگلے روحانی معلمین کی نقل و تقلید

کرتے ہیں، یہ عام علماء ہیں، بعض وہ ہیں جو اچھے روحانی نمونوں کو دیکھ کر خود بھی ان کی عمدہ نقل

آتارتے ہیں، اور دوسروں کو بھی بتاتے ہیں، یہ مجتہدین ہیں، بعض ایسے ہیں جو الہام ربانی سے

نبیض پاکر روحانیت کے نئے نئے اصول وضع کرتے اور دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں، یہ انبیاء ہیں

ان کے مقدس ہاتھ تمہارے لئے غلہ پیدا کرنے، مکان بنانے، کپڑا بنانے، اوزار بنانے اور مٹا دینے

کے لئے نہیں، بلکہ اُن سے بدرجہا بلند تر اور بہتر کام کیلئے ہیں اُن کی مبارک انگلیاں تمہارے اُن تاروں پر پڑتی ہیں جن سے یہ صد ہا قسم کے نئے نئے نکل رہے ہیں یعنی تمہارے دل کی رگوں پر غور کرو کہ یہ اصل مرکز جس پر تمہارے تمام اعمال و افعال اور ہر قسم کے حرکات و سکنات اور ہر طرح کی جدوجہد کا مدار ہے یعنی دل "کیا انبیاء اور اُن کے متبعین کے سوا کوئی طبقہ اس کی نشرو نفاذ و حفاظت، ترقی و تکمیل، اور اصلاح کے لئے بھی کام کر رہا ہے، اور کیا خالقِ قدرت کا یہ فرض نہ تھا کہ وہ تمہاری مادی ترقی اور اصلاح کی طرح تمہاری روحانی ترقی و اصلاح کی بھی فکر کرتا، اور ایسا سمجھا کہ اُس نے اُس کی ترقی و تکمیل و اصلاح کی خدمت، نوعِ انسانی کے کسی کارکن طبقہ سے متعلق نہیں کی ہے، کیا اُس کی شانِ ربوبیت کیساتھ سو رنن نہیں ہے،

یہی وہ طبقہ ہے جو تمام متفرق اور مختلف انسانی طبقوں کو باہم جوڑ کر ایک عام انسانی سطح پر لایا ہے، وہ ان سب کو جو تمہارے لئے روٹی تیار کرتے ہیں، کپڑے بنتے ہیں، جھوپڑے بناتے ہیں، اور سامان اور اوزار درست کرتے ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ مشارکت اور معاونت اور نیکی پر آمادہ کر کے اُن میں روحانی برادری پیدا کرتے ہیں، اور مٹی سے پیدا ہونے والے ایک آدم کے بیٹوں کو جن کو دولت و غربت، سوسائٹی، اور مجلس، حکومت اور تعلیم، اور خبرانی و قومی تقسیم نے پارہ پارہ کر رکھا ہے، باہم جوڑ دیتے ہیں، اور ان تمام مصنوعی امتیازات کو مٹا کر پوری زمین کو ایک ملک، تمام اقوام عالم کو اولادِ آدم اور کل بلند و پست طبقوں کو ایک انسانی طبقہ قرار دیتے ہیں، اور اُن کے اخلاقی روحانی عالم میں اصلاح و ترقی اور امن و امان پیدا کرتے ہیں، اُن کے دلوں سے بغض و کینہ کو نکال کر اخوت و محبت کا نور بھرتے ہیں، اُن کے احساس، ارادہ اور

اختیار کی باگ پر ان کے دل کو قابو حاصل کرنے کی تدبیر تباہتے ہیں، اور ان کو اعتدال کی حد تک صحیح و غلط کی تمیز عطا کرتے ہیں،

یہی وہ انسانی طبقہ ہے جس کو ہم نبی، رسول، اور پیغمبر کہتے ہیں، ان کو گو براہِ راست جسم و جسمانیات سے تعلق نہیں ہوتا، بلکہ صرف دل اور قلب و روح کے عالم سے سروکار ہوتا ہے۔ تاہم اس دل اور قلب و روح کی اصلاح کے لئے جسم و جسمانیات کی کسی قدر اصلاح بھی اس حد تک ان کے فرائض میں داخل ہے، جہاں تک ان کو دل اور قلب و روح کے کاموں کی اصلاح میں اس کی ضرورت معلوم ہوتی ہے،

ایک شبہ اور اس کا جواب | اس مقام پر ایک شبہ یہ ہوتا ہے کہ افراد انسانی کے درمیان امن و امان اور اطمینان پیدا کرنے کا کام تو بادشاہ بھی کرتے ہیں، اخلاق کا ایک معلم بھی کرتا ہے، ایک فلسفی اور اجتماعیات کا ایک حکیم بھی کرتا ہے، مگر ان کے کاموں کے درمیان جو عظیم الشان فرق ہے اس کو سمجھ لینا ہی اس شبہ کا ازالہ ہے، علمی اصطلاح میں یوں سمجھو کہ مختلف فنون کے ماہر ایک ہی چیز پر مختلف حیثیتوں سے نظر ڈالتے ہیں، اور اسی اختلافِ نظر سے ان کا فن بھی علیحدہ علیحدہ ہو جاتا ہے، کسی جسم کے اجزائے ترکیبی سے اگر بحث کی جائے، تو کیمٹری ہی، اگر اسکی زندگی اور اسبابِ زندگی پر غور کیا جائے تو بیالوجی و علم الحیات ہے، اگر اس کے دماغی قومی اور ان کے آثار کی تحقیق کی جائے تو سائیکالوجی و علم النفس ہے، اگر اس کے جذبات اور جذبات کے مطابق اس کے شخصی افعال و اعمال کے حدود و اور ان کے اسبابِ علل اور غرض و غایت پر نظر ڈالی جائے تو یہ ایسے (فلسفہ اخلاق) ہے، اگر اس کے جماعتی خصائص اور لوازم کی تفتیش کی جائے تو یہ سوشیالوجی (علم اجتماع و معاشرت) ہے، اگر جسم کی صحت و مرض کے اسباب

کی جستجو کی جائے تو یہ طبع ہے، دیکھو کہ ایک ہی جسم متعلق جسم پر کتنی حیثیوں سے بحثیں کی گئی ہیں، اور ان سے کتنے مختلف علوم پیدا ہو گئے ہیں تاہم وہ سب کے سب جسم اور جسمانیات ہی سے متعلق اور وابستہ ہیں اور باہمیہ میں سے ہر ایک علم و فن علیحدہ اور ہر ایک علم و فن کے جاننے والے علیحدہ ہیں، اسی طرح ایک نبی اور ایک رسول کا کام بھی بادشاہوں، فلاسفوں، اور حکیموں کی طرح انسانوں ہی کی اصلاح ہے، مگر ان میں سے کسی ایک کا کام بھی دوسرے سے ملتا جلتا نہیں ہے، بادشاہ صرف اس کا ذمہ دار ہے کہ وہ اپنے زور و قوت سے بازاروں، گلیوں، آبادیوں اور میلڈون میں امن و امان اور انصاف کو قائم رکھے، فلاسفہ انسانوں کے تمام اعمال و خیالات کے اسباب و علل کی تفتیش اور ان میں نظم و تسلسل اور علت و معلول کا ربط پیدا کرنے کا کوشش ہے، فلسفہ اخلاق کے معلم تمہارے اخلاق و عادات کے اسباب و علل تم کو بتاتے اور ناقابل فہم جذبات کی تشریح کرتے ہیں اس سے آگے ان کا کوئی کام نہیں، حکیم اور واعظ تمہارے اعمال و اخلاق کی اصلاح کے لئے نہایت شیریں خوشگوار اور ڈھلے ہوئے فقرے سناتے ہیں، مگر ان میں سے کوئی نہیں جو تمہارے دلوں کا بہنما ہو، جو تمہارے احساس، ارادہ اور اختیار کے قدم کو غلط روی سے روک سکے، وہ نہ صرف تمہارے اخلاق و عادات اور جذبات کے اسباب و علل بتائے، بلکہ تمہارے اخلاق و عادات اور جذبات میں خیر و شر کی تمیز کرے، اور خیر کے حصول اور شر سے حفاظت کی تدبیر بتائے، بلکہ اس کے ساتھ اور زبان میں یہ قوت ہو کہ اپنی تعلیم و تلقین و فیضِ صحبت سے تمہارے اخلاق و عادات اور جذبات بلکہ احساس، ارادہ اور اختیار کی سرکش و غایت بلکہ پورے دل کی قوتوں میں انقلاب پیدا کر دے اور شر کے تخم کو دلوں کی سرزمین سے نکال کر خیر کا برگ و بار پیدا کر دے البتہ نبی تمام کام سر انجام دیتا ہے،

وہ انسان کو ان کے احساس، ارادہ اور اختیار کی بھولی ہوئی ذمہ داری یاد دلاتا ہے، اور ان کے توبہ کے مرکز یعنی دل کو خدا کے حکم سے درست کرتا ہے،

وہ بادشاہوں کی طرح صرف بازاروں، جمعوں، آبادیوں کا امن و اطمینان نہیں چاہتا بلکہ وہ لوگوں کے دلوں کے اندر کا امن و اطمینان چاہتا ہے، وہ معینِ اخلاق کی طرح اسبابِ عمل کی تلاش و جستجو و تشریح کی پروا نہیں کرتا، بلکہ اخلاقِ سیئہ خواہ کسی سبب سے ہوں وہ ان کی بیخ کنی کرتا ہے اور اخلاقِ حسنہ خواہ وہ کسی علت کے معلول ہوں، وہ ان کو انسانوں کے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور انسانی اوہام کے طلسم کو توڑ دیتا ہے، اور غلط رسم و رواج کی بندشوں کو کھولتا ہے اور انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے آزاد کر کے صرف خدا کی غلامی میں دیتا ہے،

يَا مَعْزِرُ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْذِرُهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُخَلِّسُهُم مِّنَ غَمِّهِمْ إِنَّهُم بِحَبْلِ غَلَقٍ إِلَى الْكَبِيرِ يُمَتُّونَ وَيُقَرِّبُونَ لِيَوْمٍ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كِبَارُ الْعُمْرِ وَلَا حَسْرَةُ يَوْمٍ يَكُونُونَ فِيهِ لَأَلَّا يَكْفُورُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاللَّهُ بِمَا عَمِلُوا قَدِيرٌ

وہ انکو بھلائی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے اور اچھائیوں کو ان کیلئے حال اور غیبی چیزوں کو حرام ٹھہراتا ہے اور ان کے اس بندھن اور بجزیرہ

وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (اعراف - ۱۹) کو جان پر ہوتی ہیں ان سے آتا ہے ایسے رسول بھیجے جنہوں کو خوشخبری دی جاوے اور کفار کو ہشیار کرتے ہیں تاکہ رسولوں کے من غطاؤں کو کھینچ کر بعد پھر انسانوں کو خدا پر الزام دینے کا موقع بنے ہم نے رسولوں کو کھلی ہدایتیں دیکر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب تباری (عدل کی) ترازو تاکہ لوگ عدل و انصاف

رُسُلًا مَّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِيَلْمُوا الَّذِينَ يَلْمُونَ رَبَّهُمْ بِحَبْلِ غَلَقٍ إِلَى الْكَبِيرِ يُمَتُّونَ وَيُقَرِّبُونَ لِيَوْمٍ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كِبَارُ الْعُمْرِ وَلَا حَسْرَةُ يَوْمٍ يَكُونُونَ فِيهِ لَأَلَّا يَكْفُورُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاللَّهُ بِمَا عَمِلُوا قَدِيرٌ (نساء - ۲۳)

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُوهَ النَّاسُ

بِالْقِسْطِ (حدید - ۳) پر قائم رہیں (اور نیا من اطمینان کی زندگی بسر کریں)

نوع انسانی کے دوسرے تمام خدام اور کارکن اپنے فرائض کو جن اغراض سے انجام دیتے ہیں، ان کا دائرہ موجودہ زندگی کی بھلائی اور بُرائی سے آگے نہیں بڑھتا، مگر انبیاء اور رسول نوع انسانی کی خدمت کے یہ کام بھی اس کی موجودہ زندگی کی بھلائی اور بُرائی کو اس لحاظ سے سامنے رکھ کر کرتے ہیں کہ ان کا اثر اس کی دوسری دائمی و پائدار زندگی پر کیا پڑے گا، وہ جسم کی خدمت جسم کے لئے نہیں، بلکہ روح کے لئے کرتے ہیں، اور مخلوق کی خدمت خالق کے منشاء کے مطابق سجالا تے ہیں، وہ صرف ایک مخلوق کو دوسرے مخلوق سے نہیں بلکہ مخلوق کو خالق سے اور خالق ہی کے لئے ایک مخلوق کو دوسرے مخلوق سے جوڑتے ہیں،

وہ صرف اچھی اچھی اور مٹھی مٹھی باتیں لوگوں کو نہیں سناتے، بلکہ خود بہتر سے بہتر عمل کرتے ہیں، اور دوسروں کو اس کا عامل بناتے ہیں، وہ خیال آرا شاعروں اور چھوٹے حکیموں کی طرح نہیں ہوتے، جو کہتے ہیں اور کرتے نہیں، دماغ ہوتے ہیں، مگر دل نہیں ہوتے، زبانیں ہوتی ہیں مگر باتیں نہیں ہوتے،

وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ أَلَمْ تَرَأَيْهُمْ فِي كُلِّ وادٍ يَهِيمُونَ وَ

اور شاعروں کے پیروکار گم کردہ راہ ہوتے ہیں تم دیکھتے نہیں کہ وہ ہر میدان میں سر مار چھرتے

أَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ (شعراء - ۱۱) ہیں، اور وہ وہ کہتے ہیں، جو کرتے نہیں

وہ اس دعویٰ کے ساتھ انسانوں میں آتے ہیں کہ ان کے خالق نے جس نے ان کے ذمہ

ذمہ کا سامانِ راحت فراہم کیا ہے، اور جو ان کے قلبِ روح کا سامانِ راحت بھی بہم پہنچا تا جو ان کو

اس لئے بھیجئے کہ انسانوں کے قلبِ روح کو اس سامان کا برتنا سکھائیں، اور ان کے رب کا پیغام ان کو سنائیں، اور بتائیں کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے اپنے احساس، اپنے ارادے اور اپنے اختیار کو اس طرح اس عالم میں صرف کریں کہ وہ پریشانی و بے اطمینانی کی تاریکی سے نکل کر سکھیں اور اطمینان اور امن و سعادت کی روشنی میں داخل ہوں،

هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَيْنَا آيَاتٍ
بَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ
إِلَى النُّورِ وَإِنَّ اللَّهَ بِكُمْ لَعَوِّدٌ
رَّحِيمٌ (حدید - ۱)

وہی خدا ہے جو اپنے رسول (بندے پر کھلی آیتیں
اُتارنا ہے کہ تم کو (اسے انسانوں) وہ تاریکی سے
نکال کر روشنی میں لائے، (اور اللہ نے ایسا
اسلئے کیا، کہ تم پر شفقت کرنے والا مہربان ہے)

انبیاء بھی ایک بادشاہ کی طرح جماعتوں کا انتظام کرتے ہیں، مگر ملک کے خراج اور زمین کی آبادی کے لئے نہیں، بلکہ خدا کے لئے وہ بھی جان و مال کی حفاظت کے لئے مقنن کی طرح قانون بناتے ہیں، اور قاضی کی طرح سزا و جزا کا حکم سناتے ہیں، مگر انعام شاہی اور تحوٰہ ماہانہ پا کر کسی دنیاوی بادشاہ کے فرمان کی تعمیل کے لئے نہیں بلکہ جسم و جان کے شہنشاہ اور کائنات کے مالک کے فرمان کی تعمیل میں، وہ بھی فلاسفر کی طرح رموز و اسرار کا پتہ وہ فاش کرتے ہیں، مگر تجربہ، استقرا اور قیاس سے نہیں، بلکہ عالم اسرار کے مہد، علم سے فیض پا کر، وہ بھی حکیم و واعظ کی طرح پرتاثر کلام کرتے ہیں، مگر ان کے مانند اپنی دل سے جوڑ کر نہیں، بلکہ خدا سے شکر، اور وہ صرف کہتے نہیں، بلکہ جو کہتے ہیں کرتے ہیں، اور جو کرتے ہیں وہ دوسروں سے کراتے ہیں، وہ خدا سے ہیں، خدا سے پاتے ہیں، اسی سے سنتے ہیں، اور وہی اور ان کو سناتے ہیں، غرض اور پر آسمان سے ان کو جو کچھ ملتا ہے وہی

نیچے زمین پر سب کو بانٹتے ہیں،

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ، مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ

وَمَا غَوَىٰ، وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ

إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ عَلَيْهِمْ

الْقُوَىٰ، ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ وَهُوَ

بِالْأُنْجُومِ الْأَعْلَىٰ..... فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ

عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ، مَا كَذَّبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ

أَفَتُمَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ.....

مَا ذَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ، لَقَدْ رَأَىٰ مَا كَفَّرُ

مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ (والنجم-۱)

قُلْ أَنعَمَ رَبِّي يَتَّبِعُ مَا يُرَىٰ إِلَىٰ مِنْ رَأْيِي

هَذَا بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى

رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ

(اعراف-۲۴)

وَإِنَّهُ لَنَزَّلُ مِنَ رَبِّ الْعَالَمِينَ نَزْلًا

بِالرُّوحِ الْأَمِينِ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ

مِنَ الْمُذَكِّرِينَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ

(شعراء-۱۱)

قسم ہے اس ستارہ کی جب وہ نیچے گر کر گھٹا

ساتھی (سپنیر) نہ بھولانا ٹھکانا اور نہ وہ نفس کی

خواہش ہی سربا ت کرتا ہے وہ تو وہ جو اسکو وحی

کے ذریعہ کہا جاتا ہے اسکو بڑی بڑی قوتوں نے

سکھایا طاقت والا، تو وہ سیدھا ہوا اور انجانا

وہ آسمان کے سب کے اوپر گزار دن میں تھا... تو اس

نے اپنی بندہ پر وحی کی جو وحی کی نہ اسکے دل نے

جو اس نے دیکھا، اسکو جھوٹ کہا کیا وہ جو کھتا

تم اس پر اس سے جھگڑتے ہو... نہ بنیائی نے

کھدی (اسے سپنیر) کہ میں تو اسی کی پیروی کرتا

ہوں جو مجھ پر میرے سب کی طرف سے وحی آتی

ہو یہ (اے انسانو!) تمہارے رب کی طرف سے

بصیرت میں ہیں اور ان کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں

یہ تو عالم کے پرورش کرنے والے کی طرف سے آتا

گیا ہے اس کو امانت الی روح نے تیرے دل پر

آتا تاکہ تو ہمیشہ کر نیوالوں میں ایک ہو نصیح

یہ ساری باتیں اس کے لئے ہیں جو اس کے لئے ہیں اور اس کے لئے ہیں

نکتہ، یہ بالکل ممکن، بلکہ واقعہ ہے کہ ایک ہی قسم کا کام مختلف لوگ مختلف غرض و نیت سے کرتے ہیں کسی قوم کی اصلاح ہی کا کام ہے کہ اس کو مختلف لوگ مختلف غرض و نیت سے کرتے ہیں، خود غرضی کے غیر مخلصانہ اغراض سے قطع نظر کر کے صرف مخلصانہ اغراض کو لو، کوئی یہ سمجھتا ہو کہ قوم کی مالی حالت کی درستی سے قوم بن سکتی ہے، کوئی اصلاح کی جڑ تعلیم کو قرار دیتا ہے، کوئی رسم و رواج و معاشرت پر زور دیتا ہے، کوئی ظاہری تمدن پر مدار رکھتا ہے، کوئی جسمانی قوت پر بھروسہ رکھتا ہے، کوئی سیاسی کامیابی کو قومی اصلاح کا مرکز ٹھہراتا ہے، لیکن انبیاء کے نزدیک یہ سب ثانوی درجہ کی باتیں ہیں، وہ اپنی بنیاد صرف قلب کی اصلاح پر رکھتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ یہی اصلی چیز ہے، اور اسی کے بدلنے سے سب کچھ بدل سکتا ہے، اُن کی غرض خدا کی اطاعت و خدا کی محبت اور خدا کی معرفت ہوتی ہے، اور تمام دوسری ترقیوں اور اصلاحوں کو وہ کیسے اسی ایک اصل کی ذریعہ اور اسی ایک جڑ کی شاخیں جانتے ہیں،

یہی سبب ہے کہ اُن کی دعوت کی کامیابی سے قوموں کو سلطنت بھی ملتی ہے، دولت بھی ملتی ہے، عالم بھی حاصل ہوتا ہے، زور اور قوت بھی پیدا ہوتی ہے، اور دنیاوی عظمت و جلال کا منظر تھا، وہ انہی کے استقبال کے لئے آگے بڑھتا ہے، مگر یہ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ سیاسی مصلحین کی طرح سلطنت، مالی مصلحین کی طرح دولت، تعلیمی مصلحین کی طرح تعلیم، علم و فن، جسمانی مصلحین کی طرح قوت و طاقت، اُن کا سچا نظر نہیں ہوتی، بلکہ جو کچھ ان کے سامنے ہوتا ہے، وہ صرف خدا کی رحمت و خدا کی محبت اور خدا کی خوشنودی ہوتی ہے، اور باقی تمام چیزیں ان کی نگاہ میں ثانوی و فرعی ہوتی ہیں، یعنی اور غیر بنی کے امتیازات | سطور بالا سے مراد ہے کہ انبیاء اور ان کے مشابہ شخصوں میں کتنا عظیم امتیاز ہے

فرق ہے یہ فرق چار چیزوں سے نمایان ہے، سبدر اور منبع کا فرق، غرض و غایت کا فرق، طرز و دعوت کا فرق، اور علم و عمل کا فرق، نبی کے علم کا سبب، منبع، ماخذ اور سرچشمہ جو کچھ کہو وہ تعلیم ربانی، شرح صدر اور وحی والہام ہوتا ہے، اور حکیم کے علم کا ماخذ و منبع، تعلیم انسانی، گذشتہ تجربہ، استقراء اور قیاس ہوتا ہے، یعنی حکیم عقل سے جانتا ہے، اور نبی خالق عقل سے اسی طرح ایک حکیم کے تمام اقوال اور جہد و جہد کا منشا، اپنی شہرت طلبی، علم کا اظہار، قوم یا ملک کی محبت کی خاطر اسکی اصلاح ہونا، مگر ایک نبی کا مقصد خدا کے حکم کا اعلان اور خالق کی رضا مندی کے لئے مخلوق کی بھلائی ہوتی ہے، طریق و دعوت کا فرق یہ ہوتا ہے، کہ حکیم اپنی دعوت کی عمارت کو تمام تر حکمتوں، مصلحتوں، اور علل و اسباب کے ستونیوں پر کھڑا کرتا ہے، مگر نبی اپنی دعوت کو زیادہ تر خالق کی اطاعت، محبت اور رضا جوئی پر قائم کرتا ہے، حکیم کہتا ہے، لیکن اس کا کرنا اس کے لئے ضروری نہیں، نبی جو کہتا ہے، وہ کرتا ہے اور اس کا کر کے دکھانا اس کے لئے ضروری ہے، وہ صرف جلوت کے منبر پر آتا نہیں ہوتا، بلکہ وہ جلوت و خلوت اور ظاہر و باطن میں یکساں حسنا سے آراستہ اور برائیوں سے پاک ہوتا ہے، دنیا میں سقراط، افلاطون، ارسطو، دیوجانیس وغیرہ ایک طرف اور براہیم، موسیٰ اور محمد دوسری طرف ہیں، اور دونوں کے سوا نوح اور سیرین اور کارنامے بالکل نمایان اور ایک دوسرے سے اس طرح ممتاز ہیں کہ ان میں ذرا التباس نہیں،

بادشاہ اپنی تلوار کے زور اور اپنی فوج و لشکر کی قوت سے رعایا کو اپنے قانون کا پابند بناتا ہے، تاکہ فتنہ، فساد رک جائے، فلاسفر اپنے دعوؤں کو صرف استدلال کی قوت اور عقل کے خطا سے ثابت کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان کی بات لوگ تسلیم کریں، لیکن پیغمبر اپنے پیروؤں کے قلب کو اس طرح

بدل دینا چاہتے ہیں کہ وہ از خود برائی کو چھوڑ کر نیکی اختیار کر لیں، وہ اگر کبھی قانون و حد و سزا کو اختیار کرتے ہیں، یا ساتھ ساتھ عقل کو بھی مخاطب کرتے ہیں تو ان کا یہ ضمنی یا ثانوی کام ہوتا ہے، اولین نہیں ان کی اولین غرض یہ ہوتی ہے کہ ان کے پیروں کو خدا کی قدرت اور اس کے حاضر و ناظر ہونے کا اتنا محکم پختہ یقین ہو جائے کہ وہ اسکے حکم اور نصیحتوں کو جو ان کے ذریعہ آتی ہیں، بے چون چڑھایم کر لیں، دنیا کے بادشاہ اور فاتح اور کشور کش اپنے زور بازو اور تلوار کی قوت سے دنیا کے طبقے الٹ دیتے ہیں، انہوں نے کبھی کبھی چار دانگ عالم پر حکمرانی کی، قوموں کی جان و مال پر اپنا قبضہ اقتدار جمایا، ان کی تلواروں کی دھاک نے آبادیوں اور جمہوں کے مجرموں کو روپوش کر دیا اور بازاروں اور راستوں میں امن و امان پیدا کر دیا، لیکن کیا انہوں نے دلوں کے طبقے بھی الٹے؟ اپنی سلطنت کے دائرہ سے باہر کسی کمزور سے کمزور انسان سے اپنے حکم کو منوا سکے؟ وہ لوگوں کے دلوں کو بھی اپنے قبضہ اقتدار میں لاسکے؟ وہ آبادیوں اور جمہوں کے روپوش مجرموں کو بھی فنا کر سکے؟ وہ دلوں کی بستیوں میں بھی امن و امان پیدا کر سکے؟ وہ روحوں کی مملکتوں کا بھی نظم و نسق قائم کر سکے؟ حکماء اور فلاسفر جو اپنی عقل رسا کے ذریعہ سے عجائبات عالم کی طلسم کشائی اور کائنات کے مخفی اسرار کے فاش کرنے کے مدعی ہیں، کیا وہ قلب و روح کے عجائبات کو بھی دریافت کر سکے؟ وہ مادے سے مادہ اسرار و رموز کو بھی حل کر سکے؟ وہ انسانوں کی اصلاح و ہدایت کا بھی کوئی سامان اپنی تحقیق و تفتیش سے فراہم کر سکے؟ ان کی دقیق نکتہ بینیوں اور خیال آرائیوں کے سچے پانے کے ذاتی حسن عمل کا بھی کوئی نمونہ ہے؟ اسطونے فلسفہ اخلاق کی بنیاد ڈالی دوسرے حکمائے اخلاق کے اسباب و علل کے حدود و ظہور، اثر، اور نتیجہ کے ایک ایک حروف کی تحقیق کی مگر کیا اس سے

کسی انسان کے دل سے برائی کا تخم دور ہوا؟ اچھائی کے بیج نے نشوونما پائی؟ اُن کے اخلاق و تعلیمات کے فلسفیانہ رموز و اسرار کا دائرہ اُن کی درسگاہوں کی چار دیواریوں سے کبھی آگے بڑھ سکا کیونکہ وہ اپنے درس کے کمروں سے نکل کر جب انسانی صحبتوں میں داخل ہوتے ہیں تو اُن کی اخلاقی زندگی اور قلبی صفائی عام انسانی افراد سے ایک سطح بھی بلند نہیں ہوتی، حکماء یونان میں سڑاٹھ سے بڑھکر کوئی نہیں، مگر کیا یہ وہی نہیں ہے جو بازار کی فاحشہ عورتوں سے ارتباہ رکھتا تھا، اُن میں ایک پیشہ ور کے فروغ اور کامیابی کے لئے کوشاں رہتا تھا، یہی یونان کے دوسرے حکماء کا حال تھا اور توحید اور خدا پرستی کا درجہ تو اس سے بدرجہا بلند ہے جس کی ان کو ہوا بھی نہیں لگی تھی، ان سطروں سے اندازہ ہوا ہو گا، کہ ہر شیرین نوا و اعطاء ہر موثر البیان خطیب اور قیصر متقن، ہر کشور کشا فاتح، اور ہر مکتہ دان حکیم اس لائق نہیں کہ نبوت رسالت کا اہم اور بلند درجہ منصب اس سے منسوب کیا جائے اس منصب کے ساتھ کچھ ایسے شروط و لوازم اور خصوصیات بھی آتی ہیں جو اس کے ضروری اجزاء اور عناصر ہیں،

۱۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اس کا تعلق پر اسرار عالم غیبی ہو، وہ غیب کی آوازیں سنتا ہو، غیب کی چیزیں دیکھتا ہو، غیب سے علم پاتا ہو، عالم ملکوت کی تائید اس کے ساتھ ہو، روح القدس اس کا مصفی و مہنوا ہو،

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو تمام بندوں میں سے اس کے لئے چنا ہوگا، وہ اس بلند منصب پر

سرفراز ہو،

۳۔ اس سے خدا کے حکم سے غیب غیب اور حیرت انگیز تصرفات صادر ہوں جن سے

اس کا مقبول بارگاہ ہونا ثابت ہو،

۴۔ فضائلِ اخلاق کے پھولوں سے اس کا دامن پھرا ہوا اور ہر قسم کے گناہ کے خشخاشوں سے پاک و صاف ہو کہ گندے ہاتھوں سے میلے کپڑے پاک و صاف نہیں ہو سکتے۔

۵۔ وہ لوگوں کو خدا اور عالمِ غیب پر یقین کی دعوت اور فضائل و اخلاق کی تعلیم دے گا۔

روزِ الست کا بھولا ہوا عہد ان کو یاد دلائے،

۶۔ نہ صرف تعلیم، بلکہ اُس میں یہ قوت ہو کہ وہ شریعوں کو نیک اور گنہگار ہونے کو راستہ بنا دے اور جو خدا سے بھاگتے ہوں ان کو پھیر کر پھر اس کے آستانہ پر لے آئے۔

۷۔ اپنے سے پہلے خدا کی طرف سے آئے ہوئے صحیح اصول کو انسانی تصرفات سے پاک و

صاف کر کے پیش کرے،

۸۔ اس کی وس و دعوت، جدوجہد اور تعلیم و تلقین سے مقصود کوئی دنیاوی مہا و ضلہ شہرت

جاہ طلبی، دولت مند می، قیام سلطنت وغیرہ نہ ہو بلکہ صرف خدا کے حکم کی سجاوڑی اور خلقِ خدا کی ہدایت،

یہ نبوت رسالت کے وہ اوصاف اور لوازم ہیں، جو دنیا کے تمام پیغمبروں میں یکساں پائے

جاتے ہیں، مذاہبِ عالم کے صحیفوں پر ایک نظر ڈالنے سے یہ حقیقت منکشف اور آشکارا ہو جاتی

ہی، خصوصاً قرآن پاک نے جو دنیا کی نبوت کا سب سے آخری اور سب سے مکمل صحیفہ ہے اور جس سے نبوت

رسالت کی حقیقت اور شرائط و لوازم کی سب سے بہتر تشریح کی ہے، سورہ انعام میں اکثر پیغمبروں

ذکر کر کے یہ حقائق ان الفاظ میں بیان کئے ہیں،

وَلَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَيُرْسِلُ الرِّسَالَاتِ بَعْدَ مَا نَزَّلَ الْحَقَّ لِيُنذِرَ لِقَوْمٍ يُكْفَرُونَ

اور یہ تھی ہماری دلیل جو ہم نے ابراہیم کو اسکی قوم کے

نَزَّوَعُ دَرَجَاتٍ مِّنْ نَّشَأٍ إِنَّ رَبَّكَ
 حَكِيمٌ عَلِيمٌ، وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ الْحَقَّ وَقِيصًا
 مِّمَّا نَشَاءُ بِنَاؤُهُ وَنُوحًا هَدَيْنَا مِن قَبْلُ
 وَمِن ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ أَيُّوبَ
 وَيُوسُفَ وَمُوسَى وَهَارُونَ كَذَلِكَ
 نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَى وَعِيسَى
 وَإِسْمَاعِيلَ كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ وَإِسْمَاعِيلَ
 وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطًا، وَخَلَقْنَا
 فَضْلًا عَلَى الْعَالَمِينَ لَوْ مِن آبَائِهِمْ
 وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَأَخْوَانِهِمْ وَاجْتَنِبُوا
 زِينَةَ بِنَاهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ
 ذَلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِمَن
 نَّشَاءُ مَن عِبَادِهِ لَوْ لَشَرُّوا كَوَالِحًا
 عَلَيْهِمْ إِنْ كَانُوا يَعْمَلُونَ وَإِلَيْكَ
 الَّتِي مِنَ الْبَيْتِ الْمَكِينِ وَالْحُكْمِ
 النَّبِيِّ فَإِنَّ يَكْفُرُ بِهَا هُوَ لَا يَفْقَهُ
 وَكَلَّمَ بِنَاهُ قَوْمًا أَلْسِنُوا بِهَا الْكُفْرَانَ

مقابلہ میں دی ہم جس کو چاہتے ہیں کئی وجہ سے بلند
 کرتے ہیں، بیشبہ تیرا بڑا دکاہ تیرا لاخیر اور
 ہم نے براہیم کو اسحق اور یعقوب بخشا اور ہر ایک کو اپنی
 دی اور نوح کو اس سے پہلے ہدایت دی تھی اور اسکی
 اولاد میں اذاد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور
 موسیٰ اور ہارون کو اور اسی طرح ہم نیکو کا دن کو بڑا
 دیتے ہیں اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور ایسا کو ہر ایک
 نیکو کاروں میں سے اور ایل اور ایسح اور یونس
 اور لوطا کو ہر ایک کو بڑا کی بخشی دنیا والوں پر انکے
 باپ دون اور بھائیوں میں اور ہم نے انکو چکر چکر
 کیا اور انکو سیدھی راہ پر چلایا، یہ نیکو کی ہدایت ہے
 اس پر جسکی چاہو چلتا ہو اگر وہ شرک کرتے تو ان کا
 سارا کیا برباد ہو جاتا ہے وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کفر
 اور حق باطل میں فیصلہ کرنا حکم، انہوں نے ہی تو انکو
 کوئی ان باتوں کا انکا کریم تو ہم نے ان باتوں ایسے
 دوسرے لوگوں کو مقرر کیا ہے جو ان کا انہیں کرتے ہی
 یہی لوگ ہیں جنکو ہم نے ہدایت دی، اسکو انہوں نے

اُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَىٰ اللَّهُ فَبِئْسَ هُودًا
 اَفْتَدَىٰ قُلُوبًا لَّا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِمْ جَزَاءً
 اُنہی کی رہنمائی کی پیروی کراد کہہ میں پرکام کی تم
 مزدوری نہیں چاہتا یہ قرآن تو دنیا و لون کو

هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ (انعام-۱۰) صیاد وہانی ہے،

ان آیتوں میں اکثر پیغمبروں کے نام لیکر ان کے پیغمبرانہ اوصاف گنا سے ہیں، اگر ہم ان کو کجا کر دین
 تو نبوت و رسالت کے عام اوصاف خصوصیات اور لوازم واضح ہو جائیں،

۱- فرمایا کہ ہم نے ابراہیم کو دلیل دی، اور ہم نے اُن کو ہدایت بخشی، جس سے معلوم ہوا کہ ان کے علم
 اور ہدایت کا سرچشمہ عالم ملکوت سے ہوتا ہے،

۲- ارشاد ہوا کہ ہم نے اُن کو سیدھی راہ پر چلایا، اور یہ سب نیکو کار تھے، اس سے ثابت ہوا
 کہ وہ معصوم اور گناہوں سے بے داغ ہوتے ہیں،

۳- یہ بھی کہا کہ ہم نے اُن کو چنگر پسند کیا اور اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں یہ ہدایت عطا
 کریں، جس سے یہ مقصود ہو کہ یہ منصب سنی و محنت سے نہیں بلکہ خدا کی مرضی اور انتخاب سے ملتا ہے،

۴- فرمایا کہ ہم نے ان کو کتاب حق و باطل کے فیصلہ کی طاقت (حکم) اور احکام غیب کی تعلیم
 (نبوت) دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس منصب و لون کو کیا چیزیں عطا ہوتی ہیں،

۵- حکم ہوا کہ اُن کی رہنمائی کی پیروی کر، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کی رہنمائی اور
 دعوت پر مامور ہوتے ہیں، اور لوگ اُن کی پیروی سے نیکو کار اور صالح بنتے ہیں،

۶- فرمایا کہ اے پیغمبر! یہ کہہ دے کہ میں اپنے کام کا کوئی معاوضہ یا بدلہ تم سے نہیں چاہتا
 تو اہل دنیا کے لئے نصیحت اور یاد دلانا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ خالق کی خوشنودی اور اس کے

ذریعہ سے مخلوق کی خیر خواہی کے علاوہ ان کا کوئی دوسرا مقصد اور مصلح نظر نہیں ہوتا،
 دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ خاص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق
 و نسبت سے ان حقیقتوں کو قرآن پاک نے کئی دفعہ بتصریح بیان کیا ہے جن میں سے چار باتیں
 سب سے زیادہ نمایاں ہیں،

۱۔ اشیاء غیب، امور خیر اور فلاح و سعادت کے اسباب پر اس کا علم خدا کی تعلیم سے کامل ہوا

۲۔ وہ اپنے علم کے مطابق اپنے عمل میں کامل اور راستباز ہوا

۳۔ وہ دوسروں کو ان امور کی تعلیم دیتا ہوا

۴۔ اور ان کو اپنی تعلیم اور صحبت کے فیض سے حساب استعداد کامل بناتا ہوا

قرآن پاک میں متعدد موقعوں پر آپ کی نسبت یہ فرمایا گیا،

يَتْلُو عَلَيْنَا مِثْمَهِ وَيُزَكِّيهِمْ
 وہ رسول ان پڑھوں کو خدا کی باتیں سناتا

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ
 اور ان کو پاک و صاف بناتا، اور ان کو

(بقرہ و جمعہ - ۱) کتاب و حکمت سکھاتا ہے،

اس مختصر سی آیت میں ان چاروں مذکورہ بالا امور کا یکجا ذکر کیا ہے، جاہلون کو آیات الہی

پڑھانے اور کتاب و حکمت سکھانے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ خود اس کو آیات الہی پڑھائی اور کتاب

و حکمت سکھائی گئی ہوں اور دوسروں کو پاک و صاف بنانے کے لئے ضروری ہے کہ وہ خود پاک

و صاف ہو کہ ایک جاہل اپنے ہی جیسے دوسرے جاہل کو عالم اور ایک ناپاک اپنے ہی جیسے دوسرے

ناپاک کو پاک نہیں بنا سکتا، ایک دوسری آیت میں ہے،

سَنَفَرْتُكَ فَلَا تَنْسَى الْإِمَاءَ مَا شَاءَ
 اللَّهُ إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَى
 وَيَسِّرْ لَكَ لِلْيُسْرَى، قَدْ كَرِهَ
 النَّبِيُّ الذِّكْرَ سَيِّئًا كَرِهَتْ
 وَيَجْتَنِبُ الْإِسْفَى، (اعلیٰ)

ہم تجھے پڑھائیں گے تو تو نہیں بھولنا کہ جو
 اللہ چاہے وہ جانتا ہے چار اور چھپا، اور ہم تجھے
 آہستہ آہستہ آسانی تک پہنچائیں گے اور تو سمجھا
 اگر تیرا سمجھنا فائدہ دے جس کو خدا کا لحاظ
 ہوگا، وہ سمجھے گا اور جو بد بخت ہوگا وہ نہ

ایسا پڑھانا جس میں بھول نہ ہو، پیغمبر کی روحانی تعلیم ہی اور آسانی کی منزل کی طرف اس کو
 آہستہ آہستہ لے چلنا، اور اس کے لئے اس کٹھن منزل کو آسان کر دینا، اس کے ذاتی عمل کو کمال
 کے درجہ تک اس طرح پہنچا دینا ہے کہ تمام امور خیر اس سے بسہولت از خود صادر ہوتے ہیں
 پھر اس کو دنیا کے سمجھانے پر مامور کرنا، اس رمز کو آشکارا کرنا ہے کہ دوسروں کی تعلیم و تذکیر کا منصب
 اس کو ملا ہے اس کے بعد یہ فرمانا کہ متقی اس نصیحت سے فیض پائیں گے، اور بد بخت محروم رہیں گے
 اس کی تشریح یہ ہے کہ ناقصوں کی تکمیل اور ذی استعداد لوگوں کو ان کی استعداد کے مطابق پہنچانا بھی
 اس کا فرض ہے،

نبوت کے لوازم اور خصوصیات | نبوت کی شرح حقیقت اور اس کے لوازم اور خصوصیات
 کے اجمالی بیان کے بعد ضرورت ہو کہ نبوت کے چند اہم خصوصیات پر تفصیل سے گفتگو کی جائے تاکہ
 وقت کی بہت سی غلط فہمیوں کا سدباب ہو، لیکن ان خصوصیات کے ذکر سے پہلے خود ہم کو خصوصیات
 کو سمجھنا ہی کہ اس سے مقصود کیا ہے،

۱۔ یہ تشریح اور طریقہ استدلال امام رازی نے اپنی تفسیر اور بعض کتب کلامیہ میں اختیار کیا ہے،

دنیا میں ہر نوع اور ہر نوع کے ماتحت ہر صنف میں کچھ نہ کچھ مخصوص صفات ہوتی ہیں یہ
مخصوص صفات اس نوع اور صنف کے ہر فرد میں یکساں پائی جاتی ہیں ان ہی کو ہم لازم اور خصوصیات
کہتے ہیں پھل، پھول، چوپائے، پرندے، انسان، تمام انواع میں کچھ نہ کچھ ایسی خصوصیات ہیں جو
دوسروں میں نہیں پائی جاتیں، اور ان ہی خصوصیات کی بنا پر ہر نوع دوسری نوع سے ممتاز اور
ہر صنف دوسری صنف سے علیحدہ ہے، گلاب میں خاص قسم کا رنگ، خاص قسم کی خوشبو، اور خاص قسم
کے پتے ہوتے ہیں، ایسا ممکن ہے، کہ کوئی گلاب ہو اور اس میں یہ چیزیں نہ پائی جائیں، لیکن گلاب
کی بھی مختلف صنفیں ہیں، اور ان میں سے ہر ایک میں کچھ ایسی لازمی صفات ہوتی ہیں جن سے گلاب
کی ہر صنف (قسم) دوسری صنف (قسم) سے علانیہ الگ نظر آتی ہے،
اسی طرح انسانیت کے کچھ خاص لوازم ہیں، ادویات، ادویات، ادویات، ادویات، ادویات، ادویات، ادویات، ادویات،
طاقت، سمجھ بوجھ اور غور و فکر کی اہلیت، ایجاد و اختراع کی قوت، انجام نبی، اور مال اندیشی کی
صلاحیت وغیرہ اس کے خواص ہیں، اور جس طرح شہد میں مٹھاس خنظل میں کڑوا پن، آگ میں گرمی
اور برسن میں ٹھنڈک، نوعی خواص کی حیثیت سے خود بخود پیدا ہو گئی ہیں، اسی طرح انسان میں انسانیت
کی مذکورہ بالا خاصیتیں فطرۃً و ولایت میں ہیں، لیکن اس وصف انسانیت میں اشتراک کے ساتھ گلاب کے
اصناف کی طرح نوع انسانیت بھی مختلف اصناف میں، جیسے ہندی، چینی، ہسپانی، اردنی
ایشیائی یورپین، دیکھو کہ ان میں سے ہر ایک صنف میں انسانیت کے اشتراک کے باوجود قدر و
قامت، چہرہ لہرہ، رنگ و روغن، صورت و شکل، اخلاق و عادات وغیرہ بیسیوں چیزوں کا
نمایان امتیاز ہوتا ہے، اور یہ تمام انسانی اصناف جو مختلف آہ ہوا، مختلف مزد و بوم، مختلف

نسل اور مختلف ماحول سے تعلق رکھتے ہیں، انسان ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے
صریحاً ممتاز ہیں،

اسی طرح ہر صنفِ انسانی کے اندر مختلف افراد ہیں، خلاق فطرت نے ان میں سے
ہر ایک کو مختلف قابلیتیں عطا کی ہیں، شاعری، زبانِ ذہنی، فلسفہ، ریاضی، صنّاعی، باغبانی، مہارتی
پہلوئی، سیکڑوں مختلف قسم کی انسانی استعدادیں اور قابلیتیں ہیں، ان میں سے ہر صنف کی اور
ہر صنف میں سے ہر ایک فرد کی قابلیت و استعداد کی خصوصیتیں دوسرے سے الگ ہیں، ایک
تخیل پسند شاعر، اور ایک حقیقت شناس ریاضی دان میں عظیم الشان فرق ہوتا ہے، ادب و
نثر کے خیالی بلند پرواز، عموماً ماہِ ریاضیات جیسے ٹھوس اور واقعی علوم سے کورے ہوتے ہیں،
اور واقعات سے بہرہ ور ریاضیات کے جاننے والے، ادبِ شاعری سے بیگانہ، پہلوئی کے جوہر
باغبانی سے الگ ہیں، اور ایک صنّاع کی طبیعت ایک فلسفی سے متضاد ہوتی ہے،

اسی کے ساتھ صنفِ شعرا میں خاص دماغی قابلیت کا اتحاد ہوتا ہے، نظم کی قوت تخیل
کی بلندی، محاکات کی قدرت، الفاظ کا زور، مہمانی کا جوش، یہ تمام شعرا کی مخصوص صفات
ہیں، اسی طرح تمام فلسفیوں کی ایک خاص دماغی کیفیت ہوتی ہے، خاموشی، غور و فکر و
خارجی عالم سے بے پروائی، تصور میں انہماک، خلوت گزینی، اخلاق کی خشکی، انگریزوں، مزدوروں
اور اب و ہوا کے اختلاف کی بنا پر جو اصنافِ انسانی پیدا ہوتے ہیں، اور ان میں جو اختلافات
تیار ہوتے ہیں، اسی طرح دماغی و ذہنی و روحانی اختلافات و استعداد کی بنا پر جو اصنافِ انسانی پیدا
ہوتے ہیں، ان میں بھی یہ اختلافات و امتیاز نظر آتا ہے، انسانی تہذیب و تمدن کے دو میں آبادی کو

دیرانہ، اور دیرانہ کو آبادی، پہاڑ کو میدان اور میدان کو پہاڑ بنا سکتے تھے، مگر وہ بٹھیکر فلسفہ اخلاق پر چند صفحے نہیں لکھ سکتے تھے، افلاطون نہائی میں بٹھیکر جمہوریت کا فلسفیانہ خاکہ تیار کر سکتا تھا مگر ایچمنز کے تخت پر بٹھیکر ایک لمحہ حکمرانی کا فرض انجام نہیں دے سکتا تھا، سلطان محمود کے دربار کی شاعر فردوسی نے اپنی طبیعت کے زور سے سبکدوڑوں خیالی سومات کے معرکے فتح کئے، لیکن پھر کی ایک چٹان پر بھی کھجور می نہ مار سکا، اس کے برخلاف سلطان محمود فوجوں کے دل بادل کے ساتھ پہاڑوں کو چیرتا، دریاؤں کو پھاڑتا، اور ریگستانوں میں پانی بہاتا ہوا غزنی سے چل کر خجرات کے کنارے تک پہنچ گیا، اور سومات کے سنگی قلعہ اور مجسمہ کو چکنا چور کر ڈالا، مگر فردوسی کی طرح تنہا بٹھیکر وہ خیالی شاہنامہ کا ایک معرکہ بھی فتح نہیں کر سکتا تھا،

ان مثالوں سے یہ ثابت ہو کہ نوع انسانی میں اشتراک ہونے کے باوجود اصناف انسانی کی ہزاروں قسمیں ہیں، اور ان میں سے ہر قسم و صنف کے الگ الگ خصوصیات، صفات اور لوازم ہیں، ان ہی مختلف اصناف انسانی میں انبیاء علیہم السلام کی بھی ایک صنف ہے، اور نوع انسانی کی اس مقدس صنف کے بھی چند خاص اوصاف خصوصیات اور لوازم ہیں، جو ان کو دوسرے اصناف انسانی سے علانیہ ممتاز بناتے ہیں،

اس تمہید کے بعد اب ہم کو اس مسئلہ کی طرف توجہ کرنی چاہیے کہ نبوت و رسالت کے اہم لوازم اور خصوصیات کیا ہیں،

دوسری استعداد | ان میں سے سب سے پہلی چیز وہی استعداد ہے، اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ مختلف انسانوں میں مختلف قسم کی فطری استعدادیں پائی جاتی ہیں، اور ان ہی کی طرف ان کا طبعی

میلان ہوتا ہے، اور جیسے جیسے وہ آگے بڑھتے جاتے ہیں، ان کی استعداد اور میلان طبع کا جو سربراہ
 و بار پیدا کرنے لگتا ہے، میان تک کہ ایک خاص مقررہ مدت میں جا کر وہ پوری طرح ظاہر ہو جاتا ہے
 جس طرح ہر درخت سے آم کا پھل پیدا نہیں ہو سکتا، بلکہ اسی سے ہو گا، جس کو خدا نے آم کا درخت
 بنایا ہے، اچھا آم کے درخت کے آثار، خواص، پھل، اُس کا مزہ، اُس کا رنگ و بو غرض جہ خصوصیات
 خود اس درخت میں اسی وقت موجود ہوتے ہیں، جب وہ ہنوز تخم کی صورت میں ہوتا ہے وہی
 تخم پودا بنتا ہے، پودا بڑھتا ہے کونپل اور شاخیں پیدا کرتا ہے، اور چند سال میں پھل دینے لگتا ہے
 لیکن اپنی ترقی کے ہر دور میں وہ اپنے مخفی خصوصیات وہی رکھتا ہے، جو ایک دن اس سے
 آخر میں ظاہر ہونے والے ہیں، اور اس پھل کی صفت ہمیشہ اُس میں بالقوۃ موجود تھی،

اسی تئیل کے مطابق یہ سمجنا چاہیے کہ ہر انسان کوشش سے نبی نہیں ہو سکتا، بلکہ وہی ہو سکتا
 ہے جس کو خدا نے نبی بنایا ہے، اور نبوت کے یہ آثار، خواص، اور کیفیات اس میں بالقوۃ اور استعداد
 کی صورت میں اسی وقت سے موجود رہتے ہیں، جب وہ ہنوز آب و گل کے عالم میں ہوتا ہو، شاہ
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا کہ میں اسی وقت نبی تھا، جب آدم ہنوز آب و گل میں
 اسی قسم کا مطلب ہو گا،

انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ جب سے عرصہ وجود
 میں قدم رکھتے ہیں، اسی زمانہ سے آنے والے وقت اور ملنے والے منصب کے آثار ان سے ظاہر
 ہونے لگتے ہیں، وہ حسب نسب و سیرت و صورت میں ممتاز ہوتے ہیں، شرک و کفر کے

۱۔ جامع ترمذی مناقب نبوی و متدرک حاکم مناقب محمدی ج دوم ص ۱۰۰ حیدرآباد۔

ماحول میں ہونے کے باوجود اس کی گزری سے بچائے جاتے ہیں، اخلاقِ حسنہ سے آراستہ ہوتے
 ہیں، ان کی دیانت، امانت، سچائی، راست گفتاری مسلم ہوتی ہے، اور یہ تمہیدیں اس لئے
 ہوتی ہیں تاکہ منصب ملنے کے بعد ان کے دعوے نبوت کی تصدیق، اور لوگوں کے میلانِ ^{فاطر}
 کا سامان پہلے ہی سے موجود رہے، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت
 یوسفؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت یحییٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، اور حضرت محمد رسول اللہ
 صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَیْہِمْ وَاٰلِہٖمْ وَسَلَّمَ کے حالات و واقعات قبل نبوت پڑھو، تو ہمارے اس دعویٰ
 کی سچائی تم کو نظر آئے گی، حضرت ابراہیمؑ کا نبوت پانے کے پہلے ہی سے آسمان وزمین کے خالق کی
 تلاش، سوچ، چاند، اور ستاروں پر متفکرانہ نظر اور بت پرستی کے خلاف نفرت کا شدید جذبہ کس
 بات کی شہادت ہو؟ حضرت اسماعیلؑ کا بے آب و گیاہ میدان میں پرورش پانا، چاند زمر کا ٹھونڈ
 آنے جانے والے قافلوں کا اسکی آبادی کی طرف میلان چنے پھرنے کے قابل ہوتی تو مقدس باپ
 کے ساتھ مقدس سفر کے لئے تیاری، اور اس کسنی میں باپ کے خواب کو عملی جامہ پہنانے کے لئے
 پوری آمادگی، اور صبر و شکر اور تسلیم و رضا کا اظہار اس مستقبل کی خبر دیتا ہے؟ حضرت اسحقؑ کا رستوں
 کی بشارت سے پیدا ہونا اور پیدائش سے پہلے ہی عَلَیْہِ سَلَامٌ (حجرہ ۴۴) کا خطاب پانا، پھر مقدس
 باپ کی جانشینی اور اورشلیم کی مسجد کی پاسبانی کے لئے انتخاب کس مقصود کا وسیلہ ہے؟
 حضرت یوسفؑ کا بچپن میں دیوے صاف دہ، اور صبر و شکر، اور پاکدامنی کس بات کی گواہی
 دیتی ہے؟ حضرت موسیٰؑ کی عینِ خطرہ میں پیدائش، حفاظت، پرورش، اور نبوت سے پہلے ہی
 فرعونوں سے تنہا، مجاہدانہ آویزش، کس مبتدا کی خبر ہے؟ حضرت سلیمانؑ کا آغاز عمر میں علم و حکم

فصلِ مقدمات کی قوت کس نتیجہ کے آثار ہیں؟ حضرت یحییٰ کی دعائیہ پیدائش بچپن ہی میں انکی
 نیکی سعادتمندی، نرم خوئی، پاکی، کس مقصد کی تمہید ہے؟ حضرت عیسیٰ کی پیدائش اور بچپن ہی میں
 نیکی، سلامت روی، اقرآء کی حقیقت ہی کس روز روشن کی صبح ہے، اور خود محمد رسول اللہ
 ﷺ کے لئے دعائے طلیل، نوید مسیحا، روپائے آمنہ، اور احوال ولادت و تربیت
 ہر اہم شرک سے اجتناب، اخلاقِ حسنہ، دیانت، امانت، آثارِ خیر و برکت، نبوت سے پہلے
 ہی تہذیبی پسندی، خلوت گزینی، حقیقت کی تلاش اور غور و فکر کس خوردشید جہانناک کا مطلع انوار ہے؟

حضرت اسماعیلؑ کا یہ حال ہے

فَبَشِّرْهُ بِبُرِّ ذُلٍّ حَلِيمٍ فَلَمَّا بَلَغَ
 مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَبْنَؤُا اِلَى اِرَاى فِى
 الْمَنَاوِاى اِذْ يَجُكُّ فَاَنْظُرْ مَا ذَا نَجَّوِاى
 قَالَ يَا بَتِ اَفْعَلْ مَا تَوْمُرُ سَجِدْ لِي
 اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ (صفت)

تو ہم نے ابراہیم کو ایک بڑا بار لڑاکے کی خوشخبری
 دی تو جب وہ اس کے ساتھ دوڑنے کی عمر کو پہنچا
 تو اس نے کہا کہ اے میری بیٹی! میں خواتین
 دیکھتا ہوں کہ تجھ کو میں ذبح کر رہا ہوں اس نے
 جواب دیا اے میری باپ! کر ڈال جو تجھے کہتا

وہ تجھ سے زیادہ صبر کرنے والا ہے

حضرت موسیٰؑ کو یہ خطاب ہے،

وَلَقَدْ مَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اٰخَرٰى
 اِذْ اَوْحَيْنَا اِلَى امَّتِكَ مَا يُوْحٰى
 (طہ - ۲)

اور ہم نے تجھ پر دوسری دفعہ احسان کیا جب
 (تیری حفاظت اور پرورش کے متعلق) تیری
 ماں کے دل میں وہ بات ڈال دی جو ڈالی گئی

حضرت یحییٰ کی نسبت یہ ارشاد ہے،

یٰحٰی خٰذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۗ وَاٰتٰیْنٰهُ الْحٰکِمَ صَبِيًّا ۗ وَحٰنٰمًا مِّنْ لَّدُنَّا وَرٰکُوْنًا ۗ وَكَانَ تَقِيًّا ۗ وَوَبَّرٰ بِوَالِدَيْهِ ۗ وَلَوْ كُنَّ جَبٰرًا عَصِيًّا ۗ وَسَلٰمٌ عَلَیْهِ یَوْمَ وُلِدَ ۗ (ماریچہ)

اے محمدی کتاب (تورہ) کو مضبوطی سے پکڑو اور ہم نے اسکو فیصلہ کرتے کی قوت پہنچا دی اور اپنے پاس سوجم دھر اور سحرانی اور تھا پیر کا اور اپنے مان باپ کا فرزند تھا، نہ بردستی کرنا والا، نافرمان نہ تھا سلامتی ہو اس چہرے کے

یہ حضرت عیسیٰ کے متعلق ہے،

کَیْفَ نَكَلِمُوْۤمِنْ کَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِيًّا ۗ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اِنِّیْ الْکَلْبُ وَجَعَلَنِیْ نَبِيًّا ۗ وَجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا ۗ اِنَّمَا کُنْتُ ۗ (ماریچہ-۲)

ہم کیسے اس بات کریں جو منور گوارہ میں بچہ ہی عیسیٰ نے کہا میں خدا کا بندہ ہوں، مجھے کتاب الہی دی، اور مجھے نبی ٹھہرایا اور مبارک بنایا، میں جہان ہوں

ادد کے والا میں نبوت کے پہلے کی اپنی پوری زندگی، موقع شہادت میں بے خطر پیش کر دیتا ہے۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْکُمْ عُمْرًا مِّنْ قَبْلِہٖ ۗ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۗ (یونس-۲)

تو اس پیغمبری کے دعویٰ سے پہلے میں تم میں ایک عمر گزار چکا ہوں کیا تم نہیں سمجھتے

انبیاء علیہم السلام کے احوال مبارک کے یہ جزئیات، باہم مل کر اپنی نسبت خود کلیہ بنا کر پیش کرتے ہیں۔

نبی علم نبوت کا دوسرا سبب اہم خاصہ اس کا نبی علم ہے، نبی وہ علم جو عام انسانوں کی طرح

وجدان احساس یا عقل و قیاس سے نہیں بلکہ براہ راست خدا کے غیبی پیار ویسے صادق و قریب شکر
کے ذریعہ سے خدا کے پاک سے حاصل ہوتا ہے، اسی کے آغاز سے نبوت کی استعداد بالقوت کا
مکمل طور پر شروع ہو جاتا ہے، اس مسئلہ کو پوری طرح سمجھنے کے لئے کسی قدر تفصیل کی ضرورت ہی
علم انسانی کے ماخذ | علم انسانی کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو بلا واسطہ ہوتا ہے، اور دوسرا وہ جو کسی
واسطہ سے حاصل ہوتا ہے، بے واسطہ علم کی بھی تین قسمیں ہیں،

۱۔ وجدان، انسان کو اپنے جسمانی وجود اور اس جسمانی وجود کے اندرونی کیفیت
کا علم سب سے زیادہ یقینی طور سے ہوتا ہے، ہر شخص کو اپنے وجود کا یقین ہے، اور اس کے
اندر بھوک، پیاس، بیماری، صحت، غم، خوشی، خوف وغیرہ اندرونی تغیرات کا علم اس کو بلا واسطہ
از خود ہو جاتا ہے،

۲۔ فطرت اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ ہر نوع مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف
سے کچھ ایسی نوعی خصوصیتیں عطا ہوتی ہیں، جو دوسری نوعوں میں نہیں پائی جاتیں، اور انہی سے ہر نوع
نوعوں کا اختلاف اور امتیاز ظاہر ہوتا ہے، ان نوعی خصوصیتوں کا علم ہر نوع کے افراد کو بلا کسی
ذریعہ اور واسطہ کے از خود ہوتا ہے، اور اسی کو بعض علماء کی اصطلاح میں فطری یا نوعی الہام اور اہل
فلسفہ کی اصطلاح میں "حجبت" کہتے ہیں، حیوانات کو اپنے متعلق بہت سی باتوں کا علم از خود فطرۃً ہی
ہے، پرندوں کے بچوں کو دانہ چلنا، اور اڑنا کون سکھاتا ہے، آبی جانوروں کو تیرنے کی تعلیم کون دیتا
ہے، شیر کے بچے کو زندگی کا سبق کس معلم نے پڑھایا، انسان کے بچے کو پیدا ہوتے ہی رونا، سنا، اور
پینا کون سکھاتا ہے،

۳۔ بدہمت اولیہ انسان کو کچھ پوش و تیز آنے کے بعد بلا دلیل بعض ایسی باتیں کہ خود بیاہونی قابل اس طرح معلوم ہو جاتی ہیں کہ ان میں پھر کسی قسم کا شک و شبہ نہ رہتا ہے اور وہ چار ہوتے ہیں، برابر کا برابر ہوتا ہے، ایک ہی وقت میں ایک ہی چیز سیاہ و سپید ہو سکتی ہے، ہر نئی ہوتی چیز کا کوئی بنانے والا ہوتا ہے، وغیرہ بہت سے ایسے ضروری مقدمات اور کلیات جن پر انسان کے استدلال کا تہ متبردار ہے، اس کو بدہمت معلوم ہو جاتے ہیں، یہ تو بلا واسطہ علم کی تین قسمیں تھیں، اس کے بعد علم انسانی کی وہ قسمیں ہیں جن کا علم اس کو کسی واسطہ سے ہوتا ہے، انسان کے پاس اس قسم کے دو واسطے ہیں، ایک احساس اور دوسرا عقل، پہلے سے وہ گرد و پیش کی مادی چیزوں کا اور دوسرے سے ان مادی چیزوں کا جو سامنے موجود نہیں، یا سرے سے خارج میں موجود نہیں، بلکہ عالم غیب میں ہیں، یا صرف ذہن میں ہیں علم حاصل کرتا ہے،

۴۔ انسان کے جسم کے اندر پانچ قسم کی جسمانی قوتیں ہیں، باصرہ، سامعہ، شامعہ، لامعہ، باصرہ دیکھتی، سامعہ سنتی، شامعہ سونگھتی، ذائقہ چکھتی، اور لامعہ چھوتی ہے، ان ہی کا نام جو اس قسم سے ہے، انسان کے پاس یہی پانچ آلات ہیں، جن کے ذریعہ سے وہ ان مادی چیزوں کے متعلق علم حاصل کرتا ہے، جو اس کے ان آلات سے اگر ٹکراتی ہیں، اسی کا نام احساس ہے، جسم چھو کر مزہ پاتے، سن کر آواز پہنچاتے، دیکھ کر صورت جانتے، چھو کر سختی و نرمی دریافت کرتے، اور سونگھ کر بو معلوم کرتے ہیں، ان جو اس کے ذریعہ سے بھی جو علم ہم کو ہوتا ہے، وہ اکثر یقینی اور شاذ و نادر غلط بھی ہوتا ہے، کیونکہ وہ کبھی کبھی کسی سبب سے دھوکا بھی کھانے میں، اور دریافت میں غلطی بھی کرتے ہیں،

اور دلائل سے ان کا یہ دھوکا اور ان کی غلطی ثابت ہوتی ہے، بیماری میں قوت ذائقہ بدل گئی ہے اور اس نے میٹھے کو کڑوا بتایا ہے، تیز حرکت میں قوت باصرہ نے ہم کو دھوکا دیا ہے، ریل میں ہم کو کتا اور ٹھہری ہوئی چیز چلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے، چلتے ہوئے جہاز میں جہاز ہم کو ٹھہرا ہوا معلوم ہوتا ہے، متحرک چنگاری کا نقطہ تیز سیدھی حرکت میں ہم کو آتشیں خطا اور گول حرکت میں آتشیں اُترہ معلوم ہوتا ہے آسمان کے چمکتے ہوئے بڑے بڑے ستارے کتنے چھوٹے معلوم ہوتے ہیں، لیکن کیا درحقیقت وہ ایسے ہی چھوٹے ہیں،

۵۔ علم بالواسطہ کی دوسری قسم وہ ہے جس کو ہم اپنی عقل و قیاس، غور و فکر اور استدلال کے ذریعہ سے حاصل کرتے ہیں، اس کی بنیاد و حقیقت ان ہی معلومات پر ہوتی ہے جن کا علم ہم کو اپنے وجدان، الہام فطری (یا جبلت) بہ آہستہ اولیہ اور احساس سے پہلے ہو چکا ہے، اور ان ہی معلوم شدہ

امور پر غیر معلوم امور کو تمثیل یا استقراء کے ذریعہ سے قیاس کر کے ان معلوم شدہ امور کے خصوصیات اور آثار کا حکم ان غیر معلوم لیکن مشابہ و مماثل امور پر لگا کر نیا نتیجہ حاصل کرتے ہیں، وہ غیر معلوم امر جس پر معلوم امور کے ذریعہ ہم کوئی علم لگاتے ہیں، اگر مادی ہوتا ہے، تو نتیجہ چندان غیر مشکوک نہیں ہوتا، سوائے اس کے کہ جزئیات کا استقراء پرانہ کیا گیا ہو، یا تمثیل تام نہ ہو، یا تجربہ مشابہہ نے دھوکا دیا ہو، یا کوئی اور ماحولی غلطی ہو گئی ہو، طبیعات اور سائنس کے مسائل اکثر ایسی طرح معلوم کئے گئے ہیں، لیکن اگر وہ امر معمول غیر مادی ہے، تو مادی امور پر اس غیر مادی کو قیاس کر کے اس کی نسبت جو کچھ کہا جائے گا، اس کا مرتب بن و تہنن سے آگے نہیں بڑھتا، مگر یہ کہ وہ تاہتر

فطریات و بدہیات و محسوسات پر طمانیہ منتہی ہو، مابعد الطبیعیہ اور فلسفہ الہیات کے مسائل
 اسی طریقہ استدلال سے جا مل جاتے ہیں، اور اسی لئے ان میں اختلافات کی بڑی گنجائش نکلتی ہے کہ
 ان کے آخری نتیجہ اور ابتدائی بنیادی وجدانی یا بدہی یا حسی مقدمات کے درمیان قیاسات کی کئی
 منزلیں ہیں، اور ان میں سے ہر منزل خطروں سے بھرپور ہے، مشابہت و مماثلت میں دھوکا ہو
 ہی عقلی اور وجدانی اور حسی اشیاء کے خواص کے درمیان اختلاف اور فرق ہو سکتا ہے، غور و فکر کا
 و نظر تحقیق و جستجو اور ترتیب مقدمات جو اس قیاس عقلی کے کارکن اور عامل ہیں، وہ اپنے کام
 میں دھوکا کھا سکتے ہیں، اسی لئے یہ علوم شکوک و شبہات سے بھرپور ہیں،

ذرائع علم کے حصول کے زمانے
 اور ان کے مراتب

سطور بالا سے جو یہاں ہے کہ ہمارے سب سے زیادہ یقینی علوم ہمارے
 وجدانیات اور فطریات ہیں جو ہم کو قدرت کی طرف سے

سب سے پہلے عنایت ہوتے ہیں کہ ہمارے وجود کی بقا اس علم پر موقوف ہے، جیسے بھوک اور پیاس
 کا احساس اور اس علم کا غیبی ہونا بھی ضروری ہے، ورنہ ہم اپنا وجود قائم نہ رکھ سکیں گے، ہم کو
 جو بھوک یا پیاس لگتی ہے، کیا اس کے یقینی اور قطعی علم میں ہم سے غلطی ہو سکتی ہے، اور کیا کسی کے شک و
 سے ممکن ہے کہ تم کو بھوک نہ ہو ممکن ہے کہ تم کو پیاس نہ ہو کبھی بھوک کے یا پیاس کو اپنی بھوک اور پیاس
 متعلق شک ہو سکتا ہے اور یہ احساس اور علم وجود کے ساتھ ساتھ انسان کو ملتا ہے یہاں تک کہ آج
 کا پلید شدہ بچہ بھی اس کا احساس کرتا، اور علم رکھتا ہے، ورنہ وہ اپنے وجود کو قائم نہ رکھ سکے،
 وجدانیات و فطریات کے بعد محسوسات کا علم انسان کو ملتا ہے دیکھنا، سنا، چکھنا، سونگھنا
 چھونا یہ ہمارے پانچ حواس ہیں، جو ہمارے مادی علم کے آلات ہیں، اور جن کے بغیر کوئی باہر کا علم

ہمارے اندر نہیں آسکتا یہ احساسات بھی ایک ہی دفعہ نہیں کمال پا جاتے، بلکہ ضرورت کے مطابق حسب استعداد ملنے اور ترقی پاتے ہیں، اور پیدائش کے چند ماہ بعد یہ تکمیل کو پہنچتے ہیں، کیونکہ وجود کی بقا اور ضروریات کی تکمیل ابھی سے ان پر ذمہ زنتہ موقوف ہوتی جاتی ہے،

محسوسات کے بعد پرہیاتِ اولیہ کا درجہ آتا ہے، انسان کو اپنے اس علم میں بھی وہی اذعان و قطعیت ہوتی ہے، دو دو چار ہوتے ہیں، دس پانچ کا دو ٹا ہے، ایک چیز ایک ہی وقت میں دو جگہ نہیں ہو سکتی، ایک چیز ایک ہی وقت میں سیاہ و سفید نہیں ہو سکتی، ان بدیہی علوم کو ہر شخص مانتا اور تسلیم کرتا ہے، مگر اس کا علم انسان کو بچپن میں نہیں ہوتا، بلکہ تیز و رشد کے بعد ہوتا ہے، کیونکہ اسی وقت اس کی ضرورت پیش آتی ہے، اگر یہ علوم اس سن میں اس کو عطا نہ ہوں تو وہ دنیا کے ضروری کاروبار چلانے کے لائق نہ ہو، اور نہ دوسرے علوم کی دریافت کی اس میں استعداد پیدا ہو، فطری حتم اور بوقوت ان ہی کو کہتے ہیں جن میں ان بدہیات کا علم کم یا بالکل نہیں ہوتا،

سب سے اخیر میں اس علم کا درجہ آتا ہے، جو وجدانیات، فطریات، بدہیات اور محسوسات پر قیاس کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے، اور جس کو علم معقولات کہتے ہیں، اسی علم، اور اسی کی قوت کی کمی بیشی کا نتیجہ ہے کہ انسانی عقلمیں درجہ اور مرتبہ میں متفاوت ہوتی ہیں، ایک طرف تو دکھی کی سمت میں (وہ حماقت تک پہنچ جاتی ہیں، اور دوسری طرف (سمت کمال میں) ماقل و ماقل تر اور ماقل ترین طبقہ تک پہنچ جاتی ہیں، یہاں تک کہ وہ درجہ بھی آتا ہے کہ کسی کی عقل اس مرتبہ تک جا پہنچتی ہے، جہاں کوئی اس کا دوسرا حریف، اور ہمسر نہیں ہوتا، ایک جاہل حبشی سے لے کر ارسطو تک

بوغلی سینا ایک سب سے عقلی راجح کے مختلف انسانی نظائر ہیں، با این ہمہ یہ ظاہر ہو کہ اس علم کا طریقہ
نہایت پرخطر اور منزل مقصود ہمیشہ مشکوک رہتی ہے،

عام طور سے انسانی علم کے یہ پانچ ذریعے اور طریقے سمجھے جاتے ہیں، لیکن درحقیقت ایک اور

ذریعہ بھی ہے جس کا تعلق تمام تر مادے مادہ سے ہے، غور کیجئے کہ آپ کا سب سے پہلا علم یعنی وجدانیات

آپ کے اندرونی حواس کا نتیجہ ہے، دوسرا یعنی فطریات کا علم خالقِ فطرت خود آپ کے اندرونی حواس

رکتا ہے، تیسرا علم یعنی محسوسات کا علم آپ کے ان ظاہری حواس کا نتیجہ ہے، جو گویا سرہن گراہی کے

جسم کے اندر ہیں، آپ کا چوتھا ذریعہ علم یعنی بدہمیات اولیہ آپ کے حواس اور ذہن کا ایک مشترک

فیصلہ ہیں، پانچواں ذریعہ علم جو آپ کی عقل و ذہن کی قیاس آرائی ہے، وہ آپ ہی کے اندر کے ذہنی

قوی کا عمل ہے، تھوڑے تامل سے معلوم ہو گا کہ آپ کا علم وجدان سے لیکر ذہن تک بتدریج

سے ترقی کر کے مادے مادہ کے قریب تک پہنچتا ہے، وجدان تمام تر ہماری اندرونی جسمانی مادیت

ہی جس میں کوئی شک نہیں، محسوسات بھی ہمارے ہی جسم کے مادی آلات علم کے نتائج ہیں، بدہمیات

ہمارے حواس سے جو مادی ہیں، اور ہمارے ذہن سے جو غیر مادی ہیں، مشترک تعلق رکھتے ہیں، یعنی

بدہمیات، مادی، اور غیر مادی ذرائع علم کے بین ہیں، اور معقولات تمام تر ذہنی اور غیر مادی

ہیں، تاہم اس غیر مادی قوت کا مرکز ہمارا مادی جسم ہی ہے، اور اس حد تک اس غیر مادی قوت

کا مادہ سے تعلق بہر حال ہوتا ہے،

غیر مادی علم | اب اس کے بعد اس علم کا درجہ آتا ہے، جس کی سرحد اس کے بعد آتی ہے، اور جس

تعلق مادہ سے اتنا بھی نہیں ہوتا، جتنا معقولات اور ذہنیات کا ہے، وہ تمام تر مادہ اور مادیات سے

ہوتا ہے، اس کو مادہ سے اسی قدر گناہ ہوتا ہے کہ وہ علم مادی دل و دماغ کے آئینہ پر اوپر سے
اگر اپنا عکس ڈالتا ہے،

اس غیر مادی علم کے بھی بہ ترتیب مختلف درجے ہیں جن کو فراست، حدس، کشف الہامی
اور وحی کہتے ہیں، اور جس طرح انسانی علم کے مذکورہ بالا پانچوں ذریعے انسان کے جسمانی قوی سے مشتق
تھے، اسی طرح یہ غیر مادی ذرائع، انسان کے روحانی قوی سے وابستگی رکھتے ہیں، اور جس طرح آج
دیکھا ہے کہ وجدانیات سے لے کر عقیدات تک بہ ترتیب ہمارا ذریعہ علم خالص مادی اکائی مادی
کم مادی، اور برائے نام مادی تک ترقی کرتا چلا گیا ہے، اسی طرح فراست، حدس، کشف الہامی
اور وحی بھی برائے نام مادی و روحانی سے لے کر پھر روحانی، کامل روحانی، اور خالص روحانی کے
ذریعہ تک ترقی کرتے چلے گئے ہیں،

فراست کے لفظی معنی ماڈ جانے کے ہیں، اما لینے کی قوت ہر شخص میں نمایاں نہیں ہوتی، اگرچہ
یہ نمایاں ہوتی ہے، اس کی یہ کیفیت ایک ملک کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے، جو تجربہ کی کثرت اور عمل
کی مہارت اور کمال کے بعد انسان کو حاصل ہو جاتا ہے، اور جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کسی چیز کے
دیکھنے، سننے، چمکنے، سونگھنے، یا چھونے کے ساتھ ہی صورت بعض علامتوں کے جان لینے سے وہ بھی
تعدد ضروری علامتوں پر یہ تفصیلی نظر ڈالنے بغیر اتنی جلد ہی انسان صحیح نتیجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ دیکھنے
کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ غیب کی بات بیان کر رہا ہے، حالانکہ اس کا علم تمام تجربہ و عمل
اور نشانیوں پر مبنی ہوتا ہے جن کو ہر شخص دیکھ سکتا تھا، مگر دیکھتا نہ تھا، ایسے بہرین اور ذرا فراست
انسانی برابر ہر شخص کے شاہدہ میں آتے رہتے ہیں، جس کو جس چیز یا فن میں ملک پیدا ہو جائے اور اس کی ذرا

اس کو حاصل ہو جاتی ہے، جرائم کے پتہ لگانے والے ماہرین اور جاسوس اپنے فن کی فراست میں یہ کمال
 زکھتے ہیں کہ صورت دیکھی اور تار لگئے، اسی طرح ہر علم و فن کے ماہرون کو اپنے اپنے فن کے اندر
 ملکہ حاصل ہو جاتا ہے، اختیار اور نیکو کاروں کو اپنی جماعت کے افراد کے پہچان لینے اور جان لینے
 کی طاقت بھی اسی طرح حاصل ہوتی ہے، اور اسی کو ایک حدیث میں ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے:

التقوا فراستہ المؤمن فانه ينظر مؤمن کے تار لینے سے ڈرو کہ وہ خدا کی

بنور اللہ، (توفی می) دشمنی سے دیکھتا ہے،

۲۔ فراست کے بعد حدس کا درجہ ہے۔ فراست کے ابتدائی مقدمات حواس پر مبنی
 ہوتے ہیں لیکن حدس کے ابتدائی مقدمات ذہنی اور عقلی ہوتے ہیں، اور ان ہی ذہنی اور عقلی مقدمات
 کے غور و فکر تلاش اور ترتیب سے نتیجہ حاصل ہوتا ہے، مگر فطری کمال یا فن کی حاصل کردہ معارف
 کے سبب سے غور و نظر، فکر و تلاش اور ترتیب مقدمات کے منطقیانہ مرحلوں کو ذہن رسا اس
 تیزی اور سرعت کے ساتھ طے کر کے آخری نتیجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ خود اس کو بھی اس کا احساس
 نہیں ہوتا کہ اس نتیجہ کے حاصل کرنے میں اس نے کوئی دماغی عمل بھی کیا ہے، یہ چیز بھی اکثر کمال
 اور مناسب لڑائے انسانوں کو فطرۃً عطا ہوتی ہے، اور دنیا کے مشہور عقلا اور دانایان روزگار
 کے واقعات میں اس کی کثرت سے مثالیں ملتی ہیں،

۳۔ کشف کے فعلی معنی تو کھولنے اور پردہ اٹھانے کے ہیں، مگر اس سے مقصود یہ ہے

کہ مادیت کے ظلمانی پردہ کو چاک کر کے مادی چیز روحانی عالم میں مشاہدہ کے سامنے آجاتی ہے
 وہ کبھی اصلی صورت میں اور کبھی اپنی مثالی صورت میں نظر آتی ہے، عام لوگوں کے سمجھنے کے لئے

اس کی بہترین مثال خواب کی ہے، فرق اتنا ہے کہ خواب عالم خواب کی بات ہے، اور کشف عالم بیداری کی، جس طرح عام لوگوں کو خواب میں جب ظاہری حواس بیکار ہو جاتے ہیں، اسی چیز میں معلوم ہوتی ہیں، جو کبھی کبھی عین واقعہ ثابت ہوتی ہیں، اسی طرح خاص لوگوں پر بیداری ہی میں ظاہری حواس کے تعطل سے ایسا سماں پیش آتا ہے، ہر شخص کے تجربے میں ایسے متعدد وحیرت انگیز واقعات گزرتے رہتے ہیں،

۴۔ الہام کے لفظی معنی "دل میں ڈالنے کے" ہیں اور اس سے مراد وہ علم ہے، جو محنت تلاش، تحقیق، غور اور ترتیب مقدمات کے بغیر دل میں آجاتا ہے، اور ممکن ہے کہ اسکی صحت بعد کو حسی تجربوں اور عقلی دلیلوں سے بھی ثابت ہو جائے، مگر خود وہ علم پہلے پہل ذہن میں کسی حسی تجربہ یا عقلی دلیل کے نتیجہ کے طور پر نہیں آتا، بلکہ خود بخود دل میں آجاتا ہے، کیونکہ آتا ہے؟ اور کہاں سے آتا ہے؟ اس کے جوابات مختلف ہو سکتے ہیں، مگر یہ واقعہ ہے کہ وہ آتا ہے اور اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا، اسکی ابتدائی اور معمولی مثالیں وہ خیالات ہیں جو محققین، علماء، شعراء، اور موجدین کے ذہن میں پر وہ عدم سے پہلے پہل آتے ہیں، اور وہ ان کو دنیا کے سامنے اپنی ایجادات کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔

۵۔ وحی کے لغوی معنی کسی کا اپنے دلی منشاء کو لبوں کو جنبش دینے بغیر اظہار اور آہستگی کے ساتھ دوسرے پر ظاہر کر دینا ہیں، اور اصطلاحاً اس کے معنی خدا کا اپنے دلی منشاء سے اپنے خاص بندوں کو کسی بھی ذریعہ سے مطلع کرنا ہیں، یہ علم و اطلاع کے روحانی ذریعوں کی آخری سرحد ہے جس طرح علم کی تین جہانی قسمیں یعنی وجدانیات، حسیات اور بدہشیات عام انسانوں کے لئے یقینی ہیں، اسی طرح روحانی ذرائع علم کے یہ تین ذریعے کشف، الہام اور وحی انبیاء علیہم السلام

کے لئے یقینی ہیں، اور جس طرح علم کے مادی ذریعوں میں سے یقین کا سب سے پہلا ذریعہ وہ ہے، جو تائید
 مادی ہی یعنی وجدان، پھر حس ظاہر، اور پھر بہتیاں اسی طرح علم کے روحانی واسطوں میں سے ہے۔
 یقینی وہ ہے جو تائید روحانی ہے، یعنی وحی، پھر الہام، پھر کشف،
 ہم نے علم کے روحانی ذرائع کی جو تین قسمیں کی ہیں یعنی وحی، الہام اور کشف، یہ قرآن پاک
 کی اصطلاحیں نہیں ہیں، اسکی اصطلاح میں روحانی ذریعہ علم کا نام مکالمۃ اللہی (خدا سے بات کرنا)
 اور اس کی حسب ذیل تین قسمیں بیان کی ہیں،

۱۔ وحی (اشارہ) سے بات کرنا یعنی دل میں کسی معنی کا بغیر آواز اور الفاظ کے آجانا، یہ اگر حالت
 بیداری میں ہے، تو کشف ہی، اور اگر خواب میں ہے، تو رویا ہے،

۲۔ خدا کا پردہ کے پیچھے سے بات کرنا، یعنی متکلم نظر نہیں آتا، مگر غیب سے آواز آتی ہے اور
 الفاظ نشانی دیتے ہیں، اس کو الہام کہتے ہیں،

۳۔ فرشتے کے ذریعہ سے بات کرنا، یعنی فرشتہ خدا کا پیغام لیکر سامنے نظر آتا ہے اور اس کے منہ
 سے وہ الفاظ آواہ ہوتے ہیں جن کو نبی شکر محفوظ کر لیتا ہے، اسی کو عام طور سے وحی کہتے ہیں، کیونکہ
 قرآن پاک کا نزول اسی آخری طریقہ سے ہوا ہے، لیکن اس شہرت عام کے یہ معنی نہیں ہیں کہ
 اور دوسرے طریقے، وہاں کہتے ہیں، وحی کی ان اقسام کا ذکر سورہ شوریٰ میں ہے

| | |
|---|---|
| اور کسی آدمی کی یہ بات نہیں کہ اللہ اس سے بات کریں | وَمَا كُنَّا بِبَشِيرٍ لَّنَا يُكَلِّمُهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا |
| لیکن وحی (اشارہ) سے یا پردہ کے پیچھے سے یا کتب سے | أَوْ ذُرِّيًّا مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ أَوْ صَوْتًا مِّنْ سَمَوَاتٍ |
| کو بھیجے تو وہ خدا کے حکم سے آواز دے گا اور اسکی وحی کرے گا | فَيُوحِي بآزْوَانِهِ مَنَاسِبًا ۗ إِنَّهُ عَلَىٰ حَكِيمٍ |
| | (شوریٰ ۱۰۲) |

مکالمہ الہی کے یہ تینوں طریقے یعنی وحی (اشارہ) سے بات کرنا، پردہ کے پیچھے سے بات کرنا اور فرشتہ کے ذریعہ سے بات کرنا وحی کی یہ تین مختلف قسمیں بھی ہیں، اور پھر ان تینوں کا اجماعاً مشترک نام بھی وحی ہے یعنی مقسم بھی ہے، اور اپنی تین قسموں میں سے بھی ایک پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، اسی آیت میں دیکھو کہ فرشتہ کے ذریعہ سے کلام کو بھی وحی فرمایا گیا، اور تینوں مذکورہ بالا طریقوں میں سے بھی آنحضرت ﷺ کو یہی تعلیم و اطلاع دی گئی ہے، اس کو بھی وحی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، یعنی وہ عام مکالمہ الہی کے مرادف بھی مستعمل ہوا ہے،

مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۗ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ، (نجم-۱)

بنی خواہش نفس سے کلام نہیں کرتا بلکہ وہ وحی ہوتی ہے جو اس کو کیجاتی ہے

الغرض اسی امتیاز کے لئے علمی اصطلاحات میں ان تینوں طریقوں کے لئے کشف، الہام اور وحی کے تین علیحدہ علیحدہ الفاظ وضع کر دیئے گئے ہیں تاکہ بول چال میں ہر دو حافی طریقہ گفتگو دوسرے سے ممتاز ہو جائے، بیداری میں اشارہ سے بات کرنا کشف ہے، اور خواب کے عالم میں رویا ہے، پردہ کے پیچھے سے آواز کا آنا، الہام ہے، اور فرشتہ کی درمیانی بات کرنا وحی ہے۔ نکتہ اوپر کی آیت میں جہاں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ کسی بندہ کی یہ تاب نہیں کہ خدا اس سے بات کرے لیکن ان تین طریقوں سے اس کے آخر میں فرمایا ہے کہ وہ سبے بند اور حکیم ہے۔

ان اصطلاحات کی بحث کے لئے اصول فقہ کی اہم کتابوں کی طرف توجہ کرنی چاہئے، کم از کم اس موقع پر تحریر

ابن ہمام المتوفی ۸۶۱ھ کی شرح التقریر والتجیر لابن امیر الحاج المتوفی ۸۴۹ھ بحری جلد سوم صفحہ ۴۹۵

امیر بولاق سنہ ۱۳۱۵ھ دیکھنی چاہئے،

یعنی اس کی بلندی و برتری کا اقتضا تو یہ ہے کہ وہ کسی کو اپنے نکالنے کے شرف کا مستحق نہ سمجھے، مگر اس کی حکمت کا اقتضا یہ ہے کہ وہ اپنے بندگانِ خاص سے عام بندوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ان تین غیر معمولی طریقوں میں سے کسی طریقہ سے گفتگو فرمائے،

بہر حال غیبی ذریعہ اطلاع کی یہ سب سے بلند قسم جس کو اصطلاح میں وحی کہتے ہیں، اس کا تجربہ عام لوگوں کو نہیں لیکن اس سے نیچے درجہ کے غیبی ذرائع اطلاع کا تجربہ ہر شخص کو تھوڑا بہت ہے اور ہر انسان کی زندگی میں جو بعض پراسرار اور ناقابلِ فہم واقعات پیش آتے ہیں، ان پر غور کرنے سے غیب کے اس اعلیٰ ترین ذریعہ علم کا دھندلا سا خاکہ ذہن میں آسکتا ہے جس سے غیر جسمانی اور غیر حسی مادی ذرائع علم کے سمجھنے اور باور کرنے میں جو استبعاد معلوم ہوتا ہے، وہ دور ہو سکتا ہے، خصوصاً اس عہد میں جب سائنس کا لوجی کی تحقیقات سے نفس کی بہت سی نامعلوم طاقتوں کا پتہ چل رہا ہو اور سپر نیوکلیم کے ذریعہ ارواح سے خطاب و کلام کی سلسلہ جنماتی ہو رہی ہے، اور جدید روحانیات کا فن ایک مستقل سائنس کی صورت اختیار کر رہا ہے،

انبیاءِ کرام کو اپنے کشف، الہام، اور وحی پر اتنا ہی یقین ہوتا ہے جس قدر عام انسانوں کو اپنے وجدانیات، محسوسات، فطریات، اور بدہیات پر انبیاء کا یہ روحانی علم ایسا ہی اندرونی ہوتا ہے، جیسا عام انسانوں میں وجدانیات، فطریات اور بدہیات و محسوسات کا علم ہوتا ہے، جس طرح کسی شخص کو اس علم میں دھوکا نہیں ہو سکتا کہ اس کو بھوک یا پیاس معلوم ہو رہی ہے، یا اس کو غم یا خوشی سے، اسی طرح نبی کو بھی اپنے روحانی وجدانیات میں دھوکا نہیں ہوتا، اور جس طرح تم کو اپنے فطریات میں یہ خیال علم نہیں ہوتا کہ دو اور دو چار نہیں ہوتے، اسی طرح اس کو بھی پیغمبرانہ

فطریات میں منوالطہ واقع نہیں ہوتا، اور جس طرح تم کو اپنے محسوسات میں اگر کسی کو سامنے دیکھ رہے ہو، یا کسی کی آواز سن رہے ہو، شہدہ نہیں ہوا کرتا، اُس کو بھی اپنی روحانی محسوسات میں شہدہ نہیں ہوا کرتا، غرض وہ اپنے ان جملہ غیبی اور روحانی ذرائعِ علم میں سرگزش، فریب، غطا اور غلطی سے اسی طرح پاک ہوا ہے جس طرح تم اپنی وجدانیات، فطریات محسوسات اور بدہیاتیات میں غلطی اور غطا سے پاک ہوتے ہو۔

علمِ غیب | اسلام کے عقیدہ میں غیب کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں، اِنَّ اِنَّمَا اَعْلَمُ السَّمٰوٰتِ وَ اَلْاَرْضِ اِلَّا اللّٰهُ (محل ۱۵)

علیٰ وسلم کو اس اعلان کی ہدایت ہوتی ہے،

فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ (یونس ۲)

تو کہہ دے اے پیغمبر کہ غیب خدا کے لئے ہے

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ

کہہ دو کہ آسمانوں میں اور زمین میں خدا کے

وَالْاَرْضِ غَيْرَ الْغَيْبِ اِلَّا اللّٰهُ (محل ۱۵)

سوا کوئی نہیں جس کو غیب کا علم ہو،

رسول کہتے ہیں،

وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ (انعام: ۵)

اور میں غیب نہیں جانتا،

لیکن اسی کے ساتھ دو موقعوں پر یہ بھی کہا گیا ہے کہ با این ہمہ خدا اپنے برگزیدہ پیغمبروں

کو غیب کی اطلاع دیتا ہے،

سورہ جن میں ہے،

فَلَا يُظْهِرُ عَلٰی غَيْبِهِ اَحَدًا اِلَّا

تو اللہ اپنے غیب کی بات کسی پر ظاہر نہیں

مَنْ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (جن: ۱۸)

کرتا لیکن اس پیغمبر پر جس کو پسند کرے

دوسری جگہ سورہ آل عمران میں ہے،

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطَاعَ عَزْمًا عَلَى
 الْعَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِنْ دُونِ
 مَنْ يَشَاءُ، (ص - ۱۸)

اور نہ تھا کہ غیب کی باتوں پر تم کو مطلع
 کرتا، لیکن یہ کہ اللہ اپنے پیغمبروں میں سے
 جس کو چاہے چن لیتا ہے،

ان دو آیتوں سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ پیغمبروں کو غیب کی باتوں کی اطلاع
 دیتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جن آیتوں میں غیب دانی کی کلیتہً اور قطعاً نفی کی گئی ہے، ان سے مراد
 ذاتی اور حقیقی علم ہی یعنی خدا کے سوا بالذات کسی کو غیب کا علم نہیں، البتہ خدا کے واسطہ اور ذریعہ سے
 اور اس کی تعلیم و اطلاع سے پیغمبروں کو اس کا علم حاصل ہوتا ہے، ساتھ ہی آیت لکھری میں فرمادیا گیا،
 وَلَا يَحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ
 إِلَّا بِمَا شَاءَ ۚ

اور وہ خدا کے ایک ذرہ علم کا بھی لحاظ

نہیں کر سکتے، لیکن اتنے کا جتنے کا

(بقرہ - ۲۲) وہ چاہے،

یعنی اپنے علوم غیب سے جتنا اور جس قدر وہ پسند کرتا ہے، اور مصلحت سمجھتا ہے، وہ ان کو بذریعہ
 وحی ان سے واقف کرتا رہتا ہے، با این ہمہ بعض باتوں کی نسبت جیسا کہ سورہ ہود اور لقمان میں ہے
 اللہ تعالیٰ نے قطعی طور سے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ ان کا علم کسی کو نہیں، مثلاً قیامت، بارش، موت، سلام
 ماوریں لڑکا ہے یا لڑکی، کل کیا ہوگا، ان باتوں کو خدا نے تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اسی
 طرح بعض آیتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے کہا گیا ہے کہ اس کا تم کو علم نہ تھا،
 جیسا کہ غزوہ تبوک میں عدم شرکت کے بعض عذر خواہ لوگوں کے متعلق سورہ توبہ میں ہے کہ انھوں نے چھوٹی
 قسمیں کھا کر اجازت حاصل کر لی، خدا نے فرمایا،

عَفَا اللَّهُ وَعَنْكَ جَلِيمًا ذَنْتَ لَهُمْ

خدا نے تجھ سے درگزر کیا، کیون تو نے انکو

حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا

اجازت دی، تاکہ تجھے معلوم ہو جائے جو

تَعَلَّمَ الْكَلِمَاتِ بَيْنَ (توبہ - ۷)

سچ بولے اور جھوٹوں کو جان لیتا،

لَقَدْ ابْتَغُوا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلِ وَقَلَبُوا

انہوں نے پہلے فتنہ پیدا کرنا چاہا، اور سیر

لَكَ الْأُمُورَ حَتَّى جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ

سامنے واقعات کا وہی یہاں تک کہ حق

أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَرِهُونَ (توبہ - ۱۱)

بات آگئی، اور خدا کی بات کھل گئی اور وہ

آگے چل کر ہے،

مَرْدُودًا عَلَى النِّفَاقِ فَفَلَا تَعْلَمُهُمْ

یہ نفاق پر اڑے ہیں، تو ان کو نہیں

نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ (توبہ - ۱۲)

جاننا، ہم جانتے ہیں،

ان آیتوں سے یہ واضح ہے کہ پیغمبروں کو غیب کا کلی علم نہیں ملتا، بلکہ ان کو غیب کی

اطلاع دینے جانے کے موقع کی دونوں آیتوں میں رسول ہی کا لفظ استعمال کرنا اس حقیقت کی

طرف اشارہ کرتا ہے کہ جن امور غیب کی اطلاع پیغمبروں کو دی جاتی ہے، ان کا تعلق فرضیہ رسالت

اور اس کی مصلحتوں اور شریعتوں سے ہے

غیب کی حقیقت | علم غیب کے اس ناویدہ راستہ میں اتنی منزل طے کر لینے کے بعد یہ سوال سامنے

آتا ہے کہ قرآن مجید کی اصطلاح میں غیب کس کو کہتے ہیں؟ قرآن مجید کے اس لفظ کے استعمال

کے تمام مواقع پر غور کرنے سے اس کے اجمالی اور تفصیلی دونوں معنی واضح ہوتے ہیں۔ اجمالا اس کا

اطلاق ان امور پر ہوتا ہے، جن کا علم انسان اپنے علم کے عام اور طبعی و فطری ذریعوں سے حاصل

نہیں کر سکتا، گزر چکا ہے کہ انسانی علم کے طبعی ذریعے، وجدان، حواس، اور عقل و استدلال وغیرہ ہیں، ان طبعی ذریعوں سے جو ہر انسان کو ملے ہیں، جو علم حاصل نہیں ہوتا، اس کو علم غیبی کہتے ہیں، یعنی اُس سے یہاں اشیا کا علم جو انسان کے ظاہری و باطنی حواس اور دماغی قوی کی نگاہوں کے سامنے سے غائب ہیں، اور اس سے مقابل لفظ شہادت ہے، جس کے معنی حاضر ہونے کے ہیں، یعنی وہ اشیا جو ہر انسان کے حواس اور قواسے دماغی کے سامنے ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کو بار بار عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَاتِ کہا ہے، (انعام، عدد ۱۷۱، مشر، تباہن) یعنی انسانوں کے طبعی ذرائع علم کے سامنے جو حاضر ہے، اور جو غائب ہے، ان سب کا عالم اور واقعہ کل وہی ہے، الغرض اجمالاً علم غیب اس غیبی طریقہ علم کا نام ہے، جو عام انسانوں کو نہیں ملتا ہے، تفصیل عیثیت سے قرآن پاک میں غیب کا اطلاق چار چیزوں پر ہوا ہے،

۱۔ زمانہ نامی کے واقعات جہاں کا علم یہ کہہ کر تو حواس کے ذریعہ ہو سکتا ہے کہ حواس سے صرف شاہد (سامنے موجود) کا علم ہوتا ہے، اور نہ عقل و فکر کے ذریعہ ہو سکتا ہے، اگر ہو سکتا ہو تو تحریر و روایت کے ذریعہ، لیکن جس کے لئے تحریر و روایت کا ذریعہ نقیضی طور سے مسدود ہو، اس کے لئے ان کا علم اگر ہو سکتا ہے تو غیبی ہی ذریعہ سے ہو سکتا ہے،

حضرت نوح کے مخمّر ہفتہ کے بعد اللہ تعالیٰ فرمایا:۔

| | |
|---|--|
| تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا | یہ غیب کی بعض خبریں ہیں ہم ہوسکتے ہیں |
| إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ | کہتے ہیں، تیری طرف تو تو ان کو پہلے سے |
| لَا تَقُولُكَ مِنْ قَبْلِ هَذَا | جانتا ہی نہ تھا، اور نہ تیری قوم جانتی تھی |

حضرت مریم کے قصہ میں ارشاد ہوتا ہے،

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيْهِۦ

یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو تم کو تمہاری

اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ

طرف وحی کرتے ہیں اور نہ تو ان کے پاس جو

يَلْقَوْنَ اَقْلَامَهُمْ اِيْتُهُمْ مِّمْلًا

تھا، جب وہ اپنے قلم (قرآن کے طور پر) ڈال

مَرِيْجًا مَّ وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ

ڈال رہے تھے کہ لے اور نہ تو ان

يَخْتَصِمُوْنَ، (ال عمران - ۵)

کے پاس اس وقت تھا جب وہ جھگڑا رہے

رکھو کہ محسوس واقعات کے علم کا طبعی طریقہ اس وقت موجود رہ کر دکھانا اور سننا تھا، اسکی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نفی کی گئی کہ آپ وہاں یقیناً اس وقت موجود نہ تھے، اب رہ گیا کسی

دوسرے انسانی ذریعہ سے سننا، اسکی بھی نفی پہلے ہی سے ہی کہ تیری قوم میں سے بھی کسی کو معلوم

نہ تھا، اور نہ دوسروں سے معلوم کیا، اب اس کا علم جس غیر طبعی طریقہ سے رسول کو دیا گیا، وہ

وحی کا ذریعہ ہے،

اسی طرح حضرت یوسف کے پورے واقعہ کے ذکر کے بعد فرمایا،

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيْهِۦ

یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو تم کو تیری

اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ جُمُوْا

طرف وحی کرتے ہیں، اور تو اس وقت ان کے

اَمْرٍ هُمْ يَمْكُرُوْنَ، (یوسف)

پاس نہ تھا جب وہ اپنا کام طے کرنے لگے، اور

اس میں بھی علم شاہد کی نفی کر کے علم غائب کو ثابت کیا گیا، بہر حال ان آیتوں سے واضح ہے

کہ انہی کے واقعات کے غیر طبعی طریقہ علم کو بھی علم غیب کہا گیا ہے،

۲۔ اسی طرح آئندہ مستقبل میں جو واقعات ہونے والے ہیں، ان کو بھی غیب کہا گیا ہے

ان کا علم ولاتل و قیاس کے طبعی ذرائع کے علاوہ غیر طبعی ذریعہ سے ہوا ہو، تو اس کو بھی علم غیب کہیں گے، قرآن پاک میں ایک نوح پر ان کفار کے جواب میں جو نشانیوں کے طالب تھے، یہ کہا گیا:

فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانظُرُوا

تو کہہ دو کہ غیب کا علم خدا ہی کو ہے انتظار کرو

إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ (یونس ۲)

میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں

مستقبل کے منتظرہ واقعات کو اس آیت میں غیب کہا گیا ہے، اسی طرح قیامت

کو بار بار غیب کہہ کر غیر خدا سے اس کے علم کی نفی کی گئی ہے،

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ لَعَمْرُؤُا

خدا ہی کے پاس قیامت کا علم ہے،

لَيَسْئَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُوْجِئُهَا

وہ قیامت کو پوچھتے ہیں، کہدو کہ اس کا

قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي (اعراف ۱۸)

علم میرے پروردگار کے پاس ہے،

اسی طرح مستقبل کے دوسرے واقعات کے علم کی بھی انسانوں سے نفی کی گئی ہے

وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا

کوئی نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کرے گا

وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ تَأْتِي أَرْضًا

نہ کوئی یہ جانتا ہے کہ وہ کس سرزمین

تَمُوتُ ، (لقمان ۳۴) میں مرے گا،

۳۔ ان چیزوں پر بھی غیب کا اطلاق کیا گیا ہے جو گواہی اور مستقبل نہیں، بلکہ زمانہ حال

میں موجود ہیں تاہم انسان کے جو اس ختمہ عقل کی محدود طاقت سے اس کا علم نہیں ہو سکتا،

ہم کو دیکھنے اور سننے کی طاقت دی گئی ہے، مگر اُس کے لئے کسی نہ کسی مسافت، عدم حجاب اور
 دیگر شرائط کی قید لگا دی گئی ہے جن کے بغیر ہماری یہ طاقت بالکل بے کار ہے، ہم دلی میں
 بٹھکر، بجلی کے پیش نظر مناظر کو نہیں دیکھ سکتے، اور نہ بنیالات کے ہم بیان سے وہاں کی آواز
 آج بھی سن سکتے ہیں، اس لئے زمانہ حال کے علم کے لئے بھی جو طبعی شرائط اور قیود ہیں، ان کے
 بغیر جو علم حاصل ہوگا، وہ غیب ہوگا

عالمہ عورت سامنے موجود ہے، مگر اُس کے بطن کے پے درپے حجابات کے اندر جن کو
 آنکھیں چاک نہیں کر سکتیں، کیا ہے؟ کس کو معلوم ہے؟

وَلَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَدْحَامِ (العنکبوت)

اور اللہ جانتا ہے زمینوں کے اندر جو ہے،

آسمان و زمین میں اس وقت جو کچھ ہے، وہ سب زمانہ حال میں سیکھ سکتے ہوئے
 ہے، تاہم اُس کا علم ہمارے حواس اور عقل کی محدود دسترس سے اُس وقت تکسہا ہر ہے، جب تک
 ہمارے دیکھنے اور سننے اور جاننے کے لئے وہ طبعی شرائط بنا دیئے ہیں، وہ پورے نہ ہوں،

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (ہود - ۱۱)

اور خدا ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کا غیب

اِنَّ اللّٰهَ لَعَلَّ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (حجرات)

بیشک خدا جانتا ہے آسمانوں اور زمین کا غیب

۴۔ عالم غیب کی آخری چیز وہ امور ہیں جو غیر مادی ہونے کی وجہ سے ہمارے حواس اور
 عقل کے تنگ دائرہ عمل سے قطعاً باہر ہیں، ہم فرشتوں کو نہیں دیکھتے، خدا کی رویت کی عبادت
 نہیں رکھتے، جنت و دوزخ ہم کو بیان نظر نہیں آسکتی، یہ تمام چیزیں جو غیب ہیں،
 الَّذِيْنَ يَخْتَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ (انبیاء - ۱۰)

وہ لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں جو غیب میں

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ (بقرة ۱۰) وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں غیب میں،

الَّذِينَ وَعَدَ الرَّحْمَانُ عِبَادًا
وہ جنت جس کا وعدہ اس مہربان خدا نے

بِالْغَيْبِ، (ماریہ ۲) اپنے بندوں سے کیا ہی غیب میں،

غیب میں کئے منہی ہیں، بے جانے، بن دیکھے، جو اس سے علم حاصل کئے، بنیر، اور باوجود

اس کے کہ وہ چیزیں اس عالم میں دیکھی نہیں جاسکتی ہیں،

پیغمبر کو اللہ تعالیٰ غیب کی جن باتوں سے آگاہ کرتا ہے، وہ ان چاروں قسم کے امور

غیب ہوتے ہیں بعض گذشتہ قوموں اور پیغمبروں کے عبرت انگیز نصیحت آمیز حالات بھی روایت

اور تخریر کے ذریعہ کے بغیر وحی کے واسطے سے ان کو مطلع کرتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید کے حوالوں

سے اوپر گذر چکا، آئندہ مستقبل میں دنیا کے فتنوں، امت محمدیہ کے انقلابات قیامت کے مناظر

اور اس کے بعد کے پیش آنے والے واقعات کا علم آپ کو دیا گیا، جیسا کہ ان دنیاوی پیشینگوئیوں

اور نبیائے و محشر کے ان احوال مناظر سے ظاہر ہے جو قرآن پاک اور احادیث صحیحہ میں بتصریح مذکور

ہیں، اسی طرح حال کے ان احوال و مناظر کا علم بھی ثابت ہے، جو باوجود سامنے موجود ہونے

کے احساس و عقل کے طبعی شرائط نہ پاسے جانے کے سبب عام انسانوں کو نظر نہیں آتے، قبروں

کا انکشاف پس پروردہ رویت، اور دوسروں کے موجودہ احوال سے واقفیت وغیرہ اس علم غیب

میں سے بھی پیغمبر کو عطا ہوتا ہے، اور سب آخر میں وہ منیبات ہیں جن کا احساس و تصور ہمارے

مادی ذرائع علم سے قطعاً خارج ہے، تاہم وہ بھی اس کو دکھائے اور بتائے جاتے ہیں، خود خدا

کا ویرا، فرشتوں کی رویت جنت و دوزخ کا مشاہدہ وغیرہ ان تمام امور غیب میں سوا اللہ تعالیٰ

جس رسول کے لئے جس قدر مناسب اور سزاوار سمجھتا ہے، اس کا علم وحی کے مختلف اقسام کے ذریعے اُس کو عطا فرماتا ہے،

وحی اور ملکہ نبوت | حکماء اسلام نے وحی کی حقیقت "ملکہ نبوت" کے لفظ سے ظاہر کی ہے، اس کی تشریح یہ ہے کہ ترتیب کائنات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات میں علم اور عقل نے پستی سے بلندی کی طرف رفتہ رفتہ ترقی کی ہے، جمادات بے حس ہیں، ان کے اوپر نباتات ہیں جن میں صرف محدود احساس ہوتا ہے اور دماغی قوی، حافظہ، تذکرہ اور غور و فکر کی قوت سے وہ محروم ہیں، ان سے اونچے حیوانات ہیں جن میں یہ تمام قوی ناقص طریقے سے نمودار ہوتے ہیں، اور آخر میں ان سے بالاتر ہستی یعنی انسان میں جا کر یہ قوت پورے کمال میں ظاہر ہوتے ہیں، ان قوی کی ترقی یہیں تک محدود نہیں ہے، بلکہ جس طرح نباتات میں قوت احساس ہے جس سے جمادات محروم ہیں، اور حیوانات میں حافظہ، تصور، تعقل وغیرہ کی وہ قوتیں ہیں، جو نباتات میں نہیں، انسان میں وہ دماغی و ذہنی قوی ہیں، جو حیوانات میں نہیں، اسی طرح انبیاء میں علم و عقل کی ایک ایسی قوت موجود ہوتی ہے جو عام انسانوں میں نہیں ہوتی اور اسی کا نام ملکہ نبوت ہے،

جس سے جمادات کو دریافت کرتے ہیں، دماغی قوی مادیات سے بلند ذہنیات اور عقلیات کو، اور ملکہ نبوت اس سے بھی اونچا جاتا ہے، وہ ذہنیات و عقلیات سے بلند حقائق یعنی خیبات کو دریافت کرتا ہے، اس ذریعہ علم میں غور و بحث اور منطقیانہ فکر و نظر، اور ترتیب مقدمات کی ضرورت نہیں پڑتی، بلکہ حقائق اس طرح سامنے آتے ہیں جس طرح وجدانیات

فطریات، بدہیئات اور محسوسات سامنے آتے ہیں، اور ان ہی کی طرح وہ یقینی بھی ہوتے ہیں اور چونکہ اس ذریعہ میں علم انسانی کے عام ذریعے اور طریقے یعنی وجدان، فطرتِ نوعی، ہدایتِ اولیٰ احساس اور غور و فکر سے معلومات حاصل نہیں کئے جاتے، بلکہ خود علام الغیوب، وہ علم انسانی وسائل کے بنیاد کو عطا کرتا ہی شرع کی زبان میں اسی کو وحی و الہام کہتے ہیں، علم کلام کی اصطلاح میں بلکہ نبوت اور عام مجاورہ میں اس کو غیبی علم کہہ لیجئے،

لیکن اہل نقل کی اصطلاح میں وحی کی یہ صورت نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ پیغمبروں کو وقتاً فوقتاً احکام اور ارادوں سے براہِ راست فرشتوں کے ذریعے سے مطلع کرتا رہتا ہے، یہی وحی ہے،

اسمانِ نظر سے معلوم ہو گا کہ اہل عقل و نقل کے اختلاف کا منشا یہ ہے کہ آیا یہ وحی خود پیغمبر کے مافوق اور غیر معمولی وہی علم و فہم کا نتیجہ ہوتی ہے یا خود براہِ راست وقتاً فوقتاً تسلیم بانی کا ذکر لفظوں میں یہ کہو کہ جس طرح عام انسانوں میں علم و فہم کی قوت آغازِ پیدائش ہی میں فطرۃً ودیۃً کر دی جاتی ہے، اسی طرح انبیاء میں منشاء الہی جاننے کی قوت بھی شروع ہی میں فطرۃً ودیۃً کر دی جاتی ہے، یا یہ کہ وہ فطرۃً تو ویسے ہی عام انسانی طریقہ کا عیبی علم و فہم رکھتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نبوت کے بعد اپنے منشاء الہی سے ان کو کسی غیبی ذریعہ سے وقتاً فوقتاً آگاہ کرتا رہتا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ حقیقت عقل کی نقل سے اور نقل کی عقل سے علیحدگی میں نہیں، بلکہ اتحاد میں ہی، وہ لوگ جو عقل و نقل دونوں کے جامع ہیں، وہ ان دونوں کو مجتمع کرتے ہیں،

یا رہا میں وار دو آن نیزم

انبیاء علیہم السلام میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بدرِ فطرت اور آغازِ پیدائش سے ان کو

کے متعلق جن کا ان کی رسالت و نبوت سے تعلق ہے، اور جن کو دین کہتے ہیں، وہ کلی استوار اور عمومی فہم ہوتی ہے جس سے غیر انبیاء محروم ہیں، اور اس پوشیدہ قوت کا عملی ظہور اُس وقت سے شروع ہوتا ہے، جب وہ نبوت کے منصب پر عملاً مقرر ہوتے ہیں، اسی کا نام ملکہ نبوت ہے، اور اہم امور دین کے متعلق ان کو وقتاً فوقتاً جو غیبی اطلاع ملتی رہتی ہے، اس کا نام وحی ہے،

آج کل قرآن فہمی اور عقل کے مدعیوں اور نقل کے لفظی پابندوں میں جو اختلاف ہو رہا ہے، دراصل ان ہی دو قوتوں کے درمیان تمیز نہ کرنے کا نتیجہ ہے، نقل کے لفظی پابندی سمجھتے ہیں کہ ہر لفظ جو نبی کے منہ سے نکلتا ہے، وہ اسی معنی میں وحی ہے جس معنی میں قرآن ہے کہ وہ براہ راست خدا کی غیب کی اطلاع ہے، اور عقل کے مدعی یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن بیشک خدا کی براہ راست وحی ہے، مگر اُس کے ماسوا اصول جو کچھ کہتا ہے، وہ اس کے پیغمبر نہیں، بلکہ انسانی و بشری علم و فہم کا نتیجہ ہے، لیکن حقیقت ان دونوں کے ماوراء ہے، جیسے وحی قرآنی وحی براہ راست ہے، اسی طرح نبی کے دوسرے احکام اُس کے عام انسانی و بشری علم و فہم کا نہیں، بلکہ اس کی پیغمبری و وہی قوت علم و فہم کا نتیجہ ہیں، جو وحی کی ایک دوسری قسم اس لئے کہی جاسکتی ہے کہ اُس کا منشا "ملکہ نبوت" کے ذریعہ وحی ربانی کی ترجمانی ہے، اس لئے پیغمبر کی وحی اور ملکہ نبوت دونوں کے احکام واجباً نااتباع ہیں،

کتاب درست | اس تقریر کا منشا یہ ہے کہ پیغمبر کو جو علم حاصل ہوتا ہے، اس کی دو قسمیں ہیں ایک وحی حقیقی یعنی وہ علم جس کو اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً اپنے خاص الفاظ میں پیغمبر پر نازل کرتا رہتا ہے، اور جس کے مجموعہ کو کتاب الہی صحیفہ ربانی، توراہ، انجیل، زبور اور قرآن کا نام دیا گیا ہے دوسری

وہ علم جو پیپر کے ملکہ نبوت یا نور نبوت، یا فہم نبوت کا نتیجہ ہوتا ہے، پہلا علم اصلی اور دوسرا ضمنی ہے۔
 یا یون کہو کہ پہلا اصولی، اور دوسرا فردعی ہے، یعنی علم اول، پیپر پر شریعت کے غیر متبدل اور ازلی
 احکام کلیہ اور ہمتا کو واضح کرتا ہے، اور دوسرا علم پہلے علم کے غیر متبدل کلی اصول کے ماتحت
 اس کے مقصود کی صحیح تشریح اور اس کے جزئیات کی ضرورتی تفصیل کرتا ہے، اور غیر اہم اور متبدل
 امور کے متعلق ہنگامی اوقات میں مصلحتی احکام بتاتا ہے، اور اسی دوسری قسم کا علم ہے، جو روایات
 اور احادیث کی صورت میں ہے، اور جس کو اول اصول اصطلاحاً سنت کہتے ہیں، کتاب اصولی
 احکام میں، اور سنت ان اصولی احکام کی عملی تشریح اور بیان ہے، کتاب براہ راست وحی الہی
 کا نتیجہ ہی اور سنت ملکہ نبوت اور فہم نبوی کا، کتاب بلفظ وحی ہے، اور سنت لہنی،
 وحی متلو اور غیر متلو | بعض علمائے اصول نے کتاب اور سنت دونوں کو وحی مانا ہے، اور ان

دونوں کے درمیان تفریق یہ کی ہے کہ کتاب اس وحی کا نام ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے اور
 سنت اس وحی کو کہتے ہیں جس کی تلاوت نہیں کی جاتی، اس تشریح کا مقصود حقیقہً تلاوت
 عدم تلاوت کا فرق نہیں ہے، بلکہ یہ ہے کہ کتاب میں معنی کے ساتھ الفاظ بھی وحی کے گئے ہیں
 اور وہ الفاظ بھی محفوظ ہیں، اُن کا حرف اور نقطہ نقطہ و انا لہ لِحَافِظُونَ کی پیشینگوئی
 داخل ہے، اور اس لئے اس میں الفاظ کی کمی بیشی اور حذف و اضافہ محال ہے اور سنت میں
 الفاظ کی نہیں، صرف معانی کی حفاظت ہی، اسی لئے کتاب کی وحی مدون، مکتوب اور
 محفوظ کی گئی، اور نماز میں اس کی قرأت کا حکم ہے اور یون بھی عام طور سے اس کی تلاوت مسنون
 ہے اور سنت کی وحی بالفاظ مقررہ نہیں، اس لئے اس کی لفظی حفاظت کو اتنی اہمیت نہیں دی گئی،

اور نہ نماز میں اُس کے الفاظ قرأت کئے جاسکتے ہیں، اور نہ اُن کی تلاوت کی جاتی ہے، اور نہ اُن کو کتاب الہی کہا جاسکتا ہے، مگر معنی اصولی حیثیت سے اُن کی حفاظت خود قرآن نے اپنے اندر کر لی ہے اور جزئیات کی حیثیت سے گو الفاظ میں نہیں، مگر عمل میں خود رسول اور اس کے پیروؤں اور پھر اُن کے پیروؤں کے مسلسل تعامل سے یہاں تک کہ آج بھی تمام مسلمانوں کے عمل درآمد سے عملی تواتر کی صورت میں محفوظ ہے، اور بعد کے اماموں نے اچھی طرح تحقیق کر کے الفاظ، اُکتب حدیث کے اوراق میں بھی اُن کو محفوظ کر دیا ہے،

سنت کو وحی کہنا اس لحاظ سے ہے کہ جزئیات اصولاً وحی حقیقی یعنی کتاب کے اندر داخل ہیں، اور اُس کی کلیت میں سنت کے تمام احکام مندرج ہیں، بنا بریں چونکہ سنت وحی کے کلی منشا کے اندر داخل ہے، وہ بھی ضمنی حیثیت سے وحی کی جاسکتی ہے، لیکن چونکہ اس میں الفاظ کی تعین خدا کی طرف سے نہیں، اس لئے وہ غیر متلو ہے،

اس فرق کا راز یہ ہے کہ کتاب کی حیثیت کلی قانون کی ہے، قانون کے اصل منشا کی حفاظت اور وضاحت کے لئے نہ صرف اُس کے ایک ایک لفظ کے محفوظ رہنے کی ضرورت ہوتی ہے، بلکہ اُس کے ایک ایک لفظ، شوشہ، وقف، وصل، فصل، عطف، قطع، تقدم، تاخر، یعنی آج کل کی اصطلاح میں ایک ایک ڈیش اور کونے کی بعینہ حفاظت کی ضرورت ہے، ورنہ ذرا سے تغیر میں قانون کا مطلب کچھ کا کچھ ہو جاسکتا ہے، اور سنت کی یہ کلی قانونی حیثیت نہیں ہے، بلکہ وہ اس کلی قانون کی تشریحات، تفصیلات اور جزئیات ہیں، اور حیثیت اس کلی قانون کے اندر مندرج تھے، مگر چونکہ عام لوگوں کی فہم میں نہیں آتے تھے، یا عام لوگ اُن کو

نہیں سمجھتے تھے، اس لئے صحابہ کے دریافت پر، یا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ضرورت محسوس فرما کر اس کو کھول کر بیان فرمایا کہ پھر اشتباہ نہ رہ جائے،

اسی مقام پر ایک اور نکتہ بھی ہے کہ کتاب الہی میں جو حکم جن الفاظ میں ادا ہوا ہے، وہ اگر بعض کم فہم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آیا، اور انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تشریح چاہی، یا انہیں نہیں معلوم ہوا کہ اس خاص جزئی واقعہ کا کیا حکم ہے، اور قرآن پاک کی کس اصل سے ماخوذ و مستنبط ہوگا، اور اس لئے انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو اس کے جواب میں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک کے ہمینہ ان ہی الفاظ کو بے کم و بیش دہرا دیتے تو یہ بیکار رہتا کہ ان ہی الفاظ کے نہ سمجھ سکے کے سبب تو سوال کی نوبت آئی، اس لئے ضرورت تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم الفاظ کو بدل کر اور طریقہ تعبیر کو تغیر دے کر ان الفاظ کی تشریح فرمائیں اور یہی احادیث ہیں،

درحقیقت احادیث میں قانون الہی اور کتاب ربانی ہی کے مفہوم و منشا کو رسول اللہ ﷺ نے سمجھنے والوں کی سہولت، گمراہوں کی تکمیل ہدایت اور اصل منشا الہی کی پوری تشریح اور یہی پوری تاکیدی خاطر مختلف لفظوں، مختلف عبارتوں اور مختلف تعبیروں سے ادا فرمایا ہے، اس لئے اصل مفہوم و منشا کے لحاظ سے احادیث کے معانی ضمناً وحی ہیں، لیکن الفاظ عبارت، اور تعبیر کی حیثیت سے یعنی لفظاً وحی نہیں ہیں، بلکہ فہم نبوی، اجتہاد نبوی، اور ملکہ نبوت کے غیر خطا پذیر نتائج ہیں اس لئے ان کو اصطلاح میں وحی غیر متنازعہ کہتے ہیں،

عم اس فرق کی ایک مثال دیکر اپنے مطلب کو زیادہ واضح کر دینا چاہتے ہیں قرآن پاک

میں والدین کی خدمت اور اطاعت کا حکم ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی اشارہ ہے کہ والدین کی نمانندگی
 گناہوں کی منزلت کا سبب ہے، یہ وحی الہی کا حقیقی منشا ہے، آنحضرت ﷺ نے اس منشا
 الہی کو ان الفاظ اور مختلف تعبیروں سے ادا فرمایا، مان کے پاؤں کے نیچے جنت ہے، کبھی ارشاد
 ہوا رب کی خوشنودی باپ کی خوشنودی میں ہے، ایک صحابی نے دریافت کیا کہ یا رسول
 میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مقدار کون ہے؟ فرمایا "تیری ماں، تیری ماں، تیری ماں"
 ایک دفعہ آنحضرت ﷺ تشریف فرماتے تھے، صحابہ حضوری کے شرف سے ممتاز تھے کہ زما
 مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوئے، وہ ذلیل، ہوا وہ ذلیل، ہوا وہ ذلیل، ہوا حاضرین نے عرض کی یا رسول
 کون؟ ارشاد ہوا وہ جس نے اپنی ماں یا باپ کی ضمنی پانی، اور پھر انکی خدمت گزاری کر کے جنت
 نہ حاصل کرنی، ایک اور مجلس میں صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ نیکی کے کاموں میں خدا کے
 سب سے زیادہ کون کام پسند ہے؟ فرمایا وقت پر نماز ادا کرنا، دریافت کیا اس کے بعد فرمایا، مان باپ
 کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔

ان تمام احادیث پر معمولی سی غور و فکر کی نظر بھی یہ راہ ظاہر کر دے گی کہ یہ کل حدیثیں جو
 کی آیتوں کی تشریح و بیان ہیں۔

وَيَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقْوَاهُ ۖ وَالْوَالِدِينَ إِحْسَانًا (بقرہ ۶)

مان باپ کے ساتھ نیکی کرو،

وَلَا تَقُلْ لَهُمْ آيَاتٍ (اسرائیل ۳)

وہ بڑھے ہو جائیں، تو ان کو ان نہ کہو

وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِكُمْ (احقاف ۲)

یہ (ان باپ کے خدمت گزار) نہ ہیں جن کی

بدیوں سے ہم دگزر کرتے ہیں،

۱۵ سورہ احقاف - ۲۰

یہی حال دوسرے قرآنی احکام کے بیانات و تشریحات کا ہے۔

احادیث قرآن کا بیان ہے | قرآن پاک اور احادیث دونوں پر جن کی عمیق و وسیع نظر ہے ان کو

یہ بر ملا معلوم ہوتا ہے کہ احادیث صحیحہ کے تمام فرعی اور ثانوی احکام قرآن پاک کے عمومی اور کلی

احکام کے تحت میں مندرج ہیں آنحضرت ﷺ نے اپنے الفاظ میں صرف ان کی تشریح

فرمائی ہے، اس قسم کی حدیثوں کی نمونہ تین شکلیں ہیں، ایک وہ جن میں آنحضرت ﷺ نے

اپنے الفاظ میں حکم بیان فرمانے کے بعد خود قرآن پاک کی کوئی آیت اس کے ساتھ پڑھ دی

اس قسم کی حدیثوں کے بیان ہونے میں اس کو شبہ ہو سکتا ہے؟ دوسری شکل یہ ہے کہ آپ نے

آیت نہیں پڑھی، مگر خود اس حکم میں ایک دو لفظ ایسے فرما دیئے ہیں، جو کسی آیت کا جز ہیں

جس سے یہ اشارہ ہوتا ہے کہ یہ حکم فلان آیت کی تشریح ہے، اس صورت میں بھی اہل ذہن کی تیز

اہل علم کے لئے آسان ہے، تیسری شکل یہ ہے کہ آپ نے کسی آیت یا اشارہ کے بغیر صرف

حکم بیان فرما دیا، اس قسم کی حدیثوں کے ماخذ کی تلاش وقت نظر کا کام ہے، ان کا پتہ زبان

نبوت اور فہم رسالت کے طرز و اسلوب کے سمجھنے والے راہنما فی العلم ہی پاسکتے ہیں،

الہام و اجتاد و حکمت | امام شافعی نے کتاب رسالہ میں احادیث و سنن کی تین قسمیں بیان کی ہیں

۱۔ مجھے پہلے شبہ تھا کہ میں اس رسالہ میں منفرد ہوں مگر بعد اللہ کہ تلاش و تفتیش سے ثابت ہوا کہ دیگر متعدد علماء اصول

کامیاب مساکب ہی چنانچہ یہ خیال اجالا سے پہلے امام شافعی کی کتاب رسالہ (ص ۲۸ و ۲۹ و ۳۰) مطبوعہ ۱۳۱۲ھ

تحت اور یہ نظریہ میرے زیادہ مفصل امام شافعی اندلسی (متوفی ۲۹۰ھ) کی تصنیف المواقف فی اصول الاحکام (جلد

۱ صفحہ ۲۲۱) مطبوعہ سلفیہ مہرستان میں موجود ہے اور شاہ فی اللہ صاحب کی حجۃ اللہ بالانہ میں بھی اس کا ایک باب

ایک وہ جو بعینہ قرآن پاک میں مذکور ہیں، دوسری وہ جو قرآن پاک کے محل علم کی تشریح ہیں تیسری وہ جن کا ذکر بظاہر قرآن پاک میں نہ تفصیلاً ہے، نہ اجمالاً ہی تیسری قسم قابل بحث ہے امام صاحب نے اس کے متعلق انہ سلف کے چار نظریے نقل کئے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے رسول کی کلی اطاعت فرض کی ہے، اور اس کے علم میں پہلے ہی سے یہ کہ رسول جو کچھ کہے اور کرے گا، اس میں، رضائے الہی کی توفیق اس کے ساتھ شامل ہوگی، (اصل یہ کہ پہلے ہی سے رسول کو یہ توفیق ربانی عنایت کی گئی ہے، کہ وہ رضائے الہی کو دریافت کرے)۔
 ۲۔ رسول نے کوئی ایسا حکم نہیں دیا ہے جس کی اصل کتاب اللہ میں نہ ہو، (مقصود یہ ہوا کہ اس قسم کے احکام بھی دراصل کتاب اللہ ہی سے ماخوذ ہیں، گو بظاہر کم بینین کو ایسا نظر نہ آسکے)۔
 ۳۔ تمام احادیث نبوی، اقطار فی الروع ہیں، (یعنی رسول کے دل میں نازلے ڈال دیئے گئے) اور یہ اس حکمت کا نتیجہ ہیں، جو آپ کے دل میں ڈالی گئی،

۴۔ اس قسم کے تمام امور جماعتی ہیں، کتاب الہی سے جدا گانہ مستقل پیغام ربانی کے ذریعہ رسول کو علوم ہوئے ہیں،

چوتھے نظریہ کو چھوڑ کر تیسرے میں، ایمین میرے خیال میں تقریباً ایک ہی ہیں، پہلے نظریہ کا منشا یہ ہے، کہ مرتب وحی کے علاوہ جو وقتاً فوقتاً نبی پر آتی رہتی ہے، اس کو ابتدا ہی سے ایک توفیق الہی بھی عنایت ہوتی ہے جس سے وہ پیش آمدہ امور میں رضائے الہی کو دریافت کر کے فیصلہ کرتا ہے، تیسرے نظریہ میں، سنی توفیق علم کو امام، اقطار فی الروع اور دل میں ڈال دیئے۔ سے تعبیر

کیا گیا ہے، اور دوسرے نظریہ کا منشا یہ ہے کہ رسول کے جو احکام بظاہر کتاب اللہ میں نہ ہوں ان کی اصل بھی درحقیقت کتاب اللہ میں ہے، اور رسول اسی اصل سے اپنے احکام کو مستنبط کرتا ہی مگر ظاہر ہے کہ یہ استنباط، عام انسانی و بشری فہم سے نہیں ہوتا، ورنہ اس کا غلطی سے پاک ہونا بہت مشکل رہے گا، بلکہ وہ پیچیدہ قوتِ فہم کا نتیجہ ہوگا، اور جب ایسا ہو تو اس پیچیدہ قوتِ فہم کی تعبیر خواہ الہام سے کیو، القاس سے کیو، یا اس کو حکمتِ نبوی کا نتیجہ کہو یا توفیقِ الہی کہو، بات ایک ہی ہوتی، میرے نزدیک صحیح مسلک یہ ہے کہ رسول کے تمام صحیح ذہانی احکام بھی عموماً اس کے معجزہ ربانی سے اخذ و مستنبط ہیں، اور ان کے جزئیات کتابِ الہی کے کلیات کے تحت میں مندرج ہیں اور رسول کا یہ اخذ، استنباط، اور فہم اس کی اس پیچیدہ قوتِ علم کا نتیجہ ہیں جس کو حکما، ملکہ نبوت اور اہل شریعت حکمت، الہام اور شرح صدر وغیرہ الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں، اور جو خطا اور غلطی سے یکسر پاک ہے،

اجتہادِ نبوت | اس موقع پر علمائے اصول کی ایک اور اصطلاح "اجتہادِ نبوی" کی تشریح ضروری ہے، علمائے اصول لکھتے ہیں کہ جب کوئی نیا واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش آتا، اور وحی نازل نہ ہوتی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد فرماتے یعنی گذشتہ وحی شدہ احکام کے مطابق سے آپ حکم دیدیتے تھے، (یہ فقہاء کا طریقہ تعبیر ہے، ورنہ یوں کہنا چاہئے کہ رسول اپنی اس حکمتِ ربانی کے فیض سے مدد لیکر جو خدا نے ان کے سینہ میں ودیعت رکھی تھی، گذشتہ وحی کے کلیات کی روشنی میں اس کا فیصلہ فرماتے تھے) بہر حال غواہ فقہاء کے طریق پر اجتہادِ نبوی کو اصولِ قرآنی سے مستنبط سمجھئے، یا شاہ ولی اللہ صاحب کے نظریہ کے مطابق رسول کے علمِ سینہ اور وحی شدہ

اصول کلی کے جزئیات تسلیم کیجئے، ہر حال میں وہ نتیجہ امت کے لئے واجب العمل اور خطا سے پاک ہے۔
 کیونکہ یہ مقدمہ اپنی جگہ پر ثابت ہے کہ انبیاء گنہگاروں سے معصوم، ضلالت و گمراہی سے پاک اور ہوا
 فطرتی سے بہتر ہوتے ہیں، اس لئے امور رسالت اور امور دین میں ان کی کوئی رائے غلط نہیں ہو
 کہ ان کی غلطی سے پوری امت کا غلطی پر قائم ہو جانا مسلم ہے، حالانکہ ان کی بعثت کی غرض برکت
 ہے، ضلالت نہیں، ان وجوہ سے ان کا اجتہاد اگر کبھی کسی ایسے نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے جو مصلحت الہی
 کے مطابق نہیں ہوتا، تو ہمیشہ اللہ تعالیٰ اس پر تنبیہ فرما کر ان کو اپنی مرضی سے مطلع فرمادیتا ہے
 (اُس کی مثالیں آئندہ آئیں گی) الغرض بعض امور میں خیر کے کسی خاص پہلو کو پیش نظر رکھ کر اس
 سے بہتر پہلو سے تغافل ہونے، یا غیب اور مستقبل سے عدم واقفیت کے سبب سے نبی کا اجتہاد ہی
 خطا کرنا ممکن ہے، مگر اس خطا پر نبی کا قائم رکھا جانا ناممکن ہے، ایسی صورت میں نبی کا ہر ایسا اجتہاد
 حکم سب پر وحی الہی نے فوراً کوئی تنبیہ نہیں کی، یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ حکم علم الہی کے شرکاء کے مطابق
 اور خطا و غلطی سے بہتر ہے، اور اس کے دوسرے معنی وحی خفی یا باطنی وحی کے ہیں،
 میری رائے میں یہ اصطلاح بھی معنی گذشتہ اصطلاحوں کے قریب قریب ہے، اس لئے
 اس اجتہاد و نبوی کے معنی، الامام بھکت، الملکہ نبوت، نعم نبوی، وغیرہ گذشتہ اصطلاحات سے عملاً
 انگریزین کہ اس کی حیثیت بھی وحی نافذی کی قرار پاجاتی ہے،

اس بحث پر شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں جو خیال ظاہر فرمایا ہے اس کا ترجمہ ذیل میں درج کرتے ہیں

سے دستور بالامین ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس کے حوالہ کے لئے دیکھو شرح تقریر ابن ہمام المتوفی ۱۰۱۰ھ سے اس تقریر پر لکھنے والا
 ابن امیر حاجہ المتوفی ۱۰۱۹ھ جلد ۳ صفحہ ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱

ساتواں بحث

احادیث نبوی سے شریعت کے اخذ کرنے میں

علوم نبوی کے اقسام

رسول اللہ ﷺ کی جو روایتیں حدیث کی کتابوں میں جمع کی گئی ہیں انکی دو قسمیں ہیں

۱۔ ایک وہ جن کا تعلق تبلیغ رسالت سے ہے، اور یہ آیت

مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (حشر)

پیغمبر تم کو جو کچھ دے اس کو لے لو اور جس چیز سے منع کرے اس سے باز آؤ،

اسی قسم کے متعلق نازل ہوئی ہے،

علوم بمعنا یعنی قیامت اور آخرت کے احوال، جزا و سزا اور عجائب الملکوت یعنی

دوسرے عالم کے احوال و کیفیات) اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں، اور ان سب کا دار و مدار صرف

وحی پر ہے اور ان اعدیل کے مطابق جن کا ذکر اوپر گذر چکا، قوانین شریعت، اور عبادات و معاملات

کی جزئیات کا ضبط بھی اسی قسم میں داخل ہے، لیکن ان میں سے بعض چیزوں کا دار و مدار وحی پر اور بعض

کا جہتا ویری لیکن رسول اللہ ﷺ کا اجتہاد بھی وحی کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ

نے آپ کو تلواریتے قائم کرنے سے محفوظ رکھا ہے، اور یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ کا اجتہاد کسی خاص

نفس و نیت سے متشابہات کا نتیجہ ہو، جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے، بلکہ آپ کے اجتہاد کی زیادہ تر صورت

کہ خداوند تعالیٰ نے شریعت اور وضع قانون کے مقاصد، انسانوں کی آسانی اور بھلائی اور اصولی مقاصد کا قانون آپ کو تعلیم کر دیا تھا، وہ مقاصد جن کا ماخذ وحی تھا، آپ اسی کلی و اصولی قانون کے ذریعہ سے جو آپ کو سکھایا گیا تھا، ان کی تشریح فرمادیا کرتے تھے حکمت کی متفرق باتیں اور عام مصلحتیں جن کے لئے آپ نے کوئی وقت مقرر کیا، ان کے حدود بتائے مثلاً اخلاق، معاملات اور اخلاق غیر صالحہ کا بیان بھی تبلیغ رسالت سے تعلق رکھتا ہے لیکن ان میں اکثر کا وارد ہونا اجتماع پر ہی جسکے معنی یہ ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے آپ کو باہمی معاملات و اجتماع کا کلی قانون تعلیم کر دیا تھا اور آپ نے حکمت کی باتیں اسی کلی قانون سے جو آپ کو تعلیم کر دیا گیا تھا، مستنبط کیں، اور ان کے متعلق ایک کلمہ بنانا فضائل اعمال اور ان پر عمل کرنے والوں کے مناقب بھی اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں اور غیر صالحہ ان میں بعض کا وارد ہونا وحی پر اور بعض کا اجتماع پر ہے، ان قوانین کا بیان اور پرکھ چکا ہے اور ہم اسی قسم کی تشریح کرنا اور ان کے معانی کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔

۲۔ دوسری وہ روایتیں ہیں جو تبلیغ رسالت سے تعلق نہیں رکھتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا ارشاد کہ میں صرف ایک آدمی ہوں جب میں تمہاری دین کے متعلق تم کو کوئی حکم دوں تو اس پر عمل کرو اور جب میں تم کو اپنی رائے سے کوئی حکم دوں تو یہ سمجھو کہ میں صرف ایک آدمی ہوں اور چھو ہاروں کے جوڑ لگانے کے واقعہ میں آپ کا یہ فرمانا کہ میں نے ایک خیال قائم کیا تھا، پھر سے خیال پر تم لوگ عمل نہ کرو، البتہ جب خدا کی کوئی بات بیان کروں تو اس پر عمل کرو کیونکہ میں خدا پر چھوٹا نہیں بانڈھتا، اسی قسم سے تعلق رکھتا ہے، طلب کے متعلق حدیثیں اور ایک ارشاد کہ تم سیاہ رنگ اور ایسے گھوڑے پر سوار ہو، جسکی پیشانی میں تھوڑی سی سفیدی ہو، اسی قسم میں

داخل ہی اور اس کا دار مدادہ تجر بہر ہے،

آپ نے جو کچھ مادہ کیا، عبادت نہیں، اتفاقاً کیا، تصدائیں، وہ بھی اسی قسم میں داخل ہو

آپ نے جو واقعات ایسے بیان کئے جن کا تمام قوم میں چرچا تھا، مثلاً ام زرع اور خزافہ کے قتل

بھی اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں، اور اسی بات کو حضرت زید بن ثابتؓ نے جب ان سے چند

لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں بیان کرنے کی درخواست کی اس طرح بیان کیا

ہو کہ میں آپ کا پڑوسی تھا، اور جب آپ پر وحی نازل ہوتی تھی، تو آپ مجھ کو بلا بھیجتے تھے،

میں آپ کے حکم سے اس کو کھا کرتا تھا لیکن جب ہم دنیا کا ذکر کرتے تھے، تو آپ بھی ہمارے ساتھ

اس کا ذکر فرماتے تھے، اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تھے، تو آپ بھی ہمارے ساتھ اس کا

ذکر کرتے تھے، اور جب ہم کھانے کا ذکر کرتے تھے، تو آپ بھی ہمارے ساتھ اس کا ذکر کرتے

تھے، تو کیا میں ان تمام چیزوں کو بطور حدیث بیان کروں؟

اسی میں وہ چیزیں بھی داخل ہیں جن کو آپ نے اپنے زمانہ کی جزئی دعارضی مصلحت کے

طور پر کیا ہے، اور وہ تمام امت کے لئے ضروری نہیں ہیں، مثلاً زجون کی آراستگی اور جنگی علامت

کی تعمیر کے وہ احکام جن کو خلیفہ دیتا ہے، اور حضرت عمرؓ کے اس قول کے کہ اب ہم کوچ میں اکڑ

چلنے کی کیا ضرورت؟ ہم ایک قوم (کنانہ قریش) کے سامنے اس کی نمائش کرتے تھے، لیکن اب

خدا نے اس کو ہلاک کر دیا،" بھی یہی معنی ہیں کہ وہ اس کو ایک جزئی دعارضی مصلحت سمجھتے تھے، لیکن

چونکہ آپ نے اس اجتماع پر پورا اطمینان نہ تھا، اس لئے ان کو یہ خوف ہوا کہ شاید اس کا کوئی

اور سبب ہو، اس لئے اس میں دست اندازی نہیں کی، اسی طرح دوسرے احکام بھی اسی پر محمول

کئے گئے ہیں مثلاً آپ کا یہ ارشاد کہ جو شخص جس کو قتل کرے اس کا ہتھیار اسی کا حق ہے نیز آپ کے
تخصیص فیصلے بھی اسی قسم میں داخل ہیں کہ آپ مقدمات کے ان فیصلوں میں گواہوں اور قسموں کے
مطابق فیصلے کرتے تھے، آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جو یہ فرمایا تھا کہ واقعہ میں حاضر ہو کچھ دیکھتا
ہو اس کو غائب نہیں دیکھتا اس کے معنی بھی یہی ہیں (انہی کلامہ)

شاہ صاحب کے نظریہ کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ارشادات کی دو قسمیں ہیں :
ایک وہ جن کا تعلق پیغمبرانہ فرائض، تبلیغ رسالت اور معاملات امور دین سے ہے، یہ تمام باتیں براہِ راست
وحی و تعلیم سے ماخوذ ہیں، دوسری وہ جو عام انسانی باتیں ہیں، ان کی متور و صورتیں ہیں،

۱۔ کسی جزئی ماضی مصلحت کی بنا پر کوئی حکم، جیسے حج میں اپنے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ
قریش کے سامنے آکر سجدہ کریں تاکہ قریش یہ نہ سمجھیں کہ مدینہ کی آب و ہوائے ان کو کمزور کرنا یا
۲۔ وہ امور جن کو دین در رسالت سے براہِ راست کوئی نہیں، بلکہ زمانہ کے حالات کے ساتھ

وہ بدلتے رہتے ہیں مثلاً جنگ کا طریق، ہتھیار کے اقسام حکومت کے ضمیموں کی ترتیب وغیرہ،
۳۔ وہ امور جن کو آپ اپنی شخصی، قومی یا ملکی عادت کے مطابق کرتے تھے جن کو دین و
رسالت سے کوئی واسطہ نہیں، مثلاً وضع و لباس، فرش پر نشست، کھل اور ہٹنا، دسترخوان اُٹھانا
بچھون کا عدم استعمال، عمامہ باندھنا، تہ بند پہننا، اونٹ پر سوار ہونا وغیرہ،

۴۔ وہ امور جو عرب میں بطور قصہ کے مشہور تھے، اور آپ نے بھی ان کو اسی طرح نقل کیا
کے لئے یا کسی اخلاقی نتیجہ کی خاطر بیان فرمایا، مثلاً ام ذرع اور اس کی نو سپالیوں کی کہانی، خزانہ کی
داستان، نبی اسرائیل کی بعض حکایتیں،

۵۔ عربوں کے بعض تجربی مسلمات اور علاج و معالجہ کی بعض باتیں،

۶۔ زراعت وغیرہ کے متعلق بعض ذاتی رائیں، مثلاً مدینہ میں قاعدہ تھا کہ فصل کے

موقع پر نر چھوہاروں کے پھول مادہ چھوہاروں کے درختوں میں ڈالے جاتے تھے، اپنے یہ طریقہ دیکھا تو اس کو محض رسمی بات سمجھ کر فرمایا کہ اگر ایسا نہ کیا کر تو کیا ہو، مدینہ والوں نے آپ کے اس لکے سے اشارہ کو حکم کے طور پر مانا اور اس سال یہ ترکیب چھوڑ دی، نتیجہ یہ ہوا کہ اس سال پیداوار کم

ہو گئی، لوگوں نے اگر عرض کی، فرمایا میں نے ایسا خیال کیا تھا، **أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأُمُورِ دِينِكُمْ** تم اپنے دنیاوی کاروبار اور معاملات سے زیادہ واقف ہو، یہ امور تغیر اور رد و بدل کے قابل ہو سکتے ہیں

الغرض یہ اوہ امور ہیں جن میں رسول کے ارشادات کی حیثیت، انسانی باتوں کی ہے، لیکن

ان کے علاوہ دوسرے امور جن کا تعلق دین و رسالت و نبوت سے ہی، مثلاً عقائد، عبادات، عبادت

اور اجتناب معاد اور معاملات کے بعض ضروری حصے، یہ سب کے سب وحی اور تعلیم ربانی سے ہیں، جو

براہی اور ناقابل تغیر ہیں،

ان ناقابل تغیر امور کی تعلیم و اطلاع کی دو صورتیں ہیں، ایک براہ راست وحی الہی جو

دو بار تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و اطلاع کے لئے خدا کی طرف سے آیا کرتی تھی، اور دوسری اجتہاد نبوی، یہاں

بجائے اسی دوسری چیز سے ہوا شاہ صاحب اس کے متعلق دو باتیں فرماتے ہیں،

۱۔ ایک یہ کہ اجتہاد نبوی کی صورت و حقیقت بہترین کے اجتہاد کی طرح نہیں ہے، بہترین

سوا اجتہاد کسی خاص شخص سے استنباط کا نام ہے، اور پیغمبروں کے اجتہاد کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے ان کو اجنبالی طور سے شہادت کے کئی اصول و قواعد کا علم، منصب نبوت کے ساتھ ساتھ عطا

فراویا ہے اسی علم کے مطابق آپ وحی کی توضیح احکام منصوصہ کی تفصیل کسی کئی کے جزئیات مسائل کی تشریح اپنے الفاظ میں فراویا کرتے تھے،

۲۔ پیغمبروں کا یہ اجتہاد دوسرے عام انسان ختمدین کے اجتہادات کے برخلاف غلطی سے کیسرا پاک و منزه ہوتا ہے، کیونکہ ان کی رائے غلط و غلطی پر باقی رکھے جانے سے محفوظ رہتا ہے۔ گئی ہی اسی لئے ان کا پیغمبرانہ اجتہاد بھی بمنزلہ وحی کے ہے۔

پیغمبرانہ اجتہاد کی جو تشریح شاہ صاحب نے فرمائی ہے، اس کو پیش نظر رکھ کر یہ فیصلہ نہایت آسان ہے کہ دوسرے لوگ ملکہ نبوت، العام، القار، حکمت ربانی، فرم نبوی سے جو کچھ مراد لیتے ہیں اس میں اور اجتہاد نبوی میں عموماً کوئی فرق نہیں ہے کہ اس اجتہاد سے مقصود وہ قوت علیہما اللہامیہ یا نبویہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ خاص پیغمبر کے سینہ میں ودیعت رکھتا ہے، اس لئے مجتہد اجتہاد اور پیغمبرانہ اجتہاد کے درمیان صرف لفظ کی مشارکت ہے معنی کی نہیں، مزید بحث آگے آئے گی،

ایک نکتہ کی طرف یہاں اور اشارہ کر دیتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور جتنے صاحب کتاب انبیاء اے ان کی وحی کتاب و کتاب حکمت نبوی میں فرق و امتیاز باقی نہیں رہتا چنانچہ توراہ و انجیل و زبور میں یہ سب باتیں ملی جلی ہیں، جیسا کہ ان کے پڑھنے سے ہر شخص کو نظر آتا ہے، مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ آخری اور غیر منسوخ کتاب لیکر آئے تھے، اس لئے آپ کی کتاب کی ہر طرح حفاظت کی گئی، اور ہر تخطی اور کمزوری سے محفوظ رکھی گئی، بلکہ اسی لئے آغا اسلام میں آپ نے کتاب حکمت نبوی کی تحریر سے لوگوں کو باز رکھا تاکہ کتاب کے ساتھ انکی کمزوری نہ ہو۔

بہر کو جب یہ خطرہ باقی نہیں رہا تو اکثروں کے نزدیک یہ ہی کہ اپنے اُن کی تحریر کی اجازت دیدی اور بعض
 مشہور صحابہ اور علماء کے نزدیک یہ اجازت مخصوص لوگوں کے لئے تھی، عام نہیں لیکن یہ اختلاف تحریر
 کتابت میں ہے اُن کی صحیح طور سے حفاظت و روایت و تبلیغ میں نہیں اس لئے اس خدمت کو تمام
 صحابہ تابعین اور تبع تابعین اور علماء سے صحابہ نے ہمیشہ واکیا،

عصمت و بے گناہی | بنی کی تیسری اہم خصوصیت اس کی معصومی اور بے گناہی ہے، یہود میں چونکہ

پیشینگو ہونے کے علاوہ بنی کا کوئی صحیح نقل نہیں اس لئے اُن کی کتابوں میں انبیاء کرام علیہم السلام

کی طرف ایسی باتیں منسوب کی گئی ہیں جو اُن کی شان نبوت کے سرسرنافی ہیں، عیسائیوں

میں صرف ایک شیخ کی ذات معصوم مانی جاتی ہے، لیکن اسلام میں یہ عقیدہ ہے نبی اور رسول کی نسبت

تمام سہما، اس کے نزدیک تمام انبیاء اور رسول گناہوں سے پاک و معصوم تھے، اُن سے تقاضا

بشریت بھول چوک ہو سکتی ہے مگر اللہ تعالیٰ اپنی وحی سے اُن کی ان غلطیوں کی بھی اصلاح کرتا رہا،

یہ نبوت کے متعلق عقلی حیثیت سے بھی بے شک عصمت کا اصول مان نہ لیا جائے نبی اور عام حکم مصلح

میں فرق نمایاں نہیں ہو سکتا اور نبیوں اور رسولوں کی کامل صداقت و صحت پر اعتبار کیا جاسکتا، اسی لئے

اسلام نے اس عقیدہ کا بھی بڑا اہتمام کیا ہے، ایک ایک کر کے تمام پیغمبروں کے مقدس احوال کا تذکرہ کیا ہے،

وران واقعات کی تردید کی ہے جو شان عصمت کے خلاف ہیں اور جن لوگوں نے ان کے سوانح میں شامل کر دیا ہے

عرب کے مشرکوں کا یہ عقیدہ تھا کہ کاہن جو غیب کا حال بتاتے ہیں اور شاعر جو پرچوش اور پرتماشیر

اسلام نظم کرتے ہیں، یہ شیطانوں سے سیکھ کر بتاتے اور کرتے ہیں، اور یہی بات وہ محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بھی (نمود باللہ) کہتے تھے، قرآن نے اُن کے جواب میں کہا درخت

پہل سے اور شے اپنے آثار سے پہچانی جاتی ہے،

شیطان کا زور ایمان والوں پر نہیں چلتا،

إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ

اور نہ ان پر جو اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں،

آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ إِنَّهَا

اس کا زور ان ہی پر چلتا ہے جو اس سے دوسری

سُلْطَانَةٌ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَ وَالَّذِينَ

کرتے ہیں، اور اپنے رب کا شریک ٹھہراتے ہیں

هُمُ بِهِ مُشْرِكُونَ، (مخل - ۱۰)

اس کے بعد آخر تک اس خیال کی ترویج کی ہے، اور پھر خاتمہ اس پر ہے،

اور صبر کرو اور تیرا صبر کرنا بھی خدا ہی کی مرضی ہے

وَأَصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا

اور نہ تو ان پر ٹھگیں ہو، اور نہ ان کے فریب سے

تَحْزَنُ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ

تنگدل ہو، بیشک نہ ان کے ساتھ ہے جو

بِمَا يَكْفُرُونَ، إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ

پرہیزگار ہیں، اور جو نیکو کار ہیں،

الْقَوَّامِينَ الَّذِينَ هُمْ الْمُحْسِنُونَ (مخل - ۱۱)

اس آیت سے ظاہر ہوا کہ انبیاء کے کرام شیطانوں کے فریب سے آزاد تھے، پرہیزگار

اور نیکو کار ہوتے ہیں،

سورہ شعراء میں اسی شبہ کا جواب تمام پیغمبروں کے حالات کو سننا اگر مزہ

میں لکھ کر دیا ہے،

کیا میں نہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اسے نہیں

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن نُّزِّلُ

ان پر اسے میں جو جہنم لکھتا ہے، تمہارا بھروسہ

الشَّيْطَانِ، نَزَّلَ عَلَىٰ كُلِّ أَوَّلِي

لوگوں کو یقین دہانی کے لئے کہ وہ تمہارے بھروسے میں نہیں

أَنْتُمْ لَا يَفْقِرُونَ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ

(۲۱)
۲۱
۱۰

کَذِبُونَ (شعراء - ۱۱) کان ڈالتے ہیں اور وہ اکثر جھوٹے ہوتے ہیں

سورہ جاثیہ میں مخالفین کے جواب میں کہا گیا ہے،

وَيَلْعَلْ لَكُمْ آفَاكٌ أَنْتُمْ لَا تَسْمَعُونَ
 اللَّهُ تَتْلُو عَلَيْهِمْ شُرُوهَا فِي سُبْحَانَ
 مَا كَانُوا يَسْمَعُونَهَا فَسَبَّحُوا بِحَمْدِ
 إِلَهِهِمْ (جاثیہ - ۱۱)

پھٹکے ہوئے تپا پر جو جھوٹ گھڑنے والا گنہگار
 ہی خدا کی آیتوں کو جو اسکو پڑھ کر سنائی جاتی
 ہیں وہ سنتا اور پھر اپنی غرور پر اڑا رہتا ہے
 گویا اس نے سنا نہیں تو اسکو دردناک عذاب کی

اس کے معنی یہ ہوتے کہ انبیاء علیہم السلام جھوٹ گھڑنے والے اور گنہگار نہیں ہوتے
 کہ اگر ایسے ہوں تو فرشتوں کے پاس وہ شیطانوں کے قرن و فریق ثابت ہوں اور ان کے
 سچائی اور صداقت مشتبہ ہو جائے اور نیز یہ کہ نبوت کی حقیقت کذب و گنہگاری کے صریح منافی

ایک اور موقع پر ارشاد ہوا،
 مَا كَانَتْ لِبَشَرٍ أَنْ يُوتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ
 وَالْحِكْمَ وَالنَّبُوءَةَ ثُمَّ يُقُولَ لِلنَّاسِ
 كُونُوا عِبَادًا لِي أُفِيءُكُمْ مِنَ اللَّهِ (آل عمران)

اس آدمی کے جس کو اللہ کتاب اور فیصلہ
 نبوت و وحی یا یہ سب ایسا نہیں کہ وہ لوگوں سے
 کہے کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ

یعنی پیغمبروں کی دعوت کا انشاء خدا کی بندگی کا اعلان ہے، نہ کہ لوگوں کو اپنا بندہ
 اور پستار بنانا، اور یہ گناہ ان سے سرزد نہیں ہوتا،
 اور ایسا آیت میں فرمایا ہے۔
 وَمَا كَانَتْ لِنَبِيِّ أَنْ يُفْعَلَ لَهُ

کسی پیغمبر کا یہ کام نہیں کہ وہ جو کچھ چاہے

مَنْ يَغْلُظْ يَأْتِ بِأَعْلَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ
 تَوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُوَ
 لَا يَظْلَمُونَ، أَفَمَنْ اتَّبَعَ ضَوَانَ
 اللَّهِ كَفَرَ بَاءً بِسَخَطٍ مِنَ اللَّهِ وَمَا لَهُ
 جَهَنَّمَ وَوَيْسَ الْمَصِيرُ هُوَ ذَرَّ
 عِنْدَ اللَّهِ وَاللَّهُ يُصَوِّرُ مَا يَعْزَمُونَ
 لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ كُنْتَ
 فِيهِمْ رَسُولًا مَنْ أَنْفَسَهُمْ تَتَلَوْا
 عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَزُكِّيَهُمْ يُعَلِّمُهُمُ
 الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ
 قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ،

(ال عمران - ۱۷۰)

چھپانے اور جو کوئی چھپانے کی تیار تھی کہ وہ نیک
 اسکو حاضر ہوگا، پھر اس وقت ہر شخص کو اس کے
 کام کا پورا بدلہ لیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ ہوگا کیا
 جو خدا کی خوشنودی کی پیروی کرے وہ اس
 جیسا ہو سکتا ہے جو خدا کا غضب کا نوازا ہو
 ٹھکانا جہنم ہی اور وہ برا ٹھکانا ہے انسانوں
 کے خدا کے نزدیک کنی درجے میں اور خدا ان کے
 کام سے خبردار ہے، بے شبہ اللہ نے ایمان والوں
 پر احسان کیا کہ ان میں انہی میں سے ایک ایسے رسول
 کو بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سنا سکیں
 پاک صاف بنائے، اور کتاب و حکمت سکھائے
 بے شبہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے

ان آیتوں میں گوہر شہی سے علول (مال چھپانے) کی نفی کی ہے، اور فرمایا ہے کہ نبی جو خدا کی
 خوشنودی کی ہمیشہ پیروی کرتے ہیں، وہ ان کے مانند نہیں ہو سکتے جو خدا کی غفلت کھاتے ہیں، مگر
 خصوصیت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے اور بتایا گیا ہے کہ نبی کی یہ شان نہیں ہے
 اس سے ایسا جرم سرزد ہو سکے، کیونکہ اللہ کی رضا مندی کا طالب ہے اس کی ناخوشی کے کام کو سرزد
 نہیں ہو سکتا، اور جو وہ سرون کو احکام انہی سنائے خود اس سے ان احکام کی خلاف ورزی نہیں

نہیں اور جو دوسروں کو پاک و ساف کرنے پر مامور ہے وہ خود گنہگار و ناپاک نہیں ہو سکتا،
انبیاء علیہم السلام کے لئے بار بار قرآن نے چکر پند کرنے کا لفظ استعمال کیا ہے جو مترام
ان کی عصمت اور گناہوں سے محفوظ و پاک رہنے پر دلالت کرتا ہے، عام پیغمبروں کے متعلق
یہ آیت ہے،

اللّٰهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ خِدَائِرًا يَشْفُقُ عَلَيْهِمْ وَيَسْتَفِي مِنْهُمْ مَنِ اسے اپنی پیغمبروں کو پسند کرتا ہے

وَسَلَاةً مِنَ النَّاسِ، (حج - ۱) اور آدمیوں میں سے،

چند مخصوص پیغمبروں کی شان میں ہے،

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَابْنَ

إِبْرٰهِيْمَ وَآلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (آل عمران) کو تمام اہل دنیا سے چن کر پسند کیا،

خاص حضرت ابراہیم کے متعلق ارشاد ہوا،

وَلَقَدْ اصْطَفَيْنَا فِي الدُّنْيَا (بقرہ ۱۲۸) ہم نے اس کو دنیا میں چکر پند کیا،

حضرت موسیٰ کی نسبت فرمایا،

إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ میں نے تجھ کو اپنے کلام اور پیغمبروں کیلئے

بِرِسَالَتِي وَبِكَلَامِي (اعراف ۱۷۲) لوگوں میں سے چکر پند کیا،

ایک آیت میں پیغمبروں کیلئے اصطلاح کیساتھ خیر (بہتر اور نیکو کار) کی صفت ظاہر کی ہے

وَإِذْ ذَكَرْنَا عَبْدَنَا إِبْرٰهِيْمَ وَاسْمٰعِيْلَ ہمارے خاص بندوں ابراہیم اور اسماعیل

وَلَيَقْرُبَ أُولَى الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ بيقربت یاد کرد جو ہاتھوں (قوت عمل) اور دلوں کے

إِنَّا اخْلَصْنَا هُوَ بِخَالِصَةٍ ذِكْرِي (وقتِ علم) دالے تھے ہم نے اُن کو آخرت کی

الذَّارِجِ وَآلِهِمْ عِنْدَ مَا لَمِنَ خالصِ نیت کے لئے خالص کیا، اور وہ ہمارے

الْمُصْطَفَيْنِ الْأَخْيَارِ (ص-۴) بارگاہ میں چنے ہوئے نیکو کاروں میں تھے،

سورہ انبیاء میں اکثر پیغمبروں کے تذکرہ کے بعد فرمایا،

وَكَلَّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ، جَعَلْنَا هُمْ اُن میں سے ہر ایک کو ہم نے صالح بنایا،

أُمَّةً يَهْتَدُونَ بِآمِرِنَا وَأَوْحَيْنَا ہم نے اُن کو وہ پیشوا بنایا جو ہمارے حکم سے لوگوں

إِلَيْهِمْ فَعَلِ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامِ کو راہ دکھاتے تھے اور ہم نے اُن کو نیک کاموں

الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ جَو کے کرنے کی اور نماز کھڑی کرنے اور زکوٰۃ دینے

كَانُوا النَّاعِمِينَ (انبیاء-۵) کی وحی کی، اور وہ ہمارے پرستار تھے،

کیا اس سے زیادہ اُن کی عصمت اور بگنیہی کی شہادت ہو سکتی ہے کہ وہ امام و پیشوا

صالح اور خدا کے پرستار بنائے گئے،

سورہ انعام میں بہت سے پیغمبروں کے نام گنا کر کے صالح فرمایا گیا،

كُلُّ شَيْءٍ الصَّالِحِينَ (انعام-۱۰) یہ سب صالحوں میں تھے

پھر آگے چل کر فرمایا اَكْلًا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ (انعام-۱۰) ہر ایک کو دنیا والوں پر ^{فضلت}

دی، پھر اُن کا ذکر کر کے فرمایا، وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمُ الْبِرَّ وَاسْتَقِيمَ

ہم نے اُن کو برگزیدہ کیا، اور اُن کو سیدھی راہ چلایا، صالح ہونا، برگزیدہ ہونا، اور راست

ہونا، ہر امرِ عصمت اور بے گناہی ہے،

شقی و سعید اور گنہگار و نیکو کار، دونوں کی سیرتوں اور زندگیوں کا فرق اتنا نمایاں ہو کہ ان میں التباس اور اشتباہ ممکن نہیں، تاریخ و سیر کی خاموش اور خلق کی گویا زبانیں پیچ پیچ کر اس فرق و امتیاز کی مٹاوی کرتی رہتی ہیں، اس اصول کو قرآن پاک نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے،

أَلَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَرَآءَ لِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ
 کیا وہ جو گناہوں کے ترکب میں ریگان کرتے ہیں
 کہ ہم ان کو ان کی طرح جو ایمان لائے اور اچھے
 کام کئے بنائیں گے، ان دونوں کی زندگی اور موت
 ساء ما تجکمون، (جاثیہ ۲۰) موت یکساں یہ نچا فیصلہ کتنا بڑا ہے!

اس آیت پاک سے معلوم ہوا کہ ان دونوں کی زندگی، اور موت دونوں متساوی ہوتی ہیں، انبیاء کے وصف میں فرمایا،

وَالَّذِينَ يَبُلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَ
 جو اللہ کے پیغاموں کو پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے
 وَلَا يَحْتَسِبُونَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ (احزاب ۵) ہیں، اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اور بیویوں کو جو عزت اور شرف حاصل ہو وہ نبوت و رسالت ہی کی نسبت سے ہے، ازواجِ مطہرات کی شان میں ہے،

رَأْسَاءُ الذِّبَابِ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ
 اے پیغمبر کی بیویو! تم نام عورتوں میں سے کسی
 النِّسَاءِ إِنَّ تَقِيَّتُنَّ، (احزاب ۳۲) ایک کی طرح نہیں ہو اگر تم متقی ہو،

پھر اہل بیت نبوتی کو خطاب کر کے فرمایا کہ ارادہ رہانی یہ ہے کہ تم کو بڑائی سے پاک

عزائم اور متناہی ہے،

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ
 اللَّهُ سَيِّئًا يَظُنُّ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (احزاب-۳)

ظاہر ہے کہ اگر انبیاء علیہم السلام کے ازواج و اولاد کی شرافت کے لئے گناہ اور بدی کی بجا
 ہوتی ہے، تو خود انبیاء علیہم السلام کا کیا ذکر ہے، ایک دوسری آیت میں حضرت عائشہؓ کو تہمت
 پہنچ کر کے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

الْجَنِّثَاتُ الْفَجِئَاتُ وَالْجَنِّثُونَ
 الْجَنِّثَاتُ ج وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ
 وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ ج أُولَئِكَ
 مُبْرَوْنَ مِمَّا يُقُولُونَ (نور-۳)

گندیان، گندوں کے واسطے، اور گندے
 گندیوں کے لئے، اور ستھریاں ستھروں کے
 واسطے، اور ستھرے ستھروں کے واسطے
 یہ ان کی تہمت سے پاک ہیں
 یہاں طیب پاک، اور ستھرے سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے
 اسی ستھرے پن، پاکی، اور طہارت سے ازواجِ مطہرات کے اخلاقِ ستھرے پن، پاکی، اور طہارت
 پر استدلال کیا گیا ہے،

انبیاء و حقیقت مقدا اور پیشوا اور نمونہ بن کر اس دنیا میں بھیجے جاتے ہیں انہی کو
 لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ
 أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب-۳)

تھارے لئے خدا کے رسولوں میں اچھی پیر
 ہے
 نیز ان کی اطاعت واجب ہے،
 وَمَا رَسَدْنَا مِنْ رُسُلٍ إِلَّا لِيُطَاعَ
 ہم نے کوئی نئی چیز بھیجی نہیں کہ خدا کے

بِإِذْنِ اللَّهِ (نساء-۹) حکم سے اُس کی اطاعت کی جائے،

اور خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت تصریح ہے کہ آپ کی پیروی، خدا کا محبوب بننے

کا مستحق ٹھہراتی ہے،

إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي

اگر تم خدا کو چاہتے ہو تو میری پیروی کرو

يُحِبِّكُمْ اللَّهُ (آل عمران-۳) خدا تم کو چاہے گا،

کیا کسی گنہگار اور عصیان کار کی زندگی، پیروی، اتباع اور نمونہ بننے کی صلاحیت رکھتی
تاریکی سے روشنی کبھی نکلی، اور گندگی سے پاکی کبھی پیدا ہوئی، اور گنہگاروں کی دعوت کبھی نیکو کا
پھیلی ہے؟ برائیوں اور گنہ گاریوں کا اصلی سرچشمہ اور منبع شیطان یا انسان کی خود قوت شر ہے؟
لیکن خدا کے خاص بندے اُس کے دام فریب سے آزاد ہیں،

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ

یقیناً میری بندوں پر تیرا (اور شیطان) کوئی زور

وَكُنْفَىٰ بِرَبِّكَ وَكَيْلًا، (اسرائیل)

ہنیں، تیرا پروردگار اپنی بندوں کی طرف سے سب کچھ

کیا انبیاء کے کرام علیہم السلام سے بڑھ کر کوئی بندہ رب ہو سکتا ہے؟

افسانوں کی گمراہی اور عصیاں کاری و سوسہ شیطانی کا نتیجہ ہوتی ہے خواہ یہ شیطان خود اپنی
کے اندر (خناس) چھپا ہو، یا انسان اور جن کی صورت میں ہو، ہر ایک کے فتنہ سزا کی ذات پاک اور بلند
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض خود غرض لوگوں نے بعض مشورون میں پھسلانا چاہا، مگر خدا

سچسپنے نہ دیا، اور فرمایا کہ میری جو رحمت اور ہر بانی تجھ پر مبذول ہے، وہ ہر وقت تیری دستگیر
گمراہی سے تیری نگہبان ہے، اور کتاب الہی اور حکمت و انانی جو تجھے عطا ہوئی وہ تیری پاس باز

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ
 لَهَمَّتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكَ
 مَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوكَ
 مِنْ شَيْءٍ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ
 وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ
 وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا (نساء)

اور اگر تجھ پر اللہ کا فضل اور مہربانی نہ ہوتی تو ایک
 گروہ نے تیری گمراہ کرنے کا ارادہ کیا تھا اور وہ
 گمراہ نہیں کرتے لیکن خود اپنی آپ کو اور تجھے کچھ بھی
 نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور خدا نے تجھ پر کتاب
 اور حکمت اتاری ہے اور اس نے وہ سکھایا جو تو
 نہیں جانتا تھا اور تجھ پر خدا کا بڑا فضل ہے

اور یقیناً موقع و محل کی شہادت سے اس سب سے بڑے فضل سے یہاں مراد عصمت ہے
 خود نفس انسانی بھی اپنی جھوٹی تمناؤں، خود غرضانہ آرزوؤں اور خوشنما خیالوں سے لوگوں
 کو دھوکا دیتا ہے، لیکن انبیاء علیہم السلام اس فریب تمنا سے بھی پاک ہیں، بشریت کے اقتضا
 سے یہ تو ممکن نہیں کہ خود اپنے مشن اور جس دعوت حق کو لے کر وہ آئے ہیں، اس کی جلد از جلد
 کامیابی اور لوگوں کے بسرعت قبول ایمان کے متعلق ان کے دل میں تمنا میں اور آرزو میں نہ
 پیدا ہوتی ہوں، لیکن وہ نصیحت الہی کے مطابق نہیں ہوتیں، اس لئے اللہ تعالیٰ ان خیالات کو
 تمناؤں کو ان کے دلوں سے نکال دیتا ہے، اور اپنے فیصلہ کو برجا رکھتا ہے فرمایا
 وَ مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ
 وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّاهُ لَقِيَ الشَّيْطَانَ
 فِي أُمْنِيَّتِهِ فَمِ بَخِ اللَّهُ مَا يُلْقِي
 الشَّيْطَانُ تَوَعُّدًا بِحِكْمِ اللَّهِ آيَاتِهِ وَاللَّهُ

اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی نبی یا رسول نہیں بھیجا،
 لیکن یہ کہ جب وہ خیال باندھتا ہے تو شیطان اس کے
 خیال میں کچھ مالدیتا ہے تو خدا شیطان کو ملامت کر
 مٹا دیتا ہے اور اپنے حکم کو مضبوط کر دیتا ہے اور خدا

عَلَيْهِمْ سَلَامٌ (جمع - ۷) دانا اور حکمت والا ہے،

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام غلط خیال آرائی کے گناہ سے بھی محفوظ رکھے جاتے ہیں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا گیا،

مَا أَصَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ (نجم - ۱) (مسلمانو! تمہارا صاحب گمراہ ہوا نہ بھٹکا

اس عدم گمراہی اور عدم ضلالت کا تعلق کسی خاص عہد اور وقت سے نہیں ہی بلکہ اس آیت

میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر عہد سابق اور زمانہ ماضی سے ضلالت اور غواہیت کی پوری نفی کی

گئی ہے، اور بتایا گیا ہے کہ آپ کا دامن سدا ان کانٹوں سے پاک رہا،

بعض شبہات کا ازالہ | قرآن پاک میں بعض ایسے الفاظ ہیں جن سے ایک ظاہر میں کو یہ دھوکا

ہو سکتا ہے کہ بعض پتھروں کے دامن پر عدم معصومیت کے بھی داغ ہیں، مگر علمائے محققین نے

ان میں سے ہر ایک شبہ کو تشفی بخش جواب دیدیا ہے، اور خصوصیت کے ساتھ علامہ ابن خلدون

اندلسی نے الفصل فی السبل والنحل (جلد چہارم) میں اور قاضی عیاض مالکی نے شفا (قسم ثالث) باب

اول میں شفا جی نے شرح شفا (جلد چہارم) میں اور متاخرین میں ملا دوست محمد کابلی نے

الأخلاق عصمة الانبیاء میں ایک ایک شبہ کو پوری طرح روکیا ہے جس سے ظاہر بینی کا پردہ

آنکھوں کے سامنے سیٹھ جاتا ہے، اور اصل حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے، ان میں سے ہر شبہ

ذکر کرنا، اور اوس کا ذکر کرنا ایک طولِ عمل ہی و مختصراً اصولی طور سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس مسئلہ

میں جو غلط فہمیاں کسی کو پیش آتی ہیں ان کے دو اسباب ہیں، اور ان اسباب کی تشریح کہ

ہی ان غلط فہمیوں کو دور کرونیات ہے،

اسب سے پہلی بات یہ ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ انبیاء علیہم السلام کا پایہ بندوں میں کبھی
 تمام مخلوقات میں خواہ کسی قدر بلند ہو اور ان کا دامن گناہ و عصیان کے گرد و غبار سے کتنا ہی
 پاک ہو، تاہم اُس ذوالجلال والا کرام کے سامنے ان کی حیثیت ایک عبد ایک بندہ اور ایک
 عاجز مخلوق ہی کی ہے، ایک عبد و غلام خواہ کسی قدر اطاعت کیش کشا ہی و فاشعار، اور مطیع و
 فرمانبردار ہو، تاہم اپنے آقا کے سامنے اُس کو اپنے قصور کا معترف اپنی تقصیر کا منقر اپنی کوتاہیوں
 پر خجل اور اپنی فرد گناہوں پر نادم ہی ہونا چاہئے، اسی لئے حضرت ابراہیم جن کی نیکی اور پاکی کی شہادت
 سے قرآن بھرا ہوا ہے اُہ خدا کی عظمت و جلال اور اُس کی رحمت و شفقت کے ذکر میں فرماتے ہیں،

وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خِطِيئِي

اور وہ خدا جس سے جزا کے دن اپنی بھول

يَوْمَ الدِّينِ، (شعراء - ۵)

چوک کی معافی کی پوری امید رکھتا ہوں

ہی یہ اعتراف و اقرار اور خجالت و ندامت، اُس کا نقص نہیں بلکہ اس کی بندگی اور
 عبودیت کا کمال ہی اور آقا کو حق پہنچاتا ہے کہ اس کے غلام، اطاعت و فرمانبرداری کے جس حیرت
 رتبہ تک بھی پہنچے ہیں، وہ اُن سے اطاعت کیشی اور وفا شعار ہی کے اس سے بھی بلند رتبہ کا مطالبہ
 کرے کہ اس کے دربار میں اُن کے عروج و ترقی کی کرسی اور بھی اونچی ہوتی جائے، بعض
 آیتوں میں اگر کسی پیغمبر کو خدا سے منفرت مانگنے کی ہدایت کی گئی ہے، تو اس کا سبب گناہ کا
 وجود نہیں، بلکہ ہر قدم پر گزشتہ رتبہ اطاعت پر قناعت کر لینے پر تمہید اور مزید اطاعت کا مطالبہ ہے
 تاکہ وہ اُس کے مزید تقرب کا ذریعہ بن سکے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہی
 اِذَا جَاءَكَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ

جب اللہ کی مدد آگئی اور لڑکے فتح ہو چکا اور

اِذَا جَاءَكَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ

يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا
 وَبَسَّحْتُمْ مَبْغِذَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَنْفَرُونَ
 إِنَّكَ كَانَتْ تَوَّابًا (نصر)

اللہ کے دین میں گروہ درگروہ جاتے دیکھ چکا
 تو اپنے پروردگار کی پاکی بیان کر اور اس معافی
 چاہ کہ وہ بندہ کے حال پر رجوع ہو نیوالا ہے

غور کرو کہ خدائی مدد آنا، کفر نفع ہونا، بت پرستی کی بیخ کنی، اور لوگوں کا مسلمان ہونا، کوئی

جرم ہے، جس سے کوئی معافی چاہے، اسی طرح سورہ فتح میں فرمایا:

إِنَّا نَعْتَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا لِيُفْرِكَ
 اللَّهُ قَلْبَهُ مِنْ ذِمَّتِكَ وَمَا
 نَأْخُذُ بِوَعْدِهِمْ لِنَعْتَدَ عَلَيْكَ جَهَنَّمَ
 صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝ وَيُضْرَبُكَ اللَّهُ
 نَصْرًا عَظِيمًا (فتح - ۱)

ہم نے تجھ کو کھلی فتح دی تاکہ اللہ تیری
 اگلی کھلی خطا کو معاف کری دراپنا احسان
 تجھ پر پورا کرے، اور تجھ کو سیدھی راہ چلا
 اور تجھ کو مضبوط مدد دے،

دوبارہ غور کرو کہ کی فتح کمال نصیب ہونے کو حضور کی معافی سے بجز اس کے کیا تعلق
 کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے حسن خدمت کو قبول فرما کر اپنی خوشنودی کا اظہار فرماتا ہے،
 اس استغفار سے مقصود نعوذ باللہ شیخیر کی گھنگاری کا ثبوت نہیں، بلکہ اس کی عبدیت کا
 اظہار ہے،

حضرت عیسیٰ علیہ السلام، جن کے خدا کے بیٹے ہونے کے عیسائی اور فرشتے جن کے
 خدا کی بیٹیاں ہونے کے اہل عرب قائل تھے، اور ان کو خدا کا درجہ دیتے تھے، ان کے متعلق
 قرآن نے کہا،

لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ
 عَبْدَ اللَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ لِلْقَرِيبُونَ
 وَمَنْ يَسْتَنْكِفَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَهُوَ
 فَسَحْشُرُهُمْ أَلِيدٌ جَمِيعًا (نساء-۲۴)

مسیح کو ہرگز اس سے عازم نہ آئے گا، کہ وہ خدا
 کا بندہ ہو اور نہ مقرب فرشتوں کو اور جو اس کی
 بندگی سے عازم نہ کیجا اور بڑائی چاہے گا تو خدا
 ان سب کو اپنے پاس اکٹھا کرے گا۔

اس سے مقصود نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ کی توہین نہیں، بلکہ ان کی عبودیت اور بندگی کا

اعلان ہے،

الغرض انبیاء کا خدا کے حضور میں اپنی کوتاہی کا اعتراف، ان کی گنہگاری کا ثبوت نہیں
 بلکہ ان کی عبودیت کا اظہار ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا کسی پیغمبر کی نسبت یہ فرمانا کہ میں نے
 تجھے معاف کیا، اس کی گنہگاری کا اعلان نہیں، بلکہ اپنی پسندیدگی، رضامندی اور قبولِ تام کی بشارت
 ہی، سورہ فتح کی جو آیتیں اوپر گزریں، ان کو پڑھو تو ظاہر ہو گا کہ چونکہ بت پرستی کی آلائش سے
 مکہ کی تطہیر اور کل جزیرہ عرب میں حق و باطل کی تمیز، مکہ کی فیصلہ کن فتح پر موقوف تھی، اس
 جب وہ پیغمبر علیہ السلام اور مسلمانوں کی مسلسل کوششوں اور جانفشانیوں سے حاصل ہوئی تو خدا
 نے اعلان فرمایا کہ آج اس فتح سے نبوت کے فرض کی اور تجھ پر میرے سلسلہ احسانات کی تکمیل
 ہوئی، پھر خدا آپ سے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کا اور اپنی زبردست مدد کا وعدہ کرتا ہوا ہے کہ
 ان میں سے ہر چیز آپ کو پہلے ہی عنایت ہو چکی تھی، کیا فتح مکہ سے پہلے آپ صراطِ مستقیم یعنی اسلام
 پر نہ تھے، یا آپ کو زبردست مدد نہیں مل چکی تھی، یہ سب مرتبے حاصل تھے، مگر ان باتوں کے یہاں
 ذکر سے اللہ تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ اس موقع پر اس طرح اپنی مزید رضامندی کا اظہار فرمائے

اور رسول کی اگلی پھلی تمام فروگذاشتوں پر (اگر ہوں) خطِ عفو پھرنے کا اعلان کر کے اُن کو نیا خلعتِ
فاخرہ عطا اور نئے مراتبِ جلیلیہ عنایت کرے،

عبدیتِ کاملہ کا یہی راز و نیاز ہے جو حضرت مسیحؑ کے اس فقرہ میں نمایاں ہوا ایک
سرور اُن کو اُسے نیک استاد لکھ کر خطاب کرتا ہے، اُس کے جواب میں وہ فرماتے ہیں:

"تو کیوں مجھ کو نیک کہتا ہو؟ کوئی نیک نہیں، مگر ایک یعنی خدا" (لوقا ۱۸ - ۱۹)

حضرت مسیحؑ کے اس فقرہ سے کسی کا یہ تمیاس کرنا کہ وہ نیک نہ تھے، کس قدر غلط ہوگا
اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کا اپنی مشہور دعائیں یہ کہنا کہ

"اُو جس طرح ہم اپنے قرضداروں کو بچنے نہیں، تو اپنے دین ہم کو بخش دے، (متی ۶-۱۲)

اُن کی گتہ کاری کی دلیل نہیں، بلکہ عبدیتِ کاملہ کے اظہارِ ثبوت ہی،

مکتہ - عربی زبان میں گناہ کے لئے مختلف الفاظ ہیں، مثلاً ذنب، اثم، حنث، جرم وغیرہ

ان میں سے ذنب کے سوا دوسرے الفاظ کا اطلاق اس حقیقی گناہ پر کیا جاتا ہے، جو بالقصد اور جان

بوجھ کر کیا جائے، لیکن ذنب کا اطلاق ہر غلط فعل پر ہوتا ہے، خواہ وہ جان بوجھ کر کیا جائے یا جان

غلط فہمی سے ہو، یا سوچ سمجھ کر، بھول چوک سے ہو، یا قصداً، اور ان کاموں پر بھی اس کا اطلاق

ہوتا ہے، جو درحقیقت عام اُمت کے لئے گناہ نہیں، لیکن انبیاء کے حق میں اتنی غفلت بھی ملاحظہ

کے قابل ہی اتنی منہی میں کہا گیا ہے کہ حسنات الا برار سیتات المقربین، (زمکوں کی

نیکیاں، مقربین کی برائیاں ہیں) ع

جن کے رُتبے ہیں سو ان کو سوا شکر ہے،

انبیاء علیہم السلام کے استنفاذ کے موقع پر ہمیشہ ذنب کا لفظ استعمال ہوا جو چرم اتھکا یا حنٹ کا یہ
 ذنب کا لفظ بھول چوک اور غفلت سے لیکر عصیان تک کو شامل ہے اس لئے کسی نبی کو
 اگر خدا کی طرف سے استنفاذ ذنب کی ہدایت کی گئی تو اس کے معنی صرف عصیان و گناہ کے نہیں بلکہ
 یہی انسانی بھول چوک اور فرد گدازت ہی جس کی اصلاح و تنبیہ اللہ تعالیٰ اپنے رحم و کرم اور
 و عنایت سے فرماتا رہتا ہے اور اسی کے لئے استنفاذ کا حکم ان کو ہوتا رہتا ہے

اسی سے ایک اور کلمہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ بھول چوک اور بلا ارادہ و غفلت گو
 اُنت کے حق میں قابل مواخذہ نہیں، مگر انبیاء علیہم السلام کے بلند مرتبہ کے لحاظ سے یہ چیزیں بھی
 گرفت میں آتی ہیں، کیونکہ ان کا قول فعل شریعت بن جاتا ہے، اس لئے شریعت کی حفاظت کے
 لئے ان کے ہر قول و فعل کی حفاظت بھی ضروری ہے اس بنا پر اگر ان سے اچھا ماٹرنی ایسی بات
 ہو جاتی ہے تو فوراً اس پر تنبیہ کی جاتی ہے اور ان کو ہشیا کر دیا جاتا ہے، اور اسی کے ساتھ ان کی
 یہ چیز معاف کر کے ان کو بشارت سنائی جاتی ہے، اور اس طرح ہر چھوٹے بڑے دانستہ اور نادانستہ
 تمام گناہوں سے ان کا دامن پاک و صاف رکھا جاتا ہے

اس فرق کو عام لغت نویسوں نے ٹھونکا نہیں رکھا ہے، مگر جن علماء لغت نے ان الفاظ کے فرق پر کتاب
 لکھی ہیں، انھوں نے اسکی تصریح کی ہے، ہم بیان پر بیروت کے مشہور عیسائی لغت نویس واریٹ اب ہنری کی
 انس کی کتاب فراد اللغۃ فی الفروق کی عبارت نقل کرتے ہیں: الا تشوال الذنب لذاتہ لیسحق العقوبة
 علیہ وکالیوصف بہ الا المجرور وین الا تشوال الذنب فوق من حیث ان الذنب مطلق المجرور علی
 کان او مہراً بخلاف الا تشوال الذنب ما یشحق تا علی العقاب فیمنعہ بما یكون علیہ او الحنث الذبیح من الذنب
 لان الذنب یطلق علی الصغیرۃ والحنث علی الکبیرۃ والمجرور لا یطلق الا علی الذنب لعلط (ص ۱۰۷)

(ملاحظہ فرمائیں کہ یہ لکھیہ ہے)

تو آدم نے اپنے رب سے چند باتیں سیکھ لیں تو وہ

اس کی طرف رجوع ہوا،

پھر خدا نے اس آدم کو برگزیدہ کیا پھر اس کی طرف رجوع ہوا

یقیناً اللہ نبی کی طرف رجوع ہوا،

پھر ہم نے اس (یونس) کی عاقبتوں کی اور اسکو غم سواہی دیا

تا کہ اللہ تیری گلی بھلی فرودگذاشت معاف کرے،

کامل اور عام عفو و مغفرت کا یہ مرتبہ بلند خود بندہ کی زندگی میں انبیاء کے سوا کسی

دوسرے کو نصیب نہیں،

۲۔ انبیاء کی معصومیت کے مسئلہ میں غلط فہمی کا دوسرا سبب یہ ہے کہ انبیاء کی قبل از نبوت

اور بعد از نبوت زندگیوں میں، قوت اور عمل کا جو فرق ہے، اُس کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا علم اور عمل

صلالت اور ہدایت، اضافی الفاظ میں سے ہیں، علم کی ہر حد کو علم کے مافوق درجہ کے لحاظ سے قبل

اور ہدایت کے بلند سے بلند مرتبہ کو اُس سے بھی اوپر کے مرتبہ کے لحاظ سے صلالت کہہ سکتے ہیں،

انبیاء علیہم السلام کی قبل از نبوت اور بعد از نبوت زندگیوں میں قوت اور فعلیت کا فرق

ہی جس طرح تخم میں تمام برگ و بار پوشیدہ ہوتا ہے، لیکن وہ اُس وقت درخت نہیں ہوتا،

نہ اُس میں تنہا شاخیں، پتے، پھول اور پھل ہوتے ہیں، اور نہ اُس کا عالم نیاہ سایہ ہوتا ہے، لیکن ایک

وقت آتا ہے جب وہی تخم بڑھ کر ایک نیا درخت بن جاتا ہے، اس کے پتے اکھوں میں ہرانی پیدا

کرتے ہیں، اُس کے پھول مشام جان کو معطر کرتے ہیں، اُس کے پھل کام و دہن میں شہد شپکاتے ہیں

فَلْيَقُلْ اَدْرُ مِنْ رَبِّي كَلِمَاتٍ فَتَابَ

عَلَيْهِ، (بقرہ - ۴)

ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبِّي فَتَابَ عَلَيْهِ (طہ،)

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ (توبہ - ۴)

فَاَسْتَجَبْنَا لَهُ وَاجْتَبَيْنَاهُ مِنَ الْغُفَرٰٓءِ (انبیاء)

لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنْبِكَ وَمَا تَخَّرَ (فتح - ۱)

اس کے سایہ میں تھکے ماندے مسافر آرام پاتے ہیں، اسی طرح نبوت کی سابقہ اور لاحقہ زندگیوں میں عظیم الشان فرق ہے اور اسی فرق کی بنا پر اس کی قبل از نبوت زندگی، ظہور نبوت کے بغیر تاریکی اور ضلالت، اور بعد کی زندگی نور اور ہدایت معلوم ہوتی ہے جس طرح عام افراد کی زندگی اسلام و ایمان کے بغیر ضلالت اور اسلام و ایمان کے بعد ہدایت بن جاتی ہے، اسی طرح انبیاء کی زندگی ان کی نظر میں نبوت کے بغیر ضلالت اور نبوت کے بعد ہدایت ہوتی ہے، غرض یہ ہرگز ظہور نبوت سے پہلے کا زمانہ ان کی ضلالت کا اور بعد کا زمانہ ان کی ہدایت کا عہد کہلاتا ہے، لیکن ضلالت اور ہدایت کا یہ مفہوم اس مفہوم سے بالکل مختلف ہے، جو غیر انبیاء کے حق میں مستعمل ہے، اللہ تعالیٰ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے احسانات گناتا ہوا فرماتا ہے،

الَّذِي جَدَّدَكَ بِتَمِيمٍ فَأَوْحَىٰ صَوْرَةَكَ
 ضَالًّا فَهَدَىٰ صَوْرَةَكَ عَائِدًا
 فَأَعْنَىٰ، (ضحیٰ - ۱)

کیا اللہ نے تجھ کو تميم نہ پایا، پھر تپاہ دی
 اور اس نے تجھ کو بھولا پایا، تو رہنمائی کی
 اور تجھ کو محتاج پایا، تو بے نیاز کیا،

سطور بالا سے ظاہر ہے کہ یہاں ہدایت سے نبوت، اور ضلالت سے قبل نبوت کی زندگی مراد ہے، جو نبوت کے بعد کی زندگی کے مقابلہ میں نسبت ضلالت ہی ہے، "ضلالت" کے معنی عربی میں صرف صرّح گمراہی ہی کے نہیں ہیں، بلکہ نادانستہ بھولنے، بھٹنے اور غفلت کرنے کے بھی ہیں، عورتوں کی شہادت کے موقع پر ہے،

أَلَمْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَذُكِّرَا
 إِحْدَاهُمَا الْآخَرَىٰ، (بقرہ ۲۲۹)

کہ بھول جاوے ایک عورت تو یاد
 دلاوے اس کو دوسری۔

ایک اور آیت میں علم الہی کی تعریف میں ہے،

لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنسَى (طہ ۲)

بچوکتا ہے میرا رب نہ بھولتا ہے،

ان آیتوں میں لفظ ضلالت کا استعمال بتانا جو کہ ضلالت کے معنی عربی زبان اور محاورہ قرآن میں صرف گمراہ کے نہیں، بلکہ بھول چوک کے بھی ہیں، اسی طرح اس حالت کے بھی ہیں جس میں گمراہی گمراہی معلوم ہوتی ہے لیکن ہنوز ہدایت الہی کا نور اس کے سامنے نہیں چمکا، غلطی کا احساس ہوتا ہے، مگر اس غلطی کی جگہ ہنوز صحت نظر نہیں آتی ہے اہل کی بُرائی تو معلوم ہو گئی ہے، مگر ہنوز علم کا دروازہ نہیں کھلا ہے، اور یہی قبل نبوت کی کیفیت ہوتی ہے، حضرت موسیٰ نے اپنی نبوت سے پہلے ایک ستم شعار قبیلے کو گھونسا راتھا جس کے صدر سے وہ آفتاب مر گیا تھا، نبوت پا کر جب وہ لوٹے تو فرعون نے ان کو طعنہ دیا کہ تم تو میرے فرامی مجرم ہو حضرت موسیٰ نے جواب دیا،

فَعَلَيْكُمْ أَذًا وَاَنَا مِنَ الضَّالِّينَ

میں نے اس حالت میں کیا تھا کہ میں

(شعراء - ۲) چوکنے والوں میں سے تھا،

اس چوک اور ضلالت سے مقصد صرف یہی ہے کہ اس وقت میں نبوت کی عزت

سے سرفراز نہ تھا، ورنہ ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ نے نبوت سے پہلے کوئی گمراہی کی بات نہیں کی تھی

و نہ نبوت کو پوجا تھا، نہ فرعون کو سجدہ کیا تھا، نہ کوئی اور شرک کیا تھا، کسی کے طمانچہ مارنے سے تعلق

کسی کمزور کا مر جانا، مارنے والے کا کوئی یا مقصد گناہ نہیں جس کو ضلالت کہیں، اس کے صاف

ظاہر ہوتا ہو کہ حضرت موسیٰ کا اپنے کو اس وقت ضلالت کہنے سے مراد نبوت سے سابقہ زندقہ

اس قبل نبوت کی زندگی کو بعد نبوت کی زندگی کے لحاظ سے جسے یہاں ضلالت کہا گیا ہے،
دوسری جگہ اس کو غفلت (بیخبری) سے بھی تعبیر کیا گیا ہے، حضرت یوسفؑ کے قصہ میں
آپ کو خطاب ہی،

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقِصَصِ
بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَذَا الْقُرْآنَ تَوَاتُرًا
كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ (یوسف)

ہم تجھے بہترین قصہ سناتے ہیں کیونکہ ہم نے
تیری طرف یہ قرآن اتارا، اگرچہ اس قرآن کی
وحی سے پہلے تو بیخبروں میں تھا،

اس بیخبری کے عالم کی تفسیر دوسری آیت میں ہے جس میں نبیؐ کی قبل از نبوت اور بعد از نبوت

کی زندگی کا فرق ظاہر فرما دیا ہے،

وَكذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ
أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ
وَلَا الْإِيمَانُ وَلَكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي
بِهِ مَن نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ
لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

اور اسی طرح ہم نے اپنے (خلوت خانہ) راہ سے
ایک وحی تیری طرف وحی کی، تو نہیں جانتا
تھا کہ کتاب کیا ہے اور نہ ایمان لیکن ہم نے
نور بنا دیا جس سے جس کی چاہتے ہیں اسے سید
میں سے رہنمائی کرتے ہیں، اور بیشک تو سید

(شوری - ۵) راہ دکھاتا ہے،

”کتاب و ایمان“ کے نور و ہدایت ملنے سے پہلے کی یہی وہ کیفیت و حالت ہے جس کو
کیس ضلالت اور کہیں غفلت کہا گیا، اس سے مقصود حقیقی گنہگار ہی، عصیان کار می اور
باطنی گمراہی نہیں ہے، بلکہ طلب حق، تلاش معرفت اور انتظار حقیقت ہے کہ وہی ان کے

حق میں ضلالت اور غفلت کا حکم رکھتا ہے، آخر وہ وقت آتا ہے جب روشنی حکمتی ہی اور روحانی سکون کا چشمہ بہتا ہی اور منزل رسی کے بعد دوسروں کی رہنمائی کا منصب عطا ہوتا ہی، یہ ہدایت کا دور ہے۔

چنانچہ ایک موقع پر انبیاء کے نبوت ملنے کو ہدایت کے لفظ سے ادا فرمایا گیا ہے:

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ كَلِّمًا ۚ
 هَدَيْنَا سَبِيلًا ۚ إِنَّ سَعْيَهُ لَبِذِينَ
 هَدَيْنَا سَبِيلًا ۚ إِنَّ سَعْيَهُ لَبِذِينَ
 هَدَيْنَا سَبِيلًا ۚ إِنَّ سَعْيَهُ لَبِذِينَ

اس ہدایت دینے سے اگر نبوت عطا کرنا مراد ہے تو ظاہر ہے کہ عدم نبوت کا عہد ضلالت ہے، اس لئے کہ اس سے مقصد صرف وہ حالت ہوتی، جس میں ان کو ہنوز نبوت نہیں ملی تھی اور اس مرتبہ بلند کا انتظار تھا،

اس تشریح سے یہ واضح ہو گیا کہ انبیاء کے حق میں ضلالت سے مقصود گنہگاری، خصیان کاری، اور گمراہی نہیں، بلکہ عدم نبوت کا دور اور رسالت کی زندگی سے پہلے کا عہد ہی جو نبوت رسالت کی ہدایت کے مقابلہ میں نسبت ضلالت ہے،

بنی کی بشریت | بنی کی معصومیت اور اس کے دوسرے مقدس خصیصہ صیانت باوجود اسلام کی

تعلیم ہی ہے کہ نبی خدا کا مخلوق خدا کا بندہ اور آونی ہی ہوتا ہے وہ خدا کا اقرار کرتا یا فرشتہ نہیں ہوتا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ بھی ان مسائل میں توڑ جن کی اصل حقیقت مقرر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے انفرادی تعزیر کی تھی اور آپ کے فیض تعلیم سے وہ روشن ہوئی، اسلام سے پہلے یہودیوں کی طرح ایسے اہل مذہب بھی تھے جو پیروں کو ایک بیشنگونی کی صفت کے علاوہ ہر حیثیت سے معمولی انسان سمجھتے تھے، وہ ہر قسم کے گناہ بھی کرتے تھے،

وہ بد اخلاقیوں کے بھی مرتکب ہوتے تھے، وہ کفر بھی کرتے تھا ہم سپر سمجھے جاتے تھے، دوسری طرف عیسائی بھی تھے، جو اپنے "نجات و ہند" کو انسانیت سے پاک، خود خدا یا خدا کا جز یا ناسوت والا بت کا ایک مجہول سمجھتے تھے، اور ہندو بھی تھے، جو اپنے رہنماؤں کو دیوتا اور اتار یعنی مجسم خدا یا انسان کے بھیس میں خدا سمجھتے تھے، اور جن کو ہر قسم کی خدائی طاقتیں حاصل تھیں،

اسلام نے اپنی تعلیم ان دونوں کے وسط میں پیش کی، وہ ایک طرف رسولوں کو مخلوق

محض عرف انسان اور پورا بندہ اور خدا کے حکم کے سامنے عاجز و درما ندہ تسلیم کرتا ہے، لیکن دوسری طرف وہ ان کو خدا کا برگزیدہ معصوم نیک اور خدا کی قدرت سے فیض پا کر برکتوں، سواؤوں اور ہدایتوں کا مرکز، اور اس کی اجازت سے عجیب و غریب امور صادر کرنے والا بتاتا ہے، اور

بے اعتدالی کے ان دونوں خیالات کی جو غلط فہمی پر مبنی ہیں، علامہ ترویج کرتا ہے، اہل عرب بھی ہندوؤں یونانیوں اور عیسائیوں کی طرح یہ سمجھتے تھے کہ انسان کی رہنمائی کے لئے خود انسان نہیں

بلکہ انسان سے ما فوق ہستی ہونی چاہیے، اور وہ ہستی صرف فرشتوں کی ہے، قرآن نے ان کے

اس خیال کی بار بار تکذیب کی ہے، اور کہا ہے کہ اگر زمین میں فرشتے آباد ہوتے، تو فرشتہ کو ان کے پاس

رسول بنا کر بھیجا جاتا، اور انسانوں میں فرشتہ آتا بھی تو انسانیت ہی کے پیکر میں آتا، تو ایسی حالت

میں تم اس فرشتہ کو فرشتہ کب مانتے،

حقیقت یہ ہے کہ سپر ہون کے دورخ ہوتے ہیں، ایک طرف تو وہ بشریت کے جاہ

میں ہوتے ہیں، اور انسانوں ہی کی طرح کھانے پیتے، چلتے پھرتے، سونے جاگتے، شادی بیاہ کرتے

اور پیدا ہوتے، اور مرتے ہیں، دوسری طرف وہ اپنی روحانیت سے بے گناہی، پاکدامنی، اور اخلاص

نبوت میں انسانوں سے بلند تر ہیں، یہودیوں کی طرح جن کی نظر ان کے انسانی رُخ پر پڑتی ہے وہ ان کو ہر طرح معمولی انسان سمجھتے ہیں، اور عیسائیوں کی طرح جن کی نظر ان کے مافوق انسانی خصائص پر پڑتی ہے، وہ ان میں الوہیت کے اوصاف ثابت کرنے لگتے ہیں، حالانکہ حق ان دونوں کے بیچ میں ہے، وہ اپنے بشری اوصاف کے لحاظ سے بلاشبہ انسان ہوتے ہیں لیکن اسی کے ساتھ وہ اپنے مافوق بشری خصوصیات کی بنا پر فوق البشر ہوتے ہیں، یہی منظر اپنے اپنے پیغمبروں کے متعلق کفار کو ہوتا تھا پیغمبر ان کے سامنے جب اپنی نبوت اور خدا کی طرف سے آنے کا دعویٰ پیش کرتے تھے، تو وہ ان کی بشری خصوصیتوں کو دکھایا کرتے تھے کہ تم تو ہماری ہی طرح آدمی ہو، تم خدا کے قاصد اور پیامبر کیسے ہو سکتے ہو چنانچہ کفار نے بار بار پیغمبروں سے کہا،

أَلَعَلَّ اللَّهُ بُشِّرًا رَسُولًا (اسرائیلی) کیا خدا نے بشر کو قاصد (رسول) بنا کر بھیجا،

وہ بشریت کو رسالت کے معنی سمجھتے تھے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس

کے جواب میں فرمایا،

هَلْ كُنْتُ إِلَّا بُشِّرًا رَسُولًا (اسرائیلی) میں تو نہیں ہوں مگر انسان رسول،

ان کو شبہہ تھا کہ کیا گمراہ انسانوں کی رہنمائی انسان ہی کر سکتا ہے،

أَبَشِّرُ بِصِدْقٍ وَنَنَا (نعا بن) کیا انسان ہماری رہنمائی کریں گے،

یہ وہی شبہہ تھا جس میں پھنس کر عیسائی حضرت عیسیٰ کی انسانیت سے منکر ہوئے کہ تم تو

گنہگار انسان کو انسان کا بیٹا کیونکر نجات دے سکتا ہے، اور یہ نہیں سمجھے کہ انسان موروثی

گنہگار نہیں بلکہ وہ گنہگار بھی ہو سکتا ہے، اور بے گناہ بھی، اسی لئے اور مصیبت کیلئے انسانیت

پاک ہونا ضرور نہیں یہی بات اور کفار کی سمجھ میں بھی نہیں آتی تھی اور انبیاء کو غلط فہمی اور جہانی
طورت اپنی ہی طرح انسان سمجھ کر ان کو نبوت کا مستحق نہیں سمجھتے تھے، اور کہتے تھے،

إِنَّا نَحْنُ وَإِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (ابراہیم: ۲)

تم تو نہیں ہو لیکن ہماری ہی طرح ایک بشر
دوسروں کو نبی کے انکار کرنے پر اس طرح آمادہ کرتے تھے کہ

هَلْ هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (انبیاء: ۱۰)

یہیں ہو یہ لیکن تمہاری ہی طرح بشر
یہاں اے اللہ! بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (مومنین: ۱۰)

انبیاء کے سامنے وہ ہی دلیل پیش کرتے تھے،

مَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (شعراء: ۸)

تم تو ہماری ہی طرح بشر ہو،
مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (یسین: ۲۰)

اور وہ اپنے اس وعوی کی صداقت کو بدابہت اور مشاہدہ سے ثابت کرتے تھے،

فَاخْرُجْ يَا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (ہود: ۳)

ہم تو تم کو اپنی ہی طرح بشر دیکھتے ہیں
انبیاء علیہم السلام نے ہمیشہ ہی جواب دیا کہ ہاں تمہاری ہی طرح ہم بشر ہیں لیکن خدا کے

فضل و کرم سے سرفراز ہیں، اور یہی تم میں اور ہم میں فرق ہے، فرمایا،

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِنَّا نَحْنُ
إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ نِعِمُّ

ہی طرح بشر ہیں لیکن خدا سے اونچے ہیں
عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ (ابراہیم: ۱۱)

میں کو جس پر چاہتا ہوں اس میں کوئی تمہاری

ان کفار کی نظر صرف ان کے ایک رُح یعنی مام انسان کی پہلو پر پڑتی تھی، انبیاء نے جواب دیا

اس پہلو کے ساتھ اپنے دوسرے رُخ کو بھی اُن کے سامنے پیش کر دیا، اور کہا کہ ہاں ہم انسان ہیں لیکن ایسے انسان جن پر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی بارش یعنی نبوت سے سرفرازا اور اسکی نصیب سے ممتاز ہیں،

دوسرے نبیوں کی طرح ختم المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ بار بار اعلان فرمایا بلکہ وحی الہی نے آپ کی زبان سے یہ اعلان کر دیا کہ کھدو کہ میں تمہاری ہی طرح ایک وحی اور بشر ہوں اس اعلان نے جو درحقیقت اُس غلط عقیدہ کے مٹانے کے لئے تھا، جو نبیاء کی شان الوہیت کے متعلق عیسائیوں کے اثر سے لوگوں میں پھیل گیا تھا، اور افسوس ہے کہ اس قسم کا غلط خیال اُسی نبی کی اُمت کے ایک گروہ میں بھی پایا جاتا ہے، جو دنیا میں خدا کی توحید کامل کا مبلغ بنکر آیا تھا، دوسری طرف اس اعلان سے ایک تقریباً پسند گروہ نے یہ نتیجہ نکالا کہ پیغمبر اور عام انسانوں کوئی فرق اور امتیاز نہیں اور نہ پیغمبروں کو عام انسانوں پر کوئی بلندی و برتری حاصل ہو لایہ کہ پیغمبر پر وحی آتی رہتی ہے اور عام انسان اس سے محروم ہیں، گویا اس کا نشانہ یہ ہے کہ پیغمبر صرف اُس لمحہ اور آن میں منصب نبوت کا امتیاز پاتا ہے، جب اس پر ہم کی وحی نازل ہوتی ہے، اور اس کے پہلے اور بعد وہ عام انسان ہوتا ہے، اس سے آگے بڑھ کر اسی لئے ایک اور مختصر سے فرقہ نے یہ دعویٰ کیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغمبرانہ حکم صرف وہی ہے جو وحی قرآنی کی صورت میں آیا، اس علاوہ آپ کے تمام احکام جو قرآن سے باہر ہیں، وہ صرف حاکمانہ اور انتظامی امور ہیں، جن کی کرنا نہ اسلامی شریعت ہے، نہ اسلام کا جز ہے، یہ خیالات حقیقت میں دوسرے مفرطانہ فرقہ متقابلہ میں تعریفیانہ ہے، اور نہ دونوں اعتدال کی حد سے باہر اور حقیقت اُن کے بیچ میں ہے،

قرآن پاک میں تین جگہ وہ آیتیں ہیں جن میں خاص آنحضرت ﷺ کی بشریت کا اعلان ہے، مگر ہر جگہ توحید کمال کے بیان اور خدا کے مقابلہ میں رسولوں کی عبدیت کی تشریح اور اس عقیدہ باطل کی تردید میں ہیں کہ رسولوں کے ہاتھوں میں یہ قوت ہونی چاہئے کہ وہ خدا سے بہرہ دستی کسی بات کو منوالین، اور سی و سفارش کر کے تصور معاف کرا دیں، قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ ان کو جو کچھ حاصل ہو وہ خدا سے تعالیٰ کی اجازت، اذن اور عطا سے ہے،

سورہ کہف میں ان مشرکوں کا ذکر ہے جو خدا کے بندوں کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں،
 اَخْسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا انَّا نَتَّخِذُ رِجَالًا مِّمَّنْ كَفَرُوا كَمَا ظُنَّوْا
 جِبَادِي مِنْ دُونِي اَوْلِيَاءَ مَا اَنَا عٰبِدُكُمْ اَنْتُمْ كَانْتُمْ كٰفِرِيْنَ
 جہنم تکلفین نزل (کہف ۱۳) میرے سوا اپنا حمایتی بنائیں گے تم نے ان

قرآن اس خیال کو کفر قرار دیتا ہے، یہ رکوع کا شروع ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے غیر خود و اوصاف و کمالات کا ذکر ہے، پھر ارشاد ہے،

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰى اِلٰى اَنَّا
 الْهٰكُمُ الْاِلٰهُ وَ اَحَدٌ (کہف ۱۴) مجھ پر وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک

دوسری جگہ یہ تعلیم بعینہ سورہ حسم السجدہ (فصلت) میں ہے،
 قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰى اِلٰى اَنَّا الْهٰكُمُ الْاِلٰهُ وَ اَحَدٌ
 فَاسْتَغْفِرُوْا لِيْهِ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ اِنَّ اِيَّاهُ اسْتَغْفِرُ
 وَ ذُوْنِ الْمَشْرِكِيْنَ (حم السجدہ ۱۷) سجدہ خواہ اس پر گناہوں کی معافی چاہو

اس آیت کا منشا بھی یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں رسول اسی طرح ایک بندہ ہے، جس طرح خدا کے دوسرے بندے دعا میں خدا ہی سے مانگنی چاہئیں، اور اسی سے اپنے گناہوں کی معافی کی درخواست کرنی چاہیے، یہ اختیارات خاص خدا کے ہیں، بندوں کے نہیں، اس تعلیم سے مقصود حقیقت میں عیسائیوں کے مسئلہ کفارہ اور ان کے اس عقیدہ کی تردید ہے کہ گناہوں کا معاف کرنا حضرت عیسیٰ کے اختیار میں ہو گا، اور مسلمانوں کو اپنے رسول کی نسبت اس قسم کی باطل عقیدہ مندوں سے بچانا ہے، چنانچہ تیسری جگہ قرآن پاک میں جہاں آنحضرت ﷺ سے کفار کا یہ مطالبہ مذکور ہے کہ تم خدا کے پیغمبر ہو تو ہمارے لئے سونے کی چھت بنا دو جہاں نہیں ہیں وہاں نہری جاری کرو، ہمارے سنان جنگوں کو باغ و بہار بنا دو، اپنے ساتھ جلوہ میں فرشتوں کے پرے لئے کر چلو، ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ جاؤ اور وہاں سے ہاتھ میں کتاب لے کر سامنے آؤ،

| | |
|--|--|
| اور انھوں نے کہا کہ تم تم پر ایمان اس وقت تک | وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ بِكَ حَتَّىٰ تُنَزِّلَ عَلَيْنَا |
| نہیں لائیں گے، جب تک تم ہمارے لئے زمین سے | مِنَ الْأَرْضِ يَمْشُوا عَلَآءَ تَكَوُّنَ |
| ایک شہ نہ بنا دو، یا تمہارے لئے بھوڑوں اور گولوں | لَكَ جَنَّةٍ مِّنْ نَّجِيلٍ وَعَذَابٍ فَظِيمٍ |
| کا ایک باغ نہ ہو جائے، یا جیسا تم کہتے ہو | الْأَنْهَارِ خِلَافًا تَجِيئًا، أَوْ تَقَطُّعًا |
| آسمان کے ٹکڑے کر کے ہم پر نہ گراؤ، یا خدا کو | السَّمَاءِ كَمَا زَعَمْتُمْ عَلَيْنَا كَيْفَ نَأْتِي |
| فرشتوں کو خا میں بنا کر نہ لے آؤ یا تمہارے | أَوْ نَكُونُ لَكُم مِّثْلَ الْمَذَلَّةِ فَبِمَلَاكِهِمْ |
| لئے سونے کا ایک گھرنہ ہو جا یا تم آسمان | أَوْ نَكُونُ لَكُم مِّثْلَ بَيْتٍ مِّنْ ذُرْوَاهِ أَوْ |

رَفَعْنَا فِي السَّمَاءِ وَلَوْ نَوْنُ لِرُقُبِكَ

حَتَّى تَنْزِلَ عَلَيْنَا لَكَيْتُمْ وَكَا

(یعنی اسرائیل - ۱۰) سے ایک نوشتہ نہ ہم پر اتارا تو ہمیں کو ہم پر پڑھیں

یہ امور مشکل و محال نہ تھے لیکن نبوت کے اوصاف کو ان باز یگرانہ تماشوں سے تعلق

نہ تھا، اور اس سے زیادہ یہ کہ اس ناطق عقیدہ کا ابطال کرنا تھا کہ پیغمبر میں ہر وہ راستہ کھینچ

خدا کی اختیارات ہوتے ہیں، اس لئے آپ کو یہ جواب سکھایا گیا کہ آپ فرمائیں،

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا

رَسُولًا وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا

إِذْ جَاءَهُمْ الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ قَالُوا

إِن كُنَّا نَرَىٰ رَبَّنَا لَوَدَّ كُنَّا

بِحُجْرٍ أَوْ كُنَّا فِي سَمَاءٍ مُّطْمَئِنِّينَ

لَوْ نَرَىٰ رَبَّنَا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ كَمَا رَسُوْنَا

أَنْحَضَتْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے کلمہ خدا معجزات بھی صادر ہوئے، اور ان کی حیرت انگیز

کوائفوں نے تسلیم بھی کیا، پھر بھی یہ خیال کہ ایک بشر رسول کیونکر ہو سکتا ہے قائم رہا،

کفار نے معجزات دیکھنے کے بعد بھی یہی کہا،

هَلْ هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ أَفَتَأْتُونَ

الْبُحْرَىٰ وَأَنْتُمْ بُحِيرُونَ (انبیاء - ۱)

یہ تو تمہاری ہی طرح بشر ہے کیا تم دیکھ بھال کے بھی جاؤ گے پاس آتے ہو،

معجزات کی حیرت انگیزی کو جا دو لکھ کر تسلیم کیا، مگر پھر بھی ان کو بشریت رسالت کے منافی ہی معلوم ہوئی ان سے کہا گیا کہ نبوت و رسالت کے اوصاف و خصائص تم سے زیادہ ان کو معلوم ہیں جن کو تم سے پہلے آسمانی کتابیں عطا ہوئیں، یعنی یہود، ان سے پوچھ لو کہ رسول اور نبی بشری ہوتے آئے ہیں،

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِي
إِلَيْهِمْ فَمَسَّلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنَّا
لَا نَعْلَمُونَ (انبیاء - ۱)

اور ہم نے نہیں بھیجا رسول بنا کر تم سے پہلے لیکن
انسانوں ہی کو جن کو ہم وحی کرتے تھے، جانتے
داون سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے،

یہی جواب سورہ یوسف میں دیا گیا،

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا
نُوْحِي إِلَيْهِمْ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى (یوسف ۱۲)

اور ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھیجے وہ بشری
تھے، آبادیوں کے رہنما والے ہم ان پر وحی کرتے
اس سے زیادہ تفصیل سورہ نحل میں ہے،

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا
نُوْحِي إِلَيْهِمْ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ
إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ، بِالْبَيْتِ
وَ الذُّبُرِ ، وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ
بِالنَّبِيِّ النَّاسِ مَا نَزَّلَ إِلَيْهِمْ
لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (نحل - ۶)

اور ہم نے نہیں بھیجا تم سے پہلے لیکن انسانوں کو
جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے تو پوچھ لو کتاب
داون سے اگر تم نہیں جانتے، کھلی نشانیاں
کتاب میں دیکھو اور ہم نے پیر کتاب (ذکر) اناری
تاکہ تم کھول کر لوگوں سے بیان کرو جو ان کی
طرف انارا گیا اور تاکہ وہ سوچیں،

ہر شخص جو مثلیت اور بشریت کی ان آیتوں پر ایک نگاہ ڈالے گا، وہ یہی سمجھے گا کہ ان آیتوں میں جس قسم کی مثلیت اور بشریت کا ذکر ہے، اس کا تعلق ظاہری جسمانی اور جسمانی قوی اور مخلوقیت سے ہے، ورنہ اخلاقی، روحانی، دماغی، قلبی، علمی، اور عملی حیثیت سے ایک ہر انسان رہ کر بھی غیر نبی انسانوں سے بلند تر اور علائقہ ممتاز ہوتا ہے، نبی اور غیر نبی میں صرف وحی کے امر فارق ہونے کے معنی نہیں ہیں کہ نبی اللہ سے ربانی سے متصف ہونے کے علاوہ بقیہ تمام اوصاف و کمالات یا عیوب و نقائص میں عام انسانوں کے برابر ہوتا ہے، یہ کہنا ایسا ہی ہے، جیسے کوئی یہ کہے کہ عالم و جاہل میں صرف علم کا فرق ہے، ورنہ دونوں برابر کے انسان ہیں، تو اس کے معنی نہیں کہ علم و جہل کے علائقہ ممتاز و متضاد اوصاف میں بھی دونوں برابر ہیں، اور ان میں عقل، اخلاق، تہذیب، سلیقہ، رائے اور حکمت و دانائی کا کوئی فرق نہیں، حالانکہ ان میں علم و جہل کا فرق کم کر، درحقیقت ان دونوں کے درمیان علم اور جہل کے سینکڑوں اوصاف و لوازم اور خصائص کا فرق و امتیاز تسلیم کرنا ہے،

اسی طرح نبی اور غیر نبی میں وحی کا فرق مان کر وحی والے اور بے وحی والے انسانوں میں خود وحی اور عدم وحی کے سینکڑوں لوازم و خصائص اور اوصاف کا فرق تسلیم کرنا پڑے گا، وحی و رسالت کو چھوڑ دو، دوسرے انسانی کمالات کو مثلاً لو تو بھی یہی ماننا پڑے گا کہ انسان عقلی جتنے اوصاف و کمالات ممکن ہیں، ان سب کی اعلیٰ سے اعلیٰ جانب کمال تک پہنچنا ممکن ہے، اور وہ ان تک پہنچ جاتے ہیں، وہ اپنے جسمانی اوصاف و خصائص کے کافا سے انسان ہونے کے باوجود اپنے دوسرے قوی میں عام انسانوں سے یقیناً بلند اور ممتاز ہوتے ہیں، کوئی کہہ سکتا ہے

کہ جسمانی قوت کا ایرانی ہیرو ستم انسان نہ تھا، علم و عقل کا یونانی مجتہد اسطو انسانیت پر پاک تھا
 اور موجودہ دنیا کی بہت سی حیرت انگیز ایجادوں کا مخرج اڈیسن بشر نہیں لیکن اس انسانیت
 اور بشریت کے اشتراک کے باوجود اپنے اپنے دائرہ میں، وہ عام انسانوں سے بلند اور
 ممتاز تھے، اور باقیہ وہ اپنے جسمانی خصائص، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، سونے
 جاگنے، دیکھنے جانے، صورت شکل، ہاتھ پاؤں، ہر ایک چیز میں وہ ویسے ہی انسان ہیں، اور
 انسان، بلکہ مجبور انسان ہیں، جیسے دوسرے کمزور، جاہل اور بلیڈ الزہن انسان ہیں، یہی مثال آپ
 نئی میں انبیاء کرام علیہم السلام کی بھی ہے کہ وہ غیر نبی انسانوں کے ساتھ بہت سے انسانی
 اوصاف میں شریک ہونے کے باوجود وحی اور اس کے خصائص اور لوازم میں ان سے صریحاً
 بلند، اور اعلیٰ بلکہ بعض جسمانی خصائص میں بھی ان سے ممتاز ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 صوم وصال رکھتے دیکھ کر جب صحابہ بھی آپ کی پیروی میں کئی کئی دن تک متصل روزہ رکھتے
 ہیں، تو آپ ان کو منع کرتے ہیں، اور اپنی نسبت فرماتے ہیں: **اَنْتُمْ شِئْءٌ لَيْسَ بِطَعْنِي**
رَكْبِي نَسِيءٌ تم میں کون میرے مثل ہی میں رات گزارتا ہوں، تو میرا رب مجھے کھلاتا اور پلا تا
 کیا عام انسانوں کو بھی یہ روحانی غذا اور روحانی سیرابی میسر آتی ہے، اور وحی کے علاوہ
 بعض دوسری چیزوں سے بھی مشابہت کی اس میں نفی نہیں ہے؟

اسی طرح نمینہ کی حالت میں بھی نبی کے قلب اور اس کے احساسات کا فاعل ہونا

حدیثوں سے ثابت ہے کہ فرمایا میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن انہیں سوتاؤ کن لک اک انبیاء

صحیح بخاری کتاب الصوم

تَنَامُوا عَيْسُهُمْ وَاَتَانَهُمْ قُلُوبُهُمْ، اور اسی طرح سب انبیاء ہیں کہ ان کی آنکھیں سوتی ہیں مگر ان کے
 دل نہیں سوتے، کیا یہی کیفیت عام انسانوں کی نیند کی بھی ہے؟ آنحضرت ﷺ کو کون
 کو نماز میں صفوں کو درست رکھنے کی تاکید کرتے ہیں، تو فرماتے ہیں کہ میں تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے ہٹنے
 ویسے ہی دیکھتا ہوں جیسے سامنوں سے، کیا عام انسانوں کی قوت بصارت کا یہی عالم ہوتا ہے؟
 قرآن پاک میں ہے، اَفْتَرَوْا عَلٰی مَا يَرٰى كَيْفًا، کیا پیغمبر جو دیکھتا ہے، تم اس میں اس سے جھگڑتے
 ہو، وَلَقَدْ سَرَّاهُ بِالْاَنْفِ الْمُبِينِ، اور اس نے اس فرشتہ کو آسمان کے کناروں میں دیکھا
 کیا عام انسان بھی یہ مشاہدہ کرتے ہیں، آنحضرت ﷺ کے اقبات المؤمنین کو
 جو شرف حاصل ہوا، اس کا انحصار یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اقبات المؤمنین کو خطاب کر کے فرمایا
 يَا نِسَاءَ الْمُؤْمِنِيْنَ كَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ (اھزاب) اے پیغمبر کی بیویو! تم ایسی
 نہیں ہو جیسی ہر عورت اگر خدا کا ڈر رکھو، تو اگر پیغمبر کی بیویاں تقویٰ کے بعد عام عورتوں کے
 مثل نہیں ہیں، تو خود پیغمبر تو بدرجہا اس کا معزاوار ہے کہ وہ کاحِبٍ مِّنَ الرَّجَالِ نہ ہو اور اپنے
 خصائص میں عام انسانوں سے بدرجہا بلند تر اور ممتاز ہو،

الغرض نبی اور غیر نبی میں صرف وحی و نبوت کا جو فرق ہے، اس کے یہی معنی ہیں کہ ان

دونوں میں وحی و رسالت کے تمام لوازم خصوصیات اور ضروری اوصاف میں فرق اور امتیاز ہے
 اسی لئے کسی انسان کو صاحبِ وحی ماننے کے ساتھ ہی اس کو ان تمام اوصاف و لوازم اور
 خصوصیات کا مالک بھی ضرور ہی ماننا پڑے گا،

۱۔ صحیح بخاری باب الاسرار،

اجتہاد نبوی میں خطا شبہہ کا ایک اور سبب یہ ہے کہ قرآن مجید میں بعض جگہ آنحضرت ﷺ

کو آپ کی چند فرودگذاشتوں پر تنبہ کیا گیا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خاص وحی الہی کے علاوہ آپ اپنی عقل و مصلحت سے جو حکم دیتے تھے وہ غلطیوں سے پاک نہیں ہوتا تھا، اس سلسلہ میں یہ بات تمام مسلمانوں کو تسلیم ہے کہ جن بعض امور میں آپ پر وحی قرآن نازل نہیں ہوتی تھی، ان میں آپ اپنے پیغمبرانہ علم و حکم اور فہم نبوی سے فیصلہ فرماتے تھے، لیکن غور کے قابل یہ بات ہے کہ اگر آپ کو آپ کے اس فیصلہ پر خدا سے تعالیٰ کی طرف سے کبھی کوئی تنبہ نہ ہوئی ہوتی تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ آپ کے تمام فیصلے صحیح اور منشا سے الہی کے مطابق ہوتے تھے، مگر یہ بھی کہنے والا کہہ سکتا تھا کہ اجتہاد نبوی کے فیصلوں کی صحت و خطا کی ذمہ داری خدا نے نہیں لی تھی، اس لئے تنبہ نہ فرمائی گئی، مگر واقعہ ان دونوں کے خلاف ہی صورت یہ ہے کہ بعض فیصلوں پر تنبہ کی گئی ہے، اور بعض پر نہیں، اس سے بدانتہا ثابت ہوتا ہے کہ اجتہاد نبوی میں غلطی ہو جانا ممکن ہے، مگر اس غلطی پر چند بخون کا قرار بھی ممکن نہیں، اور ہر لغزش ہوئی، اور اُدھر غلام العیوب کی بے خطا وحی نے اس کی تنبیہ اور اصلاح کی، اس واقعہ سے دوسرا نتیجہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ تمام امور و احکام جن کو آپ نے اپنے پیغمبرانہ اجتہاد و علم و حکمت سے ارشاد فرمایا یا ان پر عمل کیا، اور وحی الہی نے ان پر خاموشی برتی، تو منشا سے الہی نے گویا ان کی صحت و صداقت پر اپنی خاموشی سے ہر کردی، اور ان کی حیثیت بمنزلہ وحی کے ہو گئی،

آنحضرت ﷺ کی نبوت کی عمر ۲۳ سال ہے، ان پر ۲۳ سالوں میں ہزاروں واقعات اور امور پیش آئے جن پر آپ نے اپنے اجتہاد اور شرحِ ہمد سے فیصلے صادر کئے مگر ان میں سے کئی

پانچ بائین ایسی ہیں جن پر وحی الہی نے تہنید کی، اور عجیب ترین ہے کہ ان میں سے کوئی بات بھی ایسی نہیں
 ہے جس کا تعلق حکم و نہی، شریعت ابدی، اعتقاد و عبادات یا شرعی معاملات سے ہو، بلکہ وہ کل کے کل سے
 اور میں جن کی حیثیت تمام شخصیات یا جنگی ہے اس سے بھی یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ دین اور شریعت میں
 آپ کے پیغمبرانہ اجتہاد ہی فیصلے خطا و غلطی سے تمام تر پاک تھے،

اس خطا کے معنی | عام انسانوں کے اجتہادات میں جن اسباب سے غلطیاں واقع ہوتی ہیں اور

یہ ہیں کہ جن مقدمات پر ان کا اجتہاد و نہی ہوتا ہے، وہ غلط ہوتے ہیں یا ان کا علم ان کو قطعی طور
 سے نہیں ہوتا یا استقرار تام نہیں ہوتا، تمثیل پوری نہیں ہوتی، علت مشترکہ صحیح نہیں معلوم ہوتی
 مگر یہ تمام صورتیں اجتہاد نبوی میں نہیں ہیں، کیونکہ اجتہاد نبوی انہ ان طریقوں پر نہیں ہوتا، نہ وہ
 غور و فکر، نظر و استدلال اور استقرار و تمثیل کے مستطبی و اصولی ذرائع پر قائم ہوتا ہے، بلکہ وہ نور
 رسالت، فہم ثبوت، حکمت ربانی، اور شرح صدر پر نہیں وقائم ہوتا جو ان میں یہ بیچ کی منزلیں
 سرے سے نہیں ہوتی ہیں، اسی لئے لفظ اجتہاد جو عام طور پر پہلے معنی میں مستعمل اور مشہور ہے اس
 سے اس مقام پر التباس سے بچنے کی خاطر اذکرنا بہتر ہے،

ایک اور نکتہ بھی پیش نظر ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبرانہ اجتہاد میں اگر غلطی ہوتی
 تو اس غلطی کا یہ مفہوم نہیں ہو کہ آپ نے جو پہلو اختیار فرمایا، وہ کوئی گناہ یا بدی یا بد اخلاقی کا پہلو تھا
 بلکہ یہ ہو کہ وہ بہتر راستوں میں سے آپ نے بہتر میں راستے کو چھوڑ کر بہتر راستے کو اختیار کیا، اور
 اللہ تعالیٰ نے تہنید فرمائی، اور بہتر کی جگہ بہتر میں کی تہنید کی۔
 اس قسم کے جو چند واقعات پیش آئے ہیں ان پر ایک نظر ڈالنے سے یہ حقیقت منکشف

ہو جاتی ہے کہ بہترین کو چھوڑ کر جس بہتر کو آپ نے اختیار فرمایا، اس کا نشا ہیشہ امت پر رحم و کرم اور شفقت کی نگاہ تھی، اللہ تعالیٰ نے اس ظاہری یا ماضی رحم و کرم و شفقت کی جگہ ان احکام کی تلقین فرمائی جن میں گونا گونا گویا سختی معلوم ہوتی ہے، مگر علام الغیوب کی دائمی مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ وہی سخت پہلو اختیار کیا جائے۔

ذیل میں ہم ان اجتہادی امور کی تشریح کرتے ہیں جن پر وحی الہی نے تہنید کی ہے،

پنج اجتہادی امور پر تہنید الہی | جن اجتہادی امور پر وحی الہی نے تہنید کی ہے، ان میں

۱۔ پہلا واقعہ یہ ہے کہ ہجرت کے قبل مکہ معظمہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کی تبلیغ فرما رہے تھے، تو ایک دن قریش کے بڑے بڑے رؤساء آپ کی مجلس میں آکر بیٹھنے لگے، ان کو سمجھا بھجا رہے تھے، بہت پرستی کی برائیاں اور توحید کی خوبیاں، ان پر ظاہر فرما رہے تھے اور دل سے چاہتے تھے کہ وہ اس دعوت کو قبول کر لیں کہ اتنے میں ایک مخلص لیکن غریب اور زانیہ مسلمان علیہ السلام کو مکتوم بھی آکر بیٹھ گئے، اور کچھ دریافت کرنا چاہا، قریش کے یہ رؤساء بے سعادت منور اور خود پسند تھے، وہ آپ کے جلسوں میں صرف اس لئے آنا پسند نہیں کرتے تھے کہ آپ کی مجلس میں بہ حال، بے حیثیت اور ادنیٰ وجہ کے لوگ آکر رہتے ہیں، اس لئے اس موقع پر آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان رئیسوں کی اڑ پڑی کے کچھ اسکانات نظر آ رہے تھے، علیہ السلام نے ابن ام مکتوم کا اجا اور پوچھنا ناگوار ہوا کہ ان کے آنے سے ان رئیسوں کی خود پڑی اور بڑائی کے جذبہ کو اشتعال ہوا، اور راستہ سے بدک گئے،

علیہ السلام نے ابن ام مکتوم کی آمد اور دریافت پر یہ ناگواری جو بالکل نیک نیتی سے تھی، یعنی اس

تھی کہ آپ جانتے تھے کہ عبدالرشید بن ام مکتوم تو مسلمان ہی ہیں، اس وقت ان کی بات کا جواب نہ دینے میں چنداں ہرج نہیں، لیکن ان رمیوں کی ناگواری پورے باشندگان مکہ پر اثر انداز ہو گئی، اگر یہ مسلمان ہو گئے تو مکہ میں اسلام کی اشاعت کی راہ میں پھر کوئی روک باقی نہیں رہے گی، یہ سمجھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرشید بن ام مکتوم کی طرف سے بے التفات ہو کر ان رمیوں کی تبلیغ و موغلت کی طرف ستر پامتوجہ رہے، اس پر وحی الہی نے حسب ذیل الفاظ میں تبلیغ کی

عَبَسَ وَتَوَلَّىٰ اَنْ جَاءَهُ الْاَسْحَىٰ
وَمَا يَذُرُ بِكَ لَعَلَّ يَذُرُكَ ۗ اَوْ يَذُرُكَ
فَتَنفَعَهُ الَّذِ كُرَىٰ، اَمَّا مَنِ اسْتَفْعَا
فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدَّقْ، وَاَعْلَيْكَ
اَلَا يَذُرُكَ ۗ وَاَمَّا مَنْ جَاءَكَ لِيَسْئَلُ
هُوَ يَخْشَىٰ، فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهَّىٰ ۗ
اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۗ فَمَنْ تَاَذْكُرْهَا
تَبَيَّنَ لَهُ يَوْمَئِذٍ سَعَىٰ ۗ

تبدلی چڑھائی، اور نہ پھیرا کہ وہ اندھا آیا
تجھے کیا خبر کہ شاید ہمدرد یا سوچتا اور تیرا
کام تا وہ جوڑا نہیں کرتا، سو تو اسکی فکر میں ہوا
اُس کے نہ سہارے کا تجھ پر کوئی الزام نہیں
جو تیرے پاس دوڑا آیا، اور وہ (خدا سے) ڈرتا ہی
تو اس سے تعالٰیٰ کرتا جو تیرے نہیں نصیب
جو جو پاتے اس کو یاد کرے،

ان آیتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اجتہاد پر کہ ایک پرانے لیکن غریب مسلمان کی تہذیبیت سے قریش کے رمیوں کا سمجھنا زیادہ بہتر ہے تہذیب کی گئی، اور اس نکتہ کو ذہن نشین کیا گیا کہ اسلام کی اصولی بنیادوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے نزدیک بہتر غریب آباد اور غلام و بچے اور بچے کی کوئی تہذیب نہیں، اس کی نگاہ میں بنیاد بننا و بونا برابر ہیں، یہ نکتہ تو اس وقت کے فیصلے میں آپ کے پیش نظر رہا کہ ایک مسلمان اندھے کی دیکھائی سے ان رمیوں کی

جائز و بھونئی کر کے ان کو اسلام کی طرف مائل کرنا زیادہ بہتر ہے، مگر یہ مکتہ نظر انداز ہو گیا کہ اس طرز عمل سے خود اسلام کی بنیاد ہی تعلیم پر کیا اثر پڑے گا، اس لئے وحی الہی نے تنبیہ کی کہ اسلام کا یہ پیغام دنیا کے لئے عدائے عام ہے، جو چاہے قبول کرے، اس میں کوئی تمیز و تخصیص نہیں، علاوہ ازیں اس کا بھی اشارہ کیا کہ یہ روسا سے قریش جن کے مسلمان ہونے کی آپ اس قدر کوشش فرما رہے ہیں، وہ ایسا ن سے محروم ہی رہیں گے، اس لئے کہ ان کی طرف مزید توجہ بے سو و سے اور ظاہر ہو کر کہ آپ ان کے حق میں داناے غیب کے اس فیصلہ سے پہلے آگاہ نہ تھے، اس لئے آپ اپنے موجود علم کے مطابق اپنے فعل کو صحیح سمجھ رہے تھے،

دوسرا واقعہ | سب سے پہلی لڑائی میں مسلمانوں کے مالِ غنیمت حاصل کرنے اور بدر کے قیدیوں سے زبردیہ قبول کرنے کا ہے، اس وقت تک ظاہر ہے کہ مالِ غنیمت اور فدویہ کا قانون مار نہیں ہوا تھا کہ ابھی اس کا موقع ہی نہیں آیا تھا، مسلمانوں کو دینہ منورہ آ کر سب سے پہلے سر پہنچانے میں مالِ غنیمت ہاتھ آیا، اس کے بعد ہی بدر کے معرکہ میں پھر مالِ غنیمت ملا، اور ساتھ ہی قریش کے شتر قیدی بھی ہاتھ آئے، جن میں اکثر مکہ کے دو لہٹڈ اور شتر فاسھے، ان قیدیوں کی نسبت مسلمانوں کی مختلف رائیں تھیں، بعضے ان کو آگ میں زندہ جلا دینا چاہتے تھے، کچھ لوگ فدویہ لیکر ان کو چھوڑ دینا چاہتے تھے، جس سے ان کو چالیس ہزار درہم ملنے والے تھے، نفسیات کے اثر جانتے ہیں کہ جو قوم مدت سے ہر قسم کی مصیبت اور تکلیف اٹھاتی رہتی ہے، وہ سبکی مظلومیت اور غربت کے دور سے نکل کر جب پہلے پہل غالب اور دولت مند ہوتی ہے، اس کو ملکی اور مالی قوت پر دسترس حاصل ہوتی ہے، تو وہ لمحہ اُس کی زندگی میں اخلاقی

عیشیت سے بڑا ہی ازک ہوتا ہے، غالبہ، قوت، اور دولت پا کر بھی اُس کے نشہ میں وہ سرشار نہ ہو، اور اپنے دل و دماغ پر قابو رکھے، یہ بڑا ہی مشکل کام ہے، جو مظلوم تھا وہ غالب ہو جائے اور جو ظالم تھا، وہ مغلوب ہو جائے، اور اس وقت تو عمل اپنا کام کر کے مظلوم غالب میں اپنے ظالم مغلوب سے شدید انتقام لینے کا جذبہ نہ پیدا کرے، یہ کوئی آسان کام نہیں، سیاسی، روز سیاسی، میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں کہ ایسا نہ ہو سکا، خود عیسائی قوم کو دیکھیے جس نے یہودیوں و ربت پرست رومیوں کے ہاتھوں سے تین صدیوں تک براہِ سخت سے سخت تکلیفیں اٹھائیں، لیکن قسطنطین کے زمانہ میں جب وندہ جو مظلوم تھے، وہ غالب، اور جو ظالم تھے، وہ مغلوب ہو گئے، تو عیسوی قوم کا پچھلا جوہر ایک ایک کر کے رخصت ہو گیا، اور اُن لوگوں نے جو پہلے مظلوم تھے، اس نشہ میں چور ہو کر یہودیوں اور رومی بت پرستوں کے ساتھ وہ کچھ کیا جسے اخلاقی انسانی کی تاریخ آج بھی شرماتی ہے،

غزوہ بدر کی غیر متوقع فتح نے مظلوم و بکس مسلمانوں کے لئے تاریخی دور کا وہی نازک موقع پیدا کر دیا، غریب تنگ دست مسلمانوں کو جو سالہا سال سے کسبِ معاش سے محروم اور مہولی ضروریات کے بوجھ سے دبے ہوئے تھے، اُن کو عنایت اور فدیہ کی دولت ہاتھ آئی، اور وہی قریش جن کے ظلم و ستم سے اُن کے بدن زخمی اور اُن کے سینے وا اُٹھ رہے تھے، وہ وندہ مغلوب ہو گئے، اُن کے بڑے بڑے سردار اُن کے ہاتھوں سے لڑائی میں مارے گئے، اور ان کے ہاتھوں میں قید ہو کر شترسوار صرف ان کے رحم و کرم پر زندہ تھے،

اب تک مسلمان نہایت یکدلی یکجہتی، اور خلوص سے اپنی راہ طے کر رہے تھے اور یہ اخلاقی

جوہر مظلوموں کی برادری میں اکثر پیدا ہو جاتے ہیں، لیکن دولت آکر، ان کے بجائے ان میں اختلاف، تفریق اور حرص و طمع اور ذاتی اغراض کے جذبات پیدا کرتی ہے، اس اتفاقی دولت، اور غیر متوقع فتح و غلبہ نے صحابہ کرام کے لئے امتحان کا وہی نازک موقع پیش کر دیا، اور دنیا کے سب سے بڑے رہنما کی قوت رہنمائی کے اظہار کا بھی یہی موقع تھا، چنانچہ اس وقت مالِ عنیت زبردستی اور قیدیوں کے ساتھ برتاؤ کے متعلق غالب فاتح مسلمانوں میں اختلاف برپا ہوا، انحضرت ﷺ کے سامنے اس وقت اہم ترین کام تھا، آپ نے امرِ اول کی طرف توجہ فرمائی کہ مظلوم فاتح قوت پا کر اپنا جوہر نہ کھو بیٹھیں، چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے ان قیدیوں کے قتل کی جو تجویز پیش کی تھی، آپ نے رد فرمائیں، اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی تجویز کہ فدیہ لے کر ان کو رہا کر دیا جائے قبول فرمائی، اور ان سے فرمایا کہ اے ابو بکر تمہاری مثال ابراہیمؑ اور یسٰیؑ کی ہے، اور اے عمر تمہاری مثال نوحؑ اور موسیٰؑ کی ہے، آپ نے حضرت ابراہیمؑ کی نیک دلی، اور حضرت یسٰیؑ کی رحم دلی کی مثال کی پیروی کی، اور بدر کے ان قیدیوں کی جان بخشی فرمائی، اور قتل کے بجائے زبردستی ادا کرنے پر اپنی کا حکم ویدیا، اور جان میں نادر تھے، ان کو چند مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دینے پر آمادگی کا فرمان عطا کر دیا، اور صحابہ کو تاکید کی کہ ان کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کریں، چنانچہ بعضوں کا یہ حال تھا کہ وہ خود کھجور پر قناعت کرتے تھے، اور اپنے قیدیوں کو روٹی کھلاتے تھے، لیکن وحی الہی کی نگاہ میں اس سے زیادہ اہم پہلو ان غریبوں کا دفعتاً مالِ دولت کی حرص و طمع میں مبتلا ہو جانا تھا، چنانچہ یہی صورت پیش آئی، مالِ عنیت کے فراہم کرنا انہوں نے دعویٰ

کیا کہ اس پر ہم نے لڑائی میں قبضہ کیا ہے اس لئے ہمارا ہے، لڑنے والے نوجوانوں نے دعویٰ کیا کہ ہمارے
 تو اوروں سے فتح حاصل ہوئی ہے، اس لئے اس کے اہلی حقدار ہم ہیں، جو لوگ رسول اللہ ﷺ
 علیہ السلام کی حفاظت کر رہے تھے، وہ کہتے تھے کہ سب نازک اور خطرناک فرض ہمارا تھا، اس لئے
 ہم کو ملنا چاہیے، یہی اختلاف زرفدیہ کی ملکیت کی نسبت بھی ہوا ہوگا، جیسا کہ سورہ انفال کی
 ابتدائی آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے،

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ ۗ قُلِ
 الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ فَأَتَقُوا اللَّهَ
 أَصْلِحُوا إِذَاتَ بَيْنِكُمْ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَ
 الرَّسُولَ إِنَّ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ

(اسے پیگیری، تجھ سے تیرے ساتھی غنیمت کا حکم
 پوچھتے ہیں، تو کہہ دے کہ مال غنیمت اللہ کا ہے اور
 رسول کا ہے تو اللہ سے ڈرو، اور آپس میں صلح کرو
 اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو،

حضرت عبادہ بن عامر سے پوچھا گیا کہ سورہ انفال کے نزول کی کیا وجہ ہو تو کہا۔

فِينَا أَصْحَابُ بَدْرٍ نَزَلَتْ حِينِ احْتِلَفْنَا
 فِي النَّفْلِ وَمَسَاءَتٍ فِيهِ اخْتِلَافًا
 فَزَعَرَهُ اللَّهُ مِنْ أَيْدِنَا فَعَلِمَهُ
 اللَّهُ الْخِيَارَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ
 فَقَسَمَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ
 بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ بَعْنٍ مَتَوَاءً

یہ سورہ ہم بدر والوں کے متعلق نازل ہوئی
 جب مال غنیمت میں ہم نے باہم اختلاف کیا
 اس میں ہمارا اختلاف برسر ہو گیا، تو خدا نے ہمارے
 ہمارے ہاتھوں سے چھین لیا، اور رسول اللہ ﷺ
 علیہ السلام کے اختیار میں دیدیا، تو آپ نے تمام سونا
 کے مابین برابر برابر تقسیم فرمادیا،

۱۔ سیرت ابن ہشام، ذکر ایفی بدر والاساری ج ۱ ص ۳۹۱، مطبوعہ مجیدی، مدینہ، ایضاً،

یہی وہ تہنیہ ہے جو وحی الہی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فیصلہ پر کی اور آیت تری،

مَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى

کسی پیغمبر کو زیبا نہیں کہ اس کے پاس

حَتَّى يَخِينَنِي فِي الْأَرْضِ مُبْتَدِئًا

ہوں تاکہ زمین میں فساد کرے تم لوگ دنیا کا

عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ

سامان چاہتا ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہو

وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ط لَوْ لَا كَلِمَةٌ مِّن

اللہ غالب اور دانائی، اگر خدا کی طرف سے یوں

اللَّهُ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمُ

ہونا مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو تمہاری اس لینے

عَذَابٍ عَظِيمٍ ؕ وَكُلُوا مِن مَّا عَمِلْتُمْ

پر تم کو بڑی سزا ملتی تو اب جو تم نے لوٹ میں

حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ ط إِنَّ

پایا، حلال و پاک کر کے کھاؤ اور اللہ کا

اللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (انفال ۹)

ادب کرو اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے

اسی قدر نہیں بلکہ ان قیدیوں کو جن سے زبرد یہ وصول ہوایا وصول کیا جا رہا تھا، اس کے

بعد ہی یہ تسلی دی گئی،

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ

اے پیغمبر! تمہارے ہاتھوں میں جو قیدی

مِنَ الْأَسْرَى أَنْ تَعْلَمُوا اللَّهَ فِي

ہیں ان سے کہہ دو کہ اگر اللہ تمہاری دلوں

قُلُوبِكُمْ خَيْرًا لِّأَيْدِيكُمْ خَيْرًا مِّمَّا

میں نیکی جائیگا تو تم کو اس سے بہتر چیز دیکھا،

أَخَذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ، وَاللَّهُ غَفُورٌ

جو تم سے لی گئی، اور تم کو معاف کرے گا

رَّحِيمٌ . (انفال - ۱۰)

اور اللہ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے

۱۰ سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۳۹

بعضوں کو یہ شبہ ہوا ہے کہ یہ تہنیہ قیدیوں کے ذریعہ لے کر رہا کرنے اور قتل نہ کئے جانے پر ہونی
 حالانکہ ظاہر ہے کہ جن قیدیوں سے ذریعہ لے جانے پر اللہ تعالیٰ نے ان سے ہمدردی فرمائی، اور
 اگر وہ حسن نیت سے ظاہر کریں تو ان کی مغفرت کا وعدہ اور اس دنیاوی خیرات ریزہ سے جو
 ان سے بطور فدیہ لیا گیا، ان کو بہتر دولت دینے جانے کی امید دلائی، کیا ان کا قتل ذریعہ لینے سے
 کم سزا ہوتی؟ اور جن سے فدیہ لیا گیا، ان کے قتل کئے جانے پر ان کے قاتلوں پر اس سے زیادہ سزا
 اور ان مقتولوں سے اس سے زیادہ ہمدردی نہ کی جاتی،

بہر حال وہی مال غنیمت اور ذریعہ فدیہ جس کو اس وقت آنحضرت ﷺ نے صاف
 صریح وحی آنے سے پیشتر قبول فرمایا تھا، اور جس پر تہنیہ ہوئی، وہ آخر کار اجتہاد نبوی کے مطابق
 مناسب موقع پر جائز اور حلال و طیب ہی ٹھہرایا گیا، اور غلطی باقی نہیں رہی، مال غنیمت لینے
 کے متعلق کَلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَکْمَ اسِ وَتِ اسِ وَقْتِ اَکْیَا، اور فدیہ لینے کی اجازت اِنَّمَا مَتَّاعٌ وَاِمَّا فِدَا
 کے الفاظ میں بعد کو مناسب زمانہ میں آگئی، اور اس مال و دولت کی حرص و طمع سے اس وقت جو
 بد اخلاقی پیدا ہونے والی تھی، اس کا ازالہ ہمیشہ کے لئے اس طرح کرویا کہ اس کی تقسیم کا ابدی قانون
 بنا دیا گیا، اور اس میں تمام ضروری تحقیق کے حصے لگا دیئے گئے،

تیسرا واقعہ | تیسرا واقعہ یہ ہے کہ آپ غزوہ تبوک کے لئے جا رہے تھے جس میں بکثرت مسلمانوں
 کی شرکت کی ضرورت تھی کہ مقابلہ رومیوں کی دل بادل فوج سے تھا، اور کسی منظم سلطنت سے نہ
 کھانے کا یہ پہلا موقع مسلمانوں کو پیش آیا تھا، اور موسم بھی نہایت گرم اور سخت تھا تیس ہزار

۱۰۰۰۰ نفر تھیں کے لئے دیکھو سیرۃ النبی جلد اول میں غزوہ بدر کا بیان

مسلمانوں کی جمیٹ روانہ ہو گئی، مگر کچھ مخلص مسلمان مجبوراً چھوٹ گئے، اور اکثر منافقین نے جان بوجھ کر اس کی شرکت سے جی چرایا، آپ واپس آئے، تو عدم شرکت کے تصور دار منافقین نے جھوٹی جھوٹی تمہیں کھا کھا کر اپنے عذرات بیان کرنے لگے، آپ نے ان کا اعتبار کر کے رحم فرما کر ان کے تصور سے درگزر کیا، اس پر تنبیہ ہوئی،

سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا
وہ خدا کی قسمیں کھائیں گے، اگر ہم مقدر رکھتے تو
مَعَكُمْ جُيْهِلُونَ اَنْفُسُهُمْ وَاللَّهِ
ضرور تمہاری ساتھ نکلتے، وہ اپنی جانوں کو ہر باد
يَعْلَمُونَ اِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ عَفَا اللهُ عَنْكَ
کرتے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں اللہ
لَا اِذْنًا لَهُمْ حَتَّى تَبَيِّنَ لَكَ الَّذِي
تجھ کو نبیجئے تو نے ان کو رخصت کیوں دی، تنگ
صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ
تجھ پر وہ کھل نہ جاتے، جو ان میں سچ بولے، اور

اور تو جاننا چاہتا ہے اور ان کو

ظاہر ہے کہ آپ علم غیب سے آگاہ نہ تھے، اور ان کے واقعی حالات سے بے خبر تھے اس لئے بظاہر ان کے قول پر اعتبار ہی کرنا تھا، اور وہی آپ نے کیا، مگر علام الغیوب نے حقیقت حال سے باخبر فرما کر ان کے جھوٹ کا پردہ چاک کیا، بہر حال یہاں بھی نشاے خطا اگر خطا سمجھی جاسی تو وہی بڑھم کی شان تھی،

چوتھا، ائمہ | منافقین کی نسبت آپ کو اطلاع پدی گئی تھی کہ ان کے حق میں آپ کی دعا منفرت قبول نہ ہوگی، اور فرما دیا گیا تھا کہ

اَسْتَغْفِرُ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرُ لَهُمْ اِنَّ
تو ان کی منفرت کی دعا مانگے یا نہ مانگے اگر تیرے
وَفَدَّ بَعْضُ اَنْ كِي مَنفَرَتِ كِي دَعَا مَانِغِي تَوَهَّرَ اَنْ كِي
دفعہ بھی ان کی منفرت کی دعا مانگے تو ہرگز ان کو

كَهْرًا ذَلِكُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللّٰهِ وَ

خدا نے بخشنے کا یہ اس لئے کہ انہوں نے خدا

رَسُولِهِ، (توبہ - ۱۰) کا اور اس کے رسول کا انکار کیا،

اس حکم کے آنے کے بعد عبد اللہ بن ابی بن سلول کا انتقال ہوا، یہ منافقوں کا سردار تھا اس کا لڑکا مخلص مسلمان تھا، اس نے اگر آپ سے نمازِ جنازہ پڑھانے کی درخواست کی جس کو آپ فرطِ کرم سے رو نہ فرما سکے، حضرت عمرؓ نے عرض بھی کی کہ یا رسول اللہ! اس کے عدمِ مغفرت کے متعلق تو حکم ہو چکا ہے، فرمایا میں شتر و فوسے بھی زیادہ اس کی مغفرت کی دعا مانگوں گا، بہر حال آپؐ ہیں گو آپ کے مغفرت مانگنے اور نہ مانگنے دونوں کو بیکار دے سو دیتا یا گیا تھا، مگر ان کے حق میں سے دعاے مغفرت مانگنے کی کوئی ممانعت نہ تھی، اس لئے آنحضرت ﷺ نے نایتِ شفقت سے اس بیکار و فوس کو انجام دیا تاکہ اس کے مخلص مسلمان فرزند کی دشمنی نہ ہو، اور اس سے توفیق فرمایا کہ ایک مسلمان کی دُجوئی تو ہوگی، مگر بیبیوں منافقین کو اپنے چھپانے میں کامیابی ہو جائیگی، وہ مسلمانوں کے اندر رہ کر فتنوں کا باعث نہیں گے، اس لئے حکم ہوا،

وَلَا تَصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّا تَابَ

اور نہ کبھی ان میں سے کسی کے جنازہ کی نماز

اَبْنَاءٌ وَلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِ اِنْتُمْ

پڑھا اور نہ اس کی قبر پر کھڑا ہو، بیشک

كَفَرُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَمَا تَوَّابُوهُمْ

انہوں نے خدا اور اس کے رسول کا انکار کیا اور اسی گنہگاری کی حالت میں مرے

فَسِقُونَ، (توبہ - ۱۱)

کیا اور اسی گنہگاری کی حالت میں مرے

پانچواں واقعہ | اس کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی بعض بیویوں کی خوشنودی اور

رضامندی کے لئے کسی بیباک چیز کو جو آپ کو بہت مرغوب تھی، اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، یعنی

اس کے کبھی نہ استعمال کرنے کا عہد فرمایا تھا، ظاہر ہے کہ ہر شخص پر مباح چیز کا کھانا فرض نہیں، اس کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی خوشی سے یا کسی دوسرے کی رضامندی کے لئے اس کے نہ کھانے کا عہد کر لے، اس لئے اگر آنحضرت ﷺ نے بعض بیویوں کی خاطر جن کو وہ شے پسند نہ تھی، اس کو اپنے اوپر حرام کر لیا، تو ظاہر ہے کہ آپ کا اپنی بعض بیویوں کی خاطر داری کے لئے ایسا کرنا الزام کے قابل نہیں کہ آپ نے بحیثیت شوہر کے ان کی اتنی دجوئی کو بھی عورتوں کے ساتھ عدل و انصاف کے مناسب سمجھا، مگر اس مسئلہ کی ایک دوسری حیثیت بھی تھی، اور وہ یہ کہ بحیثیت ایک پیغمبر کے ایک حلال دجائزہ چیز کو اپنے اوپر حرام کر لیا اور اس کے نہ کھانے کا عہد کرنے سے آپ کی امتدائین امت کے عام افراد بھی اس کو ناجائز نہیں تو نا پسند ضرور ہی کرتے، اور یہ ایک طرح سے شریعت الہی میں تبدیل و تحریف کا مرادف ہو جاتا، اس لئے حکم آیا کہ ان امور میں پیغمبر کو کسی کی دجوئی اور خاطر داری کی پروا نہ چاہئے، فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ
 اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ
 وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (محرّم ۱۰)

اے پیغمبر! جس کو اللہ نے حلال کیا ہے
 اُس کو حرام کیوں کرتا ہے اپنی بیویوں کی
 مرضی چاہتا ہے اور خدا بخشنے والا مہربان ہے

اس موقع پر اللہ تعالیٰ کا آپ کو نبی کہنے کا خطاب کرنا یہ واضح کرتا ہے کہ بحیثیت ایک انسان اور شوہر ہونے کے آپ ایسا کر سکتے تھے، مگر پیغمبر کی حیثیت سے آپ کو یہ اختیار نہیں، الغرض یہی وہ پانچ واقعے ہیں جن میں آپ کی اجتہاد سی خطا ثابت کی گئی ہے، مگر تفصیلات سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ ان کو خطا کہنا درحقیقت مجاز ہے کہ پیغمبر کی بلند مقام اور مصومی کو پیش نظر رکھ کر

اُس کو اُس مجازی خطا کی بھی اجازت نہیں، اور اسی وحی الہی نے اُن میں سے ہر موقع پر تنبیہ کی، اور اپنے صحیح فیصلہ سے رہنمائی فرمائی، اب کیا کسی کا شبہ یہ بھی ہے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معمولی مسامحات پیش آئے جن کی تنبیہ و اصلاح ہر وقت وحی الہی نے کی، ایسے ہی ممکن ہے کہ آپ کو اور بھی ایسے مسامحات پیش آئے ہوں، جن کی تنبیہ و تصحیح کی حکمت الہی نے پروانہ کی، اور خاموشی برتی، اگر کسی کو یہ شبہ ہے تو درحقیقت رسالت و نبوت کی مرتبہ شناسی اور دین الہی و شریعت ربانی کی حقانیت اور اللہ تعالیٰ کے طرقِ رشد و ہدایت کی معرفت سے کوسوں دوری و رسولان کی بعثت اس لئے ہے کہ وہ غلط کار انسانوں کو اُن کی غلطی سے نکال کر حق و صواب کی تعلیم دیں، نہ اس لئے کہ اُن کے ذریعہ اٹے ہدایت کے بجائے مزید ضلالت کا اضافہ ہو، استغفر اللہ ثم استغفر اللہ، اس لئے ناممکن ہے کہ رسولوں کے ہاتھوں اور زبانوں سے کوئی ایسا کام صادر ہو، جو حکمت الہی کے مطابق نہ ہو، اور پھر وہ اس کی تصحیح اور رہنمائی سے تلافی برتے، اور انسانوں کو اپنے رسولوں کے ذریعہ گمراہ ہونے دے۔

پہنچا رہا اجتہاد و اسے علم کا وہ گوشہ ہے جس کی دھاریں دماغ سے نہیں، بلکہ دل کے چشمہ سے بہتی ہیں جو انسانی راسے و تجربہ سے نہیں، بلکہ اللہ ام الہی، القاسم ربانی، حکمت یزدانی، انہم رسالت ملکہ نبوت سے ماخوذ ہے، اور جس کی نسبت محرم اسرار شریعت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مشتمل فرماتے ہیں،

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ الرَّاسِيَ انَّمَا كَانَ
مِنْ دَسْوَلَةِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَصِيبًا كِلَانًا
اسے لوگو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے غلطی سے
پاک تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو و در اسے دکھاتا تھا

ارادت الہی (خدا کی طرف سے بھیایا جانا) تاکہ آپ کتاب الہی کے مطابق فیصلہ کریں غلط نہیں ہو
 ہو سکتی، لیکن ابوداؤد وغیرہ میں ایک حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اہل مقدمہ سے فرمایا،

”میں ایک بشر ہوں، تم لوگ میرے پاس اپنے جھگڑے لے کر آتے ہو اور شاید تم میں سے

بعض زیادہ زبان آور ہوں جو اپنی دلیل کو خوبی سے بیان کر سکتے ہوں، تو میں جیسا سنتا ہوں

وہی فیصلہ کر دیتا ہوں، تو میں اگر کسی کو وہ حق و دادوں جو اس کا نہیں، بلکہ اس کے

بھائی کا ہے تو وہ نہ لے کہ میں اس کو آگ کا ٹکڑا کاٹ کر دیر ہا ہوں، (کتاب لائقہ)

اس سے ایک غلط فہم یا استدلال کر سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے فیصلے ہمیشہ غلطی

سے پاک نہیں ہوتے تھے، اس لئے اُمت آپ کے تقنایا اور فیصلوں کی پیروی پر مجبور نہیں، لیکن ایسا

کیا خیال کرنا سراسر مخالفت ہے، اصل یہ ہے کہ مقدمات میں دو چیزیں ہوتی ہیں، ایک واقعہ کی

اصل رو داد جس کو ہر مدعی اور مدعا علیہ اپنے دعویٰ کے مطابق بنا کر اپنے اپنے ذہن میں بیان کرتا

ہو اس کے بعد دوسری چیز اس بیان کو وہ رو داد کے مطابق سمجھ اور عادلانہ حکم اور فیصلہ ہو جو

تمام تر مقدمہ کی اس رو داد پر مبنی ہوتا ہے، جو حاکم و قاضی کے سامنے بیانات اور شہادتوں کے

ساتھ پیش ہوتی ہو یہ بات کہ واقعہ کی اصل رو داد کیا ہے، اور ان میں سے کون صحیح کہہ ہا، علم غیب سے

تعلق رکھتی ہے جس کا دعویٰ کسی بنی کو نہیں، اور اگر ہو بھی تو یہ دعویٰ بجا نہ خود مسلم ہے کہ قاضی کا

ذاتی علم و دانسانوں کے درمیان فیصلہ کا مبنی نہیں قرار پاسکتا، اس کے لئے فریقین کے بیانات

شہادتیں، اور دلائل ہی بکار آمد ہیں، آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ

امراؤں کے متعلق عموماً آپ کو غیب کا علم عطا نہیں ہوا، لیکن دوسری چیز یعنی جس رو داد کو

آنحضرت ﷺ نے صحیح باور کیا، اُس کے مطابق آپ کا فیصلہ کبھی کبھی صحیح و صواب اور عادلانہ نہیں ہوتا تھا، یہ کہنا رسول و نبی کی شان کی توہین و تحقیر ہے، اور اُس آراءِ الہی کے خلاف ہے جس کا شرف مقدمات کے فیصلہ میں آپ کو بخشا جاتا تھا، اس لئے جو غلطی فیصلوں میں آپ سے ہو سکتی تھی، وہ فریقین میں سے کسی ایک کی دلیل و شہادت کو سن کر اُس کے صحیح یا غلط مطابق واقعہ یا مخالف واقعہ سمجھنے میں لیکن جس کو آپ نے صحیح باور فرمایا اس کے مطابق مناسب صحیح حکم و فیصلہ کرنے میں آپ سے کبھی غلطی نہ ہوئی، اور نہ ہو سکتی تھی، اور امت آپ کی پیروی آپ کے ان قضایا اور فیصلوں میں کرتی ہے، نہ کہ نزاعِ مذکور کے گزشتہ واقعات اور گزشتہ مقدمات کے صحیح یا غلط یا کرنے میں فتنانِ بینہما،

آنحضرت ﷺ کے اس اعلان میں یہ نکتہ ہے کہ شاید فریقین میں سے کوئی غلط بیان یا برسر باطل جو اپنے مقدمہ کی روداد زیادہ خوبی سے بنا کر آپ کی عدالت سے موافق فیصلہ حاصل کر لے، یہ سمجھے کہ گو حقیقت میں میرا حق نہ تھا، لیکن جب عدالتِ نبوی نے میرے حق میں فیصلہ کر دیا تو میری ملکیت ثابت ہو گئی، اور غصبِ حق کے گناہ سے برأت ہو گئی تو اُس کا ایسا سمجھنا صحیح نہ ہوگا، گو قانوناً حکم نافذ ہو جائے گا، مگر عند اللہ جو برسرِ حق تھا، وہ حق ہی رہے گا، اور جو برسرِ باطل تھا، باطل ہی رہے گا، اور جو اصل مالک تھا، وہی مالک ہوگا، اور جو غاصب ہے، وہ غاصب ہی رہے گا۔ اسی اعلان کا اثر تھا کہ جب آنحضرت ﷺ نے ایک مقدمہ میں فریقین کو اس حقیقت سے مطلع فرمایا تو دونوں روپے اور دونوں ایک دوسرے کے حق میں دست بڑا رہنے پر آمادہ ہوئے۔

۱۔ ابوداؤد کتاب الاقصیہ،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو دو مقدمہ کو سامنے رکھ کر جو فیصلے فرماتے تھے، وہ تمام تر
حق، منصفانہ اور صحیح ہوتے تھے، اور ان کی اطاعت سے انحراف، کفر و نفاق تھا، اسی لئے
ارشاد ہوا کہ

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى
يُحْكَمَ بِكَ فِيمَا شَجَرْتَهُمْ تَوَلَّوْا
يَحِدُوا وَإِنِّي لَأَنفُسِهِمْ خَوَّجًا مِّمَّا
قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (نساء)

سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہونگے
جب تک وہ تجھ کو حکم نہ دین، پھر اپنے دلوں
میں تیرے فیصلے سے تنگی نہ پاویں، اور تاکر
قبول کریں،

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمَرْمِنَةٍ
إِذْ قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ
يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ
وَمَنْ يَعْصِ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ فَقَدْ
صَلَّ صَلًّا لًّا مُبِينًا، (احزاب)

اور کسی ایماندار مرد یا عورت کا یہ کام
ہینن کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات
کا فیصلہ کر دے تو بھی اس کو اپنی کام کا
اختیار رہی اور جو خدا اور اس کے رسول
کے بے حکم چلا وہ صریح گمراہ ہوا،

کیا اتنت کو رسول کی اطاعت اور اس کے فیصلے کے بیچون و چرا قبول کر لینے کا خدا کی طرف
سے تاکید کی حکم، برسرِ باطل پہلو پر ہو سکتا ہے؟ چنانچہ دوسری آیت میں اس کی تصریح کر دی گئی ہے
آپ کا کوئی فیصلہ کبھی ظالمانہ اور غلط نہیں ہو سکتا،

وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ
لِحُكْمٍ فَابْتِغُوا فِيهِ مِّنْهُمْ

اور جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلا
جائیں تاکر رسول ان کے درمیان فیصلہ کر دے

مُعْرَضُونَ، وَإِنْ كُنْ لَهُمُ الْحَقُّ
 يَا قَوْمِ إِلَيْهِ مِذَابِنَا إِنِّي قُلُوبِهِمْ
 مَرَضٌ أَمْرًا بَوًّا أَمْ يَخَافُونَ
 يَحْيَى اللَّهُ عَلَيْهِمُ وَرَسُولُهُ بَلَى
 أُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (نور)

تو ان میں کا ایک گروہ نہ پھیرتے ہیں اور اگر
 ان کو کوئی حق پہنچا ہو تو قبول کر کے چلے آئیں
 کیا ان کے دلوں میں روگ ہے یا وہ ڈرتے
 ہیں کہ خدا اور اس کا رسول ان کے ساتھ
 بے انصافی کر چکا بلکہ وہ ہی بے انصاف ہیں

عقل بشری | اس میں بھی شک نہیں کہ وحی اور ملکہ نبوت کے علاوہ نبی میں نبوت و رسالت
 کے فرائض سے باہر کی چیزوں میں وہی عقل ہوتی ہے، جو عام انسانوں کی ہوتی ہے، اور جس میں
 جہتاد ہی غلطی کا ہر وقت امکان ہے، شاہ ولی اللہ صاحب کے نزدیک اجتہاد کی یہی وہ دوسری
 قسم ہے جس میں نبی سے بھی غلطی ہو سکتی ہے کہ اس کا مدار وحی و الہام اور ملکہ نبوت پر نہیں بلکہ
 انسانی علم و تجربہ پر ہوتا ہے، اور یہی وہ قسم ہے جس کا اتباع پیروں پر واجب نہیں، اور اس کی
 بہترین مثال کھجور کی کاشت کا واقعہ ہے۔

یہ صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منورہ کے بعض باغوں میں گدڑے لودھی
 کہ کچھ لوگ کھجوروں کے درختوں پر چڑھ کر کچھ کر رہے ہیں، آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا کر رہے ہیں
 ایک ہمراہی نے کہا کہ یہ مادہ کھجوروں میں زکھجوروں کے پھول ڈال رہے ہیں کہ پھل زیادہ آئیں فرمایا
 میں تو نہیں سمجھتا کہ اس سے کچھ فائدہ ہوگا؟ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر ایسا کرتے
 تو بہتر ہوتا، اس نے جا کر باغ والوں سے آپ کا یہ فقرہ بیان کر دیا، صحابہ نے جو سزا پا اطا عت
 اس پر عمل کیا، اور ایسا کرنا چھوڑ دیا، پھر اس سال کم آئے، یا کم ٹھہرے، آپ کا پھر گدڑ ہوا تو ان

لوگوں نے صورتِ حال عرض کی، اپنے فرمایا، میں نے تو یونہی ایک بات سمجھ سے کہی تھی، اگر ان کو اس عمل سے فائدہ ہوتا ہے تو کریں، پھر فرمایا،

انما انا بشرٌ اذا مَرَّتْكَ شَيْءٌ

میں تو ایک آدمی ہی ہوں جب تمہارا دین

دِينُكَ فَخُذْ وَايْمُ وَاذَا مَرَّتْكَ

ساکا کوئی حکم دون تو اس کو قبول کرو اور جب

شَيْءٌ مِنْ دِينِي فَاتَّعَا اَنَا بَشَرٌ

اپنی رائے سے کچھ کموں تو میں ایک آدمی ہوں

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں،

انتهما علو با مردینا کما

تم اپنے دنیا کے کام کو نہ یادہ جانتے ہو،

تیسری روایت کے یہ الفاظ ہیں:

انما ظلمت ظننا فلا تاخذونی

میں نے ایک گمان سا کیا تھا گمان پر

بالظن والکن اذا حدتکم عن اللہ

مجھ کو نہ پکڑاؤ، ہاں جب خدا کی طرف سے

شیئاً فخذ ولا یہ فانی لکن الذب علی اللہ

کوئی بات کہوں تو اس کو لو کہ میں خدا پر

ان تینوں روایتوں میں اپنے اپنے اس ارشاد کو ظن (گمان) رائے اور امر دنیا سے تعبیر

فرمایا ہے، اس سے یہ کلیہ سمجھ میں آتا ہے کہ امور دین و شریعت میں آپ کا حکم واجب اور منجانب

اللہ ہے لیکن کھیتی باڑی، علاج و معالجہ وغیرہ خالص دنیاوی امور میں اگر آپ نے کچھ کہا ہے تو اس

کی حیثیت فقط مشورہ اور رائے کی ہے، یہی سبب ہے کہ صحابہ کرام جن باتوں میں اپنا مشورہ

لہ تینوں روایتیں صحیح مسلم باب وجوب امثال ما قالہ شرعاً دون ما ذکرہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں

معانی الدُّنْیَا عَلٰی سَبِيلِ الْوَاوَايِ ج ۱ صف ۳۵ میں ہیں

آپ کو دینا چاہتے تھے، پوچھ لیتے تھے کہ یا رسول اللہ! یہ وحی سے ہے یا رائے ہے، آپ جب
 فرمادیتے تھے کہ رائے سے ہے تو وہ اپنا مشورہ پیش کرتے، اور آپ پسند فرماتے، تو قبول فرماتے
 غزوہ بدر میں آپ نے ایک مقام پر پڑاؤ ڈالنا چاہا، ایک صحابی نے آکر عرض کی یا رسول اللہ!
 اس مقام کا انتخاب وحی سے ہے یا رائے سے ہے، فرمایا محض رائے ہے، تو عرض کی کہ جنگی نقطہ نظر
 سے یہ مقام بہتر نہیں، فلان مقام بہتر ہے، آپ نے ان کی رائے پسند کی، اور اس پر عمل فرمایا، اسی
 طرح صلح و جنگ اور حکومت کے دوسرے معاملات میں بھی صحابہؓ سے مشورہ لیا، اور عمل فرمایا
 اور اسی میں خود حضور ﷺ کو وِشَاوَرِہْمُنِیْ اَلَا مَر (توسہ) یعنی امور حکومت یا عام
 میں صحابہ سے مشورہ لے لو، کا حکم خدا کی طرف سے ہے، چنانچہ غزوہ احزاب میں خندق کھودنے
 میں سلمان فارسی کی رائے پر عمل کیا، لیکن امور جنگ و سیاست میں بھی جس بات کا حکم عقل شری
 سے نہیں، بلکہ وحی الہی یا فہم نبوی سے ہوا تھا، اُس میں آپ نے کسی سے مشورہ لیا، اور نہ کسی کے
 مشورے کو قبول فرمایا، صلح حدیبیہ کے شرائط اور دفعات جو مصلحت الہی اور حکمت ربانی
 پر مبنی تھے ان کے بدلے پر حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ نے کیا کیا زور نہیں لگایا، مگر آنحضرت
 ﷺ نے کچھ التماس نہ فرمایا، اور آخر مستقبل نے بتا دیا کہ فہم نبوت سر امر صحیح تھی، اسی طرح
 غزوہ احد جیسے نازک موقع پر عبد اللہ بن ابی سائین سبأ و میمون کے ساتھ پھر جانا گوارا کیا، مگر
 مدینہ سے باہر جا کر عت آرا ہونے سے باز نہ آئے اور پھر مستقبل نے مصلحت الہی کے راز کو فاش کیا،
 ایک اور سا اہل عقل حیثیت سے بھی یہ راز بتا دے گا کہ دنیا میں ہر صاحب فن کی
 ایک نہیں دو عقلیں ہوتی ہیں، ایک اُس فن کے متعلق جس کی استعداد اُس کے اندر رکھی جاتی ہے

اور پھر تعلیم و تربیت، مشق اور کثرتِ عمل سے وہ اتنی بلند اور پختہ ہو جاتی ہے کہ وہ اس فن کے بڑے بڑے عمیق اور مشکل و قافی کو ایک نظر میں معلوم کر لیتی ہے، اور اس کے لائیل عقرون کو اشارہ و پس حل کر دیتی ہے، لیکن اس دائرہ کے باہر اس کی دوسری عقل عام انسانوں ہی کی طرح معمولی ہوتی ہے، ایک شخص جو فنِ تعمیر کی عمارت اور مہندسہ اور انجینئرنگ کی صناعتی میں غیر معمولی عقل و ذہانت رکھتا ہے، بالکل ممکن ہے کہ کچھ اور کی کاشت میں اس کی عقل معمولی انسان سے بھی کم رہے ہو، ایک فلسفی جو اپنے زور و شکرت سے افلاطون و ارسطو کی غلطیاں نکالتا ہو وہ تعمیر کے فن میں ایک معمولی مزدور سے بھی زیادہ کم عقل ہو، یہ روزمرہ کی پیش آنے والی مثالیں ہیں، اسی طرح دیگر گزیدہ انسان، جو روحانیات کے اسرار، معرفت ربانی کے حقائق، تیز دیکھنے کے رموز، افلاک و مواجہت کے آداب و حقوق و شریعت کے مسائل میں دقیقہ رس فہم اور تہمتہ دان عقل رکھتا ہے، اس کو تعمیر و کوشکاری کے مسائل میں محض معمولی درجہ ہو، بلکہ بالکل نہ ہو۔

اسی طرح انبیاء علیہم السلام امور دین و شریعت میں وحی اور ملکہ نبوت سے جو کچھ فرماتے ہیں وہ عین مصلحت میں حکمت، خطا اور غلطی سے سزا پائے اور پاک ہوتا ہے، لیکن دوسرے امور مثلاً پینے اور پھینے، کھانے پینے رہنے، سلطنت و سیاست، نظم و نسق، صلح و جنگ، سامان و اسلحہ، موکب و سواری، صنعت و حرفت، طب و علاج وغیرہ دنیاوی امور کی نسبت کئی چیزیں بتا کر جزئیات کی تفصیل سے انھوں نے احتراز فرمایا، اور کسی قطعی فیصلہ کا مسلمانوں کو پابندی نہیں کیا، پینے اور پھیننے کے متعلق صرف تین باتیں فرمائی ہیں، پہلی یہ کہ وہ لباس اور طرزِ لباس نہ اختیار کیا جائے جس سے سترِ عورت نہ ہو، دوسری یہ کہ مرد و عورت دونوں لباس اختیار نہ کریں، جو عورتوں

کے لئے زیبا ہے نہ عورتیں وہ لباس اختیار کریں جو مردوں کے لئے مناسب ہے، تیسری بات یہ ہے کہ وہ لباس پسندیدہ نہیں جس سے غور و نحوث نمایان ہو، کھانے پینے میں چند حرام چیزوں کے سوا کسی کی ممانعت نہیں، نظم و نسق اور نظام حکومت و سلطنت میں چند کلی اصول تعلیم فرمائے، شہنشاہانہ اور جاہلانہ حکومت نہ ہو، لوگوں میں مساوات ہو، اور ہم امور میں اہل علم و عقد کا باہمی مشورہ ہو، و علیٰ ہذا القیاس،

الغرض یہی وہ امور ہیں جن میں زمانہ اور تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ تغیر و انقلاب ہوتا ہے اس لئے ان کو ہمیشہ کے لئے محدود کر دینا مصلحت الہی کے خلاف تھا،

ملکہ نبوت یا عقل نبوت | گذشتہ مباحث سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ نبی میں علم و فہم کے تین ذریعے ہیں
وحی ملکہ نبوت، اور عام عقل بشری، ان میں سے اول و آخر کے نبوت کے شرعی ثبوت

لئے کسی استدلال کی ضرورت نہیں کہ اولیٰ تو یہ مسلمات سے ہیں، اور دوسرے اوپر کی تشریحات میں مستقل طور سے ان پر بحثیں ہو چکی ہیں، لیکن اب تک ہم نے دوسری چیز یعنی ملکہ نبوت کے لئے کوئی شرعی دلیل پیش نہیں کی ہے، اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات یہ کہنی ہے کہ جن علماء نے اس کی حقیقت ظاہر کی ہے، انھوں نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق اس کے لئے الگ الگ اصطلاحیں قائم کی ہیں، مگر مفہوم معنی کے لحاظ سے وہ دراصل ایک ہی سلف صالحین میں سے بعض نے اس کے لغائی فی الواقع دول میں ڈالنا، اتنی کی حکمت قلبیہ، توفیق ازلی، اور قوت تبیین سے تعبیر کیا ہے، امام غزالی داماد رازی، اور دوسرے تکلمین نے اس کو ملکہ نبوت سے ادا

لے یہ تمام الفاظ امام شافعی کی کتاب الرسالہ میں مذکور ہیں،

کیا ہے، شاہ ولی اللہ صاحب اور علمائے اصول نے اس کو پیغمبرانہ قوتِ اجتہاد کہا ہے اور صوفیہ کی عام پسند اصطلاح میں اس کو علم لدنی کہا جاتا ہے مگر ان سب کے معنی تقریباً ایک ہی ہیں، یعنی نبی کے اندر کی وہ پیغمبرانہ عقلی قوت جو بشری عقل سے فوق ہے، اور جس کے ذریعہ سے وہ وحی کی تشریح، اسرارِ شریعت کا بیان، اور دقائقِ حکمت کی اپنی زبان سے توضیح کرتا ہے۔

انبیاء کرام کے ان ربانی انعامات کی فہرست پڑھیے، جن کا تذکرہ قرآن نے جا بجا کیا تو وحی کی مخصوص نعمت کے بعد فہرست میں جو چیز نظر آئے گی، وہ ”علم نبوت“ ہے جس کو کہیں ذکر (یاداشت) کہیں حکم (حق و باطل میں تیز کا ملکہ) کہیں حکمت (داناہی) کہیں شرحِ صدر (سینہ کا کھول دینا) کہیں تعظیم (سوچھ بوجھ دینا) کہیں تعلیم (سکھا دینا) کہیں ارادت (دکھا دینا) سبھا دینا) کہا گیا ہے، ان سب مختلف الفاظ کا مفہوم وحی سے نیچے، اور عقلِ بشری سے اوپر عقلِ نبوی کے سوی اور کیا ہوا ان سو مراد وحی ہی سے نہیں کہ ان کا ذکر وحی سے الگ ہوا اور عقلِ بشری سے نیچے نہیں کہ عقلِ بشری خاص نبی پر کوئی انعام نہیں کہ یہ نعمت تو ہر انسان کو کچھ نہ کچھ ملی ہے اس بنا پر اس سو مراد عقلِ نبوی اور حکمتِ نبوی کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا،

حکمت | انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو نعمتیں عطا ہوتی ہیں، ان میں ایک خاص نعمت کا ذکر قرآن پاک میں بار بار آیا ہے، اور وہ حکمت ہے، ابراہیم پر اللہ تعالیٰ نے جو احسان کئے ان کا ذکر وہ ان الفاظ میں فرماتا ہے،

۱۔ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ
وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُم مَّا كَانُوا يَشْتَوْنَ

تو بے شبہ ہم نے ابراہیم کی اولاد کو کتاب اور حکمت دی، اور ان کو بڑی سلطنت بخشی،

حضرت لقمان کی نسبت ہے،

۲- وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ (لقمان)

۲- اور یقیناً ہم نے لقمان کو حکمت دی،

حضرت داؤد کی شان میں ہے،

۳- وَشَدَدْنَا لَدَاؤُدَ الْوَلَدَ وَالْحِكْمَةَ

۳- اور ہم نے داؤد کی سلطنت مضبوط کی،

وَفَصَّلَ الْخِطَابَ، (ص - ۲)

اس کو حکمت اور قول فصیل عطا کیا،

۴- وَقَالَ دَاوُدُ جَاوِدًا وَاشْتَا

۴- اور داؤد نے جاووت کو مارا، اور خدا نے

اللَّهُ الْمَلِكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلِمَهُ

داؤد کو سلطنت، اور حکمت بخشی اور جو چاہتا،

مِمَّا يَشَاءُ. (بقرہ - ۲۳)

اس میں سے کچھ سکھایا،

حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں :-

۵- قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَبِالْبَيِّنَاتِ

۵- میں تمہارے پاس حکمت لیکر آیا ہوں تاکہ

لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ

جن باتوں میں تم باہم اختلاف رکھتے ہو

کچھ باتیں ان میں سے کھول دوں،

(ذخرف - ۶)

خود اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ پر اپنا احسان جتاتا ہے، تو فرماتا ہے،

۶- وَإِذْ عَلَّمْنَاكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

۶- اور یاد کر (جب میں نے تجھ کو کتاب اور

وَالتَّوْرَانَ وَالْإِنْجِيلَ (مائدہ - ۱۵)

حکمت اور توراہ اور انجیل کی تعلیم دی،

عام انبیاء کے مشفق ہے،

۷- وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ

۷- اور جب اللہ نے نبیوں کو وعدہ لیا کہ جو

لَمَّا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابِ حِكْمَةٍ (آل عمران ۹) میں تم کو کوئی کتاب اور حکمت دون،

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی یہ دعائیں،

۸۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ ۝

۸۔ ہمارے پروردگار! اور ان میں انہی میں سے

يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ

ایک رسول بھیج جو ان کو تیری آیتیں سنائے

الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۝

اور کتاب و حکمت سکھائے اور ان کو سنوادیں

إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (بقرة)

بیشک تو غالب اور حکمت والا ہے

اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی،

۹۔ كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكَ رَسُولًا

۹۔ جس طرح ہم نے تم میں تم ہی میں سے ایک

مِّنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا

رسول بھیجا، جو تم کو ہماری آیتیں سنائے

وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

تم کو سنوادیں اور تم کو کتاب و حکمت سکھائے

وَيُعَلِّمُكُمُ الْعُرْفَ لَئِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (بقرة)

ہو اور وہ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے،

اس دعاے ابراہیمی کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا احسان اللہ تعالیٰ نے

سورہ آل عمران میں پرجایا ہے،

۱۰۔ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ

۱۰۔ یقیناً اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا

إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ

کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا

يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ

جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (آل عمران ۱۰)

ان کو سنوادیں اور ان کو کتاب و حکمت

وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ، (ال عمران - ۱۷)

اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے،

اللہ تعالیٰ نے اپنا یہی احسان ان ہی الفاظ میں سورہ جمعہ میں دہرایا ہے،

۱۱۔ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ، (جمعہ - ۱)

وہی اللہ جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اُس کی آیتیں سناتا ہے اور ان کو پاک و عارف کر رہا ہے اور کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے اپنا یہ احسان ان پر ظاہر فرمایا ہے،

۱۲۔ وَكَوَلَّا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ،

۱۲۔ اور اگر خدا کا فضل و کرم تجھ پر نہ ہوتا تو ان

میں سے ایک جماعت ارادہ کر چکی تھی کہ وہ تجھے گمراہ کر دے اور وہ گمراہ نہیں کرے، لیکن اپنے آپ کو، اور تجھے کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے، خدا نے تجھ پر کتاب اور حکمت اتاری اور تجھ کو وہ سکھایا جو تو نہیں جانتا تھا،

وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ طَائِفَةً مِنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكَ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَصُدُّوكَ مِنْ شَيْءٍ وَأَنْزَلْنَا اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَمَا يَصُدُّوكَ عَنْ مَالِكَ تَعْلَمُونَ

وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا (نساء) اور تجھ پر خدا کا بڑا فضل تھا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے،

۱۳- ذٰلِكَ مِمَّا اَوْحٰى اِلَيْكَ

یہ وہ ہے جو خدا نے حکمت کی باتوں میں

رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ (اسرائیل: ۲)

سے تم پر وحی کی ہے،

عام مسلمانوں سے ارشاد ہے،

۱۴- وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

۱۴- اور اللہ کا جو احسان تم پر ہے، اور

وَمَا اَنْزَلَ عَلَيْكُم مِّنَ اللَّيْلِ

اُس نے تم پر جو کتاب اور حکمت اتاری،

الْحِكْمَةَ يُعْظَمُ بِهَا، (بقرہ: ۱۲۹)

اُن کو یاد کرو، خدا تم کو اس سے سمجھاتا ہے،

خاص طور پر ازواجِ مطہرات کو خطاب ہے،

۱۵- وَاذْكُرْ لَكُمْ مَا يَتْلُو فِي بُيُوتِكُمْ

۱۵- اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں

مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ (احزاب)

اور حکمت کی جو باتیں سنائی جاتی ہیں، ان کو

یہ نعمت حسب استعداد عام مسلمانوں کو بھی ملا کرتی ہے،

۱۶- يُوَفِّي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاءُ وَمَنْ

اور خدا جس کو چاہتا ہے حکمت بخشتا ہے،

يُوَفِّي الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا

اور جس کو حکمت بخشی گئی، اس کو بڑی دولت

كَثِيرًا، (بقرہ: ۲۷۰) (بھلائی) دی گئی،

اسی کے ذریعہ تبلیغ و دعوت کا حکم بھی ہوتا ہے،

۱۷- اُدْعِ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ

۱۷- اپنے پروردگار کے راستے کی طرف تو

وَالْمَوْعِظَةُ الْحَسَنَةُ وَجَارِبُهُمْ

حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ سے بلا

بِاللَّتِي هِيَ اَحْسَنُ، (محل: ۱۶)

اور ان سے عمدہ طریقہ سے مناظرہ کر

ایک جگہ قیامت اور عبرت کے واقعات پر حکمت کا اطلاق ہوا ہے،

۱۸- وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ ۱۸- اور ان کو اتنے احوال پہنچے ہیں ڈانٹ ہو سکتی

مَا فِيهِ مِزْدَ جَزَاءٍ حَكِيمَةٍ بِالذِّكْرِ ۱۸- ہی، پہنچ چکے ہیں، موثر حکمت تو ان ڈر

فَمَا تَعْنِي الذُّكُورُ (قر-۱) ۱۸- سنانے والے فائدہ نہیں پہنچا سکے،

اور پر کی سطروں میں وہ تمام آیتیں لکھی گئی ہیں جن میں حکمت کا لفظ آیا ہے ان میں کہیں

حکمت کا لفظ نہیں آیا ہے، اور کہیں کتاب کے بعد آیا ہے، کتاب کے دو معنی قرآن میں ہیں، ایک صحیفہ

ربانی، اور یہ اکثر آیا ہے، اور دوسرے نوشتہ، الہی اور علم الہی، جیسے لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ

(اگر خدا کا نوشتہ، یا علم پہلے نہ ہوتا) مذکورہ بالا آیتوں میں تو کتاب سے توبے شہدہ آسمانی کتاب

اور صحیفہ ربانی، یا یون کو کہ وحی کتابی مراد ہے، جیسے تورات و قرآن وغیرہ، لیکن حکمت کا مفہوم

ان آیتوں میں کیا ہے؟

حکمت کے لغوی معنی "دانائی کی بات اور کام" کے ہیں، مگر یہاں اس سے کیا مقصود ہے

اس تحقیق کے لئے ضرورت ہے کہ مستند اہل لغت اور ماہرین قرآن کے اقوال نقل کر کے تبصرہ

کیا جائے، سب سے قدیم لغت نویس ابن دریر المتوفی ۳۷۰ھ اپنی کتاب "جمہرۃ اللغۃ" میں حکمت

کے حسب ذیل معنی لکھتا ہے،

فَكُلُّ كَلِمَةٍ وَعَظْمَةٍ أَوْ حَرَكَةٍ ۱۸- ہر وہ بات جو تجھ کو سمجھائے یا تجھ کو تنبیہ کرے

أَوْ دَعَاكَ إِلَى مُكْرَمَةٍ أَوْ نَهَاكَ ۱۸- یا کسی اچھی نصیحت کی طرف بلائے یا کسی بری

مِنْ قَبِيحَةٍ فَهِيَ حَكِيمَةٌ وَحَكْمٌ ۱۸- چیزت رو کے، وہ حکمت اور حکم ہے،

لغت کا امام جوہری، اپنی صحاح اللغہ میں لکھتا ہے،

الحكمة من العلم والحكيم العالم
 حکمت یعنی علم، اور حکیم یعنی عالم، اور
 وصاحب الحكمة والحكيم الملتقن
 حکمت والا، اور حکیم کا مومن کو بخوبی
 للا مورد (جلد ۲ صفحہ ۲۷۲ مصر)
 سے کرنے والا،

عربی لغت کی بسوہ و مستند کتاب لسان العرب میں ہے،

والحكمة عبارة عن معرفة
 اور حکمت بہترین چیز کو بہترین علم کے ذریعہ
 افضل الاشياء بالفضل لعلو
 سے جاننے کو کہتے ہیں،

لغات قرآن کے مشہور امام راغب اصفہانی، مفردات القرآن میں کہتے ہیں،

والحكمة اصابة الحق بالعلوم
 اور حکمت، علم اور عقل کے ذریعہ سے سچی
 العقل فالحكمة من الله تعالى معرفة
 اور صحیح بات کو پہنچنا ہے، تو اللہ تعالیٰ
 الاشياء و ايجادها على غاية
 کی حکمت، چیزوں کو جاننا، اور ان کو کمال
 الاحكام من الانسان معرفة
 خوبی پیدا کرنا ہی، اور انسان کی حکمت
 الموجودات و فعل الخيرات (ص ۲۷۲ مصر)
 موجودات کو جاننا اور اچھی باتوں کا کرنا ہی،

یہ تو عربی لغت کے اماموں کی تصریحات تھیں، اب ان بزرگوں کے اقوال پر غور کرنا ہی

جزرہ بذانی کے ساتھ قرآن اور شریعت کے استدلال اور محاوروں سے بھی کامل طور سے آگاہ

ابن حبان اندلسی نے اپنی تفسیر سحر المحیط میں ان کے اکثر اقوال کو یکجا کر دیا ہے،

له زيارت و ابعث فيهم رسولا منهم الآية (ج اس ۳۹۳، مطبوعه سعادت مصر،

- ۱- قال مالك ابو زرين :- الحكمة الفقه
 ۱- امام مالک اور ابو زین کا قول ہے حکمت دین
 فی الدین والفہم الذی ہو
 میں سمجھ اور اس فہم کو کہتے ہیں جو ایک فطری
 سچیّت و نور من اللہ تعالیٰ،
 ملکہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور ہے
- ۲- وقال مجاہد: الحكمة فہم القرآن
 ۲- مجاہد کا قول ہے: حکمت یعنی قرآن کا فہم
 ۳- وقال مقاتل: العلم والعمل
 ۳- مقاتل کا قول ہے: حکمت، علم اور اس کے
 بہ لا یكون الرجل حکما حتی
 مطابق عمل کو کہتے ہیں کسی شخص کو حکیم اس
 یجمعہما،
 وقت تک نہیں کہا جاتا جب تک وہ علم اور
 عمل دونوں کا جامع نہ ہو
- ۴- وقیل: الحكمة والقضاء
 ۴- بعضوں کا قول ہے حکمت فیصلہ کرنا ہے
 ۵- وقیل: مال یعلو الا من جهة
 ۵- کسی کا قول ہے: حکمت وہ ہے جو رسول
 الرسول،
 کے سوا کسی اور ذریعہ سے معلوم نہ ہو سکے
- ۶- وقال ابو جعفر محمد بن یعقوب:
 ۶- ابو جعفر کا قول ہے: ہر وہ صحیح بات جو صحیح
 کل صواب من القول ورت
 عمل پیدا کرے، حکمت ہے
 فعلا صحیحا فهو حکمة،
- ۷- وقیل وضع الاشياء مواضعها
 ۷- کسی کا قول ہے کہ چیز کو اپنی اپنی جگہ پر رکھنا حکمت ہے
 ۸- وقیل: کل قول وحب
 ۸- ایک شخص کا قول ہے: ہر وہ بات جس کا
 فعلہ،
 کا کرنا ضروری ہو حکمت ہے

امام ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں حسب ذیل اقوال لکھے ہیں :-

۱- قال (مالک): المعرفة بالدین

والفقه فی الدین والاتباع له

۱- مالک کا قول ہے: دین کی معرفت اور دین

میں سمجھ، اور اس کی پیروی حکمت ہے،

۲- قال ابن زید: الحکمة الدین

الذی لا یعرفونه الا به صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

۲- ابن زید کا قول ہے حکمت دین کا وہ حصہ

ہے، جو صرف رسول سے معلوم ہوتا ہے،

یُعَلِّمُهُمُ آيَاهَا، قَالَ وَالْحِكْمَةُ الْعَقْلُ

وہی اس کو سکھاتا ہے، نیز ان ہی کا قول ہے

فِي الدِّينِ وَقُرْءَانٍ وَمَنْ يُوتِ حِكْمَةً

کہ حکمت دینی عقل کا نام ہے اور اس پر یہ آیت

فَقَدْ اَوْتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا وَقَالَ النُّعْمَانِيُّ

پڑھی کہ جس کو حکمت دی گئی اس کو بڑی دولت

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ

دی گئی، اور خدا نے حضرت عیسیٰ کے متعلق کہا

وَالانجیلَ وَقَرَأَ ابْنُ زَيْدٍ وَآلُ

کہ خدا ان کو کتاب و حکمت اور توراہ اور

عَلَيْهِمْ نَبَأُ الذِّمِّيِّ (بِتَيْتِهِ اَيْتِنَا

انجیل سکھاتا ہے) ابن زید نے یہ آیت بھی پڑھی

فَانسَلَخَ مِنْهَا قَالَ لَوْ نَبْتَغِ بِالْاِيَاتِ

کہ ان کو اس کا حال سناؤ جس کو ہم نے

حِينَ لَوْ تَكُنْ مَعَهَا حِكْمَةٌ قَالَ

اپنی آیتیں دین تو وہ ان سے الگ ہو گیا،

الْحِكْمَةُ شَيْءٌ يَجْعَلُهُ اللهُ فِي الْقَلْبِ

یعنی ان آیتوں سے نفع نہیں اٹھایا کیونکہ

يُنَوِّلُهُ بِهِ،

ان کے ساتھ حکمت نہ تھی، انہی کا قول ہے کہ حکمت

۳- عَنْ قَتَادَةَ: وَالْحِكْمَةُ اِمْلَاقُ السُّنَّةِ

ان کے ساتھ حکمت نہ تھی، انہی کا قول ہے کہ حکمت

۳- عَنْ قَتَادَةَ: وَالْحِكْمَةُ اِمْلَاقُ السُّنَّةِ

۳- قتاوہ سے مروی ہے: حکمت یعنی سنت نبوی

آخر میں امام طبری اپنا فیصلہ سناتے ہیں،

۴- قَالَ ابْنُ جرير الطبري: وَالصَّوَابُ

۴- ہمارے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ حکمت ان

۴- قَالَ ابْنُ جرير الطبري: وَالصَّوَابُ

۴- ہمارے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ حکمت ان

۴- قَالَ ابْنُ جرير الطبري: وَالصَّوَابُ

دو چیزیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے قلب میں رکھتا ہے اور اس سے اس کو دین اور کتاب

من القول عند نافی الحكمة انھا
 العلم باحکام اللہ الّتی لا یدرک
 علمہا الا ببیان الرسول صلعم
 المعرفة بها وما دلّ علیہ ذلک
 من نظائرک وهو عندی باخوذ
 من الحکم الذی بمعنى الفصل
 احکام الہی کے علم کا نام ہی جو صرف رسول کے
 بیان (تشریح) سے معلوم ہوتے ہیں اور ان کی
 اور جو ان کی مثالیں اور نظیریں ہیں انکی معرفت
 کو کہتے ہیں اور حکمت کا لفظ میری نزدیک
 حکمت سے ماخوذ ہے جس کے معنی حق و باطل
 میں تمیز کرنے کے ہیں،

۱۰۰
 ۱۰۰
 ۱۰۰

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف کتاب لرسالہ میں قیادہ مساک کو پسند کیا ہے لکھتے ہیں

۵- وسمعت من ارضی من اهل
 العلوم بالقرآن، یقول: الحکمة
 سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۲۸)
 ۵- میں نے قرآن کے ان اہل علم سے جن کو
 پسند کرتا ہوں یہ سنا کہ حکمت آنحضرت صلی اللہ

امام شافعی اسی کتاب میں آگے چل کر بعضوں کا قول نقل کرتے ہیں،
 وسنۃ الحکمة الّتی الّتی فی روعہ
 اور آپ کی سنت وہ حکمت ہی جو آپ کے
 عن اللہ عزوجل (صف ۲۸)
 دل میں خدا کی طرف سے ڈالی گئی،

ائمہ لغت اور علمائے قرآن کے ان تمام اقوال پر ایک غائر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ یہ کل
 کے کل ایک ہی مفہوم کی مختلف تعبیریں، اور ایک ہی حقیقت کی متعدد تفسیریں ہیں جسے
 عقل و فہم کی اس کامل ترین حقیقت کا نام ہے جس سے صحیح و غلط، صواب و خطا، حق و باطل، اور
 خیر و شر کے درمیان تمیز و فیصلہ، بذریعہ غور و فکر، دلیل و برہان اور تجربہ و استقراء کے نہیں، بلکہ

منکشفانہ طور سے ہو جاتا ہے، اور اسی کے مطابق اُس صاحبِ حکمت کا قول بھی ہوتا ہے،
ہر فن کے واقف کار دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو کسی فن کو باقاعدہ حاصل کرتے ہیں
اسکی مشق کرتے اور اُس میں مہارت اور کمال ہم پہنچاتے ہیں، دوسرے وہ جو اُس فن کی فطری
استعداد اور قابلیت رکھتے ہیں اور تجربہ و دلیل کے بغیر خود اپنی فطری صلاحیت صحیح و جہان اور
سیلم ذوق سے اس فن کی کسی شے کو دیکھنے کے ساتھ ہی اُس کے متعلق جی پی رائے دیتے ہیں
اور حرفِ حق صحیح دیتے ہیں اسی کا نام آپ صحت و جہان اور سلامتِ ذوق رکھتے ہیں، انشاء
انشاء پر داری، اور دوسرے فنونِ لطیفہ میں اُس کی مثالیں بہتر دکھی اور سنی جاتی ہیں اسی
طرح بعض لوگوں میں اشیا کے حق و باطل، اور افعال کے خیر و شر کی تیسیر کا صحیح و جہان اور صحیح ذوق
ہوتا ہے، وہ ان امور کے دقیق سے دقیق مسئلہ کے متعلق اپنے رہانی ذوق و جہان سے ایسی صحیح رائے
دیتے ہیں، جو دوسرے لوگ وسیع مطالعہ اور غور و فکر کے بعد بھی نہیں دیکھتے یہی وہ معرفت اور
نور الہی جو جہد و جہادِ رسمی و محنت سے نہیں، بلکہ عطا و بخشش سے حاصل ہوتی ہے اور اسی کا نام حکمت ہے
دوسری رہانی استعدادوں اور فطری بخششوں کی طرح حکمت کا عطیہ بھی سب کو یکساں
نہیں ملتا، بلکہ حسبِ استعداد معمولی حکمت سے لیکر اعلیٰ ترین اور کامل ترین حکمت تک لوگوں
کو عطا ہوتی ہے اس کے مختلف درجے اور مرتبے عام انسانوں کو مل سکتے ہیں اور ملتے ہیں، لیکن
اُس کا اعلیٰ ترین اور کامل ترین درجہ اور مرتبہ صرف انبیاءِ علیہم السلام کو حاصل ہوتا ہے،
مگر یہ نکتہ یاد رکھنا چاہئے کہ جس طرح اس رہانی عطیہ، آسمانی نعم، دینی فضل اور نورانی
قوت پر حکمت کا اطلاق ہوتا ہے اسی طرح اس قوت (حکمت) کے آثار و نتائج اور اُس کی صلاحیتیں

بھی اُس کا اطلاق ہوتا ہے چنانچہ دوسری آیت جس میں حضرت لقمانؑ کو حکمت دینے جانے کا بیان ہے اُس کے بعد اُس حکمتِ لقمانی کی حسب ذیل تعلیمات کا ذکر بھی آگیا ہے اللہ کا شکر ادا کرنا، شرک کی ممانعت، والدین کی خدمت، اچھوں کی پیروی، خدا کا ہمہ گیر علم، نماز کا حکم، صبر، فخر و غرور کی ممانعت، میانہ روی، آہستہ بولنا، اسی طرح تیسری آیت میں حکمتِ محمدی کی حسب ذیل تعلیمات کی تفصیل بھی کی گئی ہے، شرک کی ممانعت، والدین کے ساتھ احسان، قرابتداروں، اور مسکینوں سے نیک سلوک، اسراف کی برائی، نرمی کی بات کرنا، میانہ روی، اولاد کے قتل کی مذمت، کسی کی جان نہ لینا، مقتول کا بدلہ لینا، پیٹیم کے ساتھ اچھا برتاؤ، عہد پورا کرنا، ناپ تول ٹھیک رکھنا، بے جانی چیز کی پیروی نہ کرنا، فخر و غرور کی مذمت، ان تمام باتوں کو بیان فرما کر اللہ کہتا ہے،

ذٰلِكَ مِمَّا آتٰوْاْ حٰی الْيَتٰمَ رٰسِدًا
یہ ہیں حکمت کی وہ بعض باتیں جو خدا

مِنَ الْحِكْمَةِ (اسراء-۳۷) نے تجھ پر وحی کی ہیں،

حکمت کی ان بعض باتوں کی تفصیل سے اندازہ ہوتا ہے کہ حکمت کے مظاہر اور نتائج کس

قسم کی باتیں ہوتی ہیں یہ عموماً وہی باتیں ہوتی ہیں جن کی عالمگیر صداقت اور سچائی کو خود فطرت

انسانی اور حسنِ اخلاقی تسلیم کرتی ہے، یہی سبب ہے کہ تیسری اور چوتھی آیت میں حکمت کا اطلاق

زبور پر، اور پانچویں اور چھٹی آیت میں اہل پر ہوا ہے کہ ان میں اسی قسم کی دلائل و نصیحتوں، اور عالمگیر

صداقتوں کی تعلیم ہے، اور خود قرآنِ پاک نے بھی اپنی صفتِ حکمت والاقراءن ظاہر کی ہے، تِلْكَ

آيَاتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ (لقمان و یونس)، وَالْقُرٰنِ الْحَكِيْمِ (تینین) وَالَّذِيْ كُوْنُ الْحَكِيْمِ،

(آل عمران) ان آیتوں سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حکمت کی بعض اہم تعلیموں کو وحیِ الہی خود

اپنے اندر کبھی شامل کر کے ان کو اب مقطر بنا دیتی ہے، یہ چیز انبیاء کو کتاب کی وحی کے ساتھ ساتھ
عام طور پر ملتی ہے، فرمایا،

وَإِذَا خَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ

اور یاد کرو جب خدا نے پیغمبروں سے عہد

لَمَّا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ (آل عمران) لیا کہ البتہ جو میں تم کو کتاب و حکمت دے

بہر حال یہ حکمت کی قوت انبیاء علیہم السلام کو بدرجہ اتم حاصل تھی، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ان

کی ہر بات و انمانی امدان کا ہر کام و انشائیہ پر مبنی ہوتا تھا، اور چونکہ یہ قوت ان کو حاصل تھی
اس لئے اس کے آثار اور نتائج بھی اقوال و اعمال کی صورت میں ظاہر ہوئے، جن کا نہ صرف اثر

و اعتراض بلکہ ان پر عمل بھی نبوت کی تصدیق میں داخل ہوا، پندرہویں آیت میں ہے،

وَإِذْ كُنْتُمْ مَائِلِينَ فِي بَيْوتِكُمْ مِنْ

(اور اسے محمد رسول اللہ کی بیویوں) تمہارا

آيَتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ،

گھروں میں خدا کی جو آیتیں اور حکمت کی

(احزاب - ۴) باتیں سنائی جاتی ہیں، ان کو یاد رکھو

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو آیات الہی کے علاوہ کس حکمت یاد رکھنے

کا حکم دیا گیا، ظاہر ہے کہ وہ خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت و انمانی کی باتیں تھیں، اب اگر

وہ باتیں امور دین سے متعلق نہ ہوتیں، تو ان کے لئے ان کا یاد رکھنا کیوں ضروری قرار دیا جاتا، اسی

طرح آٹھویں، نوین، اوسون، اور گیارہویں آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت میں ہے:

لَهُ لَفْظٌ مِثْلَى سَائِرِ النَّاسِ، ہو کہ وہ کتاب کے لئے خاص ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کتاب کا کوئی صفحہ پر ہلکے

نہیں سناتے تھے، بلکہ لفاظ الہی کو زبانی ادا فرماتے تھے،

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ الْحَكِيمَةَ (جمعه) وہ مسلمانوں کو کتابِ درحمت کی تعلیم دیتا ہے

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتاب کے بعد حکمت کی تعلیم دیتے تھے، ظاہر ہے کہ خود اپنی حکمت کی، تو جس حکمت کی تعلیم وہ دیتے تھے، وہ خود ان کے اندر بھی تھی کہ جو چیز ان کے پاس نہ تھی، دوسروں کو کیا بخش سکتے تھے، اور جب یہ قوت آپ کے پاس تھی، تو اس کے آثار و نتائج بھی تو افعال کی صورت میں نمایاں ہون گئے جن کی آپ تعلیم فرماتے تھے، اور اپنے ان امورِ حکمت کی تعلیم سے آپ کا مقصد بھی یہی ہو سکتا تھا کہ مسلمان ان پر عمل کریں،

پانچویں آیت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں،

قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَالْأَمِينِ
لَكُمْ بَعْضٌ لِّذِي تَخْتَلَفُونَ فِيهَا

میں تمہارے پاس حکمت لیکر آیا ہوں تاکہ
جن باتوں میں تم باہم اختلاف رکھتے ہو

کچھ باتیں ان میں سے کھول دوں، (زخرف - ۶)

اس سے معلوم ہوا کہ حکمت کا ایک فریضہ تفسیر بھی ہے یعنی کسی محلِ ذمہ داری میں اور مختلف ذمہ داریوں کی تشریح و تفصیل جس سے وہ اجمال اور اختلاف جاتا رہے، اور اصل مقصود کی تشریح ہو جائے چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قرأت کے بعض احکام کی جن میں یہود مختلف رائے تھے، تفصیل فرمائی، اور ان کی غلطی دور کی،

بارہویں آیت میں ہے،

وَكُورًا فَضَّلَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةً
اگر خدا کا فضل و کرم تجھ پر نہ ہوتا، تو ان میں سے

اس قرآن پاک میں حرفِ علت سے قبل واو آیا کرتا ہے، جیسے وَلِيكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ یہ حرفِ عطف نہیں،

ایک گروہ نے چاہا تھا کہ مجھ کو گمراہ کر دے اور

گمراہ نہیں کرتے لیکن اپنے آپ کو اور مجھ کو

بھی نقصان نہیں پہنچائیں گے اللہ نے تجھ پر

کتاب و حکمت اتاری اور تجھ کو سکھایا جو تو

نہیں جانتا تھا اور اللہ کا فضل تجھ پر بڑا

أَهْتَمَّ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ أَن يُضِلُّوكَ

وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَصْرِفُونَ

مِنْ شَيْءٍ وَأَنزَلْنَا اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ

وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمْنَاكَ مَا لَمْ يَكُن لَّكَ يَدْرُسُ

كَأَنَّ نَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا (نساء)

ان آیتوں میں بیان ہے کہ منافقین کا ایک گروہ ہے کہ آپ کو غلامی سے دیکر بے گناہ جانتا تھا مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کی یہ چال کا گمراہ ہونی اور وہ تجھ کو بے گناہ نہ سیکے اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ کا تجھ پر فضل و کرم ہے اور وہ فضل و کرم یہ ہے کہ اس نے تجھ پر کتاب اور حکمت اتاری اور تجھ کو وہ علم بخشا جو پہلے نہ تھا اس سے ظاہر ہوا کہ گمراہی سے آپ کی یہ حفاظت خطا سے یہ عصمت اور علم کی پیشکش آپ کو کتاب اور حکمت دونوں کے ملنے کے سبب سے حاصل ہوئی ہے الغرض اس حفاظت و عصمت کے حصول میں کتاب الہی کے ساتھ حکمت الہی کے نعام کو بھی دخل کا ہے

یہ تو وہ نبوی حکمت تھی جس کا مشرکہ عربیت سینہ نبوت تھا لیکن پیش حسب استدلال و بینبر کی اتباع میں دوسروں کو بھی ملتا ہے جس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ سچی اور صحیح بات کو سب سے آسانی سے سمجھ لیتے قبول کر لیتے اور اس پر عمل کرتے ہیں

تبلیغ اسلام کے تین ذریعوں حکمت، معرفت اور خوش خلقی سے متاثر کر لیں

اول حکمت کو جگہ دی گئی ہے

ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ
تو اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت و اچھی نصیحت

الْحُسْنَىٰ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ
کیساتھ دعوت دے اور ان کو مناظرہ بطریق احسن کر

پہنچی، صحیح اور صاف بات دل تک پہنچ جاتی، اور بہت جلد اپنا اثر دکھاتی ہو فرمایا،

حِكْمَةٌ بِاللِّغَةِ، (قرۃ - ۱)
دل تک پہنچ جانے والی حکمت،

یہ حکمت ہر نیکی کی جڑ اور ہر بھلائی کی اصل ہے، پھر اس سے بڑھ کر دنیا میں اور کیا دولت

ہو سکتی ہے اسی لئے ارشاد ہوا،

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا
جس کو حکمت دی گئی، اس کو بہت نیکی

كَثِيرًا (بقرہ - ۱۲۹) (دولت) دی گئی،

اس سلسلہ میں دو مشہور اور مستند حدیثوں کا حوالہ بھی مناسب ہے جن سے حکمت کی

حقیقت واضح ہوگی، اور کم از کم قرن اول میں اس لفظ کا مفہوم ظاہر ہوگا، آنحضرت ﷺ

نے وفد کے ایک خطیب کا بیان سن کر فرمایا،

إِنَّ مِنَ الشَّعْرِ الْحِكْمَةَ وَإِنَّ مِنَ
بعض شعر حکمت ہوتے ہیں اور بعض

الْبَيَانِ لِسِحْرٍ،
تقریریں جادو ہوتی ہیں،

اس حدیث میں بعض اشعار کو حکمت اور بعض تقریروں کو جادو کہا گیا ہے، اس تقابلی

ظاہر ہے کہ حکمت کا عربی مفہوم اس کے اردو مفہوم سے بلند تر ہے، یعنی سحر و جادو کے ما فوق

انسانی تصور کی طرح حکمت کے عربی مفہوم میں کوئی ما فوق بشری تخیل ضرور ہے، اسی سے سمجھ

میں آسکتا ہے کہ عربی میں حکمت کے معنی عقل و فہم وغیرہ کے معمولی الفاظ سے کوئی بلند اور غیر معمولی

حقیقت ہے، اور اردو میں اس حقیقت کو حکمت کے ساتھ لفظاً الہامی بڑھا کر ادا کیا جا سکتا ہے
یعنی الہامی حکمت

حضرت عبدلہ ترین مسعود سے روایت ہے کہ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، رنگ و حد اگر جائز ہے تو صرف دو شخصوں پر، ایک اُس پر جس کو مال کی دولت ملی، تو وہ اُس کو صحیح معنوں میں لٹاتا ہے دوسرے رَجُلٌ اِنَّا كَلَّلَهُ اللهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِي بَيْنَنَا وَيُعَلِّمُنَا (صحیح بخاری کتاب العلم) اس شخص پر جس کو حکمت ملی ہے تو وہ اُس کے ذریعہ سے فیصلہ کرتا ہے، اُس دوسروں کو سکھاتا ہے، اور اُس میں ظلم ہونے کی شان پیدا ہوتی ہے جب عام انسانوں کا یہ درجہ ہے تو انبیاء علیہم السلام کو یہ دولت کس بہتات سے ملی ہوگی، اور وہ یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں بھی آئی، اب اس حصولِ دولت یعنی عطا کی حکمت کا نتیجہ بھی ایسے ظاہر ہونا چاہیے، اور وہ فیصلہ اور تعلیم ہے، آپ کے یہ لہانہ فیصلے اور حکیمانہ تعلیمات تمام مروجی رہائی کی عملی، اور زمانی شرح اور بیان ہیں،

کتاب حکمت کی تعلیم اور آپ کی چار آیتوں ۱۰۰-۱۰۱-۱۰۲ میں خفیہ سے تغیر کیسا ہے حسب ذیل آیت ہے

يَتْلُو عَلَيْهَا رَبُّكَ يُدْرِكُ

يُعَلِّمُهُمُ الْكَلِمَاتِ وَالْحِكْمَةَ

وہ رسول ان (ان پر ہوں) کو خدا کی

آیتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ذہن کا ذکر ہے،

۱۔ خدا کی آیتوں کو پڑھنا، اور دوسروں کو سنانا،

۲۔ اُن کو شرک اور بد اخلاقی کی نجاتوں سے پاک صاف کرنا اور سنوارنا،

۳۔ اُن کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دینا،

سوال یہ ہے کہ پہلی اور تیسری آیتیں ایک ہی معنی رکھتی ہیں یا دو، اگر ایک معنی رکھتی ہیں تو اس سے دوسرے متکرار کا فائدہ کیا؟ کیونکہ دوسری جگہ بھی یہ لکھا ہے (یعنی تلاوت کرنا ہے) اور پہلی جگہ لفظ رکھ دیا گیا، اور اگر دو الگ الگ معنی رکھتی ہیں، جیسا کہ ہر صاحب نظر سمجھ سکتا ہے تو ان دونوں معنیوں میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہوگا، اگر رسول کا فرق محض وحی کی زبان سے سنی ہوئی آیتیں ہوں تو دوسروں کو سنا دینا ہے، اور اسی پر اس کی تبلیغ کا فرضیہ ختم ہو جاتا ہے، تو اس کا تیسرا فرض الفاظ کی تلاوت سے آگے بڑھ کر کتاب اور حکمت کے سبق کی تعلیم کو قرار دیا جاسکتا ہے بالکل ظاہر ہے، کہ تعلیم کا مفہوم تلاوت سے بہت کچھ زیادہ ہے، خصوصاً جب کہ تعلیم کا لفظ تلاوت کے بعد آیا ہو وحی کے الفاظ سنا دینے سے تلاوت کا فرض ادا ہو جاتا ہو، مگر تعلیم کا فرض ہر روز باقی رہتا ہے، کتاب کی تعلیم کے معنی تلاوت کی طرح کتاب کے الفاظ کا سنا دینا، اور پڑھا دینا یا دوسروں کو یاد کروا دینا نہیں، بلکہ الفاظ قرآنی کی تلاوت کے بعد جو آپ کا پہلا کام تھا، اس کے مشعل مطالبہ کو عمل کرنے میں سہاٹی کو سمجھانے اور اپنی زبان اور عمل سے اُن کی شرح و تفصیل کر دینے کا نام کتاب و حکمت کی تعلیم ہے، اور یہ آپ کا دوسرا یا تیسرا فرضیہ تھا، اور یہی وہ تعلیم تھی جس کا ان آیتوں میں بار بار ذکر ہے، اب جب ان مطالبہ و معانی کی شرح و تفسیر بھی آپ کے فرضیہ میں ہے تو میں داخل تھا، تو اس پنہیرانہ شرح و تفصیل کی حیثیت بھی دینی ہوگی، اور اسکی تعلیم بھی اُن کے لئے ضروری ہوگی، آپ کی اسی زبانی و عملی شرح و تفصیل کو صحابہؓ اور تابعین نے اپنی روایت عمل کے ذریعہ

سے محفوظ رکھا، اور وہ احادیث و سنن کے نام سے موسوم ہے،

اس تفصیل کے بعد حکمت کے اُن معنوں پر ایک نظر دوبارہ ڈال لیجئے جو اُن کی لغت اور

اسماء قرآن نے بیان کئے ہیں، تو آپ کو یقین آجائے گا کہ وہ کل ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیریں

اور ایک ہی معنی کی متعدد تفسیریں ہیں، آنحضرت ﷺ کے اقوال و افعال میں کے اصطلاحی نام

احادیث و سنن ہیں، کتاب الہی کی عملی و زبانی تشریحات ہیں، کتاب الہی، وحی ربانی کا نتیجہ ہے

اور احادیث و سنن، سید نبوی کی طمانہ حکمت کا اس مقام پر امام شافعی کی یہ تحقیق پیش نظر ہے

وَسُنَّةُ الْحَكِيمَةِ الَّتِي تَقْوِي رُوحَهُ

عَنْ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ رُكْنًا لِلرِّسَالَةِ عَزَّ وَجَلَّ

اور اسی مفہوم کو مجاہد اس طرح ادا کرتے ہیں کہ الْمَلِكَةُ نَهْمُ الْقَوَانِ حِكْمَةُ نَهْمِ قُرْآنِ كِتَابِهَا

دوسری عبارت میں یوں کہو کہ قرآن کے معانی و مطالب کی تشریح حکمت ہے، اور اس تشریح

کا نام جو رسول کے قول و فعل سے ادا ہونی، سنت ہے، اور اس معنی کو امام مالک، اور ابو ذرین

اور ابن زبیر وغیرہ دوسری معنی کے علماء سے قرآن ان عبارتوں میں ادا کرتے ہیں کہ حکمت بہت

وین نقد دین، اور اس علم دین کو کہتے ہیں، اس کو رسول نے بیان کیا، اور حکمت اس نور کا نام ہے

جو اللہ تعالیٰ کسی قلب میں پیدا کر کے اس کو منور کر دیتا ہے،

علاوہ بہت سے کہ اصل حکمت نبوی وہ نور نبوت اور الہامی معرفت ہے جس کو اللہ

تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کے قلب و سینہ میں وہ بیعت کیا تھا، اور چونکہ یہ بیعت علم دین اور

آپ کی ہی وہ بیعت شدہ حکمت نبوی کی پیداوار اور اثر و نتائج میں ہوتی ہے، اس لئے اس پر یہ

حکمت کا اطلاق جائز ہے، اس نفیس کے بعد ظاہر ہو گا کہ بعض اماموں اور عالموں نے حکمت کی تشریح میں اصل معنی کی طرف توجہ کی ہے، اور بعض نے ثانوی معنی کو بیان کیا ہے، اور دونوں معنی پر ہیں،

علم کے لغوی معنی جاننے کے ہیں، مگر ہر فن کے تعلق سے جاننے کی نوعیت اور مہلکات کی عیشت مختلف ہوگی، انبیاء کے تعلق سے جب اس کا استعمال ہوگا تو اس سے بطور خدا کی توحید، ذات و صفات، دین و شریعت کے احکام اور اخلاقی تعلیمات مراد ہوں گی، حضرت ابراہیمؑ

توحید پر استدلال کر کے اپنے پاسے فرماتے ہیں،

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعَالَمِينَ
مَأْتِكُمْ بَشِيرٌ وَّ نَذِيرٌ (موسیٰ)

اے میرے باپ! میرے پاس علم کا وہ
حصہ آیا ہے جو تیرے پاس نہیں آیا،

حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ہے،

وَعَلَّمَ قَوْمَهُ مِمَّا لَدُنَّا عِلْمًا (تہ)

اور ہم نے اپنے پاس سے اس کو علم سکھایا،

خدا کے پاس سے تو ہر چیز پہنچا ہے، پھر اپنے پاس سے علم سکھانے کا مفہوم کیا ہے؟ ہر وہ شخص جو انسان کی ذاتی محنت، کوشش، اور جدوجہد وغیرہ معمولی ذرائع کے بغیر حاصل ہوتی ہے، وہ منجانب خدا کی جاتی ہے، اسی طرح خدا کے پاس سے علم عطا ہونے کے معنی اس علم کے ملنے کے ہیں، جو انسان کے طبعی ذرائع علم و استدلال اور تلاش و تحقیق کے بغیر خود بخود عطا ہو، یہی علم خدا و اوستا اور اسی لئے صوفیہ کی اصطلاح میں اس کو علم لدنی (پاس والا علم) کہتے ہیں،

حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کی نسبت ہے،

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا. (زل) اور سب شہرہ ہم نے دَاوُد اور سلیمان کو علم دیا،

حضرت یوسف کے آغاز نبوت کے موقع پر ہے،

وَكُنَّا لَكَ يَحْيَىٰ رَبِّكَ وَعُجْبًا
اور اتنی طرح تیرا پروردگار تجھ کو نوازے گا

مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَبَيِّنَةٍ
تجھ کو باتوں کی حقیقت، رسی (تائیل) کا

بِنِعْمَتِهِ عَلَيْكَ، (یوسف - ۱) اور تجھ پر اپنا انعام پورا کرے گا،

ان آیتوں میں اُس علم کا ذکر نہیں جس کا انتشار روحی موت سے ہے، کیونکہ ان میں سیاق

کلام سے علم کے یکبارگی اسیے جانے کا ذکر ہے، جو روحی موت کی نشان دہی نہیں، خصوصاً آخری

آیت میں تو اول احادیث کا علم بیک دفعہ دئے جانے کی تصریح ہے، اسی لئے حضرت یوسف

ایک خواب کی تعبیر بیان کر کے دوسرے موقع پر کہتے ہیں،

ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي رُؤْيُفًا
یہ دونوں جو میرے پروردگار نے مجھ کو سکھایا ہے،

یہ کہیں بیان نہیں کیا گیا کہ خواب کی تعبیر ملانے وقت اُن پر روحی اگر حقیقت سے اُن کو مطلع

کرتی تھی، بلکہ خود اُن کے اندر یہ علمی قوت ہمیشہ کے لئے دو بیت کر دی گئی تھی، اسی قسم کا وہ علم

جس کی نسبت سے بعض انبیاء کو پین ہی میں علیہم (جاننے والا) کا خطاب ملا،

وَبَشِيرَةٍ كَمَا بَعَلُو عَلِيمًا،
اور فرشتوں نے اُس کو ایک بڑے صاحب علم

فرزند کی خوشخبری دی، (ذاریات - ۲)

إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ
ہم تجھے ایک بڑے صاحب علم فرزند کی

خوشخبری دیتے ہیں، (حجر - ۴)

یہاں لفظِ عظیم اختیار کیا گیا ہے عالم نہیں، اور یہ لفظ عالم سے زیادہ علم پر دلالت کرتا ہے، ان آیتوں سے ظاہر ہوا کہ وحیِ موقت جو گاہ گاہ آتی ہے، اس کے علاوہ علم کا ایک دائمی عطیہ بھی نبی کی شان ہے،

علمِ عظیم بہت سے اذیاء کے متعلق علم کے ساتھ علم کا عطا ہونا بھی بیان ہوا ہے، حکم کے معنی لغت میں فیصلہ اور حقی رہا اظہار میں تمیز کرنے کے ہیں جس کا ترجمہ اردو میں سمجھ اور بوجھ کا نتیجہ (یعنی فیصلہ) کر سکتے ہیں، امامِ اربعہ صوفیانی مفردات القرآن میں لکھتے ہیں،

وَالْحَكْمُ النِّسْيَانُ تَقْضِي بِالشَّيْءِ

کسی شے پر حکم کرنا، یہ فیصلہ کرنا ہو کہ یہ شے

بائنہ کن اولئین کن اسواء الذم

ایسی چیز یا ایسی نہیں ہو عالم اس پر کہ اس

ذلت غیرہ اولئین بلزمہ (۱۲۶) ص ۱۲۶

فیصلہ کا تم دوسرے کو پائید کر سکو یا نہ کر سکو

عرفی لغت کی مشہور کتاب لسان العرب میں ہے،

الْحَكْمُ التَّلَوُّ وَالْفَقْهُ الْقَضَاءُ بِالْعَدْلِ (ج ۱۵ ص ۳۱۵) حکم کے معنی علم، سمجھ، اور منصفانہ فیصلہ کرنا،

ان اذیاءِ عظیمہ السلام کو جن پر کسی کتاب کا نازل ہونا ثابت نہیں، اس علم اور حکم کا

ظاہر ہونا ثابت ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ وحیِ کتاب کے علاوہ کسی اور عطیہ علمِ عظیم کی طرف اشارہ

ہو چکا ہے حضرت یوسف کی شان میں ہے

اور جب یوسف جوانی کی قوت کو پہنچا

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ كَرَّمْنَاهُ حُكْمًا

تو ہم نے اس کو حکم اور علم دیا،

وَعِلْمًا (یوسف - ۲۰)

حضرت سید الطائف کے متعلق ہے،

وَأُولَٰئِكَ أَتَيْنَاهُم بِالْحِكْمِ وَآلِئِنَّهُمْ لَكَاظِمُونَ ﴿۱۶۹﴾
اور لوہا کو ہم نے حکم اور علم دیا،

حضرت داؤد اور سلیمان کے ذکر میں ہے،

فَعَلَّمْنَاهُ صَوْنِ الْجَاذِبِ وَأَنَّا
تو ہم نے سلیمان کو، فیصلہ سمجھا دیا،

صُكَّاءَ عِلْمَانًا (نبیاء) ﴿۱۷۰﴾
ہر ایک کو ہم نے حکم اور علم دیا تھا،

حضرت یحییٰ کی نسبت ہے،

يُحْيِي خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ وَآتَيْنَاهُ
اسے یحییٰ! کتاب (قرآن) کو مضبوطی سے پکڑ

الْحِكْمَ صَبِيًّا (مریو۱) ﴿۱۷۱﴾
اور ہم نے اس کو حکم بچپن میں عطا کر دیا،

ایک جگہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل پر اپنی نعمتیں ان الفاظ میں شمار کرتا ہے

وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ
اور بلاشبہ ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب

وَالْحِكْمَ وَالنَّبِيَّةَ، (حاشیہ) ﴿۱۷۲﴾
اور حکم اور نبوت دی،

اس سے معلوم ہوا کہ کتاب و حکم اور نبوت تین چیزیں ہیں، یہاں کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ ان

آیتوں میں حکم سے مراد دنیاوی حکومت اور سلطنت ہے کہ اس معنی میں یہ لفظ خاصاً

قدیم عربی میں نہیں آیا، یہاں عجم کا ماورہ ہے، قرآن نے ہر جگہ اس کو فیصلہ اور قوت فیصلہ

معنی میں استعمال کیا ہے جیسے

فَأَحْكُمُوا بَيْنَنَا بِالْحَقِّ (ص) ﴿۱۷۳﴾
ہمارے درمیان حق کیساتھ فیصلہ کر،

فَأَحْكُمُوا بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ (ص) ﴿۱۷۴﴾
تم لوگوں کے درمیان حق کیساتھ فیصلہ کر،

وَأَن حُكِّمَتْ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ (مائدہ ۶۴) اور اگر تو ان کے درمیان فیصلہ کر تو انہماک

حضرت داؤد اور سلیمان ایک مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہیں،

وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي

اور داؤد اور سلیمان کو جب وہ دونوں

الْحُكْمِ، (انبیاء - ۶)

کھیت کا فیصلہ کر رہے تھے،

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكِّمُوا

اور جس کسی چیز میں تم نے اختلاف کیا تو

إِلَى اللَّهِ ط (شوری - ۲)

اس کا فیصلہ اللہ کی طرف سے،

سب سے بڑھ کر یہ کہ یہی تین باتیں سورہ انعام میں بہت سے پیغمبروں کے نام گنا کر لی گئی ہیں

أُولَئِكَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا الْكُفْرَ

یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاباً

وَالْحِكْمَةَ وَالنَّبُوَّةَ ج (انعام)

حکم اور نبوت بخشی،

جن پیغمبروں کے نام اوپر گناے گئے ہیں، اور جن کی طرف وہ لوگ گمراہ کیا گیا ہی

یہ ہیں، ابراہیم، اسحاق، یعقوب، نوح، داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ، ہارون، زکریا، عیسیٰ

عیسیٰ، الیاس، اسماعیل، الیسع، یونس، لوط، عظیم السلام، ان اٹھارہ ناموں میں حکم یعنی حکومت

مطلوبہ، اگر ہو، اور اس کے سنی صرف دو ہیں، سلیمان اور داؤد اور چاہتے کسی طرح کسی تاویل

سے یوسف اور موسیٰ کو بھی شامل کر لیجئے، باقی چودہ نام ان پیغمبروں کے ہیں جن کو اس کا کوئی حصہ

نہیں ملا تھا، اس لئے اجمال حکم کا لفظ قرآن میں عربیت کے اصلی اور صریح معنی میں مستعمل ہی

اور اس لفظ سے خدا کا جو مقصود ہے وہ کتاب کے ساتھ ساتھ ان پیغمبروں کو برا بر حیثیت میں ملا تھا،

خدا کسی کو پورا پورا چاک کرنے کے لئے ایک اور آیت کریمہ پر نظر ڈالئے،

مَا كَانَ لِلْبَشَرِ أَنْ يُوتِيَ اللَّهُ الْكِتَابَ

کسی بشر کے لئے یہ زیبا نہیں کہ اللہ کو

کتاب حکم اور نبوت دی، پھر وہ لوگوں

سے کہے کہ تم خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بنو

بلکہ جو تم کتاب (تورہ) سکھاتے تھے،

جو تم پڑھتے تھے، اس کے ذریعے تم

خدا والے بنو،

وَأَحْلَمُوا النَّبِيَّةَ شَرًّا يَقُولُ لِنَا

كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ

لَكِنَّ كُونُوا أَرْبَابًا نَبِينَ بِمَا كُنْتُمْ

تُعَلِّمُونَ الْكَلْبَ وَبِمَا كُنْتُمْ

تَدْرُسُونَ (زل عمران - ۸)

ان آیتوں میں مخاطب اہل کتاب ہیں اور جس مقدس بشر کا ان میں ذکر ہے بظاہر اس

مراد حضرت عیسیٰ ہیں اور نہ ہون تو خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ اس وقت کی

بات ہے جب یہود کی پوری قوت مدینہ کے اطراف اور حجاز میں موجود تھی اور اسلام ہنوز ان کے

مقابلہ میں کمزور و ناتوان تھا، ایسی صورت میں جس حکم کے ملنے کا ذکر ان آیتوں میں ہے، وہ

کتاب اور نبوت ہی کی جہت سے کوئی چیز ہو سکتی ہے کہ حضرت عیسیٰ کو تو حکومت و سلطنت کا

ادنیٰ شاہ بھی عطا نہیں ہوا تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک جب تک بنی

اسرائیل اپنی تمام قوت کے ساتھ مدینہ اور حجاز میں موجود تھے اور تب نہیں ملا تھا، آیتانِ الحکم

الہی اللہ میں بھی حکمت سے مراد وہی فیصلہ اور قضا ہے، بانی ہی حکومت و سلطنت نہیں تھیں

کے لئے اس آیت کے آگے پیچھے کے الفاظ پر نظر ڈالو۔

کہہ سکتے ہیں (پنیر) کہ میں اپنے پروردگار

کی کھلی دلیل پر ہوں، اور تم اس کو چھوڑ

ہو، میرے پاس وہ نہیں جس کی تم جلدی

قُلْ إِنِّي عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّي وَ

كَذَّبْتُم بِهِ مَا عِنْدِي جَاهِدٌ

تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ إِنَّ الْخَلْقَ

اَللّٰهُ، يَقْضُ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ
کرتے ہو، فیصلہ کسی کا نہیں لیکن اللہ کا

وہ حق بیان کرتا ہے اور سب فیصلہ

الْفَاصِلِينَ،

(انعام - ۷) والوں سے وہ بہتر ہے،

ان وجوہ سے اس میں کوئی شک نہیں رہتا کہ انبیاء علیہم السلام کو منصب نبوت اور وحی
کتاب کے ساتھ حکم کی سند بھی ملتی ہے جس کے صاف و صریح معنی کلامِ عرب، اور لغت
اور قرآن کے ترمیذین سے علمِ فہم، فیصلہ، اور حق و باطل میں تمیز ہے، اور اس لئے رسول کی اس
قوت و طاقت کے نتائج بھی ہمارے لئے واجب العمل ہیں،

شرح صدر | ربانی علم و معرفت کا ایک اور مقام شرح صدر ہے شرح صدر کے معنی سینہ

کھولنے کے ہیں، عام خیال یہ ہے کہ سینہ کی تنگی اور تنگی جہل و نادانی کی علامت ہے اور سینہ کی

اور فراخی، علم کی وسعت اور معرفت کی فلولانی پر دلالت کرتی ہے، اسی لئے شرح صدر کے معنی

اور مجازاً اسی معنی علم کی کثرت اور آگاہی کی وسعت کے ہیں، اور خاص طور سے اُس علم و معرفت

اور اطلاع و آگاہی پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جو کسی وقت اور مشکل مسئلہ کے متعلق و فتنہ

اور بیک بیک قلب میں وارد ہو جاتی ہے، اور اس صل سے اُس کی نفسی تسکین ہو جاتی ہے

اُس کے شکوک و شبہات دور ہو کر اس کو یقین کی راحت و مسرت حاصل ہو جاتی ہے،

ابن دریر میں ہے،

والشرح من قولہ شرح لک شرح اہل عو کے اس محاورے سے ہے کہ میں

الامر اسی اور صحتہ کشفہ تیرے لئے بات کی شرح کر دی یعنی اسکو واضح

وشرح الله صدره فانشرح اذا

انسع لقبول الخبير

(۲ - ۱۳۲)

صراح جو ہری میں ہے،

الشرح الكشف تقول شرح

الغامض اذا فرغته،

لسان العرب میں ہے،

الشرح الكشف يقال شرح فلان

امرک ای اوضحه وشرح مسئلته

مشکلتہ بینہا، وشرح الشئ شرحہ

شرحاً وشرحہ فتحہ بینہ وکشفہ

وکل ما فتح من الجواهر فقد شرح

تقول شرح الغامض اذا فرغته

..... وشرح

الله صدره لقبول الخبير شرحه

شرحاً فانشرح ووسع لقبول

الحق فانسع،

کر دیا، اور کھول دیا، اور اللہ نے اس کے

سینہ کو کھول دیا، تو وہ کھل گیا یعنی جیسا

نیکی کے قبول کرنے کے لئے وسیع ہو گیا،

شرح یعنی کشف (کھولنا) تم کہتے ہو میں نے

اس پوشیدہ مسئلہ کی شرح کر دی یعنی اس

کی تفسیر کر دی

شرح یعنی کشف ہوا کہا جاتا ہے کہ فلان نے

اس کی بات کی شرح کر دی یعنی اس کو واضح

کر دیا اور مشکل مسئلہ کی شرح کر دی یعنی اسکو

بیان کر دیا، اور کسی چیز کی شرح کر دی یعنی

تفصیل کر دی، اور کھول دیا، اور جو اس میں ہے

جو کھولا جائے تو اسکی شرح کہیں تم بولتے ہو

پوشیدہ مسئلہ کی شرح کر دی یعنی تفسیر کر دی.....

..... اور فرمانے اس کے سینہ کو کھول دیا کہ اس کی

بات کے قبول کرنے کے لئے وسیع کھل گیا، یعنی

اسکو قبول حق کیلئے وسیع کر دیا تو وہ وسیع ہو گیا

قال ابن الاعرابي: الشرح الحفظ والشرح ابن اعرابي نے کہا: شرح کے معنی ہیں،

الفتح والشرح البيان والشرح الفهم یاد رکھنا، کھولنا، بیان کرنا، سمجھنا،

قرآن مجید میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نبوت کا منصب ملنے وقت دعا مانگی،

رَبِّ لَشِّحْ لِي صَدْرِي وَكَيْسِرْ لِي اے میری سینه کو میری زبان سے

اَمْرِي وَاَحْلِلْ عُقْدَةَ لِسَانِي اور میرے کام کو میری زبان سے کھول دے

يَفْقَهُوا قَوْلِي، (طہ - ۲) میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ

میری بات کو پوری طرح سمجھیں

دعا کے پہلے جملہ میں حضرت موسیٰ نے اپنے لئے شرح صدر کی استدعا کی، ہی اور آخر میں

فصاحت بیان کی، یعنی اولیٰ میں صحیح معانی کے الفاظ اور آخر میں اُن کے لئے صحیح الفاظ کے انتخاب

کی ہے تاکہ اُن کی دعوت و تبلیغ کو مخاطب سمجھ سکیں، لیکن یہ دولت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو بن مانگے ملی، خدا نے فرمایا،

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ وَوَضَعْنَا کیا ہم نے (اے محمد) تیرے سینے کو تیرے سینہ کو

عَنْكَ وَنَدَرْنَا، (الفتح - ۱) کھول دیا، اور تیری بوجھ کو کھنکھاتا دیا

شرح صدر اور سینہ کھولنے کی جو تشریح امام ایشی صحیح میں مذکور ہے، اس کے لئے عالم صفا

شش صدر ہے، یعنی عالم رویا یا بیداری میں فرشتوں نے اکبرینہ مبارک کو دشگاف کیا،

کو آب زمزم سے دھویا، اور سورسے کے طشت میں ایمان اور حکمت بھر کر لائے، اور اُن سے

سینہ مبارک کو دھور کر کے دشگاف کو برابر کر دیا، اگر یہ واقعہ اپنی ظاہری حقیقت پر محمول کیا جائے

تو صحیح بخاری صحیح مسلم نسائی ابویسعریان دامت برکاتہم اجمعین و سنہ احمد بروایت انس بن مالک و سنن ترمذی وغیر

سورۃ الفتح،

تو بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ سینہ مبارک کو واقفاً چاک کر کے اور زمزم کے پانی سے پاک و صاف کر کے ایمان اور حکمت اس میں بھری گئی، اور اگر تمہیں کے رنگ میں لیا جائے تو یہی حقیقت ہے پڑے گی کہ سینہ صافی ایمان و حکمت سے معمور کیا گیا، بہر حال شرح صدر کی حقیقت ایمان اور حکمت کی ربانی بخشش ہی

شرح صدر کے ان تذکرہ بالا معنی کو جو شرح صدر کے واقعہ کی تفصیل سے واضح ہے، اگر کوئی تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہو تو بھی بھلائی کہ اس کی تسکین کا سرمایہ قرآن پاک میں موجود ہے سورہ زمزم میں ہے،

أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلدِّينِ
فَهُوَ عَلَى نُورٍ مِّنْ رَبِّهِ (زمزم ۳)

بھلا جس کا سینہ اللہ نے اسلام کیلئے کھول دیا
تو وہ اپنی پروردگار کی طرف سے ایک روشنی میں ہے

اسلام کے لئے سینہ کے کھول دینے سے مقصود یہ ہے کہ اسلام کی حقیقت نورانی طور پر ہے اس طرح کھل گئی کہ اس کو اسلام کی سچائی کا پوری طرح یقین آ گیا، اور اس کو اپنے اس یقین پر کمال شکیں نہیں ہوگی، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کو اپنی منزل مقصود کے ہر قدم پر اللہ کی روشنی حاصل ہے، یہی شرح صدر کی حقیقت ہے، اور اس روشنی کی کمی و بیشی درجوں اور منصوبوں کے مطابق ہوتی ہے،

اس سلسلہ میں ہمیشہ کے وہی سے موقعوں کا ذکر کرنا ہے، جن سے لفظ شرح صدر کے معنی کی پوری تشریح ہو جاتی ہے، یہاں یہ نکتہ پیش نظر ہے کہ ان حدیثوں سے معنوی احتیاج یہاں مقصود نہیں بلکہ صدر اول کے کلام عرب سے شرح صدر کے معنی کی تشریح مقصود ہے،

۱۔ پہلا واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد، عرب کے بعض قبیلے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کرتے ہیں، حضرت ابو بکر صدیقؓ ان پر فوج کشی کا ارادہ کرتے ہیں، حضرت عمر فاروقؓ آ کر عرض کرتے ہیں کہ یا خلیفہ رسول اللہ! ان سے جہاد کیونکر ممکن ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے لا الہ الا اللہ کہا، اس نے اپنی جان و مال کو مجھ سے بچا لیا، حضرت صدیقؓ جواب دیتے ہیں، خدا کی قسم! میں اس سے لڑوں گا، جو زکوٰۃ اور نماز میں فریضہ کرتا ہے، نماز خدا کا حق ہے، اور زکوٰۃ بندوں کا حق ہے، اگر وہ بکری کا ایک بچہ بھی جس کو وہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں دیتے تھے، اب نہ دیں گے تو میں ان سے لڑوں گا۔ اس کے بعد حضرت عمر فرماتے ہیں،

تو خدا کی قسم، نہ تھا یہ، لیکن یہ کہ کھول دیا تھا

فَوَاللّٰهِ مَا هُوَ اِلَّا اِنْ قَدْ شَرِح

اللہ نے ابو بکر کے سینہ کو، تو میں نے جان

اللہ صد راہی بگو عرفت انہ

لیا، وہی حق ہے

الحق، بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ

۲۔ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ جنگ یمامہ میں قرآن کے بہت سے حافظ شہید ہوئے اس وقت حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ کو مشورہ دیا کہ قرآن پاک کو ایک تریب سے گاندھ پر لکھ لیا جائے، حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا کہ میں وہ کام کیونکر کروں جس کو خود رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا، لیکن حضرت عمرؓ اپنے مشورہ کے بہتر ہونے پر اصرار کرتے رہے، یہاں تک کہ حضرت ابو بکرؓ کی سمجھ میں بھی بات آگئی، اس موقع پر حضرت ابو بکرؓ کہتے ہیں،

فلو يزل عمرير جعفي حتى شرح الله

صدره لذلک ورايت في ذلک

الذی داعی عمداً (صحیح بخاری جمع القرآن) بھی وہی دیکھا جو عمر ذکھتے تھے،

ان دونوں موقعوں پر لفظ شرح صدر اپنے استعمال کا محل اور اپنی حقیقت کو ظاہر

کو ظاہر کر رہا ہے، یہی شرح صدر ہے جس کو قرآن نے جیسا کہ اوپر سورہ زمر کے حوالہ سے گذرنا نوربائی یا نور بصیرت کہا ہے،

آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کو شرح صدر کی جو وسعت عطا ہوئی تھی اُس کے سمجھنے سے

پہلے بلاغت کا ایک مسئلہ سمجھ لینا چاہئے، جب کوئی لفظ متعلقات کے صلہ اور مفعول کیساتھ مقید ہو کر بولا جاتا ہے، تو اس سے منہی کی تخصیص و تحدید ہو جاتی ہے، لیکن وہی لفظ جب

متعلقات کے صلہ اور مفعول کی قید کے بغیر بولا جائے گا، تو وہ عموم کے ساتھ فعل کے ثبوت کا فائدہ دیکھا، مثلاً علم (جاننا) مفعول کو چاہتا ہے، جس چیز کا علم ہوتا ہے اسکو عبارت میں مفعول بنا

ہیں، اور اس عبارت میں اس علم سے مقصود اسی خاص شیء کا علم ہوتا ہے جسکو مفعول بنایا ہے، لیکن اگر مفعول کو حذف کر دیں تو اُس کا مقصد کسی خاص چیز کے علم کے بجائے مطلق اور عام علم کا ثبوت ہوگا۔

ایک جگہ قرآن میں ہُوَ یَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (روہ) وہ حیاتِ دنیا کا ظاہر ہی پہلو جانتے ہیں، ظاہر ہے کہ اس علم کا تعلق صرف ایک چیز کے علم سے ہی یعنی دنیا کا ظاہری زندگی

کے علم سے، عام علم سے نہیں، لیکن دوسری جگہ ہُوَ هٰنِلٌ یَّسْتَوِي الَّذِیْنَ یَعْلَمُونَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُونَ کیا جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے (یعنی جو علم رکھتے ہیں اور جو علم نہیں رکھتے)۔

و دون برابر ہو سکتے ہیں، یہاں یہ ذکر نہیں کہ کس خاص بات کو جانتے ہیں، بلکہ مقصود عام علم ہے،
تو یہاں معنی یہ ہون گے، کہ جو ہر طرح کے علم والے ہیں، اور جو مطلق بے علم ہیں، او دون برابر نہیں ہوتے
بلاغت کی کتابوں میں ہو یا مروی و لعی و یمنع ہو یا ضحک و ابکی کی مثالوں سے اس مفہوم
کی توضیح کی گئی ہے،

اس تہید کے بعد شرح صدر کے گذشتہ استعمالوں اور مثالوں پر نظر ڈالئے، ہر جگہ آپ کو
یہ معلوم ہو گا کہ جس بات کے سمجھنے کے لئے سینہ کھولا جاتا ہے، اس پر لام آتا ہے، یا قرینہ سے سمجھا جاتا
ہو کہ مثلاً اسلام کے لئے سینہ کھول دیا، جمع قرآن کے لئے سینہ کھول دیا، مانعین زکوٰۃ کے قائل
کے لئے سینہ کھول دیا، مگر حضرت موسیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے قرآن میں جس شرح
کا ذکر ہے، اس میں اس بات کا ذکر نہیں ہے جس کے لئے ان انبیاء علیہم السلام کے سینے کھولے
گئے، اس سے یہ مقصود ہے کہ ان انبیاء کو امور دین میں مطلق اور عمومی شرح صدر عنایت ہوا، اور
ہیں سے عام امت اور انبیاء کے فرق مراتب کا اظہار ہوتا ہے، کہ امت کے عام افراد
کو خاص خاص امور کے سمجھنے کے لئے شرح صدر ملتا ہے، اور انبیاء کو اپنے دائرہ میں کلی، اور
عمومی حیثیت سے یہ چیز عنایت ہوتی ہے،

ایک اور لطیف پہلو بھی یہاں ذکر کے قابل ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا، اور حضرت
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان و دونوں موقعوں پر خدا اور ملک ہے، حضرت موسیٰ کی
ہیں میرے لئے میرے سینہ کو کھول دے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خدا نے تعالیٰ فرمایا
کہ کیا میں نے تیرے لئے تیرے سینہ کو کھول نہیں دیا، سوال یہ ہو کہ میرے لئے "اور تیرے لئے"

اعضائے ضرورت، اور اس لام کی حاجت کیا تھی؟ مفسرین میں امام زمخشری نے اس سوال کے جواب دینے کی کوشش کی ہے، اور لکھا ہے کہ یہ صرف تاکید کے لئے ہے، حالانکہ لام تملیک کے بجائے لام افادہ ہے، جیسا کہ خلق لکھو مافی الارض جمعاً میں ہے، مقصد یہ ہے کہ یہ شرح صدر کی دولت تجھ کو تیرے لئے ہے یعنی تیرے کشفِ علم کے لئے یا تائید کے لئے، یا فائدہ کے لئے اور یہ کشفِ علم اور شرح صدر خود تیری ذات کے لئے ہے کہ وہ کمال سے کمال اتر کر ظاہر ہو،

اب آخری سوال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو دین کا جو یہ عمومی شرح صدر عنایت

ہو، اس کا کوئی اثر و نتیجہ بھی تو رہا ہو گا، تو دراصل اسی کے یہ آثار و نتائج ہیں جو افعال و اقوال اور احادیث و سنن کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں،

تبین کتاب آنحضرت ﷺ دنیا میں جس شریعت کو لیکر آئے، وہ آخری اور ابدی تھی

اور ایسی آخری اور ابدی شریعت کے لئے ضروری تھا کہ وہ زیادہ تر زور شریعت کے کئی اور ابدی

اصول و مبادی پر دے چنانچہ اس آخری وحی الہی نے اپنی کتاب کو صرف اصول و کلیات تک

محدود رکھا، اور جزئیات کے لئے اپنی آیتوں میں ایسے اشارے رکھے جن کے ہمارے سو ڈول

جو علم و معرفت سے پر نور اور حکم و حکمت سے معمور اور شرح صدر اور تائید ربانی سے فیضیاب ہوں

وہ علی قدر مراتب جزئیات کو صحیح طور سے جان لیں، چنانچہ یہ رتبہ سب سے پہلے خود نبیؐ کو ملا، اور

چونکہ وہ خطا سے معصوم ہے، اس لئے اس کے اس منصب کے نتائج بھی خطا سے محفوظ ہیں، پھر سید

رسول ﷺ کے وسیلہ سے یہ منصب خلفائے راشدینؓ، اکابر صحابہؓ، ائمہ تابعینؓ، تبع تابعینؓ و مجتہدین

عظام اور علمائے اعلام کو ہمیشہ ملتا رہا، اسی کا اصطلاحی نام اجتہاد ہے جس کو ہر زمانہ

معنوں میں ہوتا ہے، ایک اعلان اور اظہار کے معنی میں یعنی اخفا کے مقابل دوسرے توضیح و تفسیر کے معنی میں، قرآن پاک میں یہ لفظ "تبین" اپنے دونوں معنوں میں آیا ہے، اب یہ تیز کہ کس آیت میں کیا معنی مراد ہیں، سیاق و سباق اور موقع و محل سے ہوتی ہے، مثلاً ایک جگہ قرآن پاک میں ہے،

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا
يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ
مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ
(مائدہ ۴-۵)

اے کتاب والو! تمہارے پاس ہمارا رسول
آیا کہ کتاب کی جو باتیں تم چھپاتے تھے، وہ
ان کو تمہارے لئے ظاہر کر دے، اور بہت سی
باتوں سے درگزر دے۔

یہاں "تبین" صریح طور سے اخفا کے مقابلہ میں ہے، اس لئے یہاں "تبین" کے معنی یہ
طور پر اظہار و اعلان کے ہیں لیکن یہی لفظ دوسری جگہ سورہ نحل میں اس طرح آیا ہے،
وَمَا نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا تِبْيَانًا
لِّمُؤْمِنِي خَلَّفُوا فِيهِ وَهَدَىٰ
رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ،
اور ہم نے تجھ پر کتاب نہیں اتاری لیکن اسلئے
تاکہ تو واضح کر دے، اس کو جس میں نکلنے
نے اختلاف کیا، اور ایمان والوں کے لئے
دہنمانی اور رحمت بنا کر اس کو اتارا،
(نحل - ۸)

اختلاف کے مقابلہ میں اظہار اور اعلان کی نہیں، بلکہ توضیح و تشریح کی ضرورت ہی کہ
جس امر میں اختلاف ہو، وہ اس توضیح و تفسیر کے بعد دور ہو جائے، اب پہلی آیت پر غور کرنا
چاہئے جو اسی سورہ میں ایک اور مقام پر ہے،
وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ
اور ہم نے (اے پیغمبر!) تمہاری طرف نصیحت

لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ
يَتَفَكَّرُونَ،

کی کتاب (قرآن) کو آتا تاکہ لوگوں کی
طرف جو آتا گیا، تو اُس کو ان کے لوگوں کو

(محل - ۶) بتا دے شاید کہ وہ سوچیں،

سوال یہ ہے کہ اس آیت پاک میں بیان کرنے کے معنی ظاہر کرنے کے ہیں، یا تشریح
و تفصیل کرنے کے؟ ہمارا دعویٰ ہے کہ ظاہر کرنے کے معنی یہاں غور و فکر کی مناسبت اور تشریح
کے سبب تشریح و تفصیل کے معنی لینا صحیح ہے، امر محقق کا اظہار سننے اور ماننے کے تو مناسب ہو سکتا
ہو مگر سوچنے کے نہیں، سو سوچنے اور غور و فکر کرنے کے لئے یہاں تشریح و تفصیل کی ضرورت ہے
نہ کہ اظہار و اعلان کی، اب جب کہ آنحضرت ﷺ کی تفصیل و تبیین کا منصب خدا کی طرف تھا
تو اُس تفصیل و تبیین کی پیروی اور اتباع بھی خدا ہی کے احکام کی پیروی ہوگی، اور آپ کی پیروی
و تشریح آپ کے ذرِ حِکْمَتِ کَافِیضَانِ ہوگا جس کے اشارے خود کتاب الہی کے اندر آپ کو موجود نظر آتے تھے
اور اہل انسانی الفاظ میں یہ قدرت نہیں کہ ان کے ذریعہ سے کوئی ایسا قانون وضع
کیا جاسکے جو ایک طرف اختلافِ فہم و محفوظ رہے، اور دوسری طرف اُس میں نہ سکتا ہو کہ
تمام آئینہ پیش آنے والے واقعات چرن کے جزئیات کی کوئی حد نہیں پوری طرح حاوی ہو سکے
لیکن فہم انسانی کے اختلاف کے جو عناصر قانون میں ہوتے ہیں، گوان کو تمام تر دور نہیں کیا جاسکتا
تاکہ ان کو کم کیا جاسکتا ہے، اسلام نے اپنے قانون الہی سے جو بہر حال انسانی بول چال کے
الفاظ میں ہے، اس اختلافِ فہم کے نقص کو کم کرنے کے لئے یہ کیا کہ اپنے رسول کی معرفت باطنی
اور علی طور سے اُس کی تشریح و تبیین کرادی گوانسانی ذرائع حفظ و روایت کی فطری کمزوریوں

کے سب سے اس تشریح و تبیین میں بھی اختلافِ فہم پیدا ہو گیا، مگر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اگر یہ تشریح تبیین نہ ہوتی، تو اختلافات کی خلیج اس سے بھی زیادہ عمیق اور وسیع ہوتی،

روزمرہ کے پیش آتے رہنے والے جزئیات کے فیصلہ کی یہ صورت رکھی گئی کہ آنحضرت ﷺ علیہ وسلم کی عدالت میں روزانہ اس قسم کے واقعات اور مقدمات پیش ہوتے رہتے، اور آپ ﷺ کی کتاب کے اصول و کلیات کے ماتحت اپنے ذریعہ بصیرت اور فہم حکمت سے ان کے فیصلے فرماتے رہتے، خلفائے راشدین نے اپنے اپنے عہد میں ان نو بنوا اور تازہ بہ تازہ واقعات کے فیصلوں کے لئے اولاً وحی کتابی کو اور اس کے بعد آنحضرت ﷺ کے ان قضایا اور فیصلوں کو جو فہم نبوت، نور بصیرت، اور اہدایت الہی کے ذریعہ فیصلہ ہوئے تھے، اپنا ماخذ قرار دیا، اور یہی اصول بعد کے فقہاء اور مجتہدین نے اختیار کیا، اور ہر نئے واقعہ کو وحی کتابی اور فیصلہ نبوی کے منصوص و مسلم معیار پر جانچ کر ان میں سے کسی نہ کسی مماثل اور مشابہ فیصلہ پر قیاس کر کے اپنے فیصلے دیئے، اور جو چیزیں ان میں نہ ملیں ان کو معمولی عدل و انصاف رسم و رواج، عقل و فکر و استحسان وغیرہ کے اصول پر سمجھ کر ان کا فیصلہ کیا، یہی مجموعہ آج فقہ اسلامی کہلاتا ہے،

وحی الہی قرآن پاک میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے قضایا اور فیصلے احوال و اثبات و سنن

کی صحیح روایتوں میں محفوظ ہیں، وحی الہی کی صداقت میں تو کلام نہیں ہو سکتا، اب رہ گئی آنحضرت ﷺ کے قضایا اور فیصلوں کی پیروی تو اس کے متعلق بھی وحی الہی ناطق ہے،

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ
لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَادَ اللَّهُ

ہم نے اسے پیغمبر (تیری طرف سے) نازل کیا

کتاب آ رہی تاکہ لوگوں کے درمیان جو چھکے

(نساء - ۱۶) اللہ سوچھائے اُس کے ذریعہ فیصلہ کرے،

اس کتاب الہی کے نزول کی غرض ہی یہ تباری گئی ہے کہ تو اسے پیغمبر! اس کے احکام اور
قوانین کو لیکر اُس فہم کے ذریعہ جو کچھ اللہ تعالیٰ تجھ کو سوچھائے اور دکھائے تو لوگوں کے
درمیان فیصلہ اور انصاف کرے، اللہ تعالیٰ کا اپنے پیغمبر کو ہی سوچھانا اور دکھانا جو کچھ تھا، وہ
آپ کے عمل اور قضایا، اور فیصلوں کی صورتوں میں محفوظ ہے، اور اسلام کے قانون کا وحی الہی
کے بعد دوسرا ماخذ ہے،

آنحضرت ﷺ کے عدل و انصاف پر خود منافقین تک کو بھروسہ تھا، چنانچہ
اُن کا قاعدہ تھا کہ جب اُن کا حق کسی پر ہوتا، تو وہ دوڑے ہوئے عدالتِ نبوی میں حاضر
ہوتے، کیونکہ سمجھتے تھے کہ یہ حق آپ ہی کی عدالت سے ہم کو ملے گا، لیکن جب اُن پر کسی کا حق
نکلتا تو وہ ٹال جاتے، اور دوسرے طریقہ سے فیصلہ چاہتے اس پر اللہ تعالیٰ نے انکی سزائیں

وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ
لِيُحْكَمَ بَيْنَهُمَا إِذَا فَرِقُوا مِّنْهُم مَّن
وَأِنْ تَكُنْ لَهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ
مُذْعِبِينَ، إِنَّ قُلُوبَهُمْ مُّرْسَخَةٌ
أَمِادًا بَلَّوْا مِخَافُونَ أَن يَحْجَبَ
اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ بَلْ أُولَئِكَ
هُوَ الظَّالِمُونَ، إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ

اور جب وہ اللہ تعالیٰ اور رسول کی طرف
بلائے جائیں کہ رسول اُن کے درمیان فیصلہ کرے
تو اُن میں سے کچھ لوگ منہ موڑتے ہیں اور اگر کو
کچھ حق پہنچتا ہو تو فرما کر دار بن کر رسول کے
پاس چلے آئیں کیا اُن کے دل میں بیماری ہے یا
وہ شک میں ہیں، یا وہ ڈرتے ہیں کہ خدا
اُس کا رسول اُن کیساتھ بے انصافی کرے گا بلکہ

وہی لوگ بے انصاف ہیں ایمان اوں کی بات
یہ تھی کہ جب ان کو خدا اور رسول کی طرف بلا

جائے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے

تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا، انہی لوگوں

کا بھلا ہوا اور جو کوئی اللہ کے اور اسکے رسول کے

حکم پر چلے اور اللہ سے ڈرنا ہوا اور اللہ سے بچکر چلے

إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ

بَيْنَهُمْ إِنْ يَتَّقُوا اللَّهَ وَاسْمَعُوا وَأَطَعُوا

وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ وَمَنْ

يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَخَشِيَ اللَّهَ ذُو

يَقَّةٍ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ،

(نور - ۷)

وہی لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں

ان آیات سے معلوم ہوا کہ رسول کے تمام فیصلے منصفانہ ہوتے تھے، اور رسول کے فیصلوں

کی اطاعت خود خدا کے حکم کی اطاعت ہی بلکہ ایمان کی دلیل اور نشانی ہے،

تو قسم ہر تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے

جب تک ہ تجھے اپنے جھگڑوں کا نصف

بنائیں، اور پھر جو تو فیصلہ کرے اس پر ذرا

میں خفا کی نہ پائیں اور پھر یہی طرح تسلیم کریں

اور مومن مرد، یا مومن عورت کا یہ کام

نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول فیصلہ

کر دے تو ان کو اپنے کام کا اختیار ہو

جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی

کی وہ کھلا گمراہ ہوا،

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحْكُمُوا بِكَ

فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ

حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا،

(نساء - ۹)

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ

إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ

يَكُونُوا لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَ

يَعْصِ اللَّهُ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ

ضَلَالًا مُبِينًا، (احزاب ۵)

اطاعت و مطلقاً سرنگندگی اور تمام فیصلوں کے قطعی حق اور منصفانہ فیصلہ ہونے کی رہائی
 ذمہ داری ہر حاکم وقت اور سلطان زمانہ کے لئے نہیں، یہ انبیاء کے لئے خاص ہے، وہ شخصوں کے
 یا ہی جزئی شخصی مقدمات کا فیصلہ ظاہر ہے کہ خود اللہ تعالیٰ وحی قرآنی کے ذریعہ نہیں کرتا
 تھا، بلکہ رسول کے فہم نبوت، نور نبوت، فیض حکمت، شرح صدر، تبیین حقیقت اور امانت
 (دکھانا اور سوچھانا) کے ذریعہ فرماتا تھا، لیکن کلیات کی حیثیت سے وہ یقیناً وحی قرآنی
 کے مطابق ہوتا تھا، اور ان کلیات کے مطابق ان جزئیات کا فیصلہ خود اللہ تعالیٰ آپ کو سونپا تھا
 آپ کے ان قضایا اور فیصلوں کی رضامندانہ اطاعت ہر مسلمان پر قیامت تک
 ضروری ہے، آپ کی زندگی کے بعد ان فیصلوں کی اطاعت یہ ہے کہ اس قسم کے مقدمات اور معالجات
 میں ہم بھی فیصلے جاری کریں جو آپ نے اپنی زندگی میں ان کے متعلق کئے کہ آپ کے فیصلے حکم خدا عظمیٰ سے
 پاک، علم سے بری، اور بے انصافی سے منزہ تھے، اور دنیا میں رسول کے سوا کسی انسان کو
 اس بے گناہی اور عصمت کا درجہ اور رتبہ حاصل نہیں،

رسول کا وجود مستقل ہدایت ہے | اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو امام و پیشوا اور ہادی و رہنما فرمایا ہے
 یعنی نبوت اور وحی سے سرفراز ہونے کے بعد ان کی ذات محترمہ ہدایت رہنمائی اور امانت
 پیشوائی کے لئے خاص ہو جاتی ہے، ان کی بعثت اسی لئے ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کی رہنمائی
 فرمائیں اور ان کو ضلالت و گمراہی سے بچائیں جس امت میں مبعوث ہوتے ہیں، اس
 سامنے ہدایت رہنمائی کے دو چراغ روشن ہوتے ہیں، ان دونوں کی روشنی مل کر ایک بڑی
 ہی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جنہیں یہود اپنی شرارت اور سازش سے گمراہ بنا چاہتے تھے، خطاب کے فرمایا،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا
فِرْقَانًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوْ
بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كُفْرًا ۚ وَكَيْفَ
تَكْفُرُونَ وَآنْتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ آيَاتُ
اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ ۚ (آل عمران ۱۰)

اے مومنو! اگر تم اہل کتاب کے کسی گروہ کا
کہا مانو گے تو وہ ایمان لائے جانے کے بعد تمہیں
مرد کر کے کافر بنا دیں گے اور تم کو کیونکہ کفر
کرنا چاہیے اور نیک تم کو اللہ کی آیتیں
سنائی جاتی ہیں، اور تم میں اللہ کا رسول

آیت کے آخری ٹکڑے سے ثابت ہوا کہ کفر سے بچانے والی دو مستقل چیزیں مسلمانوں کے
پاس تھیں ایک تو آیاتِ الہی جو ان کو سنائی جاتی تھیں اور دوسری خود رسول کا مستقل وجود
جو اپنی تعلیم و تلقین، فیضِ صحبت اور اثر سے ان کو بھکنے نہ دیتا، اور خلافت سے مانع آتا تھا
اگر صرف کتابِ الہی اس کام کو انجام دے سکتی، تو رسول کے ذکر کی حاجت بلکہ خود نبوت کی
ضرورت کیا تھی، اس سے یہ واضح ہوا کہ اللہ کی کتاب سامت (قرآن) اس کی کتابِ ناطق
(رسول) سے مل کر اپنے فریضہ کو انجام دیتی ہو اور غالباً اس حدیث صحیحہ کے بھی یہی معنی ہیں،
جس کا اعلان اپنے حجۃ الوداع سے واپسی میں اپنی وفات سے کچھ ہینوں پہلے فرمایا،
انی تارک فیكما الثقلین کتاب اللہ ورسولہ
اللہ و سنتی،
مسلمانو! میں تمہاری دو چیزیں چھوڑ
جاتا ہوں اللہ کی کتاب اور اپنی سنت یعنی

ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کا ظاہری وجود مٹ گیا
مگر آپ کی عملی زندگی جس کو سنت کہتے ہیں، قائم و باقی ہے، اور وہ بھی قرآن کے بعد ہماری
ہدایت کا دوسرا سرچشمہ ہے،

تذکیہ | انبیاء علیہم السلام کا عموماً اور آنحضرت ﷺ کا خصوصاً ایک اور امتیازی وصف
تذکیہ ہی تذکیہ کے معنی پاک و صاف کرنے کے ہیں، نبوتِ محمدیہ کے اس وصف کا ذکر ان آیتوں میں
ہو جن میں آپ کی یہ توصیف کی گئی ہو ایک رسول جو لوگوں پر خدا کی آیتیں تلاوت کرتا ہو، اُن
کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہو، اور اُن کو پاک و صاف کرتا ہو، ظاہر ہے کہ آپ کا یہ تیسرا وصف
دو پہلے اوصاف سے الگ ہی یہ پاک و صاف کرنا، آیاتِ الہی کی تلاوت، اور کتاب و حکمت
کی تعلیم کے بعد نبی کی عملی کیفیت کو ظاہر کرتا ہے، کہ آپ کی تعلیم و تربیت فیضانِ صحبتِ حسنِ خلقی
پند و موعظت و تبلیغ و دعوت کی تاثیر سے بڑے اچھے بد نیک اور اشرارِ اخیار بن جاتے ہیں
انبیاء علیہم السلام کی سرتاریح اس واقعہ کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ گمراہ اور بدکار قوموں
میں مبعوث ہوئے، ہر طرح کی اذیتیں اٹھائیں، تکلیفیں سہیں، مصیبتیں جھیلیں، اور آخرتاریکی کو روکنے
سے، جہالت کو علم سے اور کفر کو توحید سے، بدل کر رہے اور مدت تک اُن کی تاثیر کا فیض جاری ہا
اُن کا یہ وصف تذکیہ وحی و الہام کے علاوہ اُن کے جسم و جان اور زبان و دل کی کیمیا اثری کا نام ہے
خواہ اُن کی زبان اس وقت وحی الہی سے مترنم ہو، یا خاموش، ہر آن آفتابِ حق کی کرنیں مطلع
نبوت سے نکل نکل کر دلوں کی سرزمین کو روشن کرتی رہتی تھیں،
نور | اسی لئے نبوت کا سینہ صدق و صفا کا آئینہ ہوتا ہے، نبی کا جہتم بیکری ظلمت کہ وہ عالم کا
چراغ اور علم و ہدایت کا مطلع النور ہوتا ہے، جس طرح اس کا صحیفہ الہامی اور وحی ربانی نور
ہوتی ہے، وہ خود بھی سرایا نور ہوتا ہے جس سے اندھے دیکھتے، گمراہ راہ پاتے، اور حق کے
طالب روشنی حاصل کرتے ہیں، خود آپ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا،

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا
وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا لِّأُولِي الْأَعْيُنِ إِلَى اللَّهِ
بِأَذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا (احزاب ۶)

اے نبی! ہم تجھ کو بتانے والا خوشخبری سنانی والا،
چوکنا کرنے والا، خدا کی طرف اس کے حکم تک
بلانیا والا، اور روشن کرنے والا چراغ بنا کر بھیجا

یہ اس پاس کی چیزوں کو روشن کرنے والا چراغ خود رسول کی ذات ہے سوال یہ ہے کہ
اگر آپ کے جسم و جان زبان و دل، خلق و عمل، علم و فہم میں روشنی نہیں، تو آپ کی ذات جو ان
ہی چیزوں کا مجموعہ ہے، روشن چراغ کیوں ثابت ہوگی، اور جب آپ کی ذات مبارک
کی یہ تمام چیزیں انوار الہی ہیں، تو ان انوار میں سے ہر نور کی روشنی میں چلنا ہدایت ہی
دوران میں سے کسی سے قطع نظر کرنا بھی ظلمت کے ایک گوشہ میں قدم دھرنا ہے،

آیات ملکوت کی رویت | جس طرح انبیاء علیہم السلام اپنی قوتِ سامعہ سے ندا سے غیب کو سنتے
اور صدائے وحی کی سماعت کرتے ہیں، اسی طرح ان کی آنکھیں بہت کچھ دیکھتی ہیں جو عام
انسان نہیں دیکھتے حضرت ابراہیم کے ذکر میں ہے،

وَكُنَّا لَكَ نُورًا بِنُورِ رَبِّكَ وَسَمِعْنَاكَ وَرَدَّ عَلَيْنَا رَدًّا
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَيَكُونَنَّ
مِنَ الْمُوقِنِينَ، (انعام - ۹)

اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں
زمین کی مملکت دکھاتے تھے تاکہ وہ
یقین کرنے والوں میں ہو،

استعدادِ نبوت کی تربیت اور نشوونما کے لئے یہ رویت و بصیرت کی مافوق قوت

ان کو عطا ہوئی،

حضرت موسیٰ کو طور پر جو کچھ نظر آیا وہ جلوہ گری حسن و عشق کی مشہور کہانی ہے، آنحضرت

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے مشاہداتِ روحانی کا تذکرہ معراج کے تعلق سے ان الفاظ میں کیا گیا ہے،

لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا (اسرائیل - ۱) تاکہ ہم اس رسولِ بندہ کو اپنی نشانیاں دکھائیں

دوسری جگہ ہے،

كَالَّذِي الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ فَمَرُّوْنَهُ عَلَىٰ

مَا يَرَىٰ، وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ (نجم - ۱)

مَازَاغَ الْبَصَرِ وَمَا طَغَىٰ لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ

آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ، (نجم - ۱)

نگاہ نہ بہکی اور نہ سرکش ہوئی، اس نے اپنے رب

کی بڑی نشانیاں دکھیں،

ایک اور مقام پر ہے،

وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأَفْقِ الْمُبِينِ (تکوین - ۱)

اور اس نے یقیناً اسکو آسمان کے کھلے کنارے میں دیکھا،

یہ مشاہدہ وحی و الہام کے علاوہ نبوت کے دوسرے حواسہ بصری کے امتیاز کو ظاہر کرتا ہے،

سماعِ غیب جس طرح آیات و ملکوت کا مشاہدہ انبیاء کے حواسہ بصری کا امتیازی وصف ہے

اسی طرح غیب کی آواز اور وحی کی صدا کو سنانا بھی ان کے حواسہ سماعت کا خصوصی امتیاز ہے

قرآن پاک میں اس کی تصریحات موجود ہیں کہ انبیاء سے ہم کلام ہوتے تھے، اور وحی کو پانے

تھے، وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا (سبأ - ۲۳) اور خدائے موسیٰ سے بات کی،

حضور کو حکم ہوا،

وَلَا تَجْعَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ

اور اس سے پہلے کہ قرآن کی وحی تجھ پر

يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ (طہ - ۶)

پوری ہو قرآن کے پڑھنے میں جلدی نہ کرے

خدا نے پیغمبروں کو پکارا، اور انھوں نے اُس کی آوازیں سنیں نا دینا ہم نے پکارا بار بار
یہ الفاظ قرآن میں پیغمبروں کے متعلق آئے ہیں،

تبلیغ و دعوت | نبی کا سب سے پہلا اور اہم فرض تبلیغ اور دعوت ہے یعنی جو سچائی اس کو خدا
سے ملی ہے اس کو دوسروں تک پہنچا دینا، اور جو ظلم اُس کو عطا ہوا ہے اس سے اوڑھن کو بہرہ
کرنا، خدا کا جو پیغام اس تک پہنچا ہے، وہ لوگوں کو سنا دیا، اُس نے اُس کو جس صداقت سے
آگاہ کیا ہے، اُس سے اپنے ہم جنسوں کو باخبر کرنا، جو مالی، جانی، زبانی، دماغی، روحانی، اُس
اخلاقی طاقتیں اُس کو بخشی گئی ہیں، اُن کو اس راہ میں صرف کرنا، اور اس سمجھانے بچھانے
اور راہ راست پر لانے میں صداقت کی ہر تاثیر سے کام لینا اس اعلان اور دعوت میں جو
تکلیف بھی پیش آئے، اُس کو راحت جاننا جو مصیبت بھی درپیش ہو، اُس کو آرام سمجھنا جو
کٹاٹے بھی اس وادی میں اس کے تلون میں چھپیں، اُن کو رگ گل سمجھنا، اس حق کی آواز کو دبانے کی
جو قوت بھی سر اٹھا اُس کو کھل دینا، اور مال و منال، اہل و عیال، غرض جو چیز بھی اس سفر
میں شگ راہ ہو کر سامنے آئے، اُس کو بٹا دینا، اور اُس کی اس ساری کوشش و کاوش کا مقصد
خدا کی رضا مندی، مخلوق کی خیر خواہی اور اپنے فرض رسالت کی ادائیگی کے سوا کچھ نہیں ہوتا،
یہ ہے انبیاء کی تبلیغ و دعوت کا مفہوم، دنیا میں جس قدر پیغمبر آئے انھوں نے اپنے
فرض کو اسی ایثار اور قربانی کے ساتھ انجام دیا، اور ایک لمحہ بھی اپنے فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی
نہ کی، اور آج دنیا میں جو کچھ خدا کی نعمت، بھائیوں کا پیار، انسانوں کی مہر و می، ہیکسوں کی
مدد و غریبوں کی اعانت، اور دوسری نیکیوں کا اس سطح زمین پر وجود ہے وہ سب اسطہ یا بلاوا^{سطہ}

دانستہ یا نادانستہ انہی کی دعوت و تبلیغ اور مجدد و مجدد کا اثر اور نتیجہ ہے،

دنیا کے بڑے بڑے مفکر، بڑے بڑے شاعر، بڑے بڑے حکیم اپنا فرض خود سمجھ لیتا یا زیادہ سے زیادہ دوسروں کو سمجھا دیتا سمجھتے ہیں، لیکن انبیاء علیہم السلام میں صداقت کو پایا ہے، اُس کو دوسروں کے سمجھانے اور ہر ممکن طریق سے اُس کے پھیلانے اور اہل دنیا کو اس کے باور کرانے میں اپنی پوری قوت صرف کر دیتے ہیں، وہ ہر شکل کو جھیل کر، مضمون کو حقیقت سمجھانے اور اندھوں کو راہِ راست دکھاتے ہیں،

انبیاء علیہم السلام کی تعریف میں خدا فرماتا ہے،

بِالَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ
وَحَيَّتُونَهُمْ وَلَا يَخِشُونَ أَحَدًا
إِلَّا اللَّهَ وَكَفَى بِاللَّهِ حَسِيبًا،
(احزاب - ۵)

جو اللہ کے پیغاموں کو پہنچاتے ہیں، اور
اُنہی سے ڈرتے ہیں، اور اُس کے سوا کسی
سے نہیں ڈرتے، اور اللہ ہی حساب
(اعمال) کے لئے،

حضرت موسیٰ کو حکم ہوتا ہے،

إِذْ هَبَّ الٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهُ طَغٰی (طہ) فرعون کے پاس جا کہ اُس نے سرکشی کی،
آنحضرت ﷺ کو حکم ہوتا ہے کہ پیغامِ ربانی کی بے محابا تبلیغ کریں، اور دشمنوں سے
نہ ڈریں کہ اُن کی حفاظت کا خود شہنشاہِ عالم ذمہ دار ہے،

بِأَيُّهَا الرُّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ
مِّن رَّبِّكَ ط وَإِن لَّكَ تَفَعَّلْنَا

اے پیغمبر! تیرے رب کے پاس سے جو تیری طرف
اُتر رہا ہے اُس کو پہنچا دی اور اگر تو نے نہ کیا تو

رِسَالَتَهُ لَأَوَّلُ مَا يَعْصِمُكَ مِنَ النَّارِ

اس کے پیغام کے پہنچانے کا فرض ادا نہیں

کیا، اور اللہ تجھ کو لوگوں سے بچائے گا

(مائدہ - ۱۰)

انبیاء کی تبلیغ و دعوت میں تبشیر اور انداز و وزن ہوتے ہیں، تبشیر یعنی بشارت دینا اور

خوشخبری سنانا، اور انداز یعنی خدا کے جلال سے ڈرانا، عذاب الہی کا خوف دلانا، اور لوگوں کو

ان کے انجام برسی گماہ کرنا، اور انبیاء کی آمد اس شان سے آتی ہوتی ہے کہ خدا کی رحمت بندوں پر تمام ہو جائے

رِسَالَةُ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا

یہ سب بغیر خوشخبری سنانے اور تبشیر

يَكُونَنَّ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ

بیدار کرتے ہوئے آئے تاکہ پیروں کے

الرِّسَالِ (سبا - ۲۳)

آنے کے بعد لوگوں نے غایب کوئی حجت

ان سب پیغام الہی پہنچانے کے ساتھ اپنی خیر خواہی و سیرمی و اخلاص مندی کا اعلان

أَبْلَغَكُمْ رِسَالَتِ رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ

میں تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچا ہوں

فَأَعْلَمُكُمْ فِيهَا (اعراف - ۹)

میں تمہارا علم داتا اور خیر خواہ ہوں

يَقُولُ لَقَدْ أَرْسَلْنَا رِسَالَتَكَ رِجَالًا

اے میرے لوگو! میں انہیں اچھے کام

وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلَكِنَّ لَا تَحِبُّونَ

تم کو پہنچا دیا، اور تمہارے خیر خواہی کر چکا

النَّبِيِّينَ، (اعراف - ۱۰)

لیکن تم خیر خواہوں کو یاد نہیں کرتے

يَقُولُ لَقَدْ أَرْسَلْنَا رِسَالَتَكَ

اے میرے لوگو! میں نے اپنے رب کے پیغام

رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ فَلَيْفَ لَا تَعْلَمُونَ

تم کو پہنچا دیا اور تمہارے خیر خواہی کر چکا

عَلَى قَوْمٍ مِّنكُمْ يَتَّبِعُونَ آيَاتِي

تو پھر کیسے نہ جانتے ہو لوگوں میں تم کو

(اعراف - ۱۱)

کھاتا ہے

یہ بھی فرمایا کہ،

لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ أَجْرِي
میں اپنی نصیحت کی تم سے مزدوری نہیں

إِلَّا عَلَى الَّذِي فَطَرَنِي (ہود - ۵)

لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ أَجْرِي
میں اپنی تبلیغ کے بدلہ تم سے مال و دولت کا

إِلَّا عَلَى اللَّهِ (ہود - ۳)

خواہاں نہیں ہوں میری مزدوری تو خدا پر ہے

ایک شہد کا ازالہ | اس سلسلہ میں ہم کو ایک درغلط فہمی کو دور کرنا ہے، جو بعضوں کو حضورؐ کی
صفت تبلیغ کے سمجھنے میں پیش آئی ہے، قرآن مجید میں متعدد آیتیں اس معنی کی آئی ہیں کہ رسول
کا فرض صرف پیغام پہنچا دینا (ابلاغ) ہے، اس سے آج کل کے بعض کو تاہ مہینوں کو یہ دھوکا
ہوا کہ رسول کا فرض صرف وحی الہی کی تبلیغ ہے یعنی قرآن پاک کے الفاظ کو انسانوں تک پہنچانا
پہنچا دینا، اس کا کام ہے، اس کے معانی کی تشریح اور مطالب کی توضیح نہ اس کا منصب ہے، اس
کا اس کا اس کو حق ہی ان کے نزدیک مبلغ رسول کی حیثیت صرف ایک قاصد اور نامہ بردار ہے جو
ایک جگہ سے دوسری جگہ خط تو پہنچا دیتا ہے، مگر اس خط کے مفہوم و معنی کی تشریح اس کو حق نہیں
ہوتا، بلکہ اس کو یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ اس بند لفاظ میں کیا ہے،

شاید ان کو یہ دھوکا اس آیت کے علاوہ لفظ رسول سے بھی ہوا ہے، جس کے لفظی معنی پہنچانا
اور قاصد کے ہیں لیکن وہ لوگ یہ خیال نہیں کرتے کہ جہاں اس کو رسول کہا گیا ہے وہی (خبر
پانے والا) بھی تو کہا گیا ہے، بشر (خوشخبری سنانے والا) نذیر (ڈرانے والا) سراج منیر
(روشن کرنے والا چراغ) صاحبِ حکمت، صاحبِ خلقِ عظیم، صاحبِ مقام محمود، بھتی

(مقبول) مصطفیٰ (برگزیدہ) مہین (بیان اور شرح کرنے والا) معلم (سکھانے والا) مزی (پاکت صاف کرنے والا) داعی الی اللہ (اللہ کی طرف بلائے والا) حاکم (فیصلہ کرنے والا) مطاع (روح لاطاع) آمر (حکم دینے والا) اور ماہی (روکنے والا) بھی تو کہا گیا ہے، کیا یہ اوصاف والقباب آپ کی اسی حیثیت کو ظاہر کرتے ہیں کہ وہ صرف ایک پیغام پہنچانے والا قاصد ہی جس کو اصل پیغام کے مفہوم و معنی سے ایک معمولی قاصد اور زائرہ بر کی طرح کوئی سروکار نہیں؟ اس کے پیغام کے مفہوم و معنی کی تشریح و تفسیر کا آج تو ہر عربی و ان کو حق حاصل ہے، اور ان کی اصل حقیقت کس پہنچ جانے کا ہر مدعی کو دعویٰ ہے، مگر خود صاحب پیغام کو اپنی پیغامبری کے وقت نہ مفہوم و معنی کا علم تھا، اور نہ اسکی تشریح کا اس کو حق تھا، اِنَّ هٰذَآ الشَّيْءُ عَجَابٌ لِّمَنْ نَّظَرَ بَعْدَ صَفْوَاتِہِیْ جَزَاءً لِّمَا لُكِّحَہُ، اس سے اس غلط خیال کی پوری تردید ہو جاتی ہے،

ان کے اشتباہ کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ اسلام میں شرع اور وضع قانون کا حق صرف اللہ تعالیٰ کے لئے تسلیم کیا گیا ہے کہ وہی صلی شارع ہے، اب اگر رسول کے لئے بھی وحی کتابی سے الگ شرع بنانے کا حق تسلیم کیا جائے تو خدا کے سوا ایک اور شارع تسلیم کرنا ہوگا، اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ ہم رسول کو شارع نہیں شارج قرار دیتے ہیں کیا عدالت کی کرسی پر بیٹھ کر جب حکومت کے قانون کی توضیح و تشریح کرتا ہے، تو وہ اپنے اس عمل سے صلی شارع وقت بن کر وضع قانون کا منصب حاصل کرتا ہے، یا صرف قانون کے مفہوم کا شارج قرار دیتا ہے، یہی حیثیت آسمانی عدالت کے اس تاغی کی ہے جس کو ہم نبی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور نبی کہتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ہر پیام اور مقصد، اور مفہوم اور فیصلہ سے وحی
وحی کے اسی طریقہ خاص کے ذریعہ اپنے پیغمبر کو مطلع نہیں فرماتا جس طریق خاص سے قرآن مجید نازل
ہوا ہے بلکہ وہ اپنی تینوں قسموں کے ذریعہ سوائے انغراض اس رسول پر واضح کرتا ہے اور ان
یس سے ہر طریق کی وحی کی اطاعت تمام امت پر فرض ہے خواہ وہ وحی ہو جو الفاظ الہی کی قید کے
ساتھ آئی ہو جس کو قرآن کہتے ہیں یا ربانی مفہوم و معنی رسول کے الفاظ میں ادا ہوں جس کو حدیث
و سنت کہتے ہیں، الغرض خواہ وہ کتاب الہی کے ذریعہ سے ہو یا حکمت ربانی کے فیض سے ہو
قرآن مجید کی وہ آیتیں جن کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے رسول پر صرف پیغام پہنچانا ہوتا ہے
یہ نشانیہیں کہ وہ صرف پیغام پہنچانے والا ہے جو شجرہ میٹھانے والا نہیں، ہشیار و بیدار کرنے والا
نہیں، پیغام الہی کے الفاظ سنانے کے بعد ان کی تعلیم دینے والا نہیں، آیات الہی کی تفسیر و تشریح
کرنے والا نہیں، رہنما اور ہادی نہیں، نجاتیوں سے پاک و صاف کرنے والا نہیں، ایسا
کہ قرآن کا انکار، اور عقل و فہم کا ماتم ہے، قرآن میں کئی جگہ ہے،

انما انت منذر (رعد، نازعات) تو تو صرف ڈرسانے والا ہے

ایک جگہ ہے،

انما انا منذر (ص - ۵) میں تو صرف ڈرسانے والا ہوں،

کیا ان آیتوں کا مفہوم یہی ہے کہ ڈرسانے کے سوا، رسول کا کام بشارت اور خوشخبری

بشارت نہیں اور وہ صرف منذر ہے، بشر نہیں، اصل یہ ہے کہ اس قسم کی آیتوں

انما علی رسولنا البلغ المبین (مائدہ ۱۲) ہمارے رسول پر صرف پیغام پہنچا دینا ہے

کا مفہوم نہیں ہے کہ وہ صرف پیغام رساں اور قاصد ہے نہیں اور شارح نہیں بلکہ یہ ہے کہ اس کا کام صرف خدا کا پیغام پہنچا دینا ہے، از بروتی لوگون کے دلوں میں اس پیغام کا آثار دینا نہیں، از بروتی لوگون کو مسلمان بنا دینا نہیں، از بروتی لوگون کو پیغام پہنچا دینا ہے کہ جو لوگوں کے کفر و کفر و انکار اور عدم ایمان کی ذمہ داری اس پر ہے، قرآن میں جہاں جہاں اس معنی کی آیتیں آئی ہیں ان کا منشا ہی اور صرف ہی ہے قرآن پاک کی تیرہ مختلف آیتوں میں یہ بات کی گئی ہے اور ہر جگہ یہی ایک مفہوم ہے،

| | |
|---|---|
| ۱۔ وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ | کتاب والوں، اور ان پر صحت سے کہہ |
| أَلَا حَسِبْتُمْ أَنْ اسْتَلِمْتُمْ | کیا تم نے اسلام قبول کیا، اگر کیا تو ہدایت |
| أَسَدْمُوا فَقَدْ هَدْتُمْ وَإِنْ | پائی، اور اگر منہ پھیرا تو تھج پر (لمے لے لے) |
| تَوَلَّوْا فَأَنَّمَا عَلَيَّ الْبَلِغُ | صرف پیغام پہنچانا ہے، اور اللہ بندوں |
| وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ (آل عمران ۲) | کا دیکھنے والا ہے، |

مفہوم بالکل ظاہر ہے کہ اسلام کی ہدایت قبول کرنے میں کوئی ذرہ ذرا نہیں، اگر لوگ قبول کریں تو انہوں نے حق کو پا لیا، اور اگر انکار کریں تو رسول کا کام صرف پیغام پہنچا دینا ہے، اس نے پہنچا دیا، اس کا فرض اور ہوجکا اب خدا جانتے اور اس کے بندے جانتے،

| | |
|--|--------------------------------------|
| فَأَنَّمَا عَلَيَّ الْبَلِغُ وَ عَلَيْنَا الْحِسَابُ | تو میرا فرض صرف پیغام پہنچا دینا ہے، |
| (سجده - ۶) | ہمارا فرض ان کے حساب دینا ہے، |

اس کی تفصیل سورہ غاشیہ میں ہے،

فَذَكِّرْنَا نَمَا أَنْتَ مُذَكِّرًا كُنْتَ
 عَلَيْهِمْ بِسُطُورِ الْأَمْرِ تَوَلَّى
 وَكَفَرْنَا فَيَذِبُ اللَّهُ الْعَذَابَ
 إِلَّا لِبَرَوَاتٍ لِنَسْنَا يَا بَهُمْ، ثُمَّ
 إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ (فاشیه - ۱)

تو ذات پیغمبر، تو نصیحت کر، تو تو نصیحت
 کرنے والا ہے ان پر داروغہ نہیں، لیکن
 جس نے منہ پھیرا، اور انکار کیا تو خدا اس
 کو بڑی سزا دیگا، بیشک پھر ہماری ہی نظر
 لوٹ کرانا، اور ہمیں پران کا حساب لےنا ہے

یہی مفہوم سورہ شوریٰ میں ہے کہ رسول کا کام صرف سمجھانا اور تبلیغ کرنا ہے، وہ سلطان

کا اور فرما، داروغہ اور فرما کر بنا کر نہیں بھیجا گیا کہ لوگوں سے بڑی اپنی بات منوالے

وَإِن أَعْرَضُوا نَمَا أَدْبَتْنَا عَلَيْهِمْ
 حَفِظْنَا إِنْ عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ نَسُو

تو اگر وہ انکار کریں تو ہم نے تجھ کو ان پر
 نگہبان بنا کر نہیں بھیجا، تیرا کام صرف پہنچا دینا ہے

کافروں نے جب کبھی رسولوں کو ٹھٹھایا، انھوں نے یہی کہا کہ ہمارا کام پہنچا دینا ہے، ان

نے پہنچانے کا نہیں اختیار ہے

قَالُوا إِنَّا نَسْنَا إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا
 أَنْزَلَ السَّمْنَ مِنْ سَمْنٍ إِنْ أَنْزَلْنَا
 إِلَّا تَكْذِبُونَ، قَالُوا رَبَّنَا لَعَلَّمُ
 إِنَّا أَنْزَلْنَا لَمْ نَسَلُونَ، وَمَا عَلَيْنَا
 إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (یسین - ۲)

کافروں نے کہا تم تو ہماری ہی طرح آدمی
 ہو خدا نے کچھ نہیں آرا، تم جھوٹ کہتے ہو رسولوں
 نے جواب دیا، ہمارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ
 ہم بے شہدہ تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں، اور
 ہمارا فرض صرف کھول کر پہنچا دینا ہے

خود اللہ تعالیٰ نے بھی رسولوں کو تسلی دی ہے کہ ان منکروں کے انکار سے دل شکستہ

پہنوں، اگلے پیہروں کے منکروں نے بھی یہی کیا تھا، پیہروں کا فرض، لوگوں سے منوانا نہیں، بلکہ

ان تک خدا کا پیام پہنچانا ہے،

وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ
اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ
نَّحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَمْنَا مِن
دُونِهِ مِن شَيْءٍ لَّا كَذِبُكَ فَعَلَّ
الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى
الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (نحلہ)
وَإِن تَكذبوا فَعَدَا كَذِبُ أُمَمٍ
مِّن قَبْلِكُمْ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا
الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (عنکبوت: ۲۰)

اور مشرکوں نے کہا اگر خدا چاہتا تو ہم اس
سوا کسی اور کو نہ پوجتے، نہ ہم، ورنہ ہمارے
باپ دادا، اور ناس کے حکم کے بغیر کبھی چیز
کو حرام کرتے، (خدا کہتا ہے کہ) ایسا ہی کیا
تھا، ان کے پہلوں نے تو کیا پہلے پیہروں
پر کھول کر پہنچا دیئے کے سوا کچھ ہی
اگر تم بھلاؤ تو رکیا ہی تم سے پہلے
بھی تو میں بھلا چکی ہیں، اور رسول پر
مہین لیکن کھول کر پہنچا دینا،

رسول کا کام پہنچا دینا ہے، باقی ظلام الیغوب، جو چاہتے ہو سو کر سکتے،

مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ وَاللَّهُ
يَعْلَمُ مَا تَبَدَّلُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ (مائدہ: ۱۰۳) جانتا ہی جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو
بسیا سببوں میں جو ایک ہی مفہوم کو ادا کرتی ہیں،
وَاطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ
أَحْذَرُوا آيَاتِ تَوَدَّعُوا فَاَعْلَمُوا أَنَّمَا
اور اللہ کا فرمان اور رسول کی بات مانو
بچو اور اگر تم نے اللہ سے پیہرا تو جان لو کہ ہمارے

عَلَى رَسُولِنَا الْبَلِغِ الْمُبِينِ (مائدہ ۱۲)

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَابِدُكُمْ مَا تُحْمَلُونَ

وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ وَإِنْ تُطِيعُوا

تَهْتَدُوا وَإِن مَّا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا

الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (نور - ۶۴)

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ فَإِن تَوَلَّوْا

فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (نحل)

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

فَإِن تَوَلَّوْا فَقَدْ كَفَرْتُمْ

إِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (نساء - ۵۹)

پیغمبر کا قول ہے

فَإِن تَوَلَّوْا فَقَدْ كَفَرْتُمْ

إِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (ہود ۵)

ان تمام آیتوں کا تعلق نبوت کے منکروں سے ہے

ان کے منکر ہونے سے ان سے رسول کا تعلق صرف تبلیغ و نصیحت ہے

رسول پر صرف کھول کر پہنچا دیتا ہے

کہہ دینے پیغمبر اللہ کی اطاعت کرو اور رسول

کی اطاعت کرو پھر اگر وہ منہ پھیرے تو رسول

پر وہ جس کا بوجھ اس پر ہی اور تم پر وہ جس کا

بوجھ تم پر ہے اور اگر اس کی اطاعت کرو گے تو

ہدایت پاؤ گے اور رسول پر نہیں لیکن کھول کر

اسی طرح اللہ تم پر اپنا احسان پورا کرے گا تاکہ

تم مسلمان ہو جاؤ اور اگر انہوں نے منہ پھیرا تو

تجھ پر کچھ نہیں ہی مگر کھول کر پہنچا دینا

اور خدا کا کیا ہانا اور رسول کی فرمانبرداری

کرو اگر تم نے منہ پھیرا تو ہمارے رسول پر

صرف کھول کر پہنچا دینا ہے

بوجھ پڑنا

بوجھ پڑنا

تو اگر تم منہ پھیرو تو میں جو پیام دے گا تم پر

بھیجا گیا تھا وہ میرا ہے تم کو پہنچا دینا

ان کے منکر ہونے سے ان سے رسول کا تعلق صرف تبلیغ و نصیحت ہے

سمجھانے کا ہی لیکن جو خوش قسمت اقرارِ نبوت کی سعادت حاصل کر لیں، تو پھر ان کا تعلق رسول سے اتباعِ پیروی اور اطاعت کا ہو جاتا ہے، اور اس کے بعد رسول ان کو تبلیغ ہی نہیں، بلکہ امر بھی کرتا ہے، کوئی حکومت دوسرے ملک کے کسی باشندے کو زبردستی اپنی رعایا نہیں بناتی لیکن اگر کوئی شخص از خود اس حکومت کی رعایا بن جائے، تو پھر اس کس کے قانون کی پیروی پر زور مجبور کیا جائے گا کہ رعایا بننے کے معنی ہی اس کے قانون کے قبول کرنے کے ہیں۔

دنیا میں جس قدر پیغمبر آئے وہ ایک ہی دین اور ایک ہی عقیدہ لیکر آئے ہیں، تو حیدری نبوت، وہی عبادت، وہی اخلاق، وہی جزا و سزا اور عمل کی پریشانی اس لحاظ سے انبیاء کی تعلیم میں کوئی اصولی فرقی نہیں، اس سے فرمایا کہ شَرَعَ لَكُمْ دِينَ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّي بِهِ خُوشًا لَّآلِهَةٍ یعنی خدا نے تمہارے لئے وہی دین مشروع کیا، جو نوح و غیرہ دوسرے پیغمبروں کو دیا تھا، اور اسی کا نام اسلام ہے، لیکن انبیاء کی تعلیم کا اہم الاصول ہے ضروری جزر توحید اور وہی نبوت کے ساتھ کمالی اور اعلیٰ تر ہے،

لیکن سب سے پہلے دنیا میں اسلام سے پہلے بہت سے اچھے لوگ گزرے جو یونان اور ان کی دعوت بھی مفید ہو، ان کے اخطائی و غلطی و لپسہ ہوں، وہ یونان کے حکم ہوں یا ہندستان کے ادیان، لیکن ان کی تعلیم میں اگر توحید کی دعوت شامل نہیں، تو وہ نبوت کے رتبہ کے قابل نہیں کہ تعلیم کی پہچان ہی توحید کی دعوت ہی، اگر یہ نہیں تو نبوت بھی نہیں، فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ

أَلَّا نُنزِّلِي رِيسًا لِّأَلِهَةٍ إِلَّا أَنَا

اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا

لیکن اس کو یہ ہی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں

فَاعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَالْجِبَالِ وَالنَّجْمِ الْمُسْتَقِيمِ (انبیاء-۲۰)

میری ہی پرستش کرو،

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۚ

اور ہر قوم میں ہم نے ایک رسول بھیجا کہ خدا

اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۚ

کی عبادت کرو اور بتوں سے پرہیز کرو،

اس سے معلوم ہوا کہ تعلیمی حیثیت سے نبوت کی شناخت اسی سے ہو سکتی ہے، اسلام سے

پہلے جس مدعی نبوت کی تبلیغ کا اہم ترین جزو توحید نہیں، اس کو دعوائے نبوت کا کوئی حق نہیں،

نبوت کی نغز، وفات | انبیاء (علیہم السلام) کی آمد کی غرض دعاوت کو شاہراہ زبان اور خطیبانہ جوش

بیان میں بہت کچھ بتایا جاسکتا ہے، لیکن یہاں مقصود یہ ہے کہ ان اغراض کو گنا یا جائے، جو محمد

رسول اللہ ﷺ کی وحی مبارک کی زبان سے ادا ہوئے ہیں، اہل دعویٰ وہی ہیں

جس کو، وحی ظاہر کرتا ہو نہ کہ گواہ۔

انبیاء کی بعثت کی سب سے پہلی غرض اس روز الست کے بھولے ہوئے اذلی عہد پر جان

بندگی کی یاد دہانی ہے،

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ آدَمَ أَنْ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ۖ

اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی بیٹیوں سے

وَلَمَّا سَلَّمَ عَلَى نَارٍ ۖ وَأَشَدُّ حَمْدًا

ان کی نسلوں کو عہد لیا اور ان کو خود اپنے

أَفْتَضِلُ فِيهَا النَّارُ ۖ قَالُوا يَا أَبَانَا

اور پر آپ گواہ کیا کہ کیا میں تیرا پروردگار نہیں

شَهِدْنَا نَأْتِيكَ فَتَقُومُ لَدَيْهِ أَلْفَ مَرَّةٍ ۖ

ہوں، انھوں نے کہا کیوں نہیں تو ہم نے

كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ (اعراف-۲۲)

گواہی دی کہ قیامت کے دن یہ کہو کہ ہم انکو

اس سے ضرور ہوا کہ اللہ کو موقع موقع ان کا یہ وعدہ یاد دہانی یا دہانی جاسے،

یہی وجہ ہے کہ رسول کی بعثت کی ایک غرض یہ بھی بتائی گئی ہے کہ اس کا وجود نبی آدم پر
 تمام محبت ہے، لیکن ہے کہ آدم کے فرزند یہ بجا بندہ کریں کہ ہمارے پاس کوئی یا اولاد لائے والا
 آیا اس لئے فرمایا،

رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِيَذَّكَّرُوا
 رسول خوشخبری سنانے اور ڈرسانے والے

يَكُونُ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةً بَعْدَ
 تاکہ رسولوں کی آید کے بعد لوگوں کے لئے

الرُّسُلِ، (بِسَاءِ - ۲۳)
 خدا پر کوئی حجت باقی نہیں رہے۔

تذکر کے بعد نبی کافر بن آئیں ہدایت اور رہنمائی ہے کہ وہ وحی سے شکر تالی کی
 صفت ہادی کا نظر اور مورد ہی اسی لئے ایک آیت میں نبی اور رسول کیلئے ہادی کا لفظ آیا ہے اور فرمایا

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (رعد - ۱۰)
 اور ہر قوم کے لئے ایک راہ دکھانے والا آیا

سورہ شوریٰ میں فرمایا،

ذَٰلِكَ لَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (شوری) اور تو اسے پیغمبر سے بھی ماہر دکھاتا ہے۔

سورہ انبیاء میں بہت سے پیغمبروں کے ذکر کے بعد ہے۔

وَجَعَلْنَا هُمًا لِّعِبَادِنَا نُهَدُونَ يَا مَعْزُومًا
 اور ہم نے ان پیغمبروں کو ایسا پیشوا بنایا

(انبیاء - ۵)
 بھڑکارتے حکم سے راہ دکھاتے تھے۔

اسی طرح ان آسمانی کتابوں کو جان کو دہی گئی تھیں، بار بار دہائی (ہدایت) کہا گیا ہے۔

اور کہیں ان کو ضیاء اور نور (روشنی) کے الفاظ سے داکیا گیا ہے۔

اس ہدایت اور رہنمائی کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ وہ بندہ گمان الہی کو باطل کے پیغمبر

سے کمال کر حق کی روشنی میں لاتے ہیں، لوگ جب فاسد خیالات، بہودہ افکار، بے سود اعمال
کی تاریکیوں میں پھنس کر فطری بصیرت اور روحانی معرفت کے نور سے محروم ہو جاتے ہیں، انبیاء
اندھوں کے ہاتھ پکڑ کر ان کو ظلمات سے نوازتے ہیں، ان کو شک کی جگہ یقین، جہل کی جگہ علم
باطل کی جگہ حق، اور ظلمت کے بجائے نور عطا کرتے ہیں،

هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَىٰ عَبْدٍ آيَاتٍ بَلِيغَاتٍ
وہی اللہ جو اپنے بندہ پر کھلی آیتیں اتارتا ہے

رَبُّكُمْ هُوَ الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ
تاکہ وہ تم کو تاریکیوں سے نور میں لائے

اس دنیا کی نجات صرف اعتدال میں ہے جب کبھی مزاج انسانی کی طرح اس کے
ان عناصر میں جن سے اس کی ترکیب ہوئی ہے، افراط و تفریط پیدا ہوگی، روسے نہ میں پر فساد
رودنا ہوگا، انسانی جماعتوں اور قوموں میں بھی یہ ترازو جب اعتدال کے معیار پر پوری نہ ہوگی
کبھی وزن چلے برابر نہ ہوں گے، آسمان سے زمین تک ایک ایک ذرہ اعتدال کی ترازو
میں ملامت ہو رہی، کیمسٹری اور علم الفلک کا واقعہ کار اس ترازو کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہی اور
حیرت کرتا ہے کہ کسین ایک ذرہ کی کمی بیشی نہیں ہی جس طرح اس مادی دنیا میں یہ حیرت انگیز
توازن ہی عجیب اسی طرح روحانی اور اخلاقی دنیا میں بھی اس توازن کی ضرورت ہی حقائق ہوں
عبادت، اخلاق ہوں کہ معاملات، اسی توازن کا نام حق اور عدل ہے فرمایا،

وَالسَّمَاءَ دَرَجَاتٍ وَأَرْضَ الْمِيزَانِ
اور آسمان کی اونچائی اور ترازو کی سطح

نَطَعُوا فِي الْمِيزَانِ وَأَكْتُمُوا الْأَوْزَانَ
ترازو میں کمی بیشی نہ کرو اور تول کو سچ رکھا

بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ (رحمن)

اور ترازو کو گھماؤ نہیں،

یہ توازن اور برابری جو بے ارادہ اور بے اختیار دنیا کے ذرہ ذرہ اور اس کی ایک ایک حرکت اور ایک ایک کام میں خالقِ فطرت کے اندازہ اور تقدیر سے قائم ہے، یہی توازن اور برابری کی تولد رسولوں کے ذریعہ آئی ہوئی میزانِ شریعت کے مطابق ذی ارادہ اور خود اختیار انسانوں کی ایک ایک حرکت اور ایک ایک خصلت میں ہونی چاہئے، بے ارادہ دنیا کی میزان کا نام قانونِ فطرت ہے، اور ہا ارادہ دنیا کی میزان کا نام قانونِ شریعت ہے۔ بے ارادہ دنیا کا تمام نظام عدل اسی خدائی میزانِ فطرت سے چل رہا ہے، اگر اس میزان میں ایک ذرہ بھی کمی بیشی ہو جائے، تو عالم کا نظام درہم برہم ہو جائے، اسی طرح انسانی دنیا کی سکینت، طمانیت، امن و امان کا نظام اسی میزانِ شریعت کے ذریعہ قائم ہو سکتا ہے، اگر یہ نہ ہو تو اس کے نظام کا درہم برہم ہونا بھی لازمی ہے فرمایا،

لَقَدْ آرَسْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيْتِ وَ
 أَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ
 لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (حدید - ۳)

ہم نے بے شبہ اپنے پیغمبروں کو کھلی دین
 سے کر پھا اور ان کے ساتھ کتاب اور
 میزان اتاری تاکہ لوگ عدل کو قائم کریں

انبیاء کی بشت کی یہ نرض و غایت کہ لوگ شریعت کی میزان کے مطابق عدل اور توازن کو قائم رکھیں اس موجودہ دنیا ہی کے نظام کی امن و سلامتی کے لئے ہے، آج یورپ کے اسکاؤں کو نے دنیا کے گوشہ گوشہ کو پر شور بنا دیا ہے، آج رسولوں کی اہمیت اور ان کی تعلیمات کی ضرورت پر شکوک و شبہات کی ژالہ باری ہو رہی ہے، لیکن وہی دنیا لی مباحث سے قطع نظر کر کے عملِ حیثیت سے دنیا کی ایک ایک تعلیم و تہذیب آبادی کا جائزہ لے لے جہاں کس بھی سچائی کی کوئی

روشنی اور حقیقت کی کوئی کرن چمکتی ہے وہ اسی مطلع خورشید سے چمن کر چلی ہے، کوئی دیندار ہو یا
 ملحد، خوش عقیدہ ہو یا بے عقیدہ، یونان کا حکم ہو یا فرقہ کا جاہل، یورپ کا تمدن ہو یا
 صواری کا وحشی، رومی ہو یا زنگی، عیسوی ہو یا موسوی، بت پرست ہو یا موحد مجوسی ہو یا مندو
 مسلم ہو یا غیر مسلم، شہری ہو یا دیہاتی، ہمالیہ کی چوٹی پر آباد ہو یا زمین کی گہرائی میں اکہین بھی ہو کوئی
 بھی ہو، اگر وہ اللہ کے نام کی عظمت سے واقف ہو اور نیکی اور برائی کی تمیز سے آشنا ہے، تو وہ خدا کی
 رسولوں اور ربانی پیغمبروں کے علاوہ کس معلم کی کوششوں کا ممنون ہے، آج جہاں بھی عدل و سیرت
 کا وجود ہے، وہ کسی یونانی حکم یا یورپین فلاسفر کی تعلیم و تصنیف اور تقریر و خطبہ کا اثر نہیں بلکہ
 اللہ کے انبیاء ہی کی ہے، واسطہ یا بواسطہ تعلیمات کا نتیجہ ہے، آج دنیا کے گوشہ گوشہ میں کیسے ہی پر
 تبلیغ ہوئی، انگریزی، عدل، احسان، ہمدردی، نیکو کاری، حسن خلق کی تعلیم، تبلیغ اور دعوت ان ہی
 کی زبانوں سے ہو رہی ہے، جو رسولوں کے پیرو اور پیغمبروں کے تابع ہیں، جو عقیدہ کے علمبردار
 کی بھی نیکو کاری ان ہی پیغمبروں کے نادانستہ فیضانِ تعلیم کا نتیجہ ہے، اس بنا پر جو لوگ ذہنی طور
 سے پیغمبروں کے منکر ہیں، وہ بھی عملی طور سے ان کی تعلیم کے مقرر، اور معترف ہیں، اس لئے انبیاء کا
 وجود تمام دنیا کے لئے رحمت بن کر ظاہر ہوا ہے، اور قرآن نے آسمانی کتابوں کو بار بار رحمتہ و
 رحمتی رحمت اور رہنمائی کی غرض سے بھیجے گا جو اعلان کیا ہے، وہ تمام تر اسی غرض و نجات
 کی تشریح ہے، اور اسی لئے خاتم نبوت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات و اوصاف تمام عالم
 کے لئے رحمت بن کر آئی، خدا نے فرمایا،

اور ہم نے تجھ کو (اسے محمد) تمام دنیا کیلئے

رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ

رحمت بنا کر بھیجا ہی

(انبیاء - ۷)

تائید و نصرت | انبیاء علیہم السلام جو مقصد لے کر آتے ہیں، خواہ کسی قدر مشکلات پیش آئیں کتنی ہی رکاوٹیں ہوں، کتنی ہی ٹھیکڑوں اور زحمتوں کا سامنا ہو، بالآخر وہ مقصد کامیاب ہی ہوتا ہے۔ پیغمبروں کی سیرت اور ان کی دعوت کی تاریخ خود اس دعویٰ پر گواہ صادق ہے، قرآن نے کہا:

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَأَمْثَلِ بَعِيْبَادِنَا

اور ہماری بات اپنے رسولین سے پہلے

الْمُرْسَلِينَ اِنَّهُمْ نَهَضُوا لِنُصْرَتِنَا

پہلی ہی طے ہو چکی ہے کہ یقیناً انہی کی مدد

وَاِنْ جَدَدْنَا لَهُمُ الْعَالِيْنَ (الصَّفَات)

ہوتی ہے اور ہماری لشکر غالب ہوتا ہے

صرف اس دنیا میں بلکہ حشر کے دن بھی انہی کو اور ان کے ذریعہ اہل ایمان کو کامیابی ہوگی،

اِنَّا لَنَنْصُرُهُمْ وَاَسْلَمْنَا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

بے شبہ ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاَيُّوْمَ نَقُوْمُهُمْ

کی مدد اس دنیا میں کرتے ہیں اور اس

اَلَا شَيْءٌ اَدْرَاكَ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظَّالِمِيْنَ

دن بھی جب گواہ کھڑے ہوں گے جس دن

مَعْدِنُهُمْ وَاَهُمُ الْعَنَةُ وَاَهُمُ

گنہگاروں کو ان کے بے لگام مذہبوں کے

سُوْءِ الدَّارِ (مومن - ۶)

ان پر پھینکا رہو گی اور ان کیسے برا گھر ہو گا

پیغمبروں پر ایسے ہی سخت وقت آتے ہیں جب ان کو اپنی قوم کے قبولِ ہدایت کی

طرف سے پوری مایوسی ہو جاتی ہے، اور امید کی روشنی کسی طرف سے دکھائی نہیں دیتی، اور

عذاب میں دیر ہونے کے سبب سے ان کے منکر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ان کو عذاب کی دھکی جھٹ

دی گئی، تو دفعۃً امید کا دروازہ کھلتا ہے اور خدا کی تائید و نصرت کے پرے اس طرح

آتے دکھائی دیتے ہیں کہ صراح لوگوں کے دل قبول کے لئے کھول دئے جاتے ہیں، اور معاندوں

پر کسی نہ کسی طرح عذابِ آکران کا استیصال ہو جاتا ہے، فرمایا،

حَتَّىٰ إِذَا اسْتَأْذَنَ الرَّسُولُ وَظَنُّوا

یہاں تک کہ جب پیغمبروں کو اپنی قوم کے یہاں سے

إِنَّهُمْ قَدْ كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِظُهُورِهِمْ

ایسی ہونے لگی اور ان کے منکروں کو خیال

ہونے لگا کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تو ہماری

(یوسف - ۱۲)

اللہ تعالیٰ کی اسی تائید و نصرت اور حفاظت و دعوت کا یہ یقین ان کو ہوتا ہے کہ وہ ہر شکل

کو اس راہ میں جھیل لیتے ہیں، اور اپنے سروں کو تحصیلوں پر لئے پھرتے ہیں، مخالفوں کی فوج و

شکر، تیغ و خنجر اور خوف و خطر کے باوجود اپنی دعوت و تبلیغ کے فریضہ سے باز نہیں آتے، اور

کسی دام پر بھی مخالفوں سے صلح پر آمادہ نہیں ہوتے، منکروں کو شروع شروع میں ان کی ظاہر

بیجاہت اور تنہائی کو دیکھ کر، ان کی ناکامی کا گمان ہوتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ ان کے سونپن کی ترقی

کر کے فرماتا ہے،

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ مُخْلِيفًا وَعْدًا

سو مت خیال کر کہ اللہ اپنے رسولوں سے

رَسُولِهِ، (ابراہیم - ۷)

ازل کے دن ہی یہ قانون بن چکا ہے کہ سچائی کے ان پکارنے والوں ہی کی آخریت ہوگی،

كَلَّمَ اللَّهُ لَاقِبِينَ أَنَا وَرَسُولِي (مجادلہ)

اللہ لکھ چکا کہ میں ہی غالب ہوں گا اور میرے رسول

خاتمہ اس تفصیل اور شرح سے مقصود ناظرین کو نبوت کے اصلی کمالات کا ایک جلوہ دکھانا تھا

فلسفی راز پیمبر و شناس آئینہ راز گو ہر دانشناس

| | |
|-----------------------------|----------------------------|
| آگینہ را نہ پنداری بدست | جز دے کہ گوہر سے آدمی بدست |
| چون گہر آمد بدست شب چراغ | آگینہ شد سیہ چون پر تراغ |
| فلسفی اندر بن چاہ و نثر مند | نرد بان دارد بخور شید لبند |
| نرد بانش می برد تا چند را ش | پس بپاہ ائمہ نگون گشتہ سرش |
| دان پیمبر خود نہ باہم آساں | رشتہ را فلک ہ سو سے خاکیاں |
| رشتہ جان را بدیں رشتہ تباب | پس بر آتا بارگاہ آفتاب |
| ز آساں پسنیہ آوازت دہ | فلسفی از خاک پر دازت دہ |

ایں زودورت رہ نماید سوے جان

دان بخواند خود ترا از کوسے جان

سہ از دیوان فارسی مولانا حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۹۱۲ھ و ارجمادی الثانیہ ۱۳۲۵ھ

شبِ ظلمت

پیغمبر اسلام کی نبوت کے وقت دنیا کی مذہبی اور اخلاقی حالت

اگر یہ سچ ہے کہ دنیا کی ہر شے اپنے ضد سے پہچانی جاتی ہے، بارش کی خشکی سختی اس کے بعد ہی زیادہ خوشگوار معلوم ہوتی ہے، روشنی کی پوری قدر شبِ تاریکی میں ہوتی ہے اور نصابِ قدرت تاریک ہو، بجلی کی چمک اتنی ہی زیادہ درخشان نظر آتی ہے تو اس میں شبہ نہیں کہ ہر اصلاحی تحریک کی وقت اور عظمت کے جانچنے میں یہ جاننا رکھنا چاہئے کہ دنیا اس وقت کتنی گمراہی میں مبتلا اور اصلاح کی محتاج تھی، اور اسی اصلاح کی محتاج تھی جس کے لئے پیغمبرانہ دستِ بازو کی حاجت تھی اور وہ بھی ایک ایسے پیغمبر کے دستِ بازو کی جس کے متعلق خود خدا یہ فرمایا کہ

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ

اللَّهُ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ

(فتح - ۱)

جو تیرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں اور خدا کے ہاتھوں

اسلام یا محمد رسول اللہ ﷺ کے پیغام اور تعلیم کے متعلق ہمارا دعویٰ ہے کہ وہ دنیا کی ایک عظیم الشان روحانی و اخلاقی و معاشرتی دعوت تھی، اس بنا پر ہمیں دیکھنا چاہئے کہ ظہور اسلام کے وقت دنیا کی کیا حالت تھی؟ اس وقت کی دنیا کے متعلق اگر یہ کہا جائے کہ وہ ایک گمراہی میں

جس پر آفتاب نہیں چمکتا تھا، تو بالکل سچ ہوگا، تمام دنیا میں سچے اور صحیح عقیدہ کا کہین وجود نہ تھا،
 لوحِ حید کی روشنی سے دنیا کا ذرہ ذرہ محروم تھا، مصر و یونان و روم میں سورج چاند اور مختلف
 ستاروں اور ستاروں کی خدائی تھی، ان ہی کے مہر تھے، اور انہی کے ناموں پر بے گناہ انسانوں
 اور جانوروں کی قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں، ہر جگہ پتھر کی مورتوں، اور مٹی کی صورتوں اور سونے
 چاندی اور جواہرات کے بتوں کی پوجا کی جاتی تھی،

اس وقت کی دنیا میں اخلاق کے تین معلم تھے، اوقاتی، عیسائی اور بودھ مت کے پیرو
 اور یہ تینوں کے تینوں تجرؤ، رہبانیت اور جوگی پن میں مبتلا ہو کر اس طرح مضبوط ہو گئے تھے کہ
 دنیا کا دستِ ترقی شل ہو کر رہ گیا تھا، اور ایسی سخت شگہ لاندہ ریاضتوں کو لینی اور عبادت کا مراد
 سمجھ رکھا تھا کہ آج ان کی تفصیلات سننے سے بھی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں،

یہ سچ ہے کہ مسیح نے چھ صدی قبل از کیہ نفس کے کچھ درں دیے تھے، لیکن مدت ہوئی دنیا
 اس سبق کو بھلا چکی تھی، یہ سچ ہے کہ موسیٰ نے اس سے بھی بیشتر ہدایت و نجات کی ایک شیخ
 جلائی تھی، لیکن فتنوں اور سنگاموں کی آندھی میں یہ چراغِ طریقی جل کر گل ہو گیا تھا، اور پھر یہ
 بھی سچ ہے کہ مدتِ دید ہوئی کہ ازشت نے روحانیت کی آگ سدا کی تھی، لیکن یہ شعلہ بھی انہی
 خون کے چھینٹوں سے سرد ہو چکا تھا، یہ بھی سچ ہے کہ اس سے بھی پہلے بودھ نے آریہ دت کے
 پہاڑوں اور غاروں میں روح کا وارالامن ڈھونڈنا تھا، مگر حواشی کے بوفان نے ان
 پہاڑوں کو بے نام و نشان بھرا دیا اور ان غاروں کو درندوں کا بھٹ بنا دیا تھا، ہر قوم و ہر
 قوم سے ہر ہر پکارا اور ہر تہذیب و ہر سرے قبیلہ کے خون کا پیا سا تھا، ہر صلیح اور کشت و خون

کی گرم بازاری تھی، نفسِ انسانی کی ملکوئی طاقت جذباتِ خبیثہ کے دیوتا کے سامنے پامال ہو چکی تھی، عدلِ درستی اور پاکبازسی و پارسائی کے عطرِ معبزی کی خوشبو، انسان کے جامہِ خاکی سے اڑ چکی تھی، توحید اور خدا پرستی کا نور و یوتاؤن، وسیبوں، اشاروں، شہیدوں، ولیوں اور محبتوں کی پرستش کی مالگیر تارکی میں چھپ گیا تھا، غرض دنیا کے حالات ہر طرح سے اس ضرورت کے متقاضی تھے، کہ کوئی عالم کا مصلح، اخلاق کا معلم، حق کا داعی، بنی نوع کا نجات دہندہ، آخری بار وجود میں آئے اور انسانیت کے شیرازہ میں جو عرصہ دراز سے پر اگندہ و منتشر ہو رہا تھا، پھر نظم و انتظام پیدا کر دی، اور روحانیتِ خدا پرستی کے خزاں میں سدِ باغ کو از سر نو پربار، بلکہ سدِ بہار، اور دنیا کے ظلمت کو پھر مطلعِ انوار بنا دیا۔ یہ اس عہد کی دنیا کی حالت کا ایک اجمالی خاکہ تھا، تفصیل کے لئے ہمیں مختلف قوموں اور ان کے مذہبوں کی تاریخ پر ایک ایک کر کے نظر کرنی چاہیے،

ظہورِ اسلام کے وقت دنیا کی تہذیبی اور مذہبی حالت کیا تھی؟ محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت مہرِ یونان اکلدا نیا، اسیروں اور باہل کی عظمتِ فعاہ پر پارینہ بن چکی تھی، خود عرب مضافاتِ عرب میں

جو نامور حکومتیں کبھی تھیں، مثلاً باقی جمہوری، سبائی وغیرہ مدت گزری کہ ان کا خاتمہ ہو چکا تھا،

اس موقع پر صرف یہ دیکھنا مقصود ہے کہ صحیح سوادت کے طلوع کے وقت کون کون توین

دنیا میں حکمران تھیں اور ان کی مذہبی و اخلاقی حالت کیا تھی، اور دنیا کے مذاہب اس وقت کی روحانی

حالت کے پس منظر کی کمانٹس استطاعت کھتے تھے، اس وقت روسے زمین کی اہم طاقتیں دو

ہی تھیں، فارس اور روم، فارس کا مذہب جو سیت تھا جس کا دائرہ عراق سے لیکر ہندوستان

کی سرحد تک محیط تھا، اور روم کا مذہب عیسوی تھا، جو یورپ، ایشیا اور افریقہ کے مینوں پر غلبہ

کو گھیرے تھا لیکن مذہبی حیثیت سے دوا اور توہین بھی ذکر کے قابل ہیں جن میں سے ہر ایک کو اپنی اپنی جگہ قدامت کا دعویٰ ہے، اور وہ یہ تو دوا اور منہ دہین،

مجوسِ فارس | عرب کی پہلی ہمسایہ سلطنت فارس تھی جس کے تہذیب کا ستارہ ایک زمانہ میں درجِ کمال پر تھا، مگر عہدِ بعثت سے سو ڈیڑھ سو برس پہلے سے سارسانی شان و شوکت اور کئی جاہ و جلال مٹے مٹے سایہ سارہ گیا تھا، مسلسل بنا و تون، سفاکانہ خونریزیوں اور سیاسی بدبندیوں نے اس کو تہ و بالا کر دیا تھا، بادشاہوں کے ظلم و ستم اور امر اور کی عیاشیوں اور خود غرضیوں نے اس کو خالص اور ہر قسم کے اخلاقی جوہر کو جس کے خمیر سے قوم کی زندگی تعمیر ہوتی ہے، فنا کر دیا تھا،

ایران میں بابل کے اثر سے ستارہ پرستی بہت عام تھی، اسی کا اثر ہے کہ فارسی لٹریچر میں افلاک اور ستاروں کی کار فرمائی آج تک نمایاں ہے، زروشت نے اس تاریکی میں اپنی آگ روشن کی، اور نور و ظلمت یا خیر و شر کے دو خالق یزدان و اہرمن اس کے دو خدا اور آگ اسکی سجود بنی، اسلام سے کچھ صدیاں پیشہ مانی نے سچیت اور محوسیت کی آمیزش سے مذہب کا ایک مرقع تیار کیا تھا جس میں نور و ظلمت کے فلسفہ کا ایسا ڈرکھ دھندا بنایا تھا جس کی خیر خیر تک اس قوم کو بھگنا نصیب نہ ہوا، اس کی تعلیم یہ تھی کہ دنیا سے گوشہ گیری کر کے اس کو دیران دیر باداؤد ترک ازواج سے نسل انسانی کو منقطع کر دیا جائے، تاکہ بدی کا خاتمہ ہو جائے، اخلاقی حیثیت سے محرکات کا وجود ہمیشہ ان کے ہاں مختلف فیہ رہا، آپ کی بیٹی کو اور بھائی کا بہن کو امی زو جہت

کتاب الفہرست ابن ندیم ذکر مانی و کتاب البدر و التاریخ مقدمہ فرقا، مانیہ ۱۵۱۲ تاریخ خوار اخبار الفرس، شاہی

کوئی غیر معمولی بات نہ تھی یہ سن کر کس قدر حیرت ہوگی کہ یزدگرد ثانی جو پانچویں صدی عیسوی کے وسط میں وہاں کا بادشاہ تھا، اُس نے اپنی بیٹی سے اپنا عقد کیا، اور پھر اُس کو قتل کر ڈالا۔ عورتوں کو اس قوم اور اس مذہب میں جو حیثیت حاصل تھی، وہ ان انسانوں اور مقولوں سے ظاہر ہے، جو ایرانی ادبیات کا اب بھی جزا ہیں، اور جو شاہنامہ کے اوراق میں اب بھی شخص کو نظر آسکتی ہے، عورتوں کی بیوفائی، بد اخلاقی اور ان پر عدم اعتماد پرانے ایرانی تمدن کا سب سے بڑا جز تھا۔ سلطین اور امراء درجہ بدرجہ رعایا کے خدا اور دیوتا تھے، جن کو سجدے کے جاتے تھے، انکی اہمیت کے گیت گائے جاتے تھے، ان کے دربار میں کوئی بیٹھ نہیں سکتا تھا، ان کے خلاف کوئی لب کشائی کی جرات نہیں کر سکتا تھا، ان کے جرائم پر ان کو سزا نہیں دیجا سکتی تھی، عایا ان کے مظالم کے سامنے دم نہیں مار سکتی تھی

ملک کا بڑا حصہ رومی عیسائیوں کی دائمی جنگ سے پریشان حال تھا، اور گرجاؤں اور آتشکدوں کی باہمی آویزش کا غیر ختم سلسلہ قائم تھا، جب رومی فاتح ہوتے، تو آتش خانے ٹوٹ کر کلیسے بن جاتے، اور جب ایرانی غالب آتے تو کلیسے ٹوٹ کر آفتاب دیوتا کے مہب اور آتش خانے تعمیر ہو جاتے، یہودیوں پر جو مظالم توڑے جاتے تھے، اُس کا ایک مختصر سا نقشہ توراہ کے قصہ ایسیرین نظر آتا ہے، اور بعد کو مفتوح عیسائیوں پر وہ جس جس طرح ظالم کرتے تھے، اسکی تفصیل گبن کے اوراق

۱۵ تاریخ غر اخبار الفرس ثعالبی، مطبوعہ پیرس صفحہ ۲۴، ابو اؤد میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں حکم دیا کہ مجوسیوں کو اس فعل شنیع سے باز رکھا جائے، کتاب الخراج والاہارۃ وافی جلد دوم ص ۱۵ مورخوں کی تاریخ عالم ج ۱ ص ۲۰۲ ۱۵ غر اخبار الفرس ثعالبی ص ۵۰۰ پیرس،

میں منتشر طور پر پڑے گی،

بشت سے پہلے جہا نبانی کا قرعہ قبا و اول بن فیروز کے نام پڑا، بیرونی حملوں اور اندرونی بد نظمیوں کا سلسلہ روز بروز بڑھتا گیا، آخر رعایا نے قبا و کو قید کر دیا، قبا و نے قید خانہ سے بھاگ کر آٹاریوں کے پاس پناہ لی، اور ان کی اعانت سے دوبارہ تاج حاصل کیا لیکن ملک پر اس سے بھی زیادہ مصیبت یہ نازل ہوئی کہ اس کے عہد میں مزدک نام ایک شخص پیدا ہوا جو اس امر کی تعلیم دیتا تھا کہ دولت اور عورت کسی خاص شخص کی ملک نہیں بلکہ ان کو تمام جماعت میں مشترک ہونا چاہیے چنانچہ ایک شخص کی بیوی مزدک کے عقائد کی اد سے، شخص کے ساتھ ہم بستر ہو سکتی تھی، عیش پرست اور موسیٰ ران، امرار اور عوام دونوں نے اس کو خوشی خوشی قبول کیا، اس مذہب نے بہت جلد شاہی سایہ میں ترقی حاصل کی، اور خود قبا و نے اس دین کی ترویج و اشاعت میں نمایاں حصہ لیا، قوم کی انقلابی حالت پر اس تعلیم کا جو اثر پڑ سکتا ہے، وہ ظاہر ہے نتیجہ یہ ہوا کہ سارا ملک عیش پرستی، اور عورتوں کے نشہ میں سرشار ہو گیا،

۵۳۱ء میں قبا و کی جگہ خسرو نوشیرواں نے لی، ایرانیوں میں اس کی عدل پروری اور شہور ہے، مگر اس کو یہ مبارک لقب اپنے عزیزوں اور افسروں اور ہزاروں بے گناہوں کے قتل کے بدولت ملا، مزدکی فتنہ کو اس نے تلوار کے زور سے دبانا اور اورشیں زردشتی کو دوبارہ فروغ دینا چاہا مگر خود اس کا بیٹا نوشیرواں تہمت پرستی کی طرف مائل تھا، اس کے پادشاس میں قید ہوا، عہد سے بھاگ کر ایک عیسائی فوج لیکر زردشتیوں سے صحت آرا ہوا، اور مارا گیا،

سن ۵۳۱ء میں قبا و کی جگہ خسرو نوشیرواں نے لی، ایرانیوں میں اس کی عدل پروری اور شہور ہے، مگر اس کو یہ مبارک لقب اپنے عزیزوں اور افسروں اور ہزاروں بے گناہوں کے قتل کے بدولت ملا، مزدکی فتنہ کو اس نے تلوار کے زور سے دبانا اور اورشیں زردشتی کو دوبارہ فروغ دینا چاہا مگر خود اس کا بیٹا نوشیرواں تہمت پرستی کی طرف مائل تھا، اس کے پادشاس میں قید ہوا، عہد سے بھاگ کر ایک عیسائی فوج لیکر زردشتیوں سے صحت آرا ہوا، اور مارا گیا،

۹۷۵ء میں نوشیروان نے وفات پائی، اور ایران کا پایہ تخت، ہرمز چہارم کے حصہ میں آیا، رنجبار کی دست اندازیوں کے ساتھ اندرونی بد نظمی، اور باہمی خانہ جنگی، بادشاہوں کی تفریق شکاری اُمراء کی پیش پستی اور عوام کے اخلاقی انحطاط میں برابر ترقی ہی ہوتی گئی، یہاں تک کہ ۶۳۶ء میں مجاہدین اسلام کی فتح مذہبی کے طوفانی مصر کے سامنے کفارس کی بیٹھاتی بنی شمع ہمیشہ کے لئے کھجی اور پرکے بیانات سے معلوم ہوا ہوگا کہ ایران کی سرزمین نغمہ توحید کی کبھی گوش آتش نہیں ہوتی، افلاق کے سعد و ابواب ہیں، جو ان کے آئین میں کبھی داخل نہیں ہوئے، یزدان و اہرن، نور و ظلمت اور خیر و شر کی بھول بھلیوں نے ان کو ہمیشہ سرگردان رکھا، حکومت اور شاہی کے متعلق ان کا تخیل خدائی کا ہم تر تھا، اسلام و فارس کی جنگ میں مغیرہ بن شعبہ مسلمانوں کی طرف سے سفیر بن کر جب سپہ سالار ایران کی بارگاہ میں گئے، اور آزادی کے ساتھ جا کر اس کے برابر بیٹھ گئے، تو ایرانی امیروں کو اس میں اپنے نائب سلطنت کی توہین نظر آئی، اور مغیرہ کو سامنے سے ذلت کے ساتھ اٹھا ڈالا، انھوں نے جو اس میں کہا ہم عربوں کا یہ دستور نہیں کہ ایک خدا بن کر بیٹھے، اور دوسرے اس کے سامنے غلامی اور بندگی کریں،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے تقریباً ڈیڑھ صدی پیشتر سے ایران میں جس قسم کا سیاسی انحطاط شروع ہو گیا تھا، وہ روز بروز بڑھتا ہی گیا، اس سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ فارس کے روحانی آئیندہ میں اب زندگی کی کوئی چنگاری باقی نہیں رہ گئی تھی، اسی لئے جب اسلام کا نور طلوع ہوا، تو اس کے شیعہ کے لئے کوئی دوسرا پڑھ بیچ میں حائل نہ ہوا، سر جان ملکم جن کا یہ مسیحی تعصب

۱۷۷۷ء، مطبع بریل،

عساکر اسلامی کو ان کی زبان سے قزاقانِ عرب کا لقب دلوانا ہوا فتحِ فارس کے متعلق حسبِ ذیل
رائے دیتے ہیں،

”یزدجرد ثالث کا عہدِ حکومت اسلئے یادگار ہے کہ اسی زمانہ میں فارس کی قدیم شہنشاہی کا تختہ
برہنہ تن سوسہار خوارون کے ایک دستہ نے الٹ دیا کہ اسی تختہ آئینہ لقب کیساتھ عربِ قبائل کے
یہ مغرور ہمسایہ ان کا ذکر کرتے تھے اس انقلابِ عظیم کی علت کو فی مہولی سبب نہیں ہو سکتا۔
فارسی مورخین کچھ تو اپنے حبِ وطن اور کچھ اپنی دہم پرستی کی بنا پر اس واقعہ کو ایک معجزہ عظیم
خیال کرتے ہیں جس کے ذریعہ سے خدا نے محمد کی صداقت کو ظاہر کر دیا، لیکن جو لوگ دنیاوی حشیت
سے اس واقعہ پر غور کرتے ہیں، انہیں فوراً نظر آجاتا ہے کہ فارس کی ایسی سلطنت جو عیش پرستی
کے ہاتھوں لاغر و نحیف ہو چکی ہو جس میں اندرونی مناسبات کے باعث بظلمت بھلی ہوئی
ہوں جو بیڑنی محاربات سے یکسر خستہ و ناتوان ہو اور جو اپنی کبر سنی اور نقاہت سے تیز ذوال
کی جانب خمیدہ پشت ہو، اس کے لئے پرچوش قزاقانِ عرب کی مدافعت کرنا سخت دشوار تھا“

مگر سوال یہ ہے کہ پاک نژاد ساسانیوں کی خشکی و ناتوانی، نقاہت و کمزوری قزاقانِ
عرب کی ترقی کی کیوں تمہید بنی؟ کیا نئے عربوں کے پاس اس سے زیادہ سامانِ جنگ اور پیہ
تھے جو عراق و ایران کے اخیر اخیر معرکوں میں بھی ایرانی عربوں کے مقابلہ میں لاتے رہے، واقعہ
یہ ہے کہ زرتشت کی آگ میں اب گرئی نہیں باقی رہی تھی، نور و ظلمت، خیر و شر نیکی و بدی کے
فلسفہ نے ایران کی ہر قسم کی عملی طاقت فنا کر دی تھی، یزدوان اور اہرمن کی دو عملی حکومت نے
روحانی امن و امان کی سلطنت برباد کر دی تھی، بیسیوں چھوٹے بڑے فلسفیانہ مذہبی فرقے

یہ حکم صاحب کی
آواز سے ایران بند
اول سن ۱۲۳

پیدا ہو گئے تھے جن میں سے اہم مانوی فرقہ تھا جو عیسائیت اور مجوسیت کا مجموعہ مرکب تھا۔
 آخر میں فرقہ کی بہیمانہ تعلیم نے ایران کی اخلاقی روح کو اور بھی موت کے قریب کر دیا تو شیروان
 نے ملواریوں کی فوج سے اس فرقہ کو دبا دیا اور اس کے صلہ میں بادشاہ عادل و دادگر کا خطاب بھی
 پایا تاہم ایران کی روحانی زندگی ان خون کے چھینٹوں کے بعد بھی اسی طرح تشہل رہی جس طرح
 پہلے تھی اور منتظر تھی کہ دنیا کے خشک صحرا سے عسکری چشمہ ابل کر ادھر آئے تو وہ اپنی پیاس بجھا
 عیسائی روم | آغاز اسلام کے وقت میں قدر ایران کے جسمانی و روحانی شہنشاہی کے اور اقمنت
 و پرانہ تھے روم کی قبائلی سلطنت اس سے کچھ کم کرم خوردہ نہ تھی حالانکہ یہ وہی روم الکبریٰ
 جو یونان کے زوال کے بعد دنیا کی سب سے بڑی سلطنت بھی جاتی تھی اور جس کے ایک تاجدار جو
 سیر کا نام ہمیشہ کے لئے قیصر کی صورت میں بادشاہ و شہنشاہ کے مراد بن گیا حضرت عیسیٰ
 علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی سلطنت میں مبعوث ہو کر دنیا کو امن و سلامتی کا پیام بنا کر رخصت ہوئے
 ان کے رفع و صعود کے بعد ہی ان کے شاگردوں میں فرقہ آراسیان شروع ہوئے اور بالآخر پانچ
 نے جو ایک نو عیسائی یہودی تھا اس طرح عیسائیوں پر غلبہ پایا کہ اس کے بدعات کی جان
 میں اصلی عیسائیت ہمیشہ کے لئے دفن ہو گئی اور باپ بیٹے روح القدس کا شرکاء اختیار اس میں دخل
 ہو گیا اور توراہ جس کا کوئی نقطہ خود حضرت عیسیٰ بھی مٹا نہیں سکتے تھے وہ ان کی روحانی شاگردی کے
 (عیسائی) کے ہاتھوں ہمیشہ کے لئے لٹ کر رہا پائی، ۳۲۵ء میں رومی سلطنت کے مشرقی و مغربی
 تفصیل کے لئے فرسٹ ابن نایم دیکھو صفحہ ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱

دو حصے ہو گئے، مشرقی حصہ کے تاجدار قسطنطین اعظم نے عیسائی مذہب اختیار کیا، اور رفتہ رفتہ پوری
 رومی حکومت میں یہ مذہب پھیل گیا، مگر درحقیقت اس مشرقی تاجدار روم کے اس قبول مذہب
 کا جذبہ اخلاص و صداقت سے زیادہ سیاست اور سلطنت کی مصلحت پر مبنی تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ
 اس باب بیٹے اور روح القدس کی تثلیثی الوہیت میں ہر نیا تک جو فتح ہوتا، اس کا دیوتا کسی
 اور کسی نام اور رسم سے اس مذہب میں شامل ہو جاتا، تخت سلطنت کے غیر متوقع حصول نے مذہبی
 خاکساروں میں یہ جو عملہ پیدا کر دیا کہ کلیساؤں نے مذہبی شہنشاہی کا خواب دیکھنا شروع کر دیا
 اس کے لئے عقائد کی وہ لڑائیاں کھڑی کی گئیں کہ شاہانہ سایہ میں بیٹھ کر کہ منلوں نے خدا کے دن
 کا خاکہ تیار کیا، اتحاد اور اجتماع کی ہر نئی کوشش نئی مذہبی تفریق کا پیش خیمہ ثابت ہوئی، اور ایک
 عیسوی مذہب کے ایک صدی کے اندر اندر مسیویں فرقوں میں تقسیم ہو گیا،
 ۳۲۴ء میں قسطنطین کی وفات پر مذہبی خانہ جنگیوں کے ساتھ ساتھ رومیوں کی سیاسی خانہ
 جنگیوں کی زیر فاکسٹرک بھی زور شور سے شملہ زن ہوئی، اعیان سلطنت میں مختلف گروہ بنیاد
 ہو گئے، اور باہمی نفاق اور فتنہ و فساد کا بازار گرم ہو گیا، بالآخر سلطنت روم مختلف صوبوں
 میں تقسیم ہو کر مختلف دعویداروں حکومت کے حصہ میں آئی، ناقابل فرمانرواؤں کی کمزوری
 دیکھ کر ایک طرف گوتھ، وینڈال وغیرہ بعض وحشی قوموں نے حملے شروع کئے، اور دوسری طرف
 خود ورنفادہ صوبوں کی رعایا بغاوت پر آمادہ ہو گئی، نتیجہ یہ ہوا کہ پانچویں صدی عیسوی کے آخر
 میں سلطنت روم کا مغربی بازو برطانیہ، فرانس وغیرہ پر مشتمل تھا، بالکل کٹ گیا، اور خود روم کا
 شاہ گین کی تاریخ ذوال و انقطاع سلطنت روم جلد اول ص ۴۸۸، ۴۹۱،

دار الحکومت و شمنون کے حملوں سے محفوظ نہ رہ سکا، اس وقت یعنی پانچویں صدی کے برج میں لوگوں کو صاف نظر آ رہا تھا کہ ان کے مورث اٹلی نے جو بارہ کرسون کو خواب میں دکھایا تھا اور جس کی بناء پر اس زمانہ کے کامیون نے پیشگوئی کی تھی کہ یہ سلطنت بارہ صدیوں تک قائم رہے گی، اب اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا وقت آگیا، مورخ گین اس زمانہ کی تصویران نظموں میں لکھتا ہے :-

”اس پیشگوئی نے جس پر اس قوم نے اپنے عروج و اقبال کے زمانہ میں کبھی اعتنا بھی نہ

کی تھی، اب بارہ صدیوں کے خاتمہ پر جب کہ ہر طرف سے ذلت اور بد قسمتی کا سامنا تھا، اہل روم

کو یہ ساری چیزیں بات سے پر کر دیا۔۔۔ لیکن ان کے زوال کی علامتیں کرسون کے خواب سے زیادہ واضح

و نمایاں موجود تھیں، رومن حکومت مخالفین کی نظروں میں روز بروز زیادہ کمزور اور خود اپنی ٹاپا

کی نظر میں زیادہ ظالم اور ناقابل برداشت ہوتی جاتی تھی، کفایت شعاری جتنی زیادہ ضروری

ہوتی جاتی تھی، اسی نسبت اسکی جانب بے اعتنائی بڑھتی جاتی تھی، اور جس نسبت یہ پایا

کے مصائب روز افزوں تھے، اسی نسبت کس میں اضافہ ہوتا جاتا تھا،“

امرا نے اپنے مصارت کا بار بھی عام رعایا پر ڈالنا شروع کیا، جس کے باعث وہ اپنی قلیل

آمدنی سے بھی محروم ہو گئی، محصول کی عدم ادائیگی کی صورت میں رعایا پر اس قدر چبکریا جاتا تھا کہ

اس کے دل میں حکومت کی طرف سے نفرت پیدا ہو گئی، یہاں تک کہ وہی رومن قوم جو کبھی

اپنے اس لقب پر فخر کرتی تھی، اب اپنے کو اس قوم کی طرف منسوب کرتے شرمناک اور رومن

حکومت پر ہر دہشتی سے وحشی سلطنت کی محکومیت کو ترجیح دینے لگی، امراء، وزراء اور سلاطین خود

لے گین کی تاریخ زوال و انحطاط سلطنت روم جلد دوم باب ۳۶ و باب ۳۸ سے ایضاً ۴۱،

اپنی ماعتبت اندیشیوں سے رعایا کو اپنا دشمن بناتے، اور جب بناوت ہوتی تو فوج کشتی کرتے اور
 کام رہتے، غرض اندرونی بد نظمیوں سے ملک کی یہ نوبت پہنچی گئی تھی کہ گبن کے اہلکارین
 ”اگر اس وقت روم کے تمام بیرونی دشمنی مخالفین فنا بھی ہو جاتے، تو ان کی مجموعی معروضت
 بھی سلطنت کے مغربی بازو کو زوال و بربادی سے نہیں بچا سکتی تھی“

پانچویں صدی کے خاتمہ پر مغربی حصہ کے نکل جانے کے بعد مشرقی صوبوں تک یعنی وینو
 سے لیکر وجلہ و نیل تک کی سرزمین روم کے ماتحت رہ گئی تھی، لیکن اس کی حالت بھی روز بروز
 نازک سے نازک تر ہوتی جاتی تھی، مورخین کا بیان ہے کہ رومن فوج کی مجموعی تعداد جو ایک زمانہ میں
 ۶۴۵۰۰۰ تھی، اب شاہ حبشین کے زمانہ میں (یعنی ۵۲۷ء) گھٹ کر ایک چوتھائی سے بھی کم یعنی
 ۱۵۰۰۰۰ رہ گئی تھی، اور وہ بھی نہایت متفرق و اہتر حالت میں رعایا کی بچپن خانی تھیں فوج
 کی تنخواہیں چڑھی ہوئی تھیں، اور امراء و اعیان سلطنت اپنے ذاتی مہارت کے لئے ہر طرح
 کے جمل و فریب، رشوت ستانی، اور لوٹ مار کو جائز رکھتے تھے، فوج میں یون تو بہت
 سے سپاہیوں کے نام لکھے ہوئے تھے، لیکن میدان جنگ میں جانے کے وقت بہت گھٹے
 لوگ تیار ہوتے، فوجی افسرن جنگ کے بجائے اپنا وقت باہمی حدود رقابت میں صرف کرتے
 اور ہر افسر کی یہ کوشش رہتی کہ دوسرے افسر کی بدنامی و ذلت سے فائدہ اٹھا کر خود ترقی و
 منصب حاصل کرتے،

اندرونی بد نظمیوں پر مستزاد یہ تھا کہ بیرونی غنیمتیں روم کو ایک دم کے لئے چھین گئے

گبن کی تاریخ زوال و انحطاط سلطنت روم، جلد دوم ص ۶۱ ۶۲ حوالہ مذکور جلد ۳ ص ۱۱۳

نہیں دیتے تھے، روم و فارس کے درمیان مدت سے لڑائیوں کا ایک غیر منقطع سلسلہ جاری تھا، پھر لیبیا، آسٹریا، گوتھس، وینڈلس وغیرہ کے پیم حملے روم کی رہی سہی قوت کو اور بھی پامال کر رہے تھے،

الغرض چھٹی صدی عیسوی کے خاتمہ پر یعنی خاتم النبیین ﷺ کی ولادت تو دو چار سال بعد روم تقبول گنہ کے اپنے زوال کے پست ترین نقطہ تک پہنچ گیا تھا، اور گنہ کی زبان میں اس کی مثال بعینہ اس عظیم الشان درخت کی ہو گئی تھی جس کے سایہ میں ایک وقت تمام اقوام عالم آباد تھیں، مگر اس پر ایسی خزان آئی کہ برگ و بار کے ساتھ اسکی شاخیں اور ٹہنیاں بھی زحمت ہو گئی تھیں اور اب خالی تنہ خشک ہو رہا تھا خود پایہ تخت کے اندر غنیم کے گھس آنے کا ایسا خوف تمام آبادی پر چھایا ہوا تھا کہ تقریباً کل کاروبار بند ہو گئے تھے، وہ بازار اور تماشگااہن جہاں دن رات چل پھل رہتی تھی اب ویران اور سنسان پڑی تھیں عیش پرستی کا یہ عالم تھا کہ لوگ ایک عرصہ سے آہل کے بجائے تیرے کی زندگی زیادہ پسند کرتے تھے، آکہ زیادہ آسانی اور آزادی کیساتھ اپنے شہوانی جذبات کی کشش کر سکتے ملک کی عام سیاسی و اخلاقی حالت سے قطع نظر کر کے جب ہم مذہبی پہلو پر نظر کرتے ہیں تو اس سے بھی زیادہ دلخراش تصویر نظر آتی ہے، بہت پرستریا کو چھوڑ کر جو ستاروں و یوتاون اور تون کی پوجا میں بدستور مصروف تھی، اور لوگ جنھوں نے عیسائیت قبول بھی کر لی تھی، وہ بھی باپ، بیٹا، روح القدس، اور مریم کی خدائی کے متفقہ تھے، حضرت عیسیٰ اور مریم و روح القدس کی شخصیت اور مرتبہ کی تعین نے بیسیوں فرقے پیدا کر دیئے تھے جن میں زبانی مناظرہ کی گزر گئی

اس کے بعد
م

یہی حالت ان تمام ملکوں کی تھی، جہاں رومیوں کے زیر سایہ عیسوی مذہب پھیلا ہوا تھا، یعقوبی،
سنطوری، اور دوسرے فرقے جو سرکاری عیسوی مذہب سے الگ تھے، وہ دور دراز صوبوں
ملکوں میں اپنی پناہ ڈھونڈتے تھے، انیس کی کونسل کے بعد ایوس اور اس کے حریفوں میں جو
سکر آرمینیا ہوئے، انھوں نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ شہزادہ امن کا مذہب ان صوبوں
کے ہاتھوں تباہ و برباد ہونے سے بچ نہیں سکتا،

مطرباس، جو پیغمبر اسلام کو نفوذِ ہائے بہت بڑا مکار قرار دیتے ہیں اپنی تاریخِ مذہب
میں ضمناً ایک موقع پر تحریر کرتے ہیں :-

”اس نازک موقع پر (یعنی ظہورِ اسلام کے وقت) ان بے باکانہ بدعات درمیان جو
چرچ کو نجس کر رہے تھے، اور خلفائے اس غیر منقطع سلسلہ کے درمیان جو چرچ میں ایک ٹپل
ڈالے ہوئے تھے، اگرچہ مشرق میں اصلی مسیحیت کی شعاع نظر آتی تھی لیکن بہت ہی مدہم ازم
کے قیروں کی قوت کچھ تو اندرونی نزاعوں اور کچھ بیرونی حملوں کے باعث اپنی بنیاد سے
اکھرا کر تفرقہ کی طرف تیز رفتاری کے ساتھ جا رہی تھی، یہود بے صبری کے ساتھ کھلی کے اس
حقیر شخص کے مذہب پر نظر کر رہے تھے جس کے وین کو اب شاہِ سبطین کے مسیحی ہو جانے کے
بعد پوری شان و شوکت اور شہابی عظمت حاصل ہو گئی تھی، اور ہر اس تحریک کی مدد کیلئے
تیار تھے، جو ایسے قابلِ نفرت مذہب کا خاتمہ کرنا چاہے۔۔۔ اہلِ فارس نہایت غیظ و
کیسا تھا ان پرچوش و ناراض اور تمذیبیوں کو دیکھ رہے تھے جنہوں نے مہودائش شمس کی
بے حرمتی کی تھی، اور شرک کی ساری دنیا اپنے برباد شدہ مہودوں اور ڈھلے ہوئے معبودوں

ماتم کر رہی تھی، اُن کے انتہائی کم کے لئے آمادہ اور مستعد تھی،

مارس صاحب واقعات کی نقشہ کشی میں خواہ کتنا ہی سچی رنگ بھرن لیکن نفس واقعات

کی صحت اُن کو شاید ہم سے بھی زیادہ مسلم ہے،

بہر حال مورخین کا بیان ہے کہ تیسری صدی سے لے کر ساتویں صدی تک مسیحیت

کی جو حالت رہی ہے، وہ اس کے لئے باعثِ ننگ ہے، مشرق کا نہ موسم نے مذہب کی

لے لی تھی، اہل رومی بت پرستانہ عقیدوں نے مسیحی مذہب کا روپ بھریا تھا حضرت مسیح

کے ناسوتی اور لاپوتی دو عنصروں کی تحلیل، سحر کو قابو میں لا کرنے کے لئے کی گئی جس سے حضرت

مسیحؑ کا وہی ایک ہوئی تعلیم ہمیشہ کے لئے اُن کے مذہب سے مت گئی، ضعیف الاعتقاد ہی اس

اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ قبر پرستی عام ہو گئی تھی، اور ہر بڑے پادری سے اس کی وفات کے

بعد وہ مانگی جاتی تھی، ایک شام میں جو بڑے پادری اور بطریق تھے، اُن کے معتقد اُن کو سجدے

کرتے تھے، مسیح و مریم، روح القدس اور عواریین اور مسیحیت کے دیگر ساطین کے مجسمے بنا کر اُن کی

پرستش اس کثرت سے ہونے لگی کہ اُس کی نظیر زمانہ مابعد کے رومن کیتھولک فرقہ کی بت پرستی

میں بھی نہیں ملتی،

بیل صاحب ترجمہ قرآن کے دیباچہ میں لکھتے ہیں :-

گر جا کے پادریوں (C/ERC) نے مذہب کے ٹکڑے کر ڈالے تھے اور

محبت اور نیکی کو منقود کر دیا تھا، اس مذہب کے بھول گوتھے اور اُس کے متعلق اپنی خیالی باتوں

لے، اس کی تاریخ ہندوستان جلد اول ص ۱۱۱ سنن ابن ماجہ باب حق الزوج علی المرأة بلہ سل صاحب انگریزی

ترجمہ قرآن، مقدمہ ص ۱۱۱ و ۱۱۲،

پر جھگڑتے تھے، اسی تاریک زمانہ میں اکثر وہ توہمات جو رومن چرچ کے لئے باعثِ تنگ
ہیں، مذہبی صورت میں قائم کئے گئے، خصوصاً ولیوں اور محبوں کی پرستش نہایت بے شرمی
سے ہونے لگی۔

نیس کی کاؤنسل کے بعد مشرقی چرچ روزانہ کے مناظرات میں مشغول ہو گیا، اور
ایرینس سلینس، نسطور نیس، اور یوسٹینیس کے جھگڑوں میں ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا، انصاف
علائیہ فروخت کیا جاتا تھا، اور ہر طرح کی بدعنوانیاں ہوتی تھیں،

مغربی چرچ میں ڈائیس اور اسیسیس نے بپ کی جگہ حاصل کرنے کیے، قتل تک
ذبت پہنچاوی، اور آخر ڈائیس کی فتح ہوئی، اس موقع پر کہا جاتا ہے کہ مسی نیس
(Sicinius) کے گرجا میں ۔۔۔ ایک روز تین، ۳۱۱ء، آرمی قتل کئے
ہوئے پائگئے، اور کوئی حیرت نہیں کہ یہ لوگ ان جھون کے اس قبرستان میں ہوتے تھے اسلئے
اس ذریعہ سے ان کو گران ہاتھ ملتے تھے، اپنی کاڑیوں پر نہایت ترک و احتشام سے بھلتے
تھے، اور ان کے دسترخوان پر بادشاہوں سے زیادہ شان و شوکت ہوتی تھی،

ان مناقشات کا سبب زیادہ تر شاہ شاہ ہوا کرتے تھے، جسٹین کے وقت میں حالت
اور زیادہ خراب ہو گئی، اس کے نزدیک اپنے عقیدہ کے مخالفوں کو مار ڈالنا کوئی بزم ہی
بادشاہوں اور پارلیون میں سقاؤ اور اخلاق کی جو خرابیاں پھیلی ہوئی تھیں، اس کا
لازمی نتیجہ تھا کہ عوام کی حالت بھی مبتذل ہو گئی، ان کا مقصد صرف روپیہ پیدا کرنا رہ گیا،
خواہ کسی ذریعہ سے ہو اور اس روپیہ کو وہ نفاست اور عیاشی میں اڑاتے تھے۔

عقائد کی خرابی کے علاوہ مردم اور فارس کی سلطنتیں بھی کمزور ہو گئی تھیں شہنشاہ قسطنطین کے بعد روم کی سلطنت روز بروز کمزور ہوتی گئی، عام طور سے اُس کے نشیون زدلی اور مظالم کھینے مشہور تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تک ملک کا مغربی حصہ گاتھ لوگون (GOTHs) نے روند ڈالا تھا..... یونانیوں کی پیش پسندی اور اخلاقی خرابیوں نے ان کی قوت کو زائل کر دیا تھا۔
رومیوں نے عیسوی مذہب کو جس صورت میں قبول کیا تھا، اس کی تصویر ڈریسپر کے الفاظ میں حسب ذیل ہے،

”دونوں (عیسائیت اور بت پرستی) کی باہمی کشمکش کا یہ نتیجہ ہوا کہ دونوں کے اصول شیر شکر ہو گئے اور ایک نیا مذہب پیدا ہو گیا جس میں بت پرستی و عیسائیت دونوں کی نشان پہلو پہلو جلوہ گر تھیں..... جون جون زمانہ گزرتا گیا، وہ مذہبی عقائد جن کی تفصیل پہلے نے بیان کی ہے متغیر ہو کر ایک عام پسند گرا پایہ اخلاق سے گرسے ہونے مذہب کی شکل اختیار کرتے گئے، ان عقائد میں قدیم یونانی اصنام پرستی کا عنصر مخلو ہوا ہو گیا،... عقیدہ تثلیث، قدیم مصری روایات کے سانچے میں ڈھال لیا گیا،... مریم خدرا کو تو خدا کی ماں کا لقب دیا گیا۔ اسی زمانہ میں ایک گروہ مری کے نام سے پیدا ہوا، جو حضرت مریم کو بھی شریک ٹوٹ کر کے بکاسے قائم ٹھانڈے کے آقا نیم اربو کا اعتقاد رکھتا تھا جس کی ترویج قرآن پاک نے مورہالی کمران میں فرمائی ہے اسی کے ساتھ اور بہت سے معتقدات روحی بت پرستوں سے لیکر عیسائیت میں داخل کئے گئے، اور نام بدل بدل کر روحی بت پرستوں کے دیوتاؤں کے رسوم

۱۔ معرکہ مذہب وراثت، ڈریسپر ص ۶۲، ۶۳ ایضاً ص ۶۵، ۶۶،

مقدس عیسائی کلیساؤں میں جگہ پانے لگے، اور ان مسائل میں نیکوں کے اختلافات باہمی نہایت شد و بد سے پیدا ہوئے، یہاں تک کہ ان مذہبی مناقشات کے تصفیہ کے لئے حکومت کو با دست اندازی کرنا پڑتی تھی، رفتہ رفتہ رشوت ستانی کا بازار گرم ہو گیا، اور یہ حالت ہو گئی کہ جو شخص کسی بڑے دنیاوی عہدہ دار کے پاس جتنا رسوخ و تقرب حاصل کر سکتا، اسی نسبت سے اس کو بڑی دینی خدمت مل جاتی ہے۔

یہ تو مسیحی دنیا کے مشرقی حصہ کا حال تھا، مغربی حصہ کی حالت اس سے بھی زیادہ خراب تھی، یہاں رومن امپائر کی ماتحتی میں مذہبی مناصب کے لئے کشت و خون ایک عام معمولی واقعہ تھا، یہاں تک کہ بعض دفعہ مسیحیوں کی تعداد کسی سخت خونریز جنگ کے مقتولوں کے مساوی پہنچ جاتی، چنانچہ ایک مرتبہ جب ایک اعلیٰ مذہبی عہدہ کے لئے دو پادریوں کے درمیان مقابلہ ہوا، تو صرف ایک دن میں ۱۳ آدمی کام آئے، اس سفاکانہ جدوجہد کا باعث صرف یہ تھا کہ اس زمانہ کے مذہبی عہدے، اکتسابِ زرہ حصولِ لُذائذ اور کسبِ جاہ کے بہت بڑے ذرائع تھے، چنانچہ نفیس غذائیں پادریوں کے دسترخوان پر رہتی تھیں، اتنی بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں ہوتی تھیں۔

سلاطین اور مذہب کے حامین کے اخلاق کا پر تو عام رجا اور پیروں پر لازمی طور پر برتاؤ نتیجہ یہ ہوا کہ براعظمتی، اسراف اور ہوس پرستی، مسیحی دنیا کی آفت ہو، اس میں سرایت کر گئی، لوگ ہر طرح کے ناجائز وسائل سے روپیہ کماتے اور کمالِ بیداری کیساتھ اپنے مسرفانہ امور و عیاشی میں اڑا ڈالتے۔

۱۷۰۰ء میں صاحبِ کائنات نے قرآنِ مقدس ص ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵

یونان نے ایران کے بعد درجہ بدرجہ مغربی سہمہ دارون نے اپنی اپنی جگہ پر شہنشاہانہ سبک
 نمدائی کے اختیار اپنے ہاتھ میں لے لئے تھے جو زمین پر کھولتے تھے، وہ آسمان پر کھولا جاتا تھا
 اور جو یہاں بند کرتے تھے، وہ وہاں بھی بند ہو جاتا تھا، قرآن مجید نے ان کی اسی حالت کا ذکر
 اس آیت میں کیا ہے کہ اِنَّا نَحْنُ وَالْحَبَارُ وَرُحُبَا لِنَهْدِ اَرَبَا بَا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ اَنَّهُمْ
 نے خدا کو چھوڑ کر اپنے مانوں اور وریشوں کو اپنا خدا بنا لیا تھا،

دینداری کا سب سے اہم جز تجربہ و کی زندگی، اور رہبانیت تھی، ہر قسم کے آرام و آسائش
 سے جسم کو فرورم کر کے قسم کی تکلیف و عذاب میں اپنے کو تمام عمر متلا رکھنا بہترین عبادت تھی
 کسی نے تمام عمر غسل نہ کرنے کی قسم کھانی تھی، کسی نے اپنے کو دل میں ڈال دیا تھا، کوئی
 اپنے کو بوجھل زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھا، کسی نے سایہ میں بیٹھنے کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا
 کسی نے اپنے کو اندھیری کو ٹھہری میں بند کر لیا تھا، ان باپ عزیز و قریب بل عیال دینداری و تقویٰ
 شکاری کی راہ کے کانٹے تھے، ان سے پرہیز، بلکہ ان سے نفرت کمال تقویٰ سمجھا جاتا تھا، اسی خر گیا جاتا

ہندوستان | دنیا کے ان متمدن ملکوں میں جہاں کوئی با اثر مذہب قائم تھا، ایک ہندوستان
 بھی ہے، ہندوستان کے تمدن کے پانچ مختلف دور گزرے ہیں، ایک اصلی ہندو، ویدک
 جو دو ہزار سال ق م سے لیکر تقریباً چودہ سو سال ق م تک رہا، دوسرا اور جنگ یعنی جس میں
 کورون اور پانڈون وغیرہ کے مناقشات رہے، اور جو چودہ سو ق م سے لیکر تقریباً ایک ہزار
 قبل مسیح تک رہا۔ تیسرا دور عقیدت جس میں حکما و عقلمین کا دور دورہ تھا، اور جو ایک ہزار قبل

سے تاریخ اخلاق یورپ لیکر کی دوسری جلد میں یہ واقعات تفصیل لکھے ہیں

مسیح سے لیکر تقریباً تیسری قبل مسیح کے نصف تک رہا، چوتھا دور بودہ جس میں اس مذہب کا عروج
تقریباً دو ہشتویں پچاس قبل مسیح سے لیکر پانچویں صدی عیسوی کے خاتمہ تک رہا، پانچواں دور پراہگ
جس میں بجائے ویدیاگوتم بدھ کی تعلیمات کے پانوں کی تلقین پر عمل درآمد تھا اور یہ عہد تقریباً
پانچویں صدی عیسوی کے آخر سے لیکر مسلمانوں کے داخلہ ہند تک قائم رہا،

تورخین کا اجماع ہے کہ قدیم ہندوستان کی تاریخ میں سب سے زیادہ وقار یکا و زلفا اس سے
منسوب آخری دور ہے جو تقریباً ششم سے شروع ہوتا ہے اس دور کے نمایاں خصوصیات حسب ذیل
۱۔ شرک جو ابتدا ہی سے ہندوستان کے خمیر میں داخل تھا، اب ہندو اعتدال سے باہر ہو گیا
چنانچہ وید میں جو ۳۳ دیوتاؤں کی تعداد تھی، وہ اب پڑھتے بڑھتے ۳۳ کروردیوتاؤں تک پہنچ گئی،
۲۔ ویدک عہد میں اصنام کی پرستش کا رواج نہ تھا، لیکن اس زمانہ میں مندروں کے انڈ
بنت پرستی علی العموم رائج ہو گئی،

۳۔ مندروں کے محافل میں ادا خدائی کے سرچشمے تھے، جولاکھوں کروردن، ادا تعن پرستش
کرنے والوں کو مذہب کے نام سے خوب لڑتے،
۴۔ ویدک عہد میں ساری ہندو قوم میں یکانگی تھی، لیکن اب ذات پاک کی تفریق شروع
ہوئی جو نظام معاشرت کی تباہ کن تھی،
۵۔ عورتوں کو محکومیت و غلامی کا درجہ دیا گیا،

۶۔ قوانین اس قدر غیر معقول و نامنصفانہ وضع کئے گئے جن سے علانیہ بعض ذاتوں کی پاسداری

۱۵ آری ویت کی ہندوستان قدیم جلد ۳ ص ۲۶۱ ایضاً ص ۲۵۱ ایضاً ص ۲۵۲ ایضاً ص ۲۵۳ ایضاً ص ۲۵۴ ایضاً ص ۲۵۵

دھمیت اور بعض پر جبر و ستم مقصود تھا، مثال کے لئے چند قوانین درج ذیل ہیں،

(الف) برہمن کو کسی حالت میں خواہ وہ کتنے ہی سنگین جرم کا ترکیب رہ چکا ہو، سزا

موت نہیں دی جاسکتی،

(ب) کسی ادبھی ذات کے مرد کا کسی ادبھی ذات کی عورت کیسا تھا زنا کرنا کوئی جرم نہیں،

(ج) کسی بوددا رہبہ کے کسی عصمت دری کی سزا میں کچھ جرمانہ کافی تھا،

(د) اگر کوئی اچھوت ذات کا شخص کسی اعلیٰ ذات والے کو چھو لے تو اسکی سزا موت تھی

(ه) اگر کوئی ادبھی ذات والا اپنے سے ادبھی ذات والے کو ماوسے تو اسکا اعضا قطع کر دینا

چاہئے، اگر اسے گالی دی تو اس کی زبان کاٹ ڈالنی چاہئے اور اگر اسے تعلیم دینے کا دعویٰ کرے

تو گرم تیل اس کے منہ میں ڈالنا چاہئے،

۶۔ باجاؤن کے ٹیل میں بادہ نوشی کثرت سے رائج تھی، اور انہیں اسی حالت خمار

میں جائے عصمت آنا ڈالی تھیں،

۷۔ شاہراہوں پر آوارہ گرد و جرم پیشہ افراد کا مجمع لگا رہتا تھا،

۸۔ خدا کی تلاش آبادیوں اور بازاروں میں کرنے کے بجائے جنگلون اور پہاڑوں میں

کی جاتی تھی، جسم کو سخت سخت ایذا اور تکلیف ان کی بہترین عبادت تھی،

۹۔ اوہام و خیالاتِ فاسدہ، بھوتوں، پستوں، اور سینکڑوں قسم کے ظنون و اوہام

مذہب تھا، اور آسمان سے لیکر زمین تک ہر چیز ان کا خدا تھی اور ہر ایک کے سامنے سزا دینا

۱۰۔ آریہ اوت کی چند داستانِ قدیم سنو ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹

اُن کا دھرم تھا، بتون، دیوتاؤں، دیسیوں کا شمار اذازہ و قیاس سے باہر تھا، اور اُن کے افسانوں کا گیت اُن کا ترانہ حمد تھا، ظہور اسلام کے بعد بھی جو عرب سیاح یہاں آتے رہے، انھوں نے پیشا کرنے والے جوگیوں کے وہ دردناک حالات لکھے ہیں جن کو پڑھ کر اُن کی حالت پر رحم و افسوس آتا ہے، اور اسی طرح وہ عرب سیاح جو سندھ اور دکن کے شہروں اور ساحلوں سے گزرے ہیں، انھوں نے معبدوں میں پجاری عورتوں اور دیوادیوں کی جو اخلاقی کیفیتیں لکھی ہیں، وہ حد درجہ شرمناک ہیں، اور اس سے زیادہ شرمناک یہ ہے، کہ یہ سب خدا کی خوشنودی، اور مذہبی عقیدہ کے رو سے انجام دیا جاتا تھا،

عورتیں جو ان میں ہاری جاتی تھیں ایک عورت کے کئی شوہر ہوتے تھے، ہویہ ہویہ کی زندگی کی ہر لذت سے عمر بھر کے لئے قانوناً محروم کر دی جاتی تھیں، اور اسی لئے شوہر کے مرنے پر بعض عورتیں زندہ در آتش ہونا پسند کرتی تھیں، لڑائی میں شکست کے خوف کی صورت میں اُن کو خود اُن کے باپ بھائی اپنے ہاتھوں سے قتل کر ڈالتے تھے، یہاں کے بعض فرعون میں عورتیں مرد کو، اور مرد عورتوں کو ٹانگا کر کے اُن کی پوجا کرتے تھے، اور نہایت شہواروں میں شراب پی بیکرے جیسے بدست ہوتے تھے کہ پیرا نہیں مان ہیں، بیٹی اور اپنی پرانی کی تیر باقی نہیں رہتی تھی، اور اس کو وہ نیکی کا کام سمجھتے تھے، شہزادوں کے نام سے ایک پوری قوم کی قوم اسی غلامی میں مبتلا تھی کہ تعلیم و تربیت، تہذیب و اخلاق اور دین و ایمان ہر چیز سے محروم رہتا اس کا فرض تھا

۱۸۳۳ء دیکھو بوزید سیرانی کا سفر نامہ ص ۱۱۵ پیرس آثار البہد قزوینی ص ۱۱۵ سفر نامہ بوزید ص ۱۱۵ و حسن القاسم مقدسی

۱۸۳۳ء مہاراجا کے نقشہ کا آغاز پڑھو گئے ستیا رتھ پکاش مولاس گیارہ صفحہ ۳۴۱، ۳۴۲ مطبوعہ سیدک شیم پریس لاہور ۱۹۱۵ء

وید کی آواز بھی اس کے کان میں پڑ جائے تو اس میں سیسہ گھلا کر ڈال دینے کا حکم تھا،
 راجاؤں کی بیویوں کی کوئی تعداد قانوناً مقرر نہ تھی، قانون کی بنیاد مساواتِ نسائی
 پر نہیں بلکہ ذاتوں پر تھی، عورتیں فروخت کی جاتی تھیں،

اس مختصر خاکہ سے معلوم ہوا ہو گا کہ بد اسلام سے ایک صدی پیشتر سے دیوتاؤں
 کی چیم بھوی بھی شیطانوں کے اس جال میں گرفتار تھی جس کے شکار فارس و روم ہوتے
 ہیوں دنیا کی آبادی اور اصلاح کی سبب زیادہ اُتیا اس قوم سے ہو سکتی ہے، جو سام کی اولاد
 میں سے پہلے وحی الہی کی امانت دار تھی، اسی لئے قرآن نے ان سے کہا **اَوَلَا تَكْفُرُوْا اَوَّلَ**
کَافِرِيْہِمْ (نُحُرۃ - ۵) اور سب سے پہلے تم ہی پیغام الہی کے منکر نہ بنو، مگر یہ قوم سخت جانی کے
 ساتھ سنگدل بھی ثابت ہوئی، اُس نے پتھروں کے سینوں کو پھٹتے اور ان کی چھاتیوں سے
 پیسے پانی کا دودھ بہتے دیکھا اور پیا، مگر پھر بھی اُس کے سینہ کا دل پتھر ہی رہا، قرآن اپڑتا میں **سُكُوْطُنہٗ**
نَجْمِيْ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشْدَّ نَجْمًا ان کے دل پتھروں کے مانند بلکہ ان سے

(نُحُرۃ - ۹) بھی بڑھ کر سخت ہیں،

اُس نے مختلف زبانوں میں اپنے پیغمبروں کو بھیلا یا ان کو تکلیف دین دیں، بلکہ ان کو قتل تک
 کر ڈالا، حضرت موسیٰ اور ان کے بعد کوئی پیغمبر ان میں ایسا نہ آیا جس نے ان کی سنگدلی کا ماتم
 نہ کیا ہو، اور ان کی سرکشی پر ان کے حق میں بددعا نہ کی ہو، چنانچہ قرآن مجید نے کہا،

لَعْنَةُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِي

بَنِي اِسْرٰٓئِيْلَ مِنْ سَبْحٰنِیْنَ

اِسْرٰٓئِيْلَ عَلٰی دَاوُدَ وَعِیْسٰی

پرواؤ اور مریم کے بیٹے عیسیٰ کی زبان سے لعنت

۱۴
۵
۶

زبورہ میں ہے،

”اے میرے لوگو! سنو کہ میں تجھ پر گواہی دوں گا، اے اسرائیل! اگر تو میری سنے کا تو پتہ
درمیان کوئی دوسرا مہبود نہ ہو تو کسی اجنبی مہبود کو سجدہ نہ کرنا، خداوند تیرا خدا میں ہوں جو
مصر کی سرزمین سے باہر لایا، اپنا منہ کھول کہ اسے بھردوں گا، اے میرے لوگو! میں نے میری
آواز پر کان نہ دھرا، اور اسرائیل نے مجھے نہ چاہا تب میں اُن کے دل کی رکشی کے بس میں چھوڑ دیا

بہت سے بنی اسرائیل جو حضرت داؤد سے باغی ہو کر لڑنے پر آمادہ تھے حضرت داؤد
نے اُن کے متعلق یہ بدوعالی کہ

”تو وہ خدا نہیں جو شرارت سے خوش ہو، شریر تیرے ساتھ رہ نہیں سکتا، وہ
شہنی باز ہیں، تیری آنکھوں کے سامنے کھڑے نہیں رہ سکتے، تو سبب ہر کرداروں سے عداوت
رکھتا ہے، تو اُن کو چھوٹ بولتے ہیں، انا بود کرے گا..... اے خداوند! اپنی صداقت
میں میرا ہبہ بوز میرے دشمنوں کے سبب میرے سامنے اپنی راہ کو سیدھا کر.....
اُن کے باطن میں سراسر کھٹاپا ہے..... اے خداوند! انھیں ملزم جان کہ ایسا ہو کہ وہ
اپنی مشورتوں سے آپ ہی گرجائیں، اُن کو اُن کے گناہوں کی کثرت کے سبب نکال
پھینک کہ انھوں نے تجھ سے سرکشی کی ہے (زبورہ - ۵)

حضرت عیسیٰ نے بھی انجیل میں بنی اسرائیل کو لعنت کی اور فرمایا،

اسے ریاکار فقیہوں اور فریسیوں پر افسوس کہ تم سنیہ سی پھیری ہو، تم تیروں کے مانند ہو جو
باہر سے بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں، پر پھستروں کی ٹہیوں اور ہر طرح کی ناپاکی سے بھری ہیں

اسی طرح تم بھی ظاہر میں لوگوں کو راست بازو دکھائی دیتے ہیں میں یا کار اور شرارت بھری ہو
 اسے یا کار فقہر اور فرسیوہ تم پر افسوس کیونکہ نبیوں کی قبریں بناتے، اور راست بازو
 کی گورین سنوارتے ہو اور کہتے ہو کہ اگر ہم اپنے باپ دادوں کے دنوں میں ہوتے تو نبیوں کے
 خون میں ان کے شریک ہوتے اسی طرح تم اپنے اوپر گواہی دیتے ہو کہ تم نبیوں کے قاتلوں کے
 فرزند ہو پس اپنے باپ دادوں کا پیمانہ بھرو، اسی سانچو اور اسے سانچوں کے بچو تم
 جہنم کے عذاب سے کیونکر بھاگو گے، (متی ۲۳-۳۴-۳۳)

یعنی یہی الزام قرآن نے بھی ان کو دیا ہے،

وَيَقْتُلُونَ النَّبِيَّ بِغَيْرِ حَقٍّ مَّا ذَلِكُمْ
 بِسَاءِ عَصْوٍ وَإِنَّمَا تُولُوا الْعِتْدَةَ وَإِنَّ (بقرہ)
 قُلُوبَكُمْ لَمَلُوءَةٌ بِمَنَاسِقِ الَّذِينَ كَفَرُوا
 قَبْلُ إِن كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ (بقرہ ۱۱)

اور وہ ناحق پنپیر دن کو مار ڈالتے ہیں
 اسلئے کہ وہ بافرمان اور حد سے بڑھنے والے ہیں
 ہیں کہہ کہ پھر کیوں اللہ کے نبیوں کو پہلے
 تم قتل کرتے رہی اگر تم مومن تھے،

آل عمران میں اس سے بھی بڑھ کر ہر حق کے داعی اور خیر کے مبلغ کے قتل کر دینے کا ان

پر بجا الزام ہے،

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ
 وَيَقْتُلُونَ النَّبِيَّ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ
 الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ الْمَالِ
 فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (آل عمران)

بیشک وہ لوگ جو اللہ کی آیتوں کا انکار
 کرتے اور پنپیر دن کو ناحق قتل کرتے، اور
 ہر اس شخص کی زندگی کے دشمن بناتے ہیں
 جو ان کو عدل و نیکی کی بات سمجھاؤ تو ان کو

سورہ بقرہ وال عمران میں یہودیوں کے ایک ایک عیب کو کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دین و ملت کا توام کتنا بگاڑ گیا تھا، ان کی مذہبی شگدلی اور تعصب کا سب سے دردناک ساتھ وہ ہے، محمد اسلام سے ۱۵، ۱۶ برس پہلے میں پیش آیا یہودی حمیر یوں نے بخران کے عیسائیوں کو گڈھوں میں آگ جلا کر ان میں جھونکٹ یا اور وہ کانٹے سے اس حسرتناک منظر کا تماشا دیکھتے رہی چنانچہ قرآن مجید نے اس پر درد آستان کو ان لفظوں میں غصہ باور کیا

قُلِ اصْحَابُ الْاُحُدِ وَوَالِیُّمَآءِ ذَاتِ

گڈھے والے لوگ مارو گئے، پھر کئی آگ کے

الْوَقُوْدِ اِذْ هُرِّعَتْ عَلَیْهَا فَعُوْدٌ لَّا وَهْمٌ

گڈھے جب وہ عالم ان کے کنارے بیٹھے ایمان

عَلٰی مَا یَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ شِیْءٌ مِّمَّا

والوں کیساتھ جو کر رہے تھے، اسکو دیکھ رہے تھے

وَمَا تَقْتُلُوْا مِنْهُمْ اِلَّا اَنْ یُّؤْمِنُوْا

ان کا گناہی تھا کہ وہ غالب اور خوبوں

بِاللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ، (بروج - ۱)

والے خدا پر ایمان رکھتے تھے،

جزئیات کو چھوڑ کر کلی طریقہ سے ان میں حسبِ قیاس فی نفعانہ تھے،

۱۔ ان کو اپنے محبوب خدا اور خاص خدا کے کنبہ ہونے پر بے انتہا غرور تھا، وہ سمجھتے تھے

کہ ہم کچھ کریں ہم سے قیامت میں مواخذہ نہ ہوگا،

نَحْنُ اَبْرَہٰمَ الَّذِیْ وَاحِدًا عَرَبًا کَثِیْرًا (مائدہ)

ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں

وَقَالُوْا اِنَّمَا نَحْنُ النَّارُ اِیْرَآءًا مَّا

اور کہا کہ ہم کو دوزخ کی آگ ہرگز نہیں

مَعْدُوْدٌ وَّذٰلٰکَ، (بقرہ - ۱۷)

چھوٹے کی لیکن چند روز،

وہ سمجھتے تھے کہ ہفت کی ہفتیں صرف انہی کے لئے خاص ہیں، قرآن نے کہا،

قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الآخِرَةُ

کدے کہ اگر آخرت کا گھر تمام لوگوں کو چھوڑ کر

عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِنْ دُونِ الدُّنْيَا

صرف تمہاری ہی ملتی ہے، تو موت کی آرزو

فَتَمْنُوا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ، (بقرہ ۱۱) کیوں نہیں کرتے، اگر تم سچے ہو،

یہ سمجھتے تھے کہ موت اور رسالت صرف ان کے گھر کی چیز ہے، کسی دوسرے کا اس میں حق

نہیں، قرآن نے ان کے جواب میں کہا،

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ (جمہ - ۱) یہ خدا کی مہربانی ہے، وہ وہیں کو چاہے دے

جو ان میں پڑھے لکھے عالم تھے، وہ خدا کے احکام کو اپنے منشا اور دولت مندوں کی خوشنودی

کے لئے اپنی باطل باویلوں سے اولتے بہتے رہتے تھے، اور اپنی تصنیفات اور اجتہادات کو کٹا

الی کا درجہ دیتے تھے،

يُخْرِفُونَ الْكَلِمَٰتَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِمْ (مائدہ) وہ لفظوں کو اپنی مناسبت جگہ سے ہٹا دیتے ہیں

ذَٰلِكَ الَّذِي يُكْتَبُ بِإِيْدِ اَلَّذِينَ يَكْتُمُونَ اَلَّذِي كَتَبَ اَللّٰهُ

تو چھپکار ہو ان پر جو اپنے ہاتھوں سے لکھا

تَمْرًا لِقَوْلِهِمْ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

کہتے ہیں، پھر کہتے ہیں، یہ خدا کی طرف سے

لِيَشَارُوا بِهٖمْ مِمَّا قَالُوْا، فَوَيْلٌ لِّلصَّٰدِقِ

ہے تاکہ وہ اس سے دنیا کا معمولی فائدہ

مِمَّا كَتَبَتْ اٰیٰتِ يَهُودٍ وَّ اٰیٰتِ نَصٰرَٰةٍ

اٹھائیں تو چھپکار ہو ان پر جو وہ لکھتے ہیں

مِمَّا يَكْتُمُوْنَ، (بقرہ - ۹) اور چھپکار ہو ان پر جو وہ کہتے ہیں،

جو ان میں ان پڑھ تھے، جاہل تھے، وہ اپنے لئے سنا کے قصوں پر ایمان رکھتے تھے،

وَمِنْهُمْ اٰمِنُوْنَ لَا يَدْرُوْنَ اَللِّكۡتٰبَ

اور ان میں بعض ان پڑھ ہیں جن کو کتاب کا

إِلَّا أَمَانِي وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَتُنُونَا
علم نہیں لیکن بناوٹی باتیں معلوم ہیں

(بقرہ - ۹) صرف ان کے خیالات ہیں

احکام الہی میں سے جو آسان اور ضرورت کے مطابق ہوتا، اس کو قبول کرنے اور اس کے حکم کو پس پشت ہانپنے،

مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هُمْ
جن کو خدا کی کتاب سے الگ کر دیا، ان میں سے

كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَابُ وَالَّذِينَ هُمْ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَابُ
کتاب اللہ و ذرا ظہور و ہدایت کا

لَا يَتْلُونَ، (بقرہ - ۱۲) ڈالتا ہے، گویا کہ وہ جانتا ہی نہیں

أَفَلَمْ يَأْتِكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَهْلِهَا
کیا جب کوئی رسول تمہارے پاس

تَهَوَّىٰ أَنفُسِكُمْ أَفَلَمْ تُكَلِّمُوا
وہ نیکر آیا جو تمہاری نفسانی خواہش

فَقَرَّبْنَا كُنُوزًا وَمَوَازِينَ
کے موافق نہ ہوا تم سے غرور کیا تو کچھ

كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَابُ وَالَّذِينَ هُمْ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَابُ
کو جھٹلایا، اور کچھ کو مار ڈالتے ہو

ایک دفعہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تھے اور یہود نے بھی آپ کی

ملکی سرکاری کو ایک گونہ قبول کر لیا تھا، تو ایک دن اہل مکہ نے آپ کی عداوت میں لگا کر آپ نے

پوچھا کہ تمہارے مذہب میں اس جرم کی سزا کیا ہے، بولے ہم مجرم کو کوڑے مارنے میں اور

اس کی تشہیر کرنے میں آپ نے ان سے ذرا طلب فرمائی جب وہ لانسے اور تباہی برہم گئے

حکم کی آیتوں کوڑے کر سنانے لگے تو بیچ سے سنگ ساری کا حکم چھپا دیا، اگر ایک نو مسلم ہو جائے

عالم نے اس کو پڑھ کر تباہ کیا آپ نے فرمایا، خداوند امین سپنا شخص ہونگا جو تیرے مردہ حکم کو زندہ کرے گا

(صحیح بخاری و مسلم کتاب الحدود، وابوداؤد، باب جم الیہودین)

آپس میں قتل و خوریزی کا بازار ان میں گرم تھا، ایک طاقتور قبیلہ دوسرے کمزور قبیلہ کو گھر سے بے گھر کر دیتا تھا، اور پھر کوئی گرفتار ہو جاتا تو فدیہ دیکر اسکو چھڑا بھی لیتے تھے قرآن گناہ

نَمَّا أَنْتُمْ هَؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ أَنْفُسَكُمْ

پھر تم ہی لوگ آپس میں ایک دوسرے کو قتل

وَتُخْرِجُونَ قَرِيبًا مِّنْكُمْ مِّن دَارِهِمْ

کرتے اور ایک گروہ کو ان کے گھروں سے

تُظْهِرُونَ عَلَيْهِم بِالْأَشْرِ وَالْعُدْوَانِ

نکالتے ہو ان کے برخلاف گناہ اور ظلم سے

وَإِن يَأْتُواكُمْ لَسْرِىً فَعُدُّوهُمْ

مدد کرتے ہو، اور اگر وہ تمہاری پس تیری

وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ فَمِیْنُونَ

بنکر آتے تو تم فدیہ دیکر چھڑاتے ہو حالانکہ ان

بَعْضُ لِّلنَّبِیِّ أَكْفَرُونَ بِبَعْضٍ،

کناگانا تم پر حرام تھا، کیا تم کتاب کے کچھ لوگوں

کو مانستے اور کچھ کا انکار کرتے ہو، (بقرہ - ۱۰)

۲۔ دوسری چیز مال و دولت کی حرص و طمع تھی، اُس کی وجہ سے ان میں ہر قسم کا لاپرواہی

اور اخلاقی کمزوری پیدا ہو گئی تھی، کسی بڑے کام کی خاطر وہ اپنی راحت و آرام اور جسم و جان

کو قربان نہیں کر سکتے تھے،

وَلَمَّا نَسُوا حَرَضَ النَّاسِ عَلَىٰ

ان کو سب لوگوں سے زیادہ زندگی کا لاپرواہی

حَيَاتِهِمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا يَوَدُّ

پاؤگے، مشرکوں سے بھی زیادہ ان میں ایک

أَحَدٌ هُمْ لَمْ يَعْزِمُوا أَن يَمُنُّوا

(بقرہ - ۱۱) ایک چاہتا ہے کہ اسکو ہزار برس کی زندگی ملے

بِأَن يَمُنُّوا بِأَحَدٍ مِّنْهُمْ لَمْ يَأْمُرُوا بِالْإِسْلَامِ وَلَا يَمُنُّونَ

بوں کے ساتھ ان کے یمن دین کے تجارتی تعلقات قائم تھے، مگر وہ سخت نادہند

تھے، اور سمجھتے کہ عربوں کے ساتھ جس قدر سختی اور بدویانہی کا ہوتا دیکھا جائے وہ نہ مباح نہیں ہے۔ ان نے اس معاملہ میں عیسائی اہل کتاب کی تعریف کے بعد سراسر اہل کتاب کی نسبت فرمایا،

وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَامَنَّا بِدِينِهِ لَوَدَّ اَلَيْكِ اَلَا مَا دُمَّتْ عَلَيْهِمُ قَائِمًا ذَاكِرًا
 بَا نَهْوًا قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاٰمِيْنَ سَبِيْلٌ ط وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكُذْبُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (آل عمران - ۸۰)

کتاب الون میں بعض ایسے ہیں، کہ اگر ان کو ایک دینا بھی امانت رکھنے کیلئے وہ، وہ تم کو اس وقت تک واپس نہ دین ہرگز تم ان کے سر پر کپڑے نہ دے سکتے ہو یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ ان جاہل عربوں کا ہم پر حق نہیں اور وہ جان بوجھ کر

یہاں تک کہ ان کے سر پر کپڑے نہ دے سکتے ہو یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ ان جاہل عربوں کا ہم پر حق نہیں اور وہ جان بوجھ کر

توراة میں اپنے بھائی کے علاوہ انہی سے سو لینے کی اجازت کا مطلب یہ لیتے تھے کہ یہود یہود سے نہیں اور اہل عرب جو یہود نہ تھے، ان سے ہماری بھاری شریح سوادھول کرنا جانتے سمجھتے تھے، انہیں پر تجب یہ تھا کہ ان کے علم ان کو اس سے باز نہیں رکھتے تھے اس حرام خوری اور ان کے علماء کی اس خاتمی پر ان کو قرآن سے باز نہ ٹو کا،

وَتَرَى كَثِيْرًا مِنْهُمْ يَسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْثَرُهُمْ سٰٓئِسٌ لَيْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ لَوْلَا يَنْهٰهُمْ الرَّبَّانِيُوْنَ وَاَلْحٰبِرَةُ لَفِئِدُوْا الْاِثْمَ وَاَكْثَرُهُمْ سٰٓئِسٌ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (مائدہ - ۶)

اور ان میں سے بہتوں کو دیکھو گا کہ وہ گناہ اور ظلم کرنے میں ایک دوسرے سے بڑھ جاتی کرتے ہیں، ان کے کرتوت کتنے ہی گناہوں اور دنیا اور عالم گناہ کی بات بولنے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں باز رکھتے ان کے کام

وہی ہے کہ انہیں حرام میں

جھوٹ کو سننے والے اور حرام کھانے والے ہیں،

سَمْعُونَ لَكُذِبًا كَلُونَ لِلسُّحْتِ (مائدہ ۵)

اور ان کے سود لینے کے سبب، حالانکہ وہ

وَآخِذِ هُمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَ

اس سے روکے گئے تھے اور لوگوں کا مال ناجائز

أَكْلِهِمْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ،

طرفوں سے کھا جانے کی وجہ سے،

(نساء - ۲۲)

اسی لئے وہ تورات کی آیتوں میں تحریف، اور ان کے معنوں میں تاویل کر کے ایسے فقہی حیلے

تراشتے تھے کہ ان سے ہر حکم کو اپنے مطلب کے مطابق بنا لیتے تھے، خدا نے فرمایا،

ہم نے تورات آما ری جس میں ہدایت اور روشنی ہے،

إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ

اسی کے مطابق بنی جو تا بعد از تھی، یہودیوں کا

يُحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا

کرتے تھے، اور ان کے درویش و عالم بھی خدا کی

لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيونَ وَالْأَحْبَابُ

کتاب کے جن حصوں کو انھوں نے بجا رکھا تھا

بِمَا اسْتَحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ،

ان میں سے فیصلہ کرتے،

(مائدہ ۵ - ۷)

اس کے بعد اس کے احکام کے اجراء اور خاص کر قصاص کا ذکر کیا اور فرمایا،

اور جو خدا کے آمارے ہوئے حکم مطابق فیصلہ

وَمَنْ لَّمْ يُحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ

نہ کرے، وہی لوگ کافر ہیں،

فَأُولَئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ، (مائدہ ۵)

ان میں مشرکانہ بت پرستی کے بعض اثرات پیدا ہو گئے، وہ چبت اور طاغوت کی پرستش

میں مبتلا تھے، قرآن ان کو خطاب کر کے کہتا ہے،

اے کتاب الوہا ہم نے جو آتا رہا تمہاری کتاب،

يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ کی تصدیق کرتا ہے، اس پر ایمان لاؤ،.....

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَ يَغْفِرُ مَا دُونِ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ، (نساء) خدا شرک کو معاف نہیں کرتا، اور اس کے

سوا جس کو چاہے معاف کر دے،

..... الْكُفْرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا کیا تو نے ان کو نہیں دیکھا جن کو

نَصِينًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ کتاب کا ایک حصہ پا گیا، وہ بتوں، اُ

وَاطَاعُوا وَ يَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا شیطانوں پر ایمان رکھتے ہیں، اور کھتے ہیں

هَؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا (نساء) کہ یہ کافر مسلمانوں سے زیادہ صحیح راستہ پر ہیں

ادہام و خرافات پر ان کا ایمان تھا، تعویذ، گنڈا، جادو اور عملیات پر فریفتہ تھے، اُ
 سمجھتے تھے کہ یہ حضرت سلیمان کی تعلیم ہی، (بقبرہ - ۱۲) لبید اعصم وغیرہ مدینہ میں بہت سوال
 تھے، جو کنگھیوں اور بالوں میں منتر پڑھ کر پھونکتے تھے اُ

عرب کے باہر یہودی، یونانی اور رومیوں کی حکومتوں میں یورپ، افریقہ اور ایشیا کے

مختلف ملکوں اور شہروں میں اس طرح پراگندہ اور منتشر تھے کہ عرب کے باہر دنیا کی قوموں میں

ان کا کوئی شمار نہ تھا، عرب کے اندر جو یہود زمانہ وراثت سے آباد تھے، ان کا بڑا مشغلہ زراعت اور

تجارت تھا، سودی کاروبار کرتے تھے، غویب عربوں کو اپنے گران شرح سود اور قرضوں کے با

میں اس طرح دبائے تھے کہ ان کی حالت ان کے سامنے غلاموں کی سی تھی، اس سلسلہ میں

صرف ایک واقعہ کا ذکر پوری حالت کے اندازہ کے لئے کافی ہو گا،

۱۔ صحیح بخاری جلد دوم کتاب الطب باب السحر ص ۸۵،

محمد بن مسلمہ انصاری اور ان کے رفقاء جو مدینہ کے یہودی سردار کعب بن اشرف کے قتل پر مامور ہوئے تھے، وہ اس سے ملنے اور بات چیت کرنے گئے، انھوں نے اس سے کہا: اے کعب! اس شخص (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے تو صدقہ وصول کر کے تم کو دق کر ڈالا، اب میں تم سے کچھ قرض لینے آیا ہوں، اس نے کہا خدا کی قسم مجھے معلوم تھا کہ تم اس سے آخوبے ذرا بیجا ہو گے، انھوں نے کہا میں نے اسکی یہودی اختیار کی ہے، لیکن میں اس کو چھوڑنا نہیں جانتا۔ انتظار ہے کہ معاملہ کی صورت کس رخ ملتی ہے؟ میں تم سے کچھ غلہ قرض لینے آیا ہوں اس نے کہا تم کفالت میں کیا چیز میں رکھو گے، انھوں نے کہا تم بتاؤ کہ کیا چاہتے ہو اس نے کہا اپنی بیوی ان کو رکھو، انھوں نے جواب دیا تم اپنی بیوی ان کیسے گرورکھ سکتے ہیں کہ تمام عرب میں تمھارا حسن کا جواب نہیں بولا اچھا تو اپنے لڑکوں کو گرورکھو، کہا ہم اپنے لڑکوں کو کیسے گرورکھیں انکی کوئی بے عزتی نہ کرے، یہ ہمارے بیٹی شرم کی بات ہے، ان ہم اپنے ہتھیار گرورکھ سکتے ہیں۔ اس سوال و جواب سے اندازہ ہو گا کہ یہودی اخلاقی حالت کتنی پست اور ذلیل ہو چکی تھی، کوئی غیر عورت اگر ان کے بازار کی طرف جا بھتی تو اس کی عزت بخوبی شکل ہو جاتی، کسی بچہ کو ذرا سے زبردستی لاپچ میں موقع پاتے تو بے پروی سے قتل کر کے زبردستی لیتے، ہمارا اور مشیوایان میں کی وہی کیفیت تھی جس کا نام اس وقت سے چھ سو برس پیشتر حضرت عیسیٰ نے کیا تھا، لفظی طور پر ان کا دیون اور غلامی دینداری کے سوار فوج و اخلاق کا جوہر ان کو کھو گیا تھا، اسلام جو ابراہیم علیہ السلام

نے سچو بخاری جلد دوم قتل کعب بن اشرف صفحہ ۶، ۵۔ دیکھو کتب سیر میں خزائن بنی نصیر کے اسباب

کتاب سچو بخاری جلد دوم باب من اقاد بھج ص ۱۱۱

ترانہ توحید اور موسیٰ کی صدا سے طور کی آواز بازگشت تھا، وہ ان کے نزدیک بے گت پرستوں کے چاہنے نہ مذہب سے زیادہ برا تھا، وہ کہتے تھے کہ ان مسلمانوں سے یہ شرک زیادہ براہ راست پرستوں کی اسلام کی اس مصالحتانہ دعوت،

يَا هَلْ أَكْتَبِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ
سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ إِلَّا نَسِيْنَا
اللَّهَ وَلَا نُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَذَكَّرُ
بَعْضُنَا بِبَعْضٍ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ دُونِ اللَّهِ
(ال عمران - ۷۰)

اسے کتاب تو آو اس ایک بات پر ہم سب
شعہ ہو جائیں جو ہم میں تم میں مشترک ہو کہ ہم
خدا کے سوا کسی کو اپنا مبودنہ بنائیں اور تم کو
ساتھ کسی چیز کو شرک نہ ٹھہرائیں اور ہم
خدا کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو اپنا رب بنا لیں

میں بھی عداوت اور دشمنی ہی کی جھلک کبھی رہتی تھی، اسی لئے مدینہ میں اسلام کی تبلیغ کی سرگرمیوں کو وہ ٹھکرانے سے بہت زیادہ روکا جاتی تھی، اس کے مقابلے میں اس دعوت کے پیروں میں ان کو اپنی قوی دہائی و تجارتی عظمت کی ہر ادوی نظر آتی تھی،

میسایون کی نقل میں وہ بھی عزیز (عزرا) کو خدا کا ہٹا کہتے تھے، اذ قالوا لیسوا
عزیرین انہم اللہ ربوبہ۔ (۵) اپنی دولت و ثروت کے غور میں وہ کہتے تھے ان اللہ ربوبہ
(مائدہ - ۹) خدا کے ہاتھ بندت ہو سے ہیں، انہم انہم اللہ ربوبہ انہم ربوبہ انہم ربوبہ
اس دعوت کا اثر نہیں ہو سکتا کہ ہمارے دل انہوں میں ہے، انہم انہم اللہ ربوبہ انہم ربوبہ
ان نفروں سے اندازہ ہو سکتا ہو کہ وہ اب دنیا میں کیا تبتلی کی کے انداز میں رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ
عرب کے باہر یورپ میں کی پر گندہ ٹولیاں ٹھکانے کے سبب انہوں نے اپنی دنیا میں رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ

مرکز ان کے ہاتھ سے نکل چکا تھا، سیاسی اہمیت وہ دست ہونی کہ کھو چکے تھے، ابراہیم و یعقوب
 کے خدا کے بجائے، پرہگہ وہ سونے چاندی کے ڈھیر ہی کو خدا بنائے تھے، ان کے مذہبی فرعون
 کی تعداد بڑھتی جاتی تھی جن میں ہام عداوت قائم تھی، اور اس وقت سے چھ سو برس پہلے کی
 بنی اسرائیل اب پھر ایک بنی اعظم کی بعثت کا بتیا بازہ انتظار کر رہے تھے، (بقرہ - ۱۱) خود بت
 یہود اس وقت اس بنی کے جلد پیدا ہونے کی بشارت کا اپنی مجلسوں میں تذکرہ کرتے

جس کی پیشینگیوں سے توراہ کے صحیفے بھرے تھے، اور ان ہی سے سن شکر شرب کے اور حو
 ایک بنی کی آمد کی پیشین گوئی سے باخبر تھے،

دنیا کی ان مختلف قوموں کے حالات پر ایک اجمالی نظر ڈالنے کے بعد ضرورت ہے کہ
 اس قوم کے حالات پر ایک تفصیلی نظر ڈالی جائے جس کے افق نبوت سے صبح سعادت طلوع ہونے
 والی تھی،

ظہور اسلام و عرس کی مذہبی و اخلاقی حالت

میں میں جب ہ مشہور سیلاب آیا، جس کی بلندی سطح زمین سے ایک سو بیس فٹ
 تھی، تو پائے تخت یعنی مارب اور اس کے اضلاع دفعہ برباد ہو گئے، یہ دوسری صدی عیسوی
 کا واقعہ ہے، قرآن مجید نے اسی سیلاب کو منیل عرہ کہا ہے اس سیلاب کا ایک نتیجہ ہوا کہ اٹھ بڑے بڑے

۱۰ سیرۃ ابن ہشام ذکر بعیت عقبہ ۱۵ اس بند کے اندام کی تاریخ کی تعیین مشکل ہے اور اسی لئے اس کی تعیین
 میں کئی نظریے ہیں، ایک اس کو دوسری صدی عیسوی کا واقعہ بتاتا ہے تو دوسرا پانچویں صدی عیسوی کا واقعہ
 یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس بند کے مختلف حصے مختلف زمانوں میں منہدم ہوتے رہے اور بنتے رہے، آخری دفعہ پانچویں
 صدی عیسوی میں بالکل برباد ہو گیا، (سیلمان)

خاندان جلاوطن ہو کر اودھ اور نکل گئے جس سے نظام سلطنت میں ضعف آگیا، چھٹی صدی عیسوی میں یہاں کے فرمانروا ذونواس سے جو مذہباً یہودی تھا، رعایا نے بغاوت کی اور شاہ جہن سے اعانت چاہی، اس نے ۲۹۰ء میں ایک فوج بھیجی جس نے ذونواس کو معزول کر دیا اور اس خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا، ۶۰۳ء میں قبیلہ حمیر کے ایک با حوصلہ شخص ذویزن نے فارس کی مدد سے اپنا ملک واپس لیا، لیکن چند روز کے بعد قتل کر دیا گیا، اور بن شاہنشاہی فارس کا ایک معمولی صوبہ رہ گیا،

جو قبیلے بن سے نکلے، ان میں سے ایک نے دوسری صدی عیسوی میں حیرہ میں جہاں اب کوفہ آباد ہے، ایک سلطنت قائم کی لیکن وہ فارس کے زیر اثر اور مذہباً خیالات میں نجوس سے متاثر تھی، دوسرا قبیلہ شام میں جا کر آباد ہوا جو عسائی خاندان کہلاتا ہے، چونکہ یہ خاندان رومیوں کے زیر اثر تھا، اس لئے رفتہ رفتہ عیسائی ہو گیا، اور اسلام کے زمانہ تک عیسائی رہا، غرض عرب کے اصلی تمدن پر بیرونی اثر جو کچھ پڑا تھا، وہ مجوسیت یا نصرانیت کا تھا، یہودی مقدمات اور خیالات کا اثر بھی بہت کچھ تھا، جس کی وجہ یہ تھی کہ عرب کا ایک بڑا حصہ یعنی وادی القریٰ اور خیبر و فدک تمامتر یہودی آبادی تھی، اور خود مدینہ میں یہودی ہی صابروں، ائندار اور حکومت تھے، باقی تمام ملک میں مشرکانہ رسوم جاری اور جاہلانہ مذاہب پھیلے تھے، لوگ بتوں، پتھروں، درختوں، ستاروں، فرشتوں اور جنوں کی پرستش کرتے تھے، خدا کا اعتقاد | تاہم اس میں شبہ نہیں کہ عرب زمانہ وراثت سے ایک خدا سے بت پرست تھے اور کئے تھے،

لہذا اکثر علماء و اسباب بیان تو کہ یہ قابل میں سوائے تھے لیکن میں اصل القرآن میں بدلائل اس سے اخلاص کیا ہے (سیلان)

آج کل عرب کے جو قدیم کتب و دستیاب ہوئے ہیں، ان پر اللہ کا لفظ خدا کے معنی میں لکھا ہوا ہے۔ البتہ اس کا امل اللہ نہیں بلکہ ہلکہ ہی عرب شمال کے عرب جو ابھی کہلاتے ہیں، ان کے مومن کے ساتھ اللہ کا لفظ بھی شامل ہوتا تھا، مثلاً زید اللہی، عبد اللہی، خود قرآن مجید میں خدا کا لفظ کی نسبت کہتا ہے:

وَلَيْنَ سَأَلَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ

وَالْأَرْضِ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ قُلْ لِيُبَيِّنَ اللَّهُ

یہ عمل بن حضرت ابراہیم کی تعلیم تھی لیکن رفتہ رفتہ شرک کا اعتقاد پیدا ہوا یعنی یہ کہ خدا عظیم کے سوا اور بھی چھوٹے چھوٹے خدا ہیں، گو اللہ ان سب میں بڑا ہے، یہ اعتقاد اس قدر راسخ ہو گیا کہ اور مہودوں کے انجاء سے ان کو اسی قدر رنج ہوتا تھا، جس قدر خود خدا کے انجاء سے ہو سکتا تھا، بلکہ چونکہ ان کے نزدیک دنیا کا کاروبار اور روزمرہ کی ضرورتیں انہی چھوٹے چھوٹے خداؤں سے انجاء پاتی تھیں، اور کچھ کثیر انہی خداؤں سے پڑتا تھا، اس لئے اللہ کا خیال کچھ بڑھتی سے رہ گیا تھا، ان ہی خداؤں کی پرستش کرتے تھے، ان ہی پر قربانی چڑھاتے تھے، انہی سے حاجتیں مانگتے تھے، اللہ تو زمین آسمان بنا کر بے کار سا ہو چکا تھا، جو کچھ کرتے تھے یہی خداؤں سے منکر کرتے تھے، یہی سبب تھا کہ کوئی شخص اللہ کا نام لیتا تو لوگ بہت کبیدہ ہوتے تھے:

وَإِذَا دُعِيَ لِلَّهِ وَرَحْمَتِهِ اسْتَأْذِنَتْ

قُلُوبُ النَّاسِ لَأَيِّ سِيْرَةٍ يَأْتِيهِمْ

وَإِذَا دُعِيَ النَّبِيُّ مِنَ مَرْجَاهِ إِذْ

سارے مذاہب و مذاہب کی نفساں مکتوبہ پڑیا، عبد اول ص ۶۶ بحوالہ پر و نیر ذلہ فی

يَسْتَبْرِئُونَ ۛ (سورہ زمر - ۵) کا بھی ذکر کیا جاؤ تو فوجتہ وہ کھل جاتے ہیں،

اور سمجھتے تھے کہ ان چھوٹے معبودوں کی نذر دنیا و ذوق ربانی سے خدا خوش ہو گا، اور

اُس کے دربار میں سفارش کریں گے چنانچہ وہ کہتے تھے،

مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُواَنَا إِلَى اللَّهِ

اور ہم ان بتوں کو اس لئے پوجتے ہیں کہ وہ

زُلْفَىٰ، (زمر - ۱) ہم کو خدا کے قریب کریں،

ملائکہ کی اہمیت | شرک کے علاوہ خدا کے عظیم کی نسبت یہ مانتے تھے کہ اُس کے ہاں

بھی ہیں چنانچہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے،

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيَسْتَعْتَبُونَ

جو لوگ قیامت پر ایمان نہیں لاتے وہ

الْمَلَائِكَةَ تَسْمِيَةَ الْأُنثَىٰ، (سورہ نجم)

فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں،

أَلَمْ يَدْعُوا لِرَبِّهِمْ إِلَّا أُلُوهَا بِلُغَةٍ

تمہارے تورات کے ہوں اور خدا کے لڑکے

فَسَمَّاهُمْ ضُرُكًا ۚ (سورہ نجم - ۱)

یہ تو کچھ اچھی تشبیہ نہیں،

اس لئے جس طرح بعض یہود و نصاریٰ اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ کو خدا کی ماں سمجھتے

تھے، وہ فرشتوں کو خدا کی اولاد سمجھ کر ان کی اہمیت کے بھی قائل تھے،

فَلَا يَأْمُرُكَ اللَّهُ فِعْلًا مَّا لَيْسَ لَكَ بِهِ

اور نہ خدا تم کو اس کا حکم دیتا جو فرشتوں

وَأَنْتَ تَتَّبِعُونَ الْآيَاتِ، (سورہ فرقان - ۵)

اور پیرویوں کو خدا تمہاراؤ،

وَمَعَلُوهُ اللَّهُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ عَاقِلَاتٌ

اور ان مشرکوں نے خدا کے بندوں میں خدا

الْإِنْسَانُ لَكَنُورٌ مِّنْ نُّورٍ،

کا ایک حصہ بنا لیا، بیشک انسان کھلا نور ہے،

أَمْ تَحْتَدُّنَ مِمَّا يَخْلُقُ بِنْتٍ وَأَصْفَكَوُ
بِالْبَيْنِينَ..... وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ
الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَنِ أَنْثَاءً أَشْهَادًا
خَلَقَهُمْ سَتَلْبَبٌ شَهَادَةً يُسْمَعُونَ وَيَسْمَعُونَ
وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ

در خرف - ۱-۱۲

فَأَسْتَفْتِيهِمَا لِمَ لَبَّيْتَ ابْنَتُ وَ لَهُمْ
بَنُونَ ۚ أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ إِنَاثًا
شَاهِدُونَ ۚ أَلَا إِنَّهُمْ مِّنْ أَفْكَهٍ
لِّقَوْلٍ وَلَدَ اللَّهُ وَ إِنَّهُمْ لَكِن يَّوْنُونَ

(صفت - ۱۵)

ہوئی اور وہ جھوٹے ہیں،

ان کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ یہ فرشتے خدا کے ہاں اپنے پرستاروں کے سفارشی بنیں گے خدا

نے اس کی تردید میں کہا،

وَكَمْ مِنْ مَّلَكٍ فِي السَّمَوَاتِ لَا يَقُولُ
سَفَاعَةً شَيْئًا إِلَّا آتِيَهُ (نجم)

اور آسمانوں میں کتنے فرشتے ہیں کہ ان کی
سفارش خدا کی اجازت کے بغیر کچھ فائدہ نہیں

قیامت میں فرشتوں سے پرسش ہوگی کہ یہ مشرک تمہاری پوجا کرتے تھے،

ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهؤُلَاءِ أَمْ يَأْكُرُونَ
پھر خدا فرشتوں سے کہے گا کہ کیا یہ انسان تھیں کہ

کیا خدا جو پیدا کرتا ہے، وہ اپنے لڑکوں کی ان کے
تم کو لڑکے دیکر عزت دی..... اور ان مشرکوں
نے فرشتوں کو جو رحمت والے خدا کے بندوں میں لڑکیاں
قرار دیا، کیا وہ ان کی پیدائش کے وقت موجود
تھے ان کی گواہی لکھی اور باز پرس کیا جائیگی، اور

کہتے ہیں کہ اگر خدا نہ چاہتا تو ہم ان کی پرستش کرتے

تو ان سے پوچھو کہ کیا تیرے رب کی لڑکیاں ہوں

اور ان کے لڑکے ہوں کیا ہم نے فرشتوں کو لڑکیاں

پیدا کیا اور وہ حاضر تھے، ہاں یہ ان مشرکوں کی

بناوٹ ہے، وہ کہتے ہیں کہ خدا کے اولاد

يَا نُوٓۤا۟ اٰۤيٰۤتِ رَبِّكَ وَاُنۢ (سبا- ۵) پوجتے تھے،

جنات کی اہمیت | فرشتوں کی طرح وہ جنات کو بھی خدا کا عزیز و قریب سمجھتے تھے، اور
خدا کے ان سے رشتے لگاتے تھے،

وَجَعَلُوۡا بَيْنَهُۥٓ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ
اور مشرکوں نے خدا اور جنوں کے درمیان

حَسْبًا (صفت - ۵) رشتہ داری بنائی،

اسی لئے وہ جنات کو خدا کی خدائی میں شریک کرتے تھے،

وَجَعَلُوۡا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَ
انہوں نے جنوں کو خدا کا شریک بنایا

خَلَقَهُمْ وَخَرَقُوۡا لَهُۥٓ بَنِيۢنَ وَاٰۤتٰ
اور وہ خدا کی مخلوق ہیں اور بن جانے خدا

بِغَيْرِ عِلْمٍ (انعام - ۱۲) کے لئے بیٹے اور بیٹیاں گھڑیں،

اور جب وہ خدا کے رشتہ دار اور خدائی کے شریک ٹھہرے، تو ان کی عبادت اور پرستش

بھی ضروری ہوئی، چنانچہ جاہلیت میں اہل عرب ان جنوں کی بھی پوجا کرتے تھے، اہل کتاب تو ان

یَعْبُدُوۡنَ الْجِنَّۃَ اَكْثَرُهُمْ يٰۤهٰۤمُوۡمِنُوۡنَ (سبا) بلکہ یہ جن کو پوجتے تھے، اور ان میں سوا کثر ان ہی پر ایمان

رکھتے تھے، مسافر جب راتہ میں کہیں قیام کرتے تھے، تو پہلے وہاں کے جنوں کی وہابی پکار لیتے تھے

قرآن میں ہر آیت کا رَجَالَہٗ مِّنَ الْاِنْسِیۡنِ یَعُوۡذُوۡنَ بِرَجَالِہٖۡمِنَ الْجِنِّ فَاِذَا دَعٰہُمْ رِحْقًا جِنِّہٖۡ

بات یہ تھی کہ کچھ انسان بعض کی وہابی پکار کرتے تھے، اور انہوں نے ان کو اور مغرور بنا دیا

چنانچہ بعض خونخوار مقامات میں خاص طور سے ان کے نام کی قربانی کی جاتی تھی ان میں سوا ایک

۱۰ صحیح مسلم کتاب التفسیر،

مشہور مقام وراہم تھا، جہاں کے رہنے والے جنوں (سکان الدراہم) پر جانور ذبح کر کے چڑھائے جاتے تھے تاکہ قربانی کرنے والے ان کی تشریح سے محفوظ رہیں، قبیلہ خزاعہ کی شاخ بنو یحییٰ خاص طور سے جنوں کی پوجا کرتی تھی اور یہی کہا بیان ہے کہ ان ہی کے متعلق یہ آیت اتری ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُدْرِكُونَ مَنَازِلَ اللَّهِ

خدا کو چھوڑ کر تم جن کو پکارنے عودہ تمہاری

عِبَادًا مِّثَالَكُمْ (اعراف: ۱۳۰) ہی طرح بندے ہیں

بیت پرستی | جن خداؤں کو یہ لوگ اپنے تھے ان کے عیب نہایت تھے اور جا بجا عظیم الشان بتوں سے قائم ہو گئے تھے یہ روایات اس قدر عام ہو گئی تھیں کہ جہاں کوئی خوبصورت بت نہ مل گیا اٹھایا اور اس کی پرستش شروع کر دی، اس سے زیادہ خوبصورت بن گیا تو اسکو پھینک دیا اور اس کی پرستش کرنے لگے، جہاں کوئی پتھر نہ ہا تو آگ کا ایک ٹکڑا بنا لیا، ایک پکری لاکر اس کا دودھ اس پر دیا، پھر اس کے گرد عورت کی اور اسب وہ ایک معبود بن گیا تھا چنانچہ صحیح بخاری کتاب المغازی باب وفد نبی خاتم النبیین پر درج ہے کہ:

اس بیت پرستی کی ابتداء بیت مہدی کہ قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص کا نام عمرو بن لُحی تھا، جو قبیلہ جرہم کو شکست دیکر کعبہ کی مشرف بن گیا تھا، ایک وفد بھاگ گیا اور ان لوگوں کو بیت پرست دیکھا کہ بیت پرستی کی طرف آئے ہو، اور وہیں سے ایک بت لاکر کعبہ میں نصب کیا جو اس کا اثر تمام عرب پر تھا، اس لئے تمام عرب نے بت پرستی قبول کر لی اور گھر گھر بت خانے بن گئے، ان میں پہلے سب سے بڑا تھا اس سے آکر کائنات الالات اور عوامی تھے،

لسان العرب فلان سکن اللہ کتاب الاضام بشام لکھی مطبوعہ مدرسہ ۱۳۰۰

منات مدینہ منورہ سے سات میل پر تھا، انصاری کے قبیلے غنی اوس و خزرج اور
 آس پاس کے قبائل اسی کا راج کرتے تھے، کعبہ کا راج بھی جب یہ لوگ کرتے تھے تو احرام میں اگر
 اُتار لے تھے، عطفیہ معاہدے بھی ہیں ہوتے تھے، عبدلعزیٰ مرقی کہتا ہے:

انی حلفت یومین صدق بربتی میں نے منات کی سچی قسم کھائی

بمنات عند محل الی الخزرج اہل خزرج کے احرام اُتارنے کی جگہ کہا

لا ت قبیلہ ثقیف کا معبود تھا، جو مقام طائیف میں نصب ہوا تھا، الی طائف

اُس کو کعبہ کے برابر تسلیم کرتے تھے،

عزیمی ایک درخت تھا، اُس کے پاس ایک بت تھا، یہ قبیلہ عطفان کا بت تھا،

لیکن قریش بھی اُس کی نہایت تڑت کرتے تھے، اور اُس کی زیارت کو ہاتے تھے، قریش

کعبہ کا طواف کرتے تھے، تو یہ پڑھتے تھے:

واللات والعزیٰ و مناة الثالثة لبت لہوی اور تیسرا مناة، یہ بڑی بڑی گزیر

الاحزی، انھن انوائتہ العزیٰ ہیں، اور ان کی سفارش کی حد کے

وان شفا عنھن لبتی،

پلٹا امید ہے۔

بت پرستی نے رفتہ رفتہ اور بہت سی بُرائیاں پیدا کر دیں، جانوروں سے گداز کر لیا

قربانیاں اُن پر چڑھائی جانے لگیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ منورہ پہنچے تو ان پر

عبداللہ کی قربانی کرنی چاہی تھی، اسی رسم کی تقلید تھی،

یہ پوری رسم بلدان العظما میں ہو، بلکہ ان مقامات میں کہ اب نام نہ بھی ملے، بلکہ ان مقامات میں

بحیرۃ، سابقہ، جام کے نام سے بتوں کے نام پر سانڈ چھوڑتے تھے، کعبہ کے سامنے جو قربانی کرتے تھے، اس کا خون، کعبہ کی دیواروں پر ملنے لگتا تھا، بتوں کے سامنے شگون کے تیر رہتے تھے، ان سے ایک پرہان، ایک پرہان لکھا رہتا تھا، جو کام کرنا چاہتے، بیماری سے کہتے کہ فال نکالے ہاں کا تیر نکلتا تو اس کام کو کرتے، ورنہ باز رہتے،

جاہلیت میں جن چیزوں کی پرستش کی جاتی تھی، وہ مختلف قسموں کی تھیں، اصنام اور انصاف اور بیوت، اصنام داوثان جن کا واحد صنم اور ون ہے، یہ انسانی شکل و صورت کے بت تھے، اگر وہ لکڑی کے ہوتے، تو بھیم کہلاتے، اور اگر رنگ اور مسالہ سے بنے تو ان کو دومیہ کہتے انصاف نصیب بن گھڑے پھر ہوتے تھے جن کو کھڑا کر کے ان پر چڑھا دے چڑھاتے، اور جانور ذبح کرتے تھے، بیوت جس کا واحد بیت ہے، چند گھر تھے، جیسے رضار، رنام، قلیس وغیرہ جن میں بت پرستان رسوم ادا کئے جاتے تھے جن بتوں کے ارد گرد چکر لگاتے تھے، ان کو دوار کہتے تھے، اور ان پر جو قربانی کی جاتی تھی اس کو عتیرہ کہتے تھے، پتھروں کا ڈھیر لگا کر اس کے چاروں طرف چکر لگاتے تھے، اس ڈھیر کو رجمہ کہتے تھے، جاہلی شاعر کہتا ہے،

کما طواف بالرحمة المرتجیٰ کئے جیسے پتھروں کے ڈھیر کا طواف کرنا موالات

جن بتوں کی پرستش کی جاتی تھی، ان کی کوئی انتہاء تھی،

تیسرے قبیلہ کا اک بت جدا تھا

خاص خانہ کعبہ اور اس کے اطراف میں من سوساٹھ بت تھے، ان میں قرآن پاک میں جن کے

تیسریں المرام فی تفسیر آیات الاحکام صفحہ ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ان الفاظ کے لہو و کھوسان العرب ۱۱۵ ص ۱۱۵ بجاری باب ۱۱

نام بتائے گئے ہیں، وہ یہ ہیں، اللات، عزیٰ، مناتہ، یغوث، یعوق، نسر، ود، سواع، بعل، لیکن جاہلیت کے پرنے مورخون اور لغت نویسوں نے جاہلیت کے شخصی ناموں اور شعراء کے اشعار سے بہت سے نام ذکر کئے ہیں، ہشام کلبی کی کتاب الاصلام میں جو اس موضوع پر پہلی کتاب ہے اور جواب مصرین چھپ بھی گئی ہے تقریباً تیس بتوں کے نام ہیں، علامہ زکی پاشا جنھوں نے کلبی کی اس کتاب کو ۱۳۲۳ھ میں تخریج اور تکرار کے بعد شائع کیا ہے، اپنے تکرار میں چھپا لیس نام اور بتوں کے ہیں، میں اور حجاز میں آثار قدیمہ کے محققوں نے عہد جاہلیت کے جو کتبے پڑھے ہیں، ان میں لقمہ عشر، مکمرہ، قینان وغیرہ بہت سے اور ناموں کا پتہ لگایا ہے، میں نے ارض القرآن کی دوسری جلد میں جو ۱۳۳۶ھ میں چھپی ہے، ان معلومات کو یکجا کر دیا ہے،

ذیل میں ہم ان بتوں کی فہرست درج کرتے ہیں، جن کے نام اب تک معلوم ہو چکے ہیں :-

| بتوں کے نام | قبیلوں کے نام جو ان کو خاص طور سے پوجتے تھے، |
|-------------|--|
| لات | یقینت |
| عزیٰ | قریش، و بنو شیبان بن جابر |
| مناتہ | ادس و خزرج اور اور عام عرب، |
| یغوث | بنو مذحج، و اہل جرش |
| یعوق | بنو ہمدان و اہل خیوان، |
| نسر | حمیرا |
| ود | بنو کلب، |

بنو نوحیان

بُت جس پر حج میں قربانی ہوتی تھی،
 بُت جس پر حج میں قربانی ہوتی تھی،
 قضاۃ و ختم و جذام، و عالمہ و غطفان،
 از و طی و قضاۃ،
 بنو امامہ، ختم، بچا، از و السراۃ،
 بنو ربیعہ کا بٹخانہ
 حمیر کا بٹخانہ

بنی ملک بن کنانہ،

عنزہ

بنو حارث

از و السراۃ

خولان

طی

بنو ووس

قریش

سواع

اساف

ناملہ

اقصر

یاجر

ذو النخلصہ،

رضاء یا رضی،

رہام

سجہ

سوحہ

سغیر

ذو الشری،

عام

عمانس (یا) عمیانس

فلس

ذو الکفین

مناف

بنو عتیس

عاد کا بت

"

عباس بن مرواس سلمی کا قبیلہ،

مشذر اکبر

قصاعہ

بکر بن وائل،

ایک بت کا نام

اس پر جانور ذبح کئے جاتے تھے،

سعد العشیرہ

جدیں و ظم

ایک بت کا نام

بکر بن وائل،

عبدالدران

حضرت موت

ایک بت کا نام

عاد

شمس

صدا

صمودا

ضمار

ضمیزن

عنبب

عوض

عون

غنذب

فراض

کشری

کسو

تخرق

مدان

مرحب

منہب

ہبا

| ذات الووع یابیل | ایک بت کا نام عبدیایل |
|--|--------------------------|
| <p>تارہ پرستی عرب میں تارہ پرستوں کا بھی ایک گروہ تھا، مختلف قبیلہ مختلف ستاروں کی پوجا کرتے تھے، ان میں سے اہم سورج اور چاند تھے، اسی لئے قرآن پاک نے خصوصیت کیسا کہا</p> <p>لَا تَسْجُدْ لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ (ختم سجدہ) نہ سورج کو سجدہ کرو نہ چاند کو،</p> <p>من میں مہاب کی قوم سورج ہی کو دیوانی تھی (نمل - ۳) من کے بادشاہ شریعش نے سورج کو پوجا کیا اور چاند کے بعد ستاروں میں شہری کی بڑی قدر و منزلت تھی اسی لئے قرآن پاک نے کہا:</p> | |
| <p>وَإِنَّهُ هُوَ رَبُّ الشَّعْرَى (نجم - ۳) اور وہی خدا شہری کا مالک ہے</p> <p>صاعدانسی المتوفی ۱۹۶۲ء نے اپنی کتاب طبقات الائم میں عرب کے قبیلوں</p> | |
| <p>کو مختلف ستاروں کا پرستار بتایا ہے،</p> <p>قبیلہ حمیر سورج کو پوجتا تھا، لکن نہ چاند کو تمیم وبران کو، نجم اور جذام شہری کو ملی شہل کو</p> <p>قیس شہری البعور کو، اور اسد عطار کو</p> | |
| <p>جن اور شیاطین اور بھوت پیت جن اور شیطان کی نسبت عرب کے عجیب عجیب عقائد تھے، وہ جن شیطان، اور بھوت پیت، سب کو ایک ہی جنس سمجھتے تھے، گو اختلاف صورت اور اشغال کی وجہ سے ان کے الگ الگ نام پڑ گئے تھے، جو اجنبہ جنگلون اور میدانوں میں رہتے تھے</p> | |
| <p>لہذا توح مملوک الارض حمزہ عثمانی علی کلکتہ سے طبقات الائم قاضی صاعدانسی ص ۱۹۳ پر درت</p> | |

اور مسافروں کو اپنی صورت میں یا لباس بدل کر دھوکا دیتے تھے، اُن کا نام غول تھا یہ مذکور بھی ہوتے تھے، اور موٹ بھی،

عبد بن ایوب لغیری،

وَعَوْلًا قَصْرَةً ذَكَرُوا نَسْتَهُ
اور بیابان کے دو غول مرد بھی اور عورت بھی
كَانَ عَلَيْهِمَا قَطْعُ الْبَجَادِ
گویا کہ اُن دونوں پر کپڑے کے ٹکڑے پڑے ہیں
مُوْتٌ كُوسَلَاةٍ كَتَمْتَهُ

اذَلَّ وَسَعَلَاةٍ وَعَوْلٌ بِقَفْرَةٍ
میں پھلتا ہوں اور چڑیل اور غول بیابان
اِذَا اللَّيْلِ وَارِسَى الْجَنِّ فَيَدْرِي
میں جبات پڑھ پوش ہوتی تھی، تو آہن آواز

عمرو بن ربیع ایک ممتاز شخص تھا، اس نے سلاۃ سے نکاح بھی کیا تھا، اور اس
ولا بھی ہوتی تھی، راجز کہتا ہے،

يَا قَاتِلَ اللَّهِ بَنِي السَّعْلَاةِ
خدا سلاۃ کے فرزندوں کو مارے،

بَلَقِيْسُ امْكُهُ مِنْ رَأْنِ كَيْ زَعْمِ بْنِ
بلقیس، مکہ میں (اُن کے زعم میں) سلاۃ ہی کے پیٹ سے تھی،

يَا كَثْرَ كَاتِي بَجَاتِي تَهْتَهُ
یہ اکثر گاتے بجاتے تھے، اور اہل عرب اُن کے ننہوں سے محفوظ ہوتے تھے،

كُوجِبَتْ دُونَتْ مِنْ بَهَاءِ مِظْلَمَةٍ
کتنی اندھیری گھپ راتوں میں میں نے صحر کو

تِيه اِذَا مَا مَغْنَمْتَهُ سَمْرًا
قطع کیا جب اُن جنات کا مغنی افسا کوئی؟

یہ صحرائین بد دون کی صحبتوں میں شریک ہوتے تھے، جاٹوں میں جب بد آگ جلا کر بیٹھے

تھے تو یہ بھی آگ اپنے کو آجاتے تھے، لیکن جب اُن کو کھانے پر بلاتے تھے، تو وہ عذر کرتے تھے کہ

ہم آدمیوں کی غذا نہیں کھا سکتے،

اقواناری فقلت ممنون افتد
 فقالوا لجن قلت عموا ظلاماً
 دعوت الی الطعاہ فقال منہم
 زعید نخسد الا نس الطعاما

وہ لوگ کہتے تھے کہ تم کو تو
 انہوں نے کہا ہم جن ہیں، میں کہا اس تاریکی میں خوش ہو
 میں انکو کھانے کیلئے بلایا، تو ان میں سے ایک سردار نے کہا
 ہم انسان کے کھانے پر حسد کرتے ہیں،

یہ زیادہ تر جہان آباد تھے ان موضوعوں کے نام بدی، بقار اور عبقر تھے،

ع: جن البدی روا سیا اقدامھا
 ع: تحت السنور جنبھا البقار
 ع: علیہن قتیان کنتہ عبقر

بدی کے جن، جن کے قدم جھے تھے
 زربوں کے نیچے بقار کے بھوت تھے
 اور ان شمشورہ جوان عبقر کے بھوت معلوم ہوئے

ان کے اقسام حسب ذیل تھے،

جو آدمیوں کے ساتھ مل جل کر رہتے تھے، ان کو عام کہتے تھے،

جو خون کو ستاتے تھے، ان کا نام روح تھا،

جو زیادہ شریر تھے ان کو شیطان کہتے تھے،

اس درجہ سے بڑھ کے جو شریر ہوتا تھا اس کو عفریت کہتے تھے،

یہ اکثر بچوں اور جوانوں کو اٹھا لجاتے تھے، حضرت علیؑ کے ایک بھائی طالب تھے انکو

اٹھائے گئے اور پھر ان کا پتہ نہ لگا، عمرو بن عدی لخمی جو عرب کا بادشاہ تھا، اس کو بھی اٹھا

گئے تھے لیکن کئی برس کے بعد بذمہ ابرش کو لا کر وے گئے،

اسی طرح خرافہ کا قصہ ہے جس کو جن اٹھائے گئے تھے، مدت کے بعد وہ واپس آیا، تو عجیب عجیب باتیں بیان کرتا تھا،

ان اجنبی یا شیاطین سے جن لوگوں کے تعلقات زیادہ بڑھ گئے تھے، ان میں سے تا بطشتر اور ابوالبلا و طہوی زیادہ مشہور ہیں طہوی نے ایک دفعہ ایک بہت کو مار ڈالا تھا، اس کے واقعات ایک نظم میں لکھے ہیں،

لَقِيْتُ لَعْوَلًا سَرَى فِي ظِلَالِهِ میں غول بیابانی سے ملا جو رات کو اندھیر میں چلتے ہیں،

فَصَدَّتْ وَانْحَدَّتْ لَهَا بَعْضُ کو اس نے روکا اور میں مین کی بنی ہوئی اصل تلوے

حَسَاهُ غَيْرَ مُؤْتَشِبِ يَمَانِي نے کرا سکی طرف بڑھا،

فَقَدْ سَرَاتَهَا وَالْبَرْدُ مِنْهَا تو اس نے اس کے سر کو اور اس کی نڈھوں کو کھا ڈالا،

فَحَزَّتْ لِلْيَدِينِ وَالْبُحْرَانِ اور وہ دونوں ہاتھوں اور سینہ کے بن میں گر پڑا،

ان ہی اجنبی اور شیاطین کا زور توڑنے کے لئے قرآن نے قیامت کے اس سوال و جواب کا

انداز اختیار کیا کہ ان کے دوست انسان وہاں بھی ان کی دوستی کا دم بھرتے جائیں گے،

اس سے اندازہ ہوگا کہ جاہل عربوں پر ان کا کس قدر استیلاء تھا،

يَسْعَثَرُ الْجَوْنُ قَدْ امْتَكَّرْتُمْ فِي الْاَلْسِنِ اسے جنوں کے گروہ تم نے افسانوں سے بہت کچھ

اسے شامی ترمذی باب نمبر ۱۵۵ یہ تمام تفصیل کتاب بحیوان باختصاص ماخوذ ہے اس نے کئی درجہ میں نہایت تفصیل سے

یہ واقعات لکھے ہیں، دیکھو کتاب مذکورہ ص ۲۸ تا ص ۳۰، جز ثامن مطبوعہ مطبع سکاوت، مصر،

وَقَالَ أَوْلِيَهُمْ مِنَ الْأَرْضِ رَبَّنَا

وصول کیا، اور ان کے دوست اور انسان جو ہے

اسْتَمَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ (الغلو - ۱۵)

ہمارے رب ہم میں سے ایک نے دوسرے کا کلمہ سنا لیا

کہانت کہانت ایک سخت بلا تھی جو تمام ملک میں پھیلی ہوئی تھی، ہر جگہ ایک یا کئی کاہن ہوتے تھے، جو آئندہ واقعات کی پیشین گوئی کر کے، اور آسمانی خبریں بتاتے تھے، اہل عرب کا اعتقاد اور خود کا ہنوں کا دعویٰ تھا کہ ان کے ساتھ ایک ایک جن رہتا ہے، اور وہی ان کو واقعات کرتا ہے، وہ اپنی شکل و صورت ایسی بناتے تھے کہ پہچان لئے جاتے تھے، چنانچہ ایک بار حضرت عمرؓ کے پاس سے ایک آدمی گزرا، انھوں نے قیافہ سے پہچان لیا کہ وہ کاہن ہے، اس کو بل کر پوچھا کہ تیرے جن نے تجھ سے سب عجیب تر بات کیا بیان کی، اس نے کہا میں ایک روز بازار میں پھر رہا تھا کہ میرا جن گھبرا یا ہوا آیا اور کہا،

کیا تم جنوں کی سرسنگی، ان کی ناامیدی

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْجَنِّ وَآيَاتِهَا، وَ

اور ان کے کاروبار کی اہتری نہیں

يَا سَهْمًا مِّنْ بَعْدِ انْكَاسِهَا وَلِحِقِهَا

دیکھتے،

بِالْقُلُوبِ وَاحِلَاسِهَا،

حضرت عمرؓ نے فرمایا سچ کہتا ہے میں ایک روز زمانہ جاہلیت میں بتوں کے پاس سوٹا ہوا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی نے ایک گوسالہ لاکر ذبح کیا، اس کے بعد ایک شخص زور سے چلایا:

اے صلح، کامیاب امر، ایک فصیح شخص

يَا جَلِيحًا، اَمْرًا مَّجِيحًا رَجُلًا فَيَصِحُّ يَقُولُ

لے کتاب بیان و تفسیر للماخط جلد اول ص ۱۱۳ مطبوعہ مطبع علیہ مصر،

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

لا اله الا الله کہتا ہے،

اس کے چند ہی دنوں کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، صحیح بخاری کی (تفسیر سورہ داعی) میں روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ علیل ہو گئے، اور دو تین دن رات کو عبادت کے لئے نہیں اٹھے، اس پر ایک عورت (یہ ابولہب کی زوجہ تھی) نے اگر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہا

انّی ارجو ان یکون شیطاناً ندیّ میرا خیال ہے کہ تیرے شیطان نے مجھ کو

قد توکلّی، چھوڑ دیا

یہ وہی خیال تھا چونکہ کفار آپ کو کابن خیال کرتے تھے، اس لئے ان کا خیال تھا کہ آپ کے ساتھ کوئی جن یا شیطان رہتا ہے، قرآن پاک نے اسی کی تردید میں آیت میں کی ہے:

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن نُّنزِلُ
الضُّلُوبِ نُنزِلُ عَلَىٰ كُلِّ آفَاكٍ
أَنبِئُكُمْ بِمَقْوَدِ السَّمْعِ رَآكُرُهُمْ
كذِبُونَ ؕ (شعراء- ۱۱)

کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اتارے
ہیں، شیطان ہر چھوٹے گنہگار پر اتارے
ہیں، وہ سنی سانی بات اتا کرتے
ہیں، اور اکثر وہ چھوٹے ہوتے ہیں،

یہ کام تمام مقدمات اور نزاعات کا فیصلہ بھی کرتے تھے، اور اس بنا پر تمام ملکات ان کا اثر چھایا ہوا تھا، ان میں سے حازمی، شق، سطح، عزامی، بہت مشہور تھے، جا حظ نے ان کے کاہناہ فقرے کتاب البیان میں نقل کئے ہیں،

لے صحیح بخاری جلد اول ص ۵۲۶،

وَالْأَرْضُ وَالسَّمَاءُ . وَالْعَقَابُ
 وَالصَّقَاعُ . وَاقْتِعَةُ بَقَاءُ ، لَقَدْ
 نَفَرَ الْمُجِدُّ بَنِي الْعَشْرَاءِ ، لِلْمَجْدِ وَ
 الْمَسَاءِ ،
 قسم ہے زمین اور آسمان کی اور عقاب اللہ
 آفتاب کی ، ایک واقعہ میدان میں واقع
 ہوا کہ بزرگی بنو عشر اور پر غالب گئی بوجہ
 بڑائی اور بلند سی کے ،

یہ کاہن جو خبریں بتاتے یا یقین کرتے وہ بڑے تکلف کے مقفی اور بچ فہرے ہوتے
 اس نے جب ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے سامنے ایک ساقط اٹھل بچہ کا مقدمہ پیش
 اور آپ اسکی دیت کا فیصلہ کیا تو ایک شخص نے سو کے دستور کے مطابق اعتراض کیا:

ادایت من لا شرب لا اکل ولا
 صَحَّ فَاسْتَهْلَ الْبَسِ دَمَهُ بَطْلًا
 غور فرمائیے کہ جس بچہ نے نہ کھایا نہ پیانہ
 چنچا ، نہ رویا ، کیا اس کا خون معاف نہ ہوگا

آپ نے فرمایا یہ کاہنوں کے بھائیوں میں سے ہے (صحیح مسلم و یہ بحین و صحیح بخاری باب لکھنا)
 یہ کاہن تجانوں میں رہتے تھے ، اور کسی خاص بت کے پجاری ہوتے تھے جب لوگ
 ان سے غیب کی بات پوچھتے ، یا وہ خود آئندہ کے متعلق پیشین گوئی کرنے لگتے ، تو ایک خاص
 کیفیت اپنے اوپر طاری کرتے ، مرد بھی کاہن ہوتے تھے ، اور بیض عورتیں بھی ہوتی تھیں جو
 کاہنہ کہلاتی تھیں ، یہ مصیبتوں اور بلاؤں کے دور کرنے کے لیے بت پرستانہ علاج اور تدبیر
 بتاتے تھے ، یہ اپنی کہانت کی اجرت میں بڑی بڑی قیمتیں اور نذرانے وصول کرتے تھے ، اسلام کے
 ان میں جو مسلمان ہو گئے تھے وہ علانیہ اپنے خدش و فریب کا اعتراف کرتے تھے ان کو نذر نیا زرا

۱۰۰
 ۲۶۵
 ۱۰۰
 صحیح بخاری جلد اول ص ۲۰۵ - کتاب الطب باب لکھنا ۔

اجرت کی جو رقم یا تحفہ ملتا، اس کا نام حلوان الکاہن کے منہ چٹھا کرنے کے لئے تحفہ، اسلام نے آکر اس کو روک دیا،

تو ان کا ہنوں نے عوام فریبی کا بڑا جال پھیلا رکھا تھا، اور یہ ان ہی کا اثر تھا کہ ملک کا ملک سیکڑوں قسم کی وہم پرستیوں میں مبتلا ہو گیا تھا،

شعرا کی نسبت بھی عرب کا خیال تھا کہ ہر شاعر کے ساتھ ایک شیطان رہتا ہے اور وہی اس کو اشعار القاد کرتا ہے، چنانچہ نخل شاعر کی شیطانہ، عمرو کی بٹی تھی، اور عشی جو عرب کا مشہور شاعر تھا، اس کے شیطان کا نام نخل تھا، عشی خود کہتا ہے،

دعوت خلیع مسلا ودعوالہ میں نے اپنی دوست نخل کو پکارا اور نخلوں نے کیلئے

بجھنا ہریدی اللہ جین المذموم جنام کو پکارا، اور یہ کہینہ بڑا طوار کیلئے بلایا جانا

حبانی اخی الخی نفسی فداعک مجھ کو میری حق دست نے میری جان اسق فدا،

باقیہ جیاش القشیات مرجوم شامون کے وقت سے بڑے جوش مارنے اور

جو اعلیٰ درجہ کا شاعر ہوتا تھا، اس کا نام شیطان یا جن مذکور ہوتا تھا، ابواجم کہتا ہے،

انی وکل شاعر من البشر ہر شاعر کا شیطان تو موت ہے

شیطانہ انشی وشیطانی ذکر مگر میرا شیطان مذکر ہے،

تسلفان اور شیبان، روسائے شاپین تھے، جو شاعری سکھانے کے لئے ایک شاعر کو

لے کر صحیح بخاری جلد اول ص ۵۲۷ کتاب الطب باب الکمانۃ، عشی کے دیوان مطبوعہ دیانامہ

میں مرثیہ پہلا شعر ہے اور اس کا بھی دوسرا مصرعہ اس طرح ہے، جھنا جید اللہ جین المذموم

اس پر فخر تھا کہ اس کا علم اسی شیطان کی اولاد سے ہے،

ولی صاحب مین بنی لشیعیان میرا ساتھی شیطان کی اولاد ہے،

فظوراً اقول و طوراً اھوکا تو کبھی میں شعر کہتا ہوں کبھی وہ

اوہم پرستی | سانپ کو قتل نہیں کرتے تھے یہ اعتقاد تھا کہ سانپ مارا جائے تو اس کا جھڑا

اگر بدل لیتا ہے یہ اعتقاد تھا کہ مرنے کے بعد روح ایک پرندین کراڑنی رہتی ہے، اس کو ہاتھ

کہتے تھے، یہ اعتقاد تھا کہ پیٹ میں ایک سانپ رہتا ہے، جو بھوک کے وقت کاٹتا ہے جو کام

کرنا چاہتے تھے، پہلے شکون لے لیتے تھے، مثلاً اس وقت کوئی پرندہ اپنی جانب سڑا تو مبارک سمجھتے

تھے، اور بائیں جانب سڑا تو اس وقت اس کام سے باز رہتے تھے، بکری کے جب بچہ پیدا ہوتا تو

اگر زہوتا تو بت پرچھا دیتے، اونٹنی جب بس بچے جن لیتی اس کو چھوڑ دیتے، وہ سانپ کی طرح

چھوٹی پھرتی،

کسی شخص کے پاس جب اونٹوں کی تعداد ہزار تک پہنچ جاتی تو ایک اونٹ کی ایک

بھوڑ دیتے کہ نظر لگ جائے کبھی قحط پڑتا تو بھیر یا دنبہ کی دم میں گھانس پھونس باندھ کر آگ

لگا دیتے، اور سمجھتے کہ اس سے پانی رینگا سفر میں جلتے تو کسی درخت میں ڈورا وغیرہ باندھ کر

لگا دیتے، وہاں آکر دیکھتے اگر گرہ کھل گئی ہو تو سمجھتے کہ ان کی بوی نے بدکاری کی سفر میں راستہ

بھول جاتے، تو کپڑے لٹا کرین لیتے اور سمجھتے کہ اس سے راستہ لے جاتا ہے، یہ خیال تھا کہ شیخوں

دلت و سزئی کو گالی دیتا ہے، اس کو برص یا جذام ہو جاتا ہے، ہاتھوں میں نسل کی انگوٹھی پہنتے تھے

اور سمجھتے تھے کہ اس سے صنعت جانا رہتا ہے

یہاں بوداؤں نے بھی یہی عقیدے رکھے تھے
جلد پش ایسے عقیدے رکھتے تھے
یونان الاہیہ اور افسانہ
دیگرہ
یہ عقیدے ان کے عقیدوں سے
تھیں، ان عقیدوں میں سے
تھیں، ان عقیدوں میں سے

اس قسم کے سیکڑوں اور ہام پھیلے ہوئے تھے جن کا شمار نہیں ہو سکتا،

یہ تو ان کے مذہبی حالات و خیالات تھے، ان کی اخلاقی کیفیت بھی ایسی ہی پست

تھی، ان کے اخلاقی معائب میں سب سے نمایاں چیز ان کی جنگجوئی تھی جس نے ان کو صدرِ جوخو

سنگدل اور سفاک بنا دیا تھا،

جنگجوئی | ذرا ذرا سی بات پر لڑنا، اور ایک دوسرے کا سر کاٹ لینا ان کے نزدیک کوئی

بات ہی نہ تھی، ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ سے اور ہر خاندان دوسری خاندان سے ہر پرکارتھا، ہر تہمت اپنے

باپ اور عزیزوں کے قاتل سے انتقام لینے کے جذبہ میں پرورش پاتا تھا اور جوان ہو کر اس مقدس

فرض کو انجام دیتا تھا، اور اس طرح ایک ایک لڑائی کا سلسلہ برسوں تک قائم رہتا تھا، ان ہی

لڑائیوں کو مورخین اور اہل ادب آیام العرب کہتے ہیں جن کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہے

میدانی نیشاپوری، المتوفی ۱۱۵۰ھ نے کتاب الامثال میں ان میں سے ۱۳۲ لڑائیوں کے

نام بتاتے کے بعد یہ لکھا ہے،

هذالفن لا يتقصاة للاحصا

فاقتصرت على ما ذكوت،

(جلد ۳، خیر یہ مصر)

یہ فن شمار کا استحصاء نہیں کر سکتا،

اس لئے جو کچھ میں نے بیان کیا ہے،

اسی پر میں نے قناعت کی،

یہ تمام لڑائیاں وہ ہیں جو اسلام سے چالیس پچاس برس پیشتر سے اسلام تک ہوئیں اور

میں سب سے مشہور لڑائی عبس و ذبیان کی ہے جس کا واقعہ یہ ہے کہ ان دو قبیلوں کے دو گھوڑے

دو اس اور غیر اس کا باہمی مقابلہ تھا، ان میں سے ایک فریق نے گھوڑے کے قواعد کی خلاف ورزی

کی اور لڑائی ہو چڑھی، یہ لڑائی ان دونوں قبیلوں میں پورے چالیس برس تک قائم رہی اور پھر مشہور لڑائی حرب بسوس، اس کا واقعہ یہ ہے کہ بسوس نامی ایک قبیلہ کی عورت کی اونٹنی کلب بن وائل کے چراگاہ میں جا پڑی، کلب نے اپنے تیر سے اس کے تھن کو زخمی کیا، اس بات نے قبیلہ میں آگ لگا دی، کلب جان سے مارا گیا، اور سحر و تغلب میں خوزیر جنگ ہوئی، عکاظ کے میلہ میں سلیم اور عطفان کے سرداروں میں کچھ مشاکشہ ہوا، چند روز کے بعد موقع پا کر ایک قتل کر دیا گیا، اس کے انتقام میں خون کی ندیاں بہ گئیں، بکر و تمیم میں ایک چراگاہ کے معاملہ میں خوزیر لڑائی ہوئی، اس و خزرج مدینہ کے دونوں قبیلوں میں جو ہونا ک لڑائیاں ہوتی رہیں، ان میں سے مشہور یوم بعاث ہے جس میں دونوں قبیلوں کے اکثر سردار کام آئے اس لڑائی کا انصار مدینہ کی بیعت پر ہوا، قریش کی مشہور لڑائیوں کا نام ایام فجار ہے، ایک اور مشہور لڑائی کا نام ذمی قار ہے

الغرض معمولی سے اشتعال سے قتل تک نوبت پہنچتی تھی قتل سے انتقام کا جذبہ پیدا ہوتا تھا، اور لڑائیوں کا ایک غیر منقطع سلسلہ قائم ہو جاتا تھا، ان میں لڑنا، اور مرنا، اور مارنا جاہلیت کا شرف اور قبیلہ کی آن سمجھی جاتی تھی، اور اس خون آشامی کا ذوق ان کی فطرتِ مائیں بن گئی تھی، ان لڑائیوں میں سفاکی، بیرحمی، اور قتل و غارت کی بدترین مثالیں پیش آتی رہتی۔

شراب خواری | شراب جو ہر قسم کے فسق و فجور اور منظام اور بدکاری کا سرچشمہ ہی عربوں میں سکا اس قدر رواج تھا کہ ہر گھر ایک میکہ ہنگیا تھا، اس کا نہ پنا اسقدر نامانوس بات تھی کہ جن چہ

لے ان لڑائیوں کے مفصل حالات کے لئے دیکھو عقد الفرید ابن عبد ربہ جلد ۳، اور مثال میدانی لفظیوم“

آدمیوں نے اسلام سے پہلے اس کے پینے سے پرہیز کیا تھا، اُن کے نام یاد رکھے گئے ہیں اور دست
 و اجباب کسی گھر میں جمع ہوتے، شراب کا دور چلتا، ساتھ ہی جو ا کھیلنے اُس میں اونٹوں کی ہار
 جیت ہوتی، جو عقیثا وہ جیتے ہوئے اونٹوں کو اسی وقت ذبح کر کے لوگوں کو کھلا دیتا، کبھی نشہ
 میں سرشار ہو کر خود صاحبِ خانہ اُٹھ کھڑا ہوتا، اور اپنے اونٹوں کو کاٹ کاٹ کر ڈھیر کر دیتا
 لوگ گوشت بھونتے، اکباب لگاتے اور کھانے کھلاتے، اور اپنی اسی بیجا فباغی پر فخر کرتے رہتے
 فاحشہ منمنیہ عورتیں گاتی بجا میں اور وہ اُسی مخموری کے عالم میں بے شرمی کی باتیں کرتے جاتے
 کا مشہور شاہِ عطرہ کہتا ہے،

| | |
|--|--|
| وَأَنْ تَقْتَضِي فِي الْحَوَايِتِ تَصْطَدُ | فَان تَبْعِي فِي حَلَقَةِ الْقَوْمِ تَلْقَى |
| اور اگر شرفِ نون میں مجھے شکار کرنا چاہے تو کر سکتا ہے | پس اگر تو مجھے لوگوں کے حلقہ میں ڈھونڈ کر پوچھتا ہے |
| وَأَنْ كُنْتَ عَنْهَا غَائِبًا فَاغْنِ وَاذْهَبْ | مَتَى تَأْتِنِي أَصْبَحُ كَأَنَّ سَارُوِيَّةَ |
| اور اگر تو اس سے بے نیاز ہو کر آئے تو جا اور بے نیازی کر | جب بھی تو میری پاس آئی تو میں تجھے شراب کی سیلاب پالہ بنا دینگا |
| تَدْرُجُ الْيَنَابِينَ بَرْدًا وَمُجَسَّدًا | مَدَامَا مَيِّبِضًا كَالنَّجْوَى وَقَيْنَةَ |
| سیرکے پھل شراب کے ہنسیں تان کی طرح گوری چوہیں اور ایک مغنیہ جو چشم کو ہار پاس مینی ڈا اور زعفرانی کپڑوں میں آتی ہے | مذامامی بیضی کا لہجہ و قینتہ |
| بِحَبْسِ الْمَدَامِي ابْضَةُ الْمَنْجَرِدِ | رَحِيْبًا قَطَابًا لَجِيْبًا سَهْمًا رَفِيْعَةً |
| اس کے گریبان کا شگاف بڑا ہے، شرابی رفیقوں کی دست درازی سوانیوں اور اُس کے بدن کے ہر منہ جیسے لطیف ہیں | اذا نحن قلنا اسمعينا انبرت لنا |
| علی رسلها مطر وقتة لوتشاد | جب ہم کہتے ہیں کہ ہمیں سناؤ تو آہستہ آہستہ..... نزاکت کے ساتھ آگے بڑھتی ہے |

وَمَا زَالَ تَشْرَبُ ابِي الْحَمُورِ لَذَّتِي وَبَيْبِي وَانْفَاقِي طَرَفِي وَمَتَدِّي
 اور میری شراب نوشی، اور لذت اندوزی، اور اپنی حاصل کردہ اور خوردگی دولت کو خرچ کرنا میرا شمار رہا
 فَلَوْلَا ثَلَاثُ هُنَّ مِنْ لَذَّةِ الْفِتَنِ وَوَجْدَ لَكَ كَمَا حَفَلَتْ مَتَى قَامَ عَوِي
 اور اگر تین باتیں نہ ہوتیں جو ایک شریف کا لطفِ ذوق ہیں، تو تیری قسم میں اپنی موت کی پروا نہ کرتا
 فَهِنَّ مَتَى سَبَقِي الْعَاذِلَاتِ بَشْرِيَّةِ كَمِيَّتِ مَتَى مَاتَ بِلِ الْمَاءِ تَوْبِي
 ان میں سے ایک تو نصیحت کرنا ایوں کی بات کا خیال کئے بغیر سرخِ نسیاۃ تک پیالہ پی لینا جس میں پانی پلانے سے جو جس سے
 وَتَقْصِيرِ يَوْمِ الدَّجْنِ وَالِدَجْنِ مَعْجَبِ بِبَهْكَنَةِ تَحْتِ الْحَيَاءِ الْمَعْرَبِ
 اور دوسری بات گھنگھور گھٹا کے دن کو اور وہ کیسا پر لطف دن تھا کسی بلند خیمہ کی نیچے حسین عشوہ سے لطف اندوزی یا اگر باہر سے
 كَرِيمِ يَرْوِي نَفْسَهُ فِي حَيَاتِهِ سَتَعْلَمَاتِ مَنَاعِلِ الْاِيْنَا لَصَدِي
 میں وہ نیاں ہون جو اپنی زندگی میں اپنے آپ کو شراب پلا کر سیراب کرتا ہے موت کے بعد معلوم ہو گا کہ ہم میں پیسا کون
 وَبِرْكَ هَجُودِ قَدِ انْأَرَتْ فِخْفَاقِي لَوَادِيهَا اَمْشِي بَعْضُ بَعْضِ
 اور کتنے بیٹھے ہوتے سوتے اونٹ تھے کہ میرے خوت نے ان کے اٹھون کو بھڑکا دیا جن میں تنگی تلوار لیکر چلا
 فَصَرَفَتْ كَهَاتِهِ ذَاتِ خَيْفِ جِلَالِهِ عَقِيلَةَ شَيْخِهِ كَالْمَوْهَبِ بِلَيْدِهِ
 تو ایک سوئی اونٹنی جو ایک بڑھے کی، جو ایک لٹھ کی طرح چھبگڑا، لو تھا اہمیت چیز تھی، سانسو آگئی
 وَقَالَ اَلَا مَاذَا تَرَوْنَ بِشَادِبِ شَدِيدِ عَلَيْنَا بَعِينِهِ مَتَعَبِهِ
 (جب میں نے تلوار سے کوئیں کاٹ کر اونٹنی کو گرا دیا، تو اس بڑھے نے کہا کہ اس ہدست کو، کچھ جو بنا بڑھکر ہم پر ظلم کرتا ہے
 فَظُلُّ الْاَلَا مَا يَمْتَلِنِي عَوَا رَهَا وَسِعِي عَلَيْنَا بِالْاَسْدِ يَفِ الْمَرْهَدِ

تو لوڑیاں ادھنی کے بچہ کو رجو اس کے پیٹ سے نکالتا تھا، بھونسنے لگیں اور چربی دار کوہان کا گوشت لیکر ہمارے پاس ڈرا جائیگا

لبید بن ربیعہ جو عرب کا مشہور شاعر، اور سب سے معلقہ کی مغل کا چوتھا مہر ہے، کہتا ہے،

بل انت لا تدرین کد من لیلۃٍ طلق لذین لہوہا وندامہا

بلکہ تو نہیں جانتی کہ کتنی کھلی ہوئی راتیں، جن کی دھپسی اور ہم نوشی پر لطف تھی،

قد بتت سامرہا وغایۃ تاجر وافیثا اذ رفت وعزیدامہا

میں اُن کا قصہ گو تھا، اور شراب فروش کی منزل میں آتا جا تا رہا جب اس کا جھنڈا بلند ہوا اور اسکی شراب گران ہو گئی

اعلی السبائے بکل ادکن عاتیق ادجوتہ قدحت وفض ختامہا

میں اُس کی قیمت کو اور گران کر رہا تھا، پرانی خاکی رنگ کی مشک یا خم کو خرید کر چوپایوں میں بھری جاتی اور اسکی تروزیجاتی

و صبح صافیۃ وجذب کرینۃ یموترتا تالہ الہامہا

اور کتنی صبح کھ صاف شراب، اور مغنیہ کا عود کھینچ کر اپنے انگوٹھے سے دبا،

بادرت حاجتہا الدجاج بسجورۃ لا اعل منہا حین ہب نیامہا

میں نے شراب کی ضرورت مرغ سحر کی آواز سے پہلے پوری کی، تاکہ میں اس کے سونو والوں کے جاگنے سے پہلے دہراؤں

تغلبان قبیلون میں تھا آنجھوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا، لیکن اس مذہب کے

بھی عربوں کو اس بری عادت سے باز نہیں رکھتا تھا، بلکہ شراب کی ورا مذ زیادہ تران ہی

عیسائیوں کے ملک شام سے ہوتی تھی، تغلب کا سب سے بڑا شاعر اپنے فخریہ میں کہتا ہے،

الاہبتی بصعنک فاصبحینا ولا تبقی خوراکا لندینا

ہاں اپنا پیالہ لیکر اٹھ جا، اور مجھے صبح کی شراب پلا، اور اندر میں (شامی گانوں) کی کوئی شراب چھوٹے نہ پائے

مشعشعة كانت الحصى فيها اذا ما الماء خالطها سخينا

پانی میں ملی ہوئی گویا اس میں کسم کے پھول پڑے ہیں، جب گرم پانی اس میں ملا

تجورد بنی الالبانہ عن ہوائہ اذا ما اذا قها حتى يلبينا

غرضندہ کو اس کی غرض بھلا دے اگر اس کو چکھ لے، یہاں تک کہ اس کو نرم کر دو

ترى اللحو الشحيح اذا اُمرت عليه لماله فيها مصيبينا

تنگ دل بخیل پر بھی اگر اس کا ایک دور گزار دیا جائے تو وہ اپنی دولت کو لٹا دے

صبنت الكاس عتاً و عمرى و كان الكاس مجراها اليمينى

اے عمرو کی ماں! تو نے ہم سے پیالہ ہٹا لیا حالانکہ پیالہ کا دور و اسنی طرف تھا

وما شر الثلثة اء عمرو و بصا حبتك الذى لا تبصينا

جانا کہ تیرا وہ ہم نشیں جس کو تو نہیں پلاتی، تین میں سب سے بہتر نہیں

و كاسى قد شربت بعبك و اخرى فى دمشق وقاصرينا

اور کتنے پیالے بعبک میں پئے، اور کتنے دمشق اور قاصرین میں

ان اشعار سے اندازہ ہو گا کہ جاہلیت میں شراب نوشی کا کیا عالم تھا، شراب

فروشوں کی دوکانیں کسی ممتاز مقام پر ہمیشہ کھلی رہتی تھیں، اور نشان کے لئے وہاں جھنڈا

اڑا کرتا تھا جس کو غایۃ کہتے تھے، (دیکھو اور پرلہید کا دوسرا شعر) انتہا یہ ہے کہ تجارت کا

”شراب فروشى“ کا مراد بن گیا تھا، ایک جاہلی شاعر عمرو بن قنہ کہتا ہے،

اذا سحب الربيط والمروط الى ادنى تجارى والفض اللميا

(حماسہ)

یاد ہے وہ دن جب میں اپنی چادر گھسیٹتا ہوا قریب ترین شراب خانہ میں جاتا تھا، اور اپنے گیسوؤں کو جھاڑتا تھا
 بدر میں قریش کے دو متمذروں سا، مارے گئے تھے، ان کے مرثیہ میں قریش کا ایک شاعر
 خاص طور سے ان کی بزم شراب، اور مجلس رقص و سرود کی بربادی کا ماتم کرتا ہے،

وماذا بالقلب قلب بدی
 من القينات والشرب الكواہ

بدر کے گڈھے میں (جس میں مقتولین کی لاشیں ڈالی گئی تھیں) ہنچو ڈلیوں اور فیاض شرابیوں کا ماتم ہو

شراب کے رواج عام کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عربی زبان میں شراب کے ڈھانی
 نام ہیں، اور علامہ مجدالدین فیروز آبادی نے خاص ان ناموں پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے تمام
 گھروں میں شراب کی مجلسیں قائم ہوئیں، گھر کی عورتیں اور چھوٹے بچے ساتی بنتے تھے، شہر
 اوپر گزر چکا ہے جس میں شاعر اپنی بیوی سے کہتا ہے،

صبت الكاس عناة عمرو
 اے ام عمرو! تو نے شراب کا پیالہ ہم سے ہٹا لیا

وكان الكاس مجواها اليمينا
 حالانکہ پیالہ کی گردش داہنی طرف سے تھی

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اسلام لانے سے پہلے میں اپنے باپ (عباس) کی زبان

سے کسنی میں یہ سنا کرتا تھا، اسقنا كما دهاها شراب کا ایک بزرگ پیالہ ہم کو پلا،

صحیح بخاری کتاب الاشرار میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب شراب حرام ہوئی

ہی تو اس وقت ایک مجلس قائم تھی جس میں حضرت ابو دجانہ، ابو طلحہ، اسمیل بن بھینا، شریک

تھے، اور میں جو کہ سب سے کسن تھا، ساتی گرمی کی خدمت انجام دے رہا تھا،

صحیح بخاری باب الحجرة، جلد اول ص ۵۵۸ صحیح بخاری باب یام الجالیة جلد اول ص ۵۴۱،

شراب کس بے تکلفی سے پی جاتی تھی، کس درجہ کے لوگ پیتے تھے، کس قسم کے افعال، حالت میں سرزد ہوتے تھے، اس کا اندازہ صحیح بخاری کی ایک روایت سے ہو گا، جو حرمت شراب سے قبل کا واقعہ ہے،

غزوہ بدر میں حضرت علیؑ کو مالِ غنیمت میں سے ایک اونٹنی ملی تھی جس میں سے ایک اور اونٹنی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عطا فرمائی، حضرت علیؑ کا نکاح حضرت فاطمہؑ سے ہو چکا تھا، اور وہ دعوتِ ولیمہ کی تیاری کر رہے تھے، ارادہ تھا کہ جنگل میں جا کر اذخر (ایک گھاس کا نام ہے) لائین، اور زرگرون کے ہاتھ نروخت کریں، اس ارادہ سے باہر نکلے، تو دیکھا کہ انکی اونٹنیوں کے گوبان کسی نے کاٹ لئے ہیں، اور پٹ چاک کر کے کلمچہ نکال لیا ہے، لوگوں سے پوچھا کہ یہ کس کا کام ہے؟ معلوم ہوا کہ پاس ہی ایک گھر میں حضرت حمزہؑ چند انصاری کے ساتھ شراب پی رہے تھے، ایک مغنیہ نے گاتے گاتے یہ مصرع لگایا،

الایا حمزہ للشرف النساء،
اسے حمزہ! موٹی اونٹنیوں کے لئے،

حضرت حمزہؑ تلوار لے کر اٹھے، اور اونٹنیوں کے پٹ چاک کر کے ان کے کلمچہ نکال لیے، حضرت علیؑ نے جا کر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خبر کی، اور یہ ماجرا بیان کیا، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے چادر اوڑھ لی، اور حضرت علیؑ اور زیدؑ کو لے کر، حضرت حمزہؑ کے پاس گئے، حضرت حمزہؑ مخمور تھے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا، اور کہا تم سب میرے پاس کے غلام ہو، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ حالت دیکھ کر چلے آئے،

لے صحیح بخاری کتاب لغزوات، غزوہ بدر ص ۱۵۱،

حضرت حمزہؓ نے س۳۳ میں شہادت پائی ہر سو وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی، شراب کی حرمت جس تدریج سے نازل ہوئی ہے اس سے اندازہ ہوگا کہ تمام ملک کس طرح آہیں مبتلا تھا کس طرح و مقبول نام ہو چکی تھی کہ اسکی حرمت کی طرف ذہن منتقل نہیں ہوتا تھا، اور کنا اور اشارہ سے گزر کر جب تک صاف صاف مانعت نہیں کر دی گئی، لوگ سمجھ نہیں سکے،

ابوداؤد، کتاب الاشراب میں روایت ہے کہ جب شراب کی مانعت نازل ہوئی، تو حضرت عمرؓ نے کہا اے خدا! شراب کے بارہ میں ہم کو صاف صاف بتا دے ان کے اصلی الفاظ میں،

اللَّهُمَّ بَيِّنْ لَنَا فِي الْحَمْرِ بَيَانًا

اے خدا! شراب کے بارے میں ہمارے لئے

شفاء، شافی بیان کر دے،

اس پر سورہ بقرہ کی یہ آیت اترتی،

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْمِرِ

لوگ تم سے شراب اور قمار بازی کی

قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ

نسبت سوال کرتے ہیں، تو کہہ دو گا

لِلنَّاسِ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبِينَ

دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لٹوٹے

نَفْعِهِمَا، (بقرہ ۲۰۰)

بھی ہیں، لیکن فائدے سے گناہ بڑھ کر ہے

اس آیت کے اترنے کے بعد بھی لوگ شراب پیتے پلاتے رہے، یہاں تک کہ ایک

انصاری نے حضرت علیؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ وغیرہ کی دعوت کی، شراب کا دوا

چل رہا تھا کہ مغرب کی نماز کا وقت آگیا، ایک صاحب نے امامت کی، مگر نشہ کے خار میں قلم

شراب کی حرمت کی یہ تدریجی صورت حضرت عمرؓ (ترمذی تفسیر مائدہ و ابوداؤد و کتاب الاشراب) حضرت

يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ کے سورہ کو کچھ کا کچھ پڑھ گئے، اس پر یہ آیت اُتری،

لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ

نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو، یہاں تک کہ

حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ (نساء)

تم جو کہو اس کو سمجھ بھی سکو،

(تفسیر حاشیہ صفحہ ۲۷۶) ابو ہریرہؓ (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۳۵۱) اور حضرت علیؓ (ابوداؤد کتاب الاشراب) سے مروی یہ بات کہ کون صحابی تھے جنہوں نے نشہ کی حالت میں غلطاً سورہ پڑھ دی تھی، روایات سے صاف طور سے ظاہر نہیں ہوئی ایک روایت میں حضرت علیؓ کا نام ہے اور دوسری میں عبد الرحمن بن عوفؓ کا نام اور تیسری میں کوئی مہاجر مذکور ہے حضرت ابوسعید نے سیرت جلد دوم (مازحیح احکام ذکر حرمت شراب) میں ابوداؤد کتاب الاشراب کے حوالہ سے حضرت علیؓ کا نام لکھ دیا تھا، مگر مزید تحقیق سے یہ نسبت مشکوک معلوم ہوتی ہے، اس خاص روایت کا مرکزی راوی عطاء بن السائب عن ابی عبد الرحمن سلمیٰ ہے ابو عبد الرحمن سلمیٰ حضرت علیؓ سے روایت کرتا ہے اس سے روایت مختلف طریقوں سے آتی ہے اور سربراہی شراب پینے والوں اور حالت نشہ میں نماز پڑھانے والوں کے نام کا اختلاف ہے چنانچہ ہر روایت کے محل الفاظ یہ ہیں،

دو روایتیں جن میں حضرت علیؓ کا نام ہے،

۱۔ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ الرَّازِيِّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ

السَّائِبِ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السَّلْمِيِّ

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ مَنَعَ لَنَا

عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ طَعَامًا فَدَعَانَا

وَسَقَانَا مِنْ الخمرِ فَاخَذَتْ الخمرُ مِنَّا

وَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَقَدْ مَوْنِي

فَقَرَأْتُ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ لَا أَعْبُدُ

مَا تَعْبُدُونَ وَنَحْنُ نَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ

فَانزَلَ اللَّهُ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا

الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ،

(ترمذی تفسیر نساء)

۲۔ جعفر رازی نے عطاء بن سائب سے عطاء نے

ابو عبد الرحمن سلمیٰ سے ابو عبد الرحمن سلمیٰ نے حضرت

علیؓ بن ابی طالب سے روایت کی ہے کہ انہوں نے

فرمایا کہ عبد الرحمن بن عوف نے ہمارے کھانا

تیار کیا اور ہم کو مدعو کیا، اور شراب پلائی جب ہم

شراب کے نشہ میں چور ہو گئے، اور نماز کا وقت آیا

تو لوگوں نے مجھ کو امام بنایا، اور میں نے قُلْ يَا أَيُّهَا

الْكَافِرُونَ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ وَنَحْنُ

نَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ قُرْآن پڑھی، اور پڑھنے پر آیت

اَللّٰهُمَّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ

وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ یعنی مسلمانوں کو نشہ کی حالت میں

نہ پڑھنا

اس کے بعد جب نماز کا وقت آتا تو منادی اعلان کرتا کہ کوئی مجھ کو نماز میں شامل نہ ہونے پائے
 لیکن چونکہ اب بھی ممانعت کا کوئی عام حکم نہ تھا اس لئے نماز کے علاوہ اور اوقات میں
 لوگ پیتے پلاتے رہتے تھے حضرت عمرؓ نے پھر دعا کی، اتفاق سے اسی زمانہ میں بعض انصار نے حضرت

(بقیہ حاشیہ ص ۲۰۰) ۲۔ عن سفیان حدیثنا
 عطاء بن السائب عن ابی عبد الرحمن
 السلی عن اعلیٰ علیہ لسلامہ ان رجلاً
 من الانصار دعا وعبد الرحمن
 بن عرف فسقاہما قبل ان تحوہما
 فامسح علی فی المغرب فقہر قلباً
 ایہا الکافرون فخط فیہا فنزلت
 لا تقربوا الصلوة وانتم سكارى
 حتی تعلمون

۲۔ سفیان نے عطار بن سائب، عطار نے ابو عبد الرحمن
 سلمی سے ابو عبد الرحمن سلمی نے حضرت علیؓ علیہ السلام
 سے یہ روایت کی ہے کہ انصار کے ایک شخص نے ان کو
 اور عبد الرحمن بن عوف کو مدعو کیا، اور تحریم شراب
 سے پہلے ان دونوں کو شراب پلائی، پھر علیؓ نے
 نماز مغرب کی امامت کی اور قل یا ایہا الکافرون
 پڑھی لیکن اس میں گدگد کر دیا، اس پر یہ آیت اتری
 لا تقربوا الصلوة وانتم سكارى
 حتی تعلمون (نیت کی حالت میں نماز کے پاس
 نہ جاؤ یہاں تک کہ جو کچھ کہتے ہو اسکو جان لو)

(ابوداؤد کتاب الاشرار)

وہ روایتیں جن میں عبد الرحمن بن عوف کا نام ہے

۳۔ عن سفیان عن اعطاء بن السائب
 عن ابی عبد الرحمن السلی عن علی
 رضی اللہ عنہ قال دعا نارحب من
 الانصار قبل ان تحوہما فخط
 عبد الرحمن بن عوف وصلى بهم المغرب
 فقہر قلباً یا ایہا الکافرون فالتبس علیہ
 فنزلت لا تقربوا الصلوة وانتم سكارى
 (مسند رک حاکم کتاب الاشرار)

۳۔ سفیان نے عطار بن سائب، عطار نے ابو عبد الرحمن
 سلمی سے ابو عبد الرحمن سلمی نے حضرت علیؓ رضی اللہ
 سے روایت کی ہے کہ تحریم شراب سے پہلے انصار کے
 ایک شخص نے ہم کو مدعو کیا تو عبد الرحمن بن عوف
 نے امامت کی اور ان کو مغرب کی نماز پڑھائی، اور
 قل یا ایہا الکافرون پڑھی لیکن اس میں خلط
 ہو گیا، اس پر یہ آیت اتری لا تقربوا الصلوة
 وانتم سكارى (نیت کی حالت میں نماز پڑھو)

وقاص کی دعوت کی، اس میں شراب کا دور بھی چلا، یہ پی کر ہستی میں کھنے لگے کہ ہمارا نصیب
سے بہتر ہیں، اس پر بات بڑھی اور مار پیٹ تک نوبت پہنچی اس پر حکم آیا (صحیح مسلم فضائل سعد بن مسعود)

۴۔ سفیان نے عطار بن اسباب سے عطار نے ابن عبد الرحمن

سے ابن عبد الرحمن نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت

کی ہے کہ وہ اور عبد الرحمن بن عوف اور ایک دوسرے

آدمی شراب پی رہے تھے، اور ان کو عبد الرحمن بن

عوف نے نماز پڑھانی، اور قل یا ایہا الکافرون

پڑھی جس میں غلط ملط کر دیا، اس پر یہ آیت آئی

(لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ)

۵۔ خالد بن عبد اللہ عطار بن اسباب سے عطار بن ابی

عبد الرحمن سے روایت کرتے ہیں کہ عبد الرحمن

نے کھانا تیار کرایا، اور صحابہ میں سو خیر لوگوں

کو جن میں علی بن ابی طالب بھی تھے، بلایا پھر

انہوں نے قل یا ایہا الکافرون لا تعبدون

ما تعبدون ونحن عابدون ما عبدنا

پڑھی، اس پر یہ آیت آئی (لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ)

الآیۃ

(بقیہ حاشیہ ص ۲۷۸) ۴۔ سفیان عن عطاً

بن السائب عن بن (۹) عبد الرحمن عن

علی رضی اللہ عنہ انہ کان ہور و

عبد الرحمن ورجل اخر شربون الخمر

فصلى بهم عبد الرحمن بن عوف فقرا

قل يا ايها الكافرون فخلط فيها فنزلت

لا تقربوا الصلوة (متك ماكم كتاب لا شرب)

۵۔ خالد بن عبد اللہ عن عطاء بن

السائب عن ابی عبد الرحمن ان

عبد الرحمن صنع طعاماً فدعا

ناساً من اصحاب النبی صلی اللہ

علیہ و سئلو فیہم علی بن ابی

طالب رضی اللہ عنہ فقرأ قل

يا ايها الكافرون لا تعبدون

و نحن عابدون ما عبدنا ثم نزلت

لا تقربوا الصلوة الا بعد رك حاکو

(كتاب لا شربہ)

وہ روایت جس میں نام کی تعیین نہیں،

۶۔ سفیان عن عطاء بن السائب عن

ابی عبد الرحمن عن علی رضی اللہ عنہ

۶۔ سفیان عطار بن سائب سے عطار بن عبد الرحمن

سے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (مائدہ - ۱)

اسے ایمان والو! بیشک شراب، جوا، بت اور پانسے ناپاک اور شیطان کے کام ہیں، تو ان سے بچو، تاکہ لعلکم تفلحون، (مائدہ - ۱) فلاح پاؤ،

اس کے بعد شراب قطعاً حرام ہو گئی، حرمت شراب کی یہ آخری آیت جس وقت

رقبہ حاشیہ صفحہ ۲۷۹) قال دعا مارجل من الانصاف قبل تحريم الخمر حضرت صلوة المغرب فقد ورد رجل فقرا قل يا ايها الكافرون فالتبس عليه فنزلت لا تقربوا الصلوة الاية (مستدرک حاکم تفسیر نسا)

نہرایا تحریم شراب سے پہلے ہم کو انصار کے ایک شخص نے مدعو کیا نماز مغرب کا وقت آیا تو ایک آدمی نے امامت کی اور قل یا ایہا الکافرون پڑھی لیکن اس میں خلط ملا کر دیا، اس پر آیت اتری لا تقربوا الصلوة، الاية)

ان چھ روایتوں میں مختلف قسم کے اختلافات ہیں،

- ۱- پہلی اور پانچویں روایت میں ہو کہ داعی عبد الرحمن بن عوف تھے دوسری تیسری، اور چھٹی میں ہو کہ داعی کوئی انصاری تھے، چوتھی میں دعوت کے بغیر مجلس شراب کا ذکر ہے،
- ۲- پہلی اور دوسری میں ہے کہ امام حضرت علی تھے جنہوں نے نشہ میں کچھ کا کچھ پڑھ دیا، تیسری، چوتھی اور پانچویں میں ہو کہ وہ امام عبد الرحمن بن عوف تھے، اور چھٹی میں حضرت علی سے روایت ہو کہ کوئی آدمی امام تھا،
- ۳- اور روایتوں میں ہو کہ اس دعوت کی مجلس میں شراب تھی چھٹی میں شراب کا مطلق ذکر نہیں ہو بلکہ وہ شخص جو امام بنا تھا، وہی شاید کہیں سے پی کر آیا ہو، گو کہ حرمت شراب سے پہلے پنا کوئی شرعی جرم نہیں، امام حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پنا چوچین سے آنحضرت علی رضی اللہ عنہ کی صحبت و تربیت میں پل کر جو ان ہونے قیاس کے خلاف ہے، خصوصاً اس آیت کے لفظ فیصلہ اللہ کبیر، رکدے کہ شراب اور جو سے میں ٹراگنی ہو، حضرت علی کا پنا اور بھی زیادہ واقعہ کی سحت میں شک پیدا کرتا ہو، چہرہ بہ دیکھا جاتا ہو کہ اس، روایت میں مختلف قسم کے ایسے اختلافات ہیں جو ناقابل تطبیق ہیں،

میں، ابو عبیدہ اور ابی بن کعب اور

اور ابو طلحہ کو شراب پلا رہا تھا کہ ایک

شخص نے کہا کہ شراب حرام ہو گئی،

كنت اسقے ابا عبیدة و ابا طلحة

و ابی بن کعب فجاء هُمّرات

فقال ان الحمر حرمت

حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی شرح میں صحیح مسلم اور دیگر حدیث کی کتابوں کے حوالے

وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِنَّهُمَا الْكَبْرُ مِنْ نَفْعِهِمَا

الآیہ لیکن لوگوں نے کہا خدا نے ہم پر حرام نہیں کی

صرف یہ کہا کہ ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے

بھی لوگ شراب پیتے ہی یہاں تک کہ ایک دن

ایک مہاجر نے نماز مغرب پڑھائی، اور اپنی قرآن

میں خلط کر دیا، اس کے خدانے شراب کے متعلق اس

زیادہ سخت آیت اتاری یا ایہا الذین آمنوا

لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ

تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ لَوْ أَنَّ اب بھی لوگ شراب پیتے رہے

البتہ جب کوئی نماز پڑھنے جاتا تھا تو ہوش کی حالت

میں جاتا تھا، پھر اس سے زیادہ سخت آیت نازل

ہوئی یا ایہا الذین آمنوا انما الحمر

المیسر والانساب والازلام

من عمل الشیطان فاجتنبوا لعلکم

تفلحون اب لوگوں نے کہا کہ خدا و ملائم

بقرہ ۲۱۱) وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِنَّهُمَا

الْكَبْرُ مِنْ نَفْعِهِمَا اللَّهُ فَقَالَ النَّاسُ مَا

حَرَّمَهُ عَلَيْنَا إِنَّمَا قَالَ فِيهِمَا التَّمْرُ الْكَبِيرُ

وَكَانُوا يَشْرَبُونَ الْخَمْرَ حَتَّىٰ إِذَا كَانَ يَوْمٌ

مِنَ الْأَيَّامِ صَلَّى رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ

أَهْ صَحَابَةٍ فِي الْمَغْرِبِ خَلَطَ فِي قُرْآنِهِ

فَانزَلَ اللَّهُ فِيهَا آيَةً اخْلَطَ بِسُجُودِهَا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ

وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ

وَكَانَ النَّاسُ يَشْرَبُونَ حَتَّىٰ يَأْتِيَ أَحَدُهُمْ

الصَّلَاةَ وَهُوَ مُضَيَّقٌ ثُمَّ أَنْزَلَتْ آيَةٌ

اخْلَطَ مِنْ ذَلِكَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا

الْحَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ

حَبُّ مَرِيٍّ عَلَى الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوا لَعَلَّكُمْ

تَفْلِحُونَ فَقَالُوا إِنَّمَا نَبَأْنَا بِشَرِّهِمْ

اس میں حضرت علیؑ کو کہیں ذکر بھی نہیں، حضرت علیؑ جیسے قرآن کے صاحبِ فہم کی نسبت یہ خیال کرنا کہ پہلی آیت

کے اشارے سے شراب بہت کونہ سمجھ سکے تھے، بقول کے قابل نہیں، مجاہد میں حاکم نے مستدک میں چھٹی آیت کو

کہ اس جلسہ میں گیارہ بزرگ شریک تھے جن میں حضرت معاذ بن جبلؓ بھی تھے، اس موقع پر
 لحاظ کے قابل یہ بات ہے کہ اگرچہ یہ مدتوں کی عادت تھی، اور اس وقت بھی سب بخاریں جھوم رہے تھے
 تاہم چون ہی یہ آواز آئی کہ رسول اللہ ﷺ نے شراب کی ممانعت کر دی کسی نے پوچھا
 کچھ تک نہیں، اور دفعہ جام و سبو توڑ ڈالے، یہ صرف ابو طلحہؓ کے گھر کا حال نہ تھا بلکہ تمام مدینہ
 کے گلی کوچوں میں شراب کی ندیاں بہ گئیں، بخاری باب المعالم میں ہے:-

فجرت فی سکت المدینة
 مدینہ کی گلیوں میں شراب بہتی پھرتی تھی،
 ان ندیوں کی روانی سے نماز ہو گا کہ عرب میں شراب نوشی کی کثرت کا کیا عالم تھا،
 قاربازی | شراب بخاری کے ساتھ ساتھ ان میں قمار بازی کا بھی عام رواج ہو گیا تھا، عرب کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۲) بیان کیا ہے کہ اس واقعہ میں حضرت علیؓ کا نام شامل کرنا خوارج کی کارستانی ہے جسکی تردید اس روایت
 سے ہو جاتی ہے جس کو خود حضرت علیؓ روایت فرماتے ہیں، عالم کہتے ہیں،

وفی هذا الحدیث فائدة كثيرة وهي
 ان الخواجج تنسب هذا السكر وهذا
 القراءة اني امير المؤمنين علي بن ابي
 طالب دون غيره وقد برأه الله
 منها فانه راوى هذا الحديث ۲
 اور اس حدیث میں بہت بڑا نکتہ ہے اور وہ
 یہ ہے کہ خوارج نے اس نشہ اور اس غلط قرأت کو
 امیر المؤمنین علی بن ابی طالب ہی کی طرف
 منسوب کیا تھا تو خدا نے ان کو اس لزام سے
 بری کر دیا کہ وہ اپنی اس حدیث کے راوی ہیں

درحقیقت وہ واقعہ کے صرف راوی تھے لیکن عثمانی اور خارجی راوی نے خود حضرت علیؓ کو صاحبِ اقرب بنا دیا،

فتح الباری جلد (۱) مطبوعہ مصر طبع اول صفحہ ۲ بحوالہ بروایت ابی عاصم

مال و ودات کا تمام سرمایہ اونٹوں کے چند گلوں تک محدود تھا، اس لئے جو ابھی ان ہی کے ذریعہ سے کھیلا جاتا تھا، چنانچہ ایک جاہلی شاعر اپنے حریف سے کہتا ہے،

اعترنا البانہا و لحو مہا و ذلت عاریا بن ربطہ ظاہر

کیا تو ہم پر عیب لگا تا جو کہ ہم اونٹ کا دو دوہا اور گوشت کھاتے ہیں، اور ان ربطہ ہم پر یہ عیب نہیں لگا سکتا

مخا جی بھا اکفنا و ما ونہنہا و نشرب فی اثمانہا و نقامر

ہم ان کو اپنے ہمسرین کو بطور عطیہ کے دیتے ہیں اور ان کو ہماری مین سرن کرتے ہیں اور انکی قیمت شربت پر جو کھیلتے ہیں

اس عوض سے اونٹوں کو ذبح کر کے ان کے گوشت کو دس ٹکڑوں میں تقسیم کر دیتے تھے

اور ان ہی ٹکڑوں پر پانسے ڈالتے تھے، ان پانسوں کی صورت یہ تھی کہ دس تیر مقرر کر لئے تھے جن کے

نام یہ ہیں، قذ، توام، رقیب، حلس، مسل، معلی، منانس، منج، سفج، وند، ان میں ہر تیر کے مختلف

حصے معین کر لیے تھے، اور جب جو کھیلتے تھے، تو ان کو ایک تھیلے میں ڈال کر ایک نصف شخص کے ہاتھ میں

دیتے تھے، وہ ان کو گڈا ڈاڑ کے ایک ایک تیر کو ایک ایک شخص کے نام پر کاتا جاتا تھا جن کے نام

پر وہ تیر نکلتے تھے جن جن کے حصے مقرر تھے، وہ کامیاب ہوتے تھے، اور جن میں تیروں کا کوئی حصہ

نہ تھا، وہ جن کے نام پر نکلتے، ان کو نا کامیابی ہوتی تھی، اس طرح گوشت کے جو ٹکڑے جمع ہو جاتے

تھے، ان کو فقیروں اور محتاجوں اور دوستوں میں تقسیم کر دیتے تھے، چونکہ یہ فیاضی کے اظہار کا ایک

طریقہ تھا، اس لئے قمار بازی کی مجلسوں میں شریک نہ ہونا ایک قومی عار تھا، اور اس قسم کے

لوگوں کی نہایت بخل خیال کرتے تھے، اور ان کو برم کا خطاب دیا جاتا تھا جو لوگ بخل کا

اسلامیہ پوری تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۳۳۱ میں ہے

کر لیتے تھے، اُن سے شادی بیاہ کرنا ننگ مار خیال کیا جاتا تھا، چنانچہ ایک عالمی شاعر شیخ بی بی کو صوفیہ کہتے تھے
وَإِذَا هَلَكْتَ فَلَا تَرِيدِي عَاجِزًا عَسَاوَلًا بَرًا وَلَا مَعْرَاوَلًا

اور اگر میں ہلاک ہو جاؤں تو عاجز، کمزور، اور جوئے میں نہ شریک ہونے والے اور سفر میں قوم کو علیحدہ نہ ہو جانے والا نہ کرنا
جوئے کی ایک صورت جس کو رہان کہتے تھے یہ تھی کہ کسی شرط پر بازی لگاتے تھے، اور

وہ شرط پوری نہیں ہوتی تھی، تو جس چیز پر بازی لگائی جاتی تھی، اس کو لے لیتے تھے، چنانچہ جب

رومیوں اور ایرانیوں میں جنگ ہوئی اور باوجود رومیوں کی شکست کے قرآن مجید پشین کوئی

کی کہ اُن کو چند سال میں ایرانیوں پر غلبہ حاصل ہو جائے گا، تو کفار نے حضرت ابو بکرؓ سے اسی قسم کی

شرط لگائی، اور اس فتح کے لئے چھ برس کی مدت مقرر کی، چنانچہ جب یہ مدت گزر چکی اور رومیوں

کو فتح و ظفر نصیب نہیں ہوئی، تو حضرت ابو بکرؓ کو بازی ہار جانا پڑی، رفتہ رفتہ اس قمار بازی کا انداز

اُن میں اس قدر عام ہو گیا تھا کہ لوگ مال و دولت کھو چکنے کے بعد بی بی اور بال بچوں پر بازی لگاتے

تھے، یہ قمار بازی اور وہ بھی شراب کی ہستی کے عالم میں اکثر مار پیٹ اور لڑائی پر ختم ہوتی تھی، ہمیں

ذہیان کی پہل سالہ جنگ گھوڑ دوڑی کی قمار بازی کا نتیجہ تھی حصول دولت اور کسب شہرت کے اس

غلط طریقہ سے خاندان کے خاندان تباہ ہو جاتے تھے،

سود خواری | عرب میں سود خواری کا عام رواج تھا تمام دولت مند سود پر لین دین کرتے تھے

حضرت عباس بن عبد المطلب نے جو قریش کے سردار اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چاہنے والے تھے تجارت کا

کاروبار نہایت وسیع پیمانے پر پھیلا رکھا تھا، اور اس تعلق سے سود خواری میں نہایت شہرت رکھتے تھے چنانچہ

ابن ترمذی نے جو عمر کی اس صورت کو رہان کہتے تھے، اور اب تک وہ حرام نہیں ہوئی تھی لہٰذا تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۱۳۳

آنحضرت ﷺ نے جب حجۃ الوداع میں سود کی حرمت کا اعلان کیا، تو سب سے پہلے ان ہی کے سود کو باطل قرار دیا، حضرت عثمانؓ اور خالد بن ولیدؓ سود پر قرض دیتے تھے، مسود تقفی طائف کا مشہور رئیس تھا، اور اس کے بھائی عبد لیل، حبیب بن ربیع نہایت دوئمذ تھے، ابو منیرہ ان ہی لوگوں میں سود پر داد دے کر تے تھے، چنانچہ جب طائف فتح ہوا، اور یہ چاروں بھائی اسلام لائے، تو انھوں نے منیرہ سے سود کا تقاضا کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ، (بقرہ)

مسلمانو! خدا سے ڈرو، اور بقیہ سود کو

باقی میں رہو، ان کے علاوہ طائف ایک سرسبز اور دوئمذ شہر تھا، اس لئے وہاں کے لوگ عموماً سود پر سہو پار کرتے تھے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان سے جن شرائط پر مصاحت کی، ان میں ایک ضروری شرط یہ بھی تھی کہ وہ لوگ سود خواری نہ کریں گے، اسی طرح یمن کے بخاری سوداگر بھی سودی کاروبار کرتے تھے، ان سے بھی یہی شرط کی گئی،

سود کا عام اور متداول طریقہ تو یہ تھا کہ ایک معین شرح پر قرض دیتے تھے، اور اس کے ادا کرنے کے لئے مبیعا مقرر کر دیتے تھے، جب مبیعا گزر جاتی تھی، تو اس کا تقاضا کرتے تھے، اگر دیون اس کو ادا نہیں کر سکتا تھا تو مبیعا وین اور اضافہ کر دیتے تھے، اور اس کے عوض میں شرح سود بڑھالیتے تھے، لیکن اس نے ترقی کر کے ایک نہایت ظالمانہ صورت اختیار کر لی تھی، جو سود و سودی بھی زیادہ خطرناک تھی یعنی ایک مبیعا متعینہ کے لئے کسی کو مثلاً سو روپیہ دیتے تھے

۱۰ تفسیر کبیرہ جلد ۲ صفحہ ۴۰۴، ۴۰۵ فتوح البلدان بلاذری فتح طائف ۱۰۵ ابوداؤد کتاب الامارات،

گذر چکتی اور تقاضا کرنے پر دیون اس رقم کو ادائین کر سکتا تھا، تو میعاد اور بڑھا دیتے تھے یہاں
 اس کے معاوضہ میں اس الماں میں بھی اضافہ کر دیتے تھے، یہاں تک کہ کبھی کبھی یہ اضافہ
 دو گنی چو گنی مقدار تک پہنچ جاتا تھا، اس طرح اضافہ ہوتے ہوتے دیون کی کل جائداد مستغرق
 ہو جاتی تھی یہ معاملہ زیادہ تر غریبوں اور کاشتکاروں کیساتھ پیش آتا تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ غریبوں
 اور کاشتکاروں کا تمام طبقہ چند روزہ و نمذون اور خصوصاً یہودیوں کے ہاتھ میں گر دیتا تھا، قرآن مجید کی
 یہ آیت اسی طریقہ سو رو کو مٹانے کے لئے نازل ہوئی،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا
 أَضْعَافًا مُضَاعِفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ
 لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (آل عمران ۱۳۰)

مسلمانو! دونا، چار گنا سو رو نہ کھاؤ
 اور خدا سے ڈرو، یقین ہے کہ تم کامیاب
 ہو جاؤ،

سو رو کے علاوہ قرض کے متعلق اور بھی مختلف قسم کی ناجائز سختیاں پیدا ہو گئی تھیں، مثلاً
 اگر راہن میعاد متعینہ پر مال مر ہونہ کو چھڑا نہ سکتا تھا، تو مرتین اس کا مالک ہو جاتا تھا، مال و دو
 سے گذر کر عورتوں اور بال بچوں تک کو رہن رکھواتے،
 لوٹ مار عرب میں روز کی لوٹ مار نے اگرچہ ہر قبیلہ کو غارتگر اور راہزن بنا دیا تھا، تاہم بعض
 قبائل میں اس قسم کے خاص خاص جتنے قائم ہو گئے تھے، جنہوں نے راہزنی کو اپنا فریضہ معاش
 اور عام مشغلہ بنا لیا تھا، اس قسم کے لوگوں کو نصوص کہتے تھے، اور قبیلہ طے کو عرب میں عام طور
 پر جو شہرت حاصل تھی، وہ اسی گروہ کی بدولت تھی،

لہ موطا امام مالک ص ۲۰۲ سے بخاری قبل کعب بن اشرف،

یگر وہ شہر سے باہر میدانوں میں جنگوں میں پہاڑ کے کھوڑوں میں رہتا تھا، اور ادھر سے
 مسافریا قافلے گزرتے تھے، ان کو لوٹ لیتا تھا، اس کا استیصال صرف ایک پُرورد نظام حکومت ہی سے ہو
 تھا، جو عرب میں مفقود تھا، چنانچہ قبیلہ طے کے عیسائی سردار عدی بن حاتم مسلمان ہو کر جب آپ سے
 ملنے آیا، اور آپ نے اُن سے پیشنگوئی کی کہ وہ دن آئے گا جب حیرہ سے ایک پُروردین عورت
 بے خون و خطر حضرموت کا سفر کریگی، تو چونکہ وہ قبیلہ طے کے ایک رئیس تھے اور اُن اس قبیلہ کے
 ڈاکوؤں کا حال معلوم تھا اس لئے اُن کو تعجب ہوا کہ میں اِطے کے نصوص کیا ہو جائیں گے؟

ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کے مال و دولت، مویشی، بلکہ اہل عیال تک پر ڈاکہ ڈالنے کیلئے
 تیار رہتا تھا، تاجروں اور سوداگروں کے قافلے بغیر کسی بھاری انعام کے کسی میدان سے سبلا
 گزرنہیں سکتے تھے، ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کی عورتوں اور بچوں کو پکڑ کر کسی دوسرے کے
 ہاتھ فروخت کر دیتا تھا، اور مویشیوں کو ہانک لیجاتا تھا، صبح کا وقت جب کہ رات بھر چلنے
 کے بعد مسافر آرام کرتے تھے، اس کام کے لئے مخصوص ہو گیا تھا، چنانچہ صبح کا لفظ عربی
 لوٹنے کے معنی میں جاہلیت میں عام طور سے بولا جاتا تھا، کامیاب ڈاکو اپنے کارناموں کو فخر کرتے
 تھے، اور فخریہ پڑھتے تھے، ایک قبیلہ کا شاعر حادث نامی ڈاکو کے سلامت بچ جانے پر کہتا ہے،

یا لھف زیابۃ للحادث الصبایح فالغافل لا تب

اے زیابہ کا انسوؤں حار کے لئے جو صبح کو ڈاکہ ڈالنے والا، پھر لوٹنے والا، پھر سلامت واپس جانے والا ہے،

حج کے تین مہینوں میں البتہ وہ اس پیشہ سے باز رہتے تھے، لیکن اس سے زیادہ مدت پر
 وہ نہیں کرتے تھے، اور چونکہ ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کے مال و دولت اور مویشی پر موقع پا کر ایسے

تصرف کرتا تھا، اس لئے وہ اُس کو عیب نہیں، بلکہ بہادری کا کام سمجھتے تھے، اور اس طرح ملک میں
مسلحہ قتل و غارت اور لوٹ مار کا طریقہ جاری تھا،

چوری | ڈاکہ کے علاوہ اقتصادی حالات کی مجبوری سے بدوں میں چوری کا رواج بھی تھا، مختلف
قبیلوں کے ایسے بہادر جو قبیلہ میں کوئی نمایاں حیثیت نہیں رکھتے تھے، وہ خصوصیت کیساتھ اس
پیشہ کو اختیار کرتے تھے، وہ ہنہا بڑے بڑے خطرناک موقعوں پر جا کر اس کام کو انجام دیتے تھے
اور اس پر فخر کرتے تھے، اُن میں سے سلیک بن السلک اور تابط شہر شہرت نام رکھتے تھے، تابط
شہر کا ایک قطعہ حاسہ میں ہے جس میں اپنی چوری اور حیلہ گری کا ذکر بڑے فخر سے کیا ہے،

قریش میں تجارت کے سبب سے دولت بھی تھی اور خود خانہ کعبہ میں تحفوں اور نذرانوں کا
خزانہ جمع رہتا تھا، اس لئے اُن میں چوری کے مواقع بھی زیادہ تھے، چنانچہ کلبی نے متعدد و متناہ
قریشیوں کے نام تباہے ہیں جنہوں نے اس خزانہ سے سونے کا ہرن چرائیا تھا، بلکہ اس کا
خاص طور سے ابولہب کا نام لیا جاتا ہے،

عام بد و عیوب میں یہ برائی جتنی عام ہو گئی تھی، اس کا اندازہ اس سے ہو گا کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم ان مردوں اور عورتوں سے جو اسلام قبول کرنے آتے تھے اور سری باتوں کے
ساتھ یہ معاہدہ بھی لیتے تھے کہ وہ آئندہ چوری نہ کریں گے، بلکہ خود قرآن پاک نے آپ کو اس کا
معاہدہ لینے کا حکم دیا تھا،

چوری کرنے کے عجیب عجیب طریقے اپنا کر لیے تھے، ایک شخص نے اپنی پٹری کے کٹنا

لے فتح الباری جلد ۱۲ ص ۱۱، ۱۱۱ کتاب لغات لابن قتیبہ تہ میجر جاری کتاب حدیث ص ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵،

ایک بیڑھا لوہا (مجن) لگا رکھا تھا حج کے زمانہ میں آتا اور جب حاجیوں کو غافل پاتا تو اس لوہے کے سہارے سے ان کے اسباب کو کھینچ لیتا،

جس طرح عرب میں طے کے ڈاکو لوٹ مار میں مشہور تھے، اسی طرح بعض قبائل چوری میں شہرت عام رکھتے تھے، چنانچہ اسلم، غفار، مزینہ اور ہمینہ کے قبیلے تمام عرب میں اس بنا پر بدنام تھے کہ وہ خاص طور پر حاجیوں کے مال و اسباب کی چوری کیا کرتے تھے،

چونکہ یہ چوری عربوں کی اقتصادی کمزوری کا نتیجہ تھی، اس لئے اس کے لئے غیر بیگانہ کی تخصیص نہ تھی، بلکہ اس کا اثر اعزہ و اقارب، ہمسایہ دوست و آشنا، خاندان و عرض

سب پر پڑتا تھا، چنانچہ مدینہ میں بشر، بشیر، بشر بن آدمی تھے جن کو بنو اسیرق کہا جاتا تھا، ان میں بشر منافق تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں شعر لکھ کر دوسروں کی طرف منسوب کرتا تھا، یہ لوگ نہایت تنگدست اور فاقہ مست تھے، انھوں نے رفاع نامی ایک شخص کے بالا خانہ

سے جس میں ہتھیار، تلوار اور زرہ وغیرہ بھی رکھی ہوئی تھی، نقب لگا کر چوری کی، اپنے رفاع کے ہتھیار واپس دلانے لیکن رفاع نے انکو خدا کی راہ میں وقف کر دیا، اور بشیر بھاگ کر مشرکین سے جا ملا،

مردوں کے علاوہ عورتیں بھی اس مرض میں گرفتار تھیں، اسی لئے قرآن پاک نے عورتوں

سے بیعت لیتے وقت یہ عہد لینے کی بھی تاکید کی کہ وَلَا یَسْرِقْنَ (ممتحنہ ۲) یعنی وہ چوری نہ کریں، شرفاً، اگر اس الزام میں پکڑا جائے تو وہ چھوڑ دینے جاتے تھے، اسلئے یہ برائی رکنے نہیں پاتی تھی چنانچہ

اسلام کے بعد بھی جب قبیلہ خزوم کی ایک عورت نے چوری کی تو اس پر قریش کو سخت تردد ہوا،

لے مسلم باب فی الصلوٰۃ الکسوف لکھ مسلم و بخاری، کتاب لناقب باب اسلم و غفار لکھ ترمذی ص ۹۷ کتاب التفسیر

اور لوگوں نے کہا اس کے متعلق آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کون سفارش کریگا؟ لوگوں نے
 اسامہ بن زید کو منتخب کیا جن کو آپ بہت پیار کرتے تھے، انھوں نے سفارش کی تو آپ نے فرمایا تم حدیث
 کے متعلق سفارش کرتے ہو؟ پھر کھڑے ہو کر خطبہ دیا، اور اس میں فرمایا کہ گذشتہ تو میں صرغ
 لئے ہلاک ہو گئیں کہ جب شریف آدمی چوری کرتا تھا، تو اس کو چھوڑ دیتے تھے، اور ضعیف چوری کرتا
 تھا، تو اس کو سزا دیتے تھے، خدا کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ لیتا
 خود شہر کے اندر اس قسم کی وارداتوں کی یہ حالت تھی کہ صفوان بن امیہ ایک روز ایک مش
 قیمت چادراوڑھ کر سو رہے تھے، ایک شخص نے موقع پا کر اس کو اڑا لیا، وہ گرفتار کر کے آنحضرت ﷺ
 علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا، تو آپ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، صفوان کو اس پر رحم آیا، اور
 اگر عرض کی کہ یا رسول اللہ! ایک چادر کے لئے ایک عوب کا ہاتھ کاٹا جائیگا، آپ نے فرمایا میرے
 پاس لانے سے پہلے ہی اس کا خیال رکھنا تھا، حاکم تک معاملہ پہنچنے کے بعد کسی کو سفارش کا حق نہیں
 سفاکی بجزی دخت | رات و ن کی لوٹ مار اور کشت و خون سوان میں درندوں کے تمام اوصاف پیدا
 ہو گئے تھے زندہ اونٹ اور بچے کو بان اور چکیاں کاٹ کر کباب لگاتے اور یہ انکی بڑی مرغوب غذا تھی،
 زندہ جانوروں کو درخت وغیرہ سے باندھ دیتے، اور ان پر تیز اندازی کی مشق کرتے دڑا ہون
 میں حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر ڈالتے، مقتولوں کے ناک کان کاٹ لیتے اور عورتیں ان کے
 بار بنا کر ہنپتیں، منت مانتے کہ دشمن کو قتل کریں گے، تو اس کی کھوپڑی میں شراب پئیں گے،
 سزا دینے کا ایک یہ طریقہ تھا کہ مجرم کو دو درخون کی ٹہنیاں جھکا کر اسکے اعضا ان میں باندھ

۱۰۳ کتاب الحدود ۵ دارقطنی صفحہ ۳ کتاب الحدود

اور پھر ہنسیوں کو چھوڑ دیتے، مجرم کا بدن چر کر ہنسیوں کے ساتھ رہ جاتا،
 کبھی کبھی عورتوں کو گھوڑے کی دم سے باندھ کر گھوڑے کو سرسٹ ڈالتے، ان کے
 بدن کے ٹکڑے اڑ جاتے، اس قسم کی سزائیں اکثر عرب کے سلاطین اور روسا دیا کرتے تھے،
 کبھی آدمی کو کسی کوٹھری میں قید کر کے اس کا کھانا پانی بند کر دیتے تھے، یہاں تک کہ وہ
 اسی طرح بھوک اور پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر جاتا تھا، اس طریقہ سزا کا نام ان کے ہاں
 صبر تھا، مردوں کی قبر پر اونٹ باندھ دیتے تھے، اور اس کو کھانے کو نہیں دیتے تھے، وہ چند
 روز میں مر جاتا تھا، سمجھتے تھے کہ یہ مردے کی سواہی بنے گا، اس اونٹ کو تلبیہ کہتے تھے،
 زنا اور فحش | زنا اور فسق و فجور عام تھا، اور یہ واقعات فخریہ اشعار میں بیان کئے جاتے تھے،
 انقصی عرب کا سب سے بڑا شاعر تھا، اس کے ساتھ شاہزادہ اور والی ملک بھی تھا، اس نے اپنی
 پھوپھی زاد بہن غنیزہ اور عورتوں کے ساتھ جو افعال شنیدے اور بیجا بیان کیں، قصیدہ لامیہ
 میں فخر کے ساتھ تفصیل سے لکھی ہیں، باوجود اس قصیدہ کے اشعار عرب میں بچہ بچہ کی زبان پر تھے
 ابن عباس سے روایت ہے کہ اہل جاہلیت کو بلا اعلان زنا کو جائز نہیں سمجھتے تھے لیکن
 چھپ چوری کرنے کو جائز سمجھتے تھے، اور کہتے تھے کہ کلمہ کھلا کرنا تو کینہ پن ہی لیکن چھپ کر کرنے میں مضامین
 نہیں، فاحشہ عورتیں ان گھروں کے سامنے جھنڈیا لگا کر بیٹھتی تھیں، اور صاحب لریات کہلاتی تھیں
 ان کی اولاد اصلی اور حلالی اولاد کے برابر سمجھی جاتی تھی، اسلام سے پہلے ایسی عورتیں خود کو منقطعین کہتیں ان
 میں سے ایک کا نام عناق تھا، مرشد غنوی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی کہ میں

لہ تفسیر طبری آیت محصنت غیر مسافحات جلد ۱۳ صفحہ ۲۵۵ صحیح بخاری کتاب النکاح جلد ۲ صفحہ ۷۹

عناق سے نکاح کر لوں؟ اس پر یہ آیت اتری ۱۰

وَالزَّانِيَةُ رَائِيَةٌ كَذَّابَةٌ اَوْ مُشْرِكَةٌ (نور-۱) اور زانیہ عورت کے زانی یا مشرک ہی نکاح کرتے ہیں
 بڑے بڑے رؤسا گھر کی لونڈیوں کو یہ حکم دیتے تھے کہ بدکاری کے ذریعہ سے جا کر کچھ کمالات
 اور ان کی نذر کرن عبد اللہ بن ابی مدینہ کا رئیس تھا اور اس درجہ کا شخص تھا کہ ہجرت پہلے تمام انصاف
 نے تاج بنو ابی تھا کہ اس کو بادشاہ بنا کر ہننا میں کے، پچانچہ صحیح بخاری میں یہ واقعہ منقول ہے
 عبد اللہ بن ابی کی دو لونڈیاں تھیں ایک کا نام میکہ اور دوسرے کا نام امیہ تھا، وہ
 ان دونوں کو زنا کاری کرانے پر مجبور کرتا تھا، اس پر قرآن مجید کی یہ آیت اتری ۱۰
 وَلَا تَكْرِهُوا فَتَيَاكُمُ عَلَى الْبُعَاثِ (سورہ نور)

اپنی لونڈیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو
 موجودہ طریقہ کے علاوہ نکاح کی اور چند قسمیں جاری تھیں جو حقیقت میں بدکاری ہی
 کی قسمیں تھیں مثلاً ایک یہ کہ کوئی شجاع اور بہادر شخص ہوتا تو اپنی عورت کو اس کے ہاتھ سے
 کہ اس سے ہمیشہ بوجہ پیدا ہوتا تھا تو سمجھتے تھے کہ اس میں بھی وہی اوصاف آجائیں گے جس کا یہ ظہور
 دوسرے طریقہ یہ تھا کہ چند آدمی جن کی تعداد ایک وقت میں دس سے زیادہ نہیں ہوتی تھی کسی
 عورت کے پاس جاتے اور سب اس سے ہم صحبت ہوتے، جب وہ حاملہ ہوتی اور بچہ جنمی تو سب
 کو بلوا بھیجتی اور کسی ایک سے کہتی کہ یہ بچہ تمہارا ہے اس کو قبول کرنا پڑتا، اور پھر وہ اس کا بیٹا سمجھا جاتا
 تیسرا طریقہ یہ تھا کہ فاحشہ عورتیں جو سرباز جھنڈیاں لگا کر بیٹھتی تھیں ان کے لڑکے پیدا ہوتے
 تو قیاد شناس کو بلوا بھیجتیں، وہ عورت شکل دیکھ کر بتاتا کہ فلاں شخص نفعہ دے گا عورت سے لڑکے پیدا کرتی تھی

۱۰ ابو داؤد کتاب نکاح ۱۰ صحیح مسلم، باب تفسیر

تھارا بچہ پڑھنا جاری کتاب نکاح میں یہ تینوں طریقے تفصیل سے مذکور ہیں،
ایک اور قسم عارضی نکاح کی جاری تھی، اور وہ یہ تھی کہ کسی عورت سے مدت متعینہ
کے لئے نکاح کر لیتے تھے اس مدت کے گزرنے کے بعد اسکی اجرت دیکر اسکو الگ کرتے تھے اسکو متعہ

کہتے تھے اسلام نے شروع میں اس کو ضرورتاً چند سے باقی رکھا، پھر ہمیشہ کے لئے اس کو حرام کر دیا
بے شرمی و بیانی | شرم و حیا کا وجود نہ تھا، حج کعبہ میں ہزاروں لاکھوں آدمی جمع ہوتے، لیکن

(قریش کے سوا باقی) سب ماوراء النہر ہو کر کعبہ کا طواف کرتے، عورتیں جب نہنگ ہو کر طواف کرتیں
تو لوگوں سے کہتیں کہ کوئی ہم کو اتنا کپڑا دیتا کہ ستر عورت ہو جاتا، پھر یہ شعر پڑھتیں،

الیوم یبید و بعضہ او کلہا
فما بدامنہ فلا احلہا
آج بدن کا کچھ حصہ کھلے گا یا سارا
اور جو کھلا ہے اس لطف اٹھانکی میں اجازت

صحیح مسلم باب التفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس سے یہ روایت نقل کی ہے،

نہاتے وقت اوٹ نہیں کرتے تھے، کھلے میدان میں بے ستر ہو کر نہاتے تھے،

پانچا نہ پیشاب کے وقت پردہ نہیں کرتے تھے، جلسوں میں بیٹھتے تو بیویوں سے ہم صحبتی کے

تمام واقعات بیان کرتے تھے،

سویلی ماؤن پر وراثت قبضہ کر کے ان کو بیوی بتاتے،

عورتوں پر ظلم | عورتوں کی حالت نہایت خراب تھی مورث کے مترکہ میں انکو کچھ نہیں ملتا تھا

۱۷ نسائی باب الاستبراء عند الغسل ۱۸ ابوداؤد کتاب الطہارۃ ۱۹ ابوداؤد کتاب النکاح باب ما یکرہ من ذکر

الرجل ما یكون من اصابتہ ابلہ

عرب کا قول تھا کہ میراث اس کا حق ہے، جو تلوار پکڑ سکتا ہو، اسی بنا پر چھوٹے بچے بھی وراثت سے محروم رہتے تھے،

لڑائیوں میں مفتوحہ قبیلہ کی عورتیں عین میدان جنگ میں فاتحین کے تصرف میں آجاتی تھیں۔ اگر صلح ہو جاتی، اور عورتیں واپس دیدی جاتیں، تو باوجود اس کے کہ سب ناموس برباد ہو چکے ہوتے، بدستور گھروں میں لے لی جاتیں، اور یہ کوئی عیب نہیں خیال کیا جاتا تھا، فاتحین اس تصرف پر فخر کرتے، اور اس کو اشعار میں ظاہر کرتے، نبوضبہ نے جب بنو عامر پر فتح پائی، تو ان کی عورتوں کو عین میدان جنگ میں رسوا کیا، فرزوق نے اس شعر میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے:

فظلت وظلت یو کبون ہبیرھا تو لوگ عورتوں پر متصرف ہو گئے،

ولیس لھواکوا الیھا ستر اور اگر کوئی پردہ زینح میں تھا تو صرف نازتھے

قبیلہ قیس اور بنو دارم میں جو معرکہ ہوا جو رحمان کے نام سے مشہور ہے، اسکی نسبت جریر کہتا ہے:

نکحت نساء ھم یغیر من نوسا ان کی عورتوں سے بغیر مرد کے نکاح کیا

عمر و محمد یکر ب، عرب کے مشہور بہادر اور شاعر تھے، ان کی بہن ریحانہ کی عصمت اسی طرح

جب برباد ہوئی تو عمر نے کہا،

امن ریحانۃ الداعی التبع کیا ریحانہ کی طرف سے کوئی بھاری نوا سننے والا ہے

یورقنی واصحابی ہجوع جس نے گو مجھے خواب کھا، لیکن میرا جنا سوتو

اذالمستطع امرافدعہ اور اگر تم کسی کام کو نہ کر سکو تو اس کو چھوڑ

وجاوزہ الی ما استطیع وہاں جو کر سکتے ہو،

طلاق کے لئے کوئی مدت اور عدت نہ تھی، یعنی جب تک شوہر چاہے عورت نہ شوہر کے پاس رہ سکتی تھی نہ کسی اور سے شادی کر سکتی تھی،

نکاح کی کوئی حد نہ تھی، غیلان بن سلمہ ثقفی جب اسلام لائے تو انکی بیوی ان تھیں وہب امی نے اسلام قبول کیا، تو اٹھ بیویاں ان کے عقد نکاح میں تھیں،

دو حقیقی بہنوں کو ایک ساتھ نکاح کرتے، باپ مر جاتا تو اس کی محل بیویاں (بجز حقیقی ماں کے) بیٹے کے تصرف میں آتیں اور اس کی جائز بیویاں سمجھی جاتیں،

ایام کے زمانہ میں عورتوں کو الگ کر دیتے اور ان کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دیتے،

عورت جب بویہ ہو جاتی، تو گھر سے باہر ایک نہایت ننگ کو ٹھہری رہنے کو،

خرابے خراب کپڑے پہننے کو دیتے جاتے، خوشبو وغیرہ کی قسم کی ٹی پیڑ بہت ماں نہ کر سکتی اس حالت

کے ساتھ جب پورا سال گزرتا تو ایک بکری یا گدہ ہلاتے، اس سے وہ اپنے جسم یا... کو مس کرتی

پھر کو ٹھہری سے باہر نکلتی اور اسکے ہاتھ میں منگنی دی جاتی، وہ منگنی کو پھینک دیتی، اس وقت سوگ سے

نکل آتی اور قدیمی حالت... قائم ہوتی، عورت کا جو ہر مقدر ہوتا وہ باپ کو ملتا، عورت اس سے شکر کا رونا

غرض مجبوری حیثیت سے عورت بدترین مخلوق، اور ہر قسم کی جبر و تعدی کا تختہ نگاہ مشق

تھی ارفہ زہیاں تک نوبت پہنچی کہ جس کے گھر میں لڑکی پیدا ہوتی، اس کو سخت بچ ہوتا، اور گھر

کے مارے لوگوں سے چھپتا پھرتا،

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدٌ هُمًّا بِلَاغٍ نَشِيٍّ
أَوْ حَبْلٍ فِي بَيْتِهِ سَوْسٍ كَوْرِيٍّ كِي تَوْبِيٍّ

ابو داؤد کتاب نکاح ۱۷۰ ابو داؤد کتاب نکاح، باب اجداد المتوفی عنہما زوجا،

ظَلَّ وَجْهَهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ
 يَتَوَارَى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا
 بُشِّرَ بِهِ طَأْيَمِيلُهُ عَلَى هُونٍ أَمْ
 يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ

سنانی جاتی ہی تو اس کا منہ کالا پڑ جاتا ہے اور نغمہ
 کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے اس خوشخبری کے
 رنج سے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اور سوچنا ہی
 کذلت کے ساتھ اس کو قبول کرے یا زندہ

(سورہ نحل - ۷۷) زمین میں دفن کر دے

ابو حمزہ ایک رئیس تھا اس کے لڑکی پیدا ہوئی، تو اس نے گھر میں رہتا چھوڑ دیا، اس کی
 اس کی بوی یہ اشعار پڑھ کر بچی کو لوہیاں دیتی تھی،

مَا لَا بِي حَمْرَةَ لَا تَبِينَا
 يَبَيْتٌ فِي بَيْتِ اللَّهِ تَلِينَا
 غَضْبَانِ إِلَّا نَدُّ الْبَيْنِنَا
 تَاللَّهِ مَا ذَاكَ بَايِدُ مِينَا
 وَنَحْنُ كَالزَّرْعِ إِذَا رَعِينَا
 نَبْتٌ مَا قَدْ زَرَعُوا فَبِينَا

ابو حمزہ کو کیا ہو گیا ہے کہ ہماری پاس نہیں آتا
 اور ہمسایہ کے گھر میں رات بسر کرتا ہے
 اس پر ناراض ہے کہ ہم بیٹے نہیں بچتے
 خدا کی قسم یہ ہمارے اختیار کی بات نہیں
 ہم بطور کھیت کے ہیں،
 ہم میں جو بویا جائے گا وہی اگے گا،

رفتہ رفتہ دختر کشی کی رسم جاری ہو گئی، لڑکی پیدا ہوتی تو اس کو میدان میں لیا کر زمین
 کھودنے، اندر زندہ گاڑ دیتے، اس کو عربی میں واو کہتے ہیں،

ایک صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر غلام پر کیا تھا کہ انھوں نے
 اپنے ہاتھ سے آٹھ لڑکیاں زندہ دفن کیں،

ابو حمزہ کی بویا
 زمین میں لگا کر
 کھودنے کا رسم
 تھا

عورت کو وراثت کا کوئی حصہ نہیں ملتا تھا، ان کا قانون تھا کہ وراثت کا حق ہی کوئی
جو ملو اور چلائے، عورت بیوہ ہونے کے بعد اپنے شوہر کے وارثوں کی ملک سمجھی جاتی تھی، اگر
اگر بیوہ پر چار ڈال دیتا، تو وہ اس کی جائیداد خود بن جاتی تھی

وحشت و جهالت | حرام حلال کی کوئی تیز نہ تھی، ہر چیز اور ہر جانور کھا سکتے تھے، کھاتے تھے،
حشراتِ لارض عام غذا تھی، چھپکلی تک کھا جانے تھے، خون کو جالیے اور قاشین تراش تراش کر
کھاتے، مرد و جانور کھانا عام بات تھی، چمڑے کو آگ میں بھون کر کھاتے، زندہ جانور کا گوشت
کھا کر کھا لیتے تھے، گردن مڑ کر ڈبے سے مار کو درندوں کا مارا ہوا سب کھاتے، گدھے کا گوشت بھی کھاتے
عرب کا مشہور جالی شاعر عشی میمون جس نے آغاز اسلام کا زمانہ پایا اور اہل ادب نے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں اس کا ایک قصیدہ نقل کیا ہے، اس میں وہ اسلام
کی تائید میں اہل عرب کو جن باتوں کی طرف متوجہ کر رہا ہے، وہ یہ ہیں۔

| | |
|--|--|
| وایاک والعبادات لا حلیفاً | ولا ناخذن سہما حدیذ القصد |
| مرداروں سے پرہیز کر اور ان کو کھا | اور نہ تیر سے جانور کو قصد و بکر مار کر کھا |
| وذا النصب انصبوب لا تنسکنا | ولا تعبدوا واثان والی اللہ تعبدوا |
| اور نہ کھڑے کئے ہوئے بتوں پر قربانی کر | اور نہ بتوں کی پوجا کر بلکہ اللہ کی عبادت کر |

لے تفسیر بوجہ اللہ فی اولاد کو لڈ کر مثل خط لائین تہ تفسیر لا تعبدون تہ اسباب نزول سیوطی آیت

وحرمت علیکم المیتہ لے تفسیر طبری سورہ مائدہ بیان ماکولات لے صحیح نسائی کتاب صید الدیج

لے دیوان عشی مطبوعہ دیوانا ۱۹۲۷ء ص ۱۰۳

ولا السائل المحروم ولا تركته؛ لعاقبة ولا الاسير المقتيد

اور محروم بھیک مانگنے والے کو کسی اور انجام کیلئے مت چھوڑ اور نہ زنجیر میں بندھے قید سی کو

ولا تسخرن من بائس ذي ضرة؛ ولا تحسبن الله يرد يومًا مخلصًا

اور نہ کسی مصیبت زدہ مفلس سے ٹٹھا کر اور نہ کبھی یہ سمجھ کہ آدمی ہمیشہ زندہ والا

ولا تقربن جارحة ان سترها؛ عليك حواہ فان کن او تابدل

اور نہ اپنی ہمسایہ خاتون سے بدکاری کر دو تجھ پر حرام ہے تو یا نکاح کر اور یا کنوارا رہ جا،

عربوں خصوصیات کے متعلق

خیر الامم بننے کی اہلیت

لیکن ان تمام مفاسد اور برائیوں کے باوجود اہل عرب میں کچھ ایسی خصوصیات بھی تھیں جو دنیا کی تمام قوموں میں ان ہی کے ساتھ مخصوص تھیں، اور ان کی ان ہی نظری اور طبعی خصوصیات جو امتیازات کا اثر تھا کہ تخلقِ فطرت نے ان کو اپنی نبوت و رسالت اور تعلیم و شریعت کا اہل سمجھا، وہ ان کو اپنے اس خلقتِ خاص سے سرفراز کیا،

محتنب | ان خصوصیات میں سے پہلی چیز ان کی صحیح لہجہ ہے، شمالی عرب کے تمام قبیلے حضرت ابراہیمؑ کی اولاد اور ان کی نسل سے تھے، اور یہ بات ایسی مشہور و متواتر روایتوں سے ثابت تھی کہ کسی نے انکی تردید کی ہمت نہیں کی، توراہ نے حضرت ابراہیمؑ کی جن اولادوں کے نام بتائے ہیں ان میں سے ایک ایک نام کا سُرخ عرب کی پرانی آبادیوں میں ملتا ہے، چنانچہ یورڈ فارسٹر نے ۱۸۶۴ء میں عرب کا جو تاریخی جغرافیہ لکھا ہے، اس میں پوری دلیل اور تفصیل اور شہادتوں کے ساتھ ان آبادیوں کا پتہ لگایا ہے، اور ان کی جگہیں تبیین کی ہیں، قدیم یہودی مورخ یوسیفوس نے بھی یہی لکھا ہے، اور آج کل ایک یہودی فاضل ڈاکٹر اسرائیل لفسون نے تاریخ ایہوونی بلاوا لکھی

۱۸۶۴ء جلد اول صفحہ ۲۵

ایک کتاب لکھی ہے اس میں بھی اس نے اس واقعہ کو تسلیم کیا ہے، اور اس کی صحت پر ولین پیش کی ہیں اور بعض حال کے مناظر عیسائیوں کے علاوہ اس واقعہ کے قرائن میں کسی نے شک نہیں کیا ہے اور غالباً اسی لئے سینٹ پال نے اپنے خطوط میں عرب کی ہاجرہ کی تمثیل استعمال کی ہے اور قرآن پاک نے اہل عرب اور قریش کو خطاب کر کے صاف کہا ہے،

يَلِّئَنَّ اَبِيكُمْ اِبْرَاهِيْمَ (حج) تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب،

حضرت ابراہیم تک نام بنام سلسلہ نسب کے پہنچنے میں پشتون کی کمی بیشی، یا ناموں کا بڑھنا ممکن ہے، مگر مجموعی حیثیت سے یہ دعویٰ کہ یہ حضرت ابراہیم کی اولاد تھے کسی حدیث سے مشکوک نہیں ہے خصوصاً جب اس کے ساتھ خارجی قرآن پر بھی نظر کر لیا جائے کہ وہی تمدن اور طرز معاشرت جو قورن میں حضرت ابراہیم اور ان کے اہل و عیال کا نظر آتا ہے، اسلام کے عہد تک بلکہ آج تک وہ اسی طرح عربوں میں قائم و باقی ہے، وہی صحرا میں، وہی مویشی ہیں، وہی بُریا زندگی ہے، وہی رسوم و رواج ہیں جن کو اسلام نے آکر اور زیادہ دکھا دیا، وہی بیت اللہ حج و عمرہ قربانی کی عادتیں ہیں، وہی ایسا کھلا ترنیر ہے جو آج بھی یورپ کے محققوں کی نگاہوں کی سامنے مشہور جرمن محقق فولڈیک لکھتا ہے،

اور نیز عربوں میں قدیم سامی کیر کڑ اپنے خالص رنگ میں باقی سمجھا جاتا ہے، اور ان کی زبان اہل زبان کے بہت قریب ہے۔

۱۵ تاریخ ایہود فی بلاد العرب لاسرائیل و فلسطین مطبوعہ مطبعة الاعتماد مصر ۱۹۰۵ء، ۱۹۰۶ء، ۱۹۰۷ء سینٹ پال کلتیون کے نام باب ۱۰ - ۲۵، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶،

اہل عرب کو اپنے حسب نسب کی حفاظت کا خیال رکھنا تھا، اس کے ذکر سے عربوں کی تاریخیں معمور ہیں، چنانچہ نسب پر فخر کرنا ان کی شاعری کا اور نسبی معاشرت ان کی تقریر کا سب سے بڑا موضوع تھا، اپنے باپ دادوں کے مسلسل ناموں کو یاد رکھنا ان کا خاندانی فرض سمجھا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ انسانوں سے ہٹ کر جانوروں (گھوڑوں) تک کے نسب نامے وہ محفوظ رکھتے تھے، قبائل کے نسبی تعلقات کو یاد رکھنے والے خاص خاص لوگ ہر قبیلہ میں موجود رہتے تھے، اور یہی سبب ہے کہ آج بھی ان کے اکابر اور مشاہیر کا سلسلہ نسب آپ کو معلوم ہو سکتا ہے، اور اس پر بہت سی اہم کتابیں لکھی گئی ہیں، اور یہ وہ خصوصیت ہے جو دنیا میں صرف اہل عرب کے ساتھ مخصوص ہو رہی ہے۔

بنی اسرائیل بھی گو حضرت ابراہیمؑ ہی کی نسل سے تھے مگر وہ بھی اس خصوصیت میں ان کی برابری نہیں کر سکتے کہ دوسری قوموں کے اخلاط اور میل جول، اور کسی خاص وطن نہ ہونے کے سبب انکی اکثر خاندانی خصوصیتیں مٹ گئیں۔

نسب بجائے خود کوئی فخر کی چیز نہیں، اسی لئے محمد رسول اللہ ﷺ نے عمل کے مقابلہ میں نسبی فخر کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کی ہر امت کے لئے جو دعائی تھی، اور ان کو جس بیت اللہ کی پاسبانی سپرد کی تھی، اور ان میں ایک بنی کی بعثت کی جو دعائی تھی اور خدا نے ان کی نسل کو دینی اور دنیاوی برکات کے عطا کرنے کا ان کو جو عہد کیا تھا، ان سب کے پورا کرنے اور ان کے حقیقی مصداق بننے کے لئے نسل ابراہیمؑ کی صحیح نسبی کی ضرورت تھی، اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس شرف کیساتھ مخصوص کیا، کسی مذہب میں نہ مل سکتی تھی، اسی طرح ان کو ان تمام اثرات سے محفوظ رکھا جو قوموں کے عادات و اخلاق

اور استعدادات کو بدل دیتے ہیں، مثلاً وہ باوجود اس کے کہ ہر چار طرف سے مختلف بڑے بڑے
 مذہبوں سے ٹکرا رہے تھے، مگر کوئی مذہب ان کو فتح نہیں کر سکا تھا، جو سیت خلیج فارس سے لیکر
 یمن تک مکران تھی، یہودیت یمن اور حجاز کے تجارت گاہوں پر قابض تھی، عیسائیت اپنی
 فوج و لشکر اور راہبوں اور قسیوں کے دل بادل کیساتھ یمن سے لیکر شام کے حدود تک پھیلی تھی
 اور بعض افراد اور بعض قبیلوں کو وہ برائے نام عیسائی بنا بھی چکی تھی، مگر پورا عرب بتوراہی
 خالص حالت پر باقی تھا، عرب میں جو نیک بیٹ اور دیندار لوگ ہوتے تھے، وہ مجوسی یا یہودی یا
 عیسائی ہونے کے بجائے اپنی کو دین ابراہیمی کا پیرو رکھتے تھے، اور اسی لئے اپنے مذہب کا نام دین
 حنیفی رکھتے تھے، یہ سب اس لئے ہو رہا تھا کہ خاتم الانبیاء ﷺ کے ذریعہ دین ابراہیمی کی
 دعوت و تجدید کا راستہ کھلائے،

حکوم نہ تھے | عرب کا ملک تخلیق عالم کے آغاز سے اسلام تک ہر غیر قوم کی حکومت سے ہمیشہ
 آزاد رہا۔ شمالی عرب نے کبھی کسی قوم کی غلامی نہیں کی، بابل کے بخت نصر نے بنی اسرائیل کو زبردستی
 کر دیا، مگر عرب کی طرف آنکھ نہ اٹھانہ سکا، یونانیوں اور رومیوں نے مصر سے لیکر عراق کی سرحد
 تک صدیوں تک حکومت کی، مگر خاص عرب کے اندر قدم نہ رکھ سکے، سکذرنے اور اس کے بعد
 کے رومی سپہ سالاروں نے جب ادھر نظر اٹھائی تو فطرت نے ہمیشہ ان کو شکت دی، عرب کا
 ملک دنیا کی دو عظیم الشان حکومتوں یعنی ایران اور روم کی سرحد پر واقع تھا، مگر وہ دونوں اپنی سرحدوں
 کا ہاتھ اسکی طرف بڑھانے سے قاصر رہیں، گستاخ عیسائی حبشیوں نے یمن فتح کرنے کے بعد ہاتھوں
 کے ریلے کیساتھ مکہ معظمہ پر چڑھائی کی، مگر قدرت الہی نے ان کو تباہ کر دیا، یہ تمام اہتمام انتظام اسلئے تھا

کہ کوئی دوسری جا براہ قوت اُن کے دل و دماغ کی استعداد کو برباد نہ کر سکے، اُن کی آزادی کی روح برقرار اور اُن کی فاتحانہ طاقت پرستور قائم رہے، تاکہ یہ مٹھی خزانہ خدا کے آخری مذہب کی حکومت کے قیام و بقا میں کارآمد ہو،

کتابی فاسد تعلیم ہونا آتا تھے | جس طرح وہ خارجی اثرات سے پاک تھے، اسی طرح صحیفہ فطرت کے سوا ہر قسم کے کتابی علم سے وہ نا آشنا تھے، یعنی اس ذریعہ سے بھی وہ دوسری قوموں کے دماغی اثرات سے محفوظ تھے، اور علم کی جاہلانہ اور کج بختانہ دہنیت سے پاک تھے، وہ اُمّی تھے، تاکہ ایک مہی علم کی رہائی تعلیم کے قبول کرنے کے لئے ہر طرح تیار رہیں،

دو زمین کے وسط میں آباؤ تھے | عرب کا ملک پرانی دنیا کے وسط میں واقع ہے ایک طرف ایشیا،

دوسری طرف افریقہ اور تیسری طرف یورپ کا راستہ اس سے قریب ہی پھر بھری جاؤ تو سب اس کو جزائر اور دروازہ ملکوں سے قریب کر دیا تھا، اس لئے عرب سے نکل کر وہ ایک طرف عراق ہو

ایران، ترکستان، خراسان، سیستان، کابل، ہندوستان تک پہنچ گئے، اور دوسری طرف شام ہو

مصر، افریقہ، الجزائر، ٹیونس، مراکش، اور اسپین تک جا پہنچے اور پھر راستوں سے ایک طرف ہام

جزائر افریقہ، حبشہ، زنجبار، پھر اوسط جزائر ہند، جاوہ، سماٹرا، اور چین تک ان کا گزر ہوا، اور دوسری طرف

سائپرس، کریمیا، اور سسلی تک، اُن کا پرچم لہرایا، یہ تمام مواقع اس لئے میسر آئے کہ عرب کا وسیع

اس دعوت کے لئے مناسب مرکز تھا، فرض کرو کہ اگر اس دعوت کی جگہ ہندوستان یا چین ہوتی

تو اسے پہنچنے کے لئے کتنا عرصہ درکار ہوتا، پھر یہ کہ اس وقت تک دنیا میں دوسری

اور مغربی طاقتوں کے زیر فرمان تھی، ان دونوں کے زور کو برابر طور سے اور ایک ساتھ توڑنے کیلئے

عرب کے سوا دنیا میں کوئی جگہ موزون نہ تھی، جہاں سے دونوں پر ایک ساتھ حملہ کرنا، اور دنیا کو ان کے خون آشام خون سے نجات دینا باسانی ممکن ہوا،

بعض اخلاقی خوبیاں | ان کے علاوہ اہل عرب کو خیر الامم بننے اور عالم کے لئے شاید نمونہ اور مصلح ہونے کے لئے کچھ اور اخلاقی خوبیوں کی بھی ضرورت تھی، اور وہ ان میں بدرجہ اتم موجود تھیں، ان خوبیوں کے بغیر وہ اسلام کی عظیم شان تحریک کے علم بردار نہیں ہو سکتے تھے، اور نہ وہ دنیا کی رہنمائی کا فرض انجام دے سکتے تھے،

شجاع و بہادر تھے۔ | وہ حد سے زیادہ شجاع و بہادر تھے، وہ خطرات سے خوف تھے، وہ لڑائی کو کھیل سے زیادہ وقعت نہیں دیتے تھے، یہی سبب ہے کہ وہ تمام دنیا کی قوموں اور سلطنتوں کے مقابلہ میں تہنا کھڑے ہوئے، اور کسری اور قیصر کو انھوں نے ایک ساتھ چیلنج دیا، اور اس تحریک کے پھیلائے میں تھوڑی تھوڑی غیر مسلح جمعیوں سے ہزاروں اور لاکھوں کی فوج کا بے خطر مقابلہ کیا، اور کامیاب ہوئے،

پر جوش تھے | ساتھ ہی وہ پر جوش بھی تھے اس لئے جس دعوت اور تحریک کو لیکر اٹھے اس کو پوری کوشش، نونم اور جوش کے ساتھ دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلا دیا، ان کے عزم اور جوش کو نہ پہاڑ روک سکا، اور نہ سمندر اس سے ٹکرا سکا، ہر جگہ وہ توحید کا علم لئے بھر دبر، وشت و جبل میں پھیل گئے، اور اپنے عزم راسخ سے ارکانِ عالم کو متزلزل کر دیا،

حق گو تھے | ان کی جسمانی شجاعت و بہادری نے ان کو ول کا شجاع اور بہادر بھی بنا دیا تھا، جو بات ان کے دل میں ہوتی تھی، وہی ان کی زبان پر نکلتی، اہل مدینہ میں جو نفاق کا عنصر پیدا ہو گیا،

تھا، وہ یہود کے اثر کا نتیجہ تھا، اور نہ قریش اور عام اہل عرب میں یہ بات نہ تھی، یا تو وہ کھلے دشمن تھے، یا کھلے دوست، اپنے نزدیک وہ جس کو حق سمجھتے تھے، اس کے ظاہر کرنے میں ان کو کسی کا باک نہیں ہوتا تھا۔

عقل و دانش والے تھے | باوجود اس کے کہ وہ عموماً ظاہری نوشت خواند سے عاری تھے مگر

فطرت کے عطیہ عقل و دانش سے وہ کافی طور پر بہرہ مند تھے، حضرت ابو بکر صدیق، عمر فاروق،

عثمان غنی، علی مرتضیٰ، طلحہ، زبیر، خالد، ابو عبیدہ بن جراح، وغیرہ سینکڑوں ہزاروں صحابہ

نے علم، مذہب، اخلاق، اور سیاست میں جو کچھ سمجھنا کیوں، وہ خود ان کی عقل و دانش کی گواہی

میں اروم و ایران کی تمدن قوموں سے جس طرح انھوں نے معاملہ، مراسلہ اور نامہ و پیام کیا، اور علم

و سیاست کے اچھے سے اچھے ہوئے مسئلہ کو جس طرح سلجھایا، وہ خود اسی نتیجہ کو ظاہر کرتا ہے ان کے

شعراء کے کلام، ان کے مقررین کی تقریریں، ان کے نصحاء کے مقولے، نینے، توان کی اس فطری

صلاحیت کا اندازہ ہو گا کہ ظاہری تعلیم کے بغیر کیوں کر عقل و گہر وہ اپنے منہ سے اگل سکے،

ذہن اور حافظہ کے تیز تھے | فطرت کا قاعدہ ہے کہ اگر اس کے بعض قومی بیکار ہیں، تو ان کی قوت

دوسرے ذریعہ عقل قوی کو وہ منتقل کر دیتی ہے، اور جس عضو سے زیادہ کام لیا جاتا ہے، اسکی قوت کو وہ

ترقی دیتی رہتی ہے، اسی اصول کے موافق ظاہری تعلیم اور نوشت خواند سے محروم ہونے کے سبب سے

جہاں عرب کے بعض قومی بیکار ہو رہے تھے، وہاں ان کو اپنی یادداشت کے لئے تحریری ادراک،

سفینوں پر چھروسہ کرنے کے بجائے خود اپنے دل و دماغ پر چھروسہ کرنے کی عادت تھی، اس کا نتیجہ تھا

کہ ان کا ذہن اور حافظہ بہت قوی تھا، اسی سبب سے کہ ان کے شعراء اپنے بڑے بڑے قصیدوں

کو زبانی پڑھتے تھے، اور جو کچھ کہتے تھے اس کو بزبان یاد رکھتے تھے، اور ان کی اسی قوت کا فیض تھا کہ ان میں کا بڑا طبقہ تحریر کے بغیر قرآن پاک کی بڑی بڑی سورتوں کو یاد رکھتا تھا، اور بہترے ایسے تھے جو پورے قرآن کو یاد رکھتے تھے، اور یہ ان ہی کی تقلید ہے کہ دنیا کے ہر حصہ میں ایسے ہزاروں مسلمان پائے جاتے ہیں، جو پورے قرآن کے حافظ ہوتے ہیں، اور اہل عرب کی اسی خصوصیت کا مظہر یہ بھی تھا کہ احادیث، سیرا اور واقعات کا بڑا سرمایہ تحریر کے علاوہ زبانی ایک دوسرے کو پوری ذمہ داری اور حفاظت کے ساتھ منتقل ہوتا رہا، اور سینکڑوں اصحاب ایسے تھے جو ہزاروں لاکھوں احادیث کو حرف حرف اور لفظ لفظ کی پابندی کے ساتھ یاد رکھتے تھے، اہل عرب کی اس خصوصیت نے اسلام کی حفاظت اور اشاعت کا نہایت اہم فرض انجام دیا۔

فیاض تھے | اہل عرب کی ایک خاص امتیازی صفت ان کی فیاضی تھی، جہاں نوازی ان کی سب سے بڑی خصوصیت تھی، ہمسایوں اور پناہ گزینوں کی امداد میں وہ اپنی جان تک دے دیتے تھے، اپنی شہرت اور ناموری کے لئے اونٹوں کو ذبح کر کے کھلا دینا یا جو سے مین چھتی ہونی دولت کو احباب کے جلسہ دعوت میں اڑا دینا اور پکڑنا ان کی قومی رسم تھی، اور یہی اوصاف ان کی شاعرانہ مدح میں سب سے زیادہ نمایان نظر آتے ہیں، اسلام نے ان کی اسی صفت کو تھوڑی سی اصلاح کے بعد خدا کی راہ میں خیرات و صدقات ڈالنے سے بدل دیا اور اسلام کی شکل کشائی میں اس سے زیادہ بڑی مساوات پیدا کی۔ چونکہ وہ کبھی کسی دوسری قوم کے حکوم نہیں ہوئے تھے اور نہ کسی ایک ظلمت ان کی شخصی بادشاہ کے تابع فرمان بنے تھے، اس لئے ان کی خودداری کا جذبہ بیدار تھا اور وہ غلام نہیں جانتے تھے، وہ اپنے کو ذلیل کرنا پسند نہیں کرتے تھے، اور وہ بڑے بڑے شخص کے سامنے

برابری کے ساتھ بے باکانہ بیٹھ کر باتیں کرتے تھے،

عرب میں بیسیوں لڑائیوں میں اسی خودداری کی حفاظت میں پیش آئی تھیں جس کا ایک منظر سب سے متعلقہ کے آخری قصیدہ میں نظر آتا ہے، اہل عرب کے اس جذبہ نے حق گوئی، مساوات اور جمہوریت پسندی وغیرہ اسلامی تعلیمات کے پھیلائے میں بڑی مدد دی۔

عملی تھے | اہل عرب کے نظری اخلاق و کردار کی آخری دفعہ یہ ہے کہ وہ طبعاً عملی اور عملیت پسند تھے، وہ اہل ایران اور اہل ہند کی طرح محض تخیل پسند، خیال آرا اور نظریہ باز نہ تھے، وہ محکم عمل تھے، اور عملیت کو پسند کرتے تھے، وہ چون و چرا اور کیسے اور کیوں مگر کی فلسفیانہ اچھنوں سے پاک تھے، وہ دنیا کے کاروباری آدمیوں اور سپاہیوں کی طرح چند اچھی باتوں کو قبول کر کے ان پر فوراً عامل بن جاتے تھے یہی سبب ہے کہ عجیبانہ نکتہ آفرینی اور بال کی کھال نکال کر اس کی اچھنیوں کے سلجانے میں وہ کبھی گرفتار نہیں ہوئے، وہ ہمہ تن عمل اور صرف عمل تھے، اسی بنا پر شارع علیہ السلام ان کے سامنے ایک عملی مذہب کو پیش کر کے ان کو سزا پا عملی بنا دیا، اور جو کچھ وہ تعلیم لائے تھے اس کا مجسمہ کر کے چند سال میں دنیا کے سامنے پیش کر دیا، اور سے بدی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے تھے اور شک و تحت اور مناظرہ ذلیل و قائل کے بغیر نرائض اخلاق کی عملی تعلیم حاصل کر کے اپنی قبیلہ میں واپس چلے جاتے تھے، اور بالآخر اپنی عملی دعوت سے اپنے پورے قبیلہ کو مسلمان بنا لیتے تھے، اگر گمراہ اور نیک و نامکمل کی بحث میں نہیں پڑتے تھے، وہ تعلیم کو دیکھتے تھے، اور سنتے تھے، وہ اچھی معلوم ہوتی تو اسکو قبول کرتے، اور اس پر عمل کر کے دینی و دنیاوی فواید اور نتائج کے حصول کا یقین کرتے تھے، اور اسی غیر منترزل یقین اور ایمان کے بھروسہ پر وہ مشکل اور خطرناک کام کر گزرتے تھے، اہل عرب

کی اسی خصوصیت نے اسلام کی سادگی کو برقرار اور عجمی فلسفیت و نظریت سے پاک و مبرا رکھا، اور سا
چند ہی سال کے اندر اندر مغرب و مشرق، شمال و جنوب میں اسلام کا پھر پرا آسمان پر اڑنے لگا،
ان اوصاف کی مصلحت | اہل عرب کے ان تمام فطری و طبعی اوصاف و اخلاق کو دیکھ کر یہ یقین کرنا پڑتا
کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری دین کی اشاعت اور حفاظت کے لئے جس قوم کا انتخاب کیا تھا
ازل سے اُس کے لئے منتخب ہو چکی تھی، ابا و جدان کی ہر قسم کی گرامیوں کے یہ چند اچھے اوصاف
ان میں دو بیت کئے گئے تھے، تاکہ جب خدا کی بادشاہی کا دن آئے، تو ان کی فطری استعداد
کا یہ سرمایہ اسکی امداد و اعانت کیلئے خزانہ غیب کا کام دی ہی وہ سرمایہ تھا، جو اس وقت نہ
ہند و عجم میں تھا، نہ روم و فرنگ میں، نہ ترک میں، نہ ہندوستان میں، نہ عرب و روم میں تھا، اسی لئے اللہ
تعالیٰ نے اپنی آخری نبوت کے لئے اسی قوم کو برگزیدہ کر کے یہ امانت اُسکے سپرد کی، انحضرت صلی اللہ علیہ
نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ نے براہیم کی اولاد میں اسماعیل کو پسند کیا، اور ایل کی اولاد میں
بنی کنانہ کو، اور بنی کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں سے محمد کو ایک
روایت میں ہے کہ اپنے فرمایا کہ میں عبدالمطلب کے بیٹے عبد اللہ کا بیٹا ہوں، اللہ نے تمام لوگوں کو پسند کیا
تو مجھے اُس نے ان سب میں سب سے بہتر نسل میں رکھا، ان کو دو حصوں (عرب عجم) میں تقسیم کیا
تو مجھے اس حصہ میں (بنی عرب میں) بنایا، جو سب سے بہتر تھا، اس حصے کو بھی قبیلوں میں تقسیم کیا تو مجھے
اس قبیلہ میں پیدا کیا، جو سب سے بہتر تھا، پھر اس قبیلہ کو گھرانوں میں تقسیم کیا، تو مجھے سب سے بہتر
گھرانے میں پیدا کیا، پھر اس گھرانے کو افراد پر تقسیم کیا، تو مجھے اس گھرانے کا سب سے بہتر فرد بنایا،

لے یہ دونوں حدیثیں ترمذی باب اناقب میں ہیں،

صبحِ سعادت

دنیا اور عرب کی سرزمین اس ظلمت میں تھی کہ صبحِ سعادت نمودار ہوئی اور خورشید نبوت کے طلوع کا غلغلہ برپا ہوا، ظلمتِ شب کا نور ہوئی، اور تھوڑی دیر میں ذرہ ذرہ سورج کی کرنوں سے پُر نور ہو گیا، یہ ظاہر ہے کہ یہ سورج کو دنیا کو روشن کرنے نکلا تھا لیکن وہ نکلا عرب ہی کے افق سے تھا، اس لئے ضروری تھا کہ اس کے نور سے پہلے اسی ملک کی سرزمین روشن ہو،

ایک قوم کا انتخاب | سرورِ کائنات کو خدا نے تمام عالم کی اصلاح کے لئے بھیجا تھا، اور اس بنا پر ایک ایسی شریعت کامل عطا کی جو نہ صرف عرب بلکہ تمام عالم کے لئے ابد تک کافی ہے، لیکن کوئی شریعت کوئی قانون، کوئی دستور لعل، اس وقت تک مفید اور کارآمد نہیں ہو سکتا، جب تک اس کے ساتھ ایسا گروہ موجود نہ ہو، جو اس شریعت کی عملی تصویر ہو، اور جس کی ہر بات، ہر اوراد، ہر خشیا، عملی خطیب بن کر گروہ پیش کو اپنا ہم زبان اور ہم عمل بنائے،

اس بنا پر خاتمِ انبیاء کا سب سے اہم مقصد ایک خاص قوم کو تربیت دیکر اصلاحِ عالم کیلئے تیار کرنا تھا، دنیا کی اور قومیں باری باری اس منصب پر ممتاز ہو چکی تھیں، ایک زمانہ تھا جب نبی اسرائیل جیسی قوم جو آج تمام دنیا میں خوار و ذلیل ہے، اِنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعَالَمِیْنَ (ہم نے تم کو تمام دنیا کے شاہ ولی اللہ صاحب لکھے ہیں کہ جو پیغمبر تمام عالم کیلئے مبعوث ہوا ہے، وہ علاوہ ان اصول کے جو اور مذاہب میں ہیں

قوموں پر فضیلت دی، کاتاج پہن چکی تھی، لیکن اوپر بہ تفصیل گزر چکا کہ اب تمام قوموں میں صلاحت کا مادہ مفقود ہو چکا تھا، ایران میں ہزار برس تک نماز و نعمت میں پل کر ترقی کی روح فنا کر چکا تھا، رومیوں کے تمام قوائے عمل بوسیدہ ہو چکے تھے، ہندوؤں کا دل و دماغ صرف وہم پرستی کا کام دینے کے قابل رہ گیا تھا، صرف ایک عرب تھا، جو بن حنیٰ زمین کی طرح مادہ ہائے نشوونما سے لبریز تھا، اور ایک لوحِ سادہ کی طرح ہر قسم کی نقش آرائیوں کے قابل تھا، مشیتِ ایزدی نے اسی کو تاج اور چند روز میں وحی عرب جو ستر پاپا جمل، ستر پاپا وحشت، اور ستر پاپا وزندہ پن تھا، کنتو خیر اُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ كَمَا نُطَرِّقُكَ

ان لوگوں کا علیہ و جہاں اور خط و حال یہ تھا،

الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ
أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا
بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (حجہ ۶)

ایسے لوگ کہ ہم اگر ان کو دنیا میں اقتدار دین
تو وہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں، اچھی باتوں
کا حکم دیں اور بری باتوں سے روکیں،

اصلاح و ہدایت کی مشکلات ہر قوم کی اصلاح و ہدایت میں اول سخت اور متعدد مشکلات پیش آتی ہیں، لیکن ان کی نوعیت ایک دو سے زیادہ نہیں ہوتی، لیکن عرب کی اصلاح میں ہر نوع حسیت

(دقیقہ صفحہ ۳۱۱ چند برس سے اصول اختیار کرتے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے)

یَا عَادِیَ قَوْمِ الْاِسْتِثْنَاءِ الْاِسْتِثْنَاءِ الْاِسْتِثْنَاءِ
مَثَلِہُمْ مَثَلِہُمْ مَثَلِہُمْ مَثَلِہُمْ مَثَلِہُمْ
بھرا ہذا الارض و غیر قہو فی الہلال و ہو تولہ
تعا فی کنتو خیر اُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (حجہ اللہ
البالغة صفحہ ۱۲۳ مطبوعہ رہمن)

وہ ایک قوم کو سنت راشدہ کی طرف دعوت دتا ہے
ان کو تاک اور دست کرتا ہے پھر ان کو دنیا و ستہ بازو
تا ہی، آہان کو دنیا میں پھیلا دیتا ہے اور ان کے ذریعہ سے
نفاہرہ کرتا ہے، جب کہ خدا نے کہا تم بہترین امت ہو
جو دنیا کے لئے پیدا کیے گئے ہو،

تم بہترین قوم ہو، ان لوگوں کے لئے (پودہ نام ہے) یا ہر لائی کی خوبئیوں کا حکم دیتی، اور برائیوں سے روکتی ہے

ہر جہت کی گونا گون اور لا علاج مشکلات تھیں، اور ایسی تھیں جن میں سے ایک کا حل کرنا بھی قدرتی
 انسانی سے بالاتر تھا، بنو اسرائیل ایک مدت سے مصر میں، قبطیوں کی غلامی کر رہے تھے اور قبطیوں
 کے جوہر و ظلم کا طوفان ان کے سر سے گزر چکا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان پر یہ احسان عظیم کیا
 کہ فرعون کے پنجہ ستم سے ان کو چھڑا کر مصر سے نکال لائے، لیکن غلامی میں رہتے رہتے ان کی طبیعت
 میں اس قدر ذلت پسندی آگئی تھی کہ جب ان سے کہا گیا کہ آگے کنعان کی زمین ہے، اس کو لو لو
 اور اسی پر تخت سلطنت بچھاؤ، تو انھوں نے حضرت موسیٰ سے صاف کہہ دیا کہ تم اور تمہارا خدا دونوں
 جا کر لڑو، ہم تو یہاں سے آگے قدم نہیں بڑھاتے، یہ ایک امتدادِ معاشرت کا اثر تھا جو مرے مرتے
 ان لوگوں کی طبیعت سے نہیں گیا، اور جب تک یہ نیشنل پوری اپنی موت سے مر کر منقرض نہیں ہو گئی
 بنو اسرائیل کو کنعان کی زمین میں قدم رکھنا نصیب نہیں ہوا،

یہ صرف ایک مشکل کی مثال تھی، اب عرب کی مشکلات کا اندازہ کرو،

جمالت | عرب کی قوم امی محض تھی، الوہیت رسالت کتاب، معاد، عبادت ان میں
 کوئی چیز ایسی نہ تھی جس سے ان کے کان آشنا ہوں، اسلام کا ہر لفظ جو ان کے کان میں پڑتا تھا انکو
 ایک تعجب انگیز اور بالکل بے گناہ آواز معلوم ہوتی تھی، قرآن مجید نے ان کی اس جاہلانہ حیرت و
 استعجاب کو متعدد آیتوں میں ذکر کیا ہے،

قرآن حکیم کی قسم، تو بے شبہ پیروں میں سوسا

راہِ راست پر ہے یہ قرآن رحمت والے غائب

خدا کے پاس سے اترا ہے تاکہ تو اس قوم کو آگاہ

يَسَّنَّهٗ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ اِنَّكَ لَمِنَ

الرُّسُلِ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

نَزَّلَ الْغُرُبٰۤا الرَّحْمٰنِ لِتُنذِرَ اُمَّ

قَوْمًا مَّا أَنْزَلْنَا مِنْهُمْ
کے جن کے اسلاف کو آگاہ نہیں کیا،

غَفَلُونَ (ببین - ۱)
گیا، اور اس لئے وہ غفلت میں پڑے ہیں

یہ نبوت کے شرف سے محروم قوم ایک آسمانی مذہب کے تمام خصائص سے محض بیگانہ تھی،

وَعَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ
اور انھوں نے تعجب کیا کہ ان میں ایک پیغمبر

وَقَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا سِحْرٌ كَذَّابٌ
ہو کر ان کے پاس آیا، کافروں نے کہا یہ دروغ و جادو

أَجْعَلُ الْآلِهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا إِنَّ هَذَا
جادو گر ہوا اس نے اتنے خداؤں کو ایک ضمیر بنا دیا

لَهُنَّ شَيْءٌ عَجَابٌ وَالطَّلُوقُ الْيَمِينُ
یہ عجیب بات ہے، ان کے پنج اٹھ گھڑے ہوئے

مِنْهُمْ أَنْ امْشُوا وَاصْبِرُوا عَلَى
کہ چلو اور اپنے معبودوں پر چہرہ ہو اس میں سکی

الْبِطْنِ كَمَا إِنَّ هَذَا الشَّيْءُ يُرَادُهُ
(پیغمبر کی) کوئی غرض ہے، ہم نے تو سابق

سَمِعْنَا بِهَذَا فِي الْمِلَّةِ الْأُولَى
مذہب میں یہ نہیں سنا، یہ سب گھڑی

إِنَّ هَذَا إِلَّا اخْتِلَافٌ (ص - ۱)
ہوئی بات ہے،

بَلْ عَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ
بلکہ ان کو تعجب ہوا کہ ان ہی میں سے

مِنْهُمْ فَقَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا شَيْءٌ
ایک ان کے پاس پیغمبر بن کر آیا، کافروں

عَجَبٌ (ق - ۱)
نے کہا یہ تو بڑی تعجب کی بات ہی

صفات اللہ، آثار نبوت، احوال معاد، ان میں سے ہر بات کو سن کر وہ اسی طرح

حیرت بناتے تھے، نبوت کے متعلق یہ سمجھتے تھے کہ انسان تو اس کے سزاوار نہیں، اس منصب

پر تو فرشتوں کو مقرر ہونا چاہیے تھا،

جو ایک دن ہمارا سزا آنے کے شکر میں روکتے
 ہیں کہ فرشتے پیغمبر بنا کر ہم پر کیوں نہ اتار دیتے
 پیغمبر حسیان کے پاس سامنے سزا اور پیچھے سوائے
 ہیں کہ ایک خدا کے سوا کسی اور کو نہ پوجو تو وہ کہتے
 ہیں کہ خدا اگر کسی کو پیغمبر بنا کر بھیجنا چاہتا تو فرشتوں
 کو اتارنا ہم تو تمہاری باتوں کا انکار ہی کریں گے
 ہدایت آنے کے بعد صرف اس شہد نے لوگوں کو
 ایمان لایا ہے باز کھائی کہ کیا خدا نے آدمی کو پیغمبر بنا کر
 بھیجا ہے جو اب میں کہہ دو کہ اگر زمین میں فرشتے
 چلتے پھرتے بتے ہوتے تو اللہ تمہارا آسمان سے
 کسی فرشتے کو پیغمبر بنا کر بھیجتے

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَوْلَا
 أُنزِلَ عَلَيْنَا الْمَلَائِكَةُ (فرقان - ۳)
 إِذْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ
 وَمِنْ خَلْفِهِمْ إِلَّا نَجَّبُوهُمْ بِاللَّهِ قَالُوا
 لَوْ شَاءَ رَبُّنَا لَأَنْزَلْنَا عَلَيْكَ مَلَائِكَةً فَاِنَّا بِنَا
 أُرْسِلْتُمْ فِي كَافِرُونَ (فصلت ۲)
 وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمْ
 الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبْعَثَ اللَّهُ بَشَرًا
 رَسُولًا قُلْ لَوْ كُنَّا فِي الْأَرْضِ
 مَلَائِكَةً لَمَكُنَّا مَطْمَئِنِّينَ لَنَنْزِلْنَا
 عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُولًا (نبي اسراء)

نبی کا نازل اگر ان کے ذہن میں کبھی آتا تھا تو بشریت سے ماورا صورت میں یعنی

یہ کہ وہ انسانی ضروریات سے منزہ ہو، اُس کے پیچھے خدا کا اور فرشتوں کا پورا ہوا آسمان اور
 زمین کے خزانے اُس کے دست قدرت میں ہوں

انہوں نے کہا اے پیغمبر ہم تجھ پر اس وقت تک ایمان
 نہ لائیں گے جب تک زمین سے ہماری لئے کوئی فرشتہ
 بہاوی یا تیری ملکیت میں کھجوروں اور انگوروں

وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنُ بِكَ حَتَّىٰ تُنَزَّلَ
 لَنَا مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا وَتَكُونَ
 لَدُنْجَنَّةٍ مِنْ تَحْتِهَا عِجْرٌ الْأَنْهَارِ

کا کوئی باغ نہ ہو جس میں نہریں جاری کر دی

ہوں یا جیسا کہ تو نے کہا ہم پر بادل کا کوئی

ہکرا نہ گراوے، با خدا اور فرشتوں کو اپنا کر

نہ لے آئے، یا تیرے پاس کوئی سونے کا گھڑ

ہو، یا تو آسمان پر نہ چڑھ جائے،

انہوں نے کہا یہ عجیب پیغمبر ہے یہ تو کھا پاتا ہے

بازاروں میں چلتا پھرتا ہوا اس پر کوئی فرشتہ کیوں

نہ اترتا، جو اس کے ساتھ مل کر لوگوں کو ڈراتا

یا اس کے پاس کوئی خزانہ کیوں نہیں آئی گی

یا اس کے لئے خاص کوئی باغ کیوں ہو جس سے کھانا

پیغمبر کے لئے ان کے خیال میں یہ بھی ضروری بات تھی کہ وہ بڑا دولت مند ہو، اس کے

قبضہ میں کوئی بڑی جائیداد ہو، یہی وہ لوگ کے ہرے بھرے باغ اور سونے چاندی کے خزانے اس کے

پاس ہوں، چنانچہ گذشتہ آیت میں کفار کے اس خیال کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ اور طائف

کے جو رؤسا دولت مند تھے، وہ اس منصب کے سب سے زیادہ مستحق سمجھے جاتے تھے،

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ

وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن تمہارا لائف کے کسی

عَلَى رَجُلٍ مِّنَ الْقُرْنَيْنِ عَظِيمٍ (زخرف ۳) بڑے آدمی پر کیوں نہیں اُترتا،

کسی کتاب کے نازل ہونے کے معنی ان کے خیال میں یہ تھے کہ آسمان سے کاتبوں میں

خَلَّلَهَا فَجِئْرًا، أَوْ تَسْقِطَ السَّمَاءُ

لَمَّا زَعَمْتِ عَلَيَّ الْكِفَا أَوْ تَأْتِي

بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا، أَوْ يَكُونُ

لَكَ بَيْتٌ مِّنْ ذُرُوفٍ أَوْ تَزْتَدِي

فِي السَّمَاءِ (بنی اسرائیل - ۱۰)

وَقَالُوا مَا لِي هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ

الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ لَوْلَا

أَنْزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونُ مَعَهُ

نَذِيرًا، أَوْ يَأْتِيهِ الْبُيُوتُ كَنْزًا أَوْ يَكُونُ

لَهُ جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا، (فرقان - ۱۰)

ایک لکھی لکھائی، ترشی ترشائی جلد بندھی ہوئی ایک کتاب سب کے سامنے مجمع میں اتر آئے،

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ
الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً (فرقان ۳)

کافروں نے کہا اس پر قرآن یکبارگی کیوں

نہیں اترتا،

وَلَنْ نُؤْتِيَكَ مِنْ لَدُنَّا حَتَّىٰ تَنْزِلَ

اور (کافروں نے کہا) ہم تیرے آسمان پر چڑھا

جانے کے بھی اس وقت تک قابل نہیں ہو گئے

جب تک ہم پر کوئی ایسی کتاب نہ اتر لاجس کو

اور اگر کافروں میں لکھی ہوئی کوئی کتاب ہم

آسمان سے تیرا آرتے جس کو وہ اپنے ہاتھوں

سے چھو بھی سکتے تو کافر ہی کہتے کہ یہ تو کھلا ہوا

۱۱۱

۱۱۱

عَلَيْكُمْ كِتَابًا بِنُصْرَةِ رَبِّكَ

(نبی اسرائیل... ۱۰۰)

وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ

فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ لَعَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا

إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ، (انعام-۱)

غرض ایک آسمانی مذہب کی کیفیت سے بالکل بے خبر تھے، الوہیت اور صفات الہی

کے اسرار نبوت کے خصائص، انزول کتاب کی حقیقت، ہر چیز ان کیلئے حیرت و استعجاب کا سرمایہ تھی

کیا انہوں نے بات پر غور نہیں کیا یا ان کے

پاس وہ تعلیم آئی ہے جو ان کے اسلاف کے

پاس نہیں آئی، یا انہوں نے اپنے رسول

کو نہیں پہچانا تو اس کے منکر ہیں،

أَفَلَمْ يَدَّبُّوا الْقَوْلَ أَهْجَاءَهُمْ

مَا كَرِّبَاتِ آبَاءَهُمْ إِلَّا وَلِيْنَ أُمَّلُوْا

يَعْرِفُوْنَ أَرْسُوْلَهُمْ فَهَلْ لَهُمْ مِنْكُمْ وَاوِيْنَ

(مومنون - ۲)

اس بنا پر عرب کے مشرکین، اور کفار کو ایک مدت تک صدائے نبوت سے گوش آشنا ہونے

کی حاجت تھی، اور اس میں کئی برس صرف ہو گئے، لیکن وہ لوگ جو اس صدائے ناناؤس نہ تھے

ان تک آواز پہنچنے کی دیر تھی کہ وہ ستر پالیسیک تھے، حصہ اول میں گزر چکا ہے کہ سابقین اسلام عموماً وہی لوگ تھے، جو اہل کتاب یا خنفس کے آغوش پروردہ تھے، اشخاص کے علاوہ قبائل کا بھی یہی حال تھا، مشرکین کلام الہی کا جواب خندہ تحقیر سے دیتے تھے، اور موزن نبوت کے دانہ چشم پر نہماؤں پر کھیت

جن کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہے (مہرود و نصاریٰ)

جب ان کو قرآن کی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو

منہ کے بل وہ سجدی میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں

کہ پاک ہے، ہمارا پروردگار، ہم سب کو ایک پیغمبر بنا

کے بھیجنے کا، جو وعدہ کیا تھا، وہ ضرور پورا ہوا،

وہ منہ کے بل گر پڑتے ہیں، اور یہ ان کے خشوع کو

ان میں سب سے زیادہ مسلمانوں کیساتھ محبت

رکھنے والے وہ ہیں، جو اپنے کو نصاریٰ کہتے

ہیں، سب یہ ہو کہ ان میں قیس اور رابیع

اور وہ کبیر نہیں کرتے، اور جب وہ کلام

میں جو پیغمبر پڑتا ہے، تو ان کی آنکھوں کو

تو دیکھے گا، کہ حق کو پہچان کر ان سبہائی ہیں

اور کہتے ہیں کہ خدایا ہم ایمان لائے، ہم کو بھی

شہادت دینے والوں میں لکھ لے،

إِنَّ الدِّينَ أَوْ تَوَالِعِلْمٍ مِنْ تَبْلِيهِ

إِذَا يُتْلَى عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْآذَانِ

سُجَّدًا ذَكَرُوا لَوْ أَنَّ سُبْحَانَ رَبَّنَا إِنَّا

كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُولًا وَيَخِرُّونَ

لِلْآذَانِ يَتَكُونُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا

(بنی اسرائیل - ۱۲)

وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِلَّذِينَ

آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَى إِذْ

بِأَنَّ مِنْهُمْ قِيْسِيْنَ وَرَهْبَانًا وَ

أَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ، وَإِذَا سَمِعُوا

مَا نُزِّلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَى أَعْيُنَهُمْ

تَفِيضٌ مِنَ الدَّمْعِ مَسَاعِرُ فَرُّوا مِنْ

الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا مَا فَالَكُنَّا

مَعَ الشَّاهِدِينَ (مائدہ - ۱۱)

م اور یہاں بھی

۱۱

مدینہ کے یہود جو اسلام سے سیاسی اور دینی کینہ اور تعصب رکھتے تھے، اور اس بنا پر اسلام کے مقابلہ میں زبان سے اپنی کور باطنی کا اظہار وہ اپنا فرض سمجھتے تھے، وہ بھی چشمِ دل کو ہمیشہ حق سے باز نہیں رکھ سکتے تھے،

الَّذِينَ آمَنُوا بِالْكِتَابِ يَعْرِفُونَهُ
كَمَا يَعْرِفُونَ آبَاءَهُمْ وَإِنِ لَغَلِيظًا
مِّنْهُمْ لِيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ
(بقرہ - ۱۷)

جن کو ہم کتاب دیکھتے ہیں، وہ اس پیغمبر کو اسی
طرح پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو
پہچانتے ہیں، ان میں سے کچھ لوگ جان کر
حق پوشی کرتے ہیں،

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ
مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِن قَبْلُ
يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا وَقُلْنَا
جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا وَإِذِ
يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا وَقُلْنَا
(بقرہ - ۱۱)

اور جب خدا کے پاس سے پیغمبر وہ کتاب لیکر
آیا جو خود ان کی آسمانی کتابوں کو سچ کر رہی
ہی، تو باوجود اس کے کہ وہ کافروں کو اس
سے پہلے اسی کے نام سے دباتے تھے، اب حق
پہچان کر اس کا انکار کرتے ہیں،

قرآن مجید کی شہادتوں سے قطع نظر کر کے، اگر واقعات پر غور کیا جائے تب بھی یہ حقیقت
منکشف ہو جائے گی، مجرور دعوتِ حق سننے کے ساتھ جن اشخاص اور جن قبائل نے اسلام
کو لبیک کہا، ان کے حالات پیش نظر کر لینے کے بعد صاف ثابت ہوتا ہے کہ اسلام اپنے لئے
صرف اشرافِ پرول، اور ذوقِ آشنا نگاہ کا جو بیان تھا حضرت سعید بن زید، عثمان بن مظعون
صہیب رضی، ابوذر غفاری، سلمان فارسی وغیرہ جسا بعین اسلام ہیں، اسی قسم کے لوگ تھے

جہاں، ولید بن مغیرہ، عاص بن دائل وغیرہ قریش کے مشرکین، خدا کا کلام تیرہ برس تک متصل سنتے رہے، لیکن ان کے دل کی سنگینی میں کوئی فرق نہ آیا، درقہ مکہ کا قریشی عیسائی، صرف ایک باقرآن سنتا ہے، اور ناموس اکبر کی آواز پہچان لیتا ہے، مکہ کے مشرک تر بن برس تک آپ کے چہرہ کو دیکھتے رہے، لیکن نور الہی کو نہ پہچان سکے، اور عبد اللہ بن سلام یہودی عالم نے صرف ایک دفعہ جمال پُرانوار کو دیکھا، اور پکار اُٹھے کہ یہ حق کی تجلی ہے، روسائے قریش ہر روز اپنی آنکھوں سے نزول وحی کا تماشا دیکھتے ہیں، اور جنبش نہیں کرتے، اور نجاشی حکومت کی مسند پر اور ہر قل شہنشاہی کے تخت پر بٹھکے غائبانہ کلام اللہ کی چند آیتیں سنتے ہیں، اور تڑپ جاتے ہیں، قریش کے گھریہ دولت خود اُترتی ہے اور وہ اس کو ٹھکرا دیتے ہیں، لیکن مدینہ سے بنی اسرائیل کے پڑوسی جو ان کی زبان سے آخری نبوت کی بشارت سن چکے تھے، اتفاقاً مکہ آتے ہیں، اس دولت ابدی کو اپنے گھراٹھا بجاتے ہیں، طائف کے سنگدل جاہل بنی ہاشم پر برساتے ہیں اور ان کی منسی اڑاتے ہیں، اور بخران کے عیسائی عالم مناظرہ کی غرض سے مدینہ آتے ہیں، لیکن چہرہ پر پیغمبری کی مصومیت دیکھ کر دل جاتے ہیں، اور صلح کا ہر پیش کرتے ہیں،

قریش اور حجاز کے ماذنبوت کے نامحرم دعوتِ حق کا جواب اکیس برس تک تیغ و سنان سے دیتے ہیں، لیکن یرب، بحرین، عمان اور بحرین کے بڑے بڑے اور عظیم الشان قبائل جو یہود و نصاریٰ، اور مجوسیوں کے اثر سے ان رموز سے کسی قدر آگاہ ہو چکے تھے، وہ آواز میں پہنچنے کے ساتھ دفعہ مسلمان تھے،

آبائی دین و رسوم کی پابندی | ہر نئی تحریک کو غور سے دیکھو تو معلوم ہو گا کہ اس کے قبول کرنے میں جو

چیز سے پہلے عائق ہوتی ہے، وہ قومی رسم و رواج اور آبائی دین و مذہب کی پابندی ہے انسانیت کے پاؤں میں اس سے بھاری کوئی زنجیر نہیں اور ست آشنا کا چھوٹنا، ان باب سے علیحدگی، آل و اولاد سے کنارہ کشی، مال و جائیداد سے دست برداری، جماعت کی مخالفت قوم کو قطعاً وطن سے دوری، ایسی چیزیں نہیں ہیں جن کو ہر انسان آسانی سے برداشت کر سکے، بلکہ رسم و رواج کی دیرینہ محبت، اور آبائی کیش و آئین کی موروثی الفت احق و باطل کی تمیز، اور نیک و بد کی پہچان کی حس مٹا دیتی ہے، عام دنیا کی فطری حالت کے علاوہ عرب کی قوم قدامت پسندی اور قدیم حالت پر تہا اور استحکام میں خاص شہرت رکھتی ہے، دنیا کمان سے کمان بدلتی چلی گئی، پرانی سامی نسل کی بدویانہ خصوصیتیں جو توراہ میں پڑھتے ہیں، وہ تمام سامی قوموں سے مل گئیں مگر عرب میں اس وقت بھی نمایاں تھیں، اور آج بھی نظر کے سامنے ہیں، دین ابراہیم کے چند اصول صحیح، نیک اور قربانی وغیرہ ہزاروں برس کے بعد بھی عرب میں مٹا کر باقی رہ گئے تھے، ان سے نہیں چھوٹے تھے، ان کے شعر و شاعری اور فخر و مباہات کا سب پر جوش مضمون آیا و احد اور نام و نسب پر فخر و غرور تھا، جس کو چھوڑنا ان کے نزدیک اپنی پرانی عزت و عظمت کی دغا کو خود گرا دینا تھا،

آنحضرت ﷺ نے جب مکہ میں دین حق کی منادی شروع کی، تو اس کی شدت مخالفت جس بنا پر سب زیادہ کی گئی، وہ یہی دین آبائی کے ترک کا مسئلہ تھا، اور یہی دین جدید کے بطلان کی سب سے مستحکم دلیل، ان کے پاس تھی، چنانچہ قرآن مجید نے بار بار ان کے اس قول کو دہرایا ہے، اور اسکی لغویت ظاہر کیا ہے،

وَإِذ قِيلَ لَهُمْ تَبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ
قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا الْفِينَاءُ عَلَيَّ أَبَاؤُنَا
أَدَّوْا كَمَا كَانُوا آدَاءَهُمْ وَلَا يَتَّبِعُونَ
وَلَا يَهْتَدُونَ

(بصراء - ۲۱)

بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا عَلَيْنَا آيَةً
وَإِنَّا عَلَىٰ آثَرِهِمْ مُّهْتَدُونَ وَإِنَّا
مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِّنْ
قَبْلِ يَرَاءِ إِلَّا قَالُوا سُرُونُهَا إِنْ أَرَادْنَا
أَبَاؤُنَا عَلَىٰ آيَةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَرِهِمْ
مُقْتَدُونَ ۚ قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ
مِّمَّا وَجَدْتُمْ عَلَيْهِ آبَاءُكُمْ قَالُوا
إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ۚ

(زخرف - ۲)

وَإِذْ أَفْعَلُوا فَأَحْسَنَهُ قَالُوا مَا
عَلَيْهَا آبَاؤُنَا وَاللَّهُ أَمْرٌ نَّاهِقٌ
إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ اتَّقُوا اللَّهَ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو آہاؤں
اُس کی پیروی کرو، کہتے ہیں، (نہیں) بلکہ ہم
اسکی پیروی کریں گے جس پر اپنے باپ و اجداد
کو ہم نے پایا، کیا اگر چہ ان کے باپ و اجداد کچھ

سمجھتے ہوں اور نہ راہِ راست پر ہوں تب بھی
بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو ایک
روش پر پایا ہے اور ہم ان ہی کے نقش قدم پر چلنے
پر نہائی پائیں گے اور اسی طرح ہم نے اپنے پیغمبر
سے پہلے کسی آبادی میں کوئی پیغمبر نہیں بھیجا لیکن
لیکن اُس کے دو ہندون سے ہی کہا کہ ہم نے اپنے
بزرگوں کو ایک روش پر پایا ہے اور ہم انہی کے
نقش قدم کے پیرو ہیں اگہو اسے پیغمبر کیا اگرچہ
میں اس روش سے جس پر تم نے اپنے بزرگوں کو پایا
زیادہ سیدھا راستہ لیکر تھا اس کیوں نہ اؤں

اور جب وہ کوئی بے شرمی کی بات کرتے ہیں
تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو اسی پر پایا
اللہ نے ہم کو اسی کا حکم دیا ہے کہ وہ پیغمبر کہ

بہتر ہے ان کی پیروی کرنا اور ان کے پیچھے چلنا

عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

(اعراف - ۳)

وَإِذْ أُنزِلَ لَهُمُ تَعَالَىٰ إِيَّاكَ مَا أَنْزَلَ

اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا

وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا وَلَوْ كَانُوا

آبَاءَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا

يَهْتَدُونَ (مائدہ - ۱۴)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي

اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ

مُنِيرٍ ۚ وَإِذْ أُنزِلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا

أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا

عَلَيْهِ آبَاءَنَا وَإِلَّا لَكُنَّا مِنَ الشَّاطِئِينَ

يَدْعُونَ هُمُ إِلَىٰ عَذَابٍ لَّسَعِيرٍ

(عثمان - ۳)

اللہ تو بے شرعی کی بات کا بھی حکم نہیں دیتا کیا

تم اللہ پر وہ تہمت باندھتے ہو جو تم نہیں جانتے

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو تمہارا

اس کے پاس اور رسول کے پاس آؤ تو کہتے ہیں ہم

نے اپنے باپ دادوں کو جس پر پایا ہے وہی ہم کو کافری

ہے، کیا ان کے باپ دادا کچھ نہ جانتے ہوں اور

نہ سیدھی راستہ پر ہوں (تب بھی وہ ان ہی کی پیروی

کچھ لوگ ایسے ہیں جو علم و ہدایت اور روشن

کتاب کے بغیر اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں اور

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو تمہارا ہے، اسکی

پیروی کرو تو کہتے ہیں، بلکہ ہم اسی کی پیروی کریں گے

جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا، کیا اگرچہ

ان کو شیطان و وزخ کے عذاب ہی کی طرف

کیوں نہ پکاری (تو وہ اسی کی پیروی کریں گے)

کفار کے یہ سوال و جواب خود ظاہر کرتے ہیں کہ ان کو اپنے آبائی رسوم کا چھوڑنا کس

حال نظر آتا تھا، اپنے بعثت کے تین برس بعد جب بت پرستی کی علانیہ مذمت شروع کی، تو

قریش کی عدالت میں آپ پر سب سے بڑا جرم ہی قائم کیا گیا کہ یہ خاندانی دیوتاؤں کی تحقیر و برگون کی توہین

اور آسانی رسم و رواج کی مذمت کرتے ہیں، مگر میں جب آپ نے علی الاعلان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی اور بہت سے نیک لوگوں نے اس دعوت پر لبیک کہا، تو قریش کے بڑے بڑے رئیسوں نے ابوطالب کے پاس جا کر آپ کے خلاف جو الزامات قائم کئے وہ یہ تھے: "اے ابوطالب! تمہارا بھتیجا ہمارے دیوتاؤں کو برا کہتا ہے، ہمارے مذہب کی توہین کرتا ہے، ہم کو بے وقوف اور نادان کہتا ہے، اور ہمارے باپ و دادوں کو گمراہ بتاتا ہے، تو یا تو تم اس کو روکو، یا ہم کو اور اس کو چھوڑ دو کہ باہم سمجھ لیں،"

یہ ان کی عدالت کا پہلا مطالبہ تھا، ابوطالب نے ان کو سمجھا بچھا کر واپس کیا، تو کچھ دنوں کے بعد انھوں نے پھر اپنا مطالبہ ان الفاظ میں پیش کیا، "اے ابوطالب! تم نے اپنے بیٹے کو تک منع نہیں کیا، اب خدا کی قسم ہم اپنے بزرگوں کی برائی، اپنی نادانی، اور اپنے دیوتاؤں کی حجج نہیں سن سکتے تو یا تو اس کو باز رکھو، اور یا ہم سے لڑنے پر آمادہ ہو جاؤ، اس اعلان جنگ سے کام نہ چلا، تو وہ تیسری دفعہ ابوطالب کے پاس جاتے ہیں، اور کہتے ہیں: "اے ابوطالب! اولید کا بیٹا ہمارے کیسا خوشرو نوجوان ہے، تم اس کو مبتلی بنا لو اور اپنے بیٹے کو قتل کرنے ہمارے حوالہ کرو، کہ اس نے تمہارے اور تمہارے بزرگوں کے دین و مذہب کی مخالفت کی ہے، تمہاری قوم کی جماعت کو پرانندہ کر دیا ہے، اور ان کو بوقوف اور نادان کہتا ہے، سب سے آخری دفعہ قریش کے رئیسوں نے خود آنحضرت ﷺ سے مل کر گفتگو کی اور کہا کہ اے محمد! تمہارے سوا کسی قوم میں ایسا آدمی نہیں ہے جو اپنی قوم پر مصیبت لایا ہو، جو تم لائے ہو، تم نے باپ و دادوں کو برا کہا، ہمارے مذہب کی توہین کی اور یوتاؤں کو گالی دی، ہم کو بے وقوف اور نادان بنایا، اور جماعت میں تفرقہ ڈالا، اور"

کوئی بُرائی نہ تھی، جو تم نے ہمارے ساتھ نہیں کی۔

ان الزامات کی فہرست کی ایک ایک دفعہ پڑھو، معلوم ہو گا کہ ابائی دین، موردنی رستم و اورج اور خاندانی دیوتاؤں کی غلامی سے آزاد ہونا، ان پر کتنا بار تھا، اور وہ اس جرم کو کتنا سنگین سمجھتے تھے، موسم حج میں آنحضرت ﷺ جب لوگوں کے پاس جا جا کر توحید کا پیغام سناتے تھے تو ابولسب آپ کے اثر کو باطل کرنے کے لئے آپ کی تقریر کے بعد آپ کے پیچھے پیچھے ہر طرف یہ کہتا جاتا لوگو! یہ وہی ہے، جو تم کو تمہارے باپ داؤد کے مذمت پر گشتہ کرتا پھرتا ہے،

ابوطالب جنھوں نے ہر موقع پر آنحضرت ﷺ کی حمایت کی تھی، اور وہ آپ کو اپنے جان و دل سے زیادہ عزیز رکھتے تھے، وہ بھی آپ کی دعوتِ حق کو اپنے دینِ ابائی کے مقابلہ میں پذیرائی کے قابل نہ سمجھے، بھتیجے نے بار بار کہا چچا جان! بگڑ شہادت ایک دفعہ پڑھ لیجئے کہ قیامت میں آپ کی شفاعت کی ایک سند مجھے ہاتھ آجائے، ابوطالب کے جواب دیا جان پدربسب کچھ تم پر نثار، لیکن بزرگوں کے مذہب کو نہیں چھوڑ سکتا، "عین اس وقت جب ابوطالب نے نیا سے رخصت ہو رہے تھے، اور نزع کی حالت تھی آپ ان کے پاس تشریف لے گئے، فرمایا کہ چچا جان! اب تو لا الہ الا اللہ کہہ دیجئے کہ میں خدا کے ان آپ کے ایمان کی شہادتوں میں ابوہل اور عبد اللہ بن امیہ نے جو ان کے پاس بیٹھے تھے کہا، ابوطالب کیا تم (اپنے باپ) عبد المطلب کے سے پھر جاؤ گے؟ آپ بار بار لا الہ الا اللہ پڑھنے کی درخواست کرتے تھے، اور یہ دونوں ان کو وہی عبد المطلب کے دین سے علیحدگی پر شرم دلاتے تھے، بالآخر ابوطالب نے یہی کہا کہ میں عبد المطلب کے دین پر مرتابوں سے یہ تمام واقعات بنی اسحق اور سیرۃ کی تمام کتابوں میں تفصیل مذکور ہیں، متدرک حاکم طبرستان کتاب لایا

اور لا الہ الا اللہ نہیں کہا۔ صحیح بخاری کی روایت ہے۔ صحیح مسلم میں اس کے بعد ہے کہ ابو طالب نے کہا کہ بھتیجے! جو فقرہ تم کہتے ہو میں کہہ کر تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا ہوں قریش کہیں گے کہ ابو طالب موت سے ڈر گیا، ابن اسحاق میں ہے کہ انھوں نے آہستہ آہستہ وہ فقرہ کہہ دیا، بہر حال اس واقعے کا دکھانا ہی وہ یہ ہے کہ اس حالت میں بھی مخالفین کے پاس اسلام سے باز رکھنے کے لئے اس سے زیادہ پزیرا اور پُراثر دلیل نہ تھی کہ ابو طالب کیا آباؤی مذہب کو چھوڑ دو گے؟ اس سے معلوم ہو گا کہ اسلام کی اشاعت کے راستہ میں یہ تخیل کتنا بڑا پتھر تھا،

تو ہم پرستی | عرب کی اصلاح و ہدایت کی راہ میں ایک اور عائق عرب کی توہم پرستی تھی اور قوم میں جاہلون کا جس طرح یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ فلان دیوتا یا فلان پیر کے خلاف اگر کچھ بولنا سے نکلا تو فوراً بلائیں آکر ہم کو لپٹ جائیں گی، عرب میں گھر گھر سیکڑوں بت اور مسیتوں صنم جانے تھے، دنیا کے تمام کام ان ہی اصنام اور بتوں سے متعلق سمجھے جاتے تھے، بتوں سے یہ خیال راسخ چلا آتا تھا کہ فلان بت کی پرستش یا خدمت گزاری میں اگر کوتاہی کی گئی تو آسمان سے پانی برسنا بند ہو جائے گا، فرزند زینہ پیدا نہ ہوگا، باغون میں بھل نہ آئیں گے، اسی بنا پر اسلام کے نام سے ان کو لرزہ آتا تھا، اور یہ تخیل صرف اسی وقت پیدا نہیں ہوا تھا، بلکہ ایک مدت سے عرب میں چلا آتا تھا، حضرت ہود کی دعوت کے جواب میں ثمود نے کہا،

ان نقولُ اَلا اَعْتَدْنَاكَ بَعْضُ
ہم تو اس کے سوا کچھ اور نہ کہیں گے کہ ہمارے

۱۔ کتاب بخاری باب اذ قال المشرك عند الموت لا الہ الا اللہ صحیح مسلم کتاب الایمان باب ۱۵۵، ۱۵۶
۲۔ ہشام، وفات ابی طالب،

الْمَتَنَابِيسُوعِ (ہود ۵) کسی دیوتا نے تم کو آکے ستا یا ہے،

ابتداءً جب آنحضرت ﷺ نے بتوں کے خلاف وعظ کتنا شروع کیا تو اکثر لوگوں نے (نمود بائیس) پاگل سمجھ لیا، جاہلیت کے زمانہ کے بعض کافر احباب ہمدردی کی راہ سے جھاڑ پھونک کرنے آئے، ضمام بن ثعلبہ ایک صحابی تھے، وہ مسلمان ہو کر اپنے قبیلہ میں جب واپس گئے، اور لات وغزنی کی مذمت شروع کی، تو تمام قبیلہ خون سے کانپ گیا کہ، ضمام! ان کو بڑا نہ کہو، دیکھو کہ میں تم کو برس، جنون یا جذام نہ ہو جائے، حضرت زبیرؓ مسلمان ہونے کے بعد بصارت سے محروم ہو گئے تھے، کفائے نے کتنا شروع کیا کہ لات وغزنی نے ان کو اندھا کر دیا ہے، حضرت طفیل بن عمرو دوسی مسلمان ہو کر جب اپنے وطن تشریف لے گئے، اور اپنی بیوی کو اسلام کی دعوت دی، تو انھوں نے کہا، دیکھو ذوالشری (بت) کہیں برباد نہ کر دے،

فتح مکہ کے بعد جب کہ دیوتاؤں کے زور و قوت کا راز افشا ہو چکا تھا، اور اکثر قبائل نے اسلام قبول کر لیا تھا، اہم لات، عزی، مناة، ذی الین، سواع کے بتانوں کو وہ اپنے آستانوں سے نہ توڑ سکے، خاص مدینہ سے راسخ الایمان مسلمان بھیجے گئے، جنھوں نے اس فرض کو انجام دیا، پوجاؤں نے کوئی فرحمت نہ کی، وہ سمجھتے تھے کہ ان دیوتاؤں کو کون توڑ سکتا ہے، جو اس گستاخی کا ارادہ کرے گا، وہ خود تیاہ ویر باد ہو جائے گا،

۱۱ ابن کثیر ذوالشری، ابن حبان، بنو ی وغیرہ تمام مفسرین نے لکھا ہے، ۱۲ دیکھو تفسیر آیۃ بنعمۃ دیکھو
۱۳ وزیر مابصاحبہ من جنتہ صیحیح مسلم باب تخفیف الصلوٰۃ، ۱۴ الخطبہ ۱۵ مندواری کتاب الصلوٰۃ ۱۶ اسد الغابہ
۱۷ ترجمہ حضرت زبیرؓ و سیرۃ ابن ہشام ذکر متضیق مسلمین ۱۸ اسد الغابہ ذکر طفیل بن عمرو دوسی ۱۹ ابن سعد طبری ذکر ہمدرد

تو ہم پرستوں میں کسی مذہب کی محنت و بظلمت کی دلیل شواہد عقلی نہیں، بلکہ دنیا کے ظاہری مادی فوائد، اور جانی و مالی خسرو برکت ہوتی ہے، لیکن تو انہیں گاہِ عالم میں ایک مذہب پرست بھی اسی طرح آلام و مصائب میں گرفتار ہو سکتا ہے جس طرح ایک غیر مسلمان عرب کے بدو اور اعراب ابدار مسلمان ہونے کی ہمت بھی کرتے تھے، تو معاویہ توقع بھی کر لیتے تھے کہ اب وہ ہر قسم کے آفاتِ ارضی و سماوی سے محفوظ ہیں، اس بنا پر اگر کبھی ان کی اس توقع کو صدمہ پہنچتا، تو فوج و ہتھیاروں سے محفوظ رہتے تھے، صحیح بخاری کتاب التفسیر میں ہے:

| | |
|-------------------------------|---|
| کان الرجل یقدها لددینہ فان | باہر کا شخص مسلمان ہو کر دینہ آتا تھا اس |
| ولدات امواتہ غلاماً و نجت | کی یہ حالت تھی کہ اگر اس کی بیوی لڑکا عتیق |
| خیلہ قال هذا دین صالح و | اور اس کی گھوڑی بچہ دیتی تو وہ کہتا کہ یہ |
| ان لم تلد امواتہ ولو تنج خیلہ | نہایت عمدہ مذہب ہے، لیکن اگر ایسا |
| قال هذا دین سوء . | نہ ہوتا، تو وہ کہتا کہ یہ نہایت برا مذہب ہے |

قرآن مجید کی یہ آیت اسی قسم کے لوگوں کی شان میں نازل ہوئی ہے:

| | |
|--|--|
| وَمِنَ النَّاسِ مَن يَّعْبُدُ اللَّهَ | اور بعض لوگ وہ ہیں جو خدا کی بندگی کا رکھڑا |
| عَلَىٰ حَوْفٍ فَإِنْ أَسَابَ خَيْرٌ حَرِّمُوا | ہو کر کرتے ہیں (یعنی دل سے نہیں کرتے) اگر انکو |
| أَطْمَأَنَّنَ بِهِ وَإِنْ أسَابَتْهُ | فائدہ پہنچا تو ان کو اطمینان ہو جاتا ہے لیکن اگر |
| فِتْنَةٌ يُّنَالِقِ الْعَلْبَ عَلٰی وَجْهِهِ (ج ۲) | بتلاؤ مصیبت ہو تو فوراً و برگشتہ ہو جاتے ہیں |

لہ تفسیر سورہ حج جلد ثانی ص ۶۹۲ ۶۹۳ صحیح بخاری تفسیر سورہ حج،

ہجرت کے بعد جب مسلمان مدینہ آئے اور اتفاق سے ایک عرصہ تک کسی مسلمان گھرانے میں کوئی لڑکا نہ پیدا ہوا تو دشمن اس واقعہ کو اپنی بددعاؤں کا نتیجہ سمجھتے تھے اور خوش ہوتے تھے، آخر چھ مہینے کے بعد عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے، تو مسلمان بے انتہا مسرور ہوئے۔ سو اتفاق یہ کہ اول اول جو لوگ مدینہ میں آتے تھے، ان کو وہاں کی آب و ہوا اس نہیں آتی تھی، ابتدا سے ہجرت میں جب حضرت ابو بکرؓ و حضرت بلالؓ آئے، تو سخت بیمار ہو گئے، حضرت طفیل بن عمروؓ نے جب مدینہ کو ہجرت کی تو ان کو بھی مدینہ کی آب و ہوا ناموافق ہوئی، اگرچہ نخلصین اور اربابِ فہم پر اس قسم کی عارضی ناگوار یوں کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تھا، تاہم عام لوگ جن کی وہم پرستی فطرتِ انسانیہ ہو گئی تھی، وہ اس قسم کے اتفاقی واقعات سے بید متاثر ہوتے تھے، چنانچہ جب عکب و عویہ کے چند لوگوں نے مدینہ میں آکر اسلام قبول کیا، اور آب و ہوا کی ناموافقیت کے سبب بیمار ہو گئے، آنحضرت ﷺ نے تبدیل آب و ہوا کی پوز سے ان کو اونٹوں کی چراگاہ میں بھیج دیا تو گو وہ صحیح ہو گئے، تاہم مرتد ہو گئے، اسی طرح ایک بدو نے اگر آپ کے دست مبارک پر بیعت کی، لیکن سو اتفاق سے دوسرے دن بخار میں مبتلا ہوا، تو اپنی بیعت توڑنی چاہی، آپ نے تین بار منع فرمایا، لیکن اس کے اصرار سے آخر بیعت نسخ کر دی، اور فرمایا،

المدینۃ کالکیوتنفی خبتھا و مدینہ آگ کی بھٹی ہے جو میل کو الگ کر دیتا ہے

۱۵ مترک حاکم جلد ۳ و اصابہ ذکر عبداللہ بن زبیرؓ ۱۵ صحیح بخاری کتاب المرضی و باب مقدم ابنی ﷺ
 المدینہ ۱۵ صحیح مسلم کتاب الایمان ۱۵ صحیح بخاری کتاب لہارین ۱۵ بخاری جلد ۱ ص ۲۵۲ کتاب صحیح
 فضائل مدینہ، و باب اعظام اللہ،

تنصع طیبہا،

اور حقیقی جوہر کو ناصع کر دیتا ہے،

ان ہی اسباب کی بنا پر آنحضرت ﷺ نے مدینہ کے متعلق یہ دعا فرمائی

اللَّهُمَّ حَبِّبْ لَنَا الْمَدِينَةَ لَحَبَّهَا

خداوند اے اللہ کی طرح یا اس سے زیادہ ہمارے

مَكَّةَ وَأَشَدَّ، اللَّهُمَّ وَصِّحِّهَا

لئے مدینہ کو محبوب بنا دے، اس کو امرائے

وَبَارِكْ لَنَا فِي مَدِينَتِهَا وَصَاعِيهَا

صحیح کر دے، اس کے پہانے میں برکت دے

وَانْقُلْ حِمَاَهَا فَاجْعَلْهَا بِالْحَفَّةِ

اور اس کے بخار کو جحفہ میں منتقل کر دے،

قبائل کی خانہ جنگیاں | اسلام کی اشاعت کا ایک بڑا مانع عرب کی باہمی خانہ جنگیاں تھیں جو

عرب کے خصائص قومی کا عنصرِ عظیم بن گئی تھیں، یہ خانہ جنگیاں ہزاروں برس سے چلی آتی تھیں اور

ان کی وجہ سے قبائل میں ایسے ستم اور ثنابت الیاساس انتقامی جذبات پیدا ہو گئے تھے جن کا

مثلاً قریباً حال تھا، ان ہی لڑائیوں نے ثار (انتقام خون) کی رسم پیدا کر دی تھی جس کا ذکر اوپر

گزر چکا ہے، یہ رسم ایسی سخت اور شدید الاثر تھی کہ ایک شخص کے خون کے لئے قبیلہ کا قبیلہ منٹ

جاتا تھا، ہزاروں برس کے خون قومی قرض کی طرح باقی چلے آتے تھے جو درجِ رجسٹر ہوتے چلے

تھے، اور بچہ بچہ کی زبان پر ہوتے تھے، جو بچہ پیدا ہوتا تھا، وہ ہوش سنبھالنے کے وقت سے

پہلے ثار کا لفظ سنتا تھا یعنی فاندان میں فلان شخص قتل کیا گیا اور اس کے خون کا انتقام اتنا تک

باقی ہے، اس لئے بچہ بچہ کا نصب العین ابتدائے زندگی سے ہی ثار ہوتا تھا،

اس بنا پر ایک شخص یا ایک خاندان جس خلوص اور عقیدت مندی کے ساتھ اسلام کی طرف

صحیح بخاری باب مقدم نبی صلعم المدینہ،

۱۰

جھکتا تھا، معاہدہ اور قوت کے ساتھ دوسرا فرق اسلام کی مخالفت اور اس سے کشتی پرانا
 ہو جاتا تھا، مگر میں اسلام کی مخالفت کا صرف یہی راز تھا کہ خدا نے نبوت کے لئے ہاشم کا
 چن لیا تھا، نبو امیہ کی مخالفت اس کے لئے لا محالہ ہونی تھی،

مدینہ میں اوس و خزرج دو قبیلے تھے، اسلام سے پہلے دونوں لڑا لڑا کر تھک گئے تھے
 اسلام کی آواز آئی تو گو دونوں نے ایک ساتھ لبیک کہا، تاہم قبیلہ اوس کا ایک ایک فرد اگر
 ہمہ تن اخلاص و جوش تھا، تو خزرج میں بیسیوں منافق تھے، انتہا یہ ہے کہ ابتداء سے اسلام
 میں ہجرت سے پہلے دونوں قبیلوں کی ناز کی امامت کے لئے باہر سے ایک تیسرے قبیلہ کا
 آدمی بلوایا گیا تھا کہ خدا کے سامنے بھی ایک کو دوسرے کے پیچھے کھڑے ہونے سے عار تھا
 خزاعہ اور بنو بکر باہم شدید دشمن تھے، اور ان میں باہم پرانی عداوت چلی آتی تھی، مدینہ
 آنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو صلح کا پیام اور اسلام کی دعوت دی، خزاعہ نے اسلام
 کی دعوت قبول کی، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ بنو بکر قریش کے حلیف بن گئے،

خوب غور کرو، انصار اسلام لا کر ہمہ تن نیکو کاری اور پاکیزہ نفسی کے پیکر بن گئے، لیکن
 ان کے جذبات کس طرح آسانی سے دفتہ مشتعل ہو جاتے تھے، ایک موقع پر ایک یہودی نے
 جنگ بعاث کا تذکرہ چھیڑ دیا، تو انصار کے دونوں قبیلوں (اوس و خزرج) کی تلواریں
 سے نکل آئیں اور بڑی مشکل سے آنحضرت ﷺ نے ان کے جوش کو فرو کیا،

ابن ہشام ذکر بیت عقبہ ص ۱۱۱، مطبوعہ مصر ۱۹۰۰ء، معجم صغیر طبرانی میں بھی ایک اور اسی قسم
 کا واقعہ مذکور ہے، معجم عبد اللہ

حضرت عائشہؓ کے واقعہ انک میں جب آنحضرت ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر اس کی شکایت کی، اور حضرت سعد بن معاذؓ نے کہا یا رسول اللہ! اگر وہ (تمہارا لگانولا) ہمارے قبیلہ کا ہو تو میں اسکی گردن اڑا دیتا ہوں اور اگر ہمارے بھائی خزرج کے قبیلہ سے ہی تو آپ حکم دیں میں بجلاؤں گا، اس پر سعد بن عبادہ جو قبیلہ خزرج کے رئیس تھے، دفعہ کھڑی ہو گئے اور کہا

كذبت لعمر الله لا تقتله ولا

تقدر على قتله ولو كان من

دهطك ما احببت ان يقتله

خدا کی قسم تو جھوٹ کہتا ہے تو اس کو قتل نہ کرے گا، نہ کر سکتا ہے اور وہ شخص اگر تیرے قبیلہ کا ہوتا تو تو اس کو قتل کیا جاتا

اس پر اوس اور خزرج دونوں قبیلوں کے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے، یہاں تک کہ قریب تھا کہ جنگ چھڑ جائے، چنانچہ صحیح بخاری حدیث انک میں ہے،

فأراحيان الأوس والحزرج

پس دونوں قبیلے اوس و خزرج مشتعل حتی هموا ان يقتلوا ورسول

ہو گئے، یہاں تک کہ دونوں کشت خون پر آمادہ ہو گئے، اور آنحضرت ﷺ نے منبر پر

اللہ فاشع على المنبر

ایک بار عکرم بن جہامہ لیشی نے عہد اسلام میں قبیلہ اشجع کے ایک شخص کو قتل کر ڈالا، آنحضرت ﷺ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا، قبائل کے تعلقات کی بنا پر عیینہ نے مقتول اور قریع

ابن حابس نے قاتل کی طرف سے وکالت کی، بات بڑھی، اور سخت شور و غضب ہوا تو آپ نے عیینہ سے فرمایا، ویت کیوں نہیں قبول کر لیتے، اُس نے کہا خدا کی قسم اس وقت تک ویت نہ

لے صحیح بخاری کتاب المغازی باب حدیث الانک،

قبول کر دن گاجب تک اس کی بیویوں کو اس قدر ستالوں جس قدر اس نے ہماری بیویوں کو ستایا
 اس پر اور شور و غل ہوا، آپ نے پھر یہی الفاظ فرمائے، اور عینہ نے وہی پہلا جواب دیا چونکہ یہ اسلام
 کا ابتدائی زمانہ تھا، اور قتل کا یہ پہلا مقدمہ تھا، جو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا
 تھا، اس لئے قبیلہ بنو لیت کے ایک شخص نے جو مسلح کھڑا تھا، کہا کہ ابتدا سے اسلام میں اس واقعہ
 کی مثال بکری کے اُس ریڑھ کی سی ہے کہ اس کے پہلے حصہ کو تیر مارا گیا، تو دوسرا بدک کر بھاگ
 گیا یعنی اگر قاتل کے موافق فیصلہ کیا گیا تو لوگ سمجھیں گے کہ اسلام قصاص کو دیت سے بدل دینا چاہتا
 ہے اور چونکہ دونوں میں اب تک انتقام کے جذبات تازہ ہیں، اور لوگ دیت لینا پسند نہیں کرتے
 اس لئے ان کو اسلام کے قبول کرنے میں تامل ہو گا، لیکن آنحضرت ﷺ نے سفر میں تھے،
 اس لئے دیت میں پچاس اونٹ اسی وقت دیئے، اور مدینہ پہنچ کر ۵۰ اونٹ کا وعدہ فرمایا،

اہل عرب میں یہ جذبہ اس قدر ترقی کر گیا تھا کہ گو آپ کے فتح مکہ میں امن عام کی مناد ہی کر دی
 اور تلوار کے میان میں کر لینے کا حکم دیا، تاہم انتقام کا جوش اب تک تازہ تھا،
 قبیلہ ہذیل کا ایک شخص اسلام لانے کی غرض سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جا رہا
 تھا، اس نے زمانہ جاہلیت میں قبیلہ خزاعہ کا کوئی جرم کیا تھا، اور وہ لوگ انتقام کے لئے اس کو
 ڈھونڈ رہے تھے، سو اتفاق سے وہ راہ میں مل گیا، اور ان لوگوں نے اس کو فوراً قتل
 کر دیا کہ اگر بارگاہ نبوت میں پہنچ گیا، تو پھر اس کا موقع ہاتھ نہ آئے گا، آپ کو اس واقعہ
 کی خبر ہوئی تو سخت برہم ہوئے ان لوگوں نے حضرت عمر، حضرت ابو بکر، حضرت علی رضی اللہ عنہم سے

۱۰ ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۵۵ کتاب لایات،

سفارش کی درخواست کی، آنحضرت ﷺ نے نماز کے بعد ایک خطبہ دیا جس کے الفاظ یہ تھے:

”خدا نے مکہ کو دارا الحرام بنایا ہے آدمیوں نے نہیں بنایا ہے، خدا نے کل چند گھنٹوں

کے لئے اس کو میرے لئے حلال کر دیا تھا لیکن آج اس کی قدیم حرمت دوبارہ لوٹ آئی

ہو اور خدا کے سب سے نافرمان بند تین آدمی ہیں، ایک وہ جس نے حدود حرم میں کسی کو قتل

کیا، دوسرا وہ جس نے اپنے قاتل کے سوا کسی دوسرے شخص کو مار ڈالا، تیسرا وہ جس نے

زمانہ جاہلیت کا انتقام لیا، تم نے جس شخص کو قتل کر ڈالا، میں اس کی ویت دوں گا

چنانچہ آپ نے اس کی ویت ادا فرمائی،

بنو ثعلبہ کے ایک آدمی نے جاہلیت میں اوس و خزرج کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا

بنو ثعلبہ اسلام لا کر جب مدینہ آئے تو آنحضرت ﷺ خطبہ دے رہے تھے، ایک نصاریٰ

بے اختیار چلا اٹھے کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ ہمارے مجرم ہیں، ان سے قصاص لو آئے

آنحضرت ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر فرمایا، اگلا یعنی والد علیؑ والد علیؑ یعنی رطل کے جرم کا بدلہ

یا سے نہیں لیا جائے گا۔

ان واقعات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ تار کا جذبہ کس طرح رگ رگ میں سرایت کر گیا

تھا، اور اس جذبہ کا مشتعل ہو جانا کس قدر آسان ہوتا تھا،

خانہ جنگیوں پر ختم نہیں، یوں بھی تمام قبائل رقیب اور حریف مقابل تھے، دو مختلف

قبیلوں کے آدمیوں میں کسی ذاتی معاملہ پر بھی نزاع ہو جاتی تھی، اور ان میں کوئی اپنے قبیلہ کا نام پکارتا

۱۰ مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۳۱۵ و تطنی جلد ۲ صفحہ ۳۰۰

تو قومی جنگ کا سامان ہو جاتا تھا، ایک فوج ایک ہمارے ایک انصار کی کو تھپڑ مار دیا، انصار نے یا اللہ انصار (انصار کی وہابی) پکارا، ہمارے بھی یا اللہ ہاجرین کا نعرہ مارا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ کیا جہالت کی پکار ہے،

ما بال دعوی الجاہلیۃ یہ کیا جہالت کا دعوی ہے

لوگوں کو معلوم تھا کہ اسلام اس فعل شنیع کا سخت دشمن ہے، اس نے جب تک وہ اپنا انتقام نہ لے لیتے ان کو اسلام لانے میں تامل ہوتا تھا، عمرو بن اقیس ایک صاحب تھے، وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اسلام سے متاثر اور اس کے قبول کرنے کیلئے ہر طرح آمادہ تھے، لیکن ایک عائق تھا، جو اس راہ میں حائل تھا یعنی ماہر وہ جانتے تھے کہ اسلام لا کر اس غائبی فرض کے ادا کرنے کی ان کو اجازت نہیں مل سکتی، ابن مندہ نے ان کے حال میں لکھا ہے،

وكان له ثأر في الجاهلية و ان انتقام زمانہ جاہلیت میں باقی رہ گیا تھا جب تک

کہ ان یسلم حتی یاخذک وہ نہ لے لیں انھوں نے مسلمان ہونا پسند نہ کیا

اسی طرح حضرت عمرو بن مالک جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اسلام لا کر اپنے قبیلہ میں واپس گئے اور اسلام کی دعوت دی تو قبیلہ والوں نے کہا ابو عقیل پر ہمارا مارا انتقام، باقی ہی دے لینے، اسلام لانے پر چنانچہ انھوں نے اسی وقت ابو عقیل کو مسلمان ہو چکے تھے، حملہ کیا اور اس فرض کو سکدش جو سیاسی مشکلات، جہالت و حشت، پابندی رسوم، آبائی اثر وغیرہ وغیرہ ان میں سے ایک چیز بھی اصلاح نہ ہوتی، تاہم صرف سیاسی اسباب ایسے جمع تھے کہ قریش یا دیگر قبائل عرب کبھی اسلام

۱۵ صحیح بخاری جلد ۱ ص ۲۹۹ ذکر نبی دعوت جاہلیہ ۱۵ اسد غابہ ص ۵۰ جلد ۲ ص ۱۵ اصحابہ فی احوال صحابہ ذکر عمرو بن مالک

ہانگے سر نہیں جھکا سکتے تھے، مکہ میں دو خاندان برابر کے رقیب تھے، امیہ اور ہاشم، اور آنحضرتؐ کی نسبت
 سے پہلے امیہ کا پلہ ترجیحِ علانیہ گران ہو چکا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کا اظہار کیا
 تو سب پہلے امیہ کے خاندانوں نے سرکشی کی، اور فتح مکہ تک یہی خاندان تھا، جو تمام لڑائیوں اور
 معرکہ آرائیوں کا علمبردار تھا، بنو امیہ کے بعد اور خاندان تھے، اور وہ بھی حرم کے مناصب و گاہ (رذائف
 وغیرہ) کے ممتاز حصہ دار تھے، ان میں سے ہر ایک دیکھ رہا تھا کہ اس جدید انقلاب میں ان فوائد اور
 اقتدار کا بالکل خاتمہ ہے ابو جہل سے جب ایک شخص نے کہا کہ محمدؐ کی دعوت اسلام کی نسبت
 تمہاری کیا رائے ہے؟ تو اس نے صاف کہا کہ میں کیا کہوں، محمدؐ کے خاندان نے عزت و شرف میں
 برتری کا دعویٰ کیا اور نبوت میں دعوتین کھلائیں، اسی کے جواب میں ہم نے اسی شان کی دعوت
 دیں، انہوں نے خون بہا دیئے، ہم نے بھی دیئے، انہوں نے زرباشیاں کیں، ہم نے بھی
 کیں، ہم دونوں دوش بدوش ہو چکے تھے کہ دفعہ ان کی طرف سے یہ دعویٰ پیش ہوا کہ
 ہمارے خاندان میں نبوت اور آسمان سے وحی بھی آگئی، اب ہم کہاں تک برداشت
 کریں، خدا کی قسم ہم کبھی محمد پر ایمان نہیں لاسکتے، یہی ابو جہل جب انصار کے ہاتھ سے قتل ہوا
 تو اس نے مرتے وقت حسرت سے کہا کہ کاش مجھ کو کاشٹکاروں کے سوا کسی اور قوم نے
 قتل کیا ہوتا،

خوب غور سے دیکھو بدو، احد، حمر، الاسد، احزاب وغیرہ تمام لڑائیوں میں یہی امیہ
 عنصر تھا، جو کام کر رہا تھا، قریش کے قبیلہ سے باہر جو بڑے بڑے قبیلے تھے مثل غطفان، اسد وغیرہ

لے ابن ہشام حصہ اول ص ۱۰۰، مکتبہ مدرسہ مطبع اول ۱۵۰ صحیح بخاری و اقتدیر،

یا اہل مکہ ہی کے خاندان کی کوئی شاخ تھی، یا قریش کے حلیف و مہمد تھے، خیبر میں یہود تھے جو قوم کے لحاظ سے قریش سے الگ تھے لیکن عرب تجارتی حیثیت سے تمام تر ان ہی کے زیر بار تھے ان ہی سے قرض وام لیتے تھے ان ہی کے ہاں مال و متاع زمین رکھتے تھے، خیبر اور غطفان ایک مدت دراز سے باہم حلیف تھے، اس طرح مکہ سے لیکر خیبر اور نجد تک ایک سلسلہ اتحاد میں مربوط تھا،

کعبہ - تمام عرب میں قبلہ گاہِ اعظم تھا، ہر سال تمام ملک حج کرنے کے لئے آتا تھا، اور آستانہ کعبہ پر سر جھکاتا تھا، کعبہ کے مجاور معمولی پنڈوسے نہ تھے، بلکہ خمیر و خرگاہ، تیغ و سپر، جاہ و حشم غرض ریاست و امارت کے تمام سر و سامان رکھتے تھے، اس لئے تمام عرب میں ان کی شہنشاہی قائم تھی، یہی بات ہے کہ جب تک مکہ فتح نہیں ہوا، اسلام چین سے نہیں بچھ سکا، لیکن اسلام کی مخالفت قریش کی متابعت تک محدود نہ تھی، بلکہ بڑا سبب یہ تھا کہ اسلام سے خاص قریش کو جو نقصان پہنچ سکتا تھا، براہِ راست وہی تمام رو سارے قبائل کو پہنچتا تھا، عرب کا ملکی نظام یہ تھا کہ تمام ملک میں قبائل پھیلے ہوئے تھے، اور ہر قبیلہ کا ایک رئیس اعظم ہوتا تھا جو تمام قبیلہ پر حکمراں ہوتا تھا، اور مالِ غنیمت سے چوتھ وصول کرتا تھا جس کو مباح کہتے تھے، اس کے علاوہ غلام میں سے جو عورت، یا اور کوئی عمدہ چیز اس کو پسند آتی تھی، اس کو چھانٹ لیتا تھا، اس کا نام صفی تھا یہ گویا چھوٹی چھوٹی حکومتیں تھیں جو تمام ملک میں پھیلی ہوئی تھیں، یہ ریاست خاندانی اصول پر چلتی تھی باپ کے مرنے کے بعد بیٹا رئیس منتخب ہوتا تھا، قبیلہ کے تمام معاملات ذاتی نزاعیں، تصاص خون بہا کے فیصلے سب، رئیس کے ہاتھ سے فیصل ہوتے تھے، یہ رو سامان قوم سے بہت سے

حقوق میں ممتاز ہوتے تھے،

قبائل میں یہی امتیاز مراتب تھا کہ جو قبائل زیادہ شریف مانے جاتے تھے، ان میں سے ایک آدمی اگر کوئی دوسرا قیدہ قتل کر دیتا تھا، تو اس کا خون دوسرے قیدہ کے دو خون کے برابر سمجھا جاتا تھا، اور اس لئے ایک کے بدلے دو کو قتل کرتے تھے، یہ امتیاز اور فرق مراتب اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ جب غزوہ بدر میں قریش کی فوج یمن سے عقبہ و شیبہ میدان میں آئے، اور مبارزہ طلب ہوئے، اور انصار ان کے مقابلہ کو نکلے، تو عقبہ نے اس بنا پر ان کے مقابلہ سے انکار کر دیا کہ قریش اور انصار کا جوڑا نہیں،

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جبکہ بنو الایمہ خاندانِ غسان کا اخیر فرمانروا اسلام لایا، اور مکہ میں آیا، ایک دن طواف میں اس کی چادر کسی شخص کے پاؤں کے نیچے آگئی، جبکہ نے اس کے کمال پر تھپڑ کھینچ مارا، اس نے بھی برابر کا جواب دیا، جبکہ نے حضرت عمرؓ کے پاس جا کر شکایت کی حضرت عمرؓ نے واقعہ سن کر کہا، اس کا کیا قصور ہے، تم نے جو کیا اس کی جزا پائی، جبکہ نے کہا میرا بہ رتبہ ہے کہ کوئی مجھ پر ہاتھ اٹھاتا، تو قتل کر دیا جاتا، حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہاں زمانہ جاہلیت میں یہی قاعدہ تھا، لیکن اسلام نے اس کا خاتمہ کر دیا، جبکہ نے کہا جو مذہب شرفا، کو ذلیل کر دیتا ہے، میں اس سے باز آتا ہوں، یہ کہہ کر چوڑی سے روم چلا گیا، اور عیسائی ہو گیا،

عرب کا ہر نس قیدہ و حقیقت جبکہ تھا، اور اسلام قبول کرنے کے وقت اس کو یہی منظر نظر آتا تھا، اسلام ان تمام واقعات اور خصوصیات کو مٹاتا تھا، اس کے دربار میں شاہ و گدا رئیس و عامی، شریف و حقیر کا ایک درجہ تھا، اس لئے عرب میں تمام دوسرے قبائل کو صاف

نظر آتا تھا کہ اسلام کا پھیلنا ان کے ہر قسم کے فخر و امتیاز کا مسٹ جانا ہے،

عرب میں ایک دوسری حریف طاقت یہودیوں کی تھی، جو حجاز سے لیکر شام کے دروازوں تک پھیلے تھے، ان کے ہاتھ میں بڑے بڑے مضبوط قلعے تھے، فن جنگ سے واقف تھے، سامان و اسلحہ وافر رکھتے تھے، دولت کی بہتات تھی، باغون اور زمینوں پر ان کا قبضہ تھا، عرب کے تمام مادی ذرائع معاش کے وہ تھا جا رہے تھے، پھر اسلام آیا، تو اس طرح کہ اس نے یہودیوں کی ایک ایک بُرائی کو طشت از بام کیا، اور ان کے مذہبی وقار کے کھوکھلے پن کو علی الاعلان ظاہر کیا، اس لئے انھیں صاف نظر آتا تھا کہ یہ نئی طاقت ملک میں جڑ پکڑ کر ان کو زخ و بنیاد سے اکھاڑ دے گی، چنانچہ قرظیہ، بنی نصیر، بنی قنیقاع، اور شریب، خیبر، فدک، تہام، وادی القریٰ وغیرہ کے یہودی زمیندار، سوواگر، و ماجن اور قلعہ نشین دل سے چاہتے تھے کہ اس قوت کو کسی طرح ابھرنے نہ دیں، اور آخر لڑا اسیان پیش آئیں، اور دین توحید کے مقابلہ میں انھوں نے اہل شرک کا ساتھ دیکر، حنق و احزاب و عطفان کے سر کے پیش کئے، عرب کے مختلف قبیلوں اور سرحدی صوبوں پر ایران اور روم کی سلطنتیں فرمانروائی کرتی تھیں، عراق، ہن اور بحرین پر ایران کی حکومت تھی، اور حجاز کے شامی حدود پر قیصر کا قبضہ تھا، عرب کے مختلف ہمسایہ قبیلے ان ہی دو مین کسی ایک سلطنت کی حفاظت کا دم بھرتے تھے، اور یہ دونوں سلطنتیں اس بیچ کے سرحدی ملک کی ایک ایک حرکت اور جنبش پر نظر رکھتی تھیں، اس لئے اس ملک میں ایک تہی بڑی عظیم الشان تحریک کا قوت پکڑنا، ان کو کسی طرح پسند نہیں آ سکتا تھا، اسی لئے عرب میں اسلام کی قوت کا ان کو جب احساس ہوا تو انھوں نے اس کی وار و گیر کرنی چاہی، کسریٰ ایران نے مین کے

اپنے ایرانی گورنر کو لکھا کہ اس نئے مدنی کو پکڑ کر ہمارے سامنے حاضر کرو اور قیصر نے تو کھلم کھلا حملہ کی تیاری ہی کر دی تھی جس کے باعث تبوک کی فوج کشتی ہوئی اور آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلام کو ان دونوں ہمسایہ طاقتوں سے نبرد آزما ہونا پڑا،

ذریعہ معاش | اسلام لانے کا ایک بڑا مانع یہ تھا کہ عرب کا ذریعہ معاش عمدتاً قافلوں پر حملہ اور در سلب اموال اور رہزنی تھا، اور ہم امالی قافی سے نقل کر آتے ہیں کہ عرب کا ذریعہ معاش غارتگری تھا، اور چونکہ حج کے چار ہینون میں جنگ و نمارت سے باز رہنے میں ان کے ذرائع معاش مسد ہو جاتے تھے، اس ضرورت سے وہ حج کے مہینوں کو اول بدل کر لیا کرتے تھے،

اندر ہنی عرب تمام تر دشت و صحرا اور بالکل ویرانہ ہے، زراعت یا تجارت کی کوئی صورت نہیں، باوجود اس کے لاکھوں نفوس آباد ہیں، اس لئے ان کو غارتگری کرنی پڑی، امتداد زمانہ سے یہ عادت ان میں راسخ ہو گئی تھی، رفتہ رفتہ ٹھکی، رہزنی، اور سرقت تمام ملک میں پھیل گیا تھا، یہاں تک کہ بڑے بڑے امور شعراء چورا اور رہزنی ہوتے تھے،

اکثر بڑے بڑے جتھے اس لئے قائم ہوتے تھے کہ بنجارے جو ملک میں پھر کر غلہ کی تجارت کرتے تھے، ان کو لوٹ لیا کریں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مہاجدیل پر جو سریہ بھیجا تھا، اسی کے انسہ او کی غرض سے بھیجا تھا، دو مہاجدیل مدینہ منورہ سے پندرہ منزل کے فاصلہ پر تھے، یہ لوگ اس قدر فاصلہ سے خود مدینہ پر چھاپہ مارنے کی تدبیر کر رہے تھے کہ آپ کو خبر ہو گئی اور حضور نے انہیں خود وہاں تک گئے، اور چند روز قیام کر کے ان اطراف کا بندوبست کیا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ نے اسلام لانے سے پہلے چند شخصوں کو قتل کر کے ان کا مال چھین

لیا تھا، چنانچہ جب اسلام لائے اور اس واقعہ کا اظہار کر کے لوٹ کا مال بھی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ

اما الا سلاہم قافل واما العال فلست
فی شئی (صحیح بخاری کتاب الشرط ذکو صلحہ)
اسلام تو میں نے قبول کیا، لیکن مال سے
مجھ کو کسی قسم کا واسطہ نہیں،

ایک نکتہ یہاں خاص طور پر لحاظ کے قابل ہے حدیثوں میں جو یہ وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ اکثر بیعت اسلام کے وقت جن باتوں کا اقرار لیتے تھے، ان میں ایک یہ بھی ہوتا تھا کہ چوری نہ کریں گے اس کی یہی وجہ تھی کہ ان جرائم کا رواج تھا، ورنہ آج اگر شرفاء سے بیعت کے وقت یہ اقرار لیا جائے تو لوگوں کو تعجب ہوگا کہ یہ بیعت لینے کی کیا چیز ہے،

اسلام قبول کرنے کیساتھ ان تمام جرائم سے توبہ کرنا ہوتا تھا، اس لئے عرب کو اسلام قبول کرنے کے وقت یہ نظر آتا تھا کہ وہ تمام ذرائع معاش سے مجبور ہو جاتے ہیں، یعنی وہ قافلون پر حملہ نہیں کر سکتے، کہیں ڈاکہ نہیں ڈال سکتے، کسی کا مال نہیں چھین سکتے، تو اب ان کے لئے کیا باقی رہ جاتا ہے،

قریش خود رہزن اور غارتگر نہ تھے، وہ شہر کی تمدن زندگی بسر کرتے تھے، تاہم دیگر ایسا با
کے ساتھ ان کے اسلام قبول کرنے کی وجہ یہ بھی تھی کہ قبول اسلام کا اثر ان کے وسائل معاش
پر بھی پڑ سکتا تھا، قریش کا ذریعہ معاش صرف ان تجارتی تعلقات تک محدود تھا جو انھوں نے
باضابطہ طور پر دوسرے قبائل اور ممالک سے قائم کر رکھے تھے، اور یہ تمام قبائل اور ممالک نہایت
سے اسلام کے دشمن اور حریف مقابل تھے، یہی بنا پر قریش کو خوف تھا کہ اگر وہ اسلام کے حلقہ میں داخل

ہو جائیں گے تو دفعۃً یہ تمام تجارتی تعلقات منقطع ہو جائیں گے، چنانچہ علامہ ابن تیمیہ بحوالہ صحیح مسند
بدل دین المسیح (صفحہ ۳۰۳، جلد ۲۴) میں امام شافعی کی روایت سے لکھتے ہیں،

قال الشافعی كانت قریش تنسب

الشام انتیاباً کثیراً وکان کثیر

من معاشها منه، و تاتی العراق

فیقال لہما دخلت فی الاسلام

ذکرت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فیہا

من انقطاع معاشها بالتجارة من

الشام والعراق اذا فادقت الکفر

دخلت فی الاسلام وخلاف ملک

الشام والعراق لاهل الاسلام

فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا هلك

کسری فلا کسری بعد ذلک فلو بیتا

بارض العراق کسری ینبت لہ امر

ببدا وقال اذا هلك قیصر فلا

قیصر بعد ذلک فلو ین بارض الشام

قیصر فاجابہ علی ما قالوا،

امام شافعی کا بیان ہے کہ قریش شام میں اکثر تجارتی

حیثیت سے آمد و رفت رکھتے تھے، اور ان کی معاش

کا تعلق زیادہ تر اسی سے تھا، اور اس غرض سے

وہ عراق میں بھی آتے جاتے تھے، تو کہا جاتا ہے کہ

جب قریش کے لوگ اسلام لائے تو آنحضرتؐ سے ان

ذرائع معاش کے منقطع ہو جانے کا خوف ظاہر کیا،

اور شام و عراق کے بادشاہوں کی اس مخالفت کا

ذکر کیا جو ان کو اہل اسلام کے ساتھ تھی اس پر

آپ نے فرمایا کہ جب کسری ہلاک ہو جائیگا تو

پھر اس کے بعد دوسرا کسری نہ ہوگا، چنانچہ

عراق سے کسری کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا، اور

اور آپ نے فرمایا کہ جب قیصر ہلاک ہو جائیگا تو

پھر دوسرے قیصر کا وجود نہ ہوگا، چنانچہ پھر

شام میں پھر کوئی قیصر نہیں ہوا جس کی دہان

ہو، اس کا فاسے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ

جواب ان کے بیان کے موافق دیا ہے

رفعِ شک اس موقع پر ایک غلطی کا ذکر کرنا ضرور ہے جو عام طور پر یورپ میں پھیلی ہوئی ہے، اہل مغرب کا خیال ہے کہ اسلام کی اشاعت کی وجہ زیادہ تر یہ ہوئی کہ اس میں عرب کی ہر قسم کی خواہش ہائے نفسانی کے پورے کرنے کا سامان موجود تھا، عرب جنگ و جدل اور لوٹ مار کے شائق تھے، اسلام نے ان ہی چیزوں کو جہاد و غنیمت کی صورت میں بدل دیا، عرب سخت نفس پرست تھے، اسلام نے چار بیویاں اور غیر محدود لونڈیوں کی اجازت دیدی، اہل عرب اہل ذمہ سے بالکل شائستہ تھے، اسلام نے بھی رہبانیت کی تحقیر کی، اب کیا چیز تھی جو اہل عرب کو اسلام سے روک سکتی تھی،

لیکن یہ خیال تمام تر غلط ہے، جہاد اور تعددِ ازدواج، اور سرساری کی بحث کتاب کے دوسرے حصوں میں آئیگی، یہاں اس قدر بیان کر دینا کافی ہے کہ جہاد یا تعددِ ازدواج جو کچھ بھی تھا، قدیم آزادی سے کوئی نسبت نہیں رکھتا تھا، جہاد صرف کافروں سے جائز تھا، فرض کر و ایک قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا تو اس پر کوئی شخص ہتھیار نہیں اٹھا سکتا تھا، اور اس کے مال متاع سے تعرض نہیں کر سکتا تھا، لیکن قدیم رسم کے لحاظ سے اتحادِ مذہب کوئی روک نہ تھی، تمام قبائل بت پرستی میں متحد تھے، لیکن ہمیشہ ایک دوسرے کو لوٹتے رہتے تھے، جہاد کیلئے اور بہت سی پابندیاں تھیں، جو پہلے نکل نہ تھیں، جہاد میں صرف پاس پاس کے قبائل شریک ہوتے تھے، دور، دور کے قبائل اس سے کیا فائدہ اٹھا سکتے تھے، جہاد میں جو لونڈیاں گرفتار ہوتی تھیں، ان سے اس وقت تمتع جائز ہوتا تھا، جب ایک مہینہ کی مدت گزر جائے یا اگر حاملہ ہے تو بچہ پیدا ہو چکے، لیکن اسلام سے پہلے فتح کیسا ہی عورتوں کو تصرف میں لے آتے تھے، اور اس پر فخر کرتے تھے، پہلے نکاح کے لئے تعداد کی کوئی

قید نہ تھی، ایک ساتھ آٹھ آٹھ دنس دنس شادیان کرتے تھے، اب چار کی قید ہو گئی، اور وہ بھی اس سخت شرط کے ساتھ کہ سب میں عدل اور مساوات رہے، اس لئے یہ کہنا کہ اسلام عرب کے مرغوب است کو قائم رکھتا تھا، تا مگر غلط ہے، برخلاف اس کے عرب کی ایک ایک چیز روایاتِ قدیمہ جہاں عادات و رسوم، نفس پرستی، ہر چیز اسلام کے قبول کرنے کی مانع تھی،

ہر قوم پر جو چیز سے زیادہ سختی کے ساتھ حکمران ہے، وہ قدیم عادات اور رسوم اور خیالات ہیں آج یورپ علوم و فنون اور آزادی خیال میں اس حد تک ترقی کر گیا ہے لیکن جو بڑے تعجب انگیز ہیں پہلے قائم تھیں اب بھی قائم ہیں، یا تو ترقی کی وجہ سے ان کی برائیاں سرے سے نظریں سے آئیں یا آتی ہیں، تو عادات کی حکومت کے مقابلہ میں آزادی خیال اور علوم و فنون سب عاجز ہو کر رہ جاتے ہیں،

عرب میں جس قدر ہمیں قومی عادات تھیں، جو ان کی ہستی کی عناصر بن گئی تھیں، اسلام ایک کاوشن تھا، تاہم یعنی انتقام خون، عرب کے جذبات کا سب سے بڑا منظر تھا، اسلام نے ان کو بالکل مٹا دیا، خاندانی فخر و مباہات ان کی قومی زندگی کی روح تھی جو فنا کر دی گئی ابوسفیان میں عرب کو بلال (جو حبشی غلام تھے) کے ساتھ بٹھینا پڑا، یا تو قریش کو انصاف کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے سے بھی عاجز تھا، یا اب قریش کی لڑکیاں غلاموں (زید و سالم وغیرہ) کے گھر میں گئیں، عکاظہ وغیرہ کے میلے جہاں عرب سال کے سال جمع ہو کر اپنے مفاخر کی داستانیں سناتے تھے، سرور پڑ گئے،

اسلام ایک طرف تو عرب کے تمام مفاخر کو خاک میں ملا دیا تھا، دوسری طرف خود اس ہموارے نفس اور تفریح طبع کا کوئی سامان نہ تھا، اسلام قبول کرنے کے ساتھ پانچ وقت کی نماز

گلے کا ہار بنجاتی تھی، جو آزاد مزاجوں پر سخت گران تھی،

وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ
اور وہ (نماز) خاشعین کے سوا، اوروں

(بقرہ - ۵) پر یقیناً گران ہے،

روزہ یعنی تیس دن تک کھانا چھوڑ دینا کوئی آسان کام نہ تھا، زکوٰۃ ایسا سخت ٹکس تھا، کہ محض اس کے ادا کرنے پر حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں عام بغاوت ہو گئی، صرف حج ایک ایسا فرض تھا، جو بظاہر زندہ دلی کا سامان رکھتا تھا، لیکن اب حج وہ جاہلیت کا حج نہیں رہا تھا، طواف عیان کی اجازت نہیں رہی تھی، بڑی دھچپی کی چیز بت تھے، وہ ایک ایک کر کے حرم سے نکال دیے گئے، مقامِ منیٰ میں خاندانی واقعات کی رجز خوانی کا جو طریقہ چلا آتا تھا، بند کر دیا گیا، یہ فرض اور وام کا حال تھا اسی کے ساتھ محرمات اور نواہی کی وہ عالمگیری تھی کہ ان کے جاہلانہ خیال کے مطابق زندگی زندگی نہیں بلکہ زندان بن گئی تھی، زنا حرام، شراب حرام، قمار حرام، سونا چاندی حرام، طلسم و حریر حرام، چنگ عود حرام، تصویر حرام، پھر زندہ دلی، اور لطفِ زندگی کیلئے باقی کیا گیا، خوب غور سے دیکھو، تمام دیگر مذاہب نے عبادتوں میں بھی دھچپی کا سامان رکھا، عیسائیوں کی نماز گا کر ادا کی جاتی ہے، پارسیوں میں زمرہ ہوتا ہے، ہندو بھی عبادت کے وقت بھجن گاتے ہیں، اور سنا دلفریب بت ہوتے ہیں، لیکن اسلام میں بظاہر دلاویزی اور دلفریبی کی ایک چیز بھی نہیں، مذکورہ بالا واقعات کی بنا پر یورپ کا یہ اعتراض کس قدر غلط اور تاثر بے سرو پا ہے کہ اسلام اس لئے پھیلا کہ وہ نفس پرستی کی ترغیب دلا تا اور اس کے سامان مہیا کرتا تھا، پھر کیا تھا؟ اس کا جواب آگے آتا ہے،

تبلیغ نبویؐ

اور

اُس کے اصول اور اس کی کامیابی کے اسباب

تمام گذشتہ مواعظ، عوائق، مشکلات اور دشواریوں کی دیواریں آہستہ آہستہ ایک ایک کر کے ٹوٹی گئیں، اسلام پھیلا، اور اس طرح پھیلا کہ آنحضرت ﷺ نے جب دنیا کو چھوڑا تو تمام عرب میں ایک بھی بُت پرست نہ تھا، اس لئے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اُس کے اسباب کیا تھے؟ مخالفین کے نزدیک تو اس کا جواب صرف تلوار ہے، لیکن کارلائل کے بقول "تھے اور تیکہ و تنہا اسلام کے ہاتھ میں یہ تلوار کس تلوار کے زور سے آئی؟ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تلوار صرف اسلام کی تبلیغی دعوت تھی، اس سے پہلے کہ ہم آگے بڑھیں، اسلام کی اس طاقت کی تشریح کر دینا مناسب ہے۔

فریضہ تبلیغ | "تبلیغ" کے لفظی معنی پیغام پہنچانے کے ہیں، اور اصطلاح میں اس کے معنی یہ ہیں کہ جس چیز کو ہم اچھا سمجھتے ہیں اُس کی اچھائی اور خوبی کو دوسرے لوگوں اور دوسری قوموں اور ملکوں تک پہنچائیں، اور ان کو اس کے قبول کرنے کی دعوت دین، قرآن پاک میں تبلیغ کے ہم معنی

سیر و زاینہ سیر وورشپ (محمد)

چند اور الفاظ بھی ہیں جن میں سے ایک لفظ انڈا ارد ہے جس کے معنی مٹی اور آگاہ کرنے کے ہیں
دوسرا لفظ دعوت ہے جس کے معنی بلانے اور پکارنے کے ہیں، اور تیسرا لفظ تذکیر ہے جس کے معنی
یاد دلانے اور نصیحت کرنے کے ہیں، بعثت نبوی کے وقت دنیا میں دو قسم کے مذہب تھے، دو ایسے
جو تبلیغی تھے، یعنی عیسائیت اور بودھ مت، باقی زیادہ تر ایسے ہی تھے، جو تبلیغی نہیں، جیسے یہودیت،
مجوسیت، ہندو مت، جو دو تبلیغی سمجھے جاتے تھے، ان کی نسبت یہ فیصلہ مشکوک ہے کہ آیا یہ تبلیغ ان
کے اصل مذہب کا حکم تھا، یا بعد کے پیروں کا عمل ہے؟ کیونکہ ان کے مذہبی صحیفوں میں اس قسم
دعوت کی کھلی ہوئی ہدایتیں، اور ان کے بانوں کی زندگی میں اس کی عملی مثالیں نہیں ملتی،
تمام مذاہب میں صرف اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس نے تبلیغ کی اہمیت کو سمجھا، اور اس کے
متعلق اپنے صحیفہ میں کھلے احکام دیے، اور اس کے واعی و حامل علیہ السلام نے اپنی زندگی میں
اس کی عملی مثالیں پیش کیں،

جن مذہبوں نے تبلیغ کو اپنا اصول نہیں ٹھہرایا، ان کے ایسا کرنے کی اصلی وجہیں دو ہیں،
ایک یہ کہ ان کے نزدیک اس حق کے قبول کرنے کی عزت کا استحسان پیدائش سے حاصل ہوتا ہے
کوشش سے نہیں، دوسرا سبب یہ ہے کہ جو حق ان کے پاس ہے، وہ ان کے نزدیک اتنا پاک و
مقدس ہے کہ ان کی خاص پاک و بزرگ و محترم نسل و قوم کے علاوہ دوسری تمام قومیں جو ناپاک و
نجس و کمتر ہیں، ان تک اپنے پاک مذہب کو لیجا نا خود اس مذہب کی پاکی کو صدمہ پہنچانا ہے ہی
سبب ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ایک دفعہ جب ایک کنعانی (مسیحی ۱۵) یا یونانی (مسیحی)
عورت نے ان سے برکت چاہی تو فرمایا میں اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھڑونکے سوا اور کسی کے

پاس نہیں بھیجا گیا، (متی ۱۵-۲۵) پھر فرمایا مناسب نہیں کہ لڑکوں کی روٹی (یہی اسرائیل کا مذہب) کتوں (غیر اسرائیلی قوموں) کو پھینک دیں (۲۶) پھر فرمایا "غیر قوموں کی طرف نہ جانا، اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا، بلکہ پہلے اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جاؤ، اور چلتے ہوئے منادی کرو" (متی ۱۰-۹) پھر شاد فرمایا "وہ چیز جو پاک ہو کتوں کو مت دو، اور اپنے موتی سوروں کے آگے نہ پھینکو" (متی ۷-۹)

ہندوؤں نے اپنے مذہب کو تمام قوموں سے جو چھپا کر رکھا، اس کا بھی یہی سبب تھا کہ وہ اپنا پاک دھرم لٹھوں اور اچھوتوں کو سکھا کر اس کو ناپاک نہیں کرنا چاہتے تھے، یہودیوں کا بھی یہی خیال تھا کہ نامختون اس نعمت کے اہل نہیں،

تبلیغ کی اہمیت | آنحضرت ﷺ نے دنیا کی تمام قوموں کو برابری اور مساوات کی ایک ہی سطح پر لا کر کھڑا کیا، اور خدا کے پیغام کی منادی کا سب کو یکساں مستحق قرار دیا، اس لئے اپنی تبلیغ کے لئے قریش و غیر قریش، حجاز و یمن، عرب و عجم، ہند و روم کی تخصیص نہیں فرمائی، بلکہ دنیا کی ہر قوم، ہر زبان اور ہر گوشہ میں صدائے الہی کا پہنچانا فرض فرمایا، ابتدائی وحی میں انہما کو ہیشا اور بخیروں کو آگاہ کرنا سب سے پہلا حکم تھا، **يَا أَيُّهَا الْمَدْيَنِيُّ قَدْ جَاءَكَ رَسُولٌ مِّنْ رَبِّكَ** (مدثر) اے پادرویش! کھڑا ہو، اور ہیشا آگاہ کر پھر بار بار حکم ہوتا رہا کہ **مَلِّغٌ مَّا نَزَّلَ الْبَيْتَ (جو تیری طرف اتارا گیا اس کو اور وہ تک پہنچا، فادع واستقم كما أمرت (شوری) لوگوں کو دعوت دے، اور مضبوط قائم رہ جس طرح تجھے حکم دیا گیا، فذکر ان نفعت الذی کرمی (علی) لوگوں کو نصیحت کر اگر نصیحت فائدہ مند ہو و ذکرہ فان الذی کرمی تنفع المؤمنین (ذاریات) اور نصیحت کر**

صَلَّىٰ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو اس تبلیغ کا حکم اسی تدریج کے ساتھ ہوا، سب سے پہلے خاص اپنے گھر اور نماز ان کے لوگوں کو سمجھانے کا حکم ہوا،

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ (شعراء ۱۱) اور اپنے سب سے نزدیک کے اہل خاندان کو آگاہ و ہشیار کرنا

اس کے بعد یہ دائرہ بڑھ کر شہر مکہ اور اس کے اطراف کی آبادیوں تک پہنچا ہے،

لِيُنذِرَ أُمَّ الْقُرَيْشِ وَمَنْ حَوْلَهَا "تاکہ تو مکہ اور جو اس کے آس پاس (کے بڑے)

(شوریٰ - ۱) ہیں ان کو آگاہ و ہشیار کرے،

اب تبلیغ کا دائرہ اس سے بھی آگے بڑھتا ہے اور ہر زندہ روح یعنی سمجھ بوجھ، احساس

و عقل وغیرہ حقیقی زندگی کی علامتیں مہین موجود ہوں اس کی مخاطب ہوتی ہے،

إِن هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ یہ قرآن تو صرف ایک نصیحت اور صاف صاف

لِيُنذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا رِسَالًا خدا کا کلام ہے تاکہ وہ اس کو ہشیار کرے زندہ ہے

پھر جس حد تک بھی وہ آواز پہنچ جائے سب سے اس کا خطاب ہے،

كَأَنْذِرُكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ تاکہ میں تمہیں آگاہ و ہشیار کروں اور ان کو جن

(العنکبوت - ۲) تک میری یہ آگاہ و ہشیار کرنیوالی آواز پہنچے،

پھر تمام انسانوں تک اس کی وسعت ہوتی ہے،

هَذَا بَلَاغٌ لِلنَّاسِ (ابراہیم - ۱) یہ قرآن تمام انسانوں کے لئے پیغام ہے،

آنحضرت صَلَّىٰ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو خطاب ہوا،

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ اور ہم نے تم کو تمام انسانوں کے لئے خوشخبری

بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۝ (سبا - ۳) سنانے والا اور ہشیار کرنے والا بنا کر بھیجا،

اپ کو حکم ہوا کہ تمام انسانوں کو خطاب کر کے یہ اعلان فرما دین،

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ ۝ اسے لوگو! میں تم سب کی طرف خدا کا پیغام

إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ۝ (اعراف - ۲۰) دیکر بھیجا گیا ہوں،

اس سے زیادہ یہ ہے کہ تمام کائنات آپ کی دعوت و تبلیغ کے دائرہ میں داخل و فرمایا

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى ۝ برکت والا جو وہ خدا جس نے حق اور باطل میں

عَبْدًا لِّكَ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا ۝ امتیاز بنا جو انی کتاب اپنوبندہ (محمد) پر نازل

بِالَّذِي مَلَكَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۝ کی تاکہ وہ دنیا جہان کے لوہشیارہ آگاہ کر پڑا

ہو، وہ خدا جس کی ملکیت میں آسمانوں کی اور

فرقان کی حکایت ہے

(فرقان - ۱)

اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس تبلیغ و دعوت کی وسعت اور اس میں کامیابی

کی خوشخبری میں اسی وقت دیدی گئی تھی، جب مسلمانوں کے دلوں میں ایک قسم کی مایوسی چھانی

ہوئی تھی، چنانچہ آیت نازل ہوئی،

إِن تَقْوُوا لَا يَكُنْ لَكُمْ غُرْبًا ۝ یہ قرآن تو دنیا کے لئے نصیحت ہے، اور تم ایک

نَبَاةٌ بَعْدَ حَاتٍ ۝ (ص - ۵) زمانہ کے بعد اس کی خبر جانو گے،

انبیاء اور بائیان مذاہب کے عملی نمونوں اور مثالوں کی تلاش اور جستجو کرو تو یہ حقیقت

زیادہ واضح ہو جائے گی کہ اسلام کے سوا اور جو مذہب تبلیغی سمجھے جاتے ہیں، وہ حقیقت میں تبلیغی

نہیں، خود اور ہوسٹے بندوں کے علاوہ کسی کو اپنی نجات کا راستہ نہیں بتایا، اور نہ اس کا

حکم دیا، حضرت عیسیٰ نے اسرائیل کے علاوہ کسی دوسری قوم کو نہ اپنا دعفا سٹایا، اور نہ ان کو اپنا
مخاطب بنایا، اور نہ ان میں سے کسی کو اپنا شاگرد کیا، نہ کسی دوسری قوم میں اپنی زندگی میں اپنا دعفا
اور مبلغ بھیجا، حالانکہ فلسطین میں رومیوں اور یونانیوں کی بڑی جماعت موجود تھی،

آنحضرت ﷺ نے مکہ میں رہ کر مکہ اور اس کے پاس کے لوگوں کو بیدار و ہشیار

کیا، حج کے موسم میں عرب کے ایک ایک قبیلہ کے پاس جا کر حق کا پیغام پہنچایا، اور اسی زمانہ

میں یمن اور حبشہ تک آپ کی آواز پہنچ گئی، اور لوگ تلاش حق کے لئے آپ کے پاس آئے،

منیرہ آئے تو قریش کو برسوں تک دوسرے قبیلوں تک سلام کے پہنچنے میں سدراہ بنے

رہے، پھر بھی مبلغ اور داعی بھیج کر قبیلوں تک آواز پہنچانی گئی، اور بالآخر قریش کے خلاف اسلحہ

تلوار اٹھانی گئی کہ اسلام کو تبلیغ کی پراس آزادی ملے، چھ برس کے جنگ و جدل کے بعد مدینہ میں

قریش نے اسلام کے اس مطالبہ کو تسلیم کیا، اور تبلیغ کی آزادی عطا کی، قرآن نے اسلام کی اس

روحانی فتح کو فتحِ مبین قرار دیا، اور اِنَا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا، نازل ہوئی، اس کے بعد ہی

اور بیرون عرب میں اسلام کے داعی، قاصد اور مبلغ بھیجے گئے، اور دنیا کے امراء و سلاطین کو

دعوتِ اسلام کے خطوط لکھے گئے، اور عربوں کے علاوہ ولیم، ایران، حبش، اور روم کے طالب

آئے، اور فیضانِ حق سے سیراب ہوئے، مشرکین، عرب، یہود، عیسائی، اور پارسی اس سبب آئے

زمانہ ہی میں آپ کے نور سے روشنی حاصل کی،

لیکن نفسِ تبلیغ کی فریفت، داعیت سے بھی زیادہ اہم چیز تبلیغ کے اصول ہیں

صالح مسلم باب صلح اہل مدینہ

تبلیغ کے اصول | یہ نکتہ کہ کس طرح لوگوں کو کسی سچائی کے قبول کی دعوت دینی چاہیے دنیا

میں پہلی دفعہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے ادا ہوا، وہ مذہب بھی جو تبلیغی ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں، یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کے صحیفوں نے ان کے لئے تبلیغ کے اہم اصول کی تشریح کی ہے، لیکن صحیفہ محمدی نے نہایت اختصار لیکن پوری تشریح کیسا تمہ اپنے پیروں کو بتایا جو کہ پیغمبر الہی کو کس طرح لوگوں تک پہنچایا جائے اور ان کو قبول حق کی دعوت کس طرح دیکھئے

أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ

اپنے پروردگار کی راہ کی طرف لوگوں کو دانائی

وَالْمَوْعِظَةَ الْحَسَنَةَ وَجَادِلْهُمْ

اور عمدہ نصیحت کے ذریعہ سے بلا، اور ان سے

بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ، (محل - ۱۶)

مناظرہ خوش آئند طریق سے کر،

تبلیغ و دعوت کے یہ تین اصول مسلمانوں کو سکھائے گئے، عقل و حکمت، موعظہ رحمنہ اور

مناظرہ بطریق حسن، مسلمان منکلوں نے بیان کیا ہے کہ تبلیغ و دعوت کے یہ تینوں اصول ہی

ہیں، جو منطقی استدلال میں عموماً کام میں لائے جاتے ہیں، یعنی ایک تو برہانیاں جن میں یقینی

مقدمات کے ذریعہ سے دعویٰ کے ثبوت پر دلیل لائی جاتی ہیں، دوسرے خطابیات جن میں

موثر اور دلپذیر اقوال سے مقصد کو ثابت کیا جاتا ہے، اور تیسرے جدلیات جن میں مقبول عام

اقوال اور فریقین کے مسلم مقدمات سے استدلال کیا جاتا ہے، قرآن پاک نے پہلے طریقہ کو حکمت و

موعظتِ حسنہ اور تیسرے کو جدال سے تعبیر کیا ہے اور استدلال کے یہی وہ تین طریقے ہیں جن سے

ایک شخص دوسرے کے سامنے اپنے مدعا کو ثابت کرتا ہے،

خیر یہ تو فلسفیانہ نکتہ آفرینی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ جب ہم کسی کے سامنے کوئی نئی بات

پیش کر کے اس کے قبول کی دعوت دیتے ہیں تو عموماً تین طریقے برتتے ہیں، یا تو اس بات کے ثبوت اور تائید میں کچھ دلنشین دلیلیں پیش کرتے ہیں، یا اس کو مخلصانہ نصیحت کرتے ہیں، اور ثبوت انداز سے اس کو نیک و بد اور نسیب و فرائض سے آگاہ کرتے ہیں، یا یہ کرتے ہیں کہ اس کی دلیلیوں کو مناسب طریقہ سے رد کر کے اس کی غلطی کو اس پر واضح کرتے ہیں، پہلے طریقہ کا نام حکمتِ سنجیدہ دوسرے کا نام مواعظِ حسنہ، اور تیسرے کا نام جدالِ بطریقِ احسن ہے، تبلیغ و دعوت کے یہی تین طریقے ہیں،

قولِ لیلین | حکیمانہ استدلال ہو، یا وعظانہ نصیحت ہو، یا جدالِ و مناظرہ ہو، ضرورت یہ ہے کہ داعیِ نرمی اور خیر خواہی سے باتیں کرے کہ سختی اور شدت کا طریقِ دوسرے کے دل میں نفرت و عداوت کے جذبات پیدا کرتا ہے، اور کسی ہی اچھی اور سچی بات ہو لیکن اس قسم کے جذبات اس کے قبول کی استعداد اس سے سلب کر لیتے اور سننے والے میں اپنی غلطی پر ضد اور مٹ پیدا کر دیتے ہیں، جس سے دعوت کا فائدہ اور نصیحت کا اثر باطل ہو جاتا ہے، اسی کے قرآن پاک نے اپنے پیغمبروں کو اپنے مخالف سے مخالف دشمن سے بھی نرمی ہی سے باتیں کرنے کی تاکید کی ہے، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ کو فرعون جیسے سرکش کے سامنے پیغامِ ربانی لے کر جانے کی ہدایت ہوتی ہے تو ساتھ ارشاد ہوتا ہے،

ادْهَبَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ
فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ
يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ (طہ ۲)

تم دو توڑ، فرعون کے پاس جاؤ، اس نے
سرکشی کی ہے، تو اس سے نرم گفتار کرنا، شاید
نصیحت قبول کرے یا (خدا سے) ڈرے،

دعوت و تبلیغ میں رفق و نرمی اور لطف و رحمت کی تعلیم کی اس سے بہتر مثال نہیں ہو سکتی کہ نہ کوئی داعی اور داعی پنیرون سے بہتر ہو سکتا ہے اور نہ فرعون سے بڑھکر کوئی مجرم ہو سکتا ہے پھر ایسے مجرم کے سامنے اس لطف و نرمی سے وعظ و نصیحت کی تعلیم جب پنیرون کو ہوتی ہے تو عام داعیوں، مبلغوں اور داعیوں کو عام مخالفوں، مجرموں اور سرکشوں کے ساتھ بدرجہا زیادہ رفق و ملاحظت سے اپنا فریضہ ادا کرنا چاہیے،

اعراض و قول تبلیغ | آنحضرت ﷺ کو ان منافقوں کے بارہ میں جواب کی نافرمانی

کے جرم کے مرتکب ہونے سے تھے یہ حکم ہوتا ہے،

فَاعْرِضْ عَنْهُمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَعِظْلَهُمْ وَقُلْ لَهُمْ

فِي انْفُسِهِمْ قَوْلًا لَّيْلًا (نساء ۹)

تو ان سے درگزر کر اور ان کو نصیحت کر اور ان سے ایسی بات کہ جو ان کے دلوں میں اتر کرے

اس تعلیم میں تین باتیں ہیں، اول یہ کہ دعوت و تبلیغ میں مخالفت کی بددیہی، بدتمیزی

اور درستی سے درگزر اور ان کو برداشت کرنا چاہیے، دوسری یہ کہ ان کو نصیحت کرنا اور سمجھانا

چاہیے اور تیسری یہ کہ گفتگو کا وہ موثر طرز و انداز اختیار کرنا چاہیے جو دل میں گھر کرے،

تیسری و تیسری | ان ہی ربانی ہدایتوں کی تعمیل میں جب آنحضرت ﷺ نے حضرت مفا

ابن حنیبل اور ابو موسیٰ اشعری کو مین مین اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لئے متعین فرمایا، تو سخت

کرتے وقت یہ نصیحت فرمائی تیرا ولا تھیرا ولا تھیرا ولا متفرقا وین الہی کو آسان کر کے پیش کرنا

سخت بنا کر نہیں، لوگوں کو خوشخبری سنانا، نفرت نہ دلانا یہ وہ تبلیغی اصول ہیں جو ایک داعی و مبلغ کی

لے صحیح بخاری ج ۱۱، باب ما ذالی لہم جلد دوم صفحہ ۶۲۲

کامیابی کی جان ہیں، آنحضرت ﷺ نے صحابہ کے سامنے، اور صحابہ نے عام مسلمانوں کے سامنے اسی اصول کے مطابق دین الہی کو پیش کیا، اور کامیابی حاصل کی، دین کی جائز آسانی اور سہولت کو پیش کرنا، اور اس کو سخت درشت اور مشکل نہ بنانا، اسی اس کے قبول عام کی راہ ہے۔ بسا اسی اللہ تعالیٰ کے لطف و شفقت، رحم و کرم اور مہر و محبت کی دلی نوازدادوں سے دلوں کو پرامید و مسرور بنانا اس سے بہتر ہے، کہ بات بات پر خدا کی تمجیدی و جباری، اور عظمت و جلال کا ذکر کر کے دلوں کو خوش فرودہ اور یابوس بنایا جائے،

ترتیب | تبلیغ کا ایک اور اصول آنحضرت ﷺ نے بتلایا کہ کسی نئی قوم کو دعوت دین وقت شریعت کے تمام احکام کا بوجھ ایک وفد اس کی گردن پر نہ ڈالا جائے، بلکہ رفتہ رفتہ وہ اس کے سامنے پیش کئے جائیں، پہلے توحید اور رسالت کو پیش کرنا چاہیے، اس کے بعد عبادات کو، عبادات میں بھی اہم پھر اہم کے اصول کو پیش نظر رکھنا چاہیے، عبادات میں سب اہم نماز ہی، پھر کواۃ ہوا پھر دوسرے فرانس میں، حضرت معاذ بن جبل کو من بھیجے وقت اپنے فرمایا تم یہودیوں اور عیسائیوں کی ایک قوم کے پاس جاؤ گے، انکو پہلے اس کی دعوت دینا کہ خدا کے سوا کوئی خدا نہیں، اور محمد اس کا رسول ہو جب وہ یہ مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ وقت کی نمازین فرض کی ہیں اور جب وہ یہ بھی مان لیں تو انکو بتاؤ کہ خدا نے ان پر صدقہ فرض کیا جو ہر صدقہ ان کے دو ہتھوڑوں سے لیکر ان کے غریبوں کو دینا چاہئے جب وہ اس کو تسلیم کر لیں تو دیکھو صدقہ میں جن چنگران کے ٹھہرا مال کو لینا، اور ہاں مظلوم کی بددعا سے بڑے رہنا کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پروردگار نہیں ہے۔

تایف قلب

تبلیغ و دعوت کے سلسلہ میں اسلام نے ایک اور طریقہ بھی پیش کیا ہے جس کو تالیف قلب

کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے، وَالْمُرْلِفَةَ قَلْبًا بِصُورَةٍ (توبہ - ۸) اس کے لفظی معنی ہیں، دلوں کو

ملانا اور اس سے مقصود اس شخص کے ساتھ جس کو اسلام کی طرف مائل کرنا ہو، لطف و محبت اور

واعانت، اور غجوری دہمردی کرنا ہے کیونکہ انسان بطور شریفانہ جذبات کا ممنون ہوتا ہے اور

یہ ممنونیت عناد اور ضد کے خیالات کو دور کر کے قبولِ حق کی صلاحیت پیدا کر دیتی ہے، آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے لوگوں کو اپنے اس اعجاز سے اسلام کا حلقہ بگوش بنا لیا تھا چنانچہ

مکہ کے بعض رئیس اسی جذبہ سے متاثر ہو کر اسلام لائے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کی

غنیمت کا سارا مال ان ہی میں تقسیم کر دیا تھا، نتیجہ یہ نکلا کہ پھر حق کے خلاف ان کی گردن نہ اٹھیں

صفوان جو اسلام کے سخت مخالف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت بغض رکھتے تھے وہ

کہتے ہیں کہ مجھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا، بتا دیا، اور مجھے ان سے سخت بغض تھا،

لیکن آپ کے ان احسانات نے مجھے ایسا متاثر کیا کہ اب میری نگاہ میں ان سے زیادہ کوئی پسیا

نہیں، ایک دفعہ ایک ہونے آکر کہا کہ ان دونوں پہاڑوں کے درمیان بکریوں کے جتنے زیور

ہیں، مجھ کو عنایت کیجئے، آپ نے اس کو وہ سب دیدیے، یہ فیاضی دیکھ کر ایسا اس پر اثر پڑا کہ

اس نے اپنے پورے قبیلہ سے جا کر کہا بھائیو! اسلام قبول کرو، محمد اتنا دیتے ہیں کہ ان کو اپنے فقر

و افلاس کا ڈر ہی نہیں رہتا،

ایک یہودی کا لڑکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا، وہ بہادر پڑا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

اس صحیح مسلم باب جو وہ صلی اللہ علیہ وسلم جلد ۲ ص ۲۹۰، ص ۵۲، ایضاً،

اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، اور جا کر اس کے سر ہانے بیٹھے، پھر فرمایا کہ لڑکے سلام قبول کرے، اُس نے مستفسرانہ نگاہ سے باپ کی طرف دیکھا اُس نے کہا ابوالقاسم (آپ کی کنیت) کی بات مان لے، چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا، اور جب آنحضرت ﷺ وہاں سے اٹھے تو زبانِ مبارک پر یہ فقرہ تھا کہ اُس خدا کی حمد جس نے اس کو دوزخ سے بچالیا،

دعوتِ عقل | اسلام نے تبلیغِ دعوت کے جو اصول بتائے ہیں، اُن کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ وہ ایک استدلالی، اور عقلی مذہب ہو کہ بغیر اس کے حکمت و دانشمندی، وعفا و نصیحت و رحمدال و مناظرہ کی بنیاد قائم نہیں رہ سکتی، اس بنا پر مذاہبِ عالم کی تاریخ میں نبوتِ محمدیؐ سے پہلی ربانی آواز ہے جس نے حاکمانہ قانون (توراة) یا صرف لفظوں کے الٹ پھیر (انجیل) یا راجاؤں کے احکام (وید) کے بجائے عقل انسانی کو مخاطب کیا، غور و فکر کی دعوت دی، فہم و تدبیر کا مطالبہ کیا، اُس نے اپنی ہر تعلیم کے ساتھ اپنی تعلیم کی خوبی، مصلحت اور حکمت خود ظاہر کی، اور بار بار مخالفوں کو آیاتِ الہی میں غور و فکر کی ہدایت کی، فرمایا،

کہ اے پیغمبر کہ تمہارے پاس کوئی (یقینی)

قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ

علم ہو کہ اس کو تم ہمارے لئے ظاہر کر دو تم تو

لَنَاطِئْنَ نَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ

گمان ہی کے پیچھے چلتے ہو اور تم تو اٹکل ہی

أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ، قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ

کرتے ہو، کہہ کہ اللہ ہی کی ہے پہنچتی ہوئی دلیل

الْبَالِغَةُ، ج (انعام - ۱۸)

نیز ارشاد ہوا،

۱۵ صحیح بخاری کتاب الجنائز

تاکر جو ہلاک ہو وہ دلیل سے ہلاک ہوگا

جو جتیار ہے، وہ دلیل سے ہے اور اللہ

ہے سننے والا جاننے والا،

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَ

يَحْيِيَ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ وَإِنَّ اللَّهَ

كَسَمِيعٌ عَلِيمٌ (انفال - ۵)

غفلت شعار کافروں کی نسبت فرمایا،

اور آسمانوں میں اور زمین میں (خدا کی توبہ

کی) کتنی نشانیاں (دلیلیں) ہیں جن پر

وہ گزر جاتے ہیں، اور ان پر غور نہیں کرتے

وَكَأَيِّنْ مِنْ آيَةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَ

الْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ

عَنْهَا مُعْرِضُونَ (یوسف - ۱۲)

غور و فکر کرنے والے اہل ایمان کی تعریف میں فرمایا،

بے شبہ آسمانوں اور زمین کی بناوٹ اور

رات، اور دن کے الٹ پھیر میں عقل و فکر

کے لئے نشانیاں ہیں، جو اللہ کو کھڑے بیٹھے

اور اپنی کروٹوں پر یاد کرتے ہیں، آسمانوں

اور زمین کی بناوٹ میں غور کرتے ہیں (اور

کہتے ہیں کہ) اے ہمارے پروردگار تونے

(یہ عالم) بیکار نہیں بنایا،

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

وَإِخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ آيَاتٍ

لِقَوْمٍ أَلْبَابِ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ

اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ

وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَ

الْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا

بَاطِلًا (ز آل عمران - ۲۰)

اس سے زیادہ عقلی، اور علمی استدلال کی دعوت اور کیا ہوگی، مگر بہر حال یہ خارجی استدلال

تھا، اندرونی استدلال کی بھی اس نے دعوت دی فرمایا،

وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ (ذاریات ۱)

اور خود تمہارے اندر نشانیاں ہیں تم کو کچھ نہیں

صحیفہ محمدی کی نسبت ہر جگہ یہ الفاظ فرمائے،

تَبَصَّرْنَا وَذَكَرَى لِكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ

یہ بصیرت اور نصیحت جتنا ہر رجوت ہو نیوا

بندہ کے لئے

(ق - ۱)

هَذَا بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ (اعراف ۲۰)

یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے بصیرتیں

یہ لوگوں کے لئے بصیرتیں ہیں

هَذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ (احقاف ۱۲)

کیا یہ قرآن میں تدبیر نہیں کرتے،

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ (نساء - ۱۱)

کیا یہ قرآن میں غور نہیں کرتے، یاد دلان پر

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَهْدَىٰ عَلَىٰ

ناتے ہیں،

قُلُوبِ أَقْفَالِهَا (محمد - ۳)

حکمت والے قرآن کی قسم،

وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ (یسین - ۱)

یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں،

تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ (یونس و نمان)

نہ صرف اسی قدر بلکہ خدا کا وجود، توحید، رسالت، قیامت، جزا و سزا، عبادت، نماز اور روزہ، زکوٰۃ، حج، اخلاق وغیرہ ہر تعلیم کی تلقین کرتے وقت اُس نے اُس کی صداقت کی عقلی دلیل پیش کی ہیں، اور ہر مسئلہ کی مصلحتیں اور حکمتیں علی الاعلان ظاہر کی ہیں، آئندہ صفحوں میں ہر قدم پر اس کی دلیلیں آپ کو ملین گی،

مذہب میں زبردستی نہیں | یہ وہ حقیقت ہے جس کی صداقت آج ہر فرد و عورت آتی ہے، لیکن شاید

لوگوں کو معلوم نہیں کہ دنیا میں اس حقیقت کا اعلان سب سے پہلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ہی کی زبان مبارک سے ہوا، اور ظاہر ہے کہ جو مذہب اپنی اشاعت کے لئے صرف دعوت و تبلیغ کا راستہ رکھتا ہو جس نے اس کے اصول بتائے ہوں جس نے عقل و بصیرت، اور فہم و تدبیر کا اثر حاصل کیا ہو، ہر قدم پر عقلی استدلال اور مصلحت و حکمت کا اظہار کیا ہو، وہ کیونکر جبر و اکراہ اور زبردستی کے طریقہ کو اختیار کر سکتا تھا، اسلام نے نہ صرف یہ کہ مذہب کی جبری اشاعت کو ناپسند کیا، بلکہ اس کا فلسفہ بتایا کہ مذہب زبردستی کی چیز نہیں، اسلام میں مذہب کا اولین جزایمان ہی ایمان یقین کا نام ہے اور دنیا کی کوئی طاقت کسی کے دل میں یقین کا ایک ذرہ بھی زور پیدا نہیں کر سکتی، بلکہ تیز سے تیز لوہار کی نوک بھی کسی لوحِ دل پر یقین کا کوئی حرف نقش نہیں کر سکتی، فرمایا:

لَا كِرَاهَا فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ

دین میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت گمراہی

الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (بقرہ - ۲۵۷)

سے الگ ہو چکی،

یہ وہ عظیم الشان حقیقت ہے جس کی تلقین انسانوں کو صرف محمد رسول اللہ ﷺ نے کی ہے۔

کے ذریعہ سے ہوئی، دوسری جگہ فرمایا،

اور کہدے کہ حق تمہارے پروردگار کی

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ

طرف سے ہے تو جو چاہے قبول کرے ۱۱

فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ ۱۱

جو چاہے انکار کرے،

(کہف - ۱۳)

ایمان اور کفران دو ہیں سے کسی ایک کو اختیار کرنے پر کوئی زبردستی نہیں ہے، عقل و

بصیرت والے اسے خود قبول کریں گے، اور نا فہم اس سے محروم رہیں گے، اسی لئے بار بار فرمایا:

کیا گیا کہ رسول کا کام لوگوں تک خدا کا پیغام پہنچا دیتا ہے، زبردستی منوانا نہیں،

إِنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ

ہمارے رسول پر تو یہی فرض ہے کہ وہ صاف

(مائدہ - ۱۲)

صاف ہمارا پیغام پہنچا دے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو قریش کے اعراض و مخالفت سے حد درجہ غمگین تھے، یہ تسکین گئی

إِنَّ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ (شوری - ۵)

اے پیغمبر تیرا فرض صرف پیام پہنچا دینا ہے

إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ. لَسْتَ عَلَيْهِمْ

اے پیغمبر تو تو نصیحت کرنے والا ہے، تو ان پر

بِمَصِطَرٍ، (غاشیہ - ۱)

داروغہ بنا کر نہیں بھیجا گیا،

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ

پھر اگر وہ اسلام کی دعوت سے انکار کریں تو

حَفِظًا، إِنَّ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ،

پیغمبر ہم نے تجھ کو ان پر گماشتہ بنا کر نہیں بھیجا،

(شوری - ۵)

تیرے ذمہ صرف پیغام پہنچا دینا ہے،

کسی دین کو زبردستی پھیلانا اسلام کی نگاہ میں ایک ایسا فعل ہے جس سے رسول کی شان کو اس نے بہت بلند سمجھا ہے، فرمایا،

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَأَمَنَّ مِنَ فِي

اگر تیرا پروردگار چاہتا کہ (لوگوں کو زبردستی

الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا أَفَأَنْتَ تُكْرَهُ

مومن بنا دے) تو زمین کے سب لوگ ایمان

النَّاسِ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ،

لے آتے تو کیا اے پیغمبر لوگوں پر زبردستی کر لگیا

(یونس - ۱۰)

کہ وہ ایمان لے آئیں،

اسلام میں حق کی حمایت اور باطل کی شکست کے لئے لڑنا جائز ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کو بھی مجبوراً لڑنا پڑا، اس سے مخالفوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ لڑائی صرف اسلئے تھی کہ اسلام کو تلواریں

کے زور سے لوگوں میں پھیلا یا جائے، حالانکہ قرآن میں ایک آیت بھی ایسی نہیں جس میں کسی کافر کو زبردستی مسلمان بنانے کا حکم ہو، اور نہ آنحضرت ﷺ کی سیرت میں کوئی واقعہ ایسا ہے جس میں کسی کافر کو زبردستی تلوار کے زور سے مسلمان بنایا گیا ہو، بلکہ اگر ہے تو یہ ہے،

وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَادَكَ
فَاجِرًا كَفَرًا لَمْ يَكُنْ كَلِمَةَ اللَّهِ تَنْزِيلًا
أَبَدِيَّةً مَّا سَنَّهَ ذَالِكَ بِأَنَّهُمْ
لَا يَعْلَمُونَ (توبہ - ۱)

اور اگر (یہانی میں) کوئی مشرک تجھ کو پناہ کا
طالب ہو تو اس کو پناہ دے یہاں تک کہ وہ
خدا کا کلام سن لے، پھر اس کو وہاں پہنچاؤ
جہاں وہ بخیر ہو کہ بے ظلم لوگ ہیں،

یہ نہیں کہا کہ جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائے، اس کو پناہ نہ دو، بلکہ یہ فرمایا کہ اس کو پناہ دے اور اس کی جائے پناہ تک پہنچا دیا جائے، اور اس کو کلام الہی سنایا جائے تاکہ اس کو غور و فکر کرنے کا موقع ملے، ظاہر ہے کہ جو مشرک اس طرح مسلمان ہو گا، اس کے تبدیل ہونے کا محرک تلوار کے بجائے کوئی اور چیز (پیام حق) ہوگی،

حقیقت یہ ہے کہ جہاد کی مشروعیت، مظلوموں کی حمایت، جلا وطنوں کے حق دلانے، سچ کا راستہ کھولنے، اور عقیدہ کی آزادی حاصل کرنے کے لئے ہوئی تھی، جیسا کہ اس مفضل بیان کتاب میں کہیں آئیگا، قرآن کی اس آیت میں،

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ
وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ (انفال ۵)

اور ان کافروں سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ نہ
رہے اور دین پورا اللہ کے لئے ہو جائے

”فتنہ سے مراد عقیدہ اور مذہب کی آزادی نہ ہونا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی فائزہ خنیون میں

شُرکِک نہ تھے، ایک شخص نے اُن سے کہا کہ کیا خدا نے فتنہ کے مٹانے کے لئے لڑنے کا حکم نہیں دیا اور اوپر کی آیت پیش کی، انہوں نے جواب دیا کہ ہم یہ فرض آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ادا کر چکے، جب مسلمان کم تھے، تو انسان اپنے دین کے سبب فتنہ میں مبتلا کیا جاتا تھا، اس کو لوگ مار ڈالتے تھے، یا قید کر لیتے تھے، یہاں تک کہ مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی، تو پھر فتنہ باقی نہ رہا۔

میدانِ جنگ میں تبلیغ | ناواقفوں نے ایک اور مسئلہ کی بھی غلط تعبیر کی ہے، اسلام کی امن پسندی نے یہ قانون بنایا ہے کہ اگر کسی مخالفت قوم سے لڑائی آجڑے، تو میدانِ جنگ میں پہنچ کر بھی صلح و آشتی کا خیال دور نہ کیا جائے، بلکہ تلوار کے فیصلہ سے پہلے درباہن اُن کے سامنے پیش کرنی چاہیے۔

اول کہ تم کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو جاؤ، اور لڑائی سے ہاتھ اٹھا کر ہمارے بھائی بن جاؤ، اگر ایسا کرو تو تم دین، حکومت اور عزت کے تمام حقوق میں ہمارے برابر ہو جاؤ گے، اگر یہ منظر نہ ہو تو پہنچنا مذہب پر قائم رہ کر ہماری سیاسی حکومت کو قبول کر لو، اس حالت میں تمہاری حفاظت کی ہر قسم کی ذمہ داری ہمارے سر ہوگی، اگر وہ ان دو میں سے کوئی بات قبول نہیں تو اُن سے لڑنا چاہئے۔

اسلام کی تاریخ میں ایسے کتنے منظر ہیں کہ کسی دشمن سے دشمن قوم نے اسلام یا محض اطاعت قبول کر لی ہے، اور خونریزی رک گئی ہے اور لڑائی کا میدان محبت و آشتی کی بنیاد بن گئی ہے۔

یہ قانون جو سرناپا امن پسندی، سلامت طلبی اور خونریزی سے بچنے کی آخری کوشش پر مبنی ہے اس کو ناواقفوں نے اس صورت میں پیش کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو تلوار کے زور سے مسلمان بنانے کی تعلیم دی، آنحضرت ﷺ کا دستور تھا کہ جب کسی فوج کو متعین کرتے تو

سردار کو یہ ہدایت فرماتے،

”جب تو مشرکوں میں سے کسی دشمن قوم سے مقابل ہو تو اس کو تین باتوں میں سے کسی ایک بات کے قبول کرنے کی دعوت دے، ان میں سے جو بات بھی وہ مان لے اس کو قبول کرے اور اس پر حملہ کرنے سے رُک جا، اس کو اسلام کی دعوت دے، اگر وہ قبول کرے تو پھر اس سے رُک جا، اس کے بعد اس سے خوش گروہ مسلمان کے ملک میں آجائے تو اُس کا وہی حق ہوگا جو مسلمانوں کا ہے، اگر وہ نہ مانے تو اس کی حالت بد مسلمانوں کی ہی ہوگی، قانون اس پر مسلمانوں کا جاری ہوگا، لیکن غنیمت اور فئی میں اس کا حصہ نہ ہوگا، جب تک وہ جہاد میں شرکت میں نہ کرے، اگر وہ اسلام قبول نہ کرے، تو اس کو جزیرہ دیکر ذمی بننے کو کہہ، اگر وہ اس کو مان لے تو اس سے بھی رُک جا، اگر وہ اس کو بھی نہ مانے تو پھر خدا کی مدد مانگ، اور لڑائی شروع کر دے“

یہ وہ اصول جنگ ہے جس سے خونریزی کی روک تھام مقصود تھی، نہ یہ کہ کسی کو مجبور کر کے بزور شمشیر مسلمان بنا لینا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں ایرانیوں سے جب لڑائی شروع ہوئی تو مسلمانوں نے تین روز تک میدان جنگ میں تلوار نہیں اٹھائی، حضرت سلمان فارسی تین روز تک ان کو سمجھاتے رہے، اور کہتے رہے کہ ”میں تمہاری قوم سے ہوں، لیکن دیکھتے ہو کہ عوب میرے زیر فرمان ہیں، اگر تم بھی مسلمان ہو جاؤ تو تم کو بھی وہی حقوق ملین گے جو ہمارے ہیں، اور اگر تم اپنے ہی مذہب پر رہنا چاہو تو جزیرہ دیکر رہ سکتے ہو، لیکن محکوم ہو کر رہو گے، اس سے معلوم ہوا کہ جنگ میں

لے صحیح مسلم کتاب جہاد والیرسلہ جامع ترمذی ابواب الیرا

دشمن کو بھی تبدیلِ مذہب پر مجبور نہیں کیا گیا، بلکہ اس کے سامنے دوسری راہیں بھی کھلی تھیں،
 تمامہ بن اثال قبیلہ بنی حنیفہ میں سے تھے، اور تمامہ کے رئیس تھے، یہ وہ قبیلہ ہے جو آخر
 تک سرکش رہا، اور اسی میں آنحضرت ﷺ کے آخر زمانہ میں میلہ پیدا ہوا تھا، تمامہ اتفاق
 سے مسلمانوں کے ایک لشکر کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئے، اور مدینہ لا کر مسجد نبویؐ کے کھجے میں باندھ دیے
 گئے، آنحضرت ﷺ نماز کے لئے تشریف لائے تو پوچھا کہ تمامہ تمہاری کیا راہ ہے جو جواب
 دیا، محمد! میری راہ اچھی ہے اگر مجھے قتل کر دے تو ایک خون والے کو قتل کر دے، اور اگر احسان
 کر دے تو ایک شکر گزار پر احسان ہو گا، اور اگر زہد یہ چاہتے ہو تو جو مانگو گے دیا جائے گا، آنحضرت
 ﷺ نے کچھ نہیں فرمایا پھر اسی طرح دوسرے دن سوال و جواب ہوا، پھر تیسرے دن
 ہوا، تیسرے دن آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تمامہ کو چھوڑ دو لوگوں نے کھول دیا وہ اسی سو کھل کر آزاد
 ہو گئے، مگر سپائی کی زنجیر ان کے پاؤں میں بڑ گئی، مسجد نبویؐ کے قریب ایک نخلستان میں جا کر
 غسل کیا، اور پھر مسجد میں آکر کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے، کیا کسی کو زبردستی مسلمان بنانے
 کے لئے اس سے بہتر موقع مل سکتا تھا، بدر کے قیدی گرفتار ہو کر آئے، لیکن ان سوریہ نہیں کہا گیا
 کہ تلوار یا اسلام، اسی طرح جنگ کے دوسرے قیدیوں کیساتھ بھی یہی برتاؤ رہا قرآن پاک نے جنگ کے
 قیدیوں کے متعلق کہا فَاِمَّا مِّنْۢ بَعْدِ وَاِمَّا فِدَاءً (محمد - ۱) لڑائی ختم ہونے کے بعد ان قیدیوں
 کو احسان دھر کر چھوڑ دو، یا فدیہ لے کر چھوڑ دو۔ یہ ارشاد نہ ہوا کہ اسلام یا تلوار!

غزوہ خیبر میں مسلمان روزانہ بعض قلعوں پر حملہ کرتے ہیں اور ناکام رہتے ہیں بالآخر خیبر

۱۰ صحیح بخاری دشمن ترمذی ربط الاسیر ۱۰ صحیح بخاری غزوہ خیبر

علی رضی اللہ عنہ کو حکم ہوتا ہے کہ فوج لیکر جائیں، وہ پوچھتے ہیں یا رسول اللہ کیا میں ان سے لڑوں، یہاں تک کہ وہ ہماری طرف ہو جائیں؟ فرمایا، آہستگی سے روانہ ہو، یہاں تک کہ ان کے میدان میں پہنچ جاؤ پھر ان کو اسلام کی طرف بلاؤ، اور اس میں ان کا جو حق ہوگا، وہ ان کو بتاؤ خدا کی قسم اگر ایک شخص کو بھی خدا تمہارے ذریعہ سے ہدایت دیدے تو اس سے بہتر ہے کہ تمہاری ملکیت میں سرخ اونٹ ہوں۔ لیکن خیبر کے یہود نے اسلام کا مذہب قبول نہیں کیا، بلکہ اسلام کی حکومت قبول کر لی اور مصالحت ہو کر تلوار نیام میں کرنی گئی،

اسی طرح ایک مسلمان کو کسی دوسرے مسلمان پر ہتھیار اٹھانا جائز نہیں، بلکہ کفر کا موجب ہے۔ کئی بار کو مسلمانوں کا یہ طرز عمل معلوم تھا، اکثر لڑائیوں میں جب مشرک حملہ آور اپنی کمزوری محسوس کرتا تھا تو اپنی جان بچانے کے لئے کلمہ توحید پڑھ دیتا تھا، اور ایک پھرے ہوئے مسلمان کو چھوڑ کر اپنے غصہ کو ضبط کر کے، ہاتھ روک لینا پڑتا تھا،

ایک دفعہ ایک صحابی نے پوچھا کہ اگر لڑائی میں میرا حریف اپنی تلوار سے میرا ہاتھ اڑا دے اور جب میرے حملہ کی بار ہی آئے تو درخت کی آڑ پر گر کر کہے میں مسلمان ہوتا ہوں تو اسے خدا کے رسول میں کیا کر دیا، اس کو قتل کر دیا؟ فرمایا نہیں، اس کا قتل جائز نہیں، عرض کی یا رسول اللہ میرا ہاتھ اُس نے کاٹ ڈالا، فرمایا، پھر بھی اس کا قتل جائز نہیں کہ اگر تم نے اب اس کو قتل کیا تو وہ وہ ہو گیا جو تم اس کے قتل سے پہلے تھے، اور تم وہ ہو جاؤ گے جو وہ اس اقرار توحید سے پہلے تھا۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ کے بڑے چہیتے خادم تھے، وہ ایک فوجی دستہ کے سپہ سالار بنا کر ایک لڑائی

۱۰۰ صحیح بخاری غزوہ خیبر ص ۱۰۰ صحیح مسلم کتاب الایمان

میں بھیجے گئے، جب گھسان کا دن پڑا تو ایک کافر ان کی زد میں آیا، انھوں نے حملہ کا قصد کیا تو وہ
 كَرَالَهُ اِلَّا اللّٰهَ پکارا اٹھا، ایک انصاری جو پہلے اُس پر جھپٹے تھے، وہ توڑک گئے، مگر اُس اُس نے
 نے اس کافر کے اس کلمہ پڑھنے کو اس کی جان بچانے کے فریب پر محمول کر کے کچھ خیال نہ کیا، او
 نیزہ سے بیکام تمام کر دیا، آنحضرت ﷺ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو اُس اُس سے سخت آزرہ
 ہوئے، اُس اُس نے عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اُس نے صرف تلوار کے ڈر سے کلمہ پڑھا
 تھا، فرمایا اور کتنا بلیغ فقرہ فرمایا اے اُس اُس نے کیا اس کا دل چیر کر دکھ لیا تھا، پھر یہ
 یہ فرماتے رہے، اے اُس اُس تم قیامت میں اس کے لالہ الا اللہ کا کیا جواب دو گے، اُس اُس نے
 کہ مجھ کو اتنی ندامت تھی کہ میں نے دل میں آرزو کی کہ کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا،
 دیکھو کہ واقعہ کی تصویر کتنی الٹ وہی گئی ہے، واقعہ تو یہ تھا کہ اپنی حملہ آوار لڑائی کے
 گھسان میں بعض کفار و مشرکین جن کو یہ معلوم تھا کہ کسی کلمہ گو کو مسلمان اپنے ذمہ کے حکم کے تحت
 قتل نہیں کرتے، جب وہ مسلمانوں کی زد میں پڑے تھے، تو اپنی جان بچانے کے لئے ذرا کلمہ پڑھا
 پڑھ دیتے تھے، اور بیان اس صورت میں کیا جاتا ہے کہ اسلام نے کفار کو تلوار کی ٹوک سے رکھ
 پڑھنے پر مجبور کیا یہ صداقت ہے؟

اسی طرح آنحضرت ﷺ کا ایک اور اعلان ہے، جس کو اکثر غلامی میں لیا
 کیا گیا ہوا ہے فرمایا امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا اله الا اللہ مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں
 لوگوں سے اس وقت تک لڑائی کروں جب تک وہ توحید کا اقرار نہ کریں اور جیتے ہا اقر

لے صحیح مسلم کتاب لایمان ص ۱۵۲ مسرا

کر لیں تو انہوں نے اپنے جان و مال کو مجھ سے بچا لیا، اور ان کی نیت کی پرش خدا کا کام ہے۔
 حدیث کا مقصد صرف اسی قدر ہے کہ مسلمان سوڑنا تو جائز نہیں، لیکن کسی غیر مسلم قوم سے بھی لڑنا
 اسی وقت تک جائز ہے جب تک وہ توحید کا اقرار نہ کرے اور جب اُس نے یہ کر لیا تو پھر اس
 سے بھی لڑنا روا نہیں، خواہ وہ حملہ کے ڈر سے لا الہ الا اللہ پڑھے یا سچے دل سے اُس نے یہ اقرار کیا
 ہو اُس کی تحقیق کہ کس نیت سے اُس نے کلمہ پڑھا، انسان کا فرض نہیں، خدا کا ہے یہ بھل ایک مصالحت
 اعلان ہے لیکن لوگ اس کو اس معنی میں پیش کرتے ہیں کہ گویا اسلام کا حکم یہ تھا کہ مسلمان پورا نہ
 تلوار لے پھرتے اور جس کو پاتے، اس کو ڈرا دھمکا کر کہتے کہ کلمہ پڑھو، ورنہ سر قلم کر دین گے خود
 کروا کر یہ حکم ہوتا تو قیدی اقرار توحید کے بغیر اس آسانی سے چھوڑے جاتے اور ہاری ہوئی قوموں
 سے اسلام نہیں، صرف چند درہم کا جزیہ لیکر ان کو آزاد کر دیا جاتا؟ اور کیا مسلمانوں کو یہ اجازت تھی کہ
 وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا

اگر کفار کا محارب فریق صلح کے لئے جھکے تو

تو بھی جھک جا،

(انفال - ۸)

بلکہ اس کے بجائے یہ حکم ہوتا کہ جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں ان سے صلح نہ کرنا،

نیز کیا مسلمانوں کو یہ حکم ہو سکتا تھا کہ

اور اگر (لڑائی کے میدان میں) مشرکوں

وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ

میں سے کوئی تجھ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ

فَاجِرْ لَهُ سَتَىٰ لِيَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ

دے، یہاں تک کہ وہ خدا کا کلام سن لے پھر

أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ جِذَابِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ

اُس کو اُس کے امن کی جگہ پہنچا دے، یہ اس لئے

لَا يُدْلِمُونَ، (توبہ - ۱)

اس سے ظاہر ہو کہ ان کی تعداد تھوڑی ہوتی تھی، جو فوجی حملہ کے لئے کافی نہیں ہو سکتی تھی،
 غزوہ بدر کے بعد جب قریش کا زور ٹوٹ گیا، اور مکہ میں اسلام بھی ایک قوت شمار ہونے
 لگا، تو آنحضرت ﷺ نے بعض بعض قبیلوں کی درخواست پر مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کو
 تبلیغ و تعلیم کے لئے ادھر ادھر بھیجا، تب بھی وہ اکثر راستہ میں جان سے مار می گئیں، واقعہ ربح میں
 شرداعیوں کا مارا جانا، واقعہ بیرونہ میں چھ یا دس داعی مسلمانوں کا قتل ہونا، سریرہ ابن ابی العوجا
 میں پچاس مسلمانوں کی شہادت، واقعہ ذات اطلاق میں چوہہ داعی مسلمانوں کا تیرون، و مارا جانا
 عروہ بن مستوود ثقفی کا تیرون سے چھ جانا اس دعویٰ کی شہادت ہی،

تبلیغ و دعوت کی تنظیم آنحضرت ﷺ جب تک مکہ معظمہ میں تشریف فرما رہے، نفس نفیس اس
 فرض کو انجام دیتے رہے، ایک ایک کے پاس جاتے، اور حق کا پیغام سناتے، شہر سے نکل کر مکہ کے پاس
 پاس جاتے، اور آنے جانے والوں کو بشارت سناتے، مکہ سے نکل کر طائف گئے، اور وہاں بھی
 اپنا فرض ادا کیا، یہ بھی خدا کی مصلحت تھی کہ اُس نے اپنے آخری دین کا مرکز مکہ معظمہ کو قرار دیا، جو عرب
 کا مرکزی شہر تھا، اور حج کے موسم میں تمام قبیلے خود ہیجان آجاتے تھے، آپ ساہما سال حج کے موسم میں
 ایک ایک قبیلہ کے پاس جاتے، اور خدا کی دعوت پیش کرتے، اسی سالانہ تبلیغ سے اسلام کو وہ جماعت
 ہاتھ آئی جس کا نام انصار ہی

الغرض ان تبلیغی سرگرمیوں سے مکہ میں سینکڑوں آدمی مسلمان ہو چکے تھے، مگر قریش کے
 ظلم سے وہ ملک چھوڑنے پر مجبور ہوئے، اور آنحضرت ﷺ کے مشورہ سے وہ حبشہ کی طرف
 روانہ ہوئے، اس سفر کی مصلحت بھی عجیب و غریب تھی، ان مظلوم مسلمانوں کی ہجرت یہ موقع بہم پہنچا

کہ وہ اس مسافرت میں جہاں جہاں سے گزرے اسلام کی آواز پہنچاتے گئے، اور اس طرح میں
جستہ دونوں ملکوں میں اسلام کی تحریک روشناس ہوئی،

مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عام مسلمانوں میں سب سے پہلے مبلغ اور داعیِ حق حضرت
ابوبکرؓ تھے، مکہ کے بہت سے معزز گھرانوں کے پرچوس نوجوان انہی کی تبلیغ سے اسلام کے حلقہ
گوش ہوئے، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت ابوبکرؓ ہی کی کوششوں سے
دائرہ اسلام میں آئے، حضرت ابوبکرؓ کے بعد اسلام کے دوسرے مبلغ حضرت مصعب بن عمیرؓ ہیں
جن کے موثر و عظیم کوششوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے ہی مدینہ کے گھرانے کے گھرانے توحید
کے پرستار ہو گئے تھے،

مدینہ منورہ آ کر اسلام نے امن و اطمینان کی سانس لی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نو مسلموں
کی تعلیم کے لئے جو اطراف ملک سے دارالاسلام میں آئے تھے، نیز ملک کے مختلف گوشوں میں اسلام
کی تبلیغ کے لئے ایک جماعت قائم کی جس کا نام عام طور سے اصحابِ صفہ (چبوترہ والے)
مشہور ہے، اس میں بعض اوقات سو سے زیادہ آدمی داخل رہتے ہیں، یہ لوگ ملک میں اسلام
کی دعوت کے لئے بھیجے جاتے، اور خود نو مسلموں کو تعلیم دیتے، ہر موعودہ میں ستر کے قریب جو داعی
اور مبلغ راہ میں بیدردانہ قتل ہوئے تھے، وہ اسی جماعت کے ارکان تھے،

ان کے علاوہ وہ اکابر صحابہ جو وقتاً فوقتاً مختلف ملکوں، بادشاہوں، قوموں اور قبیلوں
میں اسلام کی دعوت لے کر پھیلے، احادیث و سیر کی کتابوں میں ان کے نام متفرق طور سے ملتے
ہیں، انہوں نے تھوڑی سی کوشش سے اس قسم کے پینتیس اصحابیوں کے نام جمع کئے ہیں جنہوں نے

از خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس فرض کو انجام دیا ان کے نام یہ ہیں، ابو ذر غفاری، طفیل
 ابن عمرو دوسی، جعفر طیار، عمرو بن عبسہ سلمی، ضماون ثعلبہ، خالد بن ولید، علی بن ابی طالب، ماجرا
 ابی امیہ، زیاد بن لبید، خالد بن سعید، عدی بن حاتم، غلام بن حضرمی، ابو موسیٰ اشعری، معاذ بن جبل
 جریر بن عبد اللہ کلبی، وحیہ کلبی، عمرو بن امیہ ضمزمی، منیرہ بن شعبہ عمرو بن العاص، و بر بن نخیس
 عروہ بن مسعود ثقفی، عامر بن شمر، منقذ بن حبان، ثمامہ بن اثال، مجہد بن مسعود، احنف ابوزید
 انصاری، عمرو بن مرہ، عیاش بن ربیع مخزومی، وائلہ بن اسقع، عبد اللہ بن حذافہ سہمی، جابر
 بن ابی بلتعہ، سلیمان بن عمرو بن عبد شمس، شجاع بن وہب اسدی ان ہی مبلغون اور داعیون
 اور قاصدون کی پکار تھی جس نے یمن، یامامہ، بحرین، حجاز، نجد، غرض پورے عرب کو پیدا
 کر دیا اور عرب کے باہر ایران، شام، مصر میں، ہر جگہ اسلام کا پیغام پہنچ گیا،
 مبلغون کی تعلیم و تربیت | سیرۃ کی دوسری جلد کے آغاز میں اشاعت اسلام کی تاریخ اور
 دعاۃ متعلین کی تعلیم و تربیت کا حال لکھا جا چکا ہے، سلسلہ بیان کے لئے یہاں صرف اس قدر
 لکنا ہے کہ ان کو سب سے پہلے قرآن پاک کی سورتیں یاد کرائی جاتی تھیں، لکھنا پڑھنا بھی سکھایا
 جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شب و روز کے ارشادات سننے کا موقع بھی ان کو ملتا
 لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلامی مبلغ کا درس اولین قرآن اور صرف قرآن تھا،
 دعوت بالقرآن | قرآن پاک اسلام کے دعویٰ اور دلیل و دلائل کا مجموعہ ہی اور وہی اس کے
 مذہب کا صحیفہ، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مبلغ صحابہ بھی تبلیغ و دعوت میں صرف
 قرآن کی سورتیں پڑھ کر سناتے تھے، اور جہاں ان کو اس کا موقع مل جاتا، وہاں اسکی تاثیر اپنا

کام کر جاتی تھی، اور یہ فرض خود قرآن نے اپنا آپ قرار دیا تھا، اسکی تبلیغ کے لئے جہاد کی ضرورت تھی، مگر اس جہاد کا ہتھیار لوہے کی تلوار نہیں، بلکہ قرآن کی تلوار تھی جس کی ضرب کی روکت د اور پیر سے بھی ممکن نہ تھی، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو اسی تلوار سے جہاد کا حکم دیا، فرمایا،

فَلَا تُطِيعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ

تو اے پیغمبر نہ کرو ان کا کہا نہ مان، اور اس

بہ جہاد اکبیراً (فرقان - ۵) قرآن سے ان کے ساتھ بڑے زور سے جہاد کرو

اس پیغام الہی کے زمین میں اترنے کی غرض ہی یہ تھی کہ وہ خدا کے بھولے ہوئے

بندوں کو ان کا عہد یاد دلائے، فرمایا،

فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ

تو اے پیغمبر ان کو جو میری دھمکی سے ڈرتے ہیں

وَرِعْدٍ . (ق - ۳)

مومن قرآن کے ذریعہ سے یاد دلا۔

قرآن رحمت عالم کا پیام عمومی ہے، اور یہی اس کے نزول کی غرض و غایت ہے، فرمایا

بِنُورِكَ الْوَحْيِ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ

برکت و انوار وہ جس نے حق و باطل میں

عَلَى عَبْدٍ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ

اشارہ کرنے والی کتاب اپنے بندوں پر آئی

نذِيرًا ۝ (فرقان - ۱)

آزمی تاکہ وہ تمام دنیا کو بیدار اور مبشار کرے

یہی قرآن اسلام کی طاقوت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا الہی ہتھیار تھا جس کی

کاٹ نے کبھی خطانہ کی،

| | |
|----------------|---|
| اشاعت اسلام کی | عرب میں صرف تین قومیں تھیں جن کا اسلام لانا اگر یا تمام جزیرہ تھا |
| قدرتی ترتیب | کا اسلام لانا تھا یعنی مشرکین، یہود اور نصاریٰ مشرکین عرب کا مرکز خانہ کعبہ تھا |

اور ان کے مذہبی پیشوا قریش تھے، یہود کا صدر مقام مدینہ اور خیبر تھا، نصاریٰ اور مجوس شام اور یمن کے اطراف میں پھیلے ہوئے تھے،

اس بنا پر الاقرب فالاقرب کے کاغذ سے اشاعتِ اسلام کی قدرتی ترتیب یہ تھی کہ قریش اور کفار مکہ کو پہلے دعوتِ توحید دی جاتی، پھر یہود کو حلقہٴ مگوشِ اسلام بنایا جاتا، اس کے بعد نصاریٰ اور مجوس کو دعوت دی جاتی، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اسی ترتیب کے ساتھ اسلام کی اشاعت کی، اور اسی بنا پر قرآن مجید کا طریقہ... دعوت مختلف نظر آتا ہے، تمام کی سورتوں کے مخاطب کفار مکہ تھے، اس لئے ان میں بت پرستی کی مذمت توحید کی ترغیب، عجائبِ قدرت کا بیان، عذابِ الہی سے تحذیف، اور منادِ قریش کی مخالفت کے جواب کے سوا کچھ نہیں لیکن جب آنحضرت ﷺ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے، تو یہود سے سابقہ پڑا، اور اب قرآن مجید کا طرزِ خطاب بدل گیا، چنانچہ ابتدائی مدنی صورت میں زیادہ تر یہود کی مذہبی تاریخ، ان کی تحریفات، ان کی اخلاقی کمزوریوں اور قصصِ نبی اسرائیل پر مشتمل ہیں، سب سے اخیر میں نصاریٰ کی باری آئی، اور فتحِ مکہ کے بعد قبائلِ عرب کے وفود کے سلسلہ میں بحران کے عیسائیوں کا وفد آیا، اس زمانہ میں سورہ آل عمران نازل ہوئی جس میں نصاریٰ کا ذکر ہے،

مجوس عرب میں بہت کم تھے، بحرین ادوین میں خال خال وہ پائے جاتے تھے، وہ بھی ایرانی نسل تھے، خالص عرب نہ تھے، اس لئے قرآن مجید نے خاص طور پر کسی سورہ میں ان سے خطاب نہیں کیا ہے، البتہ جا بجا مناسب موقعوں پر ان کا نام لیا ہے، اور ان کے عقائد کی تردید کی، اور انکو ثنویت یعنی دو خداؤں کی پرستش کے بجائے توحید کی دعوت دی ہے،

قبولِ اسلام کے لئے کیا چیز درکار تھی؟ اگرچہ یورپ کا یہ عام دعویٰ ہے کہ عرب میں اسلام صرف تلواری کے زور سے پھیلا، لیکن ابتدائے میں جن اشخاص اور جن قبائل نے اسلام کو قبول کیا، ان کے اوصاف کے پیش نظر کر لینے کے بعد صاف ثابت ہوتا ہے کہ اسلام اپنے لئے صرف اثر پذیروں کا جو یاں تھا، اور جب آئینہ مل جاتا تھا، تو اس کے سامنے یہ طائر قدس اپنے پر ڈال دیتا تھا، چنانچہ ابتدائے بعثت میں جن اشخاص نے اسلام قبول کیا، وہ وہی تھے جو نیک طبع، ایماندار، راستی پسند اور حق جو تھے، اور جو نبوت کے اوصاف و خصائص سے واقف تھے، گذشتہ آسمانی مذاہب سے کچھ نہ کچھ آگاہ تھے، اور معاشرت و تمدن سے بہرہ ور تھے، اشخاص کے علاوہ جن قبائل اور آبادیوں نے اسلام کو قبول کرنے میں پیش قدمی کی وہ بھی وہی تھیں، جن میں یہ خصوصیتیں پائی جاتی تھیں، عرب کے دو مختلف حصوں جنوبی و شمالی میں سے زیادہ اسلام کو کامیابی عرب کے جنوبی حصہ یعنی یمن، عمان، بحرین، یامامہ میں ہوئی، اور شمالی حصہ میں سے مدینہ منورہ اور اس کے اطراف میں ہوئی، کیونکہ وہ تمدنی حیثیت سے دنیا کی ممتاز تمدن قوموں ایرانیوں اور رومیوں سے متاثر تھے، اور مذہبی حیثیت سے یہودیوں اور عیسائیوں سے نکاحا مل جوں اور خلافت تھا، اہل مدینہ بھی یہودیوں کے تمدن و معاشرت و روایات اور رسم و رواج سے بہت کچھ متاثر تھے، اسلام کو عربوں سے جس قدر لڑائیوں میں پیش آئین، وہ سب نجد اور حجاز میں پیش آئین، لیکن مسلمانوں کی کوئی جرات فوج مدینہ، یمن، یامامہ اور بحرین کو فتح کرنے کے لئے نہیں بھیجی گئی، انصار مدینہ نے خود مکہ میں آکر اسلام کو لبیک کہا، اطراف مدینہ کے قبائل میں غفار نے خود مکہ آکر قریش کی تلواری کی آگ میں کھڑے ہو کر لا الہ الا اللہ پڑھا، یمن سے دوس کے قبیلہ کے آدمیوں نے خود مکہ پہنچ کر ایمان کی دولت حاصل کی، اور اس کے سردار نے اپنا قلعہ اسلام کی پناہ کے لئے پیش

حضرت علیؑ کی حکمت
عبدالرحمنؑ میں ۱۹۵
ریحی میں ۱۹۵

کیا، اشعر کا قبیلہ بھی اسی زمانہ میں غائبانہ مشرتاب اسلام ہوا، ہمہ ان کا قبیلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دعوت پر ایک دن میں مسلمان ہو گیا،

عمان کا بھی یہی حال ہوا، وہاں بھی اسلام نے صرف اپنی تبلیغی کوششوں کے ذریعہ سے اقتدار حاصل کیا، ایک بار اپنے عرب کے کسی قبیلے کے پاس ایک آدمی بھجا، وہ لوگ اس کے ساتھ سختی سے پیش آئے اور اس کو زود گو ب کیا، اس نے آ کر اپنے یہ واقعہ بیان کیا، تو اپنے فرمایا کہ اگر اہل عمان ہوتے، تو تم کو نہ کالیان دینے، نہ مارنے، (مسلم فضائل اہل عمان)

یہ امامہ کے رئیس تمامہ قید ہو کر مدینہ آئے، یہاں آزاد کر دیے گئے، مگر مدینہ کی مسجد میں جو جلوہ انھوں نے دیکھا، اپنی ظاہری مادی آزادی کے بعد بھی اس کی نورانی زنجیر سے انھوں نے نہ ہائی نہ پائی، خود بخود مسلمان ہو گئے، اور اپنے قبیلہ میں جا کر اسلام کے داعی بن گئے، اور آخر خون کا ایک قطرہ گرمے بغیر اسلام نے وہاں اکثریت حاصل کر لی،

دیہاتوں میں سب سے پہلے قریہ جو انی نے صدائے توحید پر لبیک کہا، جو مضافات بحرین میں تھا، اسی قریہ جو انی کے باشندے فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے، چنانچہ مسجد نبویؐ کے بعد عرب کے دیہاتوں میں سب سے پہلا جگہ اسی گاؤں میں پڑھا گیا، بارگاہ نبوت میں عرب کے وفود اگرچہ فتح مکہ کے بعد حاضر ہوئے، لیکن بحرین کے لوگوں نے اس میں تمام قبائل عرب پیش قدمی کی، چنانچہ شہر میں سب سے پہلا وفد جو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ قبیلہ عبید القیس کا تھا، جو بحرین میں سکونت گزین تھا،

۱۔ صحیح بخاری باب حجۃ فی القری والمدین، ۲۔ صحیح مسلم کتاب لایمان،

ابن میں کا شمار اگرچہ مہاجرین اولین میں نہیں کیا جاتا، لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا حال معلوم ہوا اسی وقت حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بھی مہین سے ۵۷ آدمیوں کو لکیر تیرہ کی طرف ہجرت کی غرض سے روانہ ہو گئے، بحری سفر تھا، وہ لوگ کشتی میں سوار ہو کر توبار و مال کے جھونکوں نے اس کو جہتہ میں پہنچا دیا جو مسلمانوں کا سب سے پہلا دارالہجرت تھا، وہاں حضرت جعفر ابن ابی طالب سے ملاقات ہوئی، تو انھوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو یہیں اقامت کا حکم دیا ہے، تم لوگ ان کو بھی پھیرنا چاہتے، چنانچہ وہ لوگ وہیں مقیم ہو گئے، اور فتح خیبر کے زمانے میں مہاجرین جہتہ کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حقیقت کہ اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ جمالت اور وحشت اور اس کی شاعت کی سب سے بڑی ٹھکر پیر تمدن، معاشرت اور اخلاق کی ہندسی، اور کتب آسمانی اور دیگر مذاہب کے واقفیت تھی، خود قرآن مجید نے اس کو ظاہر کر دیا ہے،

الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا
وہماتی بڑی کفر اور نفاق میں سب سے زیادہ

وَأَحَدٌ رَّاكَ يَعْلَمُ وَأَحَدٌ عَرَفَكَ
خوشبو میں اور زیادہ اس کے علم میں اور وہ

مَا نَزَّلَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِثْرًا
کلام کو نہ جانیں، چونکہ اسے اپنے رسول پر اتنا

اللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ (توبہ: ۱۲)

اور بھی اس قسم کی آیتیں ہیں جو لوگ پوچھتے ہیں کہ اسلام لائے تھے، اور کچھ لوگ

واپس چلے جاتے تھے، ان سے جو بیعتیں لیا جاتی تھیں، اس کا نام بیعت اعراب تھا جو ہم درجہ چھٹی

سورہ توبہ، آیت ۱۰، ۱۱ اور ۱۲

تھی اس بنا پر باوہ میں الگ تھلگ رہنا صحابہ کے زمانہ میں معیوب سمجھا جاتا تھا، بلکہ بعض لوگ اس کو
ارتداد کی علامت سمجھتے تھے،

اشاعتِ اسلام کے اسباب ذرائع | گذشتہ مباحث پر ایک ناز نظر ڈالنے کے بعد خود بخود یہ عقدہ کھل جاتا
ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دین حق کو عربوں میں کس طرح پھیلایا، اور آپ کو کیوں مکر کا مہیا بی ہوئی
تہم اگر واقعات کی روشنی میں ایک ایک صحابی کے قبولِ اسلام کے اسباب کی تلاش کی جائے تو
حسب ذیل اسباب سامنے آئیں گے،

۱۔ اسلام کے نشر و اشاعت کا سب سے مقدم اور اصلی سبب معجزہ قرآنی تھا، قرآن مجید جس
موثر اور ول کپکپا دینے والے طریقہ سے عقائد و معارف و اخلاق کی تلقین کرتا تھا، اُس کے سامنے
وہ تمام عواقب، اور موانع جن کا ذکر اوپر ہو چکا، فنا ہو جاتے تھے، جو لوگ سرے سے خدا کے وجود
کے منکر تھے، قرآن مجید ان کے سامنے عالم کی بوقلمونی، مظاہر قدرت کی بوجہی، کائنات کی نیرنگی
اجزائے فلکی کی جلوہ گرمی، اور عناصر کی نکار آرائی سے اس طرح استدلال کرتا تھا،

کَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ
أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ مِيتَكُمْ ثُمَّ
يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ،
تم خدا کا انکار کس طرح کرتے ہو حالانکہ تم
کبھی بیجان تھے تو اُس نے تم کو زندگی بخشی پھر
ایک دن تم کو مردہ بنا دیکھا، پھر زندہ کر لیکھا،
اور پھر اسی کے پاس واپس کئے جاؤ گے،
(بقرہ - ۳)

إِنِّي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

۱۵۔ صحیح مسلم کتاب الامارۃ اور سنن نسائی کتاب البقیۃ،

وَ اٰخِلَاتِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْعُلَّكِ
الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ
وَمَا نَزَّلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ
فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ
بَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ
الرِّيَّاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِينَ
السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَا يَاتِ لِقَوْمِهِ
يَعْقِلُونَ ، (بقرہ - ۲۰)

وَلَهُ اسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ
وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَابِيَهُ
يَرْجِعُونَ ، (آل عمران - ۹)

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ اٰخِلَاتٍ
اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَا يَتْلُو الْاَلْبَابِ
الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَاقْعَادًا
وَاعْلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ
السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ
هٰذَا بَاطِلًا ، (آل عمران - ۲۰)

کے اختلاف میں ان کشتیوں میں جو سمندر میں
میں انسانوں کے لئے سود مند چیزوں کو لیکر
چلتی ہیں، بادلوں سے پانی برسانے میں اس
پانی سے مردہ زمین کو زندہ کرنے میں، اور اس
زمین میں ہر قسم کے جانداروں کے پھیلانے
میں ہواؤں کے چلانے میں، ان بادلوں میں
جو فضا کے آسمانی میں مسخر ہیں، اور انہیں
کے لئے یقیناً بڑی نشانیاں ہیں،

آسمان و زمین میں جو بھی ہے، برضا یا مجبوراً
اسی کا اطاعت گزار ہے، اور اسی کی طرف ایک
دن سب لوٹائے جائیں گے،

آسمان و زمین کی خلقت اور شب و روز کے
الٹ پھیر میں ان اربابِ عقل کے لئے بے شبہ
بڑی نشانیاں ہیں، جو اٹھتے بیٹھتے، الٹے (برعکس) میں
خدا کو یاد کرتے ہیں، اور آسمان و زمین کی
خلقت پر غور کرتے ہیں کہ خدا یا تو نے یہ کچھ
پیدا نہیں کیا،

هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ
 حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلِكِ وَجَرَّتِ
 بِكُمْ فِي مَيِّمٍ طَيْبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا
 جَاءَ تَهَارُجُهُمْ عَاصِفٌ رَّجَاءَهُمُ
 الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ
 أُحِيطَ بِهِمْ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ
 الدِّينَ (پولس - ۳)

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ
 أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا بِهَا
 وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً
 إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُتَفَكَّرُونَ
 وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
 وَاجْتِلاَءَ السَّيِّئَاتِ وَأَلْوَانِكُمْ
 إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِلْعَالَمِينَ
 آيَاتِهِ مَنَّاكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ
 وَابْتِغَاءَ كُمْ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ
 لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُرْسِمُونَ (روم - ۳)

وہ وہ جو تم کو خشکی اور دریا میں سفر کرتا ہے،
 یہاں تک کہ جب تم کشتی میں ہوتے ہو اور موتی
 ہو کشتی والوں کے لئے جاری ہو اور لوگ خوش
 ہوتے ہیں کہ (دفعہ) زور کا جھکڑ آیا، اور
 ہر طرف سے موجیں آگئیں اور لوگوں کو
 یقین ہو چلا کہ اب وہ گھر گئے، اس وقت
 خدا کو مخلص ہو کر پکارنے لگتے ہیں،

اور خدا کی نشانیوں میں سے یہ جو کہ تمہارے لئے
 تم ہی میں سے جوڑے بنائے کہ تم کو ان سے تسکین
 ہو اور تم میں باہمی محبت اور ہمدردی پیدا کی اس
 بات میں سوچنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں،
 اُس کی نشانیوں میں سوا سمان اور زمین کا پیدا
 کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا مخلقت
 ہونا ہے، اس بات میں جاننے والوں کے لئے نشانیاں
 ہیں، اور خدا کی نشانیوں میں سونے اور رات
 دن میں سونا، اور خدا کے فضل (روزی) کو
 ڈھونڈنا ہے اس میں سوچنے والوں کے لئے

پولس

خدا، یا ایک قوتِ عظیم کا اعتراف خود انسان کی فطرت ہی لیکن غفلت شعاری، آ
 ابائی اثر اور دیگر اسباب سے فطرت کبھی کبھی مردہ اور بے حس ہو جاتی ہے، قرآن مجید اسی خفستہ
 حس کو بیدار کرتا تھا،

اِنِّی اللّٰهُ شَکْتُ فَاِطِرِ السَّمٰوٰتِ
 وَالْاَرْضِ (ابراہیم - ۲)

کیا خدا میں شک ہو جو آسمانوں اور زمین کا
 پیدا کرنے والا ہے،

کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَکُنْتُمْ
 اَمْوَاتًا فَاَحْيَاکُمْ ثُمَّ نَبِّیْتُکُمْ ثُمَّ
 یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ،

اور کیسے تم خدا کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم
 بیجان تھے تو اس نے تم کو زندہ کر دیا، پھر
 وہ تم کو موت دیکھا، پھر وہ تم کو زندہ کر لیا،
 پھر تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے،

(بقرہ - ۳)


عربین ملحد کم تھے زیادہ تر بلکہ قریباً تمام مشرکین تھے جو خدا کو اگرچہ مانتے تھے
 لیکن یہ بھی مانتے تھے کہ اس کے سوا اور بھی خدا ہیں جو خدا کے شرکیہ ہیں اور نظام عالم ان
 ہی کے ہاتھ سے انجام پاتا ہے، انسان کی فطرت تو کہ جس سے براہِ راست اسکو کام پڑتا ہے اسکو
 زیادہ مانتا ہے اسی سے زیادہ محبت کرتا ہے اسی کی زیادہ پرستش کرتا ہے، چونکہ مشرکین کا اعتقاد
 تھا کہ بادلوں کی بارش، غلہ کی پیداوار، نباتات کی روئیدگی، سب اجرامِ فلکی، یا اصنام کا کام
 ہے، اس لئے ان کو عبودیت کا جو تعلق تھا، ان ہی مبودوں سے تھا، وہ انہی کی عبادت کرتے
 تھے، ان ہی سے محبت رکھتے تھے، ان ہی پر نظر چڑھاتے تھے، انہی کے سامنے قربانیاں کرتے
 تھے، معرکوں میں انہی کے نام کی جے پکارتے تھے، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اصلی کا

اسی شرک اور اصنام پرستی کو مٹانا تھا، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں اصل وجود باری کے متعلق بہت کم استدلال ہی، زیادہ تر شرک کا ابطال اور اس کی تحقیر اور تبخین ہے،

قرآن مجید طرح طرح سے نہایت موثر پیرایوں میں شرک کی لغویت کا اظہار کرتا تھا،

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَجَعَلَ
 خِلْفَهَا اَنْهَارًا وَجَعَلَ لَهَا رَواسِيَ
 وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا، عَالِمٌ
 مَّعَ اللّٰهِ بِمَا كُفِّرُوهُمْ لَا يَعْلَمُونَ
 اَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَّرَّ اِذَا دَعَا
 وَيُكَفِّرُ السُّوءَ وَيَجْعَلُ الْكُفْرَ
 خِلْفَاءَ الْاَرْضِ، عَالِمٌ مَّعَ اللّٰهِ
 قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُونَ اَمَّنْ يَهْدِيكُمْ
 فِي ظُلُمَاتٍ الْبُرُوجِ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُرْسِلِ
 الرِّيْحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ
 عَالِمٌ مَّعَ اللّٰهِ تَعَالٰى اللّٰهُ عَمَّا
 يُشْرِكُوْنَ، اَمَّنْ يَبْدِئُ الْخَلْقَ
 ثُمَّ يُعِيْدُهُمْ لَعْنَةً وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ
 السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، عَالِمٌ مَّعَ اللّٰهِ

کیا وہ جس نے زمین کو قرار گاہ بنایا، اور اس کے
 بیچ میں نہریں بہائیں اور اس کے ٹھکانوں
 کی مچنین گاڑیں اور دونوں دریاؤں میں
 اوٹ رکھا، کیا خدا کے ساتھ کوئی اور بھی خدا ہے
 بلکہ واقعہ یہ کہ ان میں اکثر لوگ جانتے نہیں،
 کیا وہ جو پریشان خاطروں کی سنتا ہے جب
 اس کو پھارتے ہیں اور بلا کو مٹاتا ہے اور کلوڑ
 کا حکم بناتا ہے، کیا خدا کے ساتھ کوئی اور بھی خدا ہے
 تم بہت کم سوچتے ہو، کیا جو تم کو خشکی اور تری کی
 اندھیروں میں راستہ دکھاتا ہے اور وہ جو کہ اپنی
 رحمت (بارش) کے آگے ہواؤں کو بھیجتا ہے، کیا
 خدا کے ساتھ کوئی اور بھی خدا ہے، شرک میں جنکو خدا کا
 شریک کہتے ہیں خدا ان سے بڑھ کر آیا کون ہے جو
 آفرینش کا آغاز کرتا ہے پھر اسکو لوٹاتا ہے اور وہ کون

قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَ كُنتُمْ
 جوتم کو آسمان وزمین سے روزی دیتا ہے کیا
 صدقین، (نمل - ۵)  خدا کے سوا کوئی اور ہے تو کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو دلیل
 کفار اور مشرک عموماً قیامت کے منکر تھے، اور کہتے تھے کہ مَنْ نَحْيِي الْعِظَامِ وَهِيَ رَمِيمٌ یعنی
 جب ہڈیاں مٹ گئیں چکیں تو اب کون ان کو جلایگا، قرآن مجید ان سے خطاب کرتا تھا،
 الْمَدْيَنَةُ نُطْفَةٌ مِّنْ مَّنِيَّيْتُمُنِي
 کیا انسان پہلے منی نہیں تھا، پھر گوشت
 ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّىٰ فَجَعَلَ
 کالو تھڑا بنا، پھر خدا نے اس کو ٹھیک کیا
 مِنْهُ الزُّرُّوجِينَ الذِّكْرَ وَالْأُنثَىٰ
 اور اس سے دو جوڑ مرد اور عورت بنائے
 أَلَيْسَٰ ذَٰلِكَ بِقَدِيرٍ عَلَيَّ أَنْ
 کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ مردے کو زندہ
 نَحْيِي الْمَوْتَىٰ، (قیامتہ - ۲)
 کر دے،

غرض عقائد، عبادات، اخلاق، اعمال ہر چیز کو قرآن اس موثر اور دل نشیں طور
 سے ادا کرتا تھا کہ دل میں گھر کر جاتا تھا، اور رسم و عادت کا بند اس سیلاب کو کسی
 طرح روک نہیں سکتا تھا، اس پر بھی جو کفر پر ثابت قدم رہے، وہ ذاتی اغراض کا اثر تھا
 حقیقی جہود اور انکار نہ تھا،

تمام بڑے بڑے صحابہ، بڑے بڑے رؤساء قبائل، بڑے بڑے شعراء اور خطباء قرآن
 ہی سن کر ایمان لائے، حضرت عمر کس ارادہ سے چلے تھے، لیکن جب قرآن مجید کی آیتیں سنیں
 تو کانپ اٹھے، اور اسلام قبول کر لیا، عتبہ جو رئیس قریش اور علوم عرب کا ماہر
 تھا، جب اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر کہا کہ تم نبوت کی دعوت سے

باز آؤ ہم تمہارے لئے سب کچھ مہیا کر دیتے ہیں، آپ نے جس کی ابتدائی آیتیں پڑھیں جب یہ آیت آئی،

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ
صَاعِقَةً مِثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَ

تو اگر وہ منہ پھیریں تو کہدے کہ میں تم کو

اس کرناک سے ڈراتا ہوں جو ماد و نمود

ثَمُودَ، (حد۔ فضلت۔ ۲) کی کرناک کی طرح ہے،

تو عقبہ نے بیابان ہو کر آنحضرت ﷺ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا، اور کہا خدا کے لئے
بس، تم کو قرابت کی قسم دلاتا ہوں، پھر واپس جا کر قریش سے کہدیا کہ محمد جو کلام پیش کرتے
ہیں، وہ نہ تو شعر ہے، نہ جادو ہے، اور نہ کہانت ہے، (بلکہ کوئی اور چیز ہے) حضرت ابو ذر
نے اسلام لانے سے پہلے اپنے بھائی انیس کو جو شعراے عرب میں تھے، آنحضرت ﷺ
کی خدمت میں تحقیق حال کے لئے بھیجا تھا، وہ خدمتِ قدس میں حاضر ہوئے اور قرآن مجید سنا تو
جا کر حضرت ابو ذر سے کہا کہ لوگ ان کو کافران اور شاعر کہتے ہیں، لیکن میں کافران اور شاعروں کو
کے کلام سے واقف ہوں، ان کا کلام دونوں سے الگ ہے، انیس کے بعد حضرت ابو ذر خود
گئے، اور واپس آئے تو ان کا ادھا قبیلہ اسی وقت مسلمان ہو گیا،
ولید بن منیرہ (حضرت خالد کا باپ) جو اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا جب آنحضرت ﷺ
عذیب کے سفر میں حاضر ہوا اور آپ نے یہ آیتیں پڑھیں،

۱۵ علامہ ابن تیمیہ نے ابواب الصحیحہ جلد چہارم ص ۲۰۴ میں ابو یعلیٰ وغیرہ سے روایت نقل کی ہے، نیز یہ
روایت شدہ رکب حاکم میں بھی ہے، صحیح مسلم فضائل حضرت ابو ذرؓ

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ
وَأَيُّهَا ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ
وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ
خدا عدل کا، احسان کا اور رشتہ داروں کو
عطا کرنے کا حکم دیتا ہے، اور فحش سے بری بات
سے اور ظلم سے منع کرتا ہے، وہ تم کو سمجھاتا ہے
(نحل - ۱۳)

کہ شاید تم سمجھ جاؤ،

ولید نے کہا پھر پڑھنا، آپ نے دوبارہ پڑھا، وہ واپس گیا، اور قریش سے جا کر کہا کہ یہ
انسان کا کلام نہیں ہے،

عثمان بن مظعون بڑے پایہ کے صحابی اور سابقین اسلام میں ہیں یہی آیتیں ہیں جن کو
سُن کر ان کے دل نے سب سے پہلے اسلام کا جلوہ دیکھا، وہ خانہ کعبہ کو جا رہے تھے کہ آنحضرت
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے راستہ میں اپنے پاس بٹھالیا، پھر فرمایا کہ ابھی مجھ پر یہ کلام اترا ہے، یہ کہہ کر اپنے اوپر آئی
آیتیں پڑھیں وہ کہتے ہیں کہ یہ پہلا موقع تھا کہ اسلام نے میرے دل میں گھر کیا،

جبیر بن مطعم نے کفر کے زمانہ میں آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو سورہ طور پڑھنے سنا جب اس

آیت پڑھی،

أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ
الْمُخْلَقُونَ أَمْ خَلَقُوا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ
بَلْ لَا يُوقِنُونَ أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ
رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصِطْرُونَ (طور - ۲)

کیا یہ لوگ از خود پیدا ہو گئے یا یہ خود خالق ہیں کیا
آسمان اور زمین کو انہی لوگوں نے پیدا کیا بلکہ
(واقعہ یہ ہے کہ) ان میں ایمان نہیں کیا ان کے پاس
خدا کے خزانے ہیں کیا یہی لوگ سربراہ کار ہیں

۱۵ اجواب الصحیح جلد ۴ ص ۶۶ بحوالہ عبد الرزاق ۱۵ مشابہ بن ضیل جلد اول ص ۳۱۱ ادب المفرد، ام بخاری باب البغی

تو خود جبیر کا بیان ہے کہ مجھ کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ میرا دل اڑنے لگا،

طفیل بن عمرو والدوسی مشہور شاعر اور شرفائے عرب میں تھے، ہجرت سے پہلے وہ گئے
لوگوں کو آنے کی خبر ہوئی تو ان کے پاس گئے، اور آنحضرت ﷺ کی نسبت کہا کہ ان کے
باسنس نہ جانا، وہ لوگوں پر جا دو کرتے ہیں، لیکن جب حرم میں اتفاقاً آنحضرت ﷺ کی
زبان سے قرآن رُنا تو ضبط نہ کر سکے، اور مسلمان ہو گئے،

ہجرت سے پہلے جب آنحضرت ﷺ نے طائف کا سفر کیا، اور مشرکین کو اسلام
دعوت دی، تو اگرچہ ادھر سے اس کا جواب ڈھیلا اور پھر تھا، تاہم خالد العدوی نے جو طائف کے
رہنے والے تھے، آپ کو

وَالسَّمَاءَ وَالطَّارِقَ (طارق) قسم جو آسمان کی اور رات کے چلنے والے ستارہ کی،

پڑھے، سنا تو وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ انھوں نے اسی حالت کفر میں پوری سورہ یاد کر لی، اور آخر
اسلام لائے،

حضرت ابو بکرؓ کو قیام مکہ کے زمانہ میں بعض مشرکین نے اپنے پناہ میں لے لیا تھا اسی زمانہ
میں انھوں نے ایک مسجد بنوائی تھی، اور اس میں نماز پڑھا کرتے تھے، لیکن نماز بلند آواز سے پڑھے تھے
جس کو سن کر حملہ کے نوجوان اور عورتیں جمع ہو جاتیں، اور قرآن سنتیں، تو ان کا دل خود بخود اسلام کی
طرف کھینچتا، چنانچہ اسی بنا پر کفار نے حضرت ابو بکرؓ سے شکایت کی کہ قرآن پکار کر نہ پڑھا کرو اس سے

۱۵ صحیح بخاری کتاب تفسیر سورہ طور لہ ان کے اسلام کا حال ابن قیم (زاد المعاد) نے تفصیل لکھا ہے، اور ابن کثیر
کے حوالہ سے لکھا ہے، ۱۵ مشابہتیں جلد ۲ ص ۱۳۵

ہمارے بچے اور عورتیں مفتوں ہوتی جاتی ہیں، انصار اول اول جب مقام عقبہ میں اسلام لائے
 تو قرآن ہی سن کر لائے تھے، جو لوگ داعی بنا کر بھیجے جاتے ان کو قرآن یاد کرایا جاتا، اور وہ جانا
 جاتے یہی کارگر آلا تخیلے کر جاتے، سخاشی کے دربار میں کفار قریش جب سفیر بن کر گئے، اور ان
 کی شکایت پر سخاشی نے مسلمانوں کو بلا کر باز پرس کی، تو حضرت جعفر طیار نے قرآن مجید کی چند آیتیں
 پڑھیں سخاشی بے اختیار روٹا اور کہا کہ خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل ایک ہی چشمہ سے نکلے ہیں،
 تبش میں جب آپ کی بعثت کا چرچا ہوا، تو میں شخص جو نہ تھا عیسائی تھے تحقیقی حال
 کے لئے مکہ میں آئے، اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ان کے سامنے قرآن مجید کی آیتیں
 پڑھیں ان کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے، اور اسی وقت اسلام لائے، آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم کے پاس سے یہ لوگ اٹھے تو ابو جہل نے ان سے مل کر کہا کہ تم سخت حق ہو، اس لئے دو
 سفر کر کے آئے اور دم بھر میں اپنا مذہب بدل لیا، انھوں نے کہا تم تم سے لڑنا نہیں چاہتے

لَا تَدْرِي نِيَكُمْ وَلِنَادِيْنَا

قرآن کی پیشین گوئیوں کی صداقت نے بھی لوگوں کے دلوں کو کھینچا، چنانچہ اہل ایران کے
 مقابلہ میں رومیوں کی فتح کی جو پیشینگوئی کی تھی جس دن یہ پیشینگوئی حروف بحر پوری ہوئی صد
 کافر مسلمان تھے،

ایک فردی نکتہ | عام خیال یہ ہے کہ اہل عرب جو قرآن مجید سن کر اسلام قبول کر لیتے تھے،

صرف فصاحت و بلاغت کا کرشمہ تھا، یعنی چونکہ عرب میں شعر و خطابت کا بہت چرچا تھا،

۱۵ بخاری شریف ذکر ہجرت ۱۵ مسند ابن جنبل جلد ۵ صفحہ ۲۹۱ ۱۵ ابن ہشام جلد اول صفحہ ۲۰۶ مطبوعہ مدینہ منورہ ذکر ہجرت بخش ۱۵
 ترمذی تفسیر سورہ روم،

اور تمام ملک میں شاعری کا مذاق سراپت کر گیا تھا، اس لئے جب وہ دیکھتے تھے، کہ کسی اور شاعر یا خطیب کا کلام ایسا فصیح و بلیغ نہیں ہے تو وہ اسلام قبول کر لیتے تھے، بے شبہ قرآن مجید فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے معجز ہے، لیکن اس کا اعجاز جس قدر عبادت و انشا میں ہے اس سے کہیں زیادہ معانی و مطالب میں ہے،

فرض کرو کہ قرآن مجید فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے ایسا ہی معجز ہوتا جیسا اب ہے لیکن اس میں صرف تاریخی واقعات یا اسی قسم کی اور کوئی بات ہوتی تو کیا یہی اثر پیدا ہو سکتا تھا قرآن مجید ایک طرف تو فصاحت و بلاغت کے بنا پر اعجاز کا کام دیتا تھا، دوسری طرف مطالب اور مقاصد ادا کرتا تھا، وہ اسلام ہی کے مقاصد اور مطالب تھے، وہ خدا کی عظمت و جلالت اصنام کی تحقیر، انسان کا عجز و تعبد، سزا و جزا، بہشت و نثر، جور و ظلم کی تفسیح، اخلاقِ حسنہ کی تحسین ان مطالب کو اس طرح ادا کرتا تھا کہ خود بخود دونوں میں گھر کرنے جاتے تھے، اور ان کو یہ نظر نہیں آتا تھا کہ وہ ان باتوں کو اس لئے مان رہے ہیں، کہ مسلمان ہو چکے ہیں، بلکہ یہ باتیں براہ راست اُن کے دل میں اتر جاتی تھیں، اور وہ مسلمان ہوتے جاتے تھے،

موانع کا ازالہ | عرب کو جو چیزیں اسلام سے روکتی تھیں، اُن میں سے اہم (جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں) اُن کے اوہام و اعتقاداتِ باطلہ تھے، جو سینکڑوں ہزاروں برس سے چلے آتے تھے، یا سیاسی و معاشی ضرورتیں تھیں، مقدم الذکر باتوں کا قرآن مجید اور اعجازِ نبویؐ نے استیصال کر دیا عرب میں جو لوگ صاحبِ فہم اور ذی اثر تھے، اور سیاسی اسباب سے مجبور نہ تھے، یہ ناممکن تھا کہ وہ قرآن سنتے، اور اُن کے تمام عقائد اور اوہام دفعہ فنانہ ہو جاتے، یہاں بابِ اثر جب خود متاثر ہو جاتے تھے تو

ان میں سے ایک ایک شخص کے اثر سے ہزاروں اشخاص مسلمان ہو جاتے تھے، کیونکہ قبائل پرستی کی بنا پر قبیلہ کا ہر معزز رئیس اپنے پورے قبیلہ کے دل و دماغ کا مالک ہوتا تھا،

البتہ جو لوگ سیاسی اسباب سے مطلقاً دعوتِ اسلام کی طرف متوجہ ہی ہونا نہیں چاہتے تھے، انھوں نے بار بار دارالنبوۃ (مدینہ منورہ) پر چڑھائیاں کیں، لیکن نصرتِ ایزدی نے ان کو مستحکم نہیں کر سکیں، ان کو بالآخر مجبور ہو کر بیٹھ گئے، ان میں سے کچھ فنا ہو گئے، کچھ چار دن چار اسلام کے حلقہ میں داخل ہوئے، جن میں سے اکثر رفتہ رفتہ بالآخر ذول سے مسلمان بن گئے،

قبائل کی ریاست سیاسی حیثیت سے گو اسلام کے مخالف تھی، لیکن بعض وجوہ سے اسلام کو تائید بھی پہنچاتی تھی، اسلام کی جمہوریت جس قدر ریاست کی مخالف تھی اسی قدر عام جماعت کی حامی تھی، اسلام سے اگر ایک رئیس کی شانِ ریاست و خود سری کو نقصان پہنچتا تھا، تو ہزاروں آدمیوں کو نظر آتا تھا، کہ اسلام قبول کر لینے سے ہر شخص رئیس کا مہسر ہو جاتا ہے، غرض اسلام اگر ایک رئیس کو مٹاتا تھا، تو سینکڑوں کو رئیس بنا دیتا تھا،

اس کے ساتھ روسا کی ریاست بالکل زائل نہیں ہو جاتی تھی، بلکہ اسلام قبول کرنے پر وہ اپنے قبیلہ کے رئیس باقی رہتے تھے، صرف اتنا ہوتا تھا کہ ان کی بے قید و سلسل العنانی قائم نہیں رہتی تھی اور اسلامی احکام کا پابند ہونا پڑتا تھا، اس لئے اگر کوئی خود غرضی بھی کرنا چاہتا تھا تو اسکو بھی یہ سزا گران نہیں پڑتا تھا، مؤلفۃ القلوب کا گروہ اس کی ایک صریحی نظیر تھا،

اب صرف معاش کی ضرورت سدا رہا ہو سکتی تھی، لیکن لوگوں کو نظر آتا تھا کہ جن حدود میں اسلام کی حکومت قائم ہو جاتی، وہاں امن و امان قائم ہوئی، وجہ و تجارت اور دیگر ذرائع معاش کثرت

سے ترقی کر جاتے ہیں،

۲۔ نبوت کے متعلق ان کو جو شکوک تھے، مشاہدہ اور تجربہ نے ان کا پردہ چاک کر دیا، بڑی سے بڑی انسانیت اور پاک سے پاک زندگی کا جو تجزیہ ایک انسان کے ذہن میں آسکتا تھا، محمد رسول اللہ کی زندگی اس سے بھی بہرہ جابا لاتر اور ارفع تھی، ان کو نظر آتا تھا کہ گو دشمنی نبوت، بظاہر ہائمہ بشریت میں ہے لیکن اپنی مضمون سی زندگی، اپنے معجزانہ اخلاق، اپنے مافوق الفطرت علم و معرفت اپنے ربانی کرموں کی بنا پر بشریت سے کوئی بالاتر مخلوق ہو ماہذا البشر ان هذا الاکثر کونینہ قرآن مجید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق نبوت پر اسی مقدس اور معصوم زندگی سے استدلال کیا

فَقَدْ لَبِثْتُ فَنِيكُمُ عَمَلًا مِّنْ قَبْلِهِ

اسے قریش نبوت سے پہلے بھی میں نے تم میں

اَقْلَاهُ دَقِّقَلُونَ ۝ (یونس - ۲)

ایک مدت دراز تک زندگی بسر کی ہو کیا تم نہیں سمجھتے

زندگی کا یہی اعجاز تھا جس نے ظہور نبوت سے پہلے ہی امین کا خطاب پورے عالم

کر لیا تھا، جو یہی کے برابر انسان کے اصلی حالات، اخلاق کا وہ تفکار کوئی اور نہیں، نبوت محمدی کا

اولین دنیا میں کون تھا، ام المؤمنین خدیجہ بنت خویلد، لیکن ان کی اس زود اعتقادی کاراز کیا

تھا، ہم برس کے معجزانہ اخلاق اور مافوق الفطرت اوصاف و حالات کا تجربہ، اوہ خود پیغمبر کو خطاب

کر کے نبوت کی تسکین ان الفاظ میں دیتی ہیں، محمد! خدا کبھی تمہیں رسوا نہ کریگا، تم رشتہ داروں کیسا

احسان کرتے ہو، ماوارن کی طرف سو قرض ادا کرتے ہو، محتاجوں کی خبر لیتے ہو، مہمانوں کیسا تھے

مدارات پیش آتے ہو جو لوگ حقیقت میں مبتلا سے آلام ہیں، ان کی امانت کرتے ہو

۱۰ صحیح بخاری بدوالوحی۔

سُن چکے ہو کہ عرب میں آپ کی نبوت کا جب چرچا پھیلا تو ابو ذر غفاریؓ نے انیس اُسے
 بھائی کو تحقیقِ حال کے لئے بھیجا، انہوں نے واپس آکر پکیرِ نبوت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے کہ
 ایسے شخص کو دیکھ کر آیا ہوں جو بھلائیوں کا حکم دیتا ہی اور برائیوں سے روکتا ہے،
 نبوت کے بعد قریش نے ذاتِ نبویؐ کے ساتھ گوداوت اور کینہ پروری کا کوئی پہلو اٹھا
 نہیں دکھا، تاہم کوئی ادنیٰ اخلاقی جرم بھی آپ کی طرف منسوب نہ کر سکے، اسلام کے سب سے اول علماء
 و عورت کے موقع پر جب آپ نے ایک پہاڑ پر کھڑے ہو کر قریش کے مجمع کو مخاطب کیا، اور پوچھا کہ اگر
 میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر ایک فوجِ گران تم پر حملہ آور ہونے کو تیار ہے تو کیا سچ مانو گے؟
 سب نے بیک آواز کہا "مجھ! تیری بات آج تک ہم نے جھوٹ نہ پائی، ابو سفیانؓ جو ہجرت
 کے آٹھویں سال تک اسلام کے سخت ترین دشمن تھے، ستم بین ہر قتلِ قیصرِ روم کے دبا گیا
 کفارِ قریش کی ایک جماعت کے ساتھ محمدؐ رسول اللہ کے اخلاق و اوصاف کے متعلق اپنی شانِ انبیا
 پیش کر رہے تھے تاہم وہ ایک حرف بھی صداقت کے ثبوت پیش نہ کر سکے، انہوں نے شہادت
 دی کہ محمدؐ کبھی جھوٹ نہیں بولے، انہوں نے کبھی بد عہدی نہ کی، شرک سے روکتے ہیں، توحید
 کی تعلیم دیتے ہیں، عبادت، صدق، عدالت، صلہ رحمی کی تاکید کرتے ہیں، ہر قتلِ ہر فقرہ پر کتاب
 تھا کہ نبوت کے یہی آثار و دلائل ہیں، یہ سب سے پہلا دن تھا کہ ابو سفیان کے دل نے آنحضرتؐ

عَلَيْهِ السَّلَامُ کی کامیابی کا یقین کیا،

۱۔ صحیح بخاری جلد اول ص ۴۵۵ قصہ اسلام ابی ذرؓ ۲۔ صحیح بخاری تفسیر سورہ ثمت و صحیح مسلم کتاب لایمان باب ۵
 انذرعشیرتک الاقرین ۳۔ صحیح بخاری بدرالوحی

کتاب کی دوسری جلد میں آپ کے تمام محاسن اخلاق یعنی رفق و ملاحظت، حسنِ معاشرت، جود و سخا، عدم تشدد، عفو، درگزر وغیرہ کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے، اس پر مجبوری طور پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ درحقیقت آنحضرت ﷺ کا ایک معجزہ تھا اور یہ معجزہ تسخیرِ قلوب ہی کے لئے عطا ہوا تھا، قرآن مجید اس نکتہ کو خود بتاتا ہے،

وَكُوِّلْتُ فِئْطًا غَلِيظًا الْقَلْبِ لَا
الْمُفَضَّلُوا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران،)

اور محمد اگر تم درشت خواہ رخت دل ہوتے تو
لوگ تمہارے پاس سے چل دیتے۔

آپ کی یہی معجزانہ کشش تھی جو لوگوں کو کھینچ کھینچ کے دائرہ اسلام میں داخل کرتی تھی، ان کفار کے جاہلانہ شکوک و ادہام کو دم کے دم میں مٹا دیتی تھی، صحیح مسلم میں ہے کہ ایک شخص نے آپ سے بہت سی کبریاں مانگیں، آپ نے دیرین، اس پر آپ کی فیاضی کا اس قدر اثر پڑا کہ اپنے قبیلے میں جا کر اس نے کہا لوگو مسلمان ہو جاؤ کیونکہ محمدؐ اس قدر دیتے ہیں کہ ان کو خود اپنے تنگ دست ہونے کا مطلق خوف نہیں ہوتا،

فتح مکہ میں جب صفوان بن امیہ مجبوراً اسلام لایا، تو آنحضرت ﷺ نے اس کو بہت اونٹ ویدئے خود صفوان کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو اس قدر دیا کہ آپ پہلے میرے نزدیک منبوض ترین خلق تھے لیکن اس فیاضی سے محبوب ترین شخص بن گئے، ہند خانان نبوت کی قدیم ترین دشمن تھی، جنگ اُحد میں قوتِ بازو سے اسلام حضرت حمزہؓ کے شکم کو اسی نے چاک کیا تھا، اسی نے ان کا جگر نکال کر چھایا تھا جس کو نکل نہ سکی، اور پھر گل دیا تھا، اور اسی نے بیس شہیدوں کے لئے صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۹۰ باب ماسل رسول اللہ ﷺ قاتل لاء، صحیح بخاری باب حسن الخلق ولسخارۃ صحیح مسلم باب ۱۰۰

ناک کان کاٹ کر گلے کا ہار بنایا تھا، وہ فتح مکہ میں بھیس بدل کر آپ کی خدمت میں اسلام لانے کے لئے حاضر ہوئی، اور اب بھی گستاخی سے باز نہیں آئی، لیکن دربار رسالت میں پہنچ کر آپ کے حسن خلق سے اس قدر متاثر ہوئی کہ بے اختیار بول اٹھی، یا رسول اللہ! سطح زمین پر آپ کے گھرانے سے زیادہ کوئی گھرانا مجھے بنوؤں نہ تھا لیکن آج آپ کے گھرانے سے زیادہ کوئی گھرانا محبوب نہیں ہو آپ نے یہ شکر فرمایا کہ خدا کی قسم ہمارا بھی یہی حال تھا۔

آپ پر ایک یہودی عالم کا قرض آتا تھا، اُس نے تقاضا کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے، اس نے کہا کہ میں تو بے ہی کے ملوں گا، آپ نے کہا "تو اب میں تمہارے ساتھ بیٹھتا ہوں"، چنانچہ آپ نے اس سے لیکر خبر کی نماز تک اُس کے ساتھ بیٹھے رہے، صحابہ نے اُس کی اس گستاخی پر ناراضی ظاہر کی، اور خدمتِ اقدس میں عرض کی کہ یا رسول اللہ! آپ کو ایک یہودی نے روک رکھا ہے، آپ نے فرمایا ہاں، لیکن مجھے خدا نے اس سے منع کیا ہے، کہ میں کسی نبوی یا اور کسی شخص پر ظلم کروں، چڑھا تو یہودی نے کلمہ پڑھا اور کہا کہ میرا نصف مال خدا کی راہ میں صدقہ ہی میں نے یہ گستاخی صرف اس لئے کی کہ توراہ میں پیغمبر کے جو اوصاف مذکور ہیں، ان کا تجربہ کروں۔

تمام بنائے ہوئے کا ایک رئیس تھا، جو اسلام کا مجرم تھا، صحابہ کا ایک دستہ نجد کے اطراف میں بھیجا گیا تھا، حسن اتفاق سے وہ راہ میں مل گیا، گرفتار ہو کر مدینہ آیا، اور مسجد نبوی کے ایک ستون میں بازو دیا گیا، آنحضرت ﷺ نماز کے لئے تشریف لائے، تو اس پر نظر پڑی، آپ نے درخت کیا کہ تمام تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے، اُس نے کہا کہ اگر قتل کرنا چاہیں تو ایک خونی مجرم کو آپ

۱۰ مسلم جلد ۲ صفحہ ۵۵ باب قضیہ ہند ۵۵ مشکوٰۃ صفحہ ۵۲۱، کتاب الفتن فی اخلاقہ صلی اللہ علیہ وسلم.

قتل کریں گے، اور اگر عفو فرمائیں تو یہ احسان ایک احسان شناس کی گردن پر ہو گا اگر مال کی خواہش ہو تو فرمائیے جو ارشاد ہو گا حاضر کیا جائے گا، یہ سن کر آپ اسی حالت میں اُس کو چھوڑ کر چلے گئے، دوسرے دن پھر اسی قسم کا سوال و جواب ہوا تیسرے دن پھر یہی گفتگو کی، آنحضرت ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اس کے ہنڈگرہ کھول دیئے اور ہا کر دیا، اس پر اس واقعہ کا یہ اثر ہوا کہ مسجد نبویہ کے ایک کھجور کے درخت کی آڑ میں گیا، اور وہاں غسل کیا، غسل کر کے مسجد میں آیا اور کلمہ توحید پڑھ کر آنحضرت ﷺ کی طرف نماز کی طرف مخاطب ہوا محمدؐ ازین پر آپ کے چہرے سے زیادہ کوئی چیز مجھ کو مبغوض نہ تھی لیکن آج وہ مجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہے، مجھ کو آپ کے دین سے زیادہ کسی دین سے عداوت نہ تھی لیکن آج وہ میرے لئے تمام مذاہب سے عزیز تر ہو گیا ہے، مجھے آپ کے شہر سے زیادہ کسی شہر سے دشمنی نہ تھی، لیکن وہ آج مجھ کو تمام شہروں سے زیادہ خوش نما نظر آتا ہے۔

ایک بار آپ کسی سفر میں تھے، اور پانی پماتھ نہ تھا اصحاب نے پیاس کی شکایت کی، آپ نے ایک صحابی کے ساتھ حضرت علیؑ کو پانی کی جستجو میں روانہ فرمایا، راہ میں ایک عورت اونٹ پر پانی کی مشکلیں بھرے ہوئے لئے جا رہی تھی، دونوں صاحب اس کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے آئے، آپ نے برتن منگوائے، اور شکلوں کے منہ کھول دیئے، صحابہ نے باری باری سے پانی پینا شروع کر دیا، وہ کھڑی یہ تماشا دکھتی رہی، فراغت کے بعد اس کی محبت کے صلہ میں آنحضرت ﷺ نے کھجور آٹا، اور ستوتھوڑا تھوڑا لوگوں سے جمع کر کے ایک کپڑے میں بندھوا کر اس کے اونٹ پر رکھوا دیا، گھر پہنچی تو لوگوں نے تاخیر کا سبب پوچھا، اس نے کہا راہ میں مجھ کو ڈواؤنی ملے، اور وہ مجھ کو اس

شخص کے پاس لے گئے جس کو لوگ بدین کہا کرتے ہیں، خدا کی قسم وہ یا تو اس آسمان وزمین کے درمیان سے بڑا جادو گر ہے، اور یا واقعی خدا کا رسول ہے،

لیکن اسلام کا یہ اثر صرف اسی کی ذات تک محدود نہ رہا، بلکہ تربیت یافتگان نبوت کے فیض اثر سے اُس کے تمام قبیلے تک وسیع ہو گیا،

نبی کے امتیاز و شناخت کا ذریعہ صرف اخلاق ہی کا اعجاز نہیں، اس کی زبان کا ایک ایک حرف اس کی معصوم شکل و صورت کی ایک ایک ادعا اعجاز اور سراپا اعجاز ہوتی ہے،

روئے و آواز پر پیر معجزہ است (رومی)

آپ کی صداقت سے ہر نیکو پریم کا ایک ایک حرف دل میں اتر جاتا تھا، اور نبوت کا اصلی معیار سامع کے سامنے روشن ہو جاتا تھا،

جب آپ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو تمام مدینہ میں نل پڑ گیا، حضرت عبداللہ بن سلام جو مدینہ کے مشہور یہودی عالم تھے، اپنے نخلستان میں کھجور توڑ رہے تھے، آمد کی خبر ان کے کان

میں پہنچی تو فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ فرماتے تھے، اَطْعَمُوا وَاطْعَمُوا الطَّعَاءَ، وَوَصَلُوا الْأَرْحَامَ، وَصَلُوا وَالنَّاسَ نِيَامًا، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ، وَاپس گئے تو اس قدر

متاثر تھے کہ آنحضرت صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٹھ کر حضرت ابویوب انصاریؓ کے مکان میں جو نہی پہنچے حضرت عبداللہ بن سلام بھی آئے، اور کہا کہ میں آپ کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں اور نیز یہ شہادت دیتا

ہوں کہ آپ ایک حق مذہب لکھائے ہیں۔

سنن بخاری جلد ۱ صفحہ ۹۰۴ کتاب التیمم ط ۱۰۰۰ سنن ترمذی جلد ۱ صفحہ ۵۰۰، سنن بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۰۶ باب حجۃ الہدیٰ معلوم ہے کہ

آپ نے نہایت زوردار لہجہ میں فرمایا، ہاں اگر وہ دن آیا تو آپ کا ہاتھ پکڑ کر تباہ دن گا، کہ جو کچھ میں کہتا تھا، سچ تھا، اُن پر اس کا یہ اثر پڑا کہ فوراً مسلمان ہو گئے، اور یہ اثر اس قدر دیر پا ہوا کہ وہ کنا کرتے تھے کہ اگر میرا بیٹا ہاتھ پکڑے گا تو جنت میں پہنچا ہی کر چھوڑے گا۔

انسان کا چہرہ حقیقت کا آئینہ ہے، آپ کی ایک ایک ادا و مذاقت اور معصومیت کا بیکر تھی، آپ کی شکل نہایت پر جلال تھی، چہرہ پر نور تھا، آواز موقر اور پر رعب تھی، اور ان تمام چیزوں کا مجموعی اثر پیغمبرانہ اعجاز کے ساتھ دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا تھا، حضرت عبد اللہ بن سلامؓ نے یہودی عالم آپ کے چہرہ مبارک کو دیکھ کر اسی اثر سے متاثر ہوئے، اور بے اختیار بول اٹھے تھے،

وجہ لیس بوجہ کذب زندقہ (۲۰۹)
 جھوٹے آدمی کا یہ چہرہ نہیں ہو سکتا،

اور یہی کشتی تھی جس کا اظہار حجۃ الوداع میں اغرابِ یادیہ کی زبان سے ان الفاظ میں ہوا تھا

هٰذہ اوجہ مبارک (الوداع حج جلد ۱ ص ۱۰۰) یہ مبارک چہرہ ہے،

بارگاہِ نبوت میں پہنچنے کے ساتھ ہی یہ اثر آنکھوں کی راہ سے دل میں پہنچ جاتا تھا۔ ابورافع نام ایک شخص قریش کی طرف سے قاصد بنکر آپ کی خدمت میں آئے تھے، جون ہی چہرہ اقدس پر نظر پڑی وہ ہزار جان شیدا تھے، اسلام قبول کیا، اور آپ کی غلامی کو فخر سمجھا۔

۱۵ اصحاب جلد ۶ صفحہ ۶۴ ذکرہ حاشیہ ۱۵ ابوداؤد کتاب الجہاد باب لیکن بالامام فی العمود ۱۵ اصحاب استیعاب

اسلام

مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا بَدَأَ بِهِ رَسُولُكَ

آنحضرت ﷺ جس عظیم الشان پیغام کو لیکر آئے تھے، اور جس مہتمم ہا نشان کام کو انجام دینے کے لئے بھیجے گئے تھے، نیک دل اور حقیقت شناس لوگ تو سینے اور دیکھنے کے ساتھ اس کے قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے، لیکن وہ بھی جن کے دل کے آئینے زنگ آلود تھے، پیغام کی سچائی، وحی کی تاثیر، پیغمبر کی پُر اتر دعوت، اعجازِ معصومیت اور اخلاق کے پرتو سے صاف و شفاف ہوتے گئے، اور عوائق، موانع، شبہات اور تسکوک کی توہر تو ظلمتیں اور تاریکیاں رفتہ رفتہ چھٹتی چلی گئیں اور اسلام کا نور روز بروز زیادہ صفائی اور چمک کے ساتھ عرب کے اُفق پر درخشان اور تابان ہوتا گیا، یہاں تک کہ ۲۳ برس کی مدت میں ایک متحدہ قومیت، ایک متحدہ سلطنت، ایک متحدہ اخلاقی نظام، ایک کامل قانون، ایک مکمل شریعت، ایک ابدی مذہب اور عملی جماعت، خدا پرستی، اخلاق، ایثار، تدین، تقویٰ، ایمانداری، اخلاق اور سچائی کا ایک محکم عہد یعنی ایک نئی زمین اور ایک نیا آسمان پیدا ہو گیا، اور گویا یہی حقیقت تھی جس کی طرف اپنے اپنے سمت سے سب بڑھ چکے تھے (حجۃ الوداع) اپنی

وفات سے تقریباً دو ماہ پیشتر یہ ارشاد فرمایا

الانَّ الزَّمانَ قد استدار كهيئته

ہاں اب زمانہ کا دور اپنی اسی حالت پر آگیا

يوخلق الله السموات والارض

جس حالت پر اس دن تھا جس دن خدا

(بخاری)

نے آسمان و زمین کو پیدا کیا۔

اور یہی حقیقت تھی جس کی نسبت آپ نے اپنی وفات سے کچھ دنوں پیشتر ایک نہایت پروردگار

وواعی تقریر کے آخر میں یہ الفاظ فرمائے:

قد تركتو علی البیضاء لیاہا

میں تم کو ایک روشن راستہ پر چھوڑ جا رہا ہوں جسکی

کنہا رہا

روشنی کا یہ حال ہو کہ آجکی رات بھی دن کے مانند ہو

اور آخری حجۃ الوداع کے مجمع عام میں تمہیں کی بشارت آئی کہ

اليَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاَتَمَمْتُ

آج میں نے تمہارا دین کمال کر دیا، اور اپنی

عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي، (مائدہ - ۱)

نعمت تم پر ختم کر دی:

پر وہ فیصلہ مار گویا تھا جن کی تائیدی شہادت بہت کم مل سکتی ہے، لکھتے ہیں،

محمد کی وفات کے وقت ان کا سیاسی کام غیر مکمل نہیں رہا، آپ ایک سلطنت کی

جس کا ایک سیاسی و مذہبی دارالسلطنت مقرر کیا گیا، تھا، بنیاد و اہل چکے تھے، آپ نے عرب کے بیشتر

قبائل کو ایک قوم بنا دیا تھا، آپ نے عرب کو ایک مشترک مذہب عطا کیا، اور ان میں ایک ایسا

رشتہ قائم کیا، جو خاندانی رشتوں سے زیادہ مستحکم اور مستقل تھا،

۱۰ سنن ابن ماجہ ابواب سنت بہت نزدیک حاکم جلد اول صفحہ ۶۹۰ و سنن ابن عساکر جلد ۱ ص ۱۱۲ ۱۱۳ ۱۱۴ ۱۱۵ ۱۱۶ ۱۱۷ ۱۱۸ ۱۱۹ ۱۲۰ ۱۲۱ ۱۲۲ ۱۲۳ ۱۲۴ ۱۲۵ ۱۲۶ ۱۲۷ ۱۲۸ ۱۲۹ ۱۳۰ ۱۳۱ ۱۳۲ ۱۳۳ ۱۳۴ ۱۳۵ ۱۳۶ ۱۳۷ ۱۳۸ ۱۳۹ ۱۴۰ ۱۴۱ ۱۴۲ ۱۴۳ ۱۴۴ ۱۴۵ ۱۴۶ ۱۴۷ ۱۴۸ ۱۴۹ ۱۵۰ ۱۵۱ ۱۵۲ ۱۵۳ ۱۵۴ ۱۵۵ ۱۵۶ ۱۵۷ ۱۵۸ ۱۵۹ ۱۶۰ ۱۶۱ ۱۶۲ ۱۶۳ ۱۶۴ ۱۶۵ ۱۶۶ ۱۶۷ ۱۶۸ ۱۶۹ ۱۷۰ ۱۷۱ ۱۷۲ ۱۷۳ ۱۷۴ ۱۷۵ ۱۷۶ ۱۷۷ ۱۷۸ ۱۷۹ ۱۸۰ ۱۸۱ ۱۸۲ ۱۸۳ ۱۸۴ ۱۸۵ ۱۸۶ ۱۸۷ ۱۸۸ ۱۸۹ ۱۹۰ ۱۹۱ ۱۹۲ ۱۹۳ ۱۹۴ ۱۹۵ ۱۹۶ ۱۹۷ ۱۹۸ ۱۹۹ ۲۰۰ ۲۰۱ ۲۰۲ ۲۰۳ ۲۰۴ ۲۰۵ ۲۰۶ ۲۰۷ ۲۰۸ ۲۰۹ ۲۱۰ ۲۱۱ ۲۱۲ ۲۱۳ ۲۱۴ ۲۱۵ ۲۱۶ ۲۱۷ ۲۱۸ ۲۱۹ ۲۲۰ ۲۲۱ ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰

ایک دور یورپ کے بیگانہ مستشرق کی بہ نسبت جس کا علم عرب اور اسلام کے متعلق صرف چند کتابوں سے مستعار ہے، خود ایک عرب عیسائی اہل قلم کو فیصلہ کا زیادہ حق حاصل ہے، بیروت کے مسیحی اخبار الوطن نے ۱۹۱۱ء میں لاکھوں عرب عیسائیوں کے سامنے یہ سوال پیش کیا تھا کہ دنیا کا سب سے بڑا انسان کون ہے؟ اس کے جواب میں ایک عیسائی عالم (دور مجاہد) نے لکھا، "دنیا کا سب سے بڑا انسان وہ ہے جس نے دس برس کے مختصر زمانہ میں ایک نئے مذہب، ایک نئے فلسفہ، ایک نئی شریعت اور ایک نئے تمدن کی بنیاد رکھی، جنگ کا قانون بدل دیا، اور ایک نئی قوم پیدا اور ایک نئی طویل العمر سلطنت قائم کر دی، لیکن ان تمام کارناموں کے باوجود وہ اُمّی اور ناخواندہ تھا، وہ کون؟ محمد بن عبد اللہ قریشی، عرب اور اسلام کا پیغمبر، اس پیغمبر نے اپنی عظیم الشان تحریک کی ہر ضرورت کو خود ہی پورا کر دیا، اور اپنی قوم اور اپنے پیروؤں کے لئے اور اس سلطنت کے لئے جس کو اُس نے قائم کیا، ترقی اور دوام کے اسباب بھی خود تمہیں کر دیئے، اس طرح کہ قرآن اور احادیث کے اندر وہ تمام ہدایات موجود ہیں جن کی ضرورت ایک مسلمان کو اُس کے دینی یا دنیاوی معاملات میں پیش آسکتی ہے، حج کا ایک سالانہ اجتماع فرض قرار دیا، تاکہ اقوام انسانی میں اہل استطاعت ایک مرکز پر جمع ہو کر، اپنے دینی و قومی معاملات میں باہم مشورے کر سکیں، اپنی امت پر زکوٰۃ فرض کر کے قوم کے غریب طبقہ کی حاجت پوری کی، قرآن کی زبان کو دنیا کی دینی اور عالمگیر زبان بنا دیا، کہ وہ مسلمان اقوام کے باہمی تعارف کا ذریعہ بن جائے، قوم کے ہر فرد کو ترقی کا موقع اس طرح عنایت کیا کہ یہ کہہ دیا کہ ایک مسلمان کو کسی دوسرے مسلمان پر صرف تقویٰ کی بزرگی حاصل ہے، اس بنا پر اسلام

۱۰ دینہ منورہ میں آپ دس برس زندہ رہے تھے،

ایک حقیقی جمہوریت بن گیا، جس کا رٹس قوم کی پسند سے منتخب ہوتا ہے، مسلمانوں نے ایک مدت تک اس اصول پر عمل کیا، یہ کہہ کر کہ عرب کو عجم پر اور عجم کو عرب پر کوئی فوقیت نہیں، اسلام میں داخل ہونا ہر شخص کے لئے آسان کر دیا، ان مسلمانوں کے لئے اسلامی ملکوں میں عیش و آرام اور امن و اطمینان سے سکونت کی ذمہ داری یہ کہہ کر اپنے اوپر لے لی کہ تمام مخلوق خدا کی اولاد ہے، تو خدا کا سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کی اولاد کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچائے، خاندانی اور ازدواجی اصلاحات بھی اس کی نظر سے پوشیدہ نہ رہیں، اُس نے نکاح و وراثت کے احکام مقرر کئے، عورت کا تہہ بند کیا، نزاعات اور مقدمات کے فیصلے کے قوانین بنائے، بیت المال کا نظام قائم کر کے قومی کو بیکار نہ ہونے دیا، علم کی اشاعت اور تعلیم اس کی کوششوں کا بڑا حصہ رہی، اُس نے حکمت کو ایک مومن کا گمشدہ مال قرار دیا، اسی سبب مسلمانوں نے اپنی ترقی کے زمانہ میں سرور وازہ سے علم حاصل کیا، کیا ان کا زامون کا انسان دنیا کی سب سے بڑی ہستی قرار نہ پائے گا؟

انگلستان کے مشہور دانشور ہارڈنگ نے اپنے تیسرے زائندہ ہیر وورث میں لاکھوں نمبروں اور مذہب کے بانیوں میں صرف محمد عربی (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) ہی کے وجود گرامی کو اس قابل سمجھا کہ آپ کو نبوت کا ہیر و قرار دے، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مضمون نگار محمد آپ کی نسبت کہتا ہے، "قرآن سے اس شخص کے روحانی ارتقاء کا پتہ چلتا ہے، جو تمام نبیوں اور مذہبی لوگوں میں سب سے زیادہ کامیاب رہا،"

الغرض دوست و دشمن سب کو اس کا اعتراف ہے کہ انبیاء میں یہی برگزیدہ ہستی ہے، جس نے

کم سے کم مدت میں اپنی بشت اور رسالت کے زیادہ سے زیادہ فرائض ادا کئے، اور اصلاحات انسانی کا کوئی گوشہ ایسا نہ چھوڑا، جس کی تکمیل اس کی تعلیم اور عمل سے نہ ہو گئی ہو، اور یہ اس لئے کہ تمام انبیاء میں خاتم نبوت، کمال دین، اور آخری معلم کی حیثیت آپ ہی کو عطا ہوئی تھی، اگر انسان کی عملی و اخلاقی و دینی ضرورتوں کا کوئی گوشہ آپ کے فیض سے محروم رہ کر تکمیل کا محتاج ہوتا تو آپ کے بعد بھی کسی آنے والے کی حاجت باقی رہ جاتی، حالانکہ آپ نے فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، میں نبوت کی عمارت کی آخری اینٹ ہوں،

آپ کی تعلیمات کی یہی ہمہ گیری ہے، جس پر کوتاہ بینیوں کو آج نہیں بلکہ خود صحابہ کے عہد میں بھی تعجب ہوتا تھا، بعض مشرکوں نے حضرت سلمان فارسیؓ سے مذاقاً کہا کہ تمہارے پیغمبر تم کو ہر چیز کی تعلیم دیتے ہیں، یہاں تک کہ اس کی بھی کہ تم کو قضاے حاجت کیوں کر کرنی چاہئے، حضرت سلمان نے کہا ہاں یہ سچ ہے، آپ نے ہم کو یہ حکم دیا ہے کہ ہم ایسی حالت میں قبلہ رخ نہ بیٹھیں، نہ اپنے داہنے سے طہارت کریں، اور نہ تین ڈھیون سے کم استعمال کریں جن میں کوئی ہڈی اور گوہر نہ ہو، نبوت محمدیؐ کی تعلیمات کی یہ ہمہ گیری ہی اسکی تکمیل کی دلیل ہے، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پست سے پست اور غیر متمدن سے غیر متمدن اقوام سے لے کر بلند سے بلند اور متمدن سے متمدن قوموں تک کے لئے یکساں تعلیمات اور ہدایات رکھتی ہے، عرب کے بدویوں اور قریش کے رئیسوں دونوں کے لئے آپ کی بشت تھی، اس لئے آپ کی تعلیمات میں پست کو بلند، اور بلند کو بلند تر بنانے کی ہر اہم ہدایت میں آج یہی چیز ہے کہ افریقہ کے وحشیوں میں اسلام اپنی تعلیمات کے ساتھ ٹھنا جاتا ہے،

۱۵۔ صحیح بخاری جلد اول باب خاتم النبیین و جامع ترمذی کتاب الاشارة، ۱۶۔ جامع ترمذی ابن ماجہ کتاب الطہارۃ

ان کو تمدن اور مذہب بنانے کے لئے مذہب سے باہری تعلیم کی اس کو ضرورت پیش نہیں آتی ہے لیکن عیسوی مذہب کو چند اخلاقیات کو چھوڑ کر کہ جن کا ماخذ انجیل ہے، عقائد پارہ یون کی کونسلوں سے دعائیں اور عبادات کلیساؤں کے حکمرانوں سے، اور مذہب و تمدن کی تعلیمات یورپ کے بڑے یون اور ملحدوں سے حاصل کرنی پڑتی ہیں، لیکن اسلام میں محمد رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کچھ عقائد ہوں کہ عبادات اور دعائیں، اخلاق ہوں کہ آداب تمدن، خانگی معاملات ہوں، یا بین کے کاروبار انسانوں کے ساتھ معاملہ ہو یا خدا کے ساتھ، سب کا ماخذ محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات ہیں،

آپ کی ان ہمہ گیر تعلیمات کی کتاب جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر جاوی ہے، پارہ ہوا پر منقسم ہے اور ان ہی کے مجموعہ کا نام اسلام ہے،

آپ نے بتایا ہے کہ ہر انسان کا تعلق تو اپنے خالق کے ساتھ ہے اور دوسرا اپنے خالق کی دوسری مخلوقات کے ساتھ اسی مفہوم کو دوسری عبادت میں یوں کہو کہ اس کا ایک تعلق اپنے آقا اور مالک کے ساتھ ہے اور دوسرا اپنے آقا اور مالک کے غلاموں کیساتھ، یا یوں کہو کہ اس کا ایک تعلق تو آسمان کی طرف ہے، اور دوسرا زمین کی سمت، اس کو ایک لگاؤ تو عالم غیب ہے اور دوسرا عالم شہود سے، پہلے کیساتھ اس کا تعلق ایک مہربان آقا اور فرما بڑا غلام کا ہے اور دوسروں کے ساتھ اس کا تعلق برادری اور بھائی چارے کا ہے، خالق اور مخلوق یا خدا اور بندہ کے درمیان جو تعلق اور رابطہ ہے، اس کا تعلق اگر صرف ہمارے ذہنی قومی اور قلبی حالات سے ہے، تو اس کا نام عقیدہ ہے اور اگر ان قلبی حالات کے ساتھ ہمارے جسم و جان اور مال و جانما و سے بھی ہے تو اس کا

نام عبادت ہے، باہم انسانوں انسانوں میں، یا انسانوں اور دوسری مخلوقات میں جو علاقہ اور
 اس کی حیثیت سے جو احکام ہم پر عائد ہیں اگر ان کی حیثیت محض قانون کی ہے، تو اس کا نام معاملات
 اور ان کی حیثیت قانون کی نہیں بلکہ روحانی نصیحتوں اور برادرانہ ہدایتوں کی ہے تو اس کا نام اخلاق
 قرآن پاک کی اصطلاح میں پہلے تعلقات کی مضبوطی اور استحکام کا نام ایمان ہی، اور دوسرے
 تیسرے اور چوتھے کی بجائے اوری کا نام عمل صالح ہے، اور ان ہی دونوں کے مجموعہ پر کامل نجات
 کا انحصار ہی عمل صالح کی تین قسمیں ہیں، خدا نے سامنے اپنی عبودیت کا اظہار اور اس کے احکام
 کی تعمیل، بندوں کے ساتھ کاروبار اور معاملہ میں قانون الہی کی پابندی، اور ان کے ساتھ
 الفت اور نیکی اور بھلائی کا برتاؤ، اور کو اس لحاظ سے کہ ان میں سے ہر ایک عمل کو جس میں خدا کی
 خوشنودی اور رضامندی مقصود ہو، اسلام عبادت کہتا ہے لیکن اصطلاح میں پہلے کا نام
 عبادات، دوسرے کا نام معاملات اور تیسرے کا نام اخلاق ہے الغرض محمد رسول اللہ ﷺ
 جو عالمگیر شریعت اور دائمی ہدایت لیکر آئے، وہ ان ہی چاروں عنوانات کا مجموعہ ہی یعنی عقائد عبادات
 معاملات اور اخلاق، ان ہی کی اصلاح تعلیم اور تکمیل کے لئے آپ کی بعثت ہوئی، اور یہی آپ کے
 پیغمبرانہ فرائض کے اصلی کارنامے ہیں،

عقائد

عقائد کی حقیقت اور اہمیت | انسان کے تمام افعال، اعمال اور حرکات کا محور اس کے خیالات ہیں، یہی اس کو بناتے اور بگاڑتے ہیں، یہ عام خیالات درحقیقت اس کے چند نچنے، غیر متزلزل اور غیر مشکوک اصولی خیالات پر مبنی ہوتے ہیں، ان ہی اصولی خیالات کو عقائد کہتے ہیں یہی وہ نقطہ ہے جس سے انسانی عمل کا ہر خط نکلتا ہے، اور اس کے دائرہ حیات کا ہر خط اسی پر جا کر ختم ہوتا ہے، ہمارے تمام افعال اور حرکات ہمارے ارادہ کے تابع ہیں، ہمارے ارادہ کا محرک، ہمارے خیالات اور جذبات ہیں، اور ہمارے خیالات اور جذبات پر ہمارے اندرونی عقائد حکومت کرتے ہیں، عام بول چال میں ان ہی چیزوں کی تعبیر 'مردم دل' کے لفظ سے کرتے ہیں، اسلام کے معلم نے بتایا کہ انسان کے تمام اعضاء میں اس کا دل ہی نیکی اور بدی کا گھر ہے، فرمایا،

| | |
|---|--------------------------------|
| انسان کے بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے | الاوتان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت |
| جو اگر درست ہے تو تمام بدن درست ہے | صلو الجسد کلہ واذا فسدت فسد |
| اگر وہ بگڑ گیا، تو تمام بدن بگڑ گیا، ہاں! | الجسد کلہ الا وہی القلب، |

(صحیح بخاری کتاب الایمان) مگر اول ہے

قرآن پاک نے دل (قلب) کی تین کیفیتیں بیان کی ہیں، سب سے پہلے قلب سلیماً و مستقلاً

دل) جو ہر گناہ سے پاک رہ کر بطبع نجات اور سلامت روی کے راستہ پر چلتا ہے، دوسرا اس
 مقابل قَلْبٌ اَيْتِيْمٌ (گنہگار دل) یہ وہ ہے جو گناہوں کی راہ اختیار کرتا ہے اور قَلْبٌ شَنِيبٌ
 (رجوع ہونے والا دل) یہ وہ ہے جو گنہگار بھی بھٹکتا اور بے راہ بھی ہوتا ہے تو فوراً نیکی اور حق کی طرف
 رجوع ہو جاتا ہے، غرض یہ سب نیزگیمان اسی ایک بے رنگ ہستی کی ہیں جس کا نام دل ہے جو ہمارے
 اعمال کا ہر محرک، ہمارے اسی دل کا ارادہ اور نیت ہے، اسی بھاپ کی طاقت سے اس مشین
 کا ہر میزہ چلتا اور حرکت کرتا ہے، اسی لئے آپ نے فرمایا:-

رَأَيْتُمُ الْعَمَالَ بِالنِّيَّاتِ (صحیح بخاری آغاز کتاب) تمام کاموں کا ماد نیت پر ہے،

اسی مطلب کو دوسرے الفاظ میں آپ نے یوں ادا فرمایا،

انصلا امرئ ما نوى فمن كانت

ہر شخص کے کام کا ثمرہ وہی ہے جس کی وہ نیت

ہجرتہ الی دینا یصیبھا اولی

کرے، تو جس کی ہجرت کی غرض دنیا کا حصول

امرؤ ینکحھا فہجرتہ الی ما

یا کسی عورت سے نکاح کرنا ہے، تو اسکی

ہاجرالیہ،

ہجرت اسی کے لئے ہے جس کے لئے اس نے

(صحیح بخاری آغاز کتاب) ہجرت کی (یعنی اس سے اس کو ثواب حاصل نہ ہوگا)

آج کل علم نفسیات نے بھی اس مسئلہ کو بہ اہمیت ثابت کر دیا ہے کہ انسان کی عملی اصلاح
 کے لئے اس کی قلبی اور دماغی اصلاح مقدم ہے اور انسان کے دل اور ارادہ پر اگر کوئی چیز حکمران ہے
 تو وہ اس کا عقیدہ ہی، اب صحیح اور صالح عمل کے لئے ضروری یہ ہے کہ چند صحیح اصول و مقدمات

لے قرآن پاک کی آیت میں یہ ہُوَ قَائِمٌ اِثْمُ قَلْبِهِ (بقرہ - ۳۹)

کا ہم اس طرح تصور کریں کہ وہ دل کا غیر مشکوک یقین اور غیر متزلزل عقیدہ بن جائیں، اور اسی صحیح یقین اور مستحکم عقیدہ کے تحت میں ہم اپنے تمام کام انجام دین،

جس طرح اقلیدس کی کوئی شکل چند اصولِ موضوعہ اور اصولِ متعارفہ کے مانے بغیر نہ بن سکتی، نہ ثابت ہو سکتی ہے، اسی طرح انسان کا کوئی عمل صحیح و درست نہیں ہو سکتا، جب تک اس کے لئے بھی چند مبادی اور چند اصولِ موضوعہ ہم پہلے تسلیم نہ کریں،

بظاہر عقل ہمارے ہر کام کے لئے ہم کو رہنما نظر آتی ہے، لیکن غور سے دیکھو کہ ہماری عقل بھی آزاد نہیں، وہ ہمارے دلی یقین، ذہنی رجحانات اور اندرونی جذبات کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے، اس لئے اس پابزنجیر عقل کے ذریعہ ہم اپنے دلی خیالات، ذہنی رجحانات، اور اندرونی جذبات پر قابو نہیں پاسکتے، اگر پاسکتے ہیں تو اپنے صحیح دلی یقینات اور چند مضبوط دماغی و ذہنی تصورات کے ذریعہ، یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے ایمان کا ذکر ہمیشہ عملِ صراح کے ذکر سے پہلے لازمی طور سے

کیا ہے، اور ایمان کے بغیر کسی عمل کو قبول کے قابل نہیں سمجھا ہے کہ ایمان کے عدم سے، دل کے ارادہ اور خصوصاً اس مخلصانہ ارادہ کا بھی عدم ہو جاتا ہے، جس پر حسنِ عمل کا دار و مدار ہے۔

ابنِ جعدان ایک قریشی تھا جس نے جاہلیت میں بہت سے نیکی کے کام کئے تھے، مگر باانہیمہ مشرک تھا، اس کی نسبت آنحضرت ﷺ سے حضرت عائشہؓ نے ایک دفعہ دریافت کیا کہ یا رسول اللہ!

عبداللہ بن جعدان نے جاہلیت میں جو نیکی کے کام کئے، کیا ان کا ثواب اسکو ملے گا؟ فرمایا نہیں، اے رسول اللہ! کیونکہ کسی دن اس نے یہ نہیں کہا کہ بارہا! میرے گناہوں کو قیامت میں بخند لئے!

اصحناف ابن ابی شیبہ غزوات نسخہ قلمی دارالکتب، ابن جنبل جلد ۷ صفحہ ۱۱۴۹ مصرعہ

بدر کی لڑائی کے موقع پر ایک مشرک نے جس کی بہادری کی دھوم تھی حاضر ہو کر کہا کہ
 اے محمد! میں بھی تمہاری طرف سے لڑنے کے لئے چلنا چاہتا ہوں کہ مجھے بھی غنیمت کا کچھ مال ہاتھ آئے
 فرمایا گیا تم اللہ عزوجل اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو، اس نے جواب دیا نہیں، فرمایا پس
 جاؤ کہ میں اہل شرک سے مدد کا خواستگار نہیں، دوسری دفعہ وہ پھر آیا، اور وہی پہلی درخواست پیش
 کی، مسلمانوں کو اس کی شجاعت و بہادری کی وجہ سے اس کی درخواست سے بڑی خوشی ہوئی،
 اور وہ دل سے چاہتے تھے کہ وہ ان کی فوج میں شریک ہو جائے، لیکن آنحضرت ﷺ
 نے اس سے پھر وہی سوال کیا کہ کیا تم کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان ہے؟ اس نے
 پھر نفی میں جواب دیا، آنحضرت ﷺ نے پھر وہی فرمایا کہ میں کسی مشرک سے مدد نہ لوں گا،
 غالباً مسلمانوں کی تعداد کی کمی، اور اس کی بہادری کے باوجود اس سے آپ کی بے نیازی کی
 کیفیت نے اس کے دل پر اثر کیا، تیسری دفعہ جب اس نے اپنی درخواست پیش کی، اور آپ نے وقت
 فرمایا کہ تم کو خدا اور رسول پر ایمان ہے، تو اس نے اثبات میں جواب دیا، اور نور اسلام سے منور ہو کر
 لڑائی کی صف میں داخل ہوا،

قرآن پاک نے ان لوگوں کے کاموں کی مثال جو ایمان سے محروم ہیں، اس راگھ سے دی
 ، جس کو ہوا کے جھونکے اڑا اڑا کر فنا کر دیتے ہیں، اور ان کا کوئی وجود نہیں رہتا، اسی طرح اس شخص کے
 کام بھی جو ایمان سے محروم ہی ہے بنیاد اور بے اصل ہیں،

مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَابْرَأْتِهِمْ أَعْمَالُهُمْ
 جنھوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا، ان کے

کاموں کی مثال راکھ کی ہے، جس پر اندھی
وائے دن زور سے ہوا چلی، وہ اپنے کاموں
سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکے یہی سب
بڑی گمراہی ہے،

كِرْمَادِنَا شَدَّتْ بِرِالْتَّحْرِ فِي يَوْمِهِ
عَاصِفٌ لَا يَقْدِرُونَ مَتَا كَسَبُوا
عَلَى شَيْءٍ مَا ذَالِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْبَعِيدُ
(ابراہیم - ۳)

سورہ نور میں ایمان کی دولت سے محروم لوگوں کے اعمال کی مثال سراب کی ہے

کہ اس کے وجود کی حقیقت فریب نظر سے زیادہ نہیں!

اور جنہوں نے خدا کا انکار کیا، ان کے کام
اس سراب کی طرح ہیں جو میدان میں ہو
جس کو پیاسا پانی سمجھتا ہے، یہاں تک کہ جب
اس کے پاس پہنچے، تو وہاں کسی چیز کا وجود

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالَهُمْ كَسَرَابٍ
بَقِيَعَةٍ يَمَسُّهُ الْظَّمَانُ مَاءً ط حَتَّىٰ
إِذَا جَاءَهُمْ كَرِهَتْ شَيْئًا،
(نور - ۵)

اس کی نظر آتی ہے

اس کی ایک اور مثال ایسی سخت تاریکی سے دی گئی ہے جس میں ہاتھ کو ہاتھ سوجھائی

نہیں دیتا، اور جس میں ہوش و حواس اور اعضاء کی سلامتی کے باوجود ان سے فائدہ اٹھانا ناممکن

یا ان کے کاموں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی گرو
سمندر میں سخت اندھیرا ہو اس کے اوپر موج اور
موج پر پھر موج ہو اور اس کے اوپر بادل گھرا
ہو اندھیرے میں ایک کے اوپر ایک آسمان ہاتھ
نہانے تو وہ بھی سوجھائی نہ دے جس کو خدا

أَوْ كَظُلُمٍ فِي بَعْضِ الْمَوَاجِ مِنْ
فَوْقِهِ مَوْجٌ مِنْ فَوْقِهِ سَحَابٌ ط ظَلَمَتْ بَعْضُهَا
فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا حَرَّ يَدَاكَ لَمْ تَكُنْ تَرَاهَا
وَمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ
نُورٍ ط،
(نور - ۵)

نور نہ دیا اس کے نور نہیں

الغرض ایمان کے بغیر عمل کی بنیاد کسی بلند اور صحیح تخیل پر قائم نہیں ہو سکتی، اسی لئے یہاں بتایا
 اور خود غرضی کے کاموں کو کوئی عزت نہیں دیا جاسکتی، وہ کام جو گوبنڈا ہرنیک ہوں لیکن نیکی
 کرنے والے کا ان سے اصلی مقصد نام و نمود پیدا کرنا ہوتا ہے، تو اخلاقی نقطہ نظر سے، تمام دنیا
 ان کو بے وقعت اور بے سمجھتی ہے، اس بنا پر آنحضرت ﷺ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے
 مسلمانوں کو متنبہ کیا، اور فرمایا،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صِدْقَكُمْ
 بِاللَّحْنِ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُبْفِقُ مَالَهُ
 رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
 الْآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ
 تَرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَاتْرَسَ أَهْلًا
 صَلَّى لَا يَفْقَهُ رُؤْيَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ
 مِّمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
 الْكَافِرِينَ

اے ایمان والو! اپنی خیراتوں کو احسان رکھ کر
 اور لٹنے دیکر اس طرح نہ برباد کرو جس طرح وہ
 برباد کرتا ہے جو لوگوں کے دکھانے کے لئے پناہ
 خرچ کرتا ہے اور خدا پر (جو نیکیوں کی جزا دیتا ہے)
 اور قیامت پر (جس میں نیکیوں کی جزا ملے گی)
 یقین نہیں کرتا، پس اس کی خیرات کی مثال
 اس چٹان جیسی ہے جس پر کچھ مٹی پڑی ہو، وہ
 اس پر پانی برسا، اور مٹی دھل کر پتھر رہ گیا، جس
 جو کچھ بویا جائے گا وہ اگے گا نہیں، اور خدا

ہم کو نوروں کو ہدایت نہیں کرتا

(بقرہ ۲۶-۲۷)

غرض ایمان ہمارے تمام اعمال کی اساس ہے جس کے بغیر عمل بے بنیاد ہے، وہ ہمارے
 سیرابی کا اصلی حشر ہے جس کے فقدان سے ہمارے کاموں کی حقیقت سراب سے زیادہ نہیں
 رہتی، کیونکہ وہ دیکھنے میں تو کام معلوم ہوتے ہیں، مگر روحانی اثر و فائدہ سے خالی اور بے نتیجہ

ہوتے ہیں، خدا کے وجود کا اقرار اور اس کی رضا مندی کا حصول ہمارے اعمال کی غرض و غایت ہے۔
یہ نہ ہو تو ہمارے تمام کام بے نظام اور بے مقصد ہو کر رہ جائیں، وہ ہمارے دل کا نور ہے، وہ
نہ ہو تو پوری زندگی تیرہ و تار یک نظر آئے، اور ہمارے تمام کاموں کی بنیاد ریا، نمائش، جاہ پسندی
خود غرضی اور شہرت طلبی وغیرہ کے دلی جذبات اور پست محرکات کے سوا کچھ اور نہ رہ جائے،
تورات میں بعض عقیدوں کا ذکر ہے، مگر ایمان کی حقیقت اور اسکی اہمیت کی تعلیم سے وہ خالی
ہو چکے ہیں ایمان کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے، مگر اخلاق کی سچائی، اعمال کی راستی اور دل
کے اخلاص کے لئے نہیں، بلکہ معجزوں اور کرامتوں کے ظاہر کرنے کے لئے اور خوارقِ عادت پر قدرت
اور اختیار پانے کے لئے، اس کے برخلاف فلسفہ یونان کے بہت سے پیروؤں اور ہندوستان کے
بہت سے مذہبوں نے محض ذہنی جولانی، مراقبہ، تصور، دھیان اور علم کو انسان کی نجات کا ذریعہ
قرار دیا، اور اخلاق و عمل سے کوئی تعرض نہیں کیا، عیسائیوں، زردشتیوں اور یہمنوں نے عقائد کو
یہ دست دمی، اور ان کی ایسی تفصیل کی کہ وہ سرتاپا خیالی فلسفہ بن گئے، جس سے تصویریت عملیت پر
غالب آگئی، اور انسان کے قوائے عملی سرد ہو گئے،

محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم نے علم و عمل، تصور اور فعل، عقلیت اور عملیت میں لزوم
ثابت کیا، مگر اصلی زور انسان کی عملیت پر صرف کیا، اور عقائد کے اتنے ہی حصہ کا یقین و اقرار ضروری
قرار دیا جو دل کی اصلاح کرے، اور عمل کی بنیاد، اخلاق و عبادات کی اساس قرار پاسکے عقائد کے فلسفہ
ابھارو، اور تصورات و نظریات کی تشریح و تفصیل کر کے عملیت کو برباد نہیں کیا، چند سیدھے سادے

اصول جو تمام ذہنی سچائیوں اور واقعی حقیقتوں کا جوہر اور خلاصہ ہیں، ان کا نام عقیدہ ہے، اور ان پر یقین کرنے کا نام ایمان رکھا، آپ نے صریح الفاظ میں عقائد کے صرف پانچ اصول یقین کئے، خدا ایمان خدا کے فرشتوں پر ایمان، خدا کے رسولوں پر ایمان، خدا کی کتابوں پر ایمان اور اعمال کی جزا اور سزا کے دن پر ایمان،

یہ تمام وہ حقائق ہیں جن پر دل سے یقین کرنا، اور زبان سے ان کا اقرار کرنا ضروری ہے، ان کے بغیر خالص عمل کا وجود نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ پر ایمان کہ وہ اس دنیا کا تہا خالق اور مالک ہے، ہر ظاہر و باطن سے آگاہ ہے، تاکہ وہی ہمارے کاموں کا قبلہ مقصود قرار پاسکے، اور اسی کی رضا جو اور اسی کی مرضی کی تعمیل ہمارے اعمال کی تہا غرض و غایت ہو، اور ہم جلوت کے سوا خلوت میں بھی گناہوں اور برائیوں سے بچ سکیں، اور ہر نیکی کو اس لئے کریں، اور ہر برائی سے اس لئے بچیں کہ یہی ہمارے خالق کا حکم اور یہی اسکی مرضی ہے، اس طرح ہمارے اعمال ناپاک اغراض سے ناجائز خواہشوں سے مبرا ہو کر خالص ہو سکیں، اور جس طرح ہمارے جسمانی اعضاء گناہوں سے پاک ہوں، ہمارا دل بھی ناپاک خیالات اور ہوا و ہوس کی آمیزش سے پاک ہو اور اس کے احکام اس کے پیغام کی سچائی پر دل سے ایسا یقین ہو کہ ہمارے ناپاک جذبات ہمارے غلط استدلالات سے گمراہ خواہشیں بھی اس یقین میں شک اور تذبذب پیدا نہ کر سکیں،

خدا کے رسولوں پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ خدا کے ان احکام اور ہدایات اور اسکی مرضی کا علم ان ہی کے واسطے سے انسانوں کو پہنچا ہے، اگر ان کی صداقت سچائی اور راستبازی کو کوئی تسلیم کرے، تو پیغام ربانی اور احکام الہی کی صداقت اور سچائی بھی مشکوک مشتبہ ہو جائے، اور انسانوں

کے سامنے یہی نزاہت اور معصومیت کا کوئی نمونہ موجود نہ رہے، جو انسانوں کے قولے عملی کی تحریک کا باعث بن سکے، پھر اچھے اور بُرے، صحیح اور غلط کاموں کے درمیان ہماری عقل کے سوا جو چار جذبات کی محکوم ہے، کوئی اور چیز ہمارے سامنے ہماری رہنمائی کے لئے نہیں ہوگی، خدا کے فرشتوں پر بھی ایمان لانا واجب ہے کہ وہ خدا اور اس کے رسولوں کے درمیان قاصد اور سفیر ہیں، مادیت اور روحانیت کے مابین واسطہ ہیں، مخلوقات کو قانونِ الہی کے مطابق چلاتے ہیں، اور ہمارے اعمال و افعال کے ایک ایک حرم کو ہر دم اور ہر لحظہ کرتے جانتے ہیں تاکہ ہم کو ان کا اچھا یا برا معاوضہ مل سکے،

خدا کے احکام و ہدایات جو رسولوں کے ذریعہ انسانوں کو پہنچائے گئے، ان کو دور دراز ملکوں اور آئندہ نسلوں تک پہنچانے کے لئے ضروری ہوا کہ وہ تحریری شکلوں یعنی کتابوں، صحیفوں میں یا لفظ و آواز سے مرکب ہو کر ہمارے سینوں میں محفوظ رہیں، اس لئے خدا کی کتابوں اور صحیفوں کی صداقت پر اور جو کچھ ان میں ہے، اس کی سچائی پر ایمان لانا ضروری ہے، ورنہ رسولوں کے بعد خدا کے احکام اور ہدایتوں کے جاننے کا ذریعہ مسدود ہو جائے اور ہمارے لئے یہی وہی کی تمیز کا کوئی ایسا معیار باقی نہ رہے جس پر تمام ادنیٰ و اعلیٰ جاہل و عالم، بادشاہ اور رعایا سب متفق ہو سکیں،

اعمال کی باز پرس، اور جوابدہی کا خطرہ نہ ہو، اور اس کے مطابق جزا اور سزا کا خیال نہ ہو تو دنیاوی قوانین کے باوجود نیائے انسانیت سراپا زندگی اور بہتیت بن جائے یہی عقیدہ جو انسان کو جلوت اور خلوت میں اُن کی ذمہ داری محسوس کرتا ہے، اس لئے روز جزا اور

یومِ آخرت پر ایمان رکھے بغیر انسانیت کی صلاح و فلاح ناممکن ہے، اسی لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے اس پر بیحد زور دیا ہے، بلکہ مکی وحی کا بیشتر حصہ اسی کی تلقین اور تبلیغ پر مشتمل ہے، یہی پانچ باتیں اسلام کے ایمانیات کے اصلی عناصر ہیں یعنی اللہ تعالیٰ پر اس کے تمام رسولوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے فرشتوں پر، اور روزِ جزا پر ایمان لانا، یہ عقائد خمسہ کجا طوطا پر سورہ بقرہ میں متعدد دفعہ آئیں مجمل اور کھین مفصل بیان ہوئے ہیں،

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ
 وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ
 أَنْزَلَ إِلَيْكَ وَمَا نُزِّلَ مِنْ قَبْلِكَ
 (بقرہ - ۱)

جو لوگ غیب (خدا، خدا کی صفات اور ملائکہ) پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ تم پر (اسے محمد) اترا اور تم سے پہلے (پیغمبروں پر) اترا اس پر یقین رکھتے ہیں (یعنی انبیاء اور ان کی کتابوں پر)

وَالْآخِرَةَ هُمْ لَوْ قَتَلُوا (بقرہ - ۱)

یہ تو سورہ کے آغاز کی آیتیں ہیں، سورہ کے بیچ میں پھر ارشاد ہوا،
 وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
 الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَ
 النَّبِيِّينَ، (بقرہ - ۲۲)

اور لیکن نیکی یہ ہے کہ جو شخص خدا پر آخری دن پر، فرشتوں پر، اور کتاب پر اور سب نبیوں پر ایمان لائے،

سورہ کے آخر میں ہے،

أَمَّنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ
 مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ، كُلٌّ

پیغمبر پر جو کچھ اتارا گیا، اس پر وہ خود اتمام مومن ایمان لائے، سب خدا پر اس کے

امَنَ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَكُتِبَ عَلَيْهِ وَاُتِيَ بِهِ
فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اور اس کے

(بقرہ - ۲۰)

سورہ نسا میں ان ہی عقائد کی تعلیم ہے،

اسے وہ لوگوں جو ایمان لائے ہو، ایمان لاؤ خدا

پر، اور اس کے رسول پر، اور اس کتاب پر

جو اس نے اپنے رسول پر اتاری، اور اس

کتاب پر جو اس سے پہلے اتاری، اور جو

شخص خدا کا، اس کے فرشتوں کا، اس

کی کتابوں کا، اس کے پیغمبروں کا اور رسول

آخرت کا انکار کرے گا وہ سخت گمراہ ہوا،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللّٰهِ وَ

رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ

عَلَيْ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ

مِنْ قَبْلُ دَرَمَنْ يَكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ

مَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ

الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا

(نساء - ۲۰)

اللہ تعالیٰ پر ایمان

اَمِّنَ بِاللّٰهِ

ایک قادر مطلق اور بہت صفت موصوف ہستی پر یقین، اور اس کو ایک جاننا تعلیم محمد کی پہلی ایجد ہے، اسلام سے پہلے جو مذاہب تھے، باوجود اس کے کہ خدا کی توحید اور صفات پر ایمان رکھنا ان کے اصول میں بھی داخل تھا، مگر ان کی تعلیمات میں ترتیب مفقود تھی، اور یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ان کی نگاہ میں توحید کا مسئلہ اہمیت کے کس درجہ پر ہے، آنحضرت ﷺ کی تعلیم نے اس مسئلہ کی اصلی اہمیت محسوس کی، اور اس کو اپنے نصاب درس کا پہلا سبق اور روحانی معارف و حقائق جسمانی اور اعمال و اخلاق کا سر بنیاد قرار دیا، خدا اگر چاہے تو انسان کے تمام گناہوں سے درگزر کر سکتا ہے، مگر اسی ایک حقیقت سے انکار وہ جرم ہے جس کو وہ کبھی معاف نہ فرمایا گیا،

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهٖ یقیناً خدا شرک کو معاف نہ کرے گا،

وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ اس کے سوا جس کے جو گناہ چاہے معاف

کردے،

(نساء - ۱۸)

پھر اس کے ساتھ خالص توحید کا بیان امیاد و عنایت کی تشریح شرک کے پہلو کی نفی،

توحید کے ہر پہلو کی تکمیل، تعلیم محمدی کی امتیازی شان ہے معلوم ہو چکا ہے کہ نبوتِ محمدیہ کی غرض و نیت صرف تخیل، نظریہ آرائی اور الہیاتی فلسفہ نہ تھا، بلکہ ایک زندہ قوم، جدوجہد اور عمل وافی قوم، اخلاص و ایثار اور نیکی و تقویٰ والی قوم کو پیدا کرنا تھا، اور اس کو تمام دنیا کی پیشوائی کے لئے نمونہ عمل بنانا تھا، اس لئے سب سے پہلے اہل عرب کو جو اس کے مخاطبِ اول تھے، رموز و اسرارِ توحید کا اس طرح حال بنانا تھا کہ ان کے رگ و ریشہ میں ولولہ اور جوش کا ایک نشہ پیدا ہو جائے، اس کے لئے ضرورت تھی کہ سب سے پہلے ذہن کو ہموار کیا جائے، شرک کے وہ تمام عقائد جو عربوں میں پھیلے ہوئے تھے، ان کو مٹا دیا جائے، اور جن وجود اور اسبابِ شرک کے یہ عقائد پیدا ہوتے ہیں ان کی بیخ کنی کی جائے۔

اصلاحِ عقائد | معلوم ہو چکا ہے کہ عربین جہالت اور وحشت کی وجہ سے سیکڑوں غلط عقائد اور توہمات پھیل گئے تھے، اور دنیا کے دوسری مذاہب کے عقائد میں بھی بہت سی غلطیاں داخل ہو گئیں، ان میں سب سے زیادہ بدتر، اور تمام برائیوں کا اصلی محور شرک تھا، اس لئے سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اصلاح سے آغاز کیا،

شرک اور بت پرستی کا اصلی ذمہ اسباب و مؤثرات کا وجود ہی، خدا نے عالم میں ایک سلسلہ اسباب قائم کر دیا ہے، اور عالم کے تمام واقعات اسی سلسلہ کی کرپان ہیں، لیکن یہ تمام سلسلہ ایک قاعدہ مطلق کے دستِ قدرت میں ہے، اور اس سلسلہ کی ایک کڑی بھی اس کے اشارہ کے بغیر جنبش نہیں کر سکتی، شرک اس طرح شروع ہوتا ہے کہ پہلے انسان ان اسبابِ عطل میں سے بعض نمایاں اور قوی الاثر اسباب سے متاثر ہوتا ہے، اجرامِ فلکی کی عظمت، آفتاب و ماہتاب کی نورانی ہمدردی کا پرزور ملاحظہ غناصر کی نیزنگ آرائیاں انسان کو مہبت کر دیتی ہیں، وہ ان کی عظمت و تاثیر سے

متاثر پھر منقطع، اور بالآخر ان کا غلام بن جاتا ہے، اعتقاد کے پہلے مرحلہ میں انسان غور و رسی کے دعویٰ سے اس قدر امتیاز اور تفریق کرتا ہے کہ یہ چیزیں خود خدا یا معبود نہیں ہیں، لیکن یہ تمیز آخر تک قائم رہتی رہتی، بلکہ رفتہ رفتہ خوش اعتقادی کا اثر غالب آتا جاتا ہے، اور یہ چیزیں خدا کی شرکائی بنتی جاتی ہیں یہاں تک کہ اصلی سبب لاسباب نظر سے بالکل اوجھل ہو جاتا ہے،

شرک کی جو گونا گوں صورتیں دنیا میں موجود تھیں، اور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا استیصال کیا، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے،

۱۔ دنیا کی مشہور قوموں میں سے عیسائی عیسائی اور مجوسی علاوہ مشرک تھے، یعنی تین اور خدا مانستے تھے، ہندو بھی اسی کے قریب قریب تھے، ان مذہبوں کی ابتدا، اس طرح ہوئی کہ خدا کے جو مختلف نمایاں اور اہم اوصاف ہیں، ان کا مستقل اور مجسم وجود قائم ہو گیا، مثلاً صفت خلق، اور احیاء و اموات، برہائش ہمیش کے نام سے موسوم میں، مجوسیوں نے دیکھا کہ دنیا میں جس قدر اشیاء اور افعال و حرکات ہیں، سب باہم متضاد ہیں، نور و ظلمت، پستی و بلندی، یمن و شمال، نرم و سخت، رات و دن، خیر و شر، علم و غضب، غور و خاکساری، فسق و صلاح، کوئی چیز مقابلہ اور تقاضا سے خالی نہیں آسکتی، ایسے دو متضاد عالم کا خالق ایک نہیں ہو سکتا، اس بنا پر انھوں نے دو خدا تسلیم کئے، اور ان کا نام یزدان اور اہرمین یا نور و ظلمت رکھا،

قرآن مجید میں تمام احکام، نہایت تدریج کے ساتھ نازل ہوئے ہیں، یہاں تک کہ ۱۳ برس کی وسیع مدت تک روزہ، زکوٰۃ اور حج کچھ فرض نہیں ہوا تھا، لیکن شرک کا استیصال کلی نبوت کا پہلا سبب تھا، سورہ زمر مکہ میں نازل ہوئی، اور اسی سورہ میں شرک کی تمام صورتیں مٹا دی گئیں، تمام دیگر سورہوں

تعدد خدا کا
ابطال

میں نہایت کثرت سے اس قسم کے شرک کا ابطال اور روکنا ہی اس لئے اسکی تفصیل کی ضرورت نہیں، جو سیون کے شرک کی بنیاد اس پر تھی کہ افعال خیر و شرک کا ایک خالق نہیں ہو سکتا، ورنہ لازم آئیگا کہ خدا شر کو پیدا کرتا ہے اور بہ ظاہر ہے کہ جو شخص بُرائی کے پیدا ہونے کو جائز رکھتا ہے، وہ خود اچھا نہیں ہو سکتا، اس لئے قرآن مجید میں نہایت کثرت سے تصریحات آئیں کہ جن کو ہم خیر و شر کہتے ہیں سب کا فاعل خدا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت تصریح و تاکید کیا کہ تعلیم کی کہ جو کچھ ہوتا ہے سب خدا کے حکم سے ہوتا ہے، باقی یہ مسئلہ کہ بڑی چیز کا خالق اچھا نہیں ہو سکتا، اولاً تو یہ منوالظہر امین غلطی ہے، ایک صناعت مصوراگر ایک نہایت بد صورت جانور کی تصویر نہایت اچھی کھینچے تو اس کے کمال مصوٰفی میں اس سے کچھ داغ نہیں آئیگا کہ جانور خود برا ہے، دوسرے یہ کہ اسلام نے اس مسئلہ کی جس اصلی گروہ کو کھولا ہے، وہ یہ ہے کہ اشیاء بذاتہ خیر و شر نہیں ہیں، بلکہ وہ اپنے صحیح یا غلط طریقہ استعمال سے خیر یا شر ہو جاتی ہیں، اگر بجائے خود خیر ہے، نہ شر، اگر اس سے اچھا کام لیا جائے تو خیر ہے، اور بُرا لیا جائے تو شر ہے، نہ بُرا، اگر اس کو بیماریوں کے استیصال میں استعمال کیا جائے تو خیر ہے، اور اگر کسی بیگناہ کے قتل میں استعمال کر دو تو شر ہے، اسی طرح دوسری اشیاء کے بھی خیر و شر کے دونوں پہلو ہیں، نہ کوئی شے دنیا میں خیر مطلق ہے، نہ کوئی شر محض، اسی لئے قرآن نے شر کی نسبت خدا کی طرف نہیں کی ہے، بلکہ خود انسان کی طرف کی ہے،

| | |
|--|---|
| آیا اہل زمین کے ساتھ شرک کا ارادہ کیا گیا ہے | اَشْرًا اُرِيدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ |
| یا ان کے پروردگار نے ان کو راہ پر لانا چاہا ہے | اَدَا دَبَّحُوۡدًا يَّهۡوٰۡدُشۡدًا (جن - ا) |
| تھک جو نیکی پہنچی تو وہ خدا کی طرف سے ہے، | مَا اَصَابَتْ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ |

اور جو مصیبت پہنچی وہ خود تیری طرف سے ہے،

وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيْئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ (نساء)

کیا جب تم کو کوئی مصیبت پہنچی جس کی روگنی

أَدَلِمَا أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ

تم ان کو پہنچا چکے ہو، تو تم نے کہا یہ کہاں سے

مَثَلِيهَا قُلْتُمْ إِنَّا هَذَا قُلُ هُوَ مِنْ

آئی، کہہ دے کہ خود تمہاری طرف سے ہے،

عِنْدَ أَنْفُسِكُمْ، إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ

خدا ہر بات پر قدرت رکھتا ہے،

قَدِيرٌ (آل عمران - ۱۷)

الغرض کسی شے کا ایسا پیدا کرنا جس میں خیر و شر کے دونوں پہلو ہیں، شر نہیں ہے، ان

میں اس کے شر کے پہلو کو استعمال کرنا اور کام میں لانا شر ہے، ڈاکٹر بہت سی بیماریوں کے لئے دوائی

دوائی بناتے ہیں، مگر یہ شر نہیں، البتہ جب کوئی شہریان دواؤں سے ان امراض کے ازالہ کے

بجائے کسی کی جان لے لیتا ہے، تو وہ شر ہے، حاصل یہ کہ اس دنیا میں جب خیر و شر اشیاء میں

بداہت نہیں ہے، تو اچھی چیزوں کے لئے الگ اور بری چیزوں کے لئے الگ خالق تسلیم کرنے

کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ خالق ایک ہی ہے، دو نہیں ہیں،

اور خدا نے کہا کہ دو خدا نہ بناؤ وہ ایک ہی خدا ہے

وَقَالَ اللَّهُ لَا تَتَّخِذُوا إِلَٰهَيْنِ إِلَّا هُوَ

تو تجھی سے ڈرو اور اسی کے لئے ہی جو آسمانوں

إِنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَأَيُّهَا قَادِرٌ

میں اور زمین میں ہے،

وَلَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (نحل)

۲۔ شرک کا بہت بڑا ذریعہ کسی خاص شخص، خاص شے کی تعظیم مفرط ہے جس کو شخص پرستی

یا دگوار پرستی سے تعبیر کر سکتے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، راجندر، کرشن کو اسی خوش اعتقاد

نے آدمی سے خدا بنا دیا، اس بنا پر قرآن مجید میں نہایت پر زور اور پر عجب لفظا میں شخص پرستی کی تحقیر لگائی

بزرگوں کی شرکات
تعظیم سے روکنا

يَا هَلْ الْكُتُبِ لَا تَعْلَمُوا فِي دِينِكُمْ
 لَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا
 الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ
 لَنْ يَتَّخِذَ الْكُفَّارُ مِنْكُمْ آلًا يَكُونُوا عِبَادًا
 لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ وَمَنْ
 يَتَّخِذْ مِنْ عِبَادِنَا آلًا
 نَسِيحًا حَرُّهُ هُوَ الْبَئِيسُ جَمِيعًا (نساء-۲۴)
 لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ
 الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ
 مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ
 الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَآمَنَهُ وَمَنْ فِي
 الْأَرْضِ جَمِيعًا وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ
 وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ
 وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (مائدہ-۳)
 وَإِذْ قَالَ اللَّهُ لِعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ
 آءَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَ
 أُمَّي الْهَيْئِ مِنْ دُونِ اللَّهِ قَالَ

(نساء-۲۴)

اے اہل کتاب اپنے دین میں حد سے زیادہ
 نہ بڑھ جاؤ، اور خدا کی نسبت وہی کہو جو حق ہے
 مسیح یعنی عیسیٰ بن مریم صرف خدا کے پیغمبر ہیں
 مسیح کو خدا کا بندہ ہونے سے ہرگز عار نہیں
 نہ مقرب فرشتوں کو (عار ہے) اور جس شخص کو
 خدا کی بندگی سے عار ہوگا، اور بڑائی کی لیسکا
 خدا سب کو عنقریب اپنے حضور میں جائیگا،
 وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ عیسیٰ بن مریم
 خدا ہیں، کہہ دو کہ اگر خدا یہ چاہے کہ مسیح بن مریم
 کو اس کی بان کو اور دنیا میں جو کچھ ہو سب کو برپا
 کر دے تو کون ہے جو خدا کو روکے، اور
 خدا ہی کے لئے آسمان وزمین اور جو چیزیں ان
 دونوں میں ہیں، سب کی حکومت ہے وہ جو چاہے
 کرے، اور خدا ہر چیز پر قادر ہے،
 اور جب خدا کے گا کہ کیوں عیسیٰ تم نے
 لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ خدا کو چھوڑ کر مجھ کو
 میری ماں کو خدا کہو عیسیٰ عرض کریں کہ سبحان اللہ

سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا

لَيْسَ لِي بِحِجِّي إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ

عَلِمْتَهُ ط تَعْلَمُهُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا

أَعْلَمُهُ مَا فِي نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ

الْغُيُوبِ ط مَا قُلْتُ لَهْدًا إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي

بِهِ أَنْ أَعْبُدُ وَاللَّهُ رَبِّي وَرَبُّكَ

میری یہ مجال ہے کہ میں ایسی بات کہوں جس کے

کہنے کا مجھے حق نہیں، اگر میں نے کہا ہوگا تو تو

جانتا ہوگا، تو میرے دل کی بات جانتا ہے اور

میں تیرے دل کی بات نہیں جانتا تو بڑا غیبی

ہی، میں نے لوگوں سے صرف وہی کہا تھا جس کا

حکم تو نے مجھ کو دیا تھا، یعنی یہ کہ خدا کی عبادت

کر دو جو میرا بھی خدا ہے، اور تمہارا بھی

(مائتہ ۵ - ۱۶)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اس کے کہ حامل کون و مکان تھے، لیکن بار بار قرآن مجید میں

تاکید آتی تھی،

کہدے اے پیغمبر کہ میں تو تمہاری ہی طرح

آدمی ہوں لیکن یہ کہ میری طرف وحی بھی جاتی

ہی کہ تمہارا خدا ایک خدا ہے

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ

أَنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ وَوَاحِدٌ

(کہف - ۱۷)

ایک خاص نکتہ غور کے قابل ہے جس قدر طویل القدر انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں، ان کے

خاص خاص لقب ہیں، مثلاً حضرت موسیٰ کلیم اللہ تھے، حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت عیسیٰ

روح اللہ تھے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اس کے کہ اشرف انبیاء تھے، آپ کا کیا لقب

تھا؟ اور کلمہ توحید میں، نمازیں، ورود میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کے ساتھ

کیا امتیازی وصف شامل کیا گیا؟ صرف رسالت اور عبدیت!

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُولُكَ ۝
 میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد خدا کے بند اور رسول ہیں

اس میں بھی عبادت کا وصف رسالت پر تقدم ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ

بعض کفار کے حق میں دعائے بد کی، اس پر یہ آیت اتری،

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاُمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ
 تم کو کچھ اختیار نہیں ہے، خدا چاہے گا، تو ان پر

اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاَنْهَرَ ظَالِمِيْنَ (ال عمران)^{۱۳}
 توبہ کرے گا، یا ان کو عذاب دیگا، کہ وہ ظالم ہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض کفار کی ہدایت پانے اور اسلام قبول کرنے کے نہایت پیشینہ

تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَحْبَبْتَ (قصص)
 تم جس کو چاہتے ہو اس کو ہدایت نہیں کر سکتے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد شبن ابی کے لئے دعائے مغفرت کی اس پر قرآن مجید میں آیا

اَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ
 تم ان کے لئے مغفرت چاہو یا نہ چاہو، اگر تم

اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً
 ان کے لئے ستر دفعہ بھی مغفرت چاہو گے تو

فَلَنْ يَغْفِرَ اللهُ لَهُمْ (توبہ - ۱۰)
 خدا ان کی مغفرت نہ کرے گا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ہر موقع پر اس امر کی تاکید، اور اس کا لحاظ رکھتے تھے کہ لوگ آپ

کی زائد از اعتدال مدح نہ کریں، جو منجر ہو کر شرک تک پہنچ جائے، ابا بار فرماتے تھے،

لا تطروني كما تطروا اليهود
 میری شان میں اس طرح مبالغہ نہ کر جس طرح

۱۵ بخاری غزوہ احد یہ حدیث بخاری کے مختلف ابواب میں مذکور ہے،

۱۶ بخاری کتاب تفسیر، تفسیر سورہ توبہ،

وَالنَّصَارَىٰ

یہود و نصاریٰ نے اپنے پیغمبروں کی شان میں کیا

ایک دفعہ آپ راستہ میں جا رہے تھے، ایک شخص نے دفعہ آپ کو دیکھا اور اس پر اس قدر رعب طاری ہوا کہ کانپنے لگا، آپ نے فرمایا، ڈرو نہیں، میں ایک تریبی خاتون کا بیٹا ہوں جو گوشت کو خشک کر کے کھا کرتی تھی،

بنو عامر کا ایک وفد جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو لوگوں نے عرض کی آپ ہمارے سید (آقا) ہیں، آپ نے فرمایا سید خدا ہے، لوگوں نے عرض کی آپ ہم سے افضل ہیں سب برتر ہیں، آپ نے فرمایا اچھا، یہ کہو لیکن دیکھو کہین تم کو شیطان اپنا کویل نہ بنائے، صلی الفاظ یہ ہیں

قُولُوا بِقَوْلِكُمْ وَلَا يَسْتَجِيبُ لَكُمْ الشَّيْطَانُ

ایک دفعہ ایک شخص نے ان الفاظ میں آپ کو مخاطب کیا اے ہمارے آقا! اور ہمارے آقا کے فرزند! اور اے ہم میں سے بہتر اور سب سے بہتر کے فرزند! آپ نے فرمایا، لوگو! پرہیزگاری اختیار کرو، شیطان تمہیں گرانہ دے، میں عبد اللہ کا بیٹا محمد ہوں، خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں مجھ کو خدا نے جو مرتبہ بخشا ہے، مجھے پسند نہیں کہ تم مجھے اس سے زیادہ بڑھاؤ،

غور کرو کہ رسول کی شان میں یہ الفاظ ناجائز نہیں، مگر توحید کو شرک کے مرثبانہ سے بچانے کا خیال ہر خیال پر غالب تھا،

۳۔ شرک کا اصلی ضرر یہ ہے کہ خدا سے انسان کو جس درجہ کا تعلق جس قسم کا عجز و نیاز میں

۱۵ بخاری جلد اول کتاب لائبریاک اذکر فی الکتاب مریم ۱۵ شمائل ترمذی و مستدرک جلد ۳ صفحہ ۴۴ علی شرط شیخین و اقوال کلمہ

۱۵ او اب المفرد امام بخاری باب یقول سیدی داوود اذکر کتاب لاوب اکر اہمہ التماوح ۱۵ مسند ابن جنبل جلد ۳

درمیان فی واسطوں
کا مشرکانہ عقائد

کی محبت جس درجہ التجا و درکار ہے، اس کا رخ دوسری جانب بدل جاتا ہے، ہزاروں لاکھوں آدمی
 ہیں جو اچھی طرح جانتے ہیں کہ دیوتا کائنات اور زمین و آسمان کے خالق نہیں ہیں، تاہم وہ ہر
 قسم کی حاجتیں اور عراوین ان ہی دیوتاؤں اور معبودوں سے مانگتے ہیں، انہی کو حاجت روا جانتے
 ہیں، اٹھتے بیٹھتے ان ہی کا نام لیتے ہیں، ان ہی پر نذر و نیا بڑ چڑھاتے ہیں، غرض براہ راست ان کو جو تعلق
 ہوتا ہے، ان ہی معبودوں سے ہوتا ہے، خود مسلمانوں میں ہزاروں لاکھوں آدمیوں کا طرز عمل
 انبیاء و صلحاء، بلکہ مزارات کی نسبت اس کے قریب قریب ہی، اس بنا پر مقدم ترین امر یہ ہے کہ معبودوں
 کی نسبت اس قسم کا خیال نہ پیدا ہونے پائے، بلکہ صاف صاف بتا دیا جائے کہ خدا کے آگے کسی کی
 کچھ نہیں چل سکتی، اور اس کی مرضی میں کوئی دست اندازی نہیں کر سکتا، حضرت ابراہیم علیہ السلام
 نے اپنے باپ سے طلب مغفرت کا وعدہ کیا، تو ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا،

لَا سْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَا أَمَلْتُ لَكَ
 مِنْ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ، (ممتحنہ - ۱)

میں آپ کے لئے مغفرت کی درخواست ضرور
 کروں گا، لیکن مجھ کو خدا کے سامنے آپ کی

نسبت کوئی اختیار نہیں،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنی والدہ کے لئے استغفار کی اجازت
 مانگی تھی، وہ نہیں ملی، البتہ یہ درخواست قبول ہوئی کہ میں ان کی قبر کی زیارت کروں،
 قرآن مجید میں جب یہ آیت اتری وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ تو آپ نے خانہ ان
 کے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا "اے قریشیو! اے اولادِ عبدالمطلب! اے عباس! اے صفیہ!

۱۔ صحیح مسلم کتاب الجنائز،

اے فاطمہ! میرے مال میں سے جو مانگو میں دے سکتا ہوں، لیکن خدا کے ہاں میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا،"

قرآن مجید میں نہایت کثرت اور نہایت تشدد کے ساتھ اس مضمون کو ادا کیا گیا کہ تم لوگ جن کو حاجت روا سمجھتے ہو اور جن سے حاجتیں مانگتے ہو، ان کو کارخانہ ہستی میں کسی قسم کا اختیار نہیں،

قُلْ اِدْعُوا الَّذِيْنَ بَيْنَ رَعْمَتِيْ مِنْ دُوْنِيْ ۚ

کہہ دو کہ خدا کے علاوہ تم جن کو پکارتے ہو،

فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفِ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَّ

وہ تمہاری مصیبت کے ہٹانے یا بدلنے کا

لَا تَخْوِيْلًا اَوْ لِيْلِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ

کچھ اختیار نہیں رکھتے، جن کو یہ لوگ پکارتے

يَسْتَعُوْنَ اِلَى رَبِّهِمْ اَلْوَسِيْلَةَ اِيْتَهُمْ

ہیں، وہ (بھی) زیادہ قرب حاصل کرنے

اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُوْنَ

کے لئے خود خدا ہی کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں

عَنْ اَسْبَاطِ اِيْتٍ عَنْ اَبِ رَيْبِكٍ كَانَ

اور اس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں، اور

مَحْدُوْرًا، (بنی اسرائیل - ۶)

اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، بے شبہ

ترے خدا کا عذاب ڈرنے ہی کے قابل ہے،

۵۔ شرک کا ایک بڑا ذریعہ خوارقِ عادات کی نسبت غلط فہمی ہے جن اشخاص سے خوارقِ عادات سرزد ہوتے ہیں، ان کی نسبت لوگوں کو پہلے یہ خیال آتا ہے کہ یہ خود خدا نہیں ہیں، لیکن ان میں خدا کا شائبہ ضرور ہے، درنہ ایسے افعال کیونکہ سرزد ہوتے، جو قدرتِ انسانی سے بالاتر ہیں یہی خیال رفتہ رفتہ دیتا اور اوقات تک ترقی کرتا ہے، اور بالآخر خدائی تک پہنچا دیتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام

۱۰۔ یہ روایت اس آیت کی تفسیر میں تمام تفسیروں اور حدیث کی کتابوں میں منقول ہے

خوارقِ خدا کے حکم سے ہوتے ہیں

اسی بنا پر آج چالیس کروڑ آدمیوں کے خدا یا خدا کے بیٹے ہیں،
لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ انبیاء علیہم السلام سے معجزات صادر ہوتے
ہیں، اور یہ امر خصائص نبوت میں ہے، تاہم یہ مسئلہ اسلام کے زمانہ تک مشتبہ اور مجہل رہا، قرآن مجید
اس کے متعلق حسب ذیل امور بیان کئے گئے ہیں،

(۱) معجزات صادر ہو سکتے ہیں، اور خدا اپنے مقبول بندوں کو معجزات عطا کرتا ہے،

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُنَزِّلَ آيَةً وَلَئِنِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ

اور کفار کہتے ہیں کہ ان (آنحضرت) پر کوئی

معجزہ خدا کے یہاں سے کیوں نہیں اُترا، کہہ دو

کہ خدا اس پر قادر ہے کہ معجزہ نازل کرے،

لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے،

(انعام - ۴)

(۲) باوجود اس کے کفار کو معجزہ طلبی سے روکا جاتا تھا، اور کہا جاتا تھا کہ نبوت اور رسالت

معجزہ پر موقوف نہیں،

اور کفار کہتے ہیں کہ ان (آنحضرت) پر کوئی

معجزہ خدا کے ہاں سے کیوں نہیں اُترا، تم

تو صرف ڈرانے والے ہو، اور ہر قوم کے لئے

ایک ہادی ہوتا ہے،

اور کفار کہتے ہیں کہ ہم تم پر ایمان نہ لائیں گے

جب تک تم زمین سے چشمہ نہ نکال دو، یا تمہارے

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ وَبِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ

وَبِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ

(رعد - ۱)

وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ بِكَ حَتَّى تُنزلَ عَلَيْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَتَكُونُ لَنَا آيَةً كَمَا كُنَتْ لِقَوْمِ عَادٍ

وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ بِكَ حَتَّى تُنزلَ عَلَيْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَتَكُونُ لَنَا آيَةً كَمَا كُنَتْ لِقَوْمِ عَادٍ

مِّنْ نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ وَقَصْحَبٍ وَلَا نَهَارٍ
 خَلَّلَهَا، تَفْجِيرًا ۖ أَوْ تَسْقِطَ السَّمَاءَ
 كَمَا زَعَمَتَ عَلَيْنَا لَيْسَآءُ وَتَاتِي
 بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةُ سَبِيلًا ۚ أَوْ يَكُونَ
 لَكَ بَنَاتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَى
 فِي السَّمَاءِ وَلَنْ نُؤْمِنَ بِرُؤْيَاكَ
 حَتَّىٰ تَنْزِلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَقْرُؤُ ۗ وَوَجَّحْنَا
 قُلُوبَنَا ۖ إِنَّا سَمِعْنَا لَوْلَا هَلْ كُنْتَ إِلَّا بُشْرًا
 رَّسُولًا ۗ (بنی اسرائیل ۱۰)

پاس کھجور دن یا انگور دن کا باغ نہ ہو کہ جس کے
 بیچ میں تم نہریں جاری کر دو، یا آسمان کو ٹکڑے
 ٹکڑے کر کے تم پر نہ گرا دو، جیسا کہ تمہارا گمان
 تھا، یا خدا اور فرشتوں کو ہمارے سامنے
 نہ لے آؤ، یا تمہارا گھر سونے کا نہ بن جائے یا تم
 آسمان پر نہ چڑھ جاؤ، اور ہم تو اس چڑھنے
 پر بھی یقین نہ لائیں گے، جب تک ہم پر کوئی
 کتاب نہ آتا رہے جس کو ہم خود پڑھیں کہہ دو کہ
 سبحان اللہ میں تو صرف بشر ہوں اور رسول ہوں

(۳) جو معجزے اس آیت میں کفار نے طلب کیے، وہ ناممکن باتیں نہ تھیں تاہم خدا نے
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو جواب یقین کیا، وہ یہ تھا کہ میں تو بشر ہوں دوسری جگہ اس کا جواب
 یہ دیا کہ معجزے تو خدا کے پاس ہیں یعنی معجزے صادر ہوں گے، تو یہ میرا فعل نہ ہوگا، بلکہ خدا کا ہوگا،
 وَقَالُوا لَوْلَا أَنْزَلَ عَلَيْنَا آيَاتٌ مِّنْ
 رَبِّهِ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَ
 إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مُِّسِينٌ ۚ أَوْ لَعَلَّكُمْ يَفْقَهُونَ
 إِنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ
 إِن تَبَىٰ ذَلِكُمْ لَرَحْمَةٌ مِّنَّا وَذِكْرٌ لِّقَوْمٍ

اور کفار کہتے ہیں کہ ان (آنحضرت) پر ان کے
 خدا کے یہاں سے معجزے کیوں نہیں اترو گئے
 کہ معجزے تو خدا کے ہاں ہیں، اور میں تو صرف
 صاف صاف ڈرانے والا ہوں کیا ان
 (کفار) کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے تمہارے

لِقَوْلِهِمْ آمِنُونَ،

اوپر کتاب (قرآن) اتاری جو ان پر تلاوت

کی جاتی ہے، اس میں بے شہدایاں لانے

دالوں کے لئے رحمت اور یاد رکھنے کی چیز ہو

(عنکبوت - ۵)

اسی لئے معجزات کے ذکر میں ہمیشہ بِإِذْنِ اللَّهِ (خدا کی اجازت سے) کے الفاظ استعمال ہوئے رہیں

۴۔ شرک کی ایک قسم یہ تھی کہ انبیاء یا پیشوایان مذہبی کو تحریم و تکلیل کا مجاز سمجھتے تھے یعنی وہ

جس چیز کو چاہیں حرام کر دیں، اور جس چیز کو چاہیں حلال ٹھہرا دیں، قرآن مجید میں سب یہ آیت اتری

اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَاءَهُمْ أَرْبَابًا

ان لوگوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو

رب بنا لیا ہے،

(توبہ - ۵)

حرام و حلال
کرنا خدا کا
کام ہے

تو حضرت عدی نے جو حاتم طائی کے فرزند اور اسلام لانے سے پہلے عیسائی تھے آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم سے عرض کی کہ ہم لوگ اپنے پیشوایان مذہبی کو اپنا رب تو نہیں سمجھتے تھے، آپ نے ارشاد

فرمایا کیا تم لوگوں کا یہ اعتقاد نہ تھا کہ یہ لوگ جس چیز کو چاہیں حلال اور جس چیز کو چاہیں حرام کر دیں

عرض کی کہ ہاں، آپ نے فرمایا یہی رب بنانا ہی عموماً اہل مذہب پیغمبروں کو شارع مستقل سمجھتے ہیں

لیکن یہ بھی ایک قسم کا شرک ہی، شریعت کی تائیس، حلال و حرام کی نشین، جائز و ناجائز کی نشین

اور وحی کے احکام یہ سب خدا کے ساتھ مخصوص ہیں پیغمبر صرف مبلغ اور پیغام رساں اور تعلیم الہی

سے ان احکام کے شارع اور بیان کرنے والے ہیں، اسی بنا پر قرآن مجید میں ذات نبوی کی

صفت رسالت کو بار بار تاکید، اور اصرار کے ساتھ نمایاں کیا گیا ہے،

۱۔ جامع ترمذی و ابن کثیر تفسیر آیت مذکور،

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ
 مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (ال عمران ۱۵)
 رَسُوْلُ اللهِ (نسا- ۲۳) تھا،
 محمد تو صرف ایک رسول ہے اس سے پہلے
 رسول گذر چکے ہیں،
 مریم کا بیٹا عیسیٰ، اللہ کا صرف رسول

اس حصر سے مقصود یہ ہے کہ انبیاء میں خدائی کی کوئی صفت نہیں ہوتی، بلکہ جو کچھ ان
 میں ہر وہ رسالت اور نبوت کے اوصاف ہیں،

، - شرک کا ایک بڑا ذریعہ یہ تھا کہ جو اعمال اور آداب خدا کے ساتھ مخصوص ہیں، وہ اور
 کے ساتھ بھی برتے جاتے تھے، یہ اگرچہ شرک فی العبادۃ یا شرک فی الصفات ہے لیکن رفتہ
 رفتہ شرک فی الذات تک منجر ہوتا ہے، سجدہ عبادت خدا کیساتھ مخصوص ہی لیکن کفار اور دیگر
 اہل مذاہب بتوں اور مقدمات دینی کو بھی سجدہ کرتے تھے اور سلاطین و امراء کو سجدہ کرنا عام
 طور سے راجح تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت سختی سے اس کو روکا، بنو اسرائیل میں سجدہ
 تعظیمی یا سجدہ محبت جائز تھا، چنانچہ حضرت یوسف کو ان کے والدین نے سجدہ کیا تھا لیکن چونکہ
 اسلام میں توحید کو انتہائے کمال تک پہنچانا تھا، سجدہ تعظیمی بھی منع کر دیا گیا، ایک صحابی خدمت
 قدس میں آئے، اور عرض کی کہ میں نے اہل عجم کو دیکھا ہے وہ اپنے رئیسوں کو سجدہ کرتے ہیں آپ
 اجازت دین تو ہم آپ کو سجدہ کریں آپ نے فرمایا تو کیا میری قبر پر گزرو گے تو اسکو سجدہ کرو گے؟ عرض
 کی نہیں فرمایا تو اب بھی نہ کرو، اگر میں کسی کو دوسری سے کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیکتا تو بیوی کو
 حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے، اسی طرح ایک اور صحابی ملک شام سے آیا تو آپ کو سجدہ کیا آپ نے

غیرہ کی شرکاتہ
 تعظیم

لاہور اور کراچی
 اشک بابت
 اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

پوچھا کہ یہ تم نے کیا کیا؟ عرض کی کہ میں نے شام میں رومیوں کو دیکھا کہ وہ اپنے مذہبی افسروں کو
سجدہ کرتے ہیں، تو میرا جی چاہا کہ میں بھی آپ کو سجدہ کروں، فرمایا ایسا نہ کرو، اگر میں کسی کو خدا
کے سوا سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

صفات الہی
کی توحید

۸۔ شرک کی ایک قسم یہ ہے کہ خدا کے ساتھ جو اوصاف مخصوص ہیں وہ اوروں میں تسلیم
جائیں جس کا یہ قدرتی نتیجہ ہے کہ وہ شرکت و صف کی بنا پر خدا کے شرک کی اور ہسرتجائیں، ان
میں سے ایک وصف علم غیب ہے، اکثر اہل مذاہب اعتقاد رکھتے تھے، اور اب بھی رکھتے ہیں کہ انبیاء
اور اولیاء کو علم غیب ہوتا ہے، بنی اسرائیل کے زمانہ میں کابنوں کا یہی کام تھا کہ وہ آئندہ واقعات
کی پیشین گوئیاں کیا کرتے تھے، عرب میں بھی کابن میں پیشہ کرتے تھے، اور مختلف طریقوں سے
پیشین گوئی کرتے تھے، کبھی فال سے کبھی پانسے پھینک کر اور کبھی یہ ظاہر کر کے کہ ان کو جنات غیب
کا حال بتا جاتے ہیں،

آنحضرت ﷺ نے نہایت تاکید اور استقضا، کیا تھی اس اعتقاد کو مٹایا، اور علم غیب
کی تمام صورتیں باطل کر لیں، خود قرآن مجید میں نہایت کثرت سے اس کے متعلق آیتیں نازل ہوئیں
وَعِنْدَكَ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا
هُوَ، (الفجر - ۷) کے سوا کوئی نہیں جانتا،
اور خدا کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو خدا

آنحضرت ﷺ نے اس اجمال کی تفصیل بیان فرمائی، اور فرمایا کہ مفاتح غیب
پانچ ہیں، جن کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا،

ابن ابی باری عن الزوج علی المرأة سلمہ صحیح بخاری کتاب الزواجر علی الجہیم میں تفصیل مذکور ہے،

۱۔ حل یعنی لڑکا ہوگا یا لڑکی،

۲۔ کل کیا ہوگا،

۳۔ بارش کب ہوگی،

۴۔ کس جگہ موت آئے گی،

۵۔ قیامت کب آئے گی،

اگرچہ علم غیب کی اور بھی صورتیں ہیں، لیکن زیادہ تر ان ہی امور کی نسبت لوگ علم غیب کے مدعی تھے، اور ان ہی باتوں کو لوگ پہلے سے جاننے کے خواہشمند ہوتے ہیں، یہاں تک کہ خود اپنی ذات سے بھی علم غیب کی نفی کی، ایک دفعہ ایک شادی کے موقع پر آنحضرت ﷺ تشریف فرما تھے، انصار کی چند لڑکیاں گارہی تھیں، گاتے گاتے انہوں نے یہ گانا شروع کیا،

وینا رسول یعلو مافی غدہ اور ہم میں ایک ایسا پیغمبر جو کل کی بات جانتا ہے،

آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا کہ یہ نہ کہو، وہی کہو جو پہلے گارہی تھیں، اللہ تعالیٰ

نے آپ کو خاص حکم دیا کہ آپ اس حقیقت کو واضح کر دیں،

قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللہ کے علم الغیب،

اللہ ولا أعلم الغیب،

پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور نہ میں غیب کی

باتیں جانتا ہوں،

(انعام۔ ۵)

۱۵ صحیح بخاری کتاب الرواعی الجیمہ میں تفصیل مذکور ہے، ۱۶ صحیح بخاری کتاب النکاح،

اور غیب کا علم صرف خدا کی صفت ہے،

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (نمل ۵)

کہدے اے پیغمبر کہ خدا کے سوا آسمانوں میں

زمین میں کوئی غیب نہیں جانتا،

غیب دانی کے مدعی کاہن جو عرب کی گلی گلی میں خدع و فریب کا جال پھیلانے
بٹھے رہتے تھے، اور تجانون میں خدائی کرتے تھے، ان کی سطوت خاک میں مل گئی، بتخانے دیوانے
ہو گئے، تو ان کے یہ پجاری بھی فنا ہو گئے، صحابہ نے آکر پوچھا کہ یا رسول اللہ! ہم جاہلیت میں کابھون
کے پاس جایا کرتے تھے، فرمایا اب نہ جایا کرو، عوض کی ہم پر بندوں سے فال لیا کرتے تھے، فرمایا
یہ تمہارا وہم تھا، اس کے سبب اپنے ارادہ سے باز نہ رہا کرو، بعض لوگوں کے سوال کے جواب میں
فرمایا کہ کاہن کچھ نہیں، انھوں نے کہا یا رسول اللہ! ان کی بعض باتیں سچی بھی نکل آتی ہیں فرمایا
شیطان ایک ادھبات سن لیتا ہے، اور مرغی کی طرح قرقر کر کے اپنے دوست کے کانون میں
ڈالتا ہے، اور وہ اس میں سوا باتیں جھوٹ ملا دیتا ہے، کبھی فرمایا کہ فرشتوں کی زبان سوشیا
فضائے آسمانی میں چوری چھپے کچھ سن لیتے ہیں، اور کاہن اس میں سیکڑوں جھوٹ اپنی طرف سے
ملا کر بیان کرتے ہیں، جاہلون میں کچھ ایسے مکار ہوتے ہیں، جو چوری کا غائبانہ پتہ بتانے کا دعویٰ
کرتے ہیں، عرب ان کو عواف کہتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی کسی مال کا پتہ پوچھنے
کے لئے کسی عواف کے پاس جائیگا اسکی چاہیں دن کی نماز قبول نہ ہوگی، علم نجوم جس کے زور سے لوگ غیب
کا حال دریافت کر لینے کے مدعی بنتے تھے تھے، اپنے اس کا سیکھنا بھی جاہد کی طرح گناہ بتایا، اور
فرمایا کہ جو کسی کاہن کے پاس جا کر اسکی باتوں کو سچ سمجھے وہ محمد پر جو کچھ اترا ہے اس سے انکار کرتا ہے۔

۱۰۰ مشکوٰۃ باب لکھانہ میں صحیحین سے یہ حدیث نقل کی ہیں، علم نجوم کی حرمت دینی حدیث ابوداؤد ابن ماجہ اور احمد سولی

ان تعلیمات نے خدا کے علاوہ دوسروں کی غیب دانی کے عقیدہ کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا کہانت کی گرم بازاری سرد ہو گئی، فال، شگون، بد، نجوم اور غیب دانی کے دوسرے خدا خانہ طریقے مٹ گئے، پرندوں اور پانسون کے ذریعہ سے غیب کا حال دریافت کرنا وہم و سوہم قرار پایا، اور غیب کی مملکت پر خدا کے سوا کسی اور کی حکومت قائم نہ رہی،

۹۔ کائنات میں خدا کے سوا جن غیبی اسباب و علل یعنی سحر و طلسم، جنات و شیاطین اور ارواحِ خبیثہ اور دوسری قسم کی قوتوں کی غیبی قدرت و تصرف کا اعتقاد تھا، اور ان سے بچنے کے لئے ان کی دہائی پکاری جاتی تھی، نذر چڑھائی جاتی تھی، قربانی کی جاتی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور وحی نے ان تمام مخرجات کا قلع قمع کر دیا، اور خدا کے سوا تمام دوسری نحفی اور پوشیدہ قوتوں کا ڈرانسانوں کے سینوں سے ہمیشہ کیلئے نکال کر پھینک دیا، اور دعا و کلماتِ الٰہی کے سوا، ہر نوع کی کی جھاڑ پھونک، منتر، تعویذ، گندے، ٹوٹے جن میں کسی غیر خدا سے غیبی استمداد یا شرک کا کلمہ ہو، کفر و کفرانہ پائے، اسی قسم کے فاسد خیالات کے استیصال کے لئے ہر نماز میں، اور نماز کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے ضمن میں اس آیت کے پڑھنے کا حکم دیا گیا،

اَيُّكَ نَعْبُدُ وَايُّكَ نَسْتَعِينُ، (مے عالم کے پروردگار! ہم تیرے ہی آگے

سرحجہ بکاتے ہیں، اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں) (فاتحہ)

سحر و طلسم و جادو اور ٹوٹکے کے متعلق ارشادِ خداوندی ہوا،

وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ اِلَّا
بِاِذْنِ اللّٰهِ وَتَعْلَمُوْنَ مَا يُضْرُّهُمْ
یہ جادو اور ٹوٹکے کرنے والے کسی کو کچھ نقصان
نہیں پہنچا سکتے، لیکن خدا کے حکم سے اور یہ ہوتے

نحفی قوتوں کا
ابطال

وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۖ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ

وہ (جادو اور ٹوٹکے) سیکھتے ہیں، جو ان کو

مَالَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۖ

نقصان رسان ہیں، نفع بخش نہیں، اور یقیناً

ان کو ظلم ہو کہ جو ان کو حاصل کرتا ہے اس کا آخرت

میں کوئی حصہ نہیں ہوتا

یہ بھی اعلان کر دیا گیا کہ سحر و جادو کی حقیقت وہم و تخیل سے زیادہ نہیں فرمایا،

يُخِيلُ إِلَيْهِمْ مِنْ سِحْرِهِمْ أَلَّا يَسْمَعُوا

مصری جادو گروں کے جادو سے یہ اس کو

خیال ہوتا تھا، کہ وہ دہرا رہے ہیں،

(طرہ - ۳)

بلکہ بعض صحابہ نے ان مکار جادو گروں کے قلع قمع کے لئے ان کے قتل تک کا حکم

دیا، تاکہ انسانوں کے دلوں میں ان کا جو خوف و ہراس بیٹھا ہوا ہے، وہ دور ہو، اور ان کے

اس عاجزانہ قتل ہونے سے یہ ثابت ہو کہ ان میں کوئی غیر معمولی طاقت نہیں، وہ بالکل بے بس ہیں

ابو داؤد میں ہے کہ ایک صحابی نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ یا

رسول اللہ! ہم جاہلیت میں جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے، اب آپ کیا فرماتے ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ

تم اپنے منتر ہمارے سامنے پیش کرو اگر ان میں شرک کی کوئی بات نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں، ایک اور صحابی

نے ایک بیمار بچل پر سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کی وہ اچھا ہو گیا، اُس نے اُن کو انعام دیا، انھوں نے

آکر رسول اللہ ﷺ سے واقعہ عرض کیا، فرمایا کہ میری عمر کی قسم ہر جھاڑ پھونک ہل ہے، لیکن

تم نے سچی جھاڑ سے روزی کھائی، ایک اور صحابی روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا،

بشک جھاڑ پھونک، گندے اور میاں بیوی

ان الرقى والتماثل والتولة

لے جائے ترمذی باب ماجاء فی حدیث السحر والوداد باب اخذ الخبز من المجرس،

شُرک، (ابوداؤد و ابن ماجہ) کے چھڑانے کے توہید شرک ہیں،

ان ہی صحابی کے گھر میں ایک بڑھیا آیا کرتی تھی، گھر والوں نے اس سے کسی بیماری کا کوئی ٹوٹکا کرایا، ایک دھاگا پڑھ کر اس نے باندھ دیا تھا، وہ گھر آئے تو اس دھاگے پر ان کی نظر پڑی، انھوں نے ہاتھ بڑھایا اور اس کو توڑ کر پھینک دیا، پھر فرمایا کہ عبد اللہ کا خاندان شرک کی باتوں سے مستثنیٰ ہی ہیں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے سنا ہے کہ جھاڑ پھونک، گنڈے، اور میان بوی کے چھڑانے کے توہید شرک ہیں، ان کی بوی نے کہا کیا وجہ ہے کہ ایک وفد میری آنکھوں میں کچھ پڑ گیا، جب میں جھاڑتی تھی تو پانی رک جاتا تھا، اور جب چھوڑ دیتی تھی تو پانی بھراتا تھا، انھوں نے جواب دیا، یہ شیطانی بات ہے، تم نے کیوں وہ نہ کیا، جو رسول اللہ ﷺ کرتے تھے،

آنکھوں میں پانی ڈالیں اور یہ دعا پڑھیں، اے لوگوں کے پروردگار! اس بیماری کو دور کر تو ہی شفا دینے والا ہے، تیری شفا بخشی کے سوا کوئی شفا نہیں، ایسی شفا دے کہ پھر کوئی بیماری نہ رہے،

۱۰۔ وہ تمام اوہام و خرافات جن سے شرک پرست اہل عرب لرزہ بر اندام رہتے تھے اور جن کو وہ بالذات موثر اور متصرف سمجھتے تھے آنحضرت ﷺ نے ان کا ظلم توڑ دیا اور اعلان فرمایا کہ انکی کوئی اصل نہیں فرمایا۔

لا عدوی ولا طیرۃ، ولا صفر

ولا ہامۃ، (ابوداؤد و ابن ماجہ)

لا عدوی ولا طیرۃ، ولا صفر

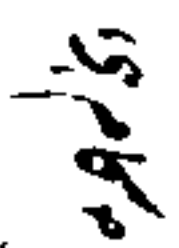
ولا ہامۃ، (ابوداؤد و ابن ماجہ)

لا عدوی ولا طیرۃ، ولا صفر

ولا ہامۃ، (ابوداؤد و ابن ماجہ)

اوہام و خرافات
کا ابطال

۱۔ یہ تمام روایتیں ابوداؤد جلد دوم باب التائم و باب ماجار فی الرق اور ابن ماجہ باب تعلیق التائم میں ہیں،

الجبت، (ابوداؤد ابن ماجہ)  لینا اور لنگری پھینک کر یا خاک کھینچ کر مال بنا کر شیطان
ایک اور صحابی آپ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ قال نکالنا شرک ہو، پھر ان صحابی نے کہا کہ
ہم صحابہ میں کوئی نہیں جو اس کو بڑا نہ سمجھتا ہو، بلکہ خدا پر بھروسہ رکھنا چاہئے یہ بھی آنحضرت ﷺ
نے فرمایا کہ پختہ (نو) کچھ نہیں، یعنی پانی کی بارش میں اس کو بالذات کوئی دخل نہیں، اسی طرح
غول بیابانی کے متعلق عربوں کے جو معتقدات تھے، ان کو اپنے ایک لفظ سے باطل کر دیا فرمایا،
لا غول، (ابوداؤد باب فی الطیر) غول بیابانی کچھ نہیں،

بجیرہ اور سائبہ وغیرہ جانوروں کے متعلق ان کے خیالاتِ فاسدہ کا قرآن نے ابطال کیا
سورہ انعام میں ان کے ان مشرکانہ عقائد اور اعمال کی تصریح ترویج کی گئی اور سورہ مائدہ میں فرمایا گیا

مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ
وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامِرٍ (مائدہ ۱۷)

خدا نے بجیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حام
نہیں ٹھہرایا،

بجیرہ اُس بچہ کو کہتے تھے جس کا کان چھاڑ کر بتوں کی نذر کرتے تھے،
سائبہ اُس جانور کو کہتے تھے جو بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا،
وصیلہ بعض لوگ نذر مانتے تھے، کہ اگر بچہ زہوا، تو اس کو بت پر چڑھائیں گے اور
اگر مادہ ہوا تو اپنے پاس رکھیں گے پھر اگر زرد مادہ پیدا ہوتے تو ماہ کیسا زہوی کھ لیتے تھے یہ وصیلہ تھا
حامی وہ اونٹ جس کے سن بچو بچھا اٹھانے اور سواری کے لائق ہو پھر تو دیتا کے نام پر آزاد کر دیا جاتا
یہ اور اسی قسم کے دوسرے ادھام جو عرب میں پھیلے ہوئے تھے، آنحضرت ﷺ نے انکا

لے ابو داؤد ابن ماجہ ذکر قال لے ابو داؤد باب الطیر،

استیصال فرمایا، یہ اوہام پرستی حقیقت میں قوموں کی تباہی کا ایک بڑا سبب ہوتی ہے، یہ اوہام حقیقت کے خلاف ہونے کے علاوہ بہت سے کاموں میں خلل انداز ہوتے ہیں، اور غور سے دیکھو تو ان کا سلسلہ بالآخر کسی نہ کسی شرک تک منجر ہوتا ہے، اور انسان کو صحیح طریق عمل سے روک دیتے ہیں، مثلاً بیماری میں طب کے قاعدہ کے موافق علاج کیا جائے تو مفید ہوگا، لیکن بہت سے لوگ وہم پرستی کے بنا پر ٹونے ٹوٹنے کو دافع مرض سمجھتے ہیں، اس قسم کے اوہام عرب میں نہایت کثرت سے پھیلے ہوئے تھے، آنحضرت ﷺ نے ان سب کو تصریح اور تسین کیساتھ باطل قرار دیا، مثلاً

۱۔ عرب کا خیال تھا کہ جب کوئی بڑا شخص مر جاتا ہے تو چاند یا سورج میں گرہن لگتا ہے، حضرت ابراہیمؑ آپ کے صاحبزادہ نے جب انتقال کیا تو سورج میں گرہن لگا ہوا تھا، لوگوں نے خیال کیا کہ ان ہی کے مرنے کا اثر ہے، آنحضرت ﷺ نے سنا تو مسجد میں جا کر خطبہ دیا کہ چاند اور سورج خدا کی قدرت کے مظاہر ہیں، کسی کے مرنے سے ان میں گرہن نہیں لگتا،

۲۔ یہ خیال تھا کہ سانپ اگر مارا جائے، تو اس کا جوڑا آتا ہے اور انسان کو ہلاک کرتا ہے،

۳۔ ایک دفعہ آپ مسجد میں تشریف رکھتے تھے، ایک ستارہ ٹوٹا اپنے دریاں فرمایا کہ جاہلیت میں تم لوگ اس کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے تھے، لوگوں نے عرض کی کہ ہمارا اعتقاد تھا کہ جب کوئی بڑا شخص مر جاتا ہے یا کوئی بڑا شخص پیدا ہوتا ہے تو ستارے ٹوٹتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ کسی کے مرنے یا پیدا ہونے سے ستارے نہیں ٹوٹتے،

۴۔ شیر خوار بچوں کے سر ہانے استرا رکھ دیا کرتے تھے کہ جنات ان کو نہ ستانے پائیں، ایک دفعہ

حضرت عائشہؓ نے دیکھا تو اٹھا کر پھینک دیا، اور کہا کہ آنحضرت ﷺ ان باتوں کو ناپسند کرتے تھے،

۵۔ نظربد سے بچنے کے لئے اونٹوں کے گلے میں قلاوہ لٹکاتے تھے، آنحضرت ﷺ

نے حکم دیا کہ کسی اونٹ کے گلے میں قلاوہ نہ رہنے پائے،

الغرض توحیدِ کامل کی تعلیم نے عربوں کے تمام مشرکانہ ادہام و خرافات کو ہمیشہ کیلئے مٹا دیا

اسلام کی اس اصلاحی اہمیت کا اندازہ عیسائیت کی ان مقدس روایات و حکایات سے کرو چھو

نے صدیوں تک دنیا کو دیوں بھوتوں اور چڑیلوں کے تسلط اور عذاب کے شکنجہ میں مبتلا رکھا،

اور ان کو نکالنا اور بھگانا عیسائیت کا کمال اور اعجاز سمجھا جاتا رہا،

۱۱۔ شرک کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب کفارہ اور شفاعت کے وہ غلط معنی تھے

جو عربوں اور عیسائیوں وغیرہ میں رائج تھے، عربوں نے شفاعت کے جو غلط معنی سمجھ رکھے تھے،

اس کا اصلی سبب ان کا وہ تخیل تھا، جو خدا اور بندوں کے تعلق کی نسبت ان کے ذہن میں قائم

تھا، وہ خدا اور بندوں کے درمیان وہی نسبت سمجھتے تھے، جو ایک قاهر و جابر بادشاہ اور اس کی عیال

کے درمیان ہو اور جس طرح بادشاہ کے دربار تک ایک عام اور معمولی رعایا کی رسائی دربار رس سفارشیوں

اور مقربوں کے بغیر ممکن نہیں اسی طرح اس شہنشاہ کے دربار میں بھی وہ اس دربار رس سفارشیوں

اور مقربوں کے بغیر رسائی ممکن نہیں سمجھتے تھے، اسی لئے وہ ان درمیانی ہستیوں کے خوش رکھنے کی ضرورت

کے بھی معتقد تھے، چنانچہ وہ اپنے بتوں، دیوتاؤں اور فرشتوں کو اسی نیت سے پوجتے تھے، اور کہتے تھے،

هَؤُلَاءِ شَفَعَاءُ نَا عِنْدَ اللّٰهِ (یونس ۲) یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں،

۱۲۔ ادب المفرد باب بطیرة من ابجد صفحہ ۱۰۰۔ ۱۰۱۔ ۱۰۲۔ ۱۰۳۔ ۱۰۴۔ ۱۰۵۔ ۱۰۶۔ ۱۰۷۔ ۱۰۸۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ ۱۱۴۔ ۱۱۵۔ ۱۱۶۔ ۱۱۷۔ ۱۱۸۔ ۱۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔ ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱۳۵۸۔ ۱۳۵۹۔ ۱۳۶۰۔ ۱۳۶۱۔ ۱۳۶۲۔ ۱۳۶۳۔ ۱۳۶۴۔ ۱۳۶۵۔ ۱۳۶۶۔ ۱۳۶۷۔ ۱۳۶۸۔ ۱۳۶۹۔ ۱۳۷۰۔ ۱۳۷۱۔ ۱۳۷۲۔ ۱۳۷۳۔ ۱۳۷۴۔ ۱۳۷۵۔ ۱۳۷۶۔ ۱۳۷۷۔ ۱۳۷۸۔ ۱۳۷۹۔ ۱۳۸۰۔ ۱۳۸۱۔ ۱۳۸۲۔ ۱۳۸۳۔ ۱۳۸۴۔ ۱۳۸۵۔ ۱۳۸۶۔ ۱۳۸۷۔ ۱۳۸۸۔ ۱۳۸۹۔ ۱۳۹۰۔ ۱۳۹۱۔ ۱۳۹۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کی اس بُت پرستی پر ان کو ملامت کی تو انہوں نے صاف کہا

مَا نَعْبُدُ هُمْ اِلَّا لِيُقَرَّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ

ہم ان کو اسی لئے پوجتے ہیں کہ وہ ہم کو اللہ

ذہبی، (ذمہ - ۱) کے تقرب میں نزدیک کر دیں،

یہودیوں میں بھی اسی قسم کی دوسری غلط فہمی تھی اور یہ سمجھتے تھے کہ بنی اسرائیل کا گھرانا

خدا کا خاص کنبہ اور خاندان ہے اور ان کے خاندان کے پیغمبر اور نبی چونکہ خدا کے پیارے اور محبوب

ہیں، اس لئے ان کی اولاد اور نسل بھی دنیا اور آخرت میں یہی درجہ رکھتی ہی، اگر ان پر کوئی مصیبت بھی

پڑے گی، تو بھی ان کے خاندان کے بزرگ جو خدا کے مقرب اور برگزیدہ ہیں وہ ہر طرح ان کو

اس سے بچالیں گے، ان کا دعویٰ تھا کہ

نَحْنُ اَبْنَاءُ اللّٰهِ وَاجِبًا وَّكُلًّا (مائدہ - ۳)

ہم خدا کی اولاد اور اس کے پیارے ہیں،

قرآن نے کہا

بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ يَغْفِرُ

لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ (مائدہ - ۳)

اور اسی بنا پر ان کا دعویٰ تھا،

لَنْ نَمَسَّنَا النَّارَ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ

(ال عمران - ۳)

بلکہ تم بھی خدا کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہو یہ

کو اختیار ہے کہ جس کو چاہے بخشے اور جس کو چاہے سزا دے

ہم کو دوزخ صرف چند گنتی کے دن چھو کر چھوڑ

دے گی

قرآن نے کہا:

وَعَرَّضْنَاهُمْ لِذُنُوبِهِمْ مَّا كَانُوا

اور یہ اپنے دل سے بنا کر جو جھوٹ عقیدہ گھڑ چکے ہیں

يَفْتَرُونَ، (ال عمران)

وہ اُن کے مذہب کے بارہ میں اُن کو دھوکا دیرہا ہے

عیسائیوں کا عقیدہ یہ تھا اور ہے کہ باپ (خدا) نے تمام انسانوں کی طرف سے جو موردِ توبہ کی طبعی طور سے گنہگار ہیں اپنے اکلوتے بیٹے (حضرت عیسیٰ) کو قربانی دیکر اُن کے گناہوں کا کفارہ دیدیا اور وہ گناہوں سے پاک و صاف ہو گئے، اور حضرت عیسیٰ اور اُن کے بعد اُن کے جانشین پوپوں کو گناہوں کے معاف کرنے کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جو زمین پر کھولیں گے وہ آسمان پر کھولا جائیگا اسی پوپوں کے سامنے کے سامنے اعتراضِ گناہ کا عقیدہ عیسائیوں میں پیدا ہوا اور انکو بندوں کے گناہوں کے معاف کرنے کا دنیا میں حق ملا،

پیغامِ محمدی نے ان کو ملزم قرار دیا اور کہا،

اتَّخَذُوا آخْبَارَهُمْ وَرَهْبًا نَهْمًا
انھوں نے خدا کو چھوڑ کر، اپنے عالموں اور اہل ہون

اَرَبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ (توبہ-۵)
کو اپنا خدا بنا رکھا ہے،

اور اصولی طور پر اُس نے یہ بتا دیا کہ

وَمَنْ يَعْضُرْ الذُّنُوبَ اِلَّا اللَّهُ (ال عمران)
اور خدا کے سوا کون گناہوں کو معاف کر سکتا ہے

اُن کا عقیدہ تھا کہ بڑی قیامت کے دن باپ کے واسطے بازو پر برابر بٹھکر خلق کا عدل و انصاف کر لیا کریں
پاک نے ایک بڑے موثر طرز میں اسکی تردید کی ہے قیامت کے دن خدا حضرت عیسیٰ سے پوچھے گا،

اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخَذُوْنِي وَاُمَّيَّ
اے عیسیٰ! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کو

الْبٰهِيْنَ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ، (مائدہ-۸-۱۶)
چھوڑ کر مجھ کو اور میری ماں کو خدا بناؤ،

وہ کہیں گے، ہاں اللہ! میں نے تو اُن سے وہی کہا جو تو نے کہا تھا، میں نے تو اُن کو یہ تسلیم نہیں

دی تھی، میں نے تو اُن سے ہی کہا تھا کہ صرف ایک خدا کو پوجو

اگر تو ان کو منرا دے تو یہ تیرے بندے ہیں

اور اگر تو بخش دے تو تو سب کچھ کر سکتا ہے

کہ تو غالب اور حکمت والا ہے،

اِنَّ تَعَذَّبْتَهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ط و

اِنَّ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ

الْحَكِيمُ (مائدہ ۷۴-۱۶)

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ گناہوں کی مغفرت اور معافی یا گناہوں پر سزا اور عذاب

دنیا صرت خدا کے ہاتھ میں ہے کسی دوسرے کو اس میں کوئی دخل نہیں،

بت پرست عربوں کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ یہ دیوتا اور ان کے یہ بت خدا کی طرف سے دیوتا

عالم میں مختار کل ہیں، وہ یہاں دینے نہ دینے کا، اور اور اس عالم میں بخشنے کا اختیار رکھتے ہیں اس

عقیدہ کا نام ان کے یہاں شفاعت تھا، اور یہ دیوتا ان کے شفیع تھے، قرآن مجید نے کفارہ غیر خدا

کے اختیار مغفرت، اور بت پرستانہ طریقہ شفاعت کے عقائد باطلہ کی ہر طرح تردید کی، اور بتایا

کہ یہ اختیار خدا کے سوا کسی اور کو نہیں سب اسکی عظمت و جلال کے سامنے عاجز اور در ماندہ ہیں،

یہ کافر خدا کو چھوڑ کر جن کو پکارتے ہیں وہ شفاعت

کا اختیار نہیں رکھتے، لیکن وہ جس نے حق کی

شہادت دی، اور وہ جانتے بھی ہوں،

یہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے، لیکن وہ

جس نے رحم والے خدا سے اقرار لے لیا،

کیا خدا سے برحق کو چھوڑ کر جھوٹے مہبودوں

کو خدا بناؤں اگر رحمن مجھے نقصان پہنچانا

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن

دُونِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَن شَهِدَ

بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (زخرف،)

لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَن اتَّخَذَ

عِنْدَ رَبِّكَ عَهْدًا (مربود-۶)

وَ اتَّخَذَ مِنْ دُونِهِ الْهَتَّاءِ اَنْ يُّرَدَّ

الرَّحْمٰنُ بَصْرًا لَّا تَعْنِي عَنْهُمْ شَفَاعَتُهُمْ

شَيْئًا وَلَا يَنْقُذُونَ،
(رین - ۲)

چاہے تو ان کی شفاعت مجھے ذرا بھی فائدہ
فائدہ نہیں پہنچا سکتی، اور نہ وہ مجھے چھڑا

کفار فرشتوں کو بھی اسی غرض سے پوجتے تھے، حکم ہوا،

وَكَلَّمَ مِّن تَمَلُّكٍ فِي السَّمَوَاتِ لَا
تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مَن
بَعْدَ أَنْ يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَن يَشَاءُ
وَيُرِضِيهِ (نجم - ۲)

اور کتنے فرشتے ہیں، آسمانوں میں کہ ان کی
شفاعت کچھ فائدہ نہیں پہنچاتی، لیکن اس کے
بعد کہ اللہ اجازت دے، جس کے لئے چاہے
اور پسند کرے،

أَمْ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ
قُلْ أَوْلُوا كَانُوا إِلَّا يَمْلِكُونَ شَيْئًا
وَلَا يَعْقِلُونَ - (زمر - ۵)

کیا ان کافروں نے خدا کے سوا کو شفیع بنایا؟
کہہ دے کہ اگر یہ کچھ اختیار اور سمجھ بوجھ نہ رکھتے
ہوں، تو بھی؟ (شفیع بننے کے قابل ہیں؟)

خدا قیامت میں ان سے کہے گا،

وَمَا نُرِي مَعَكُمْ شُفَعَاءَكُمُ
الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ
شُرَكَاءُ، (انعام - ۱۱)

اور ہم دیکھتے نہیں، تمہارے ساتھ تمہارے
ان شفیعوں کو جن کو تم سمجھتے تھے کہ وہ تمہاری
ملکیت میں خدا کے ساتھ شریک ہیں،

وَكَيْفَ تَقُولُ السَّاعَةَ يَبْسُ
الْمُجْرِمُونَ وَلَوْ كُنْ لَهُمْ مِنْ
شُرَكَائِهِمْ شُفَعَاءُ (روم - ۲)

اور جب قیامت قائم ہوگی تو مشرکین نا اسیہ
ہوں گے کہ جن کو وہ خدا کا شریک کاہرتبتا
تھے، ان میں سے کوئی ان کا شفیع نہ ہوا،

خاص یہود کو مخاطب کر کے ان کے عقیدہ کی تردید میں کہا گیا،

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَائِيْلُ اے فرزندانِ اسرائیل.....

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ
نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَا
وَلَا يُوْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ
مُنصَرُونَ ، (بقرہ ۴-۶)

اور ڈرو اس دن سے جس میں کوئی ایک دوسرے
کے وہ کام نہ آئیگا، اور نہ اس کی طرف سے کوئی
شفاعت قبول کی جائیگی، اور نہ کچھ اس کے بدلے
میں لیا جائیگا اور نہ کوئی ان کو مدد پہنچائی جائیگا

پھر اسکی معنی کی آیت اسی سورہ میں دوسری جگہ ہے،

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَائِيْلُ اے فرزندانِ اسرائیل.....

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ
نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ
وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ (بقرہ ۱۵۸)

اور ڈرو اس دن سے جس میں کوئی کسی کے
ذرا بھی کام نہ آئیگا، اور نہ اسکی طرف سے کوئی
بدلہ قبول ہوگا اور نہ شفاعت فائدہ دے گی

اور اسی معنی میں مسلمانوں سے بھی کہا گیا کہ وہ عمل پیش کریں شفاعت کے بھروسہ نہ رہیں،

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اِيْمًا
رَّزَقْنٰكُمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّآئِيَنَّ يَوْمٌ
لَّا يَبِيعُ فِيْهِ وَاَلْحَدَّةُ وَلَا شَفَاعَةٌ

اے مسلمانو! جو کچھ ہم نے تم کو روزی دے رکھی
ہے، اس میں سے کچھ خرچ کر دیا، کرو اس دن
کے آنے سے پہلے جس میں نہ لین دین ہو نہ دوستی

(بقرہ ۳۴-۳۵) ہے نہ شفاعت ہے،

غرض آپ کے پیغام نے ان معنوں میں شفاعت کے عقیدہ باطل کی ہر جگہ تردید کی ہے

اور اعلان کیا ہے کہ اس شفاعت کا اختیار صرف خدا کے ہاتھ میں ہے۔

أَوَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ
 کیا انھوں نے خدا کے سوا اوروں کو شفیع بنا لیا
 قُلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى شَيْءٍ
 ہو کہہ دے کہ اگر چہ ان کو کسی چیز کا اختیار نہ ہو،
 وَلَا يَعْقِلُونَ ۗ تِلْكَ لِرَبِّكَ الشَّفَاعَةُ
 نہ ان کو سمجھ ہو تو بھی، کہہ دے کہ شفاعت کا کل اختیار
 جَمِيعًا ۗ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ
 خدا ہی کو ہے، اسی کا راجح آسمانوں اور زمین میں
 وَالْأَرْضِ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (ذمر - ۵)
 ہے پھر اسی کی طرف تم لوٹاے جاؤ گے۔

اس آیت پاک نے کفار و مشرکین کے عقیدہ شفاعت کی قطعی طور سے تردید کی دوسری

آیت میں یہود و نصاریٰ کے عقیدہ شفاعت کا صرف اتنا حصہ تسلیم کیا کہ خدا کے نیک بندے
 اپنے دوسرے بھائیوں کے حق میں شفاعت کریں گے،

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ
 اور یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر جن کو پکارتے ہیں، وہ
 دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ شَهِدَ
 شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے، لیکن وہ جنہوں نے
 بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْتَمُونَ، (ذمر - ۶)
 حق کی گواہی دی اور وہ دانش رکھتے ہیں،

دوسری جگہ اسی شہادت کو اقرار لینا کہا گیا ہے،

لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ
 یہ لوگ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے، لیکن وہ
 اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا،
 جو خدا کے نزدیک (دنیا میں اپنے عمل کے
 (مربوب - ۶)
 ذریعہ سے) اقرار لے چکا ہے،

لیکن اس شہادتِ حق اور عہدِ الہی کے باوجود اس اختیار کے استعمال کیلئے اللہ تعالیٰ

کی اجازت اور رضامندی شرط ہے،

مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ

(یونس - ۱)

خدا کی بارگاہ میں) کوئی شفیع نہیں لیکن اسکی

اجازت کے بعد،

وہ کون ہے جو خدا کے سامنے کسی کی شفاعت

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَ اللَّهِ إِلَّا

بِإِذْنِهِ (بقرہ - ۳۴)

کر سکے، لیکن اس کی اجازت سے،

اور کتنے فرشتے ہیں، آسمانوں میں کہ ان کی شفاعت

وَكَمْ مِنْ مَلَكٍ فِي السَّمَوَاتِ لَا تُغْنِي

ذرا بھی کام نہیں آسکتی، البتہ اس کے بعد کہ خدا

شَفَاعَتَهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِنْ بَعْدِ أَنْ

اجازت دے جس کو چاہے اور پسند کرے،

يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَرْضَى (نجم ۲)

یہ فرشتے اور روح کوئی خدا سے اس ن بات

لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ

کر سکیگا لیکن جسکو وہ رحم والا اجازت دے اور ٹھیک

وَقَالَ صَوَابًا، (بناء - ۲)

پھر شفاعت بھی ان ہی لوگوں کے حق میں ہو سکے گی جن کے حق میں اللہ تعالیٰ انبیاء اور

صحابین کو اس کی اجازت دے گا، فرمایا،

اور شفاعت خدا کے نزدیک نفع نہ دے گی لیکن اسکی

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَ اللَّهِ إِلَّا لِمَنْ

لئے جس کیلئے وہ شفاعت کی اجازت دے،

أَذِنَ لَهُ، (سبا - ۳)

اُس دن شفاعت نفع نہ دے گی لیکن اسکو

يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا

جس کے لئے خدا اجازت دے، اور اس کیلئے

مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ

بات کرنا پسند کرے،

قَوْلًا، (طہ - ۶)

بلکہ خود انبیاءِ علیہم السلام بھی سفارش ان ہی کی کریں گے جن کی سفارش خدا خود چاہے گا فرمایا

وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْتَضَىٰ وَهُمْ

اور وہ شفاعت نہیں کریں گے، لیکن اس کی

جس کے لئے خدا اپنی خوشنودی ظاہر کرے

مَنْ خَشِيَتهُ مُشْفِقُونَ

وہ اس کے خوف سے ترساں ہوں گے،

(انبیاء - ۲)

پھر ایک جماعت ایسی بھی ہے جس کے افراد کے لئے ازل ہی سے یہ اعلانِ عام ہو چکا ہے

کہ ان کے لئے مغفرت اور شفاعت کا دروازہ بند ہے، اور یہ وہ مجرم ہیں جن کے دل، حق کی شہادت

سے محروم رہ گئے،

تو ان کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ

نہ دے گی،

(مدثر - ۲)

ظالموں (مشرکوں) کا نہ کوئی دوست (اس)

وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ

ہوگا، اور نہ کوئی شفیع جس کی بات مانی جائے

يُطَاعُ، (مومن - ۲)

اور وہ بد نصیب گروہ جس کے حق میں رحمت کا یہ دروازہ بند رہے گا، مشرکین ہیں،

جیسا کہ ذیل کی آیت سے ظاہر ہے،

انہ اس گناہ کو کہ اس کے ساتھ کوئی شریک

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ

ٹھہرایا جائے نہیں بخشتا، اور اس سے نیچے کے گناہ

وَيُغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ،

جس کو چاہے بخش دے،

(نساء - ۱۸)

لَهُ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (لقمان - ۲) بیشک شرک بڑا ظلم بڑا ہے بخاری ذکر لقمان، جلد ۱ ص ۸۸،

لیکن اب ایسی حالت میں جب کہ وہی شفاعت کر سکیں گے جن کو اللہ تعالیٰ اس کی اجازت
 دیکھا، اور وہ بھی ان ہی کی شفاعت کریں گے جن کی شفاعت کرانا خود خدا کو منظور ہوگا، تو حقیقت
 میں خود اللہ ہی اپنے دربار میں اپنا آپ شفیع ہوگا، یا صوفیانہ اصطلاح میں یوں کہو کہ جلالِ الہی
 کی بارگاہ میں اُس کی صفتِ کریمی و رحیمی خود شفیع بن کر کھڑی ہوگی، اسی لئے ارشاد ہوا،

وَأَنْذِرْ رِبِّهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْ يُخْشَرُوا
 اور اس قرآن کے ذریعہ (اے پیغمبر) ان لوگوں

إِلَىٰ رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِنْ دُونِهِ
 کو ہشیار کر دے جو اس سے ڈرتے ہیں کہ وہ اپنے

وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ،
 رب کے پاس جمع کئے جائیں گے ان کے لئے

ان کے رب کے سوا کوئی حمایتی اور شفیع نہیں شاید
 (انعام - ۵)

مَا لَكُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا
 خدا کے سوا تمہارا کوئی حمایتی اور شفیع نہیں،

شَفِيعٍ إِذْ لَا تَمْتَدُّ كُرْسِيُّكَ (سجدہ - ۱)
 پھر کیا تم سوچتے نہیں،

خدا کی اس صفتِ کریمی و رحیمی کے منظر اس دنیا میں بھی وہی ہون گے، جو اس دنیا
 میں اُس کے منظر بن کر آئے تھے، اور وہ انبیاء کرام ہیں کہ خدا کے رحم و کرم ہی کے سبب
 جو اس کو اس دنیا کے ساتھ ہے، ان انبیاء کی بعثت ہوئی اور وہ اپنی اپنی امت پر شاہِ قرا
 پائے، اسی طرح خدا کی اجازت کے بعد اس دنیا میں بھی وہی خدا کے اُس رحم و کرم و فضلِ عمیم
 کے منظر قرار پائیں گے، نیز رحمت کے قرشتے اور امت کے نیکو کار اور صالح افراد بھی جن کو رحمت
 الہی نے چننا ہو، اس منصب پر ممتاز ہو سکیں گے، خصوصاً وہ سربراہِ رحمت جو اس دنیا میں رحمت
 لِلْعَالَمِينَ کا منظر بن کر آیا،

اجرام سماوی
کی
قدرت کا انکا

۱۲۔ بظاہر دنیا میں بہت سی باتیں آفتاب، مہتاب کی گردش، اور ان کے سبب اختلافِ موسم کے اثرات سے ہوتی ہیں، اس لئے ستارہ پرست تو ہون میں یہ اعتقاد پیدا ہو گیا تھا کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ ستاروں کی گردش کے اثر سے ہوتا ہے، یہی اعتقاد عرب کے مشرکوں میں بھی پھیلا تھا، وہ سورج اور چاند کو سجدے کرتے تھے، اسلام نے ان کو اس شرک سے روکا اور کہا،

لَا تَسْجُدْ لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ (فصلت) سورج اور چاند کو سجدے نہ کیا کرو،

اسی طرح وہ زمانہ کو دنیا کے کاروبار میں حقیقی مؤثر جانتے تھے، اور یہ کہتے تھے،

وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ، (جاثیہ-۳) ہم کو تو زمانہ مارتا ہے،

اسی کا اثر ہے کہ ہماری شاعری کی زبان میں فلک کج رفتار اور دہرناہنجار کی شکایت اب تک چلی جاتی ہے، عرب کے مشرکین بھی اسی طرح بولا کرتے تھے، ان کو جب کوئی خلافت تو فتح تکلیف پہنچتی تھی، تو زمانہ کی شکایت کرتے تھے، اور اُس کو برا کہتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا، اور فرمایا کہ زمانہ کو گالی نہ دیا کرو کہ زمانہ خود خدایا اور فرمایا کہ خدا ارشاد فرماتا ہے کہ آدم کا بتیا مجھے تکلیف پہنچاتا ہے وہ زمانہ کو برا کہتا ہے، زمانہ میں ہون میری ہاتھ میں تمام کام ہیں، میں روز کا انقلاب کرتا ہوں یعنی زمانہ کو جن تکلیفوں اور مصیبتوں کا خالق سمجھ کر لوگ برا کہتے ہیں حقیقت میں ان کا پیدا کرنے والا خدا ہی ہے، اس لئے یہ گالی حقیقت میں خدا کو دی جاتی ہے، اسی خیال کا یہ بھی اثر تھا کہ اہل عرب بارش کو پچھتر کی طرف منسوب کیا کرتے تھے اور کہا کرتے

۱۵ فتح الباری شرح بخاری جلد ۱ ص ۴۴۴ و کتاب الاسماء والصفات بہقی صفحہ ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳ صحیح مسلم الفاظ الادب،

۱۶ صحیح بخاری تفسیر سورہ جاثیہ و کتاب الرد علی الجہمیہ جلد ۲ صفحہ ۱۱۱، ۱۱۲،

تھے کہ فلان پھتر کے سبب ہم پر پانی برسایا گیا، حدیبیہ کے موقع پر اتفاق سے رات کو بارش ہوئی صبح کو نماز کے بعد آپ صحابہ کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا، تم جانتے ہو تمہارے رب نے کیا کہا صحابہ نے عرض کی کہ خدا اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے، ارشاد ہوا اس نے فرمایا آج صبح کو میرے بندوں میں سے کچھ مومن ہو کر اٹھے، اور کچھ کافر ہو کر جنھوں نے یہ کہا کہ خدا کے فضل و رحمت کو ہم پر پانی برسایا تو خدا پر ایمان لانے والے اور ستارہ کے انکار کرنے والے ہیں، اور جنھوں نے یہ کہا کہ فلان پھتر پر پانی ہم پر برسا تو وہ خدا کے انکار کرنے والے اور ستارہ پر ایمان لانے والے ہیں،

سورج گرہن اور چاند گرہن کو بھی لوگ عظیم الشان واقعات اور انقلابات کی علامت سمجھتے تھے، کم و بیش دنیا کی تمام قوموں میں وہ آسمانی دیوتاؤں کے غیظ و غضب کے منظر نقین کئے جاتے تھے۔ ۹ھ میں اتفاق سے ایک دن سورج میں گرہن لگا، اور اسی دن آپ کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم نے وفات پائی، صحابہ نے یہ خیال کیا کہ یہ سورج میں گرہن لگنے کا سبب، حضرت ابراہیم کی موت ہے، آنحضرت ﷺ نے جب یہ سنا تو تمام مسلمانوں کو مسجد میں جمع ہونے کا حکم دیا، اور ایک مبلغ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اس خیال کی تردید کی، فرمایا کسوت و خسوت اور (گرہن) کو کسی کے جینے مرنے سے کوئی تعلق نہیں، یہ بھی خدا کے نشانوں میں سے ایک نشان ہے۔

۱۳۔ شرک کی ایک نہایت ہی باریک صورت یہ تھی کہ لوگ غیر خدا کی قسمیں کھاتے تھے، قسم کھانے کے معنی حقیقت میں شہادت کے ہیں جس کی قسم کھائی جاتی ہے، اس کو دراصل واقعہ پر گواہ بنایا جاتا ہے عربوں میں بت پرستی کے رواج کے باعث بتوں اور دیوتاؤں کی قسمیں

غیر خدا کی قسم سے روکنا

۱۴۔ صحیح بخاری باب الاستفسار و باب الذکر بعد الصلوٰۃ و صحیح مسلم کتاب الایمان ۵۴ صحیح بخاری صلوٰۃ الکسوف،

کھانی جاتی تھیں، جو صریح کفر تھا، قریش اپنے دیوتا لات و رعوئی کی قسمیں کھایا کرتے تھے آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا، لیکن واج اور عادت کے باعث مسلمان ہونے کے بعد بھی بے اختیار ان کی زبان سے ان کی قسمیں نکل جاتی تھیں اپنے فرمایا کہ جس شخص کی زبان سے لات اور رعوئی کی قسم نکل جائے تو وہ لا الہ الا اللہ کہے یہ گویا اس کفر کے کلمہ سے توبہ ہے، قریش میں باپ کی قسم کھانے کا بھی رواج تھا، اس سے بھی اپنے منع فرمایا، ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو اپنے باپ کی قسم کھاتے سنا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اس سے منع کیا ہے کہ اپنے باپ کی قسم کھایا کرو جس کو قسم کھانی ہو وہ یا تو خدا کی قسم کھائے اور یا چپ رہے، حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ کے ارشاد کا یہ اثر ہوا کہ اس وقت سے آج تک میں نے نہ تو اپنی بات میں اور نہ کسی اور کی بات دہرانے میں کبھی باپ کی قسم کھانی، ان کی قسم بھی لوگ کھایا کرتے تھے، اس سے بھی آپ نے منع فرمایا، اسی طرح کعبہ کی بھی قسم لوگ کھایا کرتے تھے، اس پر ایک یہودی نے اگر مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ تم بھی شرک کرتے ہو کعبہ کی قسم کھاتے ہو، اپنے مسلمانوں سے فرمایا کہ کعبہ نہیں بلکہ کعبہ والے (خدا) کی قسم کھایا کرتے ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کسی کو کعبہ کی قسم کھاتے سنا تو اس کو منع کیا، اور کہا کہ غیر خدا کی قسم نہ کھانی جائے، میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے کہ جس نے غیر خدا کی قسم کھانی، اس نے کفر کیا، یا شرک کیا، دوسری روایت میں ہے کہ ہر وہ قسم جو غیر خدا کی کھانی جائے شرک ہے،

۱۔ سنن نسائی کتاب الایمان واللہ ورنہ یہ تمام واقعات صحیح بخاری صحیح مسلم نسائی کتاب الایمان میں مذکور ہیں سنن نسائی کتاب اللہ ورنہ جامع ترمذی ابواب اللہ وروایا الایمان و مستدرک حاکم ص ۱۸ جلد ۱ کتاب الایمان ۱۱۱ متدرک حاکم ج ۱ ص ۱۰۰

۱۴۔ اکثر نیک لوگوں کی نسبت یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان کی مشیت میں خدا کی مشیت ہی ہے، اس میں نہ صرف بد عقیدہ لوگ بلکہ اہل توحید بھی غلطی سے مبتلا ہو جاتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو اس دقیق غلطی سے بھی آگاہ کیا، اور بتایا کہ دنیا میں مشیت صرف خدا کی ہی، اسی کی خواہش کے مطابق دنیا چل رہی ہے تمام مشیتیں اور خواہشیں اسی کی مشیت اور خواہش کے ماتحت ہیں، اس کے ساتھ کسی مخلوق کی مشیت، عالم کے کاروبار میں شریک نہیں لیکن لوگوں نے خدا کی مشیت کیسے تھامی اور ان کی مشیت کو بھی شریک کر لیا تھا، توحید کامل کے مناصب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال کی سختی سے تردید کی، اور قرآن مجید نے جا بجا اس حقیقت کو واضح کیا کہ مشیت الہی کے علاوہ کوئی اور حقیقی مشیت نہیں، تمام دیگر مشیتیں اس کی تاب اور ماتحت ہیں، عقیدہ کی غلطی اس قدر عام تھی کہ جو لوگ عقیدہ نہیں رکھتے تھے، وہ بھی سلاطین، حکام اور بزرگوں کیساتھ گفتگو میں یہ کہنا حسن ادب سمجھتے تھے کہ جو خدا چاہے اور جو حضور چاہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرز کلام سے منع فرمایا، یہاں تک کہ خدا کی مشیت کیساتھ برابری سے خود اپنی مشیت کے ذکر سے بھی صحابہ کرام کو اس قسم کا طرز کلام لوگوں کی زبانوں پر چڑھ گیا تھا، یہ صحیح فرمائی کہ خدا اور غیر کی مشیت کے درمیان عطف کا واؤ (اور) نہ لایا جائے کہ اس سے برابری کا شائبہ نکلے، بلکہ پھر کا لفظ بولا جائے تاکہ معلوم ہو کہ خدا کی مشیت کے بعد اور ان کی مشیت کا درجہ ہی نسانی میں ہے کہ ایک یہودی نے خدمت نبوی میں آکر مسلمانوں سے کہا کہ تم لوگ شرک کرتے ہو، کہتے ہو کہ جو خدا چاہے اور جو محمد چاہیں، آپ نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا یوں کہو کہ وہ ایک ہے جو چاہے، پھر جو آپ چاہیں، یہی واقعہ ابن ماجہ میں اس طرح ہے کہ ایک صحابی نے خواب

میں دیکھا تھا کہ ایک یہودی یا عیسائی اُن سے کہہ رہا ہے کہ ”تم مسلمان بڑے اچھے لوگ ہوتے اگر
 شرک نہ کیا کرتے، تم کہا کرتے ہو کہ خدا جو چاہے اور جو محمد چاہیں، ان صحابی نے خدمتِ اقدس میں
 آکر اپنا یہ خواب بیان کیا، آپ نے فرمایا میں اس فقرہ کی بُرائی جانتا تھا، یوں کہو کہ جو خدا چاہے،
 پھر جو محمد چاہیں،“ ابو داؤد میں یہی تعلیم اس واقعہ کی تقریب کے بغیر اس طرح مذکور ہے کہ آپ نے
 صحابہ سے فرمایا کہ ”یہ نہ کہا کرو کہ جو خدا چاہے اور جو فلاں چاہے، بلکہ یوں کہو کہ جو خدا چاہے پھر جو فلاں
 چاہے لیکن امام بخاری نے ادب المفرد میں اور بیہقی نے کتاب الاسما میں جو روایت کی ہے اس
 سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کے ساتھ کسی اور کی مشیت کا نام بھی نہ لینا چاہئے، ایک شخص نے خدمت
 والا میں حاضر ہو کر سلسلہ کلام میں کہا کہ جو خدا چاہے اور جو آپ چاہیں، ارشاد ہوا کہ تم نے خدا
 کا ہمسرا اور مقابل ٹھہرایا، جو خدا چاہے مَا شَاءَ اللّٰهُ وَوَحْدًا“

اس سلسلہ میں یہاں تک اہتمام بدر نظر تھا کہ اس سے بھی منع فرمایا کہ خدا اور رسول کی طرف
 ایک ضمیر پھر کر ایک فعل لایا جائے تاکہ یہ سمجھا جائے کہ خدا اور رسول کا درجہ برابر برابر ہے ایک دفعہ
 آپ کے سامنے کسی شخص نے خطبہ کے اثنائین یہ فقرہ کہا جس نے خدا اور رسول کی اطاعت کی اس
 نے ہدایت پائی، اور جس نے اُن دونوں کی نافرمانی کی یہاں تک اس نے کہا تھا کہ آپ نے اُس کو
 رُک دیا، اور فرمایا اٹھ جاؤ تم بے خطیب ہو، آپ نے آرزو کی کا اظہار اس لئے فرمایا کہ اُن
 دونوں کو ساتھ کہنے سے سامعین پر یہ اثر پڑتا ہے کہ خدا کی اور رسول کی نافرمانی کا حکم برابر ہے

ابن ماجہ کتاب التذویر ۵۱۵ ابو داؤد کتاب الادب باب لا تقربوا جہنم نفسی ۳۱۵ ادب المفرد امام بخاری ص ۱۱۰

مصر و کتاب الاسماء والصفات امام بیہقی صفحہ ۱۱۰ مطبوعہ الہ آباد،

اور اس میں شرک کا ثابہ ہے، اس لئے خطیب کو یوں کہنا چاہئے تھا کہ اور جو خدا کی اور رسول کی فرمانی
کر لگا وہ..... "جیسا کہ قرآن پاک میں بار بار آیا ہے، اور ماثورہ خطبوں میں بھی منقول ہے،

۱۵۔ جن باتوں میں شرک کا ذرا بھی ثابہ پایا جاتا تھا، ان سے بالکل منع کر دیا، لوگ و لا
کا نام آفتاب، اہتاب غیرہ کی عبدیت کیساتھ رکھتے تھے مثلاً عبد الشمس، عبد مناف، ان ناموں
سے سخت منع فرمایا، ارشاد ہوا کہ بہترین نام عبد اللہ اور عبد الرحمن ہیں، اہل عجم اپنے سلاطین کو
شاہنشاہ یعنی تمام بادشاہوں کا بادشاہ کہتے تھے، چونکہ اس میں شرک کا احتمال تھا، آنحضرت
نے فرمایا کہ یہ نام خدا کو سب سے زیادہ ناپسند ہے، دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا اس شخص پر اللہ
کا بید غضب ہو جس نے اپنے کو شاہنشاہ کہا، خدا کے سوا کوئی بادشاہ نہیں (حاکم فی المستدرک ص ۲۵ ج ۴)

غلاموں کو لوگ عبد یعنی بندہ کہتے تھے، حالانکہ انسان خدا کا بندہ ہے، آیوں کا نہیں،
اسی طرح غلام اپنے مالک کو رب کہتے تھے، حالانکہ رب خدا ہے اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
قطعاً منع فرمایا کہ کوئی شخص غلاموں کو عبد یعنی بندہ نہ کہنے پائے، بلکہ یوں کہے کہ میرا بچہ یا بچی
اسی طرح غلام اور باندیان اپنے آقا کو رب نہ کہیں، مالک کہیں کہ تم سب غلام ہو، اور رب اللہ
ہے، ہانی ایک صحابی تھے جن کی کنیت ابو حکم تھی، وہ جب خدمت اقدس میں اپنی قوم کیسا
آئے تو اپنے فرمایا کہ حکم خدا ہے اور خدا ہی حکم دینے والا ہے، تم کو لوگ ابو حکم کیوں کہتے ہیں، عرض
کی کہ میرے قبیلہ میں جب کوئی نزاع ہوتی ہے تو لوگ مجھ کو حکم یعنی ثالث بناتے ہیں، اور میں
جو فیصلہ کرتا ہوں، اس کو رب تسلیم کر لیتے ہیں، آپ نے فرمایا تمہارے بچوں کے کیا نام ہیں، بولے

مشہدات شرک
کی مانت

۱۔ ابوداؤد کتاب اللادب باب تغیر الاسماء ۱۰ ابوداؤد کتاب اللادب ۱۰ ابوداؤد کتاب اللادب باب لکیم و حفظا

شرح مسلم، عبداللہ آپ نے پوچھا سب میں بڑا کون ہے، عرض کی "شرح" فرمایا تو تمہاری کنیت ابو شرح ہے،

اکثر لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ کوئی بڑا کام کرتے ہیں، تو شیطان پر لعنت بھیجتے ہیں گوئی اس نے بڑائی کرائی، ایک دفعہ ایک صاحب آنحضرتؐ کیساتھ گھوڑے پر سوار تھے، گھوڑے نے ٹھوکر کھائی، انہوں نے کہا شیطان کا برا ہوا اپنے فرمایا یوں نہ کہو، ورنہ شیطان غرور سے پھول جائیگا، کھے گا، میری قوت سے یہ ہوا، خدا کا نام تو شیطان وہ کرکھی کے برابر ہو جائے گا، تصویر بنانے سے سخت منع کیا، اس کی یہی وجہ تھی کہ اول اول لوگ کسی بزرگ اور مقتدر کی تصویر گھر میں رکھتے تھے، تو محبت یا یادگار کے طور پر رکھتے تھے لیکن رفتہ رفتہ ان ہی تصویروں کی پرستش ہونے لگتی تھی، چنانچہ ہندوؤں اور رومن کی تھلک عیسائیوں میں اسی طرح تصویر پرستی اور اس سے بڑھ کر بت پرستی کا رواج ہوا، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سرے سے تصویر کھینچنے سے منع فرمایا،

۱۶۔ شرک کا بڑا ذریعہ قبر پرستی اور یادگار پرستی ہی قبروں اور یادگاروں کو لوگ عبادت گاہ بنا لیتے ہیں، سالانہ مجمع کرتے ہیں، دور دور سے سفر کر کے آتے ہیں، قبروں پر مسجدیں بناتے ہیں منہیں مانتے ہیں، تدرین چڑھاتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام افعال سے منع کیا، وفات پانچ دن پہلے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ قبروں کو مسجد بنا لیتے تھے، دیکھو میں تم کو منع کرتا ہوں کہ قبروں کو مسجد نہ بنانا، عین وفات کے وقت چہرہ سے چادر الٹا دی، اور فرمایا کہ خدا یہود و نصاریٰ پر

۱۷۔ ابو داؤد کتاب الادب باب تغیر الاسم بتصحیح ۱۷۱ ابو داؤد کتاب الادب باب الايقول بہشت نفسی ۱۷۱ صحیح مسلم کتاب النسا ج ۱

قبر پرستی اور یادگار پرستی سے روکنا

لوٹ کرے ان لوگوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجد بنا لیا،

۱۰۔ یہ توحید کے متعلق وہ اصلاحات تھیں، جن کا تعلق زیادہ تر اعمال اور روزمرہ کی بول

چال سے تھا، لیکن حقیقی اصلاح جس سے توحید کی تکمیل ہوتی ہے، وہ قلب و روح کی توحید ہے انسان

کے تمام کاموں کا کوئی نہ کوئی نفسیاتی محرک ہوتا ہے، کوئی طلبِ شہرت کے لئے کام کرتا ہے، کوئی

دنیاوی سعادۃ کے لئے کرتا ہے، کوئی نمائش اور دکھاوے کے لئے کرتا ہے، کوئی

غیر کی محبت یا عداوت میں کرتا ہے، ان تمام کاموں کا محرک درحقیقت غیر خدا ہے، جس نے خدا کی

جگہ لے لی، وہ اسی لئے قرآن مجید نے کہا،

أَدْعَوْتَنَا مِنْ آخِذِنَا إِلَهًا هَوَانًا ۝
تم نے اُن کو دیکھا جس نے اپنا خدا خود اپنی

(فرقان - ۴) نفسانی خواہش کو بنا لیا ہے،

اسی لئے بڑا بت وہی ہے جس کو انسان نے خود اپنے دل کے بتانے میں چھپا رکھا ہے، اس

بت کو توڑنا توحید کی اصل تکمیل ہے، اپنے بتایا کہ انسان کے تمام کاموں کا دار و مدار خود اس کے دل

کے عمل پر ہے، إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ اس لئے ایک مسلمان کے ہر قسم کے کاموں کا اصلی

محرک صرف خدا کا علم، خدا کا خوف، خدا کی اطاعت، خدا کی خوشنودی، خدا کی محبت، غرض صرف

خدا ہونا چاہیے، جس درجہ تک ایک مومن کی اس قلبی کیفیت میں ترقی ہوگی، اس کے ایمان و توحید

کی تکمیل بھی پانچ کمال کو پہنچتی جائے گی، اسی بنا پر وحی محمدیؐ نے ہر جگہ اور ہر موقع پر انسان کو اس

عمل کی غرض و نیت مَوْضَاعَةَ اللَّهِ الرَّبِّ الْخَلْقِيِّ غُلُوبًا لَدَى اللَّهِ، اخلاص اور حُبِّ

رَبِّهِ الْأَعْلَى، ذاتِ خدا کو قرار دینے کی تعلیم دی ہے، اس بنا پر انسان جو کام خدا کے علاوہ کسی اور

دعا یا اور عدمِ خدا

بھی منسوبی شرک ہے

غرض و نیت سے کرے تو درحقیقت اُس کام کے لئے اُس نے ایک موقت خدا الگ بنا لیا، اور وہ گو اُس وقت نفعی اور قانونی شرک کا مجرم نہیں لیکن معنوی و نفسی شرک کے ارتکاب کا یقیناً مجرم ہے، آپ نے فرمایا جس نے خدا کے لئے دیا، اور خدا ہی کے لئے رو کیا، خدا کے لئے چاہا، اور خدا ہی کے لئے عداوت کی اور خدا ہی کے لئے بیاہ کیا، اُس نے اپنے ایمان کو کامل کر لیا۔

متعدد صحابیوں سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ”یا چھپا ہوا شرک ہے“ حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”چھپا ہوا شرک یہ ہے کہ انسان کوئی کام دوسرے کی جوگی کے سبب کرے“ حضرت شہاد بن اوسؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جس نے دکھا دیکھا نماز پڑھی، اس نے شرک کیا جس نے دکھا دیکھا روزہ رکھا اس نے شرک کیا جس نے دکھا دیکھا کی خیرات کی اس نے شرک کیا، یہی صحابی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ صحابہ کے مجمع میں آپ فرماتے تھے، ”مجھے اپنی امت کے لوگوں پر سب سے زیادہ جس کا خون ہے وہ شرک کا ہے، ہاں میرا یہ طلب نہیں کہ وہ چاند یا سورج کو سجدہ کریں گے یا بتوں کو پوجیں گے، بلکہ یہ ہے کہ وہ غیر خدا کے لئے عمل کرنے لگیں، اور چھپی نغمائی خواہش میں نہ مبتلا ہوں“ حضرت محمود بن لہبیہ انصاری آپ کا قول نقل کرتے

سے مستدرک حاکم ترمذی آخر کتاب لہذا ترمذی کے دو نسخوں میں اس حدیث کے متعلق دو تنقیدیں درج ہیں ایک میں منکر لکھا اور دوسرے میں حسن، اس کے ایک راوی اہلج کی نسبت لوگوں نے کلام کیا جو نگر حدیث نفس مضمون تمام اسلامی روایات احکام کے عین مطابق ہے، حضرت ابو سعید خدریؓ، معاذ بن جبلؓ، ابو ہریرہؓ، شہاد بن اوسؓ، محمود بن لہبیہؓ، ابو سعید بن ابی نضالہ، ان صحابیوں کی روایتیں ابن جنبل، ابن ماجہ، مستدرک وغیرہ میں ہیں۔ مستدرک حاکم کتاب رقائق ص ۲۶۰ (صحیح) ۳۵ بحوالہ سابق مستدرک ابن جنبل، منہ شہاد بن اوس صفحہ ۱۲۶ جلد ۳۵ سنن ابن ماجہ باب لرباوا

ہیں کہ اپنے صحابہ سے فرمایا کہ مجھ کو سب سے زیادہ جس کا تمپر خوف ہے، وہ شرک اصغر ہے، صحابہ نے
 عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! شرک اصغر کیا ہے، فرمایا، قیامت کے دن جب لوگوں کو پوچھا جائے
 عمل کا بدلہ مل رہا ہوگا، خدا یا کار لوگوں سے کہیں گا کہ تمہارے لئے ہمارے یہاں کچھ نہیں تم ان ہی کے پاس
 جاؤ، جن کے دکھانے کو دنیا میں یہ کام کیا کرتے تھے، حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ایک موقع پر ہم
 لوگ وہاں کے متعلق آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ اسی اثنا میں آنحضرت ﷺ تشریف لے گئے
 اور فرمایا کہ وہاں سے بڑھ کر جو خوفناک چیز میرے نزدیک ہے کیا میں تم کو اس سے آگاہ نہ کروں؟
 ہم سب نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ ﷺ! فرمایا وہ شرک خفی ہے یعنی یہ کہ (مثلاً) کوئی شخص نماز
 پڑھ رہا ہو تو وہ نماز کو شخص اس لئے درست کر کے پڑھے کہ کوئی دوسرا شخص اسکو دیکھ رہا ہے، ابوسعید
 ابی فضالہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت میں جب خدا انکوں
 اور پھلپون کو کجا کرے گا، تو ایک منادی آکر پکارے گا کہ جس نے اپنے کسی عمل میں خدا کیساتھ کسی غیر
 کو بھی شریک بنایا ہو تو وہ اپنا ثواب سی غیر سے مانگے کہ خدا سا جھ سے بے نیاز ہو، ابوسعید کہتے ہیں
 کہ اپنے ارشاد کیا کہ خدا فرماتا ہے کہ میں تمام شرمکون میں سب سے زیادہ شرک بے نیاز ہوں تو جس نے اپنی کسی کام
 میں میریساتھ کسی اور کو شریک کر لیا، تو میں اس سوا لگ ہوں اور وہ اسی کا ہے جسکو اس نے میرا شریک بنایا
 ان تعلیمات کا یہ اثر ہوا کہ صحابہ اپنی عمل میں اس شرک خفی سے ڈرتے تھے، شداد بن اسد کہتے
 ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے زمانہ حیات میں رہا کہ شرک اصغر گنا کرتے تھے، ایک دفعہ حضرت

۱۔ ابن جنبل مسند محمود بن لبید انصاری ص ۴۲۸، جلد ۵، ابوداؤد و مسند ابن جنبل ص ۱۷۷ سنن ابی ماجہ باب لریار و لسموۃ
 سنن ابن ماجہ باب لریار و ترمذی و مسند ابن جنبل ص ۱۷۷ ابن ماجہ باب لریار و مسند ابن ماجہ کتاب لریار جلد ۱ ص ۳۱۹ (صحیح)

عمر فاروقؓ جا رہے تھے، دیکھا کہ حضرت معاذ بن جبلؓ صحابی آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں، حضرت عمرؓ نے رونے کا سبب دریافت کیا، تو انھوں نے قبر مبارک کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس قبر میں مدفون ہستی نے کہا تھا کہ ریاکاروں کی شائبہ بھی شرک ہے اسی طرح ایک دفعہ عبادہ تابعی نے دیکھا کہ حضرت شداد بن اوس صحابی اپنی جانماز پر بیٹھے زار و قطار رو رہے ہیں، اس کا سبب دریافت کیا، تو انھوں نے بیان کیا کہ ایک دن میں نے رسول اللہ ﷺ کے چہرہ اقدس پر غم و ملال کے آثار دیکھے، عرض کی میرے مان باپ حضور پر خدا ہوں اس حزن و ملال کا سبب کیا ہوا؟ فرمایا کہ میں اپنے بعد اپنی امت پر ایک چیز سے ڈرتا ہوں، عرض کی یا رسول اللہ! وہ کیا ہے؟ فرمایا شرک اور چھپی نفسانی خواہش، میں نے دوبارہ گزارش کی یا رسول اللہ! کیا آپ کی امت کے بعد شرک میں مبتلا ہوگی؟ فرمایا "اے شداد! میری امت یقیناً سورج یا چاند یا بت اور پتھر کی پرستش نہیں کرے گی، لیکن وہ اپنے عمل کی نمائش اور ریاکاری کی عرض گی یا رسول اللہ! کیا ریاکار شرک ہے؟ فرمایا "ہاں"۔

ان واقعات اور تعلیمات کو پڑھ کر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کس طرح ہر پہلو سے شرک کی تردید اور توحید کی تکمیل فرمائی ہے، وہی عرب جو پہلے خدا کے سوا ہر چیز کی پرستش کرتے تھے، انھوں نے آپ کی تعلیم کے اثر سے خدا پرستی اور توحید کی انتہائی معراج حاصل کر لی،

۱۷۰۰ مستدرک حاکم کتاب لوفاق جلد ۲ ص ۳۲۰ (صحیح) ۱۷۰۰ مستدرک حوالہ مذکور حاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد لکھا ہے، ذہبی نے تصحیح کی ہے کہ اس کا ایک اسی عبدلواحد بن زید متروک ہے، تاہم چونکہ حدیث کو نفس مضمون مندرجہ ذیل (صحیح) اور سنن ابن ماجہ (باب ریاکار) میں ایسے سلسلون ذکر ہیں جن میں یہ عبدلواحد نہیں پڑتا، اس لیے ہم نے اس حدیث کو بیان درج کیا ہے۔

توحید

اور

اسکے ایجابی اصول و ارکان

یہ تو توحید کے سبھی اجزاء تھے یعنی توحید کے مخالف عقائد و خیالات کی نفی اور تردید لیکن نبوت محمدیؐ کا کارنامہ اس سے اہم اور بالاتر ہے، اور وہ توحید کی اصل بنیاد کی استوار سی، اُس کے اصول کی تسبیح، امور ایمان کی تفصیل، اور اس کے اجزاء کی تکمیل ہے، عرب میں شرک و بت پرستی بھی تھی، اور کہیں کہیں آسمانی مذاہب کی محرت صورتیں بھی موجود تھیں، مگر ایک صحیح مذہب تکمیل ان کے سامنے مطلق نہ تھا، اس بنا پر عقائد اور ایمان کی کوئی صحیح اور مرتب صورت بھی ان کے ذہن میں نہیں ہو سکتی تھی، آنحضرت ﷺ نے ان کے تمام بھلے فخر خرافات، اور اوہام کو جن کو دین کا درجہ دیدیا گیا تھا، یک ظلم محو کر دیا، بت پرستی، جن پرستی، فرشتہ پرستی، ستارہ پرستی، فطرت پرستی، انسان پرستی، سوز شرک کی تمام صورتیں قطعاً مٹا دیں، اور ان کی جگہ مرتبہ یقین، سنجیدہ حقائق، اور سچائیوں سے معمور چند عقائد کی تعلیم دی جو انسان کے تمام اعمال اور اخلاق کا بنیاد ہی تھیں،

اللہ تعالیٰ کی ہستی پر یقین | اس سلسلہ میں سب سے پہلی چیز خدا کی ہستی کا یقین اور پھر اسکی توحید پر ایمان ہی

دنیا میں جتنے پیغمبر آئے ان میں سے ہر ایک نے اس قیادِ مطلق کی طرف لوگوں کو دعوت دی، مگر یہ دعوت ان کے ایک مسلم دعویٰ کی حیثیت سے تھی، انہوں نے اس دعویٰ کو دلائل کا محتاج نہ سمجھا، اور حقیقت میں جن نامحدود زمانوں میں قوموں کے لئے ان کی بعثت ہوئی، ان میں دلیل اور برہان کی ضرورت بھی نہ تھی، کیونکہ ان زمانوں میں بت پرستی، ستارہ پرستی، اور فطرت پرستی کا رواج تھا، انکا وجود نہ تھا، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عمومی تھی جو آخری زمانہ تک کے لئے ادنیٰ تمام قوموں کے لئے تھی، اور علم الہی میں یہ تھا کہ بعثت محمدی کے بعد عقل انسانی تحقیق و تلاش کے آخری مراحل طے کرنا چاہے گی، اور قدرت کے سرمہر خزانے وقتِ عام ہون گے اور عقلیت کا دور دورہ ہو گا، اور ہر شے دلیل و ثبوت کی محتاج قرار پائے گی، اس لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دلائل و برہان، ثبوت اور شواہد کی بھی تلقین کی گئی،

ایک اور سبب یہ ہے کہ انبیائے سابقین صرف اپنی قوموں کی دعوت پر مامور ہوئے تھے، جنہیں مشرکین کا وجود تھا، ملحدین کا نہ تھا، لیکن خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام قوموں اور طبقوں کے لئے ہوئی، اس لئے آپ کی دعوت میں یہ صاف نظر آتا ہے کہ آپ انسانی عقل کی ہر صفت کو مخاطب کر رہے ہیں، اور اس کے معیار اور سطح کے مطابق اس قیادِ مطلق کی ہستی اور وجود پر دلیلیں بھی پیش کر رہے ہیں، اس لئے آپ نے دوسرے پیغمبروں کی طرح صرف مشرکوں کو مخاطب نہیں فرمایا بلکہ مشرکوں، کافروں، ملحدوں، مشرکوں، دہریوں، ہر ایک کو مخاطب فرمایا، اور ان میں سے ہر ایک کی تسکین و تسفی کا سامان ہم پہنچایا،

ایک قیادِ مطلق، خالقِ عام، اور صانع کائنات کی ہستی کے ثبوت اور انکار پر جب سے فلسفہ

کا وجود ہے، ہمیشہ بخش پیدا ہوتی ہیں، اور دلیلیں پیش کی جاتی رہی ہیں، مصر، یونان، ہندوستان، اسلامی ممالک اور آج یورپ میں بھی اس مسئلہ پر، عقلا سے زمانہ نے اپنی جودت ذہن نکلتے رہی اور دقیقہ فہمی کا بہترین ثبوت پیش کیا ہے، مگر غور سے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ دلائل کی زبان اور طرزِ تبصیر میں گو تبدیلی ہوتی رہی ہے، مگر اصل مغز سخن صرف ایک ہی، اس بنا پر وحی محمدی نے اللہ تعالیٰ کی ہستی اور وجود پر جو دلیل قائم کی، اس میں اسی مغز کو لے لیا ہے اور نہایت مؤثر طرزِ ادا میں اس کو بار بار دہرایا، اور انسانوں کو متنبہ کیا ہے

وحی محمدی کا سب سے پہلا دعویٰ یہ ہے کہ اس ایک قاور مطلق، خالقِ عالم اور صانعِ ہستی کا اعتراف انسان کی فطرت میں داخل ہے، تمدن سے تمدن اور وحشی سے وحشی قوم میں بھی اس اعتراف کا سراغ ملتا ہے، آثارِ قدیمہ کی تحقیقات نے سینکڑوں مردہ اور گنہام قوموں کی تاریخ کا سراغ لگایا جس میں سامانِ تمدن، اعلیٰ حیالات اور علوم کی لاکھوں محسوس ہوتی، ہو مگر مذہبی عقیدت اور کسی خدا کے اعتراف کی کمی بالکل نہیں نظر آتی ان کی عمارتوں کے منہدم کھنڈروں میں جو چیز سب سے پہلے ملتی ہے وہ کسی مسجد کی چار دیواری ہوتی ہے آج بھی دنیا مختلف گوشوں میں جو بالکل وحشی قومیں ملتی ہیں، وہ بھی کسی نہ کسی شکل میں عالم کے خالق اور کائنات کے صانع کے تخیل سے بہرہ ور ہیں، غرض جماعت انسانی کا کوئی حصہ زمین کا کوئی گوشہ، زمانہ کا کوئی عہد اس تخیل سے نجاتی نہیں ملتا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اعتراف بھی انسان کے فطری تصورات اور وجدانی جذبات میں داخل ہے، اسی لئے وحی محمدی نے اس کو فطرت سے تعبیر کیا کہ

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ
اپنا منہ سب طرف سے پھیر کر دین کی طرف کرتے

الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا حَتَّىٰ يَلْمِزُكَ
 لِيَخْلَقَ اللَّهُ ذَٰلِكَ الْبَاطِنَ الْقِيَمُ وَ
 لَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (نوم ۴)
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،
 كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ^۱
 ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے،

اسی لئے خدا کا اعتراف روز اول کا وہ عہد و پیمان ہے، جو خالق و مخلوق کے درمیان
 ہوا تھا، اور یہ اسی عہد و پیمان کا احساس ہے، جو انسان کی رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے
 ہے کہ ہزار انکار کے بعد بھی کسی نہ کسی رنگ میں وہ اعتراف نمایاں ہو جاتا ہے، قرآن پاک نے اس
 واقعہ کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے،

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي آدَمَ
 أَنْ كُفُوا لِي وَلَا تَكُونُوا مِنَ
 الْمُمْتَدِّينَ ۚ فَسَمِعُوا لَهُمْ
 وَأَسَدُوا لَهُمْ ۚ وَكَانُوا
 مِنَ الْمُنْكَرِينَ (اعراف - ۲۲)
 اور جب تیرے خدا نے بنی آدم کی بیٹی سے
 ان کی نسل کو لیا، اور خود ان کو نہیں پرکھا
 کیا کہ کیا میں تمہارا رب میں، ہوں انہیں
 نے کہا، ہاں، ہم گواہ ہیں،

انسان کا یہ جذبہ فطرت کبھی کبھی خارجی اثرات سے دب جاتا ہے، وحی محمدیؐ نے بار بار
 انسان کے اسی دبے ہوئے جذبہ کو ابھارا ہے، اور اسی زیر خاکستر لگ کو مواد ہی سے، اور
 انسان کو اس کا بھولا مواد خدا یاد دلایا ہے، وہ انسانوں سے پوچھتی ہے،

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، ۱۱۱

کیا آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے خدا

میں شک ہے؟

اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ

الْاَرْضِ، (ابراہیم-۲)

ایک اور مقام پر اُس نے کہا،

اَمْ خَلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْْءٍ اَمْ هُمْ

الْمَخْلُقُوْنَ اَمْ خَلَقُوْا السَّمٰوٰتِ وَ

الْاَرْضَ بَلٰى لَآ يُوْقِنُوْنَ. (طور-۲)

کیا وہ آپ ہی آپ بن گئے، یا وہی اپنے

آپ خالق ہیں، یا ان ہی آسمانوں اور زمین کو

پیدا کیا ہے (یہ کوئی بات نہیں) بلکہ ان کو یقین ہے

دنیا اور کائنات جس میں انسان بھی شامل ہے اور جو اپنی عقل اور فہم کی بنا پر سبے بالاتر ہے

بہر حال موجود ہے، اور اس کے اس وجود میں کوئی شک بھی نہیں ہے اب سوال یہ ہے کہ کسی

بن بنائے وہ آپسے آپ بن گئی ہے، یا خود اُس نے اپنے آپ کو بنا لیا، یا ظاہر ہے کہ یہ دونوں صورتیں

باطل ہیں، نہ آپسے آپ کوئی چیز بن سکتی، اور نہ کوئی مفعول اپنا فاعل آپ ہو سکتا ہے اگر کوئی بویقون

یہ کہے کہ نر و مادہ مل کر اپنا بچہ پیدا کرتے ہیں تو اس سے پوچھا جائیگا کہ سلسلہ توالدہ مثال کا آغاز

کیونکر ہوا، اور اولین نر و مادہ کا اور مادہ تخلیق و روح کا خالق کون ہے؟

یہ گونا گون عالم، یہ رنگارنگ کائنات، یہ تارون بھرا آسمان یہ بولمہون زمین یہ سورج

یہ چاند، یہ درخت، یہ سمندر، یہ پہاڑ، یہ لاکھوں جاندار اور بے جان اشیاء، یہ علل و اسباب کا تسلسلہ،

تغییر و انقلاب کا نظام، یہ کائنات کا نظم، اور اُس کے ذرہ کا قاعدہ و قانون، انسان کے اندرونی

قوتی اور ان کی باہمی ترتیب، موت و حیات کے اسرار، خواص و قوتی کے رموز، انسان کی خیالی

بلند پروازی، اور علمی عجز و درماندگی، یہ تمام باتیں ایک خالق و صانع کے اعتراف پر مجبور کرتی ہیں

یہ نیلگون آسمان کی چھت، یہ زمین کا سبزہ زار فرش، اور ایک ہی حرکت سے شب و روز کا انقلاب
ایک خالقِ کل کا پتہ دیتا ہے،

إِنِّي خَلَقْتُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
وَاخْتَلَا فِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ كَلِمَاتٍ
لِّأُولِي الْأَلْبَابِ (آل عمران - ۱۹۰)

آسمانوں کی اور زمین کی پیدائش، اور رات
اور دن کے بدلنے میں عظمتوں کے لئے
نشانیوں ہیں،

یہ شب و روز کا نور و ظلمت، یہ سورج اور چاند کی روشنی، ان کی مقررہ رفتار، اور باقاً
طلوع و غروب اس کی دلیل ہے کہ اس اہل حق ایام پر کوئی سوار ہے جس کے ہاتھ میں اس کا سیاہ سپید
وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ
وَالْقَمَرُ (فَصِّلَاتٌ - ۵)

اور اس کی نشانیوں میں سے رات و دن
اور سورج اور چاند ہیں،

آسمان اور زمین کی پیدائش، دن اور رات کا الٹ پھیر، تو ہی دیکھو کہ خطرناک سمندر
میں کس طرح لوگ ایک ملک سے دوسرے ملک کو تجارت کا سامان لیکر دوڑتے پھرتے ہیں
اگر پانی میں مٹی اور لوسے کا ایک ذرہ بھی ڈالو تو فوراً ڈوب جائیگا، مگر یہ لاکھوں من کے لدے ہوئے جہاز
کیسے پھول کی طرح پانی پر تیر رہے ہیں جس طرح فطری قاعدہ کے بموجب یہ عمل ظہور میں آ رہا ہے وہ
جس کے حکم سے بنا ہے اس کا کتنا بڑا احسان ہے، پھر ان سمندروں سے تجارت اٹھتے ہیں، وہ آواز
جا کر بادل بنتے ہیں، اور وہ وہیں پہنچ کر برستے ہیں، جہاں پیداوار اور زمین کی نشوونما کی حاجت
اور پھر وہ بادل ہواؤں کے تحت پر بٹھکر کیسے ادھر ادھر ضرورت کے مطابق اڑتے پھرتے ہیں
إِنِّي خَلَقْتُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
بے شبہ آسمانوں کی اور زمین کی پیدائش

وَ اٰخِذَا فِى السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ
 وَ النَّجْمِ وَ النَّجْمِ وَ النَّجْمِ
 وَ مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ
 مَاءٍ فَاحْيَا بِهٖ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا
 وَ بَشَّرْنَا مِنْ اٰمِنٍ ذَا اَبَّةٍ وَ تَصْرِيفِ
 الرِّيَّاحِ وَ اللَّحَابِ الْمَسْحُورِ بَيْنَ السَّمَاءِ
 وَ الْاَرْضِ لَا يَبْهَتُ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ
 (بقرہ - ۲۰)

اور دن رات کے الٹ پھیر میں اور ان جہازوں
 میں جو انسانوں کے لئے فائدہ رساں سامان
 سمندر میں چلتے ہیں اور آسمان سے اس کے پانی
 برسانے میں اور پھر اس پانی کے ذریعہ میرے پیچھے
 زمین کو زندگی بخشنے میں اور زمین میں ہر طرح
 کے لون کو پھیلانے میں اور ہواؤں کے کبھی ادھر
 اور کبھی اُدھر بھرنے میں اور آسمان و زمین کے بیچ
 میں جو بادل کام میں لگے ہیں ان سب میں سمجھ
 دانوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

آسمان اور زمین کی عجیب و غریب خلقت کے ساتھ خود انسان کی اپنی پیدائش کی

حکایت کتنی عجیب ہے،

اِنَّ فِى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَآيٰتٍ
 لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۗ وَ فِىْ خَلْقِكُمْ وَ مَا يَبۡتۡ
 مِنْ ذَا اَبۡتۡ لِقٰوۡمٍ يُّوقِنُوۡنَ (جاثیہ)

سورہ انعام میں نباتات اور ان کی نیزگیوں کو اپنی ہستی کی دلیل میں پیش کیا، یہ کہتے
 تعجب کی بات ہے کہ ایک ہی زمین سے جس میں سے وہ اگتے ہیں، ایک ہی پانی ہے جس سے وہ
 جاتے ہیں، ایک ہی ہوا ہے جس میں وہ سانس لیتے ہیں، اگر کتنے رنگ رنگ کے پھل پھول، میوے

اور درخت لگتے ہیں، جن میں سے ہر ایک کا رنگ، ہر ایک کا مزہ، ہر ایک کی پتی، ہر ایک کا قد و قامت، ہر ایک کے خواص اور فائدے، دوسرے سے بالکل الگ ہوتے ہیں،

وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ
مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ
فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا مَخْرُجًا مِنْهُ
حَبًّا مُتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِن
طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنَّاتٍ مِّنْ
أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ
مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ انظُرُوا
إِلَى ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَنَعِيهِ حَانَ
فِي ذَلِكَ لآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ

اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اُس سے اُگنے والی ہر چیز نکالی، پھر اس سے سبز خوشے نکائے جن سے ہم جڑے ہوئے نکلنے نکالتے ہیں، اور کھجور کے کا بھے میں سے نکلنے گچھ، اور انگور کے باغ اور زیتون اور انار ہمشکل اور جدی جدی شکل کے جب وہ پھلیں تو ان کے پھل اور پکنے کو دیکھو بیشک ان میں ایمان والے لوگوں کے لیے دلائل

فِي ذَلِكَ لآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (انعام) ہیں،

سورہ روم میں پہلے مہی سے انسان کی پیدائش کو، پھر اس میں عورت مرد کے جوڑے ہونے کو، اور ان کے درمیان مہر و محبت کے جذبات کے ظہور کو اپنی مستی کی دلیل بتایا ہے، پھر اپنی قدرت کے دوسرے عجائبات کو جو آسمان سے زمین تک پھیلے ہیں، ایک ایک کر کے پیش کیا ہے، اول تو خود انسانوں کی پیدائش، پھر ان میں عورت مرد ہونا اور ان کے درمیان جذبات کی لہر پھر مختلف قوموں کی بولیوں، شکلوں اور رنگوں کو دیکھو کہ ایک ایک سے الگ ہے، پھر انسانوں کے اندر کے اعمال کو دیکھو، ایک نیند ہی کی حقیقت پر غور کر ڈیہی تمہاری آنکھیں کھولنے

کے لئے کافی ہے،

اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اُس نے
تم کو مٹی سے بنایا، پھر تم آدمی بن کر چلنے پھرتے
ہو، اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اُس نے
تمہاری عینس سے تمہاری جوڑے بنائے کہ تم
اُن سے سکون حاصل کرو اور تم سب کے
درمیان پیارا اور مہر رکھا، اور اس میں
اُن لوگوں کے لئے جو سوچتے ہیں، دلیلین ہیں
اور اُس کی نشانیوں میں سے آسمانوں کی
اور زمین کی بناوٹ اور تمہاری بولیوں
اور رنگوں کی بولقونی ہے، اس میں جاننے
والوں کے لئے یقینا دلیلیں ہیں اور اسکی عجیب
قدرتوں میں سے تمہارا رات دن میں سونا اور
تمہارا اسکی ہر بانوں کو تلاش کرنا اور اس میں
اُن کے نوجو سننے ہیں دلیلیں ہیں اور اُس کے
عجائب قدرت میں سے یہ ہے کہ تمہیں وہ بکلی کی
چمک دکھاتا ہے، جس سے تم ڈرتے ہو اور کبھی

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ
ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُونَ وَ مِنْ
آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ
أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمُ
مَوَدَّةً وَ رَحْمَةً ط إِنَّ فِي ذَلِكَ
لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ وَ مِنْ
آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَ الْأَرْضِ
وَ اخْتِلَافُ السِّنِّكُمْ وَ الْوَأَنَّاكُمْ
إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِلْعَالَمِينَ
وَ مِنْ آيَاتِهِ سَنَاءُكُمْ بِاللَّيْلِ النَّهَارِ
وَ ابْتِغَاءُكُمْ مِنْ فُضُولَاتِنَا فِي ذَلِكَ
لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَسْمَعُونَ وَ مِنْ
آيَاتِهِ يُرْسِلُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَ طَمَعًا
وَ يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُخْرِجُ
الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ فِي ذَلِكَ
لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ وَ مِنْ آيَاتِهِ

أَنَّ تَقْوَمَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِمَا مَوْجَدُ

رحمت کی بارش کی امید باندھتے ہو اور وہ

آسمان سے پانی برساتا ہے پھر اس سے زمین کو اس کے

میرے پیچھے زندہ کرتا ہے اس میں ان کے لئے جو سمجھتے

ہیں دلیلین ہیں اور اسکی دلیلون میں سورہ ہر کہ

آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں

(دور - ۳)

اس اخیر آیت میں آسمان و زمین اس کے حکم سے قائم ہونے کا ذکر ہے، تم کہتے ہو کہ یہ باہمی جذب و کشش سے قائم ہیں، لیکن خود یہ جذب و کشش کس کی کشش کا نتیجہ ہے؟ یہ خود حیرت انگیز سورہ لقمان میں آسمانوں کے بلا کسی نظر نہ آنے والے سہارے کے کھڑے ہونے اور زمین کے اپنی جگہ پر ٹھہرے ہونے کا ذکر ہے، یہ نظر نہ آنے والا سہارا تو کشش ہی سی، لیکن وہ بھی تو اسی کے اسرار میں سے ہے، اس کے بعد ایک جاہد اور بے حیات مردہ زمین کے اندر سے پانی برسنے کے ساتھ انواع و اقسام کی زندگی کے نمونوں کا ابھرنا کتنا حیرت انگیز ہے یہ بھی اسی کا کرشمہ ہے،

اس نے آسمانوں کی چھت کو کسی ایسے ستونوں

کے بغیر کھڑا کیا جو تم کو نظر آتے ہوں اور زمین میں

ایسے کھونٹے ڈال دیو کہ وہ تم کو لیکر ہل نہ جائیں اور

اس نے اس زمین پر ہر قسم کے چلنے پھرنے والے پھیلنے

اور آسمان سے پانی برسایا، پھر تم نے اسی زمین

سورہ سجدہ میں انسان کی پیدائش کا مٹی سے آغاز، پھر قطرہ آب (نطفہ) کے ذریعہ

خَلَقَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَ

أَتَقَى فِي الْأَرْضِ رُودًا سِئَاً أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ

وَبَشَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَأَنْزَلْنَا

مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَابْتَسْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ

زَوْجٍ كَرِيمٍ (لقمان - ۱)

ہے ہر طرح کی جاندار

وتماسل، پھر اس سڈول جسم کا بنانا، پھر اس مٹی کے مروہ قالب میں وقفہ کہیں سے زندگی آجانا اور اس میں روح پھک جانا، اور اس میں ظم و حواس کے حیرت انگیز آلات کا پیدا ہو جانا، ان سب کو اپنی صفت میں پیش کیا ہے،

اللّٰهُمَّ اَحْسَنَ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَ
 بَدَا اَخْلَقْتَ الْاِنْسَانَ مِنْ طِينٍ تُرَابٍ
 جَعَلْتَ نَسْلَهُ مِنْ سَلْدَةٍ مِنْ مَّاءٍ
 مَّهِينٍ، ثُمَّ سَوَّاهُ وَ نَفَخَ فِيْهِ مِنْ
 رُوْحِهِ وَ جَعَلَ لَكَ الْوَسْمَعُ وَالْاَبْصَارُ
 وَالْاَفْئِدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ،

وہ میں نے جو چیز بنائی خوب بنائی اور انسان
 کی پیدائش مٹی سے شروع کی، پھر اس کی
 نسل ذلیل سے نچر پانی سے بنائی، پھر اس کو
 سڈول کیا، اور اس میں اپنی جان سے کچھ
 پھونک دیا، اور تمہارے لئے کان اور آنکھیں
 اور دل بنا دیئے، تم ان احسانوں کا بہت
 کم شکر ادا کرتے ہو،

(سجدا ۸-۱)

مروہ زمین کے اندر کیا کیا قوتیں و دلیت ہیں اور خود انسانوں کے جسم و جان میں
 عجائبات کا کتنا خزانہ رکھا ہے، لیکن کوئی صاحب نظر ادھر نہیں دیکھتا، انسان کی زندگی
 اس کے اندرونی جذبات حواس، ذہنی قوی اور دماغی حرکات، ان میں سے ہر شے متعجب

وَ فِي الْاَرْضِ اٰيَاتٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَ
 فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تَبْصُرُوْنَ،

اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لئے
 نشانیاں ہیں، اور خود تمہاری جانوں
 کے اندر، کیا تم نظر نہیں کرتے،

(ذاریات - ۱)

جانوروں کے محبتوں کے اندر جو عجیب و غریب نظام ہے، وہ بھی غور کے قابل ہے،

ہی گھاس پھوس کی غذا ان کے پیٹ میں جاتی ہے، پھر اسی کا کچھ حصہ لید اور گوبر، کچھ خون، اور کچھ دودھ بنجاتا ہے، اور اسی لید اور گوبر کے باہر آنے کے راستوں اور سرخ خون کی رگوں کے درمیان سے خالص، سپید شیریں دودھ کی دھاروں کا نکلنا کتنا عجیب ہے؟

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَلْغَامِ لَعِبْرَةً ۚ
 وَنَسْتَقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ
 فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا
 لِلشَّرَابِ ۖ (محل - ۹)

اور تمہارے لئے جانوروں میں عبرت ہے ہم
 تمہیں ان کے پیٹوں کے اندر سے لید اور
 خون کے بیچ سے خالص اور پینے والوں کیلئے
 خوشگوار دودھ پلانے میں،

ایک ہی قسم کے پھل ہیں، اگر ان کو ایک طرح سے کھاؤ تو تمہاری عقل اور قوت کو بڑھاتے ہیں، اور دوسری طرح کھاؤ تو اس کو ضائع کر دیتے ہیں،

وَمِنْ ثَمَرَاتِ الْبَيْتِ وَالْاَعْنَابِ
 تَتَخَذُونَ مِنْهُ سَكْرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا
 فِيْ ذٰلِكَ لَا يَهْتَفِعُوْنَ لِعِقْلُوْنَ، (محل - ۹)

اور چھو ہارون اور انگوروں کے پھلوں کو
 دیکھو کہ ان میں سے تم نشہ اور اچھی روزی بھی
 حاصل کرتے ہو اس میں سمجھ والوں کے لئے دلیل ہے

زمین اور زمین پر کی مخلوقات کو چھوڑ کر اوپر آسمان کی طرف نظر اٹھاؤ، سورج کا روشن چراغ اور چاند کی خوشنما قندیل کتنی عجیب ہے، پھر سورج کو دیکھو کہ سال کے بارہ مہینوں میں آسمان کے بارہ برج طے کر کے کس طرح زمین میں مختلف موسموں اور زمانوں کو نمایاں کرتا ہے،

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمٰوٰتِ بُرُوْجًا ۙ
 وَجَعَلَ فِيْهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُّنِيْرًا (فرقان - ۴)

بارک ہے وہ جس نے آسمانوں میں برج
 بناؤ اور ان میں ایک چراغ اور چمکانے والا چاند

ان ہی چند چیزوں تک اس کی قدرت کے عجائبات محدود نہیں، بلکہ ہر شے اپنی
اپنی محکم روش، اور اپنے قانونِ فطرت سے اس کی گواہی دیتی ہے،
صُنِعَ اللّٰهِ الَّذِیْ اَلْفَنَ كُلَّ شَیْءٍ، اس اللہ کی صنعت ہے جس نے ہر شے کو

(نحل - ۱۷) مضبوط (نظام پر) بنایا،

اس کی صنعت ہر قسم کے عیب سے پاک ہے، اس میں مستحکم نظم و نسق کی بندش نظر آتی ہے،
مَا تَرَىٰ فِی خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِن تَفٰوُتٍ
فَاَرٰجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِن فُطُوْرٍ
تُعٰرِجِ الْبَصَرَ كَذٰلِکَ یَنْقَابُ
اِلَیْکَ الْبَصَرُ جَا سِآءًا وَّ هُوَ حَسِیْرٌ (ملک)

تجھے ہر دالے خدا کی بناوٹ میں کوئی بے جا چیز
نظر آتی ہے؟ پھر نگاہ کر، کیا کوئی طور دکھائی دیتا
ہے، پھر دہرا کر دو بارہ نظر کر، تیری نگاہ رو ہو کر
تھک کر تجھے تک پٹ آنے لگی (مگر کوئی نقص

اس قسم کی اور سینکڑوں آیتیں ہیں جن کا استقصا بھی مستقل ہے، ان آیتوں میں تین قسم کے

دلائل ہیں،

۱- قدرت کے عجائبات اور نیزنگیان، اور پھر ان کا ایک قانون کے ماتحت ہونا،

۲- عالم کا نظم و نسق اور اس کا مرتب سلسلہ،

۳- کائنات اور سلسلہ عالم کی ہر کڑی میں بے انتہا مصلحتوں، حکمتوں، اور فائدوں کا ہونا

ان مقدمات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کائنات اور اس کے یہ عجائبات اور اس کے منظم

علل و اسباب، خود بخود بخت و اتفاق سے نہیں بن گئے، بلکہ کسی حکیم و دانہا، اور قادر مطلق صانع نے

اپنی قدرت اور ارادہ سے ان کو بنایا ہے،

عالم میں ہر چیز کے لئے علل و اسباب کا سلسلہ ہے یہ سلسلہ یا تو کہیں جا کر ختم ہو گیا یوں ہی سلسل چلا جائیگا اگر یہ یونہی سلسل چلا جائیگا تو لازم آتا ہے کہ ہر چیز کے پیدا ہونے پر غیر متناہی علل گزر جائیں اور غیر متناہی علل کا خاتمہ نہیں ہو سکتا، اور نہ کہیں ان کا آغاز ہو سکتا ہے، اس لئے کوئی چیز پیدا بھی نہیں ہو سکتی تسلسل عقلاً بھی محال ہے، بلکہ انسان اس کے تخیل سے بھی عاجز ہے اس بنا پر لامحالہ سلسلہ علل کا کہیں خاتمہ ہونا ضروری ہے جس علت کل پر تمام علتیں ختم ہو جاتی ہیں، وہی خلق و پیدائش اور جو دو کو کی اصلی علت معلوم ہے،

یہ دلیل گو بہت کچھ چھپچھپا اور اصطلاحات سے لبریز، اور بہت سے محذوف مقدمات پر مبنی ہے، تاہم وہ انسانی عقل میں آتی ہے، اور بہتوں کے لئے تسکین کا باعث ہے، قرآن پاک کی ایک دو آیتوں میں بھی اس دلیل کا ماخذ مذکور ہے، سورہ ہود کے آخر میں ہے،

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَالْيَوْمِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهُٓ، فَاعْبُدْهُ
وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ، (ہود - ۱۰)

اور خدا ہی کے پاس ہے آسمانوں اور زمین کی چھپی
بات اور اسی کی طرف ہر بات لوٹائی جاتی ہے
تو اس کو پوج اور اس پر بھروسہ کر،
اور یہ کہ تیرے رب کی طرف ہے سب کی انتہا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسانی کمزوریوں سے واقف تھے، چند صحابیوں نے اگر عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کبھی کبھی ہمارے دلوں میں ایسے خیالات اور وسوسے آتے ہیں، جن کو ہم زبان سے ادا نہیں کر سکتے، فرمایا کیا تم کو یہ کیفیت حاصل ہو گئی، ہرگز ارش کی ہاں یا رسول اللہ فرمایا یہ تو خالص ایمان ہے، مقصود یہ ہے کہ دل میں وسوسوں کا آنا اور پھر ان وسوسوں کو اتارنا

بدتر جانتا کہ ان کا زبان پر لانا بھی وہ گناہ سمجھے، یہ کیفیت ایمانی کے بغیر ممکن نہیں، اسی طرح آپ نے فرمایا لوگ علم و دانش کا سوال کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ خیر اس کو تو خدا نے پیدا کیا، اور پھر اس خدا کو کس نے پیدا کیا، آسمان کو خدا نے بنایا زمین کو خدا نے بنایا، یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے پھر دیکھتے ہیں، اچھا تو پھر خدا کو کس نے پیدا کیا، فرمایا یہ شیطانی دوسوہ ہے، جب یہ حالت کسی کو پیش آئے تو کہدے اَمَّا بِنَدْبِ اللَّهِ فِي اللَّهِ بِرَأْيَانِ لَّيْلًا

یہ تعلیم و حقیقت اسی مسئلہ کی ہے کہ خدا پر تمام علتوں کی انتہا ہے، اور اس کے بعد کوئی علت نہیں، اس لئے یہ دوسوہ لائق جواب نہیں، یہ جہالت اور نادانی کا سوال ہے،

توحید پر عقلی دلیلیں | اگر کوئی عالم کا خالق و صانع ہے، تو وہ یقیناً ایک ہے، دو نہیں، تاہم دنیا میں ایسے عقلمند بھی ہیں، جو دو تین بلکہ متعدد خداؤں کے قائل ہیں، اور عالم کی ایک مملکت کو سیکڑوں حصوں میں تقسیم کر کے ان کو مملکت خداؤں کی حکومتیں قرار دیتے ہیں، وحی محمدی نے اس شرک کے ابطال پر سب سے زیادہ جس دلیل کو پیش کیا ہے، وہ نظام عالم کی یکسانی اور وحدت، کائنات کے ظلال و اسباب کا باہم توافقی، تعاون، اشتراک اور اتحاد و ہجو دنیا میں ایک ذرہ بھی اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک آسمان سے لیکر زمین تک کی تمام کارکن قوتیں اور اسباب ایک دوسرے کے موافق و مناسب نہ ہوں، اور باہم ان میں اشتراک عمل نہ ہو، ایک ذرہ زمین سے اُس وقت تک اگ نہیں سکتا جب تک دانہ اُگنے کے لائق نہ ہو، زمین میں اُگانے کی صلاحیت نہ ہو، موسم اس کے مناسب ہو، بارش موافق نہ ہو، آفتاب سے اس کو گرمی اور روشنی اس کے مزاج کے مطابق

اسے یہ دونوں حدیثیں صحیح مسلم کتاب الایمان میں متعدد روایتوں سے مذکور ہیں،

بسم نہ پہنچے، پھر اس کے اگنے کے مواقع اور حوائق ایک ایک کر کے دفع نہ ہوں، ان سب مراحل کے

بعد وہ داز اگیگا، اور پھل لائے گا، قرآن پاک نے اسی حقیقت کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے،

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا

اگر زمین و آسمان میں اس ایک خدائے برحق

فَسُبْحَانَ اللَّهِ ذِي الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ

کے سوا چند اور خدا بھی ہوتے، تو زمین و آسمان برباد

(انبیاء - ۲) ہو جاتے تو پاک ہے عرش والا خدا ان باتوں سے جو

آسمان و زمین کا یہ تمام کاروبار، یہ تمام قوانین قدرت اگر ایک کے بجائے دو طاقتوں کے

ہاتھ میں ہوتے، تو یہ باہمی تضاد میں ایک لٹو کے لئے بھی قائم نہ رہتے، فلسفیانہ اصطلاحات میں

اس مطلب کو ادا کر دے تو یوں ہو گا کہ عالم کائنات معلول ہے، اسکی کوئی علت تامہ ہوگی، یہ نظام

ہو کہ ایک معلول کی دو علت تامہ نہیں ہو سکتیں، کیونکہ علت تامہ اس کو کہتے ہیں جس کے وجود کے

بعد معلول کے وجود میں کسی اور چیز کا انتظار نہ ہو۔ اب عالم کی علت تامہ اگر ایک نہ ہو بلکہ دو ہوں

تو سوال یہ ہے کہ ایک علت تامہ کے وجود کے بعد عالم کے وجود میں دوسری علت تامہ کا انتظار

رہے گا یا نہیں، اگر رہے گا تو پہلی علت تامہ نہیں رہے گی، اور اگر انتظار نہ ہے گا تو دوسری علت تامہ

نہ ہوگی، اس سے یہ ثابت ہوا کہ عالم کی علت تامہ ایک ہی ہو سکتی ہے۔

توحید کے ثبوت اور شرک کے ابطال کی دوسری دلیل نظام عالم کی وحدت ہے سوچ جائے

اور تاروں سے لے کر انسان، حیوان، ہوا، پانی، درخت، اور گھاس پات تک کو دیکھو تو معلوم

ہو گا کہ یہ سب ایک مقررہ نظام اور بندھے اصول کے ماتحت ہیں جنہیں کبھی سرسوزی نہیں ہوتا ہر شے

ایک اصول کی پابند اور ایک عادت جاریہ کے مطابق چل رہی ہو گی یا ایسا معلوم ہوتا ہو کہ ان سب میں

یکسانی اور مساوات کی ایک خاص وحدت قائم ہے، اور وہ سب کسی ایک مہستی کے اشارے پر چل رہے ہیں،

وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنَ إِلَهٍ إِذْ أَنْزَلَ
إِلَهُتَ مَا خَلَقَ وَلَعَلَّ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ
(مومنون - ۵)

اور نہ اس خدا سے برحق کے ساتھ کوئی اور خدا ہے
اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو الگ بجا مانا، اور
ایک دوسرے پر چڑھا جاتا،

قُلْ لَوْ كَانَ مَعَهُ آلِهَةٌ كَمَا يَقُولُونَ
إِذْ لَا تَتَعَزَّوْا إِلَىٰ ذِي الْعَرْشِ مَبْتَلًا
سُبْحٰنَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا
كَبِيرًا، تَسْبِيحًا لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ
وَٱلْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ؕ إِنَّ مِنْ شَيْءٍ
الْأَيْبَتِي وَمُجَدَّبًا، (بنی اسرائیل - ۵)

کہ اگر خدا سے برحق کے ساتھ کچھ اور خدا ہوتے
جیسا کہ یہ مشرکین کہتے ہیں تو ایسی حالت میں وہ
تخت والے (حکمران خدا سے حکومت چھیننے) کا ناش
ڈھونڈتے، پاک اور بلند ہو وہ (خدا) اس بات سے
جس کو یہ (مشرک) کہتے ہیں، اس (خدا) سے برحق
کی پاکی ساتوں آسمان اور زمین اور جو ان کے بند
ہو کر رہے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی برتری ہو

اسی وحدت نظام کے استدلال کو ایک اور آیت میں خدا نے بیان فرمایا ہے،

مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ
فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِنْ فُطُوْرٍ
تَعْدَارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ
الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ (ملک - ۱)

تو خدا کے بنائے میں کوئی فرق نہیں دیکھتا پھر
نگاہ کر، کیا کوئی فطرت تجھ کو دکھائی دیتا ہے؟ پھر
دوبارہ نظر دوڑا، تیری نظر دوہو کر، تھک کر
واپس جائے گی،

اس واقعاتی استدلال سے بڑھ کر جو بالکل نظم فطرت پر مبنی ہے کوئی دوسری صحیح دلیل نہیں

ہو سکتی، اسی لئے قرآن پاک نے اس کو اختیار کیا ہے، یہ دنیا و حدیث نظام ہی کے ماتحت چل رہی ہے
 در نہ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی چل نہ سکے، اسی سے اس دنیا کے حاکم و فرمانرواے مطلق کی وحدت
 بخوبی ثابت ہے،

توحید کی تکمیل | توحید خواہ کسی قدر محرف، شرک آمیز اور ناقص شکل میں ہو، دنیا کے تمام مذاہب
 و ادیان کی مشترک و راویں تعلیم ہے، لیکن ان مذاہب میں وہ کسی خاص اصل پر مبنی نہ تھی محمد
 رسول اللہ کی تعلیم نے اس عمارت کو چند خاص اصول کے بنیاد ہی پتھروں پر قائم کیا، یہ پتھر
 کیا ہیں،؟ خدا کی حقیقی عظمت کی شناخت اور اس عالم کائنات میں انسان کی اصلی حیثیت اور مرتبہ کی
 خدا کی حقیقی عظمت | اہل عرب ایک حقیقی قوت کے نام سے واقف تھے، اور اس کو خالق بھی مانتے

تھے، قدرت کے کارخانہ کا اس کو تنہا مالک بنین سمجھتے تھے، یہودیوں کا خدا، ایک خاندانی خدا
 تھا، جس نے ساری دنیا صرف بنی اسرائیل کے لئے پیدا کی تھی، اور اس کو بنا کر ساتویں دن
 وہ تھک کر بیٹھ گیا تھا، وہ انسانوں سے کشتی لڑاتا تھا، اس کی اولاد میں تھیں، عیسائیوں
 کا خدا سب کچھ مسیح بن مریم کو دیکر جو معطل ہو گیا، تھا ایرانیوں کے خدا کی خدائی نیکی و بدی
 کی دو ملکوں میں بٹی ہوئی تھی، ہندوؤں کا خدا اوتاروں کا بھیس بدل کر لاکھوں خدا بن گیا
 تھا، اور رہا، ہمیشہ، اور شن تینوں نے مل کر خدائی کے کاروبار باہم تقسیم کر لئے تھے لیکن محمد رسول
 صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خدا کا جلوہ نمایاں کیا جو آسمان کے اوپر سے لیکر زمین کے نیچے تک کا تنہا مالک
 اس کے کاروبار میں کوئی دوسرا شریک نہیں، اس کی شاہنشاہی میں کسی دوسرے کا حصہ نہیں،
 اس کے کارخانہ قدرت میں کوئی دوسرا سا جھی نہیں، کائنات کا کوئی ذرہ اس کے حکم سے باہر نہیں

دنیا کی کوئی چیز اس کی نگاہوں سے چھپی نہیں، شجر، حجر، جنگل، پہاڑ، صحرا، دریا، سورج، چاند، زمین، آسمان، انسان، حیوان، زبان، واسے اور بے زبان سب اس کے آگے سزجود، اور اس کی تسبیح و تہلیل میں مصروف ہیں، سب کمزور ہیں، وہی ایک قوت والا ہوسب جاہل ہیں، اسی ایک کو علم ہوسب فانی ہیں، اسی ایک کو بقا ہوسب محتاج ہیں، وہی ایک بے نیاز ہے، سب اس کے بندے ہیں، وہی ایک شہنشاہ ہے، غرض عرش سے فرش تک جو کچھ ہے، وہ اس کا ہے، اور اس پر صرف اسی کی حکمرانی ہے، وہ ہر عیب سے پاک، ہر برائی سے منزہ، اور ہر الزام سے بری ہے، وہ ہر قسم کے صفات عالیہ اور کمالیہ، اور محاہد جمیلہ سے متصف ہے، اس کے مانند کوئی نہیں، اس کی شبیہ و مثال کوئی نہیں، وہ تشبیہ و تمثیل سے بالاتر اور انسانی رشتہ نامتے سے پاک ہے،

ذالِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ،

وہ ہے اللہ تمہارا رب، اسی کی بادشاہی ہے،

لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ، (ذمر - ۱)

اس کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے،

لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (ذمر)

آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے،

فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (انعام - ۲)

آسمانوں کا اور زمین کا پیدا کرنے والا،

عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ (انعام - ۵)

چھپی اور کھلی کا جاننے والا،

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ لَعْنَةُ

اس کی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے، اسی کے

الْحُلُمِ، (قصص - ۹)

ہاتھ میں فیصلہ کی طاقت ہے،

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ

اس کے مانند کوئی چیز نہیں، اور وہ سنانے والا

الْبَصِيرُ، (شوری - ۲)

اور دیکھنے والا ہے

هُوَ الْحَىُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ (مومن - ۵)
 وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا
 هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبُرُودِ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ
 مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٌ فِي
 ظُلْمَتِ الْأَرْضِ، (انعام - ۷)
 اللَّهُمَّ مَالِكِ الْمَلِكِ تُؤْتِي الْمَلِكَ
 مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمَلِكَ مِمَّنْ تَشَاءُ
 وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ
 بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

(ال عمران - ۳)

وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا
 كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ، وَإِنْ يُرِدْكَ
 بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ يُصِيبُ بِمَنْ
 يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ

(يونس - ۱۱)

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَىُّ الْقَيُّومُ
 لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ لَهُ

دی زندہ ہے اس کے سوا کوئی خدا نہیں
 غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں اس کے سوا
 ان کو کوئی نہیں جانتا سنی اور تری میں جو کچھ ہے وہ
 اس کو جانتا ہے اور خست کا کوئی تپہ نہیں کرتا
 نذین کی تار کیون میں کوئی دانہ ہے لیکن وہ
 اے اللہ اے بادشاہی کے مالک! تو جس کو
 چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے چھین لے
 اور جس کو چاہے توت دے، اور جسے چاہے ذلت
 نصیب کرے، تیرے ہاتھ میں بھلائی ہے ہر شے

توہرات پر قادر ہے

اور اگر اللہ تجھے مصیبت پہنچائے تو اس کے سوا کوئی
 اس کا دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تیرے ساتھ
 بھلائی کرنا چاہے تو اس کے فضل و کرم کا کوئی
 روکنے والا نہیں، اپنے بندوں میں جس کو چاہے
 اپنے فضل سے متاثر کرے اور وہی گناہوں
 اللہ اس کے سوا کسی اور کی بندگی نہیں، وہی
 جیتا ہے اور سب اس کے سہارے جیتے ہیں

اس کے علم میں ہے

ہر مصروف کرنے والا اور ہر کرنے والا ہے

مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ
ذَلِّئِمْ يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ
يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ
وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا
بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا
وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ

(بقرہ - ۲۵۵)

يَعْلَمُ مَا يَلِيهِ فِي الْأَرْضِ وَمَا يُخْرِجُ
مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا
يَفْرُجُ فِيهَا وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ لَكَ
مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَى
اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ (جدید - ۱)
الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (فاتحہ)
وَلَا أَسْأَلُكَ مِنْ فِي السَّمَوَاتِ وَ
الْأَرْضِ (ال عمران - ۹)

اس کو اذگہ ہر ذیندا آسمان اوزمین میں جو
کچھ ہے، اسی کا ہے، کون ایسا جو اس کے
ساتھ اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے
جو لوگوں کے روبرو ہے، اور جو ان کے پیچھے ہے
کو جانتا ہے، اور وہ اس کے علم کے حصہ کا حامل
ہیں کر سکے، مگر جتنا وہ چاہے، اُس کا تحت
آسمانوں کو اور زمین کو سمائے ہے، ان آسمانوں
کی اور زمین کی نگرانی اُس کو تھکاتی نہیں، اور
جو زمین میں گھستا، اور جو اس سے نکلتا ہے
اور جو آسمان سے اترتا، اور اس میں چڑھتا ہے
وہ سب کو جانتا ہے، اور تم جہاں بھی ہو وہ
تمہاری ساتھ ہے، اور تم جو کچھ کرو اللہ اس کو
دیکھتا ہے، اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی
اسی کی ہے اور تمام کاموں کا مرجع وہی ہے
سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو تمام عالم کا پالنے
والا ہے، اور آسمانوں میں اور زمین میں جو
کچھ ہے سب اُس کے زیر فرمان ہے

موسیٰ اور ہارون علیہ السلام

وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ذُو الْعَرْشِ

وہی گناہوں کا بخشنے والا ہے، بندوں سے محبت

الْمَجِيدُ، فَعَالٌ لِّمَا يُرِيدُ

کرنے والا ہے، تخت کا مالک ہے، بڑی شان

(بروج - ۱)

والا ہے، جو چاہتا ہے، کر دیتا ہے،

يُسَبِّحُ اللَّهَ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي

آسمانوں میں اور زمین میں جو ہے، سب اللہ کی

الْأَرْضِ، (جمعہ - ۱)

پاک بیان کرتے ہیں،

وَأَنَّ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ (اسرائیل)

اور کوئی چیز نہیں جو اس کی حمد کی تسبیح نہ پڑھتی ہو،

ان معنوں کی ہزاروں آیتیں قرآن پاک میں ہیں، ان تعلیمات نے خدا کی عظمت، جلالت

اور کبریائی کا وہ جلوہ پیش کیا جس کے سامنے مبعودانِ باطل کی عزت خاک میں مل گئی، بتوں

کی بڑائی کا ظلم ٹوٹ گیا، سورج، چاند تارون کی خدائی کا چراغ ہمیشہ کے لئے بجھ گیا، جن و انس

شجر و حجر، بحر و بر، سب اس کے جلالِ چہرے کے سامنے سر بسجود نظر آئے، پھر اس کے سوا کون تھا، جو نیرنگ و جو

کے سارے انا للہ لا الہ الا هو (میں ہوں خدا جس کے سوا کوئی دوسرا نہیں) کی صدا بلند کر سکتا،

انسان کا مرتبہ | توحید محمدی کا دوسرا بنیادی اصول، اس عالمِ خلق میں انسان کی حیثیت اور درجہ

جو لوگ بتوں کو سجدہ کرتے ہیں، پتھروں کو پوجتے ہیں، درختوں کے آگے جھکتے ہیں، جانوروں کو دیوتا

مانتے ہیں، جنات اور ارواحِ خبیثہ کے نام کی وہائی پکارتے ہیں، آسمانی مخلوقات کو اربابِ جان

ہیں انسانوں کو خدا سمجھتے ہیں، وہ حقیقت میں انسان کے درجہ اور مرتبہ سے ناواقف ہیں، وہ دراصل

اس طرح انسان کو پتھروں سے، درختوں سے، جانوروں سے، دریاؤں سے، پہاڑوں سے، آسمانوں

چاند تارون سے کمتر جانتے ہیں، انھوں نے درحقیقت انسان کے اصلی رتبہ و حیثیت کو نہیں پہچاننا

آنحضرت ﷺ نے اپنی وحی کی زبان سے جاہل عربوں کو یہ نکتہ سوجھایا کہ انسان اس عالم میں تمام مخلوقات سے اشراف ہے، اور وہ اس دنیا میں خدا کی نیابت کا فرض انجام دینے آیا ہے۔ قرآن کے ابتدائی سورہ میں آدم کی خلافت کا قصہ محض داستان نہیں بلکہ انسان کی اصلی حیثیت کو عیان اور نمایان کرنے والی تعلیم کا اولین دیباچہ ہے، اس کو فرشتوں کا مسجود بنانا گویا تمام کائنات کا مسجود بنانا تھا اس کو تمام اسماء کا علم عطا کرنا گویا تمام اشیا کو اس کے تصرف میں دینا تھا وافی جاعیل فی الاکابر خلیفۃ کے فرمان کے رد سے اس عالم میں خدا کا نائب ہی، اور اس کا سرخلاف الہی کے تاج سے ممتاز ہی کروڑوں مخلوقات الہی میں خدا کی امانت کا حامل وہی منتخب ہوا یہ منصب الہی نہ فرشتوں کو ملا، نہ آسمان کو عطا ہوا، نہ زمین کے حصہ میں آیا، نہ پہاڑ اس کے مستحق قرار پائے، صرف انسان ہی کا سینہ تھا، جو اس امانت کا خزانہ وار ہوا اور اسی کی گردن تھی، جو اس بوجھ کے قابل نظر آئی، فرمایا:

| | |
|--|--|
| ہم نے اپنی امانت آسمانوں پر، اور زمین پر اور | إِنَّا خَرَجْنَا الْأَمَانَاتِ عَلَى السَّمَوَاتِ وَ |
| پہاڑوں پر پیش کی، تو سب نے اس بار (امانت | الْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا |
| کے اٹھانے سے انکار کیا، اور اس سے ڈرے | وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ |
| اور انسان نے اس کو اٹھالیا، | (احزاب - 9) |

وحی مجھ رہی نے انسان کا رتبہ یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بزرگیوں سے سرفراز فرمایا

عالم مخلوقات پر اور انعام و اکرام سے معزز کیا ہے،

وَأَلَدْنَا لَكُمْ مَدَائِنَ آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ

فِي الْأَرْضِ وَالْجِبَالِ وَرَدَّ قَلْبَهُمْ مِنَ الْغَيْبِ

خوشی اور تری میں انکو سواری دی، اور ہم نے

وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا
تَفَضُّلاً (بنی اسرائیل - ۷۰)

چیزوں کی ان کو روزی بخشی اور اپنی بہت سی
پیدا کی ہوئی چیزوں پر ان کو فضیلت عطا کی،

انسان ہی وہ مخلوق ہے جو سب سے تیز قوی اور بہترین اندازہ کیساتھ دنیا میں پیدا ہوئی

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (البقرہ - ۴)

البتہ ہم نے انسان کو بہتر اندازہ پر پیدا کیا،

یہاں تک کہ انسان خدا کی صورت کا عکس قرار پایا، متعدد حدیثوں میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا، اسی بنا پر آپ نے تعلیم دی کہ غلام کو سزا دو لو

چہرہ پر نہ مارو کہ وہ صورت الہی کا عکس ہے، عین میلن جنگ میں اگر تلواریں برس رہی ہوں تو حریف کے

چہرہ پر وار نہ کرنا چاہیے کہ خدا نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا ہے، غصہ میں یہ بھی نہ کہنا چاہیے کہ خدا تیرے

چہرہ کو اد تیرے جیسے چہرہ کو بگاڑ دے کہ خدا نے آدم کو اپنی صورت پر خلق کیا، ان حدیثوں کا مطلب

یہ نہیں کہ انسان کی طرح خدا کی کوئی جسمانی شکل ہے، اور آدم کی شکل اس کی نقل ہے، کیسے کہ

شیئی بلکہ یہ مطلب ہے کہ انسان میں خدا کی صفات کاملہ کی ایک دھندلی سی جھلک موجود ہے، علم قدرت

حیات، سمع، بصر، ارادہ، غضب، رحم، سخا، وغیرہ، صفات کی ناقص مثالیں اس کے اندر اندر

دو بیت رکھی ہیں، اور چونکہ انسان کے تمام اعضاء میں اس کا چہرہ ہی اس کی شخصیت کا آئینہ

دار اور اس کے اکثر حواس کا مصدر ہے، جن سے اس کے تمام اوصاف کا ظہور ہوتا ہے، اس لیے اسے

۱۵ صحیح بخاری کتاب الاستیذان ابن ابی عامر فی السنۃ والطبری من حدیث ابن عمر بائنا ورجالہ ثقات اور ابن ماجہ بخاری

دا حد بن ابی ہریرۃ صحیح مسلم کتاب البر نیز توراہ میں بھی یہ فقرہ ان الفاظ میں ہے جس دن خدا نے آدم کو پیدا کیا خدا کی

صورت پر اسے بنایا (پیدائش ۲-۵) صحیح بخاری کتاب الفتن صحیح مسلم کتاب البر والصلوہ صحیح مسلم کتاب البر

آخری ٹکڑا صحت مسلم میں ہے، ۱۵ الاویا لمفرد امام بخاری باب نقل فی اللہ جہ،

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے انسان کے اعضا میں اسی کو فیضِ رحمانی کا موردِ ظاہر کیا، اب غور کرو کہ وہ چہرہ جس کو خدا سے یہی نسبت ہو گیا اس لائق ہے کہ غیر خدا کے آگے زمین پر رکھا جائے،

انسان تو کائنات میں خلیفۃ اللہ بن کر آیا ہے،

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ (انعام) اور اسی نے تم کو زمین کا نائب بنایا،

تو اب وہ عالمِ کائنات میں خدا کے سوا کس کو سجدہ کرے،

روے زمین کی تمام چیزیں اسکے خاطر بنیں وہ روے زمین کی خاطر نہیں بنا ہے،

خَلَقَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (بقرة ۲) جو کچھ زمین میں ہو خدا نے (انسان) تمہارا لیا،

إِنَّا اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (حج - ۹) زمین میں جو کچھ ہو خدا نے اسکو تمہاری پس میں پیدا ہے

تو اب وہ روے زمین کی کس ہستی کے سامنے سر جھکائے،

مشرک بہت پرست، ستارہ پرست، نظرت پرست حقیقت میں غیروں کے آگے جھک کر

یہ ثبوت دیتے ہیں کہ یہ ان کے لیے نہیں بلکہ وہ ان کے لیے بنے ہیں، جو چاند اور سورج کو پوجتے

ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ چاند اور سورج ان کے لیے نہیں بلکہ وہ چاند اور سورج کیلئے بنے ہیں، محمد رسول اللہ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اپنی وحی اور تعلیم کے ذریعہ سے یہ بتایا کہ کائنات کی ہر چیز انسان کے لیے بنی ہوئی

اور انسان خدا کے لیے بنا ہی اس لیے جب کائنات کا ہر ذرہ انسان کی خدمت گزار میں مصروف

ہی، تو انسان کو بھی خدا ہی کی خدمت گزار میں مصروف رہنا چاہیے،

ابو ہریرہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اتوا ناسی ونبئت خوری

اس حدیث کی شرح میں نسخ اباری شرح بخاری میں یہ قول نقل کیا گیا ہے،

انسانوں نے آسمانی مخلوقات کو اپنا مبود بنایا، تو وحی محمدی نے ان سے کہا،

وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ
اور خدا نے رات دن، اور چاند اور سورج کو
وَالْقَمَرَ وَالْجِبُوتَ وَمَسَخَّرَاتِ بِأَمْرِي
تمہارے لیے کام میں لگایا، اور ستارے اس کے
(نخل - ۲)
حکم سے کام میں لگے ہیں،

انسانوں نے جانوروں کو پوجا تو پیغام محمدی نے ان انجانوں کو بتایا کہ یہ تمہارے ہیں

تم ان کے نہیں ہو،

وَالَا نَعْمَ خَلَقْنَا لَكُمْ فِيهَا دِفْئًا
اور جانوروں کو اس نے پیدا کیا تمہارے لیے
مَنَافِعَ، جن میں اُون کی گرمی، درد سہو فائدے ہیں
(نخل - ۱)

انسانوں نے دریا اور سمندر کو دیبا اور دیوتا بنایا، حالانکہ وہ بھی ان ہی کی خاطر عدم

وجود میں آئے ہیں،

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لَنَا كُلًّا مِنْهُ
اور وہی خدا ہے جس نے دریا کو کام میں لگایا
لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسَخَّرُ مِنْهُ حَلِيَّةٌ
کہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ، اور تاکہ تم اس
مِنْهُ نَبَسُوا نَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاجِدًا
میں سے آرایش کے موتی پہننے کو نکالو، اور دیکھتے
فِيهِ وَلِيَتَّبِعُوْا مِنْ فَضْلِهِ، ہو کہ جہاز سمندر کو پھاڑتے پھرنے میں، اور تاکہ
تم خدا کے فضل و کرم (روزی) کی تلاش کرو،
(نخل - ۲)

آگ بھی انسانوں کی مسجود بنی، حالانکہ وہ خود ان ہی کی محبت میں جل رہی ہے،

الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ
جس نے تمہارے واسطے ہرے درخت

نَادًا فَإِذَا أَنْتُمْ مِّنْهُ تُوقِدُونَ، سے آگ پیدا کی پس اس وقت تم اس سے

روشن کرتے ہو،

(یسین - ۵)

العرض زمین سے لیکر آسمان تک جو مخلوق بھی ہے، انسان اُس سے اشرف اور بلند تر ہے اور ساری مخلوق اسی کے لئے ہی، پھر اس انسان سے بڑھ کر اور کون نادان ہے جو مخلوقات میں سے کسی کو اپنا مہمود اور مسجود بنا لے، اس حقیقت کے آشکارا ہونے کے بعد شرک کا کوئی پابھی ایسا ہے، کوئی سچا مسلمان گرفتار ہو سکے اور ایک ستارہ کو چھوڑ کر کسی اور چوکھٹ پر اپنا سر جھکا کر؟

العرض محمد رسول اللہ ﷺ نے جس توحید کی تلقین کی، وہ ان ہی دو اصولوں پر قائم ہے، ایک یہ کہ انسان تمام مخلوقات میں اشرف ہے اس لئے کسی مخلوق کے سامنے اس کا سر نہ جھکنا چاہیے، اور دوسرا یہ کہ ہر قسم کی قوت، ہر قسم کی قدرت، اور تمام اوصاف کمالیہ صرف ایک بزرگ و برتر ہستی کے لئے ہیں جو ماورائے عرش و زریز فرشتہ تک ہر ذرہ پر حکمران ہے اور اس کی اطاعت دائرہ کوئی نقطہ باہر نہیں، انسان کی پستی کو ہر چوکھٹ سے اٹھکر صرف اسی کے آستانہ پر جھکنا چاہیے، ہماری تمام عقیدت، ہماری تمام محبت، ہمارا تمام خوف، ہماری تمام امیدیں، ہماری تمام دعائیں، ہماری تمام التجا، ہماری تمام عاجزیاں صرف اسی ایک دیدگاہ پر نشاہ من اور اسی کے رحم و کرم کے سوا، ہماری زندگی کا ہر لمحہ وہ بزرگ و برتر ہستی کیا ہے؟ اور اسکی نسبت ہمارا کیا تخیل ہو؟ تعلیم محمدی نے اسکا بھی جواب دیا ہے

خدا کا جامع اور مانع تخیل | قرآن پاک کی آیات، جاہلیت کے اشعار اسلام سے پہلے عربوں کے واقعات، بلکہ عرب کے آثار قدیمہ کے کتبات سے یہ واضح طور پر ثابت ہے کہ عربوں کے ذہن میں ایک بالاتر ہستی کا تخیل ضرور موجود تھا، جس کا نام ان کے ہاں اللہ تھا مگر اللہ کیا ہے؟ کیسا بڑا بڑا اسکے صفات کیا ہیں؟ اسکی طرف

کیا کیا باتیں منسوب کی جا سکتی ہیں کن کن باتوں سے وہ پاک ہو اس کا تعلق اپنے بندوں کے ساتھ کیا ہے؟
 ہم کو اس کے آگے کیسے بھلنا چاہو؟ اس کو کیا مانگنا چاہیے؟ اور کیونکر مانگنا چاہیے؟ اس کے حضور
 میں دعا کیونکر کرنی چاہیے؟ ہم اس کو کیوں ڈرین اور کیونکر ڈرین؟ اور اس سے ڈرنے کی کیا حقیقت
 ہے؟ اس سے محبت کی جا سکتی ہو یا نہیں؟ اگر کی جا سکتی ہے تو کیونکر؟ اور اس سے محبت کی حقیقت
 کیا ہے؟ اس کی قدرت کہاں تک ہے؟ اس کے علم کی کیا حیثیت ہے؟ کیا وہ ہم سے دور ہو یا بالکل قریب
 اس کے تقدس بڑائی اور عظمت کی کوئی حد ہے؟ اس پر ہم توکل اور بھروسہ کیونکر کریں؟ کیا وہ انسانوں
 کی کسی صفت سے کلام بھی کرتا ہے؟ کیا اس کے کچھ احکام بھی ہیں؟ اور وہ احکام واجب و اطاعت
 بھی ہیں؟ وہ کن باتوں سے خوش اور کن سے ناخوش ہوتا ہے؟ کیا وہ ہمارے دلوں کے چھپے ہوئے رازوں سے
 بھی آگاہ ہے؟ کیا اس کی اجازت کے بغیر زمین کا ایک ذرہ بھی اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتا؟ اس کی
 مشیت اور اس کا ارادہ کیونکر آسمان سے زمین تک ہر چیز کو محیط ہے؟ کیا اس کے بنائے ہوئے
 قاعدے اور قانون بھی ہیں؟ کیا وہ انسانوں کی تعلیم اور اصلاح کیلئے پیغمبروں کو بھی مبعوث کرتا ہے؟
 کیا ہم اس کی بارگاہ میں اپنے اعمال کے جواب دہ بھی ہیں؟ ہم سے وہ کیوں اور کیونکر ہمارے اعمال کا
 مواخذہ کرے گا؟ یہ وہ باتیں ہیں جن سے عرب جاہلیت کا دل و دماغ بالکل عاری اور خالی تھا، اور ان
 چیزوں کے متعلق ان کے ذہن میں کوئی تخیل نہ تھا، جاہلیت کا ایک ایک ذرہ پڑھ جاؤ، ان کے مذاہب
 و اعتقادات کا ایک ایک حرف تلاش کر لو، اس سے زیادہ کچھ نہ پاؤ گے کہ اللہ ایک طاقتور عالم
 ہستی ہے جس نے سب کو پیدا کیا، اور مصیبتوں اور بلاؤں میں اس کو پکارنا چاہیے،
 محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ربانی تعلیمات سے ان کو اللہ تعالیٰ کی حقیقی عظمت سے

شنا کیا، اس کی وحدت اور بے مثالی سے باخبر کیا، اسکی مشیت و ارادہ اور قدرت و وسعت کا گاہ کیا، اسکی
 یہی ہستی کے اعتقاد کی ان کو تعلیم دی جس کی قدرت بے انتہا جس کی وسعت غیر محدود ہے جس کی مشیت
 کائنات کے ہر ذرہ میں نافذ ہے جس کے علم کے احاطہ میں اندھیرے اور اجالے کی ہر چیز داخل ہے دونوں
 کے اسرار، زبانوں کے الفاظ، اور ہاتھ پاؤں کے اعمال سب ہر لحظہ اور ہر لمحہ اس کے روبرو ہیں اسکی
 روبرو ہیں اس کے سامنے انسان اپنے ہر عمل کا جواب دہ اور ذمہ دار ہے اس کے مواخذہ کا خوف
 اس کی رحمت کی امید ہے، وہ محبوبِ ازل ہے اسکی محبت کا نشہ ہمارے دونوں کی ہشیاری ہے
 اس کے فضل و کرم اور لطف و محبت کی نیزنگیان اوپر سے نیچے تک پھیلی ہیں اس کی قوت ہر قوت
 پر غالب، اس کا ارادہ ہر ارادہ میں نافذ اور اس کا حکم ہر حکم سے بالاتر ہے، اس کی عبادت ہر مخلوق
 پر فرض، اور اس کی اطاعت ہر تکلف پر واجب ہے، وہ ہر عیب سے پاک و منزہ اور ہر وصف کا مستحق
 اور اس سے متعلق ہے انسانوں کو اپنی یاد دلانے اور ان کے تزکیہ و اصلاح کے لئے رسولوں اور پیغمبروں
 کو بھیجا رہا، اور ان سے ہم کلام ہوتا رہا، اس کے کچھ احکام اور بندھے ہوئے قوانین ہیں جن کی
 اطاعت نیکی اور نافرمانی گناہ ہے، وہ اندھیرے کی روشنی، بھوکون کی سیری، مایوسوں کی امید، زخمیوں
 کا مرہم، یقیرادوں کی تسلی اور سبکیوں کا سہارا ہے وہ ہم سے ہماری گردن کی رگ سے بھی قریب ہے
 ہم اس کو جب پکاریں وہ سنتا ہے، وہ نیکیوں کو پسند اور گناہوں سے نفرت کرتا ہے وہ جب چاہے
 آسمان وزمین کو فنا کر دے اور جب چاہے، ان کو پھر چا دے، اس کی محبت دنیا کا مال، اسکی
 عبادت ہماری زندگی کا مقصود اور اسکی یاد ہمارے دلون کی راحت ہے،

ہاں خدا کی یاد سے دلون کو اطمینان حاصل ہوتا ہے

اَلَا يَدْرِي كَيْفَ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (رعد)

ان تعلیمات کا یہ اثر ہوا کہ وہ لوگ جن کو بولے سے بھی خدا کا نام یاد نہ آتا تھا، وہ اُس کے سوا سب کچھ بھول گئے، اور اس کی راہ میں ہر چیز قربان کرنے کو تیار ہو گئے، وہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے، ہر حال میں اس کی یاد میں سرمست و سرشار رہتے تھے،

يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَتَعَوُّدًا وَ

وہ خدا کو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے یاد کرتے

عَلَىٰ جُنُوبِهِمْ (ال عمران - ۲۰) میں،

اس سرمستی و سرشاری میں بھی انھوں نے جنگوں میں راہباناہ زندگی بسر نہیں کی، دنیا کی بھیک کو اپنا سہارا نہیں بنایا، دنیا کی کشمکش سے نجات حاصل کرنے کے لیے بزدلانہ گزشتہ کی تقدس کا نام دیکر اختیار نہیں کیا، بلکہ فرائض کی ادائیگی اور اس راہ میں جدوجہد اور سعی و کوشش کو اپنا مذہب سمجھا، اور خدا کا حکم جان کر اس کو پوری مستعدی کے ساتھ بجلائے اور ان تمام ہنگاموں کے ساتھ دل کا معاملہ دلدارا زل کے ساتھ ہمیشہ قائم رکھا، خدا نے ان کی مدد کی

رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ

وہ لوگ جن کو تجارت اور خرید و فروخت خدا

عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ (خود - ۲۷) کی یاد سے غافل نہیں کرتی،

ان کی محبتِ الہی کا درجہ دنیا کی ہر محبت پر غالب آگیا، خدا نے ان کی توصیف کی

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (بقرہ ۲۰) ایمان والے سب سے زیادہ خدا سے محبت کرتے ہیں

ان کا توکل، ان کا صبر، ان کا استقلال، انکی استقامت، ان کی بہادری ان کی

بے خوفی، ان کی صداقت، ان کی راست بازی، ان کی اطاعت، غرض ان کی ہر چیز ان کے

اسی جذبہ ایمانی کا پرتو تھی، اور ہر وقت ان کے پیش نظر یہ تعلیم رہتی تھی کہ

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (طلاق)

جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے تو خدا اس کو بس کرے گا

الَّذِينَ اللَّهُ يَتَّخِذُ عِبْدًا (ذمیرہ-۴)

کیا خدا اپنے بندہ کو کافی مین،

وَيَتَّخِذُ النَّاسَ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِتَجْوِبَاتِهِ

اور تو لوگوں سے ڈرتا ہے، حالانکہ سب سے زیادہ

(احزاب-۵) خدا سے ڈرنا چاہیے،

ان میں یہ تمام روحانی و اخلاقی جوہر اسی ایمان باللہ کے بدولت پیدا ہوئے،

اسما و صفات | دنیا کے آغاز میں خدا نے کہا تھا، کہ ہم نے آدم کو سب نام سکھائے دنیا کمان

سے کمان نکل گئی، اور علم کی وسعت کمان سے کمان پنہی، مگر غور کیجئے، تو ناموں کے ہیر پھیر سے

ہم اب تک آگے نہیں بڑھے ہیں ہماری حقیقت دسی ہی اور یہی ہمارا فلسفہ ہے ہم اپنے مفروضہ اصول

منطقی کی بنا پر ذاتیات اور حقائق کے ذریعہ سے اشیاء کی تعریف کے مدعی بن گئے ہیں لیکن ہر ذرا

صدیان گزرنے پر بھی ذاتی اور حقیقی تعریف (حد منطقی) کی ایک مثال بھی پیش نہ کر سکے، جو کچھ کر سکے

وہ یہ کہ صفات و عوارض اور خواص کے مختلف رنگوں سے نئی نئی طفلانہ شکلیں بناتے اور بگاڑتے

ہیں، جب مادیت کا یہ عالم ہے، تو در اور اور ہستی میں ہماری بشری طاقت اس سے زیادہ کا

کیونکر کر سکتی تھی، گاہ طور اسی رمز کی آتشیں تصویر ہے،

ہم خدا کو بھی اس کے ناموں، اس کے کاموں اور اس کی صفاتوں ہی سے جان سکتے ہیں،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے جاہلون کو اسی نصاب انسانی کے مطابق تعلیم دی، عرب کا جاہل

اللہ نام ایک اعلیٰ ہستی سے واقف تھا، لیکن اس کے ناموں اور کاموں کے نخل سے بڑی حد تک

نا آشنا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ کے اسما و صفات سے بھی وہ قطعاً بیگانہ تھا، دیوان عرب یعنی ان کی

شاعری کے دفتر میں کہیں کہیں اللہ کا نام آتا ہے اگر کہیں اس کی سفت کا ذکر نہیں آتا تو قرآن پاک میں ان کے خیالات کا پورا عکس اُتارا گیا ہے لیکن کہیں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات سے بھی آگاہ تھے، بعض عیسائی عربوں میں اللہ کے ساتھ الرحمن کا لفظ بھی مستعمل تھا، جس کے معنی رحم کرنے والے کے ہیں، اصحاب انجیل کے عیسائی رئیس ابرہہ کے نام سے تہ عروم (میں) پر کتبہ لگا ہے، اور جس کو جرمن فاضل گلارڈ نے شائع کیا ہے، اس میں بھی دو جگہ رحمان کا لفظ آیا ہے، عرب عیسائی شعراء کے کلام میں بھی یہ لفظ ملتا ہے، عیسائیوں میں اس کے استعمال کا نتیجہ یہ تھا کہ عرب مشرکین کو اس لفظ سے چڑھ ہو گئی تھی، اس لیے جب اسلام نے اس لفظ کو اختیار کیا تو مشرکین نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کے کاغذ پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھوائی تو قریش کے نمایندگان نے کہا کہ قسم ہے اللہ کی مجھے نہیں معلوم کہ رحمان کیا ہے؟

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سننے اور قرآن مجید میں بار بار خدا کیلئے رحمان کا لفظ مستعمل ہونے کی وجہ سے مشرکوں کو برہمی ہوتی تھی، اور وہ کہتے تھے، کہ تم کبھی رحمان کے آگے بزرگوں نہیں ہو سکتے، قرآن نے ان کی اسی حالت کا ذکر اس آیت میں کیا ہے،

وَإِذْ أَيْدِيَهُمْ سَجْدًا ۖ وَاللَّحْمَنِ ۚ

قَالُوا وَمَا الرَّحْمَنُ أَنَسْجِدُ لِمَا نَأْمُرُ ۚ

وَفَادَهُمْ نَفُورًا ۚ (فوقان ۵)

مشرکین کو یہ برا لگتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف تو ان کے بتوں اور دیوتاؤں کی مذمت

کرتے ہیں اور دوسری طرف عیسائیوں کے رحمان کی مدح و ستائش کرتے ہیں،

أَهْدَىٰ الذِّمَىٰ بِذِكْرِهِ الْهَتَكَرُ وَهُوَ
 (مشرک آپ کو دیکھتے تو مزاج سے کہتے کہ یہی ذمہ
 ہے جو تمہارے دیوتاؤں کو بڑا کرتا ہے اور وہی

مشرک رحمان کے ذکر سے انکار کرتے ہیں،
 (انبیاء-۳)

تعلیم محمدی نے عرب کے ناآشنایان حقیقت کو بالآخر آگاہ کیا کہ خدا کے اسماء و صفات

کی کوئی حد نہیں، اس کو سب ہی اچھے ناموں سے پکارا جا سکتا ہے،

قُلْ اَدْعُوا اللّٰهَ اَوْ اَدْعُوا الرَّحْمٰنَ
 کہہ دو (اے پیغمبر کہ) خدا کو اللہ کہہ کر پکارو یا
 رحمان کہہ کر جس نام سے بھی پکارو، سب اچھے

(اسرائیل-۱۲) نام اسی کے ہیں،

اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا مسئلہ اسلام کے ان اہم مذہبی اصلاحات میں سے ہے،

جن سے نہ صرف عرب کے جاہل ناآشنا تھے، بلکہ دنیا کے بڑے بڑے مذہبوں کے پیرو بھی ان کے

متعلق غلطیوں میں مبتلا تھے، یہودیوں کے اسفار اور صحیفوں میں خدا کے برحق کا اصلی نام یہوا تھا،

مگر کبھی عام یہودیوں کو اس مقدس نام کے زبان پر لانے کی اجازت نہ تھی، دوسرا عام نام ایہیم

ہے جو ہر موقع پر استعمال ہوتا ہے، ان دو کے علاوہ خدا کے بیسیوں نام اور اسماء وجود حقیقت اس کے

اوصاف ذاتی اور اعمال ربانی کے ترجمان ہیں، توراہ کا دفتر ان کے ذکر سے بالکل خالی ہے،

صفات الہی میں سے جو صفت یہودی صحیفوں میں سب سے زیادہ نمایاں ہے، وہ فوجوں والا

خدا یعنی "رب الافواج" ہے، جو خدا کی صفات جلالی کا منظر ہے،

عیسائیوں کی انجیل اور مذہبی کتابوں میں "باپ" کا لفظ خدا کے لئے استعمال ہوا ہے، اس لفظ کی حقیقت اور خدا پر اس کے اطلاق سے مقصود کیا ہے؟ گوشت و پوست اور مادیت سے پھرے ہوئے لفظ کا خدا پر مجازاً اطلاق بھی کہا تک جائز ہے؟ اور اس سے اس مذہب میں کہا تک غلطیاں پھیلیں، ان باتوں کو چھوڑ کر بھی دیکھئے تو خدا کے صرف جمالی صفات کی ناقص اور مادی تعبیر ہے، عیسائیت میں فلسفہ کی آمیزش نے تثلیث کے اختراعی عقیدہ کو اسی مسئلہ صفات کے پردہ میں چھپا لیا اور تیسرا اول کی گئی، کہ تثلیث کے اقاہم ثلثہ، باپ (خدا)، بیٹا (حضرت عیسیٰ) اور روح القدس حیات، خلق اور عظیم تین صفوں سے عبارت ہیں، باپ حیات، بیٹا خلق، اور روح القدس علم، اور یہ تینوں ایک ہیں، اور تینوں وجود میں الگ الگ ہیں، اس تشریح سے صفات الہی کے تجسم کے مسئلہ نے جنم لیا، اور ایک خدا کئی خداؤں کا مجموعہ بن گیا،

ہندوؤں میں اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کی نیزگی نظر آتی ہے، لیکن ہر صفت نے ان کے ہاں ایک مستقل وجود حاصل کر لیا ہے، اور خود خدا ہر قسم کی صفات سے خالی، اور مجبورہ گیا ہے، اسی لئے ہندوستان کے تمام مذاہب اسی تجسم صفات کے جلوہ گاہ ہو کر رہ گئے ہیں، برہما ہمیش، وشنو تین صفات خالق، نمیت (مارنے والا) اور قیوم کے مجسمے ہیں، غلط تعبیر نے وحدت کی جگہ یہاں بھی تثلیث پیدا کر دی ہے، شکر اچار یہ نے خدا کے صرف تین اصلی صفات تسلیم کئے، حیات، علم، اور سرور یا آندہ، جن مذہب اور بعض ہندو فرقوں میں ایک خالقیت کی صفت کے تجسم نے اعضا کے مسائل کی پیش کی گمراہی پیدا کی، عام ہندوؤں میں ۳۳ کروڑ عجیب الخلق و پوتاؤں کی عظیم الشان بھیر بھی صفات اسماء الہی کی تجسیم اور مستقل وجود کے غلط فلسفہ نے پیدا کی اور اسی نے بت پرستیوں

کی نئی صورتیں نمایان کیں، مجوسیوں میں یزدان اور اہرن کی ثنویت اور دوئی بھی، خدا کی دو صفوں ہادی اور مفضل کو دو مستقل ہستیوں میں منقسم کر دینے کا نتیجہ ہے، اس تفصیل سے اندازہ ہوا ہو گا کہ اس مسئلہ کی غلط تعبیر نے دنیا میں کتنی گمراہیاں پیدا کی ہیں،

محمد رسول اللہ ﷺ نے انسانوں کے ان تمام فاسد تخیلات کو باطل ٹھہرایا، ان کے غلط عقیدوں کی تصحیح کی، اور ربانی ہدایت کے نور سے سراج منیر بن کر جس طرح حقیقت کو روشن کیا، وہ نبوت محمدی کے عظیم الشان کارناموں میں ہے،

آپ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ گنتی اور شمار کی حد سے باہر ہیں، اور اس کی باتوں کی کوئی انتہا نہیں، آپ نے یہ دعا سکھائی، اسے خداوند با تیرے ہر اس نام کے وسیلے سے جو تو نے اپنا رکھا، یا اپنی کتاب میں اتارا، یا کسی مخلوق کو سکھایا، یا اپنے لئے اپنے علم غیب میں اسکو چھپا رکھا، میں تجھ سے مانگتا ہوں حضرت عائشہؓ کو یہ الہامی دعا تعلیم ہوئی خداوند! میں تیرے سب اچھے ناموں کے وسیلے سے جن میں سے کچھ کو ہم نے جانا، اور جن کو نہیں جانا تجھ سے درخواست

کرتا ہوں، قرآن پاک کے ذریعہ بتایا گیا،

قُلْ لَوْ كَانَ الْجِبْرِ مِيدًا وَالْكَلِمَاتِ رَبًّا
لَفَعِدَ الْجِبْرِ قَبْلَ أَنْ تَنْفَعَهُ كَلِمَاتُ رَبِّي
وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا (الکھف)

کہہ دو (اے پیغمبر) کہ اگر سبز مید پروردگار کی باتوں کے
لکھنے کیلئے سیاہی بن جائے تو سبز ختم ہو جائے لیکن میرے
پروردگار کی باتیں ختم نہ ہوگی، اگرچہ ہم ایسا ایک

دوسری جگہ کہا گیا،

یہ دونوں دعائیں امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں نقل کی ہیں اور پہلی روایت مندرجہ ذیل میں بھی درج ہے

وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ
 أَقْلَامًا وَالْبَحْرِ يَمِينًا مِّنْ بَعْدِهِ
 سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ
 اللَّهِ (لقمان - ۳)

اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں وہ قلم بنائیں
 اور سمندر اور اس کے بعد سات سمندر
 کا پانی سیاہی ہو جائے تب بھی اللہ کی
 باتیں ختم نہ ہوں گی،

الغرض تمام اچھے اور کمالی نام اسی کے لئے ہیں، اور اسی کو زیبا ہیں،
 اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْأَسْمَاءُ
 الْحُسْنَىٰ (طہ - ۱) نہیں ہے کوئی معبود، لیکن وہی اللہ اسی
 کے لئے ہیں سب اچھے نام،

بڑائی کا ہر نام اور خوبی کا ہر وصف اسی ذات بے ہمتا کے لئے ہے، خواہ اس کو
 خدا کہو یا اللہ کہو، لغت اور زبان کا کوئی فرق اس میں خلل انداز نہیں،

قُلْ اَدْعُوا اللَّهَ اَوْ اَدْعُوا الرَّحْمٰنَ
 اَيًّا مَّا تَدْعُوْنَ فَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى
 (اسرا - ۱۲) کہہ سے (اے پیغمبر) اس کو اللہ کہہ کر پکارو،
 یا رحمان کہہ کر، جو چاہو کہہ کر پکارو، سب
 اچھے نام اسی کے ہیں،

لیکن مشرکوں کی طرح اس کو ایسے ناموں سے نہ پکارو، جو اس کے کمال اور برائی
 کے منافی ہیں، اور بتوں اور دیوتاؤں کے ناموں سے بھی اس کو یاد نہ کرو،

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَاَدْعُوْهُ
 بِهَا صَوِّدُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْ
 اَسْمَائِهِ، (اعراف - ۲۲) اور اللہ ہی کے لئے ہیں، سب اچھے نام اس کو
 ان ناموں سے پکارو اور ان لوگوں سے علاحدہ
 رہو جو اس کے ناموں میں کجی کرتے ہیں،

تعلیم محمدی کا صحیفہ وحی اللہ تعالیٰ کے تمام اوصاف حمیدہ اور اسمائے حسنیٰ سے بھرپور ہے بلکہ اس کا صفو صفو خدا کے اسماء و صفات کی جلوہ گریوں سے معمور ہے قرآن پاک کا کوئی ایسا کلمہ ہوگا جس کا خاتمہ خدا کی توصیف اور حمد پر نہ ہو، اور یہ تمام اوصاف اور نام اس عشق و محبت کو نمایان کرتے ہیں جو اس محبوب ازل اور نور عالم کیساتھ قرآن کے ہر سیرہ کے دل میں پونا چاہئے۔

اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
اللَّهُ آسَمَانُونَ اَهْزَمِينَ كَانُورِي، اُس كِنُورِ

مَثَلُ نُورٍ كَمِشْكُوَةٍ فِيهَا مَبْصَحٌ
کی مثال یہ ہے کہ ایک طاق جو میں چراغ

الْمُبْصِحُ فَإِذَا جَاجَتْهُ الزُّجَاجَةُ
جو چراغ ایک شیشہ کے اندر ہر شیشہ اتنا صاف ہو

كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِنْ
گو یا ایک چمکتا ستارہ ہر وہ چراغ زیتون کے ک

شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ
درخت کے تیل سے جلایا گیا ہو، نہ وہ پہلے پہلے پھول

وَلَا غَرْبِيَّةٍ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ
اس کا تیل اتنا صاف ہو کہ آگ کے چھوٹی غیر

لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۗ نُورٌ عَلَى نُورٍ ۗ
وہ آپس آپ جلنے کو ہو، روشنی پر روشنی، خدا پر

يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَن يَشَاءُ ۗ وَ
روشنی تک جس کو چاہے پہنچا دے اور خدا کو

يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ
(کے سمجھانے) کے لئے یہ مثالیں بیان کرتا ہے

وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (نور- ۵)
اور اللہ کو ہر چیز کا علم ہے

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ
اللہ نہیں ہے اس کے سوا کوئی اور معبود

لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ ۗ لَهُ
وہ ہمیشہ زندہ، تمام دنیا کو سنبھالے ہو اس کو

مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ مَنْ
اُوگھا اور زندہ نہیں آتی آسمانوں میں اور زمین میں

ذَٰلِذِي يَشْفَعُ عِنْدَكُمْ إِلَّا بِإِذْنِهِ
يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ
وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا
بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا
وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ

(بقرہ - ۲۵۵)

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ
عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَاتِ هُوَ الَّذِي
الرَّحِيمُ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا
هُوَ أَمَّا إِلَهُ الْقَدِّسُ السَّلَامُ
الْمُؤْمِنِينَ الْمُهَيَّبِينَ الْعَزِيزِ الْجَبَّارِ الْمَلِكِ
بِسْمِ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ هُوَ
اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ
الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ
الْحَكِيمُ (حشر - ۳)

اور پھر اور پھر

اور پھر اور پھر

کچھ ہے اسی کا ہے کون ہو جو اس کی مرضی کے
بغیر اس کے سامنے سفارش کرنے کو کھڑا ہوا انسان
کے سامنے اور پھر جو کچھ ہو اس کو وہ جانتا ہو
اور وہ لوگ اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے
لیکن جتنے کا وہ چاہے اس کا تحت آسمانوں
اور زمین کو سمائے ہوئے تو اور ان دونوں آسمانوں
وزمین کی نگہبانی اس کو تنگاتی نہیں اور وہ
وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی اللہ نہیں چھپے
کچھ کا علم رکھنے والا وہی رحم کرنے والا اور مہربان
والا ہے وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی اللہ نہیں
سب کا بادشاہ پاک پوری سلامتی امن والا
شے پر گواہ غالب سب پر قابو والا بڑا ہی والا
اس چیز سے پاک ہے جس کو یہ مشرک خدا کا
شرک بتاتے ہیں وہی اللہ پیدا کرنے والا ہے
دلا ہر چیز کی صورت کھینچنے والا اسی کے لئے
اچھے نام ہیں جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں
سب اس کی پاکی بیان کرتے ہیں وہی سب

نَسَبَهُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَ
 هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ، لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ
 وَالْأَرْضِ جَ مَجِي وَيُسَبِّتُ وَهُوَ عَلَى
 كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ
 وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ
 عَلِيمٌ، هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ
 وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى
 عَلَى الْعَرْشِ مَا يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ
 وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ
 وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا
 كُنْتُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ
 لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَى
 اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ، يُولِجُ اللَّيْلَ فِي
 النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَ
 هُوَ عَلِيمٌ بِذُنُوبِ الصُّدُورِ،

(حدید - ۱)

آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہو وہ سب خدا
 کی پاکی بیان کرتے ہیں، اور وہی غالب اور
 دانا ہے، آسمانوں کی اور زمین کی حکومت ہی
 کی ہے، وہی جلاتا ہے، اور مارتا ہے، اور وہ
 ہر بات پر قادر ہے، وہی پہلا اور وہی پچھلا ہے
 وہی کھلاتا ہے، اور وہی چھپاتا ہے، اور ہر بات کو
 جانتا ہے، وہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین
 کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر تخت پر برابر ہوا
 جانتا ہے جو زمین میں گھستا ہے، اور جو اس سے
 نکلتا ہے، اور جو آسمان سے اترتا ہے، اور جو اس
 میں چڑھتا ہے، اور جو زمین میں گھستا ہے، اور وہ
 ساتھ ہی اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھتا ہے
 آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے،
 اور اللہ ہی تمام چیزوں کا مرجع ہے، اور وہ رات
 کو دن میں داخل کر دیتا ہے، اور دن کو رات
 میں داخل کرتا ہے، اور وہ سینوں کے سب

میں چھپونے سے واقف ہے

خدا کے متعلق اہل عرب کا جو پتہ نکل تھا، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مٹا کر ان کے

سانے جو بلند تمہیل پیش کیا اس کا اندازہ حسب ذیل واقعہ سے ہو سکتا ہے آپ نے جب توحید کا آواز
بلند کیا، تو مشرکین جو اپنے دیوتاؤں کی آل و اولاد اور بیویوں اور گویوں کی حمد کے ترانے گاتے تھے
آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمائش کی کہ ذرا اپنے خدا کا نسب تو ہمارے سامنے بیان کرو
گویا وہ اپنے دیوتاؤں سے اسلام کے خدا کا مقابلہ کر کے بتانا چاہتے تھے، کہ اس حیثیت سے سلام کا
خدا ہمارے دیوتاؤں کی ہمسری نہیں کر سکتا، اس کے جواب میں وحی محمدی نے اپنے خدا کی حقیقت
قرآن پاک کی اس سب سے مخفی سورہ میں پیش کی ہے

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، اللَّهُ الصَّمَدُ
لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ
كُفُوًا أَحَدٌ،

(اخلاص)

کہدے (بے پیغمبر) وہ اللہ ایک ہی، وہ تنہا
بزرگ اور بے نیاز، اور عالم کا مرجع اور جانیہ ہے
نہ اس کے کوئی اولاد ہے، اور نہ اس کے ماں باپ
ہیں، (جنہوں نے اس کو جانا ہو، اور نہ اس کا کوئی

یہ روایت حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے، جو صحابہ میں سے زیادہ قرآن کے ماہر
سمجھے جاتے تھے، وہ اسی کے بعد اس سورہ کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ "صمد" وہ ہے جو نہ جنتا ہے اور
نہ کسی نے اس کو جانا ہو، کیونکہ جو جانا جاتا ہے، وہ مرتا بھی ہے اور جو مرتا ہے وہ اپنا وارث و
جانشین بھی چھوڑ جاتا ہے، اور خدا نہ مرتا ہے، نہ اس کا کوئی جانشین ہے، اور کوئی اس کا ہمسری نہ ہے
یعنی کوئی اس کے برابر نہیں، اور نہ کوئی اس کے مثل ہے، غور کرو کہ محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے
پہلے اہل عرب میں خدا کا کتابت و ذلیل تمہیل تھا جس کا اندازہ تم ان کے سوال سے کر سکتے ہو اور آپ کی تعلیم کے بعد

۱۰۰ مستدرک حاکم تفسیر اخلاص (صحیح) جامع ترمذی تفسیر سورہ مذکور و کتابا لاسمار ہینبی صفحہ ۲۳ (الاباد)

وہ تخیل کتنا پاک، اعلیٰ اور بلند ہو گیا، جس کا اندازہ حضرت ابی کی تفسیر سے ہو سکتا ہے جو اسی عجب و
قبیلہ کے ایک ممتاز فرد تھے لیکن ان کا دل اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ تعلیم سے منور ہو چکا تھا
حضرت ابو ہریرہؓ اپنے سنکر کہتے ہیں کہ خدا فرماتا ہے کہ آدم کے بیٹے نے مجھے جھٹلایا، اور آدم کے بیٹے نے مجھ کو کالی
دی، اس کا جھٹلانا یہ ہے کہ اُس نے کہا کہ خدا دوبارہ پیدا نہیں کرے گا، حالانکہ پہلی بار کے پیدا کرنے سے دوسری
بار کا پیدا کرنا بہت آسان ہے اور اس کا کالی دینا یہ ہے کہ اُس نے کہا کہ خدا کی اولاد ہے حالانکہ میں نے ایک اور
تعمدہ یوں جس نے نہ کسی دوسرے کو بنا ہے اور نہ اُس کو کسی نے بنا ہے، اور نہ اُس کا کوئی ہمسر ہے
حضرت ابو ہریرہؓ یعنی عجب میں یعنی اس عجب کے ایک فرد ہیں، جو تعلیمِ محمدیؐ سے پہلے ان حقائق
سے بے بہرہ تھا، اور اب وہ تزیہ و تقدیس کے یہ موتی اپنے منہ سے اگل رہے ہیں،

اس مختصر سورہ میں سب سے چھوٹا لفظ صمد ہے لیکن درحقیقت قرآن کی بلاغت نے اس

لفظ میں صفاتِ الٰہی کا بے پایاں دفتر چھپا رکھا ہے، صمد کے معنی لغت میں اونچی پتھر ملی زمین یا چٹان
کے ہیں جو کسی ایسے آدمی میں ہو جہاں جب سیلاب آتا ہو، تو اس پر نہ چڑھتا ہو اور لوگ اس وقت
دوڑ دوڑ کر اسی پر چڑھ کر اپنی جانیں بچائیں، پھر صمد کے اس لغوی معنی سے اس سردار کے معنی پیدا ہوئے
جو بزرگی اور شرافت میں انتہائی معراجِ کمال پر ہو، اس سردار کو بھی کہنے لگے جس کی موجودگی
کے بغیر کس میں کوئی فیصلہ نہ ہو سکتا ہو، اور اس سردار کو بھی کہتے ہیں جس کے اوپر کوئی سردار نہ ہو
اور اس جائے پناہ کے معنی میں بھی مستعمل ہوا جو سب کو مصیبت کے وقت اپنے دامن میں پناہ
دے سکے اور اس مرجع و مرکز کے معنی میں بھی آیا جس کی طرف سب شخص دوڑ دوڑ کر جاتا ہے، صمد ٹھوس
کو بھی کہتے ہیں جس کے اندر حول نہ ہو، اسی سے اس کو بھی کہتے ہیں جو کھاتا پیتا نہ ہو اور جس کے

لے چھپو جاری تفسیر
سورہ اخلاص

آل و اولاد نہ ہو اُس کو بھی کہتے ہیں جس سے کوئی بے نیاز نہ ہو، اُس بہادر کو بھی کہتے ہیں جس کو بڑائی
 میں بھوک اور پیاس نہ لگتی ہو، صمدۃ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کے حل نہ رہا ہو، حضرت ابن عباس کہتے
 ہیں کہ صمد وہ سردار ہے جو اپنی بزرگی اور سرداری میں درجہ کمال پر ہو، وہ شریف جس کی شرافت کمال ہو
 وہ بڑا جس کی بڑائی میں کوئی نقص نہ ہو وہ بردبار جس کی بردباری بدرجہ اتم ہو، وہ بے پروا جس کی بے پروائی
 کی بے پروائی و بے نیازی کی کوئی حد نہ ہو، وہ زبردست جس کے چہرے کی انتہا نہ ہو، وہ علم والا جس کا
 علم بدرجہ اتم ہو، وہ حکیم جس کی دانائی پر تہ کمال ہو، یعنی وہ جو بڑائی اور بزرگی کی ہر صنف میں کمال ہو
 ان معنوں کے علاوہ صحابہ اور تابعین نے اس کی تفسیر میں حسب ذیل معانی بھی
 لکھے ہیں :-

| | |
|-------------------|---|
| ابن عباسؓ | وہ جس کی طرف مصیبت کے وقت لوگ رجوع کریں، |
| حسن بصری | وہ حقیقی و قیوم جس کو زوال نہ ہو، اور جو باقی ہو، |
| ربیع بن انس | جس کے نہ اولاد ہو، نہ ماں باپ، |
| عبداللہ بن مسعودؓ | جس کے اندر معدہ وغیرہ، جسمانی اعضا نہ ہوں، |
| بریدہؓ | جس میں جوت نہ ہو، |
| عکرمہ و شعبی | جو کھاتا نہ ہو، |
| عکرمہؓ | جس میں سے کوئی دوسری چیز نہ نکلے، |
| مقاوہؓ | باقی غیر فانی، |

۱۔ کتاب الاسماء و الصفات، امام بیہقی بسند صحیحہ ص ۳۴

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام معانی اس ایک لفظ کے اندر پوشیدہ ہیں، اور یہ سب صرف ایک حقیقت کی مختلف تعبیریں ہیں، کیونکہ اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس لفظ کے معنی چٹان کے ہیں، لڑائی اور مصیبتوں کے وقت جائے پناہ کا کام دے، اسرائیلی الہیات میں بھی یہ لفظ یہی اہمیت رکھتا ہے، اور بنی اسرائیل کے صحیفوں میں جائے پناہ کے لئے چٹان کا لفظ آیا ہے (۲۱-۲۰-۲۲) میں ہے:

”اگر ان کی چٹان ان کو بیچ نہ ڈالتی، اور خداوند تم کو اسیر نہ کر داتا، کیونکہ ان کی چٹان ایسی نہیں جیسی ہماری چٹان“

یہ چٹان اس موقع پر حقیقت میں خدا کی مدد و نصرت سے کنایہ ہے سوال کے پہلے صحیفہ میں یہ کنایہ تصریح سے بدل جاتا ہے، خداوند کے مانند کوئی قدوس نہیں تیرے سوا کوئی نہیں، چٹان ہمارے خدا کے مانند نہیں (۲-۲)

اس سورہ میں خدا کی صفت میں دو لفظ ہیں: أَحَدٌ (ایک) اور صَمَدٌ (جائے پناہ) اور یہ دونوں خدا کے دو متضاد کمالی اوصاف کو حاوی ہیں، اس کی یکتائی کا نتیجہ تو یہ ہے کہ اس جیسا کوئی نہیں، نہ اس کو کسی کی حاجت، نہ اس کو کسی سے غرض، وہ یکہ و تنہا، اکیلا، بے ہمتا، بے نیاز، بے پروا، بے مستغنی اور سب سے الگ ہے، لیکن اسی کمال یکتائی کے ساتھ وہ سب کے ساتھ سب کا دستگیر، سب کی جائے پناہ، سب کا محتاج الیہ، سب کا مرکز، سب کا مرجع، سب کا ماویٰ، سب کا لجا، یعنی سب کی چٹان ہے، جو مصیبتوں میں سہارا، بلاؤں میں تسلی، اور اضطرابوں میں تشفی ہے۔

تَفِيْرًا وَّالِيًّا اللّٰهُ
ہر جگہ سے بھاگ کر اللہ کے ہاں پناہ لو،

یہ سورہ پاک توحید اسلامی کے ہر شعبہ کو حاوی ہے اور اسی لئے اس کو ملت القرآن (سمائی قرآن)

۱۵۲ ان معانی کے لئے دیکھو کتاب الاسما ربیعی صفحہ ۳۳ مفردات القرآن راغب اصفہانی، ابن جریر طبری، ابن کثیر اور تفسیر سورۃ الاخلاص لابن تیمیہ،

کا درجہ دیا گیا ہے، ایک صحابی تھے، جو نماز کی ہر دو رکعت میں قرأت کے آخر میں اس سورہ کو پڑھا کرتے تھے لوگوں نے یہ واقعہ آنحضرت ﷺ سے بیان کیا، آپ نے ان سے اسکی وجہ دریافت کرانی انھوں نے کہا اس میں میرے رب کی صفیت بیان ہوتی ہیں، جو مجھ کو بہت محبوب ہیں، آپ نے فرمایا بشارت ہو کہ خدا بھی تم سے محبت کرتا ہے، ایک درانصاری صحابی تھے، جو قبائلی مسجد میں امامت کرتے تھے، ان کا یہ حال تھا کہ ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد پہلے اس سورہ کو پڑھ لیتے تھے تب کوئی دوسری سورہ پڑھتے تھے ان کے مقتدی صحابہ نے اس پر اعتراض کیا تو انھوں نے کہا کہ مجھے امامت چھوڑنی منظور ہے مگر اپنی روش بدلنی منظور نہیں لوگوں نے اس واقعہ کا تذکرہ آنحضرت ﷺ سے کیا، آپ نے ان سے اس کی وجہ دریافت کی تو گزارش کی کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے یہ سورہ بہت محبوب ہے، ارشاد ہوا کہ یہ محبت تم کو جنت میں لے جائیگی، قتادہ بن نعمان ایک صحابی تھے، جو رات رات بھرا سی ایک سورہ کو دہراتے اور لطف حاصل کرتے رہتے تھے، لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو فرمایا کہ یہ سورہ قرآن کا تہائی حصہ ہے۔

اس گرامی اور تاریکی کا اندازہ جو آنحضرت ﷺ سے پہلے عرب پر چھائی ہوئی تھی، اس روحانی لطف اور نورانی فیض سے کرو، جو محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ اس حصہ میں آیا،

قرآن مجید اور احادیث میں اللہ تعالیٰ کے سوا سے زیادہ نام اور اوصاف آئے ہیں، صحیح حدیثوں میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں، جو ان کو محفوظ رکھے یا نگاہ

۱۰ صحیح بخاری کتاب التوحید ۱۰۰۰ ایضاً کتاب التملیۃ ۱۰۰۰ مسند احمد بنہ ابی سعید الخدریؓ

رکھے، وہ جنت میں داخل ہوگا، خدا طاق ہے، وہ طاق عدد کو پسند کرتا ہے، آخری فقرہ اس علت کو ظاہر کرتا ہے کہ ۹۹ نام کیوں رکھے گئے، پورے نسخوں کیوں نہ مقرر کئے گئے، اس لئے کہ اگر پورے نسخوں پر تو عدد طاق نہ رہتا، اور اس سے توحید کا رمز آشکارا نہ ہوتا، صحیح احادیث میں اسی قدر ہے یعنی ان ۹۹ ناموں کی تصریح نہیں ہے، ترمذی میں اور بعض کم درجہ حدیثوں میں ان ناموں کو گنا یا بھی ہے، لیکن محدثین نے عموماً یہاں تک کہ حافظ ابن حجر نے بھی لکھا ہے کہ یہ روایتیں ضعیف و کمزور ہیں پھر ان روایتوں میں بعض ناموں کا اول بدل اور الٹ پھیر بھی ہے، اور بعض ایسے نام بھی ان میں ہیں جو قرآن میں مذکور نہیں، اور بعض ایسے نام جو قرآن میں ہیں، ان میں نہیں ہیں، اسی لئے علماء کا فیصلہ یہ ہے کہ ان روایتوں میں ناموں کا انتخاب راویوں نے خود اپنی تلماش و شخص سے کیا ہے اس لئے ان روایتوں سے یہ شبہ نہ ہو کہ اسمائے الہی صرف ان ننانوے میں محصور ہیں بلکہ بڑے بڑے ائمہ اور محدثین مثلاً عبد العزیز بن یحییٰ، ابو بکر بن عوی، امام نووی، حافظ ابن حجر امام خطابی، ابن تیمیہ اور قرطبی وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ اسمائے الہی ان ننانوے میں محصور نہیں، اور یہ بھی تصریحات ملتی ہیں کہ اسماء و صفات الہی کی کوئی حد و پیمانہ نہیں ہے اور اس پر محدثین نے حضرت ابن مسعود اور حضرت عائشہؓ کی روایتوں سے جو آغاز مضمون میں اوپر گذر چکی ہیں استدلال کیا ہے، بہر حال قرآن پاک اور احادیث صحیحہ کے تتبع سے علمائے ننانوے ناموں کا پتہ چلا یا ہے اور ان کو الگ الگ ایک ایک کر کے گنا یا ہے یہ تمام نام وہ ہیں جو بطور علم اور بطور صفت قرآن پاک

صحیح بخاری کتاب التوحید صحیح مسلم کتاب لذكر و منہ احمد بن ہادی بربرہ و جامع ترمذی نسائی و ابن ماجہ ابن خزیمرہ ابو عوانہ و ابن جریر طبرانی و ہیثمی وغیرہ تمہید بوشکوہ فی القول الثالث فی عد الاسماء ما تریہ کی مشورہ مستند کتاب ہے،

میں آئے ہیں یا افعال کی حیثیت سے خدا کی طرف منسوب ہوئے ہیں اور یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاؤں میں ان کی تعلیم کی ہے، ہم ذیل میں بہ ترتیب ایک ایک نام لکھتے ہیں، اور اس کی مختصر
 لغوی تشریح کرتے ہیں، تاکہ معلوم ہو سکے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کا جو تخیل اور عقیدہ اپنے
 پیروؤں کو سکھایا وہ کتنا وسیع، کتنا بلند، کتنا منزہ اور پاکیزہ ہے، علمائے ان باموں کو یا ان صفات
 کو مختلف معنوی مناسبتوں سے ترتیب دیا ہے، لیکن ہم نے ان کے صرف تین مرتبے قرار دیے ہیں،
 ایک وہ جن سے اُس کے رحم و کرم عفو و درگزر یعنی صفاتِ جمالی ظاہر ہوتے ہیں دوسرے وہ
 جن سے اس کی شاہنشاہی، جلال و جبروت اور حکومتِ استیلا کا اظہار ہوتا ہے، اور ہم ان کو
 صفاتِ جلالی کہتے ہیں، تیسرے وہ اسماء اور صفات جن سے اس کی تنزیہیہ بلندی، کمالات کی جامعیت اور
 تقسم کے اوصافِ حسنہ اور مجاہد عالیہ کا ثبوت ملتا ہے اور ان کو ہم صفاتِ کمالی سے تعبیر کرتے ہیں،
 الغرض خدا کے تمام اسماء و صفات انہی تین عنوانوں کی تشریح میں یعنی یا تو ان سے خدا
 کی رحیمی و کریمی ظاہر ہوتی ہے، یا اُس کے جاہ و جلال کا اظہار ہوتا ہے، اور یا اس کی تنزیہیہ کمال کا اثبات ہوتا ہے،
 صفاتِ جمالی یعنی وہ اسماء و صفات جن سے خدا کے رحم و کرم اور شفقت و محبت کا اظہار ہوتا ہے،
 اللہ، یہ خدا کا وہ نام ہے جو قرآن پاک میں بطور علم پر حکم استعمال کیا گیا ہے، اسلام سے پہلے
 بھی یہ عرب میں خدا کے برحق کے لیے استعمال ہوتا تھا اس لفظ کی لغوی حقیقت تین
 کچھ اختلاف کیا گیا ہے کسی نے کہا ہے کہ اس کے معنی اس تہی کے ہیں جسکی پرستش کیا جاتی ہے،
 کہا ہے کہ اس کی حقیقت معرفت میں عقلِ انسانی حیران سرگردان ہو کر سرزن کی کیفیت ہے،
 اس کے معنی ہیں جو اپنی مخلوقات کیسے بنائے، اسکی شفقنا اور محبت لکھے جو ان کو پروردگار کے

ہوتی ہے اس اخیر تعبیر کی بنا پر اللہ کے معنی پیار کرنے والے یا پیارے کے ہیں،
 الرَّحْمٰنُ اللّٰہ کے بعد یہ دوسرا لفظ ہے جس کو علم کی حیثیت حاصل ہے اس کے معنی رحم دانے
 کے ہیں یہ گزر چکا ہے کہ رحمان کا لفظ اسلام سے پہلے صرف عیسائی عربوں میں مستعمل تھا
 عام اہل عرب میں اللہ کا لفظ مستعمل تھا، قرآن مجید نے ہر سورہ کے شروع میں انیز اور
 مقامات میں اللہ کو الرحمن کہہ سیکرٹون جگہ استعمال کیا ہے بظاہر تو یہ وصف و موصوف کی
 معمولی ترکیب ہے، مگر حقیقت یہ بدل و مبدل منہ ہیں، اور اس سے اس رمز کی طرف اشارہ ہے
 کہ عام عربوں کا اللہ اور عرب عیسائیوں کا رحمان دو اجنبی ذاتیں اور دو بیگانہ ہستیوں ہیں
 بلکہ ایک ہی حقیقت کی دو تعبیریں اور ایک ہی ہستی کے دو نام ہیں، اس طرح ان دو مختلف
 کو وحدت الہی کی دعوت دینی، جو ناموں کے تعدد کو حقیقت کے تعدد کا مرادف سمجھتی تھیں اور کہا گیا

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوْ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ

اللہ کہو یا رحمن کہو، جو چاہو کہو، اسی کے لہو

اَيُّهَا مَن دَعَا فَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى (اسرئیل)

سب اچھے نام ہیں،

الرَّحِيْمُ رحم کرنے والا "رحم کا لفظ اس رحم سے نکلا ہے جس سے بچہ کی پیدائش ہوتی ہے، اسلئے

اس لفظ کے لحاظ سے اس لفظ میں بھی مرتباً نہ محبت کا جذبہ نمایاں ہے، یہی الرَّحْمٰنُ

اور الرَّحِيْمُ خدا کی وہ دو صفیں ہیں جن سے قرآن کا صفحہ صفحہ منور ہے، کائنات میں جو

کچھ ہی، جو کچھ ہوگا، وہ اسکی رحمانی اور رحیمی ان ہی دو صفوں کا پرتو ہے، اس عالم، اؤ

اس عالم دونوں میں اس کی ان ہی دونوں شانوں کا ظور ہے اور ہوگا،

الرَّحْمٰنُ پرورش کرنیوالا، یعنی ہستی کے اول نقطہ سے لیکر آخر منزل تک ہر لمحہ اور ہر لحظہ مخلوقات

کی نشوونما اور ظہور و ترقی کا ذمہ دار

اللطيف، لطف والا ہر بان،

السَّخِيُّ، معاف کرنے والا، درگزر کرنے والا،

الْوَدُودُ، محبوب، محبت کرنے والا، پیار کرنے والا،

السَّلَامَةُ، امن و سلامتی صلح و آشتی، ہر عیب سے پاک و صاف،

الْمُحِبُّ، محبت والا، پیار والا، چاہنے والا،

الْمُؤْمِنُ، امان دینے والا، امن بخشنے والا، ہر خوف سے بچانے والا، اور ہر مصیبت سے نجات دینے والا

الشَّكُورُ، اپنے بندوں کے نیک عمل کو قبول، اور پسند کرنے والا،

الْغَفُورُ وَالْعَفَّارُ، معاف کرنے والا، گناہ بخشنے والا، درگزر کرنے والا،

الْحَفِظُ وَالْحَانِظُ، حفاظت کرنے والا، نگہبان، بچانے والا،

الْوَهَّابُ، دینے والا، عطا کرنے والا، بخشنے والا،

الرَّزِيقُ وَالرِّزَاقُ، روزی دینے والا، نشوونما کا سامان ہم پہنچانے والا،

الْوَلِيُّ، دوست، حمایتی، طرفدار،

الرَّؤُوفُ، ہر بان، نرمی اور شفقت کرنے والا،

الْمُقِيطُ، انصاف والا، عادل،

الْمُهَادِي، راہ دکھانے والا، رہنما،

الْكَافِي، اپنے بندوں کی ہر ضرورت کے لئے کافی،

(المُجِيبُ، قبول کرنے والا، دعاؤں کا سننے والا،
 الخَلِيْفُ، برہادر، بندوں کی برائیوں سے چشم پوشی کرنے والا،
 التَّوَّابُ وَ قَابِلُ التَّوْبِ، توبہ قبول کرنے والا، گنہگار کے گناہوں سے درگزر کر کے
 دوبارہ اس کی طرف رجوع ہونے والا،
 المَنَّانُ، مان کی طرح بچوں پر شفقت کرنے والا،
 المَنَّانُ، احسان کرنے والا،
 النَّصِيْرُ، مدد کرنے والا،
 ذُو الطَّوْلِ، کرم والا،
 ذُو الْفَضْلِ، فضل والا،
 الْكَفِيْلُ، بندوں کی کفالت کرنے والا،
 الْوَكِيْلُ، بندوں کی ضرورتوں کا ذمہ لینے والا، سامان کرنے والا،
 الْمُنِيْبُ، روزی پہنچانے والا،
 الْمُنِيْبُ، فریاد کو پہنچنے والا، فریاد سننے والا،
 الْمَجِيْرُ، پناہ دینے والا،
 الْمُنِيْبُ، پناہ دینے والا۔

صفات جلالی | یعنی وہ اسماء و صفات جن سے خدا کی بڑائی، کبریائی، شہنشاہی ظاہر ہوتی ہے

الْمَلِكُ وَالْمَلِكُ، بادشاہ، فرمانروا،

الْعَزِيزُ غَالِبٌ حَسْبُكَ كَوْنِي دَسْتَرَسٌ نَهْ بِأَسَى ،
 الْقَاهِرُ وَالْقَوَّاهُ ، حَسْبُكَ حَكْمٌ سَعَى كَوْنِي بَابِزِيهِ جَاسِكْتَا ، سَبُّكَ وَبَاكَرَاقِوَابِيهِ كُفْنِي وَاللَّهِ
 الْمُنْتَقِمُ ، سَرَادِينِي وَاللَّهِ بَرَايُونِ كِي جَزَادِينِي وَاللَّهِ ،
 الْجَبَّارُ ، جَبْرُوتُ وَاللَّهِ حَسْبُكَ سَامْنِي كَوْنِي دُوسَرَا نَامِ نَهْ مَارِسْكَ حَسْبُكَ كَوْنِي سَرَتَا بِي نَهْ كَرِسْكَ
 الْمُهَيَّمِنُ ، سَبُّكَ شَاهِدَا وَرُكُوهَا وَرُكُوهَا ،
 الْمُنْتَكِرُ ، اِنِّي بَرَانِي دَكْهَانِي وَاللَّهِ ، كَبْرِيَانِي وَاللَّهِ ، سَخْتُ سَرَادِينِي وَاللَّهِ ،
 شَدِيدُ الْعِقَابِ ، سَخْتُ سَرَاوَالِ ،

شَدِيدُ الْبَطْشِ ، بَرِي كَرْتُ وَاللَّهِ ، حَسْبُكَ كَوْنِي چھوٹا نہین سکتا ،
 نکتہ خدا کے صفاتِ جلالی کا ذکر زیادہ تر تورات میں ہے لیکن صحیفہ محمدی میں جہاں
 کہیں خدا کی ان جلالی صفتوں کا ذکر آتا ہے ہمیشہ ان کے ساتھ ساتھ خدا کے عادل حکم اور
 عظیم ہونے کا بھی ذکر ہوتا ہے ، جس سے انسان کی اس غلط فہمی کا مٹانا مقصود ہے ، کہ خدا کی ان
 جلالی صفتوں کا یہ نشا نہیں ہے کہ وہ نعوذ باللہ ایک لالہ کی طرح دم کے دم میں جو چاہے کر گزرتا ہے ،
 بلکہ اس قدر اسکی غلبہ اسکی انتقام اور اس کی گرفت عدل انصاف اور حکمت و رحمت پر پڑتی ہوتی ہے اور اس طرح
 ان جلالی ناموں سے بے رحمی اور ظالمانہ سخت گیری کا جو شبہ پیدا ہو سکتا ہے ، وہ دور ہو جاتا ہے اور فرمایا

إِنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَالِمٍ لِّلْعَبِيدِ (ال عمران) بیشک خدا بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ،

اسی لیے اللہ تعالیٰ کے وصف میں عز و جبر (غالب) کیساتھ حکمت و رحمت والا ہمیشہ فرمایا

میں آیا اور یہی وجہ ہے کہ خدا کے مذاہب کے ذکر کیساتھ اس کی رحمت کا تذکرہ بھی ہمیشہ قرآن میں کیا

جاتا ہے اور دوزخ کے بیان کے ساتھ جنت کا سماں بھی لازمی طور پر دکھایا جاتا ہے،
 جہاں یہ کہا گیا کہ **وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ**، وہیں یہ بھی کہا گیا **دَبَّ السَّمَوَاتِ
 وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْغَزِيرُ الْقَهَّارُ ص-۵۰**، قوموں کی تباہی و بربادی کا ذکر کیا گیا تو فرمایا گیا،
وَمَا لِلَّهِ يَرْبِدُ ظُلْمًا لِلْعِبَادِ (مومن ۴) اور اللہ انہوں پر ظلم نہیں کرنا چاہتا،
 اس کی صفت **ذُو عِقَابٍ لِيُؤْذِيَ**، ورنہ ناک عذاب دینے والا، جہاں بیان کی گئی تو اس
 سے پہلے **لَذُو مَغْفِرَةٍ يَغْفِرُ نَحْسَ النَّاسِ وَاللَّهُ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ** (احمد السجد ۴-۵) بھی فرمایا گیا، غرض صفات جلالی
 کے بیان میں یہ رعایت پیش نظر رکھی گئی ہے، کہ ان کیساتھ یا آگے پیچھے خدا کی صفات جہالی کا بھی ذکر
 تاکہ خوف و خشیت کیساتھ اس کی محبت اور لطف و کرم کے جذبات بھی نمایاں ہوں،
 صفات کمالی | یعنی وہ اسماء و صفات جن سے خدا کی خوبی، بڑائی، بزرگی اور ہر وصف میں اس کا
 کمال ہونا ظاہر ہوتا ہے، اس طرح کے اسماء و صفات پانچ قسم کے ہیں، ایک جو اسکی
 وحدانیت سے متعلق ہیں، دوسرے اس کے وجود سے تعلق رکھتے ہیں، تیسرے اس کے علم
 سے جو تھے اس کی قدرت سے اور پانچویں اس کی تشریح اور پاکی سے،
 صفات وحدانیت | یعنی وہ صفات جو خدا کی یکتائی اور بے مثالی کو ظاہر کرتی ہیں، اور وہ ہیں

الوَاحِدُ: ایک

الرَّاحِدُ: ایک

الْوَجُودُ، طاق جس کا کوئی جوڑا نہیں،

صفات وجودی | یعنی وہ صفات جن سے اس کا وجود بقا، دوام، ازلیت اور بندگی ظاہر ہوتی ہے

الْمَوْجُودُ، وجود والا، ہست

الْحَيُّ، ہمیشہ زندہ، غیر فانی،

الْقَدِيمُ، وہ جس سے پہلے کوئی دوسرا موجود نہیں، جو ہمیشہ سے ہے،

الْقَيُّومُ، جو اپنے سہارے تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے،

الْبَاقِيُ، جس کو ہمیشہ بقا ہے،

الدَّائِمُ، ہمیشہ رہنے والا،

الْأَوَّلُ، وہ پہلا، جس کے پہلے کوئی نہیں،

الْآخِرُ، وہ پچھلا جو سب کے فانی ہونے کے بعد بھی ہمیشہ باقی رہے گا،

الْمَقْدَمُ، جو سب کے آگے سے ہے،

الْمُؤَخَّرُ، جو سب سے پیچھے رہ جائے گا،

الظَّاهِرُ، جس کا وجود کھلا اور نمایاں ہے، (یعنی جو اپنے کاموں اور قدرتوں کے لحاظ سے ظاہر ہے)

الْبَاطِنُ، جو چھپا اور مخفی ہے، (یعنی جو اپنی ذات کے لحاظ سے پوشیدہ ہے)

یعنی وہ صفات جو اس کے ہر چیز سے باخبر اور آگاہ ہونے کو ظاہر کرتی ہیں،

الْخَبِيرُ، خبر رکھنے والا،

الْعَلِيمُ، جاننے والا،

عَلَاوَالغیوب، جو باتیں سب سے پوشیدہ ہیں، اُن کو جاننے والا،

عَلِيمُ بِنَاتِ الصُّدُورِ، دلوں کے چھپے ہوئے بھید کو جاننے والا،

علم

السَّمِيعُ، سُنُّهُ وَاللَّاهُ،

الْبَصِيرُ، دِکھنے وَاللَّاهُ،

الْمُتَكَلِّمُ، بولنے وَاللَّاهُ، اپنے علم اور ارادہ کو ظاہر کرنے وَاللَّاهُ،

الْوَّاحِدُ، پانے وَاللَّاهُ، جس کے علم سے کوئی چیز گم نہیں،

الشَّهِيدُ، حاضر، جس کے سامنے سے کوئی چیز غائب نہیں،

الْحَسِيبُ، حساب کرنے وَاللَّاهُ، یعنی جن چیزوں کا علم حساب کے ذریعہ سے حاصل کیا

جاتا ہے، یعنی وزن اور مقدار ان کا بھی جاننے وَاللَّاهُ،

الْمُخْصِي، گننے وَاللَّاهُ، یعنی جن چیزوں کا علم گن کر حاصل کیا جاتا ہے یعنی عدد ان کا جاننے وَاللَّاهُ،

الْمُدَبِّرُ، تدبیر کرنے وَاللَّاهُ، انتظام کرنے وَاللَّاهُ،

الْحَكِيمُ، حکمت وَاللَّاهُ، عقل وَاللَّاهُ، سب کاموں کو مصلحت سے کرنے وَاللَّاهُ،

الْمُرِيدُ، ارادہ کرنے وَاللَّاهُ، مشیت وَاللَّاهُ،

الْقَرِيبُ، نزدیک، جو اپنے علم کے لحاظ سے گویا سب کے پاس ہے،

قدرت | یعنی وہ صفتیں جن سے اُس کی قدرت کی وسعت کا اظہار ہوتا ہے،

الْفَاتِحُ وَالْفَاتِحُ، ہر شکل کو کھولنے وَاللَّاهُ،

الْقَادِرُ وَالْقَادِرُ، قدرت وَاللَّاهُ،

الْمُقَدِّرُ، اقتدار وَاللَّاهُ، جس کے سامنے کوئی چون و چرا نہیں کر سکتا،

الْقَوِيُّ، زبردست، جس کے سامنے کسی کا بس نہیں چل سکتا،

الْمَتَيْنِ، مضبوط، جس میں کوئی کمزوری نہیں،
 الْجَامِعُ، جمع کرنے والا، متفرق اور پراگندہ چیزوں کو اکٹھا کرنے والا،
 الْبَاعِثُ، اٹھانے والا، مردوں کو قبروں سے اٹھانے والا، یا دنیا میں ہر اقتدار و سرحد کا محرک اور
 مَالِكِ الْمَلِكِ، سلطنت کا مالک جس کے سامنے کسی کی کوئی ملکیت نہیں،
 الْبَدِيْعُ، نئی نئی چیزیں ایجاد کرنے والا،
 الْوَاسِعُ، سامنے والا، جو ہر چیز کو سمائے ہوئے ہے،
 الْحَيْطُ، احاطہ کرنے والا، جو ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے کوئی اُس کے احاطہ سے باہر نہیں،
 الْحُجِيُّ وَالْمُهَيِّتُ، چلانے والا، اور مارنے والا،
 الْقَابِضُ وَالْبَاسِطُ، سمیٹنے والا اور پھیلانے والا،
 الْمَعْرُوفُ وَالْمَذِلُّ، عزت دینے والا، اور ذلت دینے والا،
 الْخَافِضُ وَالرَّافِعُ، نیچا کرنے والا، اور اونچا کرنے والا،
 الْمَعْطِيُّ وَالْمَانِعُ، دینے والا اور روک لینے والا،
 وَالنَّافِعُ وَالضَّارُّ، نفع پہنچانے والا، اور نقصان پہنچانے والا یعنی نفع اور ضرر
 دونوں اسی کے ہاتھ میں ہیں،
 السُّبْدِيُّ وَالْمُعْبِدُ، جو چیز پہلے سے موجود نہ ہو، اُس کو وجود میں لانے والا اور جو
 فنا کر دیکھی، اُس کو پھر دوبارہ وجود میں لانے والا،
 نکتہ: اس قسم کی صفتیں جن میں بظاہر ترحیح نظر آتا ہے، جیسے الضَّادُ (نقصان پہنچانے والا)

الْمَذْنِبُ (ذلت دینے والا) الْخَائِضُ (پست کرنے والا) الْمَاعِزُ (روکنے والا) وغیرہ، ان کا تہننا
 استعمال چونکہ غلط فہمی پیدا کرنے والا ہے، اس لیے جب تک اُن کے ساتھ اُن کے مقابل کی
 نہ بولی جائے، اُن کا استعمال جائز نہیں رکھا گیا ہے یعنی خدا کو صرف الصَّارُ الْخَائِضُ الْمَاعِزُ
 اور الْمَذْنِبُ کہنا درست نہیں جب تک اُس کے ساتھ دوسرے پہلو کو بھی نہ ملایا جائے، یعنی
 الصَّادُ کیساتھ النافع، الخائضُ کیساتھ الرَّافِعُ، الماعِزُ کیساتھ الْمُعْطِيُ اور الْمَذْنِبُ کے ساتھ
 الْعِزُّ بیا کہ اوپر لکھا گیا ہے، قرآن پاک اور احادیث دونوں میں ان صفات کے استعمال میں
 رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے کیونکہ تمنا نقصان پہنچانے والا ذلت دینے والا، اور روکنے والا، کوئی
 خوبی نہیں، بلکہ ایک طرح کی برائی ہے، ہاں نقصان و نفع پہنچانے والا عزت و ذلت دینے والا
 اور دینے والا، اور روکنے والا، دونوں کو ملا کر کہا جائے تو جائز ہو گا کہ اس سے مقصود خدا کی
 قدرت کی وسعت ہے، اگر کوئی ایسا نفع پہنچانے والا ہے جس میں نقصان پہنچانے کی قدرت
 ہی نہیں، یا ایسا عزت دینے والا جس میں ذلیل کرنے کی استطاعت ہی نہیں تو وہ اس عزت
 دینے اور نفع پہنچانے پر مجبور و مضطر ہو گا، اور اس کی قدرت کا یہ کمال نہ ہو گا، البتہ جو نقصان
 پہنچانے کی طاقت رکھنے کے باوجود نفع پہنچاتا، اور ذلت دے سکنے کے باوجود عزت دیتا، اس
 کا کمال شخص کو تسلیم کرنا پڑتا ہے،

تنزیہاً یعنی وہ صفات جو اس کی بڑائی، کبریائی، پائی، اور بزرگی، اور بزرگی و نقصان سے اس کی
 برأت کو ظاہر کرتی ہیں،

الْعَلِيُّ، مرتبہ والا،

الْعَظِيمُ ، عظمت والا ،

الْكَبِيرُ ، بڑا ،

الرَّافِعُ ، بلند ،

الْجَلِيلُ ، بزرگ ،

الْكَرِيمُ ، شریف ،

الْفَنِيُّ ، بے نیاز ،

الصَّادِقُ ، سچا ، راست باز ،

الْمَاجِدُ ، عزت والا ،

الْحَمِيدُ ، تعریف والا ،

الْمُدَّوْسُ ، پاک ،

الْحَقُّ ، سچا اور اصلی ، یعنی یہ کہ اس کے سوا سب باطل ہیں ،

الْمَجْمَلُ ، اچھا ،

الْبَرُّ ، نیک ،

الْعَدْلُ ، عادل ،

السُّبْحُ ، ہر عیب سے پاک ،

الصَّمَدُ ، بزرگی کی ہر صفت میں کامل ،

الرَّقِيبُ ، یہ بھی راہ چلنے والا ، نہ بہکنے والا ،

ان تعلیمات کا اثر اخلاق انسانی پر اللہ تعالیٰ کے ان اسماء و صفات کا عقیدہ، دین محمدی میں

محض نظری نہیں، بلکہ عملی حیثیت بھی رکھتا ہے، یعنی اُس کے یہ محامد و اوصاف اخلاق انسانی کا معیار ہیں، ان اوصاف کو چھوڑ کر جو اُس ذوالجلال کے لیے خاص ہیں، اور جو بندہ کی حیثیت و طاقت سے زیادہ ہیں، بقیہ اوصاف و محامد انسان کے لیے قابلِ نقل ہیں، کہ وہ خدا کے محامد و اوصاف سے دور کی نسبت رکھتے ہیں، اس لیے انسان پر فرض ہے کہ اگر وہ خدا سے نسبت پیدا کرنا چاہتا ہے، تو اپنے اندر اس کے محامد و اوصاف سے نسبت پیدا کرے اور ان کو خوبوں کا انتہائی معیار جان کر ان کی نقل اور پیروی کی خواہش کرے، محامد الہی گویا استادِ اعلیٰ کی وصلی ہیں جس کو دیکھ کر شاگرد کو اپنے خطا کی خوبی میں ترقی کرنی چاہیے، اس لیے انسان کو بھی اپنے حروف کے لکھنے (محامد الہی کی نقل کرنے) میں ایک نظر اُس استادِ ازل کی وصلی پر ڈال لینی چاہیے تاکہ معلوم ہو کہ اسکی ذاتی مشق کہاں تک اصل وصلی کے مطابق ہے،

گند چکا ہے کہ قرآن کا پہلا سبق یہ ہے کہ بکلم انی جآ علیٰ بنی الارض خلیفۃ (بقرہ ۳۵) آدم کا بیٹا زین من خدا کا خلیفہ اور نائب بنایا گیا ہے، خلیفہ اور نائب میں اصل کے اوصاف و محامد کا پرتو جتنا زیادہ نمایاں ہوگا، اتنا ہی وہ اپنے اندر اس منصب کا استحقاق زیادہ ثابت کرے گا، نیابت کے فرائض زیادہ بہتر ادا کر سکے گا، یہاں تک کہ اس میں وہ جلوہ بھی نمایاں ہوگا جب وہ ستر پاپا خدائی رنگ میں رنگ کر نکھر جائے گا،

صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنْ

خدا کا رنگ اور خدا کے رنگ سے کس کا

اللَّهُ صِبْغَةً، (بقرہ ۴ - ۱۶)

رنگ اچھا ہے ؟

تمام اہل تفسیر متفق ہیں کہ اس "خدا فی ذمہ" سے مقصود خدا کا دین فطرت ہے، یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ **إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ** "خدا نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا، اور ساتھ ہی اس کی تشریح بھی گدزی ہے کہ اس صورت سے مقصود جسمانی نہیں، بلکہ معنوی شکل و صورت ہے یعنی یہ کہ خدا نے انسان میں اپنے صفاتِ کاملہ کا عکس جلوہ گر کیا ہے، اور ان کے قبول کرنے کی صلاحیت عطا کی ہے، اور ان میں حد بشری تک ترقی کی استعداد بخشی ہے اور انسان کو اخلاق و صفت میں ملا اعلیٰ سے تشبیہ اور مناسبت کا جو سرمرحمت فرمایا ہے، اور یہی صوفیہ ائمہ کا صانعِ خدا کے اس مقولہ **مَخْلُوقٌ بِأَخْلَاقِ اللَّهِ** "خدا کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرو" کا مطلب ہے۔ حدیث میں یہی مفہوم بروایت **طِرَانِي** ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے کہ **حَسَنَ الْخَلْقِ خَلَقَ اللَّهُ الْأَعْظَمَ خُلُقِ** خدا تعالیٰ کا خلق عظیم ہے۔

اللہ تعالیٰ کے صفاتِ کاملہ کی تین قسمیں اوپر بیان ہوئی ہیں، جلالی، کمالی اور تزیینی صفات جلالی جو کبریائی، عظمت، شہنشاہی اور بڑائی کے اوصاف ہیں، اللہ تعالیٰ کے سوا مخلوقات انکی مستحق نہیں، اور نہ یہ اوصاف بندگی و عبودیت کے رتبہ کے مناسب ہیں، ان کا انوکھا یہ ہے کہ بندگی میں ان کے مقابل کے صفات پیدا ہونے یعنی عاجزی، تواضع، فروتنی اور خاکساری، اس لیے ترفع تکبر، اور بڑائی کا اظہار منع ہے اور اسی لیے آدم جس نے فروتنی اختیار کی، اور عجز و تصور کا اعتراف کیا وہ مغفرت کے خلعت سے سرفراز ہوا، اور شیطان جس نے ترفع اور غرور ظاہر کیا، دائمی لعنت کا مستحق ٹھہرا۔

ابى وَاسْتَكْبَرُ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ (اس نے آدم کے سجدہ سے انکار کیا اور

غرور کیا، اور کافروں میں سے ہو گیا) (تفسیر ۷۸-۴)

لہذا کفر اعمال
جلد ۲ ص ۱۲
بروایت حضرت
علاء بن یاسر

قرآن پاک میں ہے کہ بڑائی اور کبریائی صرف خدا کے لیے ہے اس کے سوا کوئی اور اسکا مستحق نہیں

وَلِلَّهِ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (جاثیہ) اور آسمانوں اور زمین میں اسی کے لیے بڑائی ہے

صحیح مسلم میں ابو سعید خدری اور ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ عورت

اس کا لباس اور کبریائی اسکا چادر ہے، (خدا فرماتا ہے) تو جو کوئی عورت اور کبریائی میں میرا احترام

بنے گا، میں اُسے سزا دوں گا، دوسری جگہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ خدا کے نزدیک سب سے بڑا وہ ہے جو

اپنا نام بادشاہوں کا بادشاہ اور شہنشاہ رکھتا ہے، خدا کے سوا کوئی بادشاہ اور مالک نہیں

الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ (حشر - ۳) اسی کی شان ہے، البتہ اللہ تعالیٰ اپنی عزت و جلال اور قوت

و جبروت کا فیضان بعض بندوں اور امتوں پر نازل کرتا ہے، اور وہ ان کو طاقت اور قوت

اور بادشاہی عطا کرتا ہے، مگر اس نوازش کے بعد بھی نیک بندوں اور صالح امتوں کا

فرض ہے کہ عین اُس وقت جب کہ ان کے دست و بازو سے قوتِ حق، اور ربانی جاہ و جلال کا

انہما ہر ہوا ہو، ان کی پیشانیانِ فرطِ عبودیت سے اُس کے آگے جھکی ہوں، اور سرِ نیاز اظہار

بندگی کے لیے اُس کے سامنے خم ہوں، کہ عزت و جلالِ خاصِ خدا کی شان تھی جس کا فیضان

رسول پر ہوا، اور رسول کی وساطت سے مومنوں پر ہوا، یہ ترتیب خود قرآن میں ملحوظ رکھی گئی ہے،

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهِ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ اور عزتِ خدا کے لیے ہے، اور اس کے رسول

(منافقون - ۱) کے لیے اور مومنوں کے لیے ہے،

حاکم میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تین کپڑے ہیں وہ اپنی عزت و جلال کا

۱۔ کتاب الادب، باب الکبر علیہ دوم صفحہ ۱۰۰، مصر، ۱۹۰۵ء صحیح بخاری و مسلم کتاب الادب،

از ارباب مذہب ہے اور اپنی رحمت کا جامہ پہنتا ہے اور اپنی کبریائی کی چادر اور ڈھٹا ہے تو جو شخص اس
 عزت کے سوا جو خدا کی طرف سے اس کو عنایت ہوئی ہے، معزز نہیں جانتا ہے، تو وہی
 وہ شخص ہے جس کو قیامت میں کہا جائے گا (اس کا مزہ چکھ تو معزز اور شریف بنتا تھا، (قرآن)
 اور جو انسانوں پر رحم کرتا ہے خدا اس پر رحم کرتا ہے کیونکہ اس نے وہ جامہ پہنا جس کا پہننا
 اس کو روا تھا اور جو کبریائی کرتا ہی تو وہ خدا کی اس چادر کو اتارنا چاہتا ہے جو خدا ہی کیلئے تھی۔
 خدا کے صفات کمالی میں سے وحدانیت اور بقائے ازل وابدی کے سوا کہ ان سے
 تمام مخلوقات اور ممکنات طبعاً محروم ہیں، بقیہ اوصاف کے فیضان سے انسان مشرف ہوتا ہے
 صفات تزیینی مثلاً قدرت، علم، سمع، بصر، کلام وغیرہ سے بھی مخلوقات تمام محروم ہیں انکی
 تزیینی ہی ہے کہ وہ خدا کے عصیان، نافرمانی اور گنہگاری کے عیب بری اور پاک ہوں،
 خدا کے صفات جمالی وہ اصلی اوصاف ہیں جن کے فیضان کا دروازہ ہر صاحب توفیق
 کے لئے حسب استعداد کھلا ہوا ہے ان صفات کا سب سے بڑا منظر عفو و درگزر ہے عیسائیوں کی عام
 دعائیں ایک فقرہ ہے کہ "خداوند! تو ہمارے گناہوں کو معاف کر جس طرح ہم اپنے قرضداروں
 کو معاف کرتے ہیں،" اسلام نے اس الٹی تشبیہ کو جائز نہیں رکھا ہے، اس کے ہاں یہ ہے کہ آپ
 انسان تو اپنے مجرموں کو معاف کر کہ خدا تیرے گناہوں کو معاف کرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 نے فرمایا جوڑی اپنے بھائی کے گناہوں پر پروہ ڈالے گا خدا اس کے گناہوں پر پروہ ڈالے گا
 قرآن کہتا ہے کہ تم دوسروں کو معاف کرو کہ خدا تم کو معاف کرتا ہے،

لے کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۱۱۹ و مستدرک حاکم، ۱۵ ص ۱۵۱ کتاب البر والصلۃ،

اِنْ تَبَدُّوا خَيْرًا اَوْ تَخْفَوْا اَوْ
تَعَفَوْا عَنْ سُوءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ
عَفُوًّا قَدِيْرًا (نساء - ۳۱)

اگر تم کوئی نیکی دکھا کر یا چھپا کر روکے
کی بُرائی کو معاف کرو تو اللہ بھی (معاف
کرنے والا قدرت والا ہے۔

ایک وفد عہد نبوت میں بارگاہِ عدالت قائم تھی، ایک مجرم کو سزا دی جا رہی تھی، سزا کا
منظر دیکھ کر حضورؐ کے چہرہ کا رنگ سفیر ہو رہا تھا، دانشناسوں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ
انام تک معاملہ پہنچنے سے پہلے ہی اپنے بھائیوں کو معاف کرو یا کرو، خدا معاف کرتا اور عفو
ورگہ زکوٰۃ پسند کرتا ہے، تو تم بھی معاف اور ورگہ زکوٰۃ کرو، کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ خدا تمہیں بھی معاف
کرے، وہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے،

آنحضرت ﷺ ایک دفعہ صحابہ کے مجمع میں فرما رہے تھے، کہ جس کے دل میں غرور
کا ایک ذرہ بھی ہوگا وہ بہشت میں داخل ہوگا، ایک صحابی نے عرض کی یا رسول اللہ! ان
چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اس کا جو تا اچھا ہو، کیا یہ بھی غرور ہے فرمایا،
اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ جَمِيْلٌ
اللہ تعالیٰ اچھا ہے اور جمال والا ہے اچھائی
بجبت الجمال ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے،

یہ غرور نہیں، غرور حق کو پامال کرنا، اور انسانوں کو دبانے، یہی روایت حدیث کی دوسری
کتابوں میں ان الفاظ کیساتھ ہے، خدا جمال والا ہے، وہ جمال کو پسند کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کے
بندہ پر اس کی نعت کا اثر ظاہر ہو، یہ روایت بھی ہے، خدا جمیل ہے جمال کو پسند کرتا ہے وہ سخی ہے،
۱۰۰ متذکر لیاکم جلد ۳ ص ۳۸۲ کتابا کڈو ۱۰ ص ۱۰ صحیح مسلم کتاب الایمان و ترمذی باب البکیر ۱۰ کنز العمال کتابا لزیۃ بحوالہ
شعب الایمان بہقی،

سخاوت کو پسند کرتا ہی، وہ صاف ستھرا ہے، صفائی اور ستھرے پن کو پسند کرتا ہے۔ روایت کے یہ الفاظ بھی آئے ہیں، وہ جمیل ہے، جمال کو پسند کرتا ہے، اخلاق عالیہ سے محبت، اور بد اخلاقیوں سے نفرت رکھتا ہے۔ ایک موقع پر آنحضرت ﷺ حضرت عائشہؓ کو نصیحت فرماتے ہیں "اے عائشہ! خدا زمی والا ہے، وہ ہر بات میں زمی پسند کرتا ہے۔" ایک دفعہ اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا "لوگو! خدا پاک ہے اور پاک ہی کو قبول کرتا ہے۔" عام مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا "اے قرآن کے ماننے والو! وتر نماز پڑھا کرو کہ خدا کی تارا (وتر) ہے، وہ یکتا (وتر) کو پسند کرتا ہے۔"

رحمت و شفقت اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے، مگر خدا کی رحمت و شفقت کے وہی مستحق ہیں جو دوسروں پر رحمت و شفقت کرتے ہیں، اپنے فرمایا "رحم کرنے والوں پر وہ رحم کرے اور ابھی رحم کرنا ہی لوگو! تم زمین والوں پر رحم کرو تو آسمان والی تم پر رحم کریگا" (ابو داؤد باب فی الرحمة) رشتہ داری اور قرابت کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تمام رشتہ داریاں اور قرابتیں رحم کے تعلق پر قائم ہیں، آپ نے فرمایا ہے کہ رحم کی جزا رحمان سے ہے خدا فرماتا ہے کہ اے رحم! جو تھک کر قطع کرے گا، میں اس کو قطع کروں گا، جو تھک کر ملائے گا، اس کو میں بھی ملاؤں گا، "ترمذی میں یہی تعلیم ان الفاظ میں ہے میں خدا ہوں میں رحمان ہوں میں نے رحم کو پیدا کیا ہے، اور اپنے نام (رحمان) سے اس کا نام (رحم) مشتق کیا ہی تو اس کو ملائیکائین اس کو ملاؤں گا، جو اس کو قطع کریگا میں اس کو قطع کروں گا" پھر فرمایا جو انسانوں پر رحم نہیں کرتا، خدا اس پر رحم نہیں کرتا۔ بخاری میں اس روایت کے یہ الفاظ ہیں جو رحم نہیں کرتا۔

۱۔ کنز العمال کتاب لزیئہ بحوالہ کمال لابن عدی ۱۵۰، بیضا بحوالہ مجموعہ او سطرانی ۱۵۰ صحیح مسلم ابو داؤد حاکم، نسائی، ابن ماجہ، ہیثمی فی الادب، ۱۵۰ صحیح مسلم کتاب الصدقات و زکوٰۃ تفسیر سورہ بقرہ ۱۷۷ ابو داؤد استجابۃ ۱۷۷ صحیح بخاری باب صلۃ الرحم، ۱۷۷ ابواب البر والصلۃ ۱۷۷ ترمذی باب مذکور،

رحم نہیں کیا جاتا۔ آپ نے فرمایا خدا نے رحم کے سو حصے کیے ۹۹ حصے اپنے پاس رکھے اور ایک حصہ زمین
 والوں کو عنایت کیا، اسی کا یہ اثر ہے کہ باہم لوگ ایک دوسرے کیساتھ رحم و شفقت سے پیش
 آتے ہیں، یہاں تک کہ گھوڑی بھی اپنے بچہ کے لیے اس خون سے پاؤں اٹھاتی ہو کہ اُس کو صدر نہ پہنچے،
 نخل خدا کی صفت نہیں مگر آپ نے فرمایا تم اپنی تھیلی کے منہ نہ بند کرو اور نہ تم پر تھیلی کا منہ بند کیا
 جائیگا، یہ نصیحت بھی فرمائی کہ جو بندہ دوسرے بندہ کی پردہ پوشی کریگا، قیامت میں اس کی پردہ پوشی
 خدا کریگا، یہ بھی تعلیم دی گئی ہو کہ جب تک تم اپنے بھائی کی مدد میں ہو، خدا تمہاری مدد میں ہے،
 ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا کہ خدا سے بڑھ کر کوئی غیرت مند نہیں، اسی لئے اُس نے فحش باتوں
 کو حرام کیا ہے، اسی کی تفسیر دوسری حدیث میں ہے آپ نے فرمایا کہ خدا بھی غیرت والا ہے، اور مومن بھی غیرت
 والا ہے، اور خدا کی غیرت یہ ہے کہ اُس نے اپنے مومن پر جس بات کو حرام کیا ہے، اگر کوئی اس کا
 ارتکاب کرے تو وہ اس پر حفا ہو!

اللہ تعالیٰ ظلم سے پاک ہے،

وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ (ال عمران) اور بیشک خدا بندوں پر ظلم نہیں کرتا،

اس لیے اس کے بندوں کا فرض ہو کہ وہ بھی آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کریں، محمد
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی زبان سے اسکی اس علی تعلیم کو ان الفاظ میں ادا فرمایا،
 يا عبادي اني احرمت الظلم علي
 اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام

۱۵ جامع بخاری باب رحمة اللہ علیہ ایضاً ۱۵ صحیح ترمذی ابواب البر والصلة ۱۵ مسلم کتاب البر والصلة باب بشارة
 من ستر اللہ تعالیٰ علیہ فی الدنیا بان یستر علیہ فی الآخرة ۱۵ ابوداؤد کتاب الادب باب فی العونۃ للمسلم ۱۵ صحیح بخاری
 کتاب التوجیب جلد دوم ص ۱۱۰۲ ۱۵ جامع ترمذی باب ما جاء فی الغیرة من ابواب الفکاح،

نفسی وجعلتہ بئینکد محرمًا فلا
 کیا ہے اور اس کو تمہارے درمیان بھی حرام
 تظالموا،
 کیا ہو تو تم آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنا،
 پاکیزگی اور لطافت خدا کی صفتیں ہیں، اس لیے خدا کے ہر بندہ کو بھی پاک و صاف رہنا
 چاہیے، آپ نے فرمایا،

إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ يَحِبُّ الطَّيِّبَ وَ
 خدا پاکیزہ ہے، پاکیزگی کو پسند کرتا ہے اور پاک و
 نَظِيفٌ يَحِبُّ النَّظَافَةَ فَتَنَظَّفُوا
 صاف ہے، پاکی اور صفائی کو پسند کرتا ہے تو تم پاک
 وَلَا تَشَبَّهُوا الْيَهُودَ،
 و صاف رہا کرو، یہودیوں کی طرح گندے نہ بنو

یہ توحید کا ایک رخ تھا، اب اس کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ کے قابل ہے۔

وہ تو میں جو توحید سے آشنا نہ تھیں، انہوں نے انسانیت کا مرتبہ بھی نہیں پہچانا تھا
 وہ انسان کو فطرت کے ہر منظر کا غلام سمجھتی تھیں، یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم توحید ہی تھی
 جس نے خدا کے سوا ہر شے کا خون انسانوں کے دلوں سے نکال دیا، سورج سے لیکر زمین کے
 دریا اور تالاب تک ہر چیز آقا ہونے کے بجائے انسانوں کی غلام بن کر ان کے سامنے آئی یا خدا
 کے جلال و جبروت کا ظلم ٹوٹ گیا، اور وہ بابل و مصر، ہند و ایران کے خدا اور بتوں کا اعلیٰ
 ہونے کے بجائے، انسانوں کے خادم، راعی اور چوکیدار کی صورت میں نظر آئے جن کا ہر نصب
 دیوتاؤں اور فرشتوں کے ہاتھ میں نہ تھا، بلکہ خود انسانوں کے ہاتھ میں تھا،

تمام انسانی برادری جس کو دیوتاؤں کی حکومتوں نے اور پچھلے پچھلے بت پرست شریعتوں نے

۱۵ ص ۱۱۱ کتاب البر والفضل و مسند ابن سنی جلد ۱۶ ص ۱۶۷ و ایضاً الفرواق بحاری باب الظلم ص ۱۱۱ مصرک ترمذی باب فی

انظامہ ص ۶۲

مختلف طبقوں اور ذاتوں میں منقسم کر دیا تھا جنہیں سے کچھ کی پیدائش پر مشورہ کے منہ کچھ کی اس کے ہاتھ اور کچھ کی اس کے پاؤں سے تسلیم کی جاتی تھی، اس عقیدہ کی وجہ سے ایسی مختلف جنسوں میں بٹ گئی تھی جنکو کسی طرح متفق نہیں کر سکتے تھے اور اس طرح مساواتِ انسانی کی دولت دنیا سو گم ہو چکی تھی، اور زمین قوموں اور ذاتوں کے ظلم و جبر اور غرور و فخر کا دنگل بن گئی تھی توحید نے اگر اس اونچائی نیچائی بندی ہستی اور نشیب فراز کو برابر کیا سب انسان خدا کے بندے، سب کے سامنے برابر سب باہم بھائی بھائی اور سب حقوق کے لحاظ سے یکساں قرار پائے، ان تعلیمات نے دنیا کی معاشرتی، اخلاقی اور سیاسی اصلاحات میں جو کام کیا، اس کے نتائج تاریخ کے صفوں میں ثبت ہیں،

بالآخر اس اصول کی صداقت کو انھوں نے بھی تسلیم کر لیا، جو حقیقی توحید سے نا آشنا ہیں، اسی لیے وہ مساواتِ انسانی کے حقیقی کوپہ سے بھی اتنا نااہل ہیں، اتنا ہی جو خدا کے گھر میں جا کر بھی تفاوتِ درجہ کا خیال ان کے دل سے دور نہیں ہوتا، اور وہ دولت و فقر اور رنگ و قومیت کے امتیازات کو خدا کے سامنے سزگون ہو کر بھی نہیں بھولتے، مسلمانوں کو تیرہ سو برس مساوات کی نعمت ملنی توحید کامل کی بدولت حاصل ہوئی اور وہ ہر قسم کے مصنوعی امتیازات پاک ہیں سلام کی نظر میں سب ایک خدا کے بندے ہیں اور سب یکساں اسکے سامنے سرفرازندہ ہیں، دولت و فقر، رنگ و قومیت و قومیت کا کوئی امتیاز ان کو منقسم نہیں کرتا اگر کوئی امتیاز ہے تو صرف تقویٰ اور خدا کی فرمانبرداری کا ہے

إِنَّ الْكُفْرَانَ كَبُرَ عِندَ اللَّهِ أَنْتَ كَرِيمٌ
تم میں خدا کے نزدیک سب زیادہ عزت والا ہے

(حجرات - ۲) وہ جو سب زیادہ خدا سے تقویٰ کرتا ہے

خدا کا ڈر اور پیار | اسی سلسلہ میں ایک اور اہم مسئلہ خدا سے ڈرنے اور اس سے محبت کرنے کا ہے

عام طور سے مخالفوں نے یہ سمجھا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس خدا کی تعلیم دی ہے وہ فقط
 قہار، جبار اور ہیبت شہنشاہ مطلق ہے جس کی ہیبت و جلال سے تمام بندوں کو صرف ڈرتے اور پکارتے
 رہنا چاہیے اس کے گوشہ چشم میں لطف و عنایت کا گزر نہیں محبت اور پیار کا اندازہ اس کے
 دربار میں قبول نہیں ہوتا، وہ اپنے کمزور بندوں پر نہ خود محبت کی نظر رکھتا ہے، اور نہ بندوں
 سے اپنی محبت کا تقاضا کرتا ہے لیکن درحقیقت یہ تعلیم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بالکل عکس تصویر ہے اللہ تعالیٰ کے جو اسماء
 و صفات اور پرکڑ چکے ہیں، ان میں سے ایک ایک پر نظر ڈالو تو معلوم ہو گا کہ اس کے چند پر جلال ناموں
 کو چھوڑ کر جو اس کی قدرت، بامداد اور مالکیت عامہ کی حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں بقیہ تمام نام صرف محبت اور
 پیار لطف اور کرم رحمت اور مہربانی کی گاہ ہیں، مخالفوں کو اس حقیقت کے سمجھنے میں دو جہوں سے مداخلت ہوا
 ۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے خوف اور خشیت کی بھی انسانوں کو دعوت دی،

۲۔ دوسرے مذہبوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کے اظہار کی جو اصطلاحیں مقرر فرمائی ہیں۔

آپ نے شدت کے ساتھ ان کی مخالفت کی، اور ان کو شرک قرار دیا،

محبت کے ساتھ خوف و خشیت کی تعلیم | یہ واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم میں خدا کی محبت اور پیار
 کیساتھ اس کے خوف و خشیت کو بھی جگہ دی ہے خود کرو انسانوں میں تمام کاموں کے محرک وہی
 جذبے ہوتے ہیں، خوف اور محبت، یہ دونوں جذبے الگ الگ بھی پائے جاتے ہیں، اور ایک ساتھ
 یا آگے پیچھے بھی، ان دونوں جذبات کے لوازم بھی الگ الگ ہوتے ہیں، اور عاصی محبت کا نتیجہ ناز
 بخیر اور کبھی گستاخی، اور کبھی اپنے مہربان و محبوب پر عنایت و اعتماد کی بنا پر نافرمانی بھی ہے اور ظاہر ہے
 کہ جذبہ محبت کے ان لوازم اور اثرات کا انداز صرف خوف کے جذبہ سے ہو سکتا ہے ایسے ذائقہ و مخلوق

کے درمیانی رابطہ کی تکمیل نہ تھا خوف سے ہو سکتی ہے اور تنہا محبت سے، بلکہ ان دونوں کے اشتراک
 امتزاج اور اعتدال سے یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے، اور یہی نبوتِ محمدیؐ کی تعلیم ہے،
 اسلام سے پہلے جو آسمانی مذاہب موجود تھے ان کے اندر اس مسئلہ میں بھی افراط و تفریط
 پیدا ہو گئی تھی، اور صراطِ مستقیم سے وہ تمام تر ہٹ گئے تھے، یہودی مذہب کی بنا سرِ پا خوف و
 خشیت اور سخت گیری پر تھی، اس کا خدا نوجون کا پلہ سالار، اور باپ کا بدلہ پشیمانش تک
 بیٹوں سے لینے والا تھا، حالانکہ یہودیت کے صحیفوں میں خدا کے رحم و کرم اور محبت و شفقت کا ذکر کہیں کہیں موجود
 ہے، اس کے برعکس عیسائیت یا وہ خدا کے رحم و کرم اور محبت و شفقت کے تذکرے سے معمور تھی، گویا یہاں بھی
 کہ اس میں خدا کے خوف و خشیت کی مطلق تعلیم نہ ہو، بلکہ اس میں بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے رہنے کی تائید
 ہے، مگر دونوں مذہبوں کے پیروؤں نے ان دو متقابل تعلیموں کے درمیان اعتدال ملحوظ نہیں رکھا
 تھا، اسلام نے اسی نقطہ اعتدال کو پیش نظر رکھا ہے وہ نہ تو خدا کو محض جبار قہار و ربِّ الافواج اور صرف
 بنی اسرائیل یا بنی اسمعیل کا خدا ماننا ہے، نہ اس کو محترم انسان، انسانوں کا باپ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا باپ سمجھنا
 ہے، اور نہ ہی انہما رحم و کرم اور محبت و شفقت کے صفات سے اس کو متصف کرتا ہے، بلکہ وہ خدا کی نسبت
 یقین رکھتا ہے کہ وہ اپنے بندوں پر قہر بھی ہے، اور رحمت و کرم بھی، وہ منعم اور شدید العقاب بھی ہے، اور
 غفور و رحیم بھی، وہ اپنے بندوں کو سزا بھی دیتا ہے اور پیار بھی کرتا ہے، انصاف بھی ہوتا ہے اور نوازتا بھی
 ہے، اس سے ڈرنا بھی چاہیے اور اس سے محبت بھی کرنی چاہیے،

۱۲-۱۴-۱۵ وغیرہ ۱۵۷ خروج ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳

ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ، وَلَا تَقْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ،

(لوگو! اپنے پروردگار کو گرا کر اور چپکے چپکے پکار کر، وہ حد سے بڑھ جانے والوں کو پسند نہیں کرتا، اور زمین کی درستی کے بعد اس میں فساد نہ پھیلاؤ، اور اس کو (اس عذاب سے) ڈرتے ہوئے اور اس کے فضل و کرم کی تمکانتے ہو کر پکار کر، بیشک خدا کی رحمت اچھے کام کرنے والوں کے

(اعراف - ۷۰)

چند نیک بندوں کی مدح میں فرمایا،

انَّهُمْ كَانُوا يُسِرُّونَ فِي الْخَيْرَاتِ

وَيَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا ، (انبیاء)

وہ نیکی کے کاموں میں جلدی کرتے تھے اور ہم کو امید اور ڈر کے ساتھ پکارتے تھے،

اس سے زیادہ پر لطف بات یہ ہے کہ اسلام خدا سے لوگوں کو ڈراتا تو ہے، مگر اس کو چپا وقتا رکھتا نہیں، بلکہ ہر زبان اور ریم کہہ چنانچہ خدا کے سید بندوں کی نعمت یہ ہے کہ

وَخَشِيَ الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ ، (یسین - ۱)

اور رحم کرنے والے سے بن دیکھے ڈرا،

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ (ق - ۳)

جو رحم کرنے والے سے بن دیکھے ڈرا،

صرف انسان بلکہ تمام کائنات کی زبان اس ہر زبان کے جلال کے سامنے گنگ ہے،

وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَنِ (طہ)

اور رحم والے کے ادب سے تمام آوازیں پست ہو گئیں

دنیا میں جتنے بھی پیغمبر آئے، وہ دو قسم کے تھے ایک وہ جن کی آنکھوں کے سامنے صرف خدا کے جلال و کبریا کی کا بلوہ تھا، اس لیے وہ صرف خدا کے خوف و خشیت کی تعلیم دیتے تھے مثلاً حضرت

روح اور حضرت موسیٰ، دوسرے وہ جو محبتِ الہی میں سرشار تھے، اور وہ لوگوں کو اسی نجانہ عشق کی طرف بلا تے تھے، مثلاً حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰؑ

لیکن پیغمبروں میں ایک ایسی ہستی بھی آئی، جو ان دونوں صفتوں کی بزرگبری جلالِ جلال دونوں کا منظر، اور پیارا اور ادب دونوں کی جامع تھی، یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ایک طرف آپ کی آنکھیں خوفِ الہی سے اشک بار رہتی تھیں، اور دوسری طرف آپ کا دل خدا کی محبت اور رحم و کرم کے سرور سے سرشار رہتا تھا، کبھی ایسا ہوتا کہ ایک ہی وقت میں یہ دونوں منظر آپ کے چہرہ انور پر لوگوں کو نظر آجاتے تھے، چنانچہ جب راتوں کو آپ شوق و ولولہ کے عالم میں نماز کے لئے کھڑے ہوئے، قرآن مجید کی لمبی لمبی سورتیں زبان مبارک پر ہوتیں، اور ہر معنی کی آیتیں گزرتی جاتیں تو جب کوئی خوف و خشیت کی آیت آتی، آپ پناہ مانگتے، اور جب کوئی امر و محبت اور رحم و بشارت کی آیت ہوتی تو اس کے حصول کی دعا کرتے تھے؛

الغرض اسلام کا نصب العین یہ ہے کہ وہ خوف اور محبت کے کناروں سے ہٹا کر جہان سے ہر وقت نیچے گرنے کا خطرہ ہی، خوف و خشیت اور رحم و محبت کے بیچ کی شاہراہ میں انسانوں کو کھڑا کرے، اسی لیے کہا گیا ہے کہ اَلْاِيْمَانُ بَيْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ اِيْمَانٌ كَامِلٌ، خوف اور امید کے درمیان ہی ہے کہ تنہا خوف لوگوں کو خدا کے رحم و کرم سے ناامید، اور محض رحم و کرم پر بھروسہ ان کو خود سر اور گستاخ بنا دیتا ہے، جیسا کہ اس عملی دنیا کے روزانہ کے کاروبار میں نظر آتا ہے اور مذہبی حیثیت سے اس کے نتائج کا مشاہدہ عملاً یہودیوں اور عیسائیوں میں کیا جاسکتا ہے اسی نوحہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی

تعلیم میں ان دونوں متضاد کیفیتوں کو ایمان اور عقیدہ کے دو سے برابر کا درجہ دیا، لیکن ساتھ ہی غنا
 و در ماندہ انسانوں کو یہ بھی بشارت سنائی کہ خدا کی رحمت کا دائرہ اُس کے غضب کے دائرہ سے زیادہ

وسیع ہے فرمایا،

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (اعراف ۹) اور میری رحمت ہر چیز کو سمائے ہوئے ہے

اور اُس کی تفسیر جو صاحب قرآن علیہ السلام نے ان الفاظ میں کی،

رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي (مجادی) میرے غضب سے میری رحمت آگے بڑھ گئی ہے

عیسائیوں نے خدا سے اپنا رشتہ جوڑا، اور اپنے کو فرزندِ الہی کا لقب دیا، بعض یہودی فرقوں

نے بنی اسرائیل کو خدا کا نواسہ اور محبوب ٹھہرایا، اور حضرت عیسیٰ کے جوڑ پر حضرت عزیر کو فرزندِ الہی

کا رتبہ دیا، لیکن اسلام یہ شرف کسی مخصوص خاندان، یا خاص قوم کو عطا نہیں کرتا، بلکہ وہ تمام انسانوں کو

بندگی، اور اطاعت کی ایک سطح پر لا کر کھڑا کرتا ہے، مسلمانوں کے مقابلہ میں یہودیوں اور عیسائیوں

دونوں کو دعویٰ تھا،

نَحْنُ وَاَبْنَاؤُاَ اللّٰهِ اَحِبَّاؤُاَ (مائدہ ۳) ہم خدا کے بیٹے اور چہیتے ہیں

یہودیوں نے کہا،

قرآن مجید نے اُس کے جواب میں کہا،

قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ اِنَّكُمْ

بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ (مائدہ ۳) عذاب کیوں دیتا ہے اس لئے تمہارے دعویٰ صحیح نہیں بلکہ

دوسری جگہ قرآن نے تمہا یہودیوں کے جواب میں کہا،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا اِنَّ زَعْمَكُمْ لَكُوفٌ اِنَّكُمْ

اے وہ جو یہودی ہو اگر تم اپنے اس خیال میں سچے ہو

أُولِيَاءَ اللَّهِ مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمْنُوا
کہ تمام انسانوں کو چھوڑ کر تم ہی خدا کے خاص جیسے ہو

الْمَوْتِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (جمہ ۱۰)
تو موت (یعنی خدا کی ملاقات) کی تمنا کیوں نہیں کرتے

اسلام رحمتِ الہی کے دائرہ کو کسی خاندان اور قوم تک محدود نہیں رکھتا بلکہ وہ اس کی
دست میں انسانوں کی ہر برادری کو داخل کرتا ہے ایک شخص نے مسجد نبوی میں اگر دعا کی کہ خدایا مجھ کو
اور محمد کو مغفرت عطا کر آپ نے عطا خدا کی وسیع رحمت کو تم نے تنگ کر دیا ایک اور اعلیٰ
نے مسجد میں دعا مانگی کہ خدایا مجھ پر اور محمد پر رحمت بھیج اور ہماری رحمت میں کسی کو شریک نہ کرے
صحابہ کی طرف خطاب کر کے فرمایا، یہ زیادہ گمراہ ہے یا اس کا اونٹ

محبت کے جسمانی اصطلاحات کی ممانعت | اس مسئلہ میں تعلیم محمدی کے متعلق غلط فہمی کا دوسرا سبب

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، یہ ہے کہ بعض مذاہب نے خدا کی محبت و کرم کی تعبیر کے لئے جو مادی اور جسمانی
اصطلاحیں قائم کی تھیں، اسلام نے ان کی مخالفت کی، اور ان کو شرک قرار دیا، اس سے نتیجہ
نکالا گیا، کہ اسلام کا خدا رحم و کرم اور محبت اور پیار کے اوصاف سے معرا ہے،

اصل یہ ہے کہ انسان دوسرے غیر مادی خیالات کی طرح خدا اور بندہ کے باہمی تعلق و محبت کے
جذبات کو بھی اپنی ہی انسانی بول چال میں آوا کر سکتا ہے، محبت اور پیار کے جذبات انسانوں
کے اندر باہمی مادی اور جسمانی رشتوں کے ذریعہ سے نمایاں ہوتے ہیں، اس بنا پر بعض مذاہب نے اس
طریقہ ادا کو خان و مخلوق کے ربط و تعلق کے اظہار کے لئے بھی بہترین اسلوب سمجھا چنانچہ کسی خالق اور
مخلوق کے درمیان باپ اور بیٹے کا تعلق پیدا کیا جیسا کہ عیسائیوں میں دوسرے نے ان کی محبت

۱۰ صبح بخائی کتاب الادب، ۱۱ ابوداؤد کتاب الادب،

کا بڑا اور سمجھا، اس تعلق اس تعلق کو ماں اور بیٹے کی اصطلاح سے واضح کیا اور وہ یہاں انسانوں کی ماں
 بنیں، جیسا کہ ہندوؤں کا امام مذہبی تخیل ہی، خاص ہندوستان کی خاک میں زن و شو کی باہمی محبت کا
 امتیازی خاصہ ہے، جس کی نظیر دوسرے ملکوں میں نہیں مل سکتی ہے، اسکی نگاہ میں محبت کا اس سے زیادہ
 بڑا اثر منظر اور ناقابل شکست پیمان کوئی دوسرا نہیں، اس لیے یہاں کے بعض فرقوں میں خالق و
 مخلوق کی باہمی محبت کے تعلق کو زن و شو کی اصطلاح سے ادا کیا گیا، اسد سہاگ فقرا اس تخیل کی منھکا نگیز تصویر
 یہ تمام فرقے جنھوں نے خدا اور بندہ کے تعلق کو جسمانی اور مادی رشتوں کے ذریعہ ادا کرنا چاہا،
 راہ سے بے راہ ہو گئے، اور لفظ کے ظاہری استعمال نے نہ صرف ان کو عوام بلکہ خواص تک کو گمراہ
 کر دیا، جو لفظ کی اصلی روح کو چھوڑ کر جسمانیات کے ظاہری معالطوں میں گرفتار ہو گئے، جیسا یونان کے بعض
 حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا سمجھ لیا، ہندوستان کے بیٹوں نے مادان کی پوجا شروع کر دی، اسد سہاگ فقرو
 نے چوڑیاں اور ساریاں پہن لیں، اور خدا سے قادر سے شوخیان کرنے لگے، اسی لیے اسلام نے جو توحید
 خالص کا مبلغ تھا، ان جسمانی اصطلاحات کی سخت مخالفت کی، اور خدا کے لیے ان الفاظ کا استعمال
 ضلالت اور گمراہی قرار دیا، لیکن وہ ان الفاظ کے اصلی معنی اور منشا کا اور اس مجاز کے بڑے میں جو حقیقت
 مستور ہے، اس کا انکار نہیں کرتا، بلکہ وہ ان جسمانی معنوں کو خالق و مخلوق اور عبد و معبود کے ربط و
 تعلق کے اظہار کے لیے ناکافی اور غیر مکمل سمجھتا ہے، اور وہ ان سے زیادہ وسیع و کامل معنی کا طالب ہے
 فَادْكُرُوا لِلّٰهِ كَبْرًا ۗ اَبَآءَ كُمْ اَوْ
 اَسْدًا ۙ ذِكْرًا ۗ (بقرہ - ۲۵)

تم خدا کو اس طرح یاد کرو جس طرح اپنے باپوں
 کو یاد کرتے ہو، بلکہ اس سے بھی زیادہ یاد کرو

دیکھو کہ باپ کی طرح کی محبت کو وہ اپنے پروردگار کی محبت کے لئے ناکافی قرار دیتا ہے اور

عبد و معبود کے درمیان محبت کے رشتہ کو اس سے کہیں زیادہ مضبوط و استوار ظاہر کرنا چاہتا ہے۔
 الغرض رحم و محبت کے اس جسمانی طریقہ تعبیر کی مخالفت سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسلام سر
 سے خالق و مخلوق اور عبد و معبود کے درمیان محبت اور پیار کے جذبات سے خالی نہ آتا کون
 نہیں سمجھتا کہ مذہب کی تعلیمات انسانوں کی بولی میں اترتی ہیں انسانوں کے تمام خیالات اور
 تصدیقات اسی مادی اور جسمانی ماحول کا عکس ہیں، اس لیے ان کے ذہن میں کوئی غیر مادی اور غیر جسمانی
 تصور کسی مادی اور جسمانی تصور کی وساطت کے بغیر براہ راست پیدا نہیں ہو سکتا، اور نہ اس کیلئے ان کے
 لغت میں کوئی ایسا لفظ مل سکتا ہے جو کسی غیر مادی اور غیر جسمانی مفہوم کو اس قدر منظر اور بلند طریقہ سے بیان
 کرے جس میں مادیت اور جسمانیت کا مطلق شائبہ نہ ہو انسان ان دکھی چیزوں کا تصور صرف دکھی ہونی
 چیزوں کی تشبیہ سے پیدا کرتا اور اس طرح ان ان دکھی چیزوں کا ایک ہند لاساس ذہن کے آئینہ میں اتر جاتا ہے
 اس ان دکھی ہستی کی ذات و صفات کے متعلق جس کو خدا کہتے ہو ہر مذہب میں ایک تخیل ہو جو
 دکھی تو معلوم ہو گا کہ تخیل بھی اس مذہب کے پیروؤں کے گرد و پیش کی اشیاء سے ماخوذ ہے، لیکن ایک
 بلند تر اور کامل تر مذہب کا کام یہ ہے کہ وہ اس تخیل کو مادیت اور جسمانیت کی آلیشوں
 سے اس حد تک پاک و منزہ کر دے جہاں تک ہی نوع انسان کیلئے ممکن ہو خدا کے متعلق باپ مان
 اور شوہر کا تخیل اس درجہ مادی اور جسمانی اور انسانی ہے کہ اس تخیل کے متفقہ کے لئے، ممکن ہے کہ وہ
 خالص توحید کے صراطِ مستقیم پر قائم رہ سکے، اسی لیے نبوتِ محمدی نے ان مادی تعلقات اور جسمانی رشتوں
 کے ظاہر کرنے والے الفاظ کو نائق و مخلوق کے اظہار و ربط و تعلق کے باب میں یکدم ترک کر دیا بلکہ ان کا
 استعمال بھی ترک قرار دیا تاہم چونکہ روحانی حقائق کا اظہار بھی انسانوں ہی کی مادی بولی میں

تھا اس لیے جسمانی مادی رشتہ کے بجائے جس کو دوسری دنیا میں منتخب کیا تھا اس رشتہ کو محض جذباتی احساسات اور عواطف کو خالق و مخلوق کے تعلقات باہمی کے اظہار کے لیے اسلام نے مستعار لے لیا۔ اس طرح خالق و مخلوق کے درمیان کوئی جسمانی رشتہ قائم کئے بغیر اس نے ربط و تعلق کا اظہار کیا، استعمال کی لفظی غلطی سے جو گمراہیوں پہلے پیش آچکی تھیں، ان سے انسانوں کو محفوظ رکھا، ہر زبان میں اس خالقِ ہستی کی ذات کی تعبیر کے لیے کچھ نہ کچھ الفاظ ہیں جن کو کسی خاص تحمل اور نصب العین کی بنا پر مختلف قوموں نے اختیار کیا ہے اور گونا گویا حسیات اب علم اور نام کی ہر نام وہ درحقیقت پہلے پہل کسی نہ کسی وصف کو پیش نظر رکھ کر استعمال کیے گئے تھے، ہر قوم نے اس علم اور نام کیلئے اسی وصف کو پسند کیا ہے جو اس کے نزدیک اس خالقِ ہستی کی سب سے بڑی اور سب سے ممتاز صفت ہوتی ہے۔ اسلام نے خالق کے لیے جو نام اور علم اختیار کیا ہے، وہ لفظ اللہ ہے، اللہ کا لفظ اصل میں کس لفظ سے نکلا ہے، اس میں اہل لغت کا یقیناً اختلاف ہے، مگر ایک گروہ کثیر کا یہ خیال ہے کہ یہ وکلاء سے نکلا ہے، اور ولہ کے اصل معنی عربی میں اس غمِ محبت اور تعلقِ خاطر کے ہیں، جو مان کو اپنی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے، اسی سے بعد کو مطلق عشق و محبت کے معنی پیدا ہو گئے، اور اسی سے ہماری زبان میں لفظ والہ (شیدا) مستعمل ہے اس لیے اللہ کے معنی محبوب اور پیارے کے ہیں جس کے عشق و محبت میں نہ صرف انسان بلکہ ساری کائنات کے دل سرگردان ہتھیار پریشان ہیں حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی قرآن مجید کی آیتوں کے ترجمہ اور تفسیر میں فرمایا کرتے تھے اللہ کا ترجمہ وہ ہندی میں من مومن "یعنی دلون کا محبوب" کہا کرتے تھے۔

قرآن مجید کھولنے کے ساتھ ہی خدا کی جن فضیلتوں پر پہلے نگاہ پڑتی ہے وہ رحمان اور رحیم ہیں

ان دو وزن لفظوں کے تقریباً ایک ہی معنی ہیں، رحم والا تربان لطف و کرم والا تہم اللہ الرحمن الرحیم (محبوب، مہربان رحم والا) کے ضمن میں قرآن مجید کے ہر سورہ کے آغاز میں انہی صفات ربانی کے بار بار دہرانے کی تاکید کی گئی ہے، ہر نماز میں کئی کئی دفعہ ان کی تکرار ہوتی ہے، کیا اس سے بڑھ بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے متعلق اسلام کے تخیل کو واضح کرنے کے لیے کوئی دلیل ہو سکتی ہے؟

لفظ اللہ کے بعد اسلام کی زبان میں خدا کا دوسرا علم ہی لفظ رحمن ہے جو رحم و کرم اور لطف

وہم کے معنی میں صفتِ مبالغہ کا صیغہ ہے،

قُلْ اَعُوذُ بِاللّٰهِ اَوْدِعُوا الرَّحْمٰنَ اَيَّامًا مَّا تَدْعُوْنَ

اس کو محبوب (اللہ) کو یا تربان (رحمان)

فَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى، (دینی اسرائیل ۱۲)

کو جو نکمراؤں کو پکارو، سب اچھے نام ہی کے ہیں

قرآن مجید نے جبہ اللہ الرحمن الرحیم کی صد بار کی تکرار کے علاوہ خاص طور سے ۵۲ موعودوں

پر خدا کو اس رحمان کے نام سے یاد کیا ہے،

ابھی اس سے پہلے باب میں اسمائے الٰہی کا ایک ایک نام تمہاری نظر سے گزر چکا ہے ان

ناموں میں اللہ تعالیٰ کے ہر قسم کے جلالی و جمالی اوصاف آگئے ہیں، استقصا کرو تو معلوم ہو گا کہ ان میں

بڑی تعداد انہی ناموں کی ہے جن سے اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور مہر و محبت کا اظہار ہوتا ہے، قرآن مجید

میں اللہ تعالیٰ کا ایک نام یا ایک صفت اَلْوَدُوْدُ (سورہ ذات البروج میں) آیا ہے جس کے معنی

”محبوب“ اور ”پیارے“ کے ہیں، کہ وہ سترتا پیار و محبت اور عشق اور پیار ہی، اس کے سوا خدا کا ایک اور نام

اَلْوَلِيُّ ہے جس کے لفظی معنی یار اور دوست کے ہیں، خدا کا ایک اور نام جو قرآن مجید میں بار بار

استعمال ہوا ہے اَلرَّوْفُ ہے، روف کا لفظ رافت سے نکلا ہے، رافت کے معنی اُس محبت و تعلق خاطر کے ہیں

جو باپ کو اپنی اولاد سے ہوتا ہے، اسی طرح خدا کا ایک اور نام حَنَّان ہے جو حق سے مشتق ہے
 حق اُحنین اس سوزِ دل اور محبت کو کہتے ہیں، جو مان کو اپنی اولاد سے ہوتی ہے۔ یہ الفاظ ان مجاز
 اور مستعار معانی کو ظاہر کرتے ہیں، جو اسلام نے خالق و مخلوق اور عبد و معبود کے ربط و تعلق کے الہام
 کے لئے اختیار کیئے ہیں، دیکھو کہ وہ ان رشتوں کا نام نہیں لیتا، لیکن ان رشتوں کے سبب سے
 محبت اور پیار کے جو خاص جذبات پیدا ہوتے ہیں، ان کو خدا کے لئے بے تکلف استعمال کرتا ہے
 اور اس طرح مادیت اور جسمانیات کا تخیل آئے بغیر وہ ان روحانی معنوں کی تلقین کر رہا ہے،
 محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ عَفَّادٌ (بخشش کرنے والا) اور عَفُودٌ (بخشے والا)
 یعنی بندوں کے گناہوں کو معاف کرنا والا ہے، وہ سَلَامٌ (امن و سلامتی) ہے یعنی اپنے بے پناہ بندوں
 کے لئے وہ سرتاپا امن و سلامتی ہے، وہ مُؤْمِنٌ (امن دین والا) ہے، وہ الْعَدْلُ ہے یعنی سرتاپا
 انصاف ہے، وہ الْعَفْوُ (معاف کرنے والا) ہے، الْوَهَّابُ (عطا کرنے والا) ہے، الْحَكِيمُ (بروبہا)
 ہے، (الصَّبُورُ) (بندوں کی گستاخوں پر صبر کرنے والا) ہے، التَّوَّابُ (بندوں کے حال پر رجوع
 ہونے والا) ہے، الْبَرُّ (نیک اور مجتہم خیر) ہے، اور الْمَقْسُطُ (منصف اور بادل) ہے، ان میں سے
 ہر لفظ پر ٹھہر کر ذرا غور کرو کہ اسلام کا تخیل کس قدر بلند اور برتر ہے،
 توراہ کے اسفار، انجیل کے صحائف اور وید کے حصص کا ایک ایک ورق پڑھ جاؤ کیا اللہ
 تعالیٰ کے لئے ایسے پر محبت اور سراپا ہر و کرم، اسما و صفات کی کثرت تم کو وہاں ملے گی، یہ سچ ہے کہ
 اسلام اللہ تعالیٰ کے لُزْمان اور باپ کا لفظ یہود و نصاریٰ اور منہود کی طرح استعمال کرنا جائز نہیں سمجھتا
 مگر اس سے یہ قیاس کرنا غلطی ہے کہ وہ لطفِ احساس اور ہر و کرم کے جذبات و عواطف کیسے خالی ہے

جن کو یہ فرقے اپنا مخصوص سرمایہ سمجھتے ہیں بات یہ ہے کہ اسلام ان روحانی جذبات اور معنوی احساسات کے ساتھ شرک و کفر کی اس ضلالت اور گمراہی سے بھی انسانوں کو بچانا چاہتا ہے جو راسی غلطی غلطی سے مجاز کو حقیقت اور استعارہ کو اصلیت سمجھ کر پاک اور سرتاپا روحانی معنوں کو مادی اور جسم بن کر لیتے ہیں اور اس طرح وہ توحید کی بلند ترین سطح سے بہت نیچے گر کر سرسشتہ حقیقت کو ہاتھ سے چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

محمد رسول ﷺ کا ازل کا آخری پیغام لیکر آئے تھے، اس لیے ضرورت تھی کہ آپ کی تعلیم اس قسم کی لغزشوں سے پاک اور سرتاپا روحانی حقائق کی تعبیر کے لیے جیسا کہ پہلے کہا جا چکا، یقیناً مادی اور جسمانی استعارات و مجازات سے چارہ نہیں، تاہم ایک دائمی تعلیم کا فرض تھا کہ وہ اپنے کو استعمالات کی غلطیوں اور مجازات کی غلط فہمیوں سے محفوظ رکھتی، چنانچہ سلام نے اسی بنا پر ان استعارات و مجازات کے استعمال میں بڑی احتیاط برتی ہے اور خدا کے ہر کرم اور عشق و محبت کے تذکرہ کے ساتھ ادب و لحاظ کے قواعد کو فراموش نہیں کیا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث روحانی عشق و محبت کے ان دلائل و براہین کو لے لے انگریز حکایات سے معمور ہیں، با انیمہ اسلام انسان کو بیٹا اور خدا کو (باپ) نہیں کہتا کہ عبد معبود کے تعلقات کے اظہار کیلئے اسکے نزدیک یہ کوئی بلند تر تعبیر نہیں ہے۔ خدا کو اب (باپ) بجا و درجہ لکھ کر پکارتا ہے وہ اس کو تمام دنیا کا باپ نہیں بلکہ تمام دنیا کا رب کہتا ہے، اب اور دَرَجَاتُ ان دونوں لفظوں کا باہمی معنوی مقابلہ کر دو تو معلوم ہوگا کہ عیسائیوں اور یہودیوں کا تخیل، اسلام کے مطمح نظر سے کس درجہ پست ہے، اب یعنی باپ کا تعلق اپنے بیٹے سے ایک خاص حالت کی بنا پر ایک خاص لحظہ میں قائم ہوتا ہے، اور پھر اس کی حیثیت بدل کر پرورش اور حفاظت کی صورت میں بچپن کے ایک محدود عرصہ تک قائم رہتا ہے، اس طرح گویا بیٹے کے وجود

میں ایک گونہ تعلق ضرور ہوتا ہے، مگر یہ تعلق حد درجہ ناقص، محدود اور آئی ہوتا ہے جیسے کے وجود، قیام و بقا،
 ضروریات زندگی، سامان حیات، نشوونما، ادارتقا، کسی چیز میں باپ کی ضرورت نہیں ہوتی تو
 اپنے آپ سے الگ مستقل اور بے نیاز زندگی بسر کرتا ہے مگر ذرا غور کرو کیا عبد و مہبود اور خالق و مخلوق
 کے درمیان جو ربط و تعلق ہے اس کا انقطاع کسی وقت ممکن ہے، کیا بندہ اپنے خدا سے ایک دم
 ایک لمحہ کیلئے بھی بے نیاز اور مستغنی ہو سکتا ہے، کیا تعلق باپ اور بیٹے کے تعلق کی طرح محدود اور مخصوص الٰہی ہے
 ربوبیت (پرورش) عبد و مہبود اور خالق و مخلوق کے درمیان اس تعلق کا نام ہے جو آغاز
 سے انجام تک پیدائش سے وفات تک بلکہ وفات کے بعد سے ابد تک قائم رہتا ہے، جو ایک
 لمحہ کے بے منقطع نہیں ہو سکتا جس کے بل اور سہارے پر دنیا اور دنیا کی مخلوقات کا وجود و وجود
 گوارا عدم سے لیکر فناے محض کی منزل تک ہر قدم پر ہر موجود کا ہاتھ تھام رہتا ہے انسان ذرہ
 یا بصورت غذا، قطرہ آب ہو یا قطرہ خون، ہضغہ گوشت، پوشت، اتخوان شکم ماور میں ہو یا اس سے باہر کچھ
 یا جوان ادھیڑ ہو یا بوڑھا کوئی ان کوئی لمحہ رب کے ہر درگرم اور لطف و محبت و مستغنی اور بے نیاز نہیں ہو
 علاوہ ازیں باپ اور بیٹے کے الفاظ سے مادیت جسمانی ہم جنسی اور برابری کا جو تخیل پیدا
 ہوتا ہے اس سے لفظ رب یک قلم پاک ہے اور اس میں ان ضلالتوں اور گمراہیوں کا خطرہ نہیں
 جن میں نصرانیت اور ہندویت نے ایک عالم کو مبتلا کر رکھا ہے،
 اب ان آیتوں اور حدیثوں کو دیکھو جن سے یہ روشن ہوتا ہے کہ اسلام کا سینہ اس الٰہی
 ابدی عشق و محبت کے نور سے کس درجہ معمور ہے اور وہ خجاندہ الست کی سرشاری کی یاد دہیکے ہو
 انسانوں کو کس کس طرح دلا رہا ہے اسلام کا سب سے پہلا حکم ایمان ہے، ایمان کی سب سے بڑی نصیحت

اور علامتِ حُبِّ الہی ہے، اور یہ وہ دولت ہے جو اہل ایمان کی پہلی جماعت کو عطا نصیب ہو چکی تھی۔
 الہی نے شہادت دی،

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (تقرہ ۲۵) ^{پہلی جماعت} اور جو ایمان لائے سب زیادہ خدا سے محبت

اس نشہ محبت پر باپ، مان، اولاد، بھائی، بیوی، جان، مال، خاندان، سب قربان

اور شمار ہو جانا چاہیے، ارشاد ہوتا ہے،

إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَآخِوَانُكُمْ

اگر تمہاری باپ، تمہاری بیٹے، تمہاری بھائی تمہاری

وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ

بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ دولت جو تم نے کما

لَكُمْ فَتَمَوَّهَاهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا

ہو اور وہ سوداگری جس کے مند اپڑ جانے کا تم کو

وَمَسَلِكٌ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِمَّا

اندیشہ ہو اور وہ مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو خدا

اللَّهُ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرْتَبُوا

اور اس کے رسول اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے سے

حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ عَظِيمٍ (توبہ ۳)

تم کو زیادہ محبوب اور پیارے ہیں، تو اس وقت تک

۱۴ تمہارا اور خدا اپنا فیصلہ لے لے گا

ایمان کے بعد بھی اگر نشہ محبت کی سرشاری نہیں ملی، تو وہ بھی جاوہ حق سے دوری ہے

چنانچہ جو لوگ راہ حق سے بھٹکنا چاہتے تھے، ان کو پکار کر سنا دیا گیا،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ

مسلمانو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین (اسلام) سے

عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِيَ اللَّهُ بِقَوْمٍ

پھر جائیگا تو خدا کو اس کی کچھ پروا نہیں وہ اپنے

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ، (مائدا ۵۸)

لوگوں کو لا کر کھڑا کرے گا جن کو وہ پیار کرے گا اور وہ

حضرت مسیح نے کہا وخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، ہر معنوی اور روحانی حقیقت ظاہر

آثار اور جسمانی علامات سے پہچانی جاتی ہے، تم کو زید کی محبت کا دعویٰ ہے، مگر نہ تمہارے دل میں اس کے دیدار کی رُپ ہے، نہ تمہارے سینہ میں صدمہ فراق کی جلن ہے، اور نہ آنکھوں میں ہجر و جدائی کے آنسو ہیں، تو کون تمہارے دعویٰ کی تصدیق کرے گا، اسی طرح خدا کی محبت اور پیار کے دعویٰ دار تو بہتیرے ہو سکتے ہیں، مگر اس غیر محسوس کیفیت کی مادی نشانیاں اور ظاہری علامتیں اس کے احکام کی پیروی اور اس کے رسول کی اطاعت ہی خدا کے رسول کو اس اعلان کا حکم ہے،

إِن كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ (ال عمران ۴)
اگر تم کو خدا سے محبت ہے تو میری پیروی کرو
کہ خدا بھی تم کو پیار کرے گا،

محبت کیونکر حاصل ہو، وحی محمدی نے اس رتبہ بلند کے حصول کی تدبیر بھی بتا دی فرمایا،
إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کے بہت
سَجَّلُوا لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا (مریو۶)
والا خدا، ان کے لیے محبت پیدا کرے گا،

اس آیت میں محبت کے حصول کے دو ذریعے بتائے گئے ہیں، ایمان اور عمل صالح، یعنی نیک کام، چنانچہ طبقات انسانی میں تعدد ایسے گروہ ہیں جن کو ان ذریعوں سے خدا کی محبت اور پیار کی دولت ملی ہے،

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (مائدہ ۳۰ - بقرہ ۲۳)
خدا نیک کرنے والوں کو پیار کرتا ہے،
إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ (بقرہ ۲۲)
خدا توبہ کرنے والوں کو پیار کرتا ہے،
إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ (آل عمران ۱)
خدا توکل کرنے والوں کو پیار کرتا ہے،
إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (مائدہ ۶۰ - بقرہ ۱۷۸)
خدا انصاف مزاجوں کو پیار کرتا ہے،

خدا پر ہنسنا گارون کو پیار کرتا ہے

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ (توبہ ۲)

خدا ان کو پیار کرتا ہے جو اُس کے

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ

راستہ میں لڑتے ہیں،

فِي سَبِيلِهِ (صف - ۱)

اور خدا صبر کرنے والوں کو پیار کرتا ہے،

وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ (آل عمران ۱۵)

اور خدا پاک صاف لوگوں کو پیار کرتا ہے

وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ (توبہ ۱۳)

مسند احمد میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تین قسم کے آدمیوں سے محبت کرتا ہے اور تین قسم

کے آدمیوں کو پیار نہیں کرتا، محبت ان سے کرتا ہے جو اُس کی راہ میں خلوص نیت کیساتھ اپنی جان

فدا کرتے ہیں، اور ان سے جو اپنے پڑوسی کے ظلم پر صبر کرتے ہیں، اور ان سے جو وضو کر کے خدا کی بات

کے لئے اُس وقت اٹھتے ہیں جب تا فلاح رات کے سفر سے تھک کر آرام کیلئے بستر لگاتا ہے اور خدا

کی محبت سے محروم ہیں، اور انیوالا مغرور، احسان دھرنے والا بخل، جھوٹی باتیں کھانکھا کر مال

نیچنے والا سوداگر،

دنیا کے عیش و مسرت میں اگر کوئی خیال کاٹنا سا چھتا ہے اور ہمیشہ انسان کے عیش و سرور کو

مکدر اور منغض بنا کر بے فکری کی بہشت کو فکر و غم کی جہنم بنا دیتا ہے تو وہ مہی اور حال کی ناکامیوں کی بات

اور مستقبل کی بے اطمینانی ہے پہلے کا نام حزن و غم اور دوسری کا خوف و ہشت و غرض غم اور خوف ہی دو

کائناتے ہیں جو عاجز و درماندہ انسان کے پہلو میں ہمیشہ چھتے رہیں، لیکن جو محبوب حقیقی کے طلب گار اور

والدہ و شیدا ہیں ان کو بشارت ہے کہ ان کے عیش کا چین زازان کا نون سے پاک و صاف ہو گا

الْآنَ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (یونس -)

ہاں خدا کے دوستوں کو نہ کوئی خوف ہے اور
نہ وہ غمگین ہوں گے،

محبت کا وہ جذبہ جو بڑے کوچھوٹے کے ساتھ احسان، نیکی، درگزر اور عفو و بخشش پر مبنی
کرتا ہے، اس کا نام رحم اور رحمت ہے، اسلام کا خدا تمام تر رحم ہے، اس کی رحمت کے فیض سے سوشل
کائنات کا ذرہ ذرہ سیراب ہے، اس کا نام رحمن و رحیم ہے جو کچھ بیان ہو سب اسکی رحمت کا نام ہے
وہ نہیں تو کچھ نہیں، اسی لیے اسکی رحمت سے ناامیدی جرم اور مایوسی گناہ ہے جو جرم سے مجرم، اور
گنہگار سے گنہگار کو وہ نوازنے کے لیے ہمہ وقت آمادہ و تیار رہتا ہے، گنہگاروں اور مجرموں کو
وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان سے میرے بند و انکرا ان کے پاس تسلی کا یہ پیام بھیجا ہے،

قُلْ يٰعِبَادِىَ الذّٰىنَ اَسْرَفُوْا
عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ
رَّحْمَةِ اللّٰهِ، اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ
الذّٰنَ ذُوْبًا جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ
الرّٰحِيْمُ (ذمر - ۶)

اے پیغمبر! میرے ان بندوں کو پیام پہنچاؤ
جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا جو کہ تم اللہ
کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اللہ تعالیٰ تمام
گناہوں کو بخش سکتا ہے، بیشک ہی بخشش
کرنے والا اور رحم کھا بنو والا ہے

فرشتے حضرت ابراہیمؑ کو بشارت سناتے ہیں، تو کہتے ہیں،

فَلَا تَكُنْ مِنَ الْفٰزِلِيْنَ (تجوید)

تم ناامید ہونے والوں میں سے نہ ہو،

نفیل اللہ اس رمز سے نا آشنا نہ تھے کہ مرتبہ غلبت محبت سے مافوق ہے اس لیے جو اسباب

وَمَنْ يَّقْنَطْ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖ

اپنے پروردگار کی رحمت گمراہ لوگوں کے

اَلَا الضَّالُّونَ (حجر-۴) سوا کون نا امید ہوتا ہے؟

بندوں کی جانب سے خدا پر کوئی پابندی عائد نہیں، مگر اُس نے اپنی رحمت کے اقتضا اپنے اوپر خود کچھ چیزیں فرض کر لی ہیں، منجملہ اُن کے ایک رحمت بھی ہے، خدا مجرموں کو سزا دے سکتا ہے، گنہگاروں پر عذاب بھیج سکتا ہے، یہ کاروں کو اُن کی گستاخیوں کا مزہ چکھاتا ہے، وہ غالب ہی قاصر ہے، جبار ہے منتقم ہے لیکن ان سب کے ساتھ وہ غفار و غفور بھی ہے اور رحیم بھی، اور غفور و رؤف بھی ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اُس نے اپنے اوپر رحمت کی پابندی خود عائد کر لی ہے، اور اس کو اپنا اوپر فرض کر دیا ہے،

کَتَبَ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (انعام-۲)

اللہ نے از خود اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے

قاصدِ خاص کو حکم ہوتا ہے کہ ہمارے گنہگار بندوں کو ہماری طرف سے سلام پہنچا دے، اور

تسلی کا یہ پیام دو کہ ہمارا بابِ رحمت ہر وقت کھلا ہے،

اے پیغمبر جب تیرے پاس وہ آئیں جو میری آیتوں

وَ اِذْ جَاءَكَ الَّذِيْنَ يُوْمِنُوْنَ

پہنچ رہے ہیں تو اُن سے کہہ کہ تم پر سلامتی ہو

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَلَامٌ عَلٰيْكُمْ كَمَا كَتَبَ

تمہاری پروردگار نے اپنے اوپر از خود اپنے بندوں

رَبِّكُمْ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اِنَّهٗ

پر مہربان ہونا لازم کر لیا ہے کہ جو کوئی تم میں

مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوءًا بِجَهَالَةٍ

براہ نادانی بُرائی کر بیٹھے، پھر اُس کے بعد

تَمَّ نَابٌ مِّنْ بَعْدِهَا وَاَصْلِحْ

بارگاہِ الہی کی طرف رجوع کرے، اور نیک

فَاِنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

بنے، تو بیشک خدا بخشنے والا اور رحیم کرینوالا ہے

(انعام-۶)

قرآن کی تعلیم کے مطابق اس وسیع عرصہ کائنات کا کوئی ذرہ اس سایہ رحمت سے محروم نہیں

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (اعراف - ۱۹) اور میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر لیا ہے،

بخاری و ترمذی وغیرہ کی صحیح حدیثوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اس عالم کو پیدا کیا تو
از خود اپنے اوپر رحمت کی پابندی عائد کر لی، جامع ترمذی میں ہے کہ ایک دفعہ آپ نے فرمایا اگر
مومن کو یہ معلوم ہوتا کہ خدا کے پاس کتنا عقاب ہے تو وہ جنت کی طمع نہ کرتا، اور اگر کافر کو یہ معلوم
ہوتا کہ خدا کی رحمت کس قدر بے حساب ہے تو وہ جنت سے مایوس نہ ہوتا، یہ اسلام کے تخیل کی صحیح
تعبیر ہے، بارگاہِ احدیت کا آخری قاصد اپنے دربار کی جانب سے گنہگاروں کو بشارت سنا رہا ہے کہ اے
آدم کے بیٹو! جب تک تم مجھے پکارتے رہو گے، اور مجھ سے اس لگائے رہو گے، تمہیں بشارت دیوں
خواہ تم میں کتنے ہی عیب نہ ہوں، مجھے پروا نہیں، اے آدم کے بیٹو! اگر تمہارا گناہ آسمان کے بادلوں
تک بھی پہنچ جائے، اور پھر تم مجھ سے معافی مانگو تو میں معاف کر دوں خواہ تم میں کتنے ہی عیب
کیوں نہ ہوں، مجھے پروا نہیں، اے آدم کے بیٹو! اگر پوری سطحِ زمین بھی تمہارے گناہوں سے بھری
ہو، پھر تم میرے پاس آؤ اس حال میں کہ کسی کو میرا شریک نہ بناتے ہو تو میں بھی تمہارے پاس
پوری سطحِ زمین بھر مغفرت لے کر آؤں، کیا انسانوں کے کانوں نے اس رحمت، اس محبت، اس
عفو عام کی بشارت کسی اور قاصد کی زبان سے بھی سنی ہے؟

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت جب آیا، تو انھوں نے لوگوں سے کہا کہ
انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے تو خدا اور کوئی مخلوق پیدا کرتا جو گناہ

لے جامع ترمذی (ابواب الدعوات) و دیگر کتب احادیث (صحیح)

اور وہ اس کو بختا یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنے رحم و کرم کے اظہار کے لئے گنہگاروں ہی کی تلاش ہے کہ ان کو کاروں کو تو سب ڈھونڈتے ہیں، مگر گنہگاروں کو صرف وہی ڈھونڈتا ہے۔

دنیا میں انسانوں کے درمیان جو رحم و کرم اور مہر و محبت کے عناصر پائے جاتے ہیں اور جن کی بنا پر دوستوں، عزیزوں، قریبوں اور اولادوں میں میل ملاپ اور مہم و محبت ہے نیز جس کی بنا پر دنیا میں عشق و محبت کے شادمانہ مناظر آتے ہیں، تم کو معلوم ہے کہ یہ اس شادمانہ حقیقی کے سرمایہ محبت کا کون سا حصہ ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سوا حصے کے ان میں سے ایک حصہ اپنی مخلوقات کو عطا کیا، جس کے اثر سے لوگ ایک دوسرے پر باہم رحم کیا کرتے ہیں، باقی ننانوے حصے خدا کے پاس ہیں، اس لطف و کرم اور مہر و محبت کی بشارت میں کس مذہب نے انسانوں کو سنائی ہے، اور کس نے گنہگار انسانوں کے مضطرب قلوب کو اس طرح تسلی دی ہے، صحیح بخاری میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک شخص شہر بخاری کے جرم میں بار بار گرفتار ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا، صحابہ نے تنگ کر کہا خداوند اپنی لعنت اس پر نازل کر کہ یہ کس قدر بار بار لایا جاتا ہے، رحمۃ اللعالمین کو لوگوں کی یہ بات نا پسند آئی فرمایا، اس پر لعنت نہ کرو کہ اس کو خدا اور رسول سے محبت ہے، تم نے دیکھا کہ اسلام نے گنہگاروں کے لئے خدا کی محبت کا دروازہ کس طرح کھول رکھا ہے،

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے ان عربوں کو جو خدا کی محبت کیا خدا کی معرفت سے بھی

۱۵۰ سنہ ابن عسقل جلد ۵ ص ۴۴۴ بخاری کتاب الادب باب صفحہ ۴۴، ۴۵ بخاری کتاب الحدیث باب یوسف

بن لعن شارب الخمر صفحہ ۱۵۰

ما آشنا تھے، کس طرح آشنائے حقیقت کر دیا، اور ان کو ذات الہی کیساتھ وابستگی، محبت اور سرشاری کے لطف سے کس درجہ بہرہ مند و ذکر دیا، اہل ان کو دیکھو، اٹھیک دوپہر کے وقت عرب کی صلیبی ہوئی ریت پر ان کو ٹٹایا جاتا ہے، ایک گرم پتھر سینہ پر رکھا جاتا ہے، اور خدا سے واحد سے انحراف کیلئے ان کو مجبور کیا جاتا ہے، وہ یہ سب تخلصیں اٹھاتے ہیں، اگر زبان سو وہی احد احد (ایک ایک) کا ترانہ نکلتا ہے، مکہ کا ذرہ ذرہ صدائے حق کا دشمن ہے، ابو ذر غفاریؓ یہ جان کر بھی صبح مکہ میں جوش و حدت سے سرشار ہو کر کلمہ توحید کا آواز بلند اعلان کرتے ہیں، ہر طرف سے پتھروں اور پٹیوں کی بارش ہوتی ہے، بعض لوگ آکر چھوڑا دیتے ہیں، لیکن جب دوسری صبح نمودار ہوتی ہے، تو پھر محبت الہی کے کیفیت مستی کا وہی عالم نظر آتا ہے، اور مشرکین کی طرف سے وہی سزا ملتی ہے،

ایک صحابی جو رات کو میدان جنگ میں ایک پہاڑ پر پہرہ دینے کے لئے مستعین تھے، وہ اپنی مینڈٹانے کے لئے خدا کی یاد میں مصروف ہوتے ہیں، دشمن پے در پے تین دفعہ تیرا تارنا ہو جو بدن میں پیوست ہو جاتا ہے، اور وہ بدستور نماز میں محو رہتے ہیں، ان کے ساتھی پوچھتے ہیں کہ تم نے نماز کیوں نہیں توڑی، کہتے ہیں، کہ جو سورہ شروع کی تھی اچھی نہ چاہا کہ اس کو تمام کئے بغیر چھوڑ دوں، محمد رسول اللہ ﷺ کے دو جانشین ہیں، حالت نماز میں زخم کھا کر گرنے میں مگر مشرکین کی صف اس جی و باقی کے سامنے کھڑی ہو کر، ہر فانی و میت مستی کی محبت سے بے نیاز رہتی ہے، اسی لئے خدا نے بشارت دی کہ وہ خدا کے محبوب اور خدا ان کا محبوب ہے، یعنی رضی عنہم و رضوا عنہم

۱۔ سیرۃ ابن ہشام ذکر عدوان المشرکین و اسد النابہ جلد ۱ ص ۲۰۶ مصر ۵ طبقات ابن سعد ذکرہ حضرت ابو ذر غفاریؓ ص ۱۱۱ و سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب الوضوء من الدم،

مدینہ میں ایک اللہ والے مسلمان نے وفات پائی، اس کا جنازہ اٹھا آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس کے ساتھ نرمی کرو کہ اللہ نے بھی اس کیسے نرمی کی ہے کیونکہ اس کو اللہ اور اس کے رسول سے محبت تھی، قبر کھودی جانے لگی، تو فرمایا اس کی قبر کشادہ رکھو کہ خدا نے بھی اس کے ساتھ کشادگی فرمائی ہے، اس بار بار کے اہتمام کو دیکھ کر صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپ کو اس مرنے والے کی موت کا غم ہے؟ فرمایا ہاں! کیونکہ اس کو خدا اور رسول پیارے تھے ایک دفعہ آپ نے ایک صحابہ کو کسی جماعت کا افسر بنا کر بھیجا، وہ جب نماز پڑھانے تو ہر سورہ کے آخر میں قل ھو اللہ ضرور پڑھتے تھے جب یہ جماعت سفر سے لوٹ کر آئی تو خدمت اقدس میں یہ واقعہ عرض کیا فرمایا ان سے پوچھو کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں لوگوں نے پوچھا تو جواب دیا کہ یہ میں اسلئے کرتا ہوں کہ اس سورہ میں رحم والے خدا کی صفت کا بیان ہے تو مجھ کو اس کے پڑھنے سے محبت ہی فرمائی ان کو بشارت ہو کہ رحم والا خدا بھی ان سے محبت کرتا ہے، یہ بشارت محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک کے سوا کسی اور نے بھی سنائی ہے صحیح بخاری اور مسلم میں متعدد طریقوں سے حضرت انس سے روایت ہے کہ ایک فوج ایک صحابی نے خدمت والا میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! قیامت کب آئے گی، فرمایا تم نے اس کی کیا سامان کر رکھا ہے، انھوں نے نا دم ہو کر شکستہ دلی سے عرض کی کہ یا رسول اللہ! میرے پاس نہ تو نماز دن کا بڑا ذخیرہ ہے، نہ روزوں کا اور نہ صدقات خیرات کا جو کچھ سرمایہ ہے وہ صرف خدا اور رسول کی محبت ہے، ایسے! فرمایا تو انسان جس سے محبت کرے گا اسی کیساتھ رہے گا، صحابہ نے

ابن ماجہ کتاب النہایہ باب ما جاز فی حضر القبر علیہ وسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین قصر باب فضل قرآۃ قل ھو اللہ احدیہ
بخاری کتاب الصلوٰۃ باب الحجج بین السوین میں دوسری طرح مروی ہے اور ابن رسول اللہ صلعم کے الفاظ بھی دوسری

اس بشارت کو سن کر اس دن بڑی خوشی منائی،

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا، جب خدا کسی بندہ کو چاہتا ہے، تو فرشتہ خاص جبریل سے کہتا ہے کہ میں فلان بندہ کو پیار کرتا ہوں، تم بھی اس کو پیار کرو، تو جبریل بھی اس کو پیار کرتے ہیں، اور آسمان والے بھی اس کو پیار کرتے ہیں، اور پھر زمین میں اس کو ہر لغزیزی اور حسن قبول بخشا جاتا ہے، صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو بندہ اپنی اطاعتوں سے میری قربت کو تلاش کرتا رہتا ہے تو میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، یہاں تک کہ میں اسکا ان بنجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اور اسکی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، ہاتھ بنجاتا ہوں جس سے وہ پکارتا ہے، اور پاؤں بنجاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، یہ دولت، یہ نعمت، یہ سعادت آسانہ محمدی کے سوا کہیں اور نہیں ملتی،

امام بزار نے مندرجہ حضرت ابو سعیدؓ سے روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ان لوگوں کو پہنچاتا ہوں جو نہ نبی ہیں اور نہ شہید ہیں لیکن قیامت میں ان کے مرتبہ کی بلندی پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے، یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا سے محبت ہے اور جن کو خدا پیار کرتا ہے وہ اچھی باتیں بتاتے اور بڑی باتوں سے روکتے ہیں، یہ قابل رشک مرتبہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کس ذریعہ عطا ہوتا ہے، امام مالک نے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا خداوند تعالیٰ یہ ارشاد فرماتا ہے کہ ان کو پیار کرنا مجھ پر لازم ہے جو آپس میں ایک دوسری کو میری محبت کے سبب پیار کرتے ہیں، اور میری محبت میں

۱۔ مسلم کتاب الادب باب لرمع من احب بخاری کتاب الادب باب ماجاء فی قول الرطل ویکلمک علیہ سلم کتاب الادب باب
۲۔ ابوالعباس عبد الجبار بن یزید کتاب لرمع من احب بخاری کتاب الادب باب لرمع من احب بخاری کتاب الادب باب لرمع من احب بخاری
۳۔ بیہقی میں بھی ہیں، دیکھو مشکوٰۃ کتاب لاداب فی حب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،

ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے ہیں، اور میری محبت میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں، اور میری محبت میں ایک دوسرے کے لئے اپنی جان و مال وقف کرتے ہیں؟

یہ محبتِ الہی کی نیزنگیانِ اسلام ہی کے پردہ پر نظر آتی ہیں،

ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: "لوگو! خدا سے محبت کرو کہ وہ تمہیں اپنی نعمتیں عطا کرتا ہو، اور اسی کی محبت کے سبب مجھ سے محبت کرو، اور میری محبت کے

سبب میری اہل بیت سے محبت کرو، یہ عشق و محبت کی دعوت محبوبِ ازل کے سوا اور کون دیکھتا ہے؟" ہاں مسلمانوں میں پیغمبرِ اسلامؐ کا لقب حبیبِ خدا ہے، دیکھو کہ حبیب اور محبوب میں خلقت و

کے کیا کیا ناز و نیاز ہیں، آپ خشوع و خضوع کی دعاؤں اور خلوتِ تنہائی کی روحانی ملاقاتوں میں کیا ڈھونڈتے اور کیا مانگتے تھے، کیا چاہتے اور کیا سوال کرتے تھے، امام احمد اور بزار نے مسندوں میں ترمذی

نے جامع میں احکم نے مستدرک میں، اور طبرانی نے معجم میں متعدد صحابہ یوں سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی دعاؤں میں محبتِ الہی کی دولت مانگا کرتے تھے، انسان کو اس دنیا میں سب سے زیادہ محبوب

اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جان ہے، لیکن محبوبِ خدا کی نگاہ میں یہ چیزیں بیچ بھیس مانگتے تھے، خدا کا

اسئل حبك وحب من يحبك

وحب عمل يقرب الی حبك

(احمد - ترمذی - حاکو)

اللہم اجعل حبك احب الی من

الہی تو اپنی محبت کو میری جان سے میری اہل

۱۰ مشکوٰۃ باب مذکور، ۱۰۰ مشکوٰۃ مناقب اہل بیت بروایت ترمذی،

نفسی واھلی و من الماء البارد، عیال سے اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ

(ترمذی وحاکو) میری نظر میں محبوب بنا،

عرب میں ٹھنڈا پانی دنیا کی تمام دولتوں اور نعمتوں سے زیادہ گران اور قیمتی ہے لیکن حضورؐ کی پیاس اس مادی پانی کی خشکی سے نہیں بچتی تھی، وہ صرف محبت اللہ کی کا زلال خاص تھا جو اس کی تشنگی کو تسکین دے سکتا تھا عام انسان روٹی سے جیتے ہیں مگر ایک عاشق اللہ (سبح) کا قول ہے کہ انسان روٹی سے نہیں جیتا، پھر وہ کون روٹی چوسے کو کھا کر انسان پھر کبھی بھوکا نہیں ہوتا حضورؐ دعا فرماتے ہیں

اللھم ادرزقنی حبک وحب من

خداوند! تو اپنی محبت اور اس کی محبت جو

ینفعنی فی حبک (ترمذی) تیری محبت کی راہ میں نافع ہو مجھے روزی کر

عام ایمان خدا اور رسول پر یقین کرنا ہی مگر جانتے ہو کہ اس راہ میں آخری منزل کیا ہے

صحیحین میں ہے

من كان الله ورسوله احبا ليدهما سواهما يركه خدا اور رسول کی محبت کے آگے تمام سوا کی محبتیں بیچ جائیں

بعض مذاہب کو اپنی اس تعلیم پر ناز ہے کہ وہ انسانوں کو یہ سکھاتے ہیں کہ وہ اپنے خدا کو

مان باپ سمجھیں، اور اُس سے اسی طرح محبت کریں جس طرح اپنے والدین سے کرتے ہیں اور چونکہ اسلام

نے اس طریقہ تبصیر کو اس بنا پر کہ وہ شرک کا راستہ ہی منسوخ قرار دیا ہے، اس لیے ان مذاہب کے ہوتے

پر وہ سمجھتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تو اہم محبت اللہ کی ہے جس جہاں سے خانی ہی لیا گیا ہے

پہلے گزر چکا ہے دعویٰ سرتا پابے بنیادی، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ تعلیم تشریح کی بشری نظر اور تشریح کا علم

مسلم کتاب لایمان باب بیان خصال من اتصف بہن وجہ، حل و، (بخاری) کتاب لایمان باب حل و، لایمان

دونوں ان مذاہب کے پیش کردہ نظر و میاں سے بہت بالاتر ہیں، ثبوت میں قرآن مجید کی یہ آیت پاک بھی پہلے پیش کی جا چکی ہے،

فَاذْكُرُوا لِلَّهِ كُنُوزًا بَاءَ كُرْهُ أَوْ
 امثالاً ذِكْرًا (بقرہ ۲۵-۲۶) باپوں کو یاد کرتے ہو، بلکہ اس سے بہت زیادہ

لیکن احادیث سے ہمارا دعویٰ اور بھی زیادہ واضح ہو جاتا ہے، لڑائی کا میدان ہوشیاروں میں بھاگ دوڑ مچی ہے جس کو جہاں امن کا گوشہ نظر آ رہا ہے اپنی جان بچا رہا ہے، بھائی بھائی سے ماں بچہ سے، بچہ ماں سے الگ ہے، اسی حال میں ایک عورت آتی ہے جس کا بچہ میدانِ حشر میں گم ہو گیا ہو محبت کی دیوانگی کا یہ عالم ہے کہ جو بچہ بھی اس کے سامنے آ جاتا ہو اس کو اپنے بچہ کے جوشِ محبت میں چھاتی ہو لگا لیتی ہو اور دودھ پلا لیتی ہے، دفعۃً رحمتہ للعالمین کی نظر پڑتی ہو اور آپ صحابہ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں، کیا یہ ممکن ہے کہ یہ عورت خود اپنے بچہ کو اپنی ہاتھ سے دکھتی آگ میں ڈال دے؟ لوگ عرض کرتے ہیں ہرگز نہیں، آپ فرماتے ہیں، تو جتنی محبت ماں کو اپنے بچہ سے ہے خدا کو اپنے بندوں سے اس سے کہیں زیادہ محبت ہے،

ایک دفعہ ایک غزوہ سے آپ واپس تشریف لارہے ہیں ایک عورت اپنے بچہ کو گود میں لیکر سامنے آتی ہو، اور عرض کرتی ہو یا رسول اللہ! ایک ماں کو اپنی اولاد سے جتنی محبت ہوتی ہو، کیا خدا کو اپنے بندوں سے اس سے زیادہ نہیں ہو؟ فرمایا ہاں بیشک اس سے زیادہ ہو، بولتی تو کوئی ماں تو اپنی اولاد کو خود آگ میں ڈالنا گوارا نہ کرے گی یہ سن کر فریضہ اثر سے آپ پر گریہ طاری ہو گیا پھر پھر

لے بچہ بخاری کتاب الادب باہر جت الولد،

فرمایا، خدا صرف اُس بندہ کو عذاب دیتا ہے، جو سرکشی سے ایک کو دکھاتا ہے۔
 آپ ایک مجلس میں تشریف فرما ہیں، ایک صحابی ایک پرند کو مع اُس کے بچوں کے جا
 میں باندھ کر لاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ! میں نے ایک جھاڑی سیوان بچوں کو اٹھا کر کپڑے
 میں لپیٹ لیا، مان نے بیوکھا، تو میرے سر پر منڈلانے لگی، میں نے ذرا سا کپڑی کو کھول دیا تو فوراً آگ
 بچوں پر گر پڑی ارشاد ہوا، کیا بچوں کیساتھ ماں کی اس محبت پر تم کو تعجب ہے، قسم ہے اس ذات کی
 جس نے جھکو حق کے ساتھ مبعوث کیا، جو محبت اس ماں کو اپنے بچوں کیساتھ ہے، خدا کو اپنے بندوں
 کے ساتھ اس سے بدرجہا زیادہ ہے،

ایک صاحب ایک چھوٹے بچے کو لیکر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے ہیں، محبت کا یہ حال
 تھا کہ وہ بار بار اس کو گلے سے لگائے جاتے تھے، آنحضرت ﷺ نے اُن سے پوچھا کہ کیا تم کو اس بچے
 محبت ہے، انھوں نے کہا ہاں، فرمایا تو اللہ کو تم سے اُس سے زیادہ محبت ہے، یعنی تم کو اس بچے سے ہے، وہ
 تمام رحم کرنے والوں میں سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے،

جمالِ حق کا پہلا مشتاق، اور مستورِ ازل کے زیرِ نقاب چہرہ کا پہلا بند کشا، زندگی کے آخری
 مرحلوں میں ہی، مرض کی شدت ہے، بدن بخار سے تپ رہا ہے، اٹھکر چل نہیں سکتا، لیکن ایک بیک
 وہ اپنے میں ایک اعلانِ خاص کی طاقت پاتا ہے، مسجد نبوی میں جان نثار حاضر ہوتے ہیں، اس کی
 نظریں حنیف کی طرف لگی ہیں، نبوت کا آخری پیغام سننے کی آرزو ہے، دفعتاً لبِ مبارک پہنچتے ہیں
 اور یہ آواز آتی ہے، لوگو! میں خدا کے سامنے اس بات کی برأت کرتا ہوں کہ انسانوں میں میری کوئی دوست

۱۰ من نسانی بابی برحی من الرحمة ۱۰ مشکوٰۃ بحوالہ ابو داؤد کتاب الاسما باب حمة اللہ غضبہ ۱۰ ابی المفرد الام بخاری باب حمة العیال
 ص ۵۵۱ مصر

مجھ کو خدا اپنا پیارا بنایا ہے، جیسے ابراہیم کو اس نے اپنا پیارا بنایا تھا، یہ تو وفات سے پہلے کا اعلان تھا، عین حالت نزع میں زبان مبارک پر یہ کلمہ تھا، خداوند ارغیب!

اللہ تعالیٰ کی کریمی و رحیمی اس کی بیچارہ نوازی، عاجزوں اور درماندوں کی دستگیری، اور اپنے گنہگار بندوں پر اس کی شانِ تبتیس کا ترانہ محمد رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے کانوں سے سنا، تا دم و متاسف یہ کارون تک اس فردہ کو پہنچا کر ان کے شکستہ اور زخمی زون پر مرہم رکھا، حضرت ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ حضرت رحمۃ اللعالمینؐ نے یہ پیام ربانی ہم کو سنایا،

میرے بندو! میں نے اپنے اوپر بھی اور تمہارے درمیان بھی ظلم کو حرام کیا ہی، تو ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو، اسے میرے بندو! تم میں سہرا یک گمراہ تھا، لیکن جس کو میں نے راہ دکھانی تو مجھ سے راستہ پوچھو، میں بتاؤں گا، اسے میرے بندو! تم میں سہرا یک بھوکا تھا، لیکن جس کو میں نے کھلایا تو مجھ سے کھانا مانگو، میں تم کو کھلاؤں گا، اسے میرے بندو! تم میں سہرا یک پیاسا تھا، لیکن جس کو میں نے بلایا تو مجھ سے پانی مانگو، میں تم کو پلاؤں گا، اسے میرے بندو! تم میں سہرا یک تنگ تھا، لیکن جس کو میں نے پہنایا تو مجھ سے کپڑا مانگو، میں تم کو پہنایاؤں گا، اسے میرے بندو! تم دن رات گناہ کرتے ہو اور میں سب گناہوں کو معاف کرتا ہوں، تم مجھ سے معافی مانگو، میں تم کو معاف کر دوں گا، اسے میرے بندو! مجھے نقصان پہنچانا تمہاری طاقت میں نہیں ہے، اور نہ مجھے نفع پہنچانا تمہاری قدرت میں ہے، اسے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے جن اور انس چھوٹے اور بڑے مرد اور عورت دنیا کے سب سے بڑی پرہیزگار کے دل کے برابر ہو جائیں تو میری شہنشاہی میں ایک ذرہ اضافہ نہ ہوگا، اور اسے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے جن

سن بیچہ مسلم کتاب المساجد ص ۵۵۲ بیچہ تجاری ذکر وفات نبوی

انس چھوٹے اور بڑے مرد اور عورت، دنیا کے سب سے بڑے گنہگار کے دل کے برابر ہو جائیں، تو بھی میری
شہنشاہی میں ذرہ برابر کمی نہ ہوگی، اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے اور پیچھے جن و انس سب کسی
ایک زمین میں بھڑے ہو کر مجھ سے مانگیں، اور میں سب کے سوال کو پورا کروں تو میرے خزانہ میں
کچھ کمی نہ ہوگی، لیکن اتنی جتنی ایک سوئی سمندر کے پانی میں ڈبو کر نکال لی جائے، اے میرے
بندو! تمہارے ہی عمل ہون گے جن کو ہن گن گن کر تم کو واپس کروں گا، اور پورا کروں گا تو
جس کو بھلائی ملے، وہ خدا کا شکر ادا کرے، اور جس کو بُرائی ملے وہ خود اپنے ہی کوتاہی سے کہے،
محبت کا یہ پرکیف نغمہ دنیا نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زبان مبارک سے
سننا، تسلی و تشفی کا یہ رواج افزا پیام آپ ہی کے مبارک لبوں سے ادا ہوا، عنہ و کرم کے جگر بولنے
کا یہ ساحلِ امید آپ ہی کے دکھانے سے ہم کو نظر آیا، اور گنہگاروں کو میرے بندو! گنہگار سے
جانے کی عزت آپ ہی کے وسیلہ سے میسر آئی، (صلی اللہ علیہ وسلم)

۱۔ صحیح مسلم و ترمذی کتاب التہجد و منہاج احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۱۶۰ و صفحہ ۱۶۱ و ۱۶۲ و ۱۶۳ و ۱۶۴ و ۱۶۵ و ۱۶۶ و ۱۶۷ و ۱۶۸ و ۱۶۹ و ۱۷۰ و ۱۷۱ و ۱۷۲ و ۱۷۳ و ۱۷۴ و ۱۷۵ و ۱۷۶ و ۱۷۷ و ۱۷۸ و ۱۷۹ و ۱۸۰ و ۱۸۱ و ۱۸۲ و ۱۸۳ و ۱۸۴ و ۱۸۵ و ۱۸۶ و ۱۸۷ و ۱۸۸ و ۱۸۹ و ۱۹۰ و ۱۹۱ و ۱۹۲ و ۱۹۳ و ۱۹۴ و ۱۹۵ و ۱۹۶ و ۱۹۷ و ۱۹۸ و ۱۹۹ و ۲۰۰ و ۲۰۱ و ۲۰۲ و ۲۰۳ و ۲۰۴ و ۲۰۵ و ۲۰۶ و ۲۰۷ و ۲۰۸ و ۲۰۹ و ۲۱۰ و ۲۱۱ و ۲۱۲ و ۲۱۳ و ۲۱۴ و ۲۱۵ و ۲۱۶ و ۲۱۷ و ۲۱۸ و ۲۱۹ و ۲۲۰ و ۲۲۱ و ۲۲۲ و ۲۲۳ و ۲۲۴ و ۲۲۵ و ۲۲۶ و ۲۲۷ و ۲۲۸ و ۲۲۹ و ۲۳۰ و ۲۳۱ و ۲۳۲ و ۲۳۳ و ۲۳۴ و ۲۳۵ و ۲۳۶ و ۲۳۷ و ۲۳۸ و ۲۳۹ و ۲۴۰ و ۲۴۱ و ۲۴۲ و ۲۴۳ و ۲۴۴ و ۲۴۵ و ۲۴۶ و ۲۴۷ و ۲۴۸ و ۲۴۹ و ۲۵۰ و ۲۵۱ و ۲۵۲ و ۲۵۳ و ۲۵۴ و ۲۵۵ و ۲۵۶ و ۲۵۷ و ۲۵۸ و ۲۵۹ و ۲۶۰ و ۲۶۱ و ۲۶۲ و ۲۶۳ و ۲۶۴ و ۲۶۵ و ۲۶۶ و ۲۶۷ و ۲۶۸ و ۲۶۹ و ۲۷۰ و ۲۷۱ و ۲۷۲ و ۲۷۳ و ۲۷۴ و ۲۷۵ و ۲۷۶ و ۲۷۷ و ۲۷۸ و ۲۷۹ و ۲۸۰ و ۲۸۱ و ۲۸۲ و ۲۸۳ و ۲۸۴ و ۲۸۵ و ۲۸۶ و ۲۸۷ و ۲۸۸ و ۲۸۹ و ۲۹۰ و ۲۹۱ و ۲۹۲ و ۲۹۳ و ۲۹۴ و ۲۹۵ و ۲۹۶ و ۲۹۷ و ۲۹۸ و ۲۹۹ و ۳۰۰ و ۳۰۱ و ۳۰۲ و ۳۰۳ و ۳۰۴ و ۳۰۵ و ۳۰۶ و ۳۰۷ و ۳۰۸ و ۳۰۹ و ۳۱۰ و ۳۱۱ و ۳۱۲ و ۳۱۳ و ۳۱۴ و ۳۱۵ و ۳۱۶ و ۳۱۷ و ۳۱۸ و ۳۱۹ و ۳۲۰ و ۳۲۱ و ۳۲۲ و ۳۲۳ و ۳۲۴ و ۳۲۵ و ۳۲۶ و ۳۲۷ و ۳۲۸ و ۳۲۹ و ۳۳۰ و ۳۳۱ و ۳۳۲ و ۳۳۳ و ۳۳۴ و ۳۳۵ و ۳۳۶ و ۳۳۷ و ۳۳۸ و ۳۳۹ و ۳۴۰ و ۳۴۱ و ۳۴۲ و ۳۴۳ و ۳۴۴ و ۳۴۵ و ۳۴۶ و ۳۴۷ و ۳۴۸ و ۳۴۹ و ۳۵۰ و ۳۵۱ و ۳۵۲ و ۳۵۳ و ۳۵۴ و ۳۵۵ و ۳۵۶ و ۳۵۷ و ۳۵۸ و ۳۵۹ و ۳۶۰ و ۳۶۱ و ۳۶۲ و ۳۶۳ و ۳۶۴ و ۳۶۵ و ۳۶۶ و ۳۶۷ و ۳۶۸ و ۳۶۹ و ۳۷۰ و ۳۷۱ و ۳۷۲ و ۳۷۳ و ۳۷۴ و ۳۷۵ و ۳۷۶ و ۳۷۷ و ۳۷۸ و ۳۷۹ و ۳۸۰ و ۳۸۱ و ۳۸۲ و ۳۸۳ و ۳۸۴ و ۳۸۵ و ۳۸۶ و ۳۸۷ و ۳۸۸ و ۳۸۹ و ۳۹۰ و ۳۹۱ و ۳۹۲ و ۳۹۳ و ۳۹۴ و ۳۹۵ و ۳۹۶ و ۳۹۷ و ۳۹۸ و ۳۹۹ و ۴۰۰ و ۴۰۱ و ۴۰۲ و ۴۰۳ و ۴۰۴ و ۴۰۵ و ۴۰۶ و ۴۰۷ و ۴۰۸ و ۴۰۹ و ۴۱۰ و ۴۱۱ و ۴۱۲ و ۴۱۳ و ۴۱۴ و ۴۱۵ و ۴۱۶ و ۴۱۷ و ۴۱۸ و ۴۱۹ و ۴۲۰ و ۴۲۱ و ۴۲۲ و ۴۲۳ و ۴۲۴ و ۴۲۵ و ۴۲۶ و ۴۲۷ و ۴۲۸ و ۴۲۹ و ۴۳۰ و ۴۳۱ و ۴۳۲ و ۴۳۳ و ۴۳۴ و ۴۳۵ و ۴۳۶ و ۴۳۷ و ۴۳۸ و ۴۳۹ و ۴۴۰ و ۴۴۱ و ۴۴۲ و ۴۴۳ و ۴۴۴ و ۴۴۵ و ۴۴۶ و ۴۴۷ و ۴۴۸ و ۴۴۹ و ۴۵۰ و ۴۵۱ و ۴۵۲ و ۴۵۳ و ۴۵۴ و ۴۵۵ و ۴۵۶ و ۴۵۷ و ۴۵۸ و ۴۵۹ و ۴۶۰ و ۴۶۱ و ۴۶۲ و ۴۶۳ و ۴۶۴ و ۴۶۵ و ۴۶۶ و ۴۶۷ و ۴۶۸ و ۴۶۹ و ۴۷۰ و ۴۷۱ و ۴۷۲ و ۴۷۳ و ۴۷۴ و ۴۷۵ و ۴۷۶ و ۴۷۷ و ۴۷۸ و ۴۷۹ و ۴۸۰ و ۴۸۱ و ۴۸۲ و ۴۸۳ و ۴۸۴ و ۴۸۵ و ۴۸۶ و ۴۸۷ و ۴۸۸ و ۴۸۹ و ۴۹۰ و ۴۹۱ و ۴۹۲ و ۴۹۳ و ۴۹۴ و ۴۹۵ و ۴۹۶ و ۴۹۷ و ۴۹۸ و ۴۹۹ و ۵۰۰ و ۵۰۱ و ۵۰۲ و ۵۰۳ و ۵۰۴ و ۵۰۵ و ۵۰۶ و ۵۰۷ و ۵۰۸ و ۵۰۹ و ۵۱۰ و ۵۱۱ و ۵۱۲ و ۵۱۳ و ۵۱۴ و ۵۱۵ و ۵۱۶ و ۵۱۷ و ۵۱۸ و ۵۱۹ و ۵۲۰ و ۵۲۱ و ۵۲۲ و ۵۲۳ و ۵۲۴ و ۵۲۵ و ۵۲۶ و ۵۲۷ و ۵۲۸ و ۵۲۹ و ۵۳۰ و ۵۳۱ و ۵۳۲ و ۵۳۳ و ۵۳۴ و ۵۳۵ و ۵۳۶ و ۵۳۷ و ۵۳۸ و ۵۳۹ و ۵۴۰ و ۵۴۱ و ۵۴۲ و ۵۴۳ و ۵۴۴ و ۵۴۵ و ۵۴۶ و ۵۴۷ و ۵۴۸ و ۵۴۹ و ۵۵۰ و ۵۵۱ و ۵۵۲ و ۵۵۳ و ۵۵۴ و ۵۵۵ و ۵۵۶ و ۵۵۷ و ۵۵۸ و ۵۵۹ و ۵۶۰ و ۵۶۱ و ۵۶۲ و ۵۶۳ و ۵۶۴ و ۵۶۵ و ۵۶۶ و ۵۶۷ و ۵۶۸ و ۵۶۹ و ۵۷۰ و ۵۷۱ و ۵۷۲ و ۵۷۳ و ۵۷۴ و ۵۷۵ و ۵۷۶ و ۵۷۷ و ۵۷۸ و ۵۷۹ و ۵۸۰ و ۵۸۱ و ۵۸۲ و ۵۸۳ و ۵۸۴ و ۵۸۵ و ۵۸۶ و ۵۸۷ و ۵۸۸ و ۵۸۹ و ۵۹۰ و ۵۹۱ و ۵۹۲ و ۵۹۳ و ۵۹۴ و ۵۹۵ و ۵۹۶ و ۵۹۷ و ۵۹۸ و ۵۹۹ و ۶۰۰ و ۶۰۱ و ۶۰۲ و ۶۰۳ و ۶۰۴ و ۶۰۵ و ۶۰۶ و ۶۰۷ و ۶۰۸ و ۶۰۹ و ۶۱۰ و ۶۱۱ و ۶۱۲ و ۶۱۳ و ۶۱۴ و ۶۱۵ و ۶۱۶ و ۶۱۷ و ۶۱۸ و ۶۱۹ و ۶۲۰ و ۶۲۱ و ۶۲۲ و ۶۲۳ و ۶۲۴ و ۶۲۵ و ۶۲۶ و ۶۲۷ و ۶۲۸ و ۶۲۹ و ۶۳۰ و ۶۳۱ و ۶۳۲ و ۶۳۳ و ۶۳۴ و ۶۳۵ و ۶۳۶ و ۶۳۷ و ۶۳۸ و ۶۳۹ و ۶۴۰ و ۶۴۱ و ۶۴۲ و ۶۴۳ و ۶۴۴ و ۶۴۵ و ۶۴۶ و ۶۴۷ و ۶۴۸ و ۶۴۹ و ۶۵۰ و ۶۵۱ و ۶۵۲ و ۶۵۳ و ۶۵۴ و ۶۵۵ و ۶۵۶ و ۶۵۷ و ۶۵۸ و ۶۵۹ و ۶۶۰ و ۶۶۱ و ۶۶۲ و ۶۶۳ و ۶۶۴ و ۶۶۵ و ۶۶۶ و ۶۶۷ و ۶۶۸ و ۶۶۹ و ۶۷۰ و ۶۷۱ و ۶۷۲ و ۶۷۳ و ۶۷۴ و ۶۷۵ و ۶۷۶ و ۶۷۷ و ۶۷۸ و ۶۷۹ و ۶۸۰ و ۶۸۱ و ۶۸۲ و ۶۸۳ و ۶۸۴ و ۶۸۵ و ۶۸۶ و ۶۸۷ و ۶۸۸ و ۶۸۹ و ۶۹۰ و ۶۹۱ و ۶۹۲ و ۶۹۳ و ۶۹۴ و ۶۹۵ و ۶۹۶ و ۶۹۷ و ۶۹۸ و ۶۹۹ و ۷۰۰ و ۷۰۱ و ۷۰۲ و ۷۰۳ و ۷۰۴ و ۷۰۵ و ۷۰۶ و ۷۰۷ و ۷۰۸ و ۷۰۹ و ۷۱۰ و ۷۱۱ و ۷۱۲ و ۷۱۳ و ۷۱۴ و ۷۱۵ و ۷۱۶ و ۷۱۷ و ۷۱۸ و ۷۱۹ و ۷۲۰ و ۷۲۱ و ۷۲۲ و ۷۲۳ و ۷۲۴ و ۷۲۵ و ۷۲۶ و ۷۲۷ و ۷۲۸ و ۷۲۹ و ۷۳۰ و ۷۳۱ و ۷۳۲ و ۷۳۳ و ۷۳۴ و ۷۳۵ و ۷۳۶ و ۷۳۷ و ۷۳۸ و ۷۳۹ و ۷۴۰ و ۷۴۱ و ۷۴۲ و ۷۴۳ و ۷۴۴ و ۷۴۵ و ۷۴۶ و ۷۴۷ و ۷۴۸ و ۷۴۹ و ۷۵۰ و ۷۵۱ و ۷۵۲ و ۷۵۳ و ۷۵۴ و ۷۵۵ و ۷۵۶ و ۷۵۷ و ۷۵۸ و ۷۵۹ و ۷۶۰ و ۷۶۱ و ۷۶۲ و ۷۶۳ و ۷۶۴ و ۷۶۵ و ۷۶۶ و ۷۶۷ و ۷۶۸ و ۷۶۹ و ۷۷۰ و ۷۷۱ و ۷۷۲ و ۷۷۳ و ۷۷۴ و ۷۷۵ و ۷۷۶ و ۷۷۷ و ۷۷۸ و ۷۷۹ و ۷۸۰ و ۷۸۱ و ۷۸۲ و ۷۸۳ و ۷۸۴ و ۷۸۵ و ۷۸۶ و ۷۸۷ و ۷۸۸ و ۷۸۹ و ۷۹۰ و ۷۹۱ و ۷۹۲ و ۷۹۳ و ۷۹۴ و ۷۹۵ و ۷۹۶ و ۷۹۷ و ۷۹۸ و ۷۹۹ و ۸۰۰ و ۸۰۱ و ۸۰۲ و ۸۰۳ و ۸۰۴ و ۸۰۵ و ۸۰۶ و ۸۰۷ و ۸۰۸ و ۸۰۹ و ۸۱۰ و ۸۱۱ و ۸۱۲ و ۸۱۳ و ۸۱۴ و ۸۱۵ و ۸۱۶ و ۸۱۷ و ۸۱۸ و ۸۱۹ و ۸۲۰ و ۸۲۱ و ۸۲۲ و ۸۲۳ و ۸۲۴ و ۸۲۵ و ۸۲۶ و ۸۲۷ و ۸۲۸ و ۸۲۹ و ۸۳۰ و ۸۳۱ و ۸۳۲ و ۸۳۳ و ۸۳۴ و ۸۳۵ و ۸۳۶ و ۸۳۷ و ۸۳۸ و ۸۳۹ و ۸۴۰ و ۸۴۱ و ۸۴۲ و ۸۴۳ و ۸۴۴ و ۸۴۵ و ۸۴۶ و ۸۴۷ و ۸۴۸ و ۸۴۹ و ۸۵۰ و ۸۵۱ و ۸۵۲ و ۸۵۳ و ۸۵۴ و ۸۵۵ و ۸۵۶ و ۸۵۷ و ۸۵۸ و ۸۵۹ و ۸۶۰ و ۸۶۱ و ۸۶۲ و ۸۶۳ و ۸۶۴ و ۸۶۵ و ۸۶۶ و ۸۶۷ و ۸۶۸ و ۸۶۹ و ۸۷۰ و ۸۷۱ و ۸۷۲ و ۸۷۳ و ۸۷۴ و ۸۷۵ و ۸۷۶ و ۸۷۷ و ۸۷۸ و ۸۷۹ و ۸۸۰ و ۸۸۱ و ۸۸۲ و ۸۸۳ و ۸۸۴ و ۸۸۵ و ۸۸۶ و ۸۸۷ و ۸۸۸ و ۸۸۹ و ۸۹۰ و ۸۹۱ و ۸۹۲ و ۸۹۳ و ۸۹۴ و ۸۹۵ و ۸۹۶ و ۸۹۷ و ۸۹۸ و ۸۹۹ و ۹۰۰ و ۹۰۱ و ۹۰۲ و ۹۰۳ و ۹۰۴ و ۹۰۵ و ۹۰۶ و ۹۰۷ و ۹۰۸ و ۹۰۹ و ۹۱۰ و ۹۱۱ و ۹۱۲ و ۹۱۳ و ۹۱۴ و ۹۱۵ و ۹۱۶ و ۹۱۷ و ۹۱۸ و ۹۱۹ و ۹۲۰ و ۹۲۱ و ۹۲۲ و ۹۲۳ و ۹۲۴ و ۹۲۵ و ۹۲۶ و ۹۲۷ و ۹۲۸ و ۹۲۹ و ۹۳۰ و ۹۳۱ و ۹۳۲ و ۹۳۳ و ۹۳۴ و ۹۳۵ و ۹۳۶ و ۹۳۷ و ۹۳۸ و ۹۳۹ و ۹۴۰ و ۹۴۱ و ۹۴۲ و ۹۴۳ و ۹۴۴ و ۹۴۵ و ۹۴۶ و ۹۴۷ و ۹۴۸ و ۹۴۹ و ۹۵۰ و ۹۵۱ و ۹۵۲ و ۹۵۳ و ۹۵۴ و ۹۵۵ و ۹۵۶ و ۹۵۷ و ۹۵۸ و ۹۵۹ و ۹۶۰ و ۹۶۱ و ۹۶۲ و ۹۶۳ و ۹۶۴ و ۹۶۵ و ۹۶۶ و ۹۶۷ و ۹۶۸ و ۹۶۹ و ۹۷۰ و ۹۷۱ و ۹۷۲ و ۹۷۳ و ۹۷۴ و ۹۷۵ و ۹۷۶ و ۹۷۷ و ۹۷۸ و ۹۷۹ و ۹۸۰ و ۹۸۱ و ۹۸۲ و ۹۸۳ و ۹۸۴ و ۹۸۵ و ۹۸۶ و ۹۸۷ و ۹۸۸ و ۹۸۹ و ۹۹۰ و ۹۹۱ و ۹۹۲ و ۹۹۳ و ۹۹۴ و ۹۹۵ و ۹۹۶ و ۹۹۷ و ۹۹۸ و ۹۹۹ و ۱۰۰۰

فروشوں پر ایمان

وَمَلَأَكْتُمُ

ملائکہ کا لفظ جمع ہے، اس کا واحد ملک بِلَاک اور مالک تین طرح سے مستعمل ہے اس کے لغوی معنی قاصد اور رسول کے ہیں، اسی لئے قرآن پاک میں ملائکہ کے لئے رُسُل کا لفظ بھی آیا ہے جس کے معنی قاصد اور پیام رساں کے ہیں، اُن سے مراد وہ غیر مادی مگر مخلوق نیک، ہستیاں یا ارواح ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق عالم اور اس کے اسباب و علل کے کاروبار کو چلا رہی ہیں اگر یہ عالم ایک مشین ہے تو ملائکہ اس کا انجن، اور اس کے کُل پزروں کو حرکت دینے والی قوتیں ہیں جو خدا کے مقررہ احکام اور قوانین کے مطابق اُن کو حرکت دیر ہے اور چلا رہے ہیں یعنی وہ خالق اور اسکی مخلوقات کے درمیان پیام رسانی اور سفارت کی خدمت اس طرح انجام دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حکم اور مرضی کو اُن پر اتار کر رہا ہے، اور وہ ایک بے اختیار محکوم کی طرح اسکو مخلوقات میں جاری اور نافذ کرتے ہیں، اُن کو خود نہ کوئی ذاتی اختیار ہے، اور اُن کا کوئی ذاتی ارادہ ہے نہ سر تا پا اطاعت ہیں، اور خدا کے حکم سے سر مو تجا وز نہیں کرتے، گویا اُن کی خلقت، اطاعت اور فرمانبرداری کیلئے کی گئی ہے دنیا پر رحمت یا عتاب کی کچھ مثال تو جو ہے انہی کو ذریعہ ہے تو ہے اور خدا انبیاء پر اپنے جو احکام اتارتا یا اُن سے کلام کرتا ہے انہی کی وساطت کرتا ہے،

دنیا کے تمام مذاہب، بلکہ قدیم یونانی مصری فلسفہ میں بھی اس قسم کی ہستیوں کا وجود تسلیم کیا گیا ہے۔
 صابئی مذاہب میں یہ ستاروں اور تیاروں کی صورت میں مانے گئے ہیں، یونانی مصری (اسکندری) فلسفہ
 میں ان کا نام عقول عشرہ (دس عقلیں) رکھا گیا ہے اور ساتھ ہی نو آسمانوں کے اندر بھی الگ الگ ذی
 ارادہ نفوس تسلیم کئے گئے ہیں بلکہ خالص یونانی فلسفہ میں بھی بعض غیر مادی ارواح مجرودہ کا پتہ لگتا ہے
 جن میں سب سے اہم لوگس کاخیل ہے جس سے مقصود وہ اولین ہستی ہے جس کو خدا نے تمام کائنات کی پیدائش کا
 ذریعہ اور واسطہ قرار دیا ہے اور جس کو اہل فلسفہ عقل اول سے تعبیر کرتے ہیں، پارسیوں میں ان ہستیوں کا
 نام مشاسپند ہے اور ان کی بشمار تعداد قرار دی گئی ہے یہودی ان کو کریم کہتے ہیں اور ان میں دو خاص
 کے نام چبریل اور میکائیل وغیرہ رکھتے ہیں ایسائی بھی انکو انہی ناموں سے یاد کرتے ہیں اور چبریل و
 روح القدس وغیرہ الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں ہندوؤں میں وہ دیوتاؤں اور دیویوں کے نام سے
 روشناس ہیں، جاہل عرب ان کو خدا کی بیٹیاں کہہ کر پجارتے ہیں بہر حال یہ تمام مختلف صحیح اور غلط
 نام ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیریں ہیں، جس سے مراد وہ روحانی دساتھ ہیں، جو مانع و مصلحت
 اور خالق و مخلوقات کے درمیان اس کے حکم کے مطابق عمل پیرا اور کار فرما ہیں،

مذاہب سابقہ میں ان غیر مادی ذی روح مخلوق ہستیوں کی حیثیت نہایت مشتبہ تھی
 کبھی مخلوق کہی جاتی تھیں اور کبھی خدائی کے مرتبہ تک بھی بلند کر دی جاتی تھیں، ہندوؤں کے دیوتاؤں
 اور دیویوں کی یہی کیفیت تھی، پارسیوں میں مشاسپند کا بھی یہی حال تھا، کہ کبھی ان کی حیثیت
 فرشتوں کی رہتی تھی کبھی وہ خدا کے مقابل بنجانی تھیں اور کبھی خود خدا ان میں سے ایک ہو جاتا
 تھا، ہندوؤں کی طرح پارسیوں میں بھی وہ قابل پرستش تھی جاتی تھیں ان کے نزدیک سب مادی

انشا پسند تھے، اور ان کے تحت میں ۳۳ پھر ان میں تو ہر ایک کے ماتحت ہزاروں تھے اور چونکہ پاری
 نیکی اور بدی کے دو متقابل خداؤں کے قائل تھے اس لئے دونوں کے ماتحت اچھے اور بُرے فرشتوں
 کی ہیشمار تعداد تھی، نیکی کے فرشتے براہِ راست نیکی کی چیزوں کو اور بُرائی کے فرشتے مصیبتوں، ہلاکتوں
 اور برائیوں کو دنیا میں پیدا کرتے تھے اور اپنے اپنے خدا کی طرف ان اشیاء پر حاکم سمجھے جاتے تھے ورنہ
 خدا اپنی اپنی فوجوں اور لشکروں کے پُرے لیکر باہم نہرواڑ مارتے تھے یہ بھی ان کا اعتقاد تھا کہ ہر مشا
 یانہ فرشتہ کیسا تھا ایک یروینی مادہ (فرشتہ) بھی ہوتی تھی جو اس کی بومی تھی، ہندوؤں میں یروینا
 اور مادہ دیمبیوں کا تصور تھا، مگر ان یرو مادہ ہستیوں میں کسی نہ کو کسی مادہ سے خصوصیت خاص تھی بلکہ
 ہر ایک جنس کا ہر فرد دوسری جنس کے ہر فرد سے لطف اندوز ہو سکتا تھا، یہودیوں میں فرشتوں کی حیثیت
 ایسی تھی کہ ان کی تقدیس اور ثنا و صفت خدا سے مشتبہ ہو جاتی تھی، انظرانے والے فرشتہ کی تعظیم کی جاتی
 تھی اس کے آگے جھکا جاتا تھا، اور اس کو خداوند الکر اس طرح خطاب کیا جاتا تھا، کہیں کہیں یہ شبہ
 ہو جاتا ہے کہ خدا مخاطب دیا فرشتہ (تکوین ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵) کبھی کبھی خدا کے بیٹے بھی کہے جاتے
 تھے (تکوین ۲۰، ۶) عیسائیوں میں ان میں سے بعض مثلاً روح القدس خدا کا ایک جزو تسلیم ہو کر تثلیث کا رکن بن گیا
 صائبیوں میں فرشتوں کی قربانی کی جاتی تھی ان کے سہیل بنائے جاتے تھے، اور ان کو منظر
 تسلیم کیا جاتا تھا عربوں میں فرشتے مادہ سمجھے جاتے تھے، وہ خدا کی بیٹیاں لکھ بچارے جاتے تھے
 ان کی پریش ہوتی تھی اور سمجھایا جاتا تھا کہ وہ خدا کے دیبا میں سفارشی ہوں گے یونانیوں میں عقل
 اول اور عقول عشرہ تمام عالم کے خالق، کارفرما اور مرجع کل مانے گئے، اور خدا کو منظر ٹھہرایا گیا
 اسلام نے ان کو ان تمام عقائد کو مٹا دیا، انہوں نے اور ہر بیت کی معرفت کو وہ محروم بنائے گئے ان کی

پرستش ناجائز کی گئی، زرد مادہ کی مادہ کی جنسیت سے وہ پاک کئے گئے، اور انسانوں کو ان پاک مخلوقات کی غلامی و بندگی سے آزاد کیا گیا، ان کی تعداد و بشمار اور درجہ بندی کا کوئی تخیل باقی نہیں رکھا گیا، ان کی ہستی خدائے تعالیٰ کے سامنے ایک سراپا مطیع و فرمانبردار غلام کی قرار دیکھی جس کا کام شب و روز صرف آقا کا حکم بجالانا ہی، عالم میں ان کا کسی قسم کا تصرف نہیں مانا گیا، اور نہ ہی وہ بدی کی دویمیں کی آگین، نہ وہ الگ الگ جنس مخلوقات کے حاکم و منتظم قرار دیئے گئے، قرآن میں ان کی ہستی صرف اس قدر تسلیم کی گئی، جو کہ وہ غیر مادی ذمی شرح مخلوقات ہیں جن کا کام خدا کی حمد و ثنا اور اطاعت و فرمانبرداری خالق اور اس کے مخلوقات کے درمیان وہ پیغام رسانی کا ذریعہ ہیں، خدا کے حکم کے مطابق وہ مخلوقات کے کارخانہ کو چلا رہے ہیں، لیکن اس چلانے میں خود ان کی ذاتی مرضی اور ارادہ کو کوئی دخل نہیں ہو سکتا۔ قرآن پاک نے یہودیوں کی طرح ان کو خداوند کا خطاب نہیں دیا، نہ پارسیوں کی طرح ان کو قابل پرستش کے لقب سے یاد کیا، نہ ہندوؤں کی طرح دیو اور دیوتا، اور دیوی کہا، بلکہ صرف ملک اور رسول کے الفاظ استعمال کئے جن کے لفظی معنی فرستادہ، قاصد، پیغام رسان اور ایچی کے ہیں، بلکہ قرآن نے آغاز خلقت انسانی کے قصہ میں یہ حقیقت واضح کر دی کہ ملائکہ اس لائق نہیں ہیں کہ آدم ان کو سجدہ کرے، بلکہ آدم میں یہ صلاحیت ہو کہ ملائکہ کا مسجود بنے، چنانچہ اس کو مرتبہ ظلم میں ان سے بالاتر بھروسہ کیا اور خدا کی تسبیح اور تقدیس کا ان کو دعویٰ تھا، اس کے باوجود جب انسان کا جوہر طبیعت انسانی نے پہچانا تو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ

تو پاک ہے ہم کو کوئی علم نہیں لیکن وہ جو تو نے
ہم کو سکھایا، بیشک تو جاننے والا اور حکمت والا ہے

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا
إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ، (نجم - ۴)

اس قصہ نے شروع ہی میں یہ واضح کر دیا کہ وہ ہستیوں جن کو دوسرے خدا بنے انسانوں کا دیوتا انسانوں کا خدا و خدا اور کبھی خدا کا ہمسرا اور متصرف مطلق قرار دیا تھا، اسلام میں ان کی حیثیت انسان کے مقابلہ میں کیا ہے؟ انسان اور فرشتے خدا کے سامنے برابر کے مخلوق اور بندے یکساں عاجز و درماندہ ہیں، انسان کو مادی اشیاء پر حکومت بخشی گئی ہے، کہ اپنے نفع و نقصان کے لئے ان سے کام لے سکیں اور مادی کو اپنے حضور میں متعین فرمایا گیا، کہ آسمان زمین اور پوری مملکت الہی میں خدا کے احکام کی تعمیل و تنفیذ کے لئے دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اسبابِ عمل کا ایک سلسلہ رکھا ہے جو ہر جگہ کار فرما نظر آتا ہے لوگ انہی ظاہری اسبابِ عمل کو دیکھ کر دھوکا کھاتے ہیں اور ان کی پریشانی کرنے لگتے ہیں، مثلاً آگ جلاتی اور روشن کرتی ہے اسکو دیکھ کر آتش پرست اور مادہ پرست یقین کرتے ہیں کہ خود آگ میں جلانے کی طاقت لیکن فرق یہ ہے کہ آتش پرست اس کے آگے سجدہ میں گر پڑتے ہیں، اور مادہ پرست گونا گونا گوں کے آگے نہیں جھکتے، مگر ان کا دل جھک جاتا ہے کیونکہ وہ بھی یہ ایمان رکھتے ہیں کہ یہ طاقت خود آگ کے اندر موجود ہے، کچھ لوگ ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ جلانے کی طاقت آگ میں نہیں ہے، بلکہ اس کا ایک مستقل دیوتا یا فرشتہ ہے، جو اس پر حکمران ہے، یہ لوگ اس آگ کے فرمانروا کے ساتھ جھکتے ہیں، اسلام کے نظریہ توحید نے اس شرک کو بھی مٹایا، اور بتایا کہ آگ اور آگ کا اگر کوئی فرشتہ ہے تو وہ کل کے کل اسی ایک رب العلیین اور فرمانروائے ارض و سما کے حکم کے تابع اسی کے آگے جھکنا چاہیے اور اسی کی بندگی کرنی چاہیے،

اسلام میں فرشتوں کی حقیقت کیا ہے؟ اس کا جواب ان نصوص سے مل سکتا ہے
 کاموں کے متعلق قرآن میں مذکور ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان سے مراد وہ غیر مادی ذی

ہستیاں ہیں، جو احکام اور پیغام الہی کو دنیا سے خلق تک پہنچاتے، اور نافذ کرتے ہیں، اور وہ اسباب
 وعلل جن کو مادہ پرست ذاتی طور سے موثر جاننے اور جن کو نبت پرست دیوتاؤں کا کرشمہ سمجھتے ہیں
 ان کو فرشتے احکام الہی کے مطابق کام میں لگاتے، اور مرضی الہی کو پورا کرتے ہیں،
 عقلی حیثیت سے یہ عقیدہ بھی اسی طرح قبول اور انکار کے قابل ہے جس طرح عقلیات کے
 دوسرے عقائد اور نظریے ہیں جن کی تصدیق یا تکذیب عقل کی دسترس سے باہر ہے اس لیے اس
 عقیدہ کو یہ لگ کر کوئی رونے کی جرات نہیں کر سکتا کہ یہ خلاف عقل ہے بلکہ جس طرح قیاسات اور عقلی نکتہ
 پر دازی سے دوسرے عقلی مباحث کا فیصلہ کیا جاتا ہے، ویسا ہی یہاں بھی کیا جاسکتا ہے، اشیاء میں
 خصائص اور لوازم کے وجود، اور ان کے اسباب وعلل کا مسئلہ عقلا میں ہمیشہ اختلافات کا دخل رہا ہے
 اور یہ معاصر بھی اسی طرح لائیکل ہے جس طرح پہلے تھا، اس کا حل سائنس کی مادی تحقیقات اور تجربوں
 کی طاقت سے باہر ہے، اور فلسفہ بھی اس کی گتھی کے سلجانے سے عاجز ہے، اس لیے اگر حکما و ملحدین کی
 شاہراہ سے الگ ہٹ کر اس کے حل کی کوئی صورت ارباب مذاہب نے نکالی ہے تو وہ لائیکل عقائد
 نہیں ہو سکتی، اور نہ خلاف عقل کسی جاسکتی ہو کائنات کے حوادث میں جس طرح مادی علل اسباب کا ذکر
 اسی طرح ان سے بالاتر روحانی علل و اسباب بھی ساتھ ساتھ کار فرما ہیں اور ان دونوں قسم کے اسباب کے
 توافق سے حوادث کا وجود ہوتا ہے، سبب ہے کہ انسان اکثر مادی علل و اسباب موجود ہونے یا نہ ہونے
 کے باوجود کامیاب یا ناکام ہوتا ہے اور اس کا نام نخب اتفاق رکھتا ہے، حالانکہ مسئلہ علل و اسباب ان کے لیے
 بعد نخب اتفاق کوئی چیز نہیں رہتا، یہی روحانی علل و اسباب ہیں جن کا سررشتہ اللہ تعالیٰ نے اپنی امر
 سے ان فرشتوں کو سپرد کیا ہے، جو فرما بے در چاکرون کی حیثیت سے نظام عالم کو چلا رہے ہیں، ان کے

اور دوسرے تکلیفیں اور حکما کے اصطلاحات میں فرق یہ ہے کہ وہ ملائکہ کی تعبیر اسبابِ عمل کے قوا

طبعی سے کرتے ہیں، اور ہم قواے روحانی سے،

اس تقریر کا یہ منشاء نہیں ہے کہ اشیا میں خواص و طبائع، اور اس مادہ کی ملکیت میں

مقرر طبعی اصول و قوانین موجود نہیں ہیں، بلکہ یہ مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ازلی اندازہ (نقشہ)

کے مطابق ہر چیز کے خصائص و طبائع اور اصول و قوانین مقرر کر کے ملائکہ کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کو ان

اصول و طبائع مقررہ کے مطابق چلاتے رہیں،

سمجھنے کے لئے اس کی صحیح مثال خود انسان بلکہ ہر جاندار، حتیٰ کہ مخلوقات کی دو قسمیں ہیں،

ذمی روح اور غیر ذمی روح، ذمی روح مخلوقات کے اکثر افعال و حرکات اسکی روح کی ارادی قوت کی

وساطت انجام پاتے ہیں، وہی روح اس کے ہاتھ پاؤں اور تمام اعضاء بلکہ ہر عضو کے ایک ایک گزیرتہ پر حکم

اور مسند ہے، بائیں ہمہ وہ روح اصول مقررہ کے تحت ہی اعضاء کو کام لیتی ہے اور ان اصول سے باہر نہیں جاتی،

اسی طرح غیر ذمی روح اشیا میں ابرو باد کو لیکر دریا، پہاڑ، چاند اور سورج تک پر ارواح مقرر ہیں، جو

اشیا سے خدا کے اصول مقررہ کے مطابق یکساں افعال و حرکات کا صدور کرتی ہیں جس طرح ہماری روح

اپنے اعضاء اور اعضاء کے ذریعہ سے مادہ میں جو تغیرات پیدا کرتی ہے وہ اشیا کے مقررہ خواص و طبائع کے

سہارے پر کرتی ہے، اسی طرح ملائکہ بھی انہی مقررہ خواص و طبائع کے ذریعہ اپنے مفروضہ فرض انجام دیتے ہیں،

الفرض جس طرح ہماری ارادی افعال اور حکم الہی کے درمیان ہماری انسانی ارواح و نفوس

واسطہ ہیں، اسی طرح تمام عالم مخلوقات اور کائنات کے افعال اور حکم الہی کے درمیان یہ ملکوتی ارواح

اور نفوس مجرودہ واسطہ ہیں اور جس طرح ہماری انسانی ارواح کی اس وساطت سے خدا کی حکومت علی الاطلاق

کوئی اعتراض نہیں واقع ہوتا، اسی طرح ان ملکوتی ارواح کی وساطت سے بھی خدا کی علی الاطلاق حکومت میں کوئی نقص نہیں واقع ہوتا، ہمیں سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے، کہ ہمارے ارادے اور افعال میں اختلافات کی اتنی نیز نگیمان نظر آتی ہیں، مگر ہمارے اور عالم کائنات کے جو نوعی افعال ہیں ان میں اختلافات اور نیز نگیموں کے بجائے یکسانی، ہم رنگی اور عدم اختلاف پایا جاتا ہے؛ کیونکہ انسان نے ارادہ پا کر کسی قدر ذاتی اختیار پایا، اور یہی ذاتی اختیار اُس کے افعال اختیار ہی کی ذمہ دار بنا دیا اور مواخذہ کی بنیاد ڈالی اور جس کی بنا پر وہ اپنی اطاعت کے ذریعہ سے ثواب اور عصیان کے عتاب کا مستحق ہو جاتا ہے، مگر دنیا کی یہ ملکوتی ارواح مجرورہ یعنی یہ ملائکہ ذاتی ارادہ اور اختیار سے محروم ہو کر صرف اطاعت، فرمانبرداری، اور انقیاد کے لیے پیدا کئے گئے ہیں، اس لئے ان میں عصیان، تمرد، سرکشی اور حکم الہی سے انحراف کی کوئی صلاحیت نہیں ہے، اسی بنا پر ان کے تمام نوعی افعال حرکات اور خصائص میں یکسانی، ہم رنگی، اور عدم اختلاف پایا جاتا ہے یہی حقیقت ہے جو فطرتِ طبیعت اور نوعی خاصیت کی اصطلاحات کی صورتوں میں ہمارے لوگوں کے اور اشتباہ کا باعث بن گئی ہے۔

۱۔ اب ہم کو تعلیماتِ نبوی یعنی آیات و احادیث سے ملائکہ کی حیثیت کو روشن کرنا چاہئے ملائکہ کی سفارتِ پیام رسانی یعنی خالق کے احکام اور مرضی کو مخلوقات تک پہنچانا، اور اس کام میں ان کا بے اختیار ہونا، ان دو آیتوں سے ثابت ہوتا ہے،

إِنَّ اللَّهَ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا
وَمِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ
اور دیکھنے والا ہے اور وہ ان کے آگے اور پیچھے

خدا ہی ہے جو فرشتوں اور آدمیوں میں پیام
رسان اور قاصد منتخب کرتا ہو بیشک خدا سنے والا

وَاللّٰهُ تَرْجِعُ الْاُمُوْرَ (الحج - ۱۰)

کامال جانتا ہے اور تمام کاموں کا مرجع خدا ہی ہے

یعنی پیام رسانی اور سفارت کے سوا ان کو اصل حکم میں کوئی دخل نہیں ہے اختیار است

خدا کے ہاتھ میں ہیں، اور وہی تمام امور اور انتظامات کا مرجع کل ہی دوسری جگہ ہے،

الْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

حمد ہو اس خدا کی جو آسمانوں اور زمین کا پیدا

جَاعِلُ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا اُولٰٓئِیْ اُخْفٰی

کرنے والا ہے، اور فرشتوں کو ڈو ڈو تین تین

مَتْنًا وَاَنْتَ وَاَنْتَ وَاَنْتَ طَبَعٌ طَبَعٌ طَبَعٌ

اور چار چار شہر بازوؤں والے پیام رسانی

مَا يَشَاءُ طَاِذَا اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

بنانے والا ہے، وہ پیدائش میں جو چاہے بڑھاد

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا

وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہ لوگوں کیلئے رحمت

مُمْسِكٌ بِهَا وَ مَا يُمْسِكُ فَلَا

کھولے تو کوئی اس کا روکنے والا نہیں،

مُرْسِلٌ لَّكَ مِنْ بَعْدِ مَا هُوَ

جو روک دے تو اس کے سوا کوئی چھوڑنے والا

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (فاطر - ۱)

نہیں، اور وہی غالب و غالب ہے،

اس آیت پاک میں بھی یہی حقیقت ظاہر کی گئی ہے، کہ ملائکہ سفارت اور درمیانی کے

علاوہ اور کوئی اختیار نہیں رکھتے، رحمت کے دروازوں کا کھولنے والا، اور بند کرنے والا صرف

خدا ہے، یہ تعلیم اس غلط عقیدہ کی تردید کرتی ہے، کہ فرشتوں کو دنیا کی حکمرانی اور انتظامات میں

کوئی ذاتی دخل ہے، یا ان میں الوہیت اور نبوت کا کوئی شانہ ہے، یا وہ پرستش کے قابل ہیں

یا ان کی وہابی بھی بیکار فی جاہیے،

۲ - ملائکہ خدا کے احکام کو دنیا میں جاری کرتے ہیں،

اِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ اِنِّي مَعَكُمْ فَاتَّبِعُوا الَّذِي يُدْعِيكُم مِّنْ دُونِ الْمَوْتِ ۚ وَمَا يُدْعِيكُمْ لِيُؤْتِيَكُمْ مِنْهُ جَسَدًا ۚ بَلْ لِيُخَوِّفَكُمْ فِيهَا ۚ وَمَا يُخَوِّفُ اِلَّا الضَّالِّينَ ۚ (۲- انفال)

(یاد کر) جب تیرا پروردگار فرشتوں کو وحی کر رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مومنوں میں فرشتے اور روح اپنے پروردگار کے حکم سے ہر کام کو لیکر نیچے اترتے ہیں،

وہ جس طرح احکام لیکر اترتے ہیں، اسی طرح دربار الہی تک عروج بھی کرتے ہیں

تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ اِلَيْهِ (معاہج۱)

فرشتے اور روح اس تک چڑھتے ہیں،

موت کے وقت روح کا قبض کرنا، انہی سے متعلق ہے،

قُلْ يَتَوَفَّاكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي ذُكِّرَ بِكُمْ ۚ وَكُلُّ يَوْمٍ لَّكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (۱- سجد)

کہہ دو کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے وہ تم پر موت عمارتی کرے گا،

وَلَوْ تَرَىٰ اِذَا الظَّالِمُونَ فِي عُتْرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو اَيْدِيهِمْ اَخْرِجُوْا اَنْفُسَكُمْ ۚ (الغافر - ۱۱)

اور اگر دیکھو تم جب گنہگار موت کے سکرانے میں ہوں، اور فرشتے اپنے ہاتھوں کو پھیلا ہوں کہ نکالو، اپنی جان لور، کو،

وَلَوْ تَرَىٰ اِذْ يُتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ ۚ (انفال - ۷)

اور اگر دیکھو جب فرشتے کافروں کو موت دے رہے ہوں،

اسی کے ہم معنی اور بھی کئی آیتیں ہیں جن سے ظاہر ہے کہ حکم الہی کے مطابق موت فرشتوں کی تدبیر عمل و اسباب کی انہی روحانی قوتوں سے متعلق ہے،

دنیا میں کسی شے کے وجود و انقلاب و فنا کے لیے کسی ایک علت و سبب کا وجود کافی نہیں ہے

بلکہ ضروری ہے کہ اُس کے متعلقہ علل و اسباب کی تمام کڑیاں باہم پیوستہ اور ایک دوسرے کی معاون ہوں اور موافق اور عوائق معدوم ہوں، یہ متعلقہ علل و اسباب کا توفیق اور موافق کا ہونا ہی تدبیر ہے جو حکیم الہی ملائکہ کے سپرد ہے اس تدبیر کو کبھی اللہ تعالیٰ اپنی طرف منسوب کرتا ہے اور یہی قرآن کریم (وہ کام کی تدبیر کرتا ہے) اور کبھی ملائکہ کی طرف

وَالنِّزَاعَاتُ غَرَقًا وَالنَّشِيطَاتُ نَشْطًا
وَالسَّيِّحَاتُ سَيْحًا، فَالسَّيِّئَاتُ سَبْقًا
فَالْمُدِيرَاتُ آمْرًا، (ناذعت - ۱)

ڈوب کر (روحوں کے) کھینچنے والوں کی قسم ہی
(رگوں کی) گوہنوں کے کھولنے والوں کی قسم ہے
(اس فضا و آسمانی میں) تیرنے والوں کی پھر دہر کر
(مادی اسباب علل پر سے) آگے بڑھ جانے والوں کی پھر

یہی ملائکہ خدا اور رسول کے درمیان بھی سفیر ہیں،

أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِي بآذَانِهِ
مَائِنَاءً، (شوری - ۵)

یا خدا (آدمی سے) اس طرح باتیں کرتا ہے کہ اپنا ایک
ایک سفیر بھیجتا ہے تو وہ اس (خدا) کی اجازت سے
جو وہ (خدا) چاہتا ہے وحی کرتا ہے،

دوسری جگہ ہے،

يُنزِلُ الْمَلَكَاتُ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِ
مِنْ نَّيَّأً مِنْ عِبَادِهِ (نحل - ۱)

خدا روح کے ساتھ فرشتوں کو اپنے حکم سے اپنے
بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے، اتارتا ہے،

خاص آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے متعلق ہے،

۱۔ صحیح بخاری کتاب براء الخلق باب کرام اللہ ملائکہ میں ہے کہ تم سنو انی پر ایک فرشتہ مقرر ہے جو بیچ کی نسبت دعا الہی کو تحریر کرتا ہے

فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ
 بس اُس (جبریل فرشتہ) نے (قرآن) کو خدا
 کے حکم سے تمہارے دل پر اتارا،
 (بقرہ ۱۲-۱۳)

۴۔ یہ لوگوں پر بشارت اور عذاب لیکر بھی اترتے ہیں،

وَلَقَدْ جَاءَتْ رَسُولَنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَى (ہود)، ہمارے سفیر ابراہیم کے پاس بشارت لیکر اترے

اسی طرح حضرت زکریا اور حضرت مریم علیہما السلام کو انھوں نے بشارت دی،

إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ
 میں تیرے پروردگار کا فرستادہ ہوں کہ تجھے

عَلَامًا زَكِيًّا، (ہود-۲) ایک پاک لڑکا بخشوں،

حضرت لوط کے پاس اُن کی قوم کی بربادی کے نئے آئے اور

قَالُوا يَا لَوُطُ إِنَّا رَسُولُ رَبِّكَ (ہود-۱۱) کہا، اے لوط ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں

اس کے بعد یہ فرشتے حضرت لوط کی قوم پر کوہِ اُتس فشان کا منہ کھول دیتے ہیں، اور تمام

قوم برباد ہو جاتی ہے، یہ کام اگرچہ فرشتوں نے انجام دیا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو خود اپنی طرف

منسوب کیا ہے، کیونکہ وہ فرشتوں کے ذاتی اختیار کے بجائے خدا ہی کے حکم سے ہوا تھا،

فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا
 تو جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے اُس کے اوپر کو

سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارًا
 نیچے کر دیا، (یعنی زمین الٹ دی) اور اس پر

مِنْ مَّجَالٍ مَّنضُودٍ، (ہود-۱۱) تیز تیز پتھروں کی بارش کی،

۵۔ فرشتے انسانوں کے اعمال کی نگہبانی اور نگرانی کرتے ہیں، اور ان کے ثواب اور گناہ کے

کاموں کو محفوظ رکھتے ہیں،

وَأَنَّ عَلَيْكُمْ لِحَافِظِينَ كَوَامًا كَاتِبِينَ
 يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ، (انفطار-۱)
 مَا لِيَفِظُ مِنْ قَوْلِ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ
 عَتِيدٌ، (ق-۲)

بیشک تم پر نگہبان ہیں جو بزرگ ہیں لکھنے
 والے ہیں، جو تم کچھ کرتے ہو اسکو وہ جانتے ہیں
 کوئی بات منہ سے نہیں نکالتا، لیکن اس کے
 پاس ایک نگہبان حاضر ہے،

سَوَاءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ أَسْرَأَ الْقَوْلَ وَ
 مَن جَهَرَ بِهِ وَمَن هُوَ مُسْتَخْفٍ
 بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ لَمْ نَعْقِبْ
 مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ مَحْفُوظٌ
 مِّنْ أَمْرِ اللَّهِ، (اعد۱-۲)

تم میں سے کوئی بات چھپا کر کہے، یا زور سے
 کہے یا وہ رات میں چھپے یا دن کو کرے خدا
 کے تعاقب کو نپولے اس کے سامنے سے ۱۱
 اس کے چھپے سے اخذ کے حکم سے اس کی نگرانی
 کرتے ہیں،

وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتَّىٰ
 إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمْ الْمَوْتُ تَوَدَّدُ
 رُسُلَنَا وَهِيَ لَأُفِيضَنَّ طُورًا هٰذَا (نعام-۱)

اور وہ (خدا) تم پر نگران بھیجتا ہے، یہاں تک کہ
 تم میں سے جو کسی کو موت آتی ہے، تو ہمارے قاصد
 اسکی عمر پوری کرتے ہیں اور وہ اپنے اس کام میں

۴۔ وہ انسانوں کے اعمال کے مطابق ان پر خدا کی رحمت یا لعنت کے نزول کا ذریعہ اور واسطہ ہیں

لَا يَجْرُ نُصْرُ الْفَرَجِ الْأَكْبَرِ وَتَلْفَهُمْ
 الْمَلَائِكَةُ ط هٰذَا يَوْمُ مَكْرٍ الَّذِي كُنْتُمْ
 تُوعَدُونَ، (انبیاء-۷)
 إِنَّ الدِّينَ قَالُوا رَبَّنَا اللَّهُ ثُمَّ

نیکو کاروں کو وہ بڑی گھبراہٹ (قیامت) انگین
 نہ کرگی اور فرستے ان کا آگے بڑھ کر استقبال
 کریں گے (کہ) یہی وہ دن ہے جس کا تم نے وعدہ
 جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے

استقاموا سنزل عليهم الملائكة
 الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا
 بالجنة التي كنتم توعدون نحن
 اوليكم كرم في الحياة الدنيا و
 في الآخرة (فصلت - ۴)

پھر اس پر قائم رہے، ان پر فرشتے یہ کہتے ہوئے
 اتین گئے کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو، اور اس جنت
 کی خوشخبری سنو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا
 تھا، ہم ہیں جو تمہاری پہلی اور اس دوسری
 زندگی میں تمہارے رفیق ہیں۔

هو الذي يصلي عليكم وملائكته انزلت من السماء
 ان الله وملائكته يصلون على النبي
 ويستغفرون لمن آمن في الارض
 (شوری - ۱)

وہی خدا ہے رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے
 اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں
 اور جو زمین میں ہیں ان کے لیے وہ خدا سے
 مغفرت کی دعا مانگتے ہیں۔

اسی طرح وہ بدکاروں پر لعنت بھی کرتے ہیں،

اولئك جزاؤهم ان الله وملائكته
 ان الذين كفروا وامنوا وهم
 كفار اولئك عليهم لعنة الله
 الملائكة والناس اجمعين (بقرہ - ۱۹)

ان کی سزا یہ ہو کہ ان پر اللہ کی اور فرشتوں
 جو کفر کی حالت میں مر گئے ان پر اللہ کی
 اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی
 لعنت ہے،

جنت اور دوزخ کا کاروبار بھی ملائکہ کے زیر اہتمام ہوگا،

وسيق الذين كفروا الى جهنم
 اور کفر کرنے والے گروہ گروہ کر کے دوزخ

کی طرف لیجا میں گئے یہاں تک کہ جب اُس کے پاس

پہنچیں گے، تو اُس کے دروازے کھولنے جائیں گے

اُس کے چوکیدار (فرشتے) کہیں گے کہ کیا تمہارا پاس

اور جو اپنے پروردگار سے ڈرتے تھے وہ گروہ

درگروہ جنت میں لیجا میں گئے یہاں تک کہ جب

اُس کے پاس پہنچیں گے، اور اُس کے دروازے کھولنے

اور اُس کے پاس کہیں گے، تیرا سلامتی ہو خوش

جنت میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ،

اور ان اجنتیوں پر فرشتے ہر دروازہ سے داخل

ہو کر کہیں گے تیرا سلامتی ہو، یہ تمہارے صبر کا بدلہ

یہ کیسا اچھا عاقبت کا گھر ہے،

(بحریم - ۱) اُس (دوزخ) پر سخت لڑنا تو فرشتے مقرر ہیں

(مذہب - ۱) اور ہم نے دوزخ کا اہلکار فرشتوں ہی کو بنایا

۸۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ قدس کے حاضر باش ہیں،

اور تم فرشتوں کو دیکھو گے کہ عرش کے ارد گرد

کئے ہوئے اپنے پروردگار کی حمد و ثنائیں صرف تو

(صافات) اعلیٰ اہل دربار کی باتیں وہ (شیاطین) نہیں سن سکتے،

زُمرًا حَتَّىٰ اِذَا جَاءَ وُهَا فَفُتِحَتْ

اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا اَلَمْ

يَا تَكُوْرُسُوْنَ مِّنْكُمْ (زمرہ - ۸)

وَسَيِّئَ الَّذِيْنَ اَتَقَوَّارَتْهُمْ

اِلَى الْجَنَّةِ زُمرًا حَتَّىٰ اِذَا جَاءَ وُهَا

وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طَبِئْتُمْ فَادْخُلُوْهَا

خَالِدِيْنَ (زمرہ - ۸)

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدُ خُلُوْنَ عَلَيْهِمْ

مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا

صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبٰى الدَّارِ (رعد)

عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ

وَمَا جَعَلْنَا اَصْحَابَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً

۸۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ قدس کے حاضر باش ہیں،

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَافِئِيْنَ مِنْ حَوْلِ

الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ

لَا يَسْمَعُوْنَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اِلَّا عُلٰى

مَا كَانَ لِي مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَائِكَةِ
مَجْهُدًا كَمَا بَدَأَ بَارِيُّوْنَ كَمَا لَمْ يَكُنْ لِي
إِذْ يَخْتَصِمُونَ، (ص - ۵) وہ باتیں کرتے ہیں،

قیامت کے دن بھی یہ تختِ الہی کے حامل اور اُس بارگاہ کے حاضر باش ہوں گے جو
ہر وقت اُس کے حکم کو بجالانے کے لیے تیار رہیں گے،

وَالْمَلَائِكَةُ عَلَىٰ أَرْجَائِهَا وَعِمَلُ عَرْشِ
اور فرشتے اُس کے کنارے پر ہونگے اور سر پر ہونگے اور

رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمِينًا، (حاقہ - ۱) تخت کو آٹھ (فرشتے) اُس نے اپنے اوپر اٹھائے ہوئے

كَلَّا إِذَا رُكَّتِ الْأَرْضُ دَكَّادًا وَ
ہرگز نہیں جب زمین ریزہ ریزہ کر دی جائیگی اور تیرا

جَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا
رب تشریف فرما ہوگا، اور فرشتے قطار در قطار

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا (نبأ - ۲) جس دن روح اور فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں گے

۹۔ فرشتے خدا سے سرکشی اور اس کی نافرمانی نہیں کرتے، ہمیشہ اس کی تسبیح و تہلیل و تقدیس اور حمد و ثنا

میں مصروف رہتے ہیں، اُس کے جلال و جبروت سے ڈرتے اور کانپتے رہتے ہیں، اور اُس کے حضور

میں اہل زمین کے لئے عموماً اور نیکو کاروں کے لئے خصوصاً مغفرت کی دعا مانگا کرتے ہیں،

وَالْمَلَائِكَةُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ
اور فرشتے حمد کیساتھ اپنے رب کی تسبیح کرتے رہتے

وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ
ہیں اور زمین والوں کی بخشائش کی دعا مانگا کرتے

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ، (شوری - ۱) ہیں، ہیشا کہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا خدا ہی ہے

یعنی یہ دھوکا نہ ہو کہ فرشتوں کی دعا ہی رحمت و برکت کا ذاتی سبب ہے بلکہ بخشش اور رحمت

کرنیوالا صرف وہی خدا ہے واحد و اور یہ بخشش و رحمت اسی کے دستِ اختیار ہے،

الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ
حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ
يُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ
آمَنُوا (مومن - ۱)

جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہیں، اور جو اس کے
پاس ہیں، وہ سب اپنے پروردگار کی حمد
تسبیح کرتے ہیں، اور اس پر ایمان رکھتے ہیں
اور ایمان لانے والوں کی بخشائش کی دعا

کر رہے ہیں

وَلَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
وَمَنْ عِنْدَ كَا لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ
عِبَادَتِهِ، وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ يَسْبُحُونَ
اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ، (انبیاء - ۲)

آسمانوں میں اور زمین میں جو کوئی ہے اسی کا
اور جو اس کے پاس ہیں، یعنی فرشتے، وہ اس کے
سامنے اپنی عبودیت کے اظہار سے غور نہیں
کرتے، اور نہ اس کی عبادت سے تھکتے ہیں، نہ رات
دن خدا کی پاکی بیان کرتے ہیں، اور سست

نہیں کرتے

بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ لَا يَسْبِقُونَهُ
بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يُعْمَلُونَ
..... وَهُدًى مِنْ خَشْيَتِهِ
مُشْفِقُونَ، (انبیاء - ۳)

بلکہ وہ بزرگ بندے ہیں، جو بات میں اس
(خدا) پر پیش دستی نہیں کرتے، اور وہ اس
کے حکم پر عمل کرتے ہیں، اور وہ اس کے
خوف سے ترساں رہتے ہیں،

کلمہ آیتاں

لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ
وَلَا يَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (توحید - ۱)
وَلْيَسْبِغْ الرِّعْدُ بِحَمْدِكَ وَالْمَلَائِكَةُ
مِنْ خِيفَتِكَ، (رعد - ۲)

خدا ان کو جس بات کا حکم دیتا ہے وہ اس کی
نافرمانی نہیں کرتے، اور وہی کرتے ہیں جس کا
اور بجلی کی کرہک اور فرشتے خدا کی ڈر سے اس کی
حمد و تسبیح کرتے ہیں،

وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا
 فِي الْاَرْضِ مِنْ دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ
 وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ . يَخَافُوْنَ
 رَبَّهُمْ مِنْ قُوَّتِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ
 مَا يُؤْمَرُوْنَ . (نحل - ۶)

اور آسمانوں میں اور زمین میں جو چار پائے
 اور فرشتے ہیں، وہ سب خدا کو سجدہ کرتے ہیں
 اور اُس کے سامنے اپنی بڑائی نہیں کرتے
 وہ اپنے مالک سے جو ان کے اوپر ^{مقرر} کرتے
 رہتے ہیں اور وہی کرتے ہیں جس کا ان کو حکم ہے

گزر چکا ہے کہ ملائکہ کا اعتقاد دنیا کے تمام مذہبوں اور قوموں میں کسی نہ کسی طرح رہا ہے،
 لیکن ان کے اس اعتقاد میں بہت سی باتیں ایسی داخل تھیں جو توحیدِ کامل کے منافی تھیں،
 اسکذریہ کے نوافلاطونی فلسفہ کے رو سے عقلِ اول کی اضطراری پیدائش کے بعد خدا کو مستقل
 ہو جانا پڑا، اور فرشتوں کو عقول کی صورت میں اسی کا زمرہ قرار دیا گیا تھا، عواقب کے مطابق
 اجرام سماوی کی شکل میں ان کی پرستش کرتے تھے، اور انھیں کو عالم کا فرمانروا مانتے
 تھے، یہودی بھی ان کو کسی قدر صاحب اختیار تصور کرتے تھے اور کبھی کبھی ان کو خداؤں کا درجہ دیتے تھے،
 جیسا کہ توراہ (صحیفہ تکوین ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۲۱، ۲۲، ۲۳) کے تقوینوں میں کہیں کہیں نظر آتا ہے، انکو وہ خدا کے نبیوں
 کے خطاب سے بھی کبھی کبھی یاد کرتے تھے، (تکوین ۲۱۶) ہندوؤں میں وہ دیوتا اور دیوتا بن کر ایک طرف
 انسانی خصائص سے ملوث تھے، اور دوسری طرف اپنے ذاتی اختیارات کے لحاظ سے چھوٹے
 خداؤں کے مرتبہ پر بھی فائز تھے، عیسائی ان میں سے بعض مثلاً روح القدس کو خدا کا ایک حصہ
 تسلیم کرتے تھے، اور یہ تثلیث کا ایک رکن تھا، عربوں میں فرشتے خدا کی بیٹیوں کا درجہ رکھتے تھے،
 وہ ان کی پوجا کرتے، اور ان کو اپنے گناہوں کا شفیع سمجھتے تھے،

تعلیم محمدی نے ان تمام عقائدِ باطلہ کو مٹا دیا، اور ایک ایک کر کے ان میں سے ہر عقیدہ کی تردید کر دی، اور بتایا کہ فرشتے بھی خدا کی دوسری مخلوقات کی طرح ایک مخلوق ہیں، ان کو خدائی کا کوئی اختیار حاصل نہیں، وہ صرف خدا کی اطاعت، عبادت اور اس کے احکام کی بجا آوری میں مصروف رہتے ہیں، ان میں سے جس کے جو کام سپرد ہے، نہ وہ اسی کو انجام دیتا ہے، وہ ہماری ہی طرح بندہ ٹھہرتا ہے، وہ نہ عبادت کے مستحق ہے، نہ خدا کے بے اذن وہ شفاعت کا ایک حرف نہ بان سنے کال سکتے ہیں، اور نہ خدا کے سامنے کچھ عوض کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں، یہودی ان کو خدا کے بیٹے اور عرب خدا کی بیٹیاں کہتے تھے، قرآن نے دونوں کی تردید کی، اور بتایا کہ وہ انسانی خصائص اور میلانات سے پاک ہیں، وہ نہ مرد ہیں، نہ عورت ہیں، نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں، اور نہ خدائی کا دعویٰ کر سکتے ہیں، وہ خدا کے خوف سے ہمیشہ کانپتے اور لرزتے رہتے ہیں،

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحٰنَہٗ
 بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ لَا يَسْبِقُونَهُ
 بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرٍ يَعْلَمُونَ تَعْلَمُونَ
 مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا
 يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْتَضَىٰ وَهُم مِّنْ
 خَشِيَّتِهِ مُسْتَفْعُونَ وَمَنْ يُقَلِّمْ مِنْهُمْ
 إِلَىٰ إِلَهِ مِنْ دُونِهِ فَإِنَّكَ نَجْوِيٌّ
 جَهْدًا كَذَلِكَ نَجْوَىٰ لَطَّالِيْنَ (انبیاء)

ہر ایک کی تم کو سزا دینے میں

مشرکوں نے کہا کہ خدا نے اپنا لڑکا بنایا ہے
 اس پاک ہو کبکہ یہ (فرشتے) اس کے معزز بندے ہیں جو
 بات میں اس پر پیشدستی نہیں کرتے اور وہ اس کے
 حکم پر عمل کرتے ہیں خدا اس سے جو ان کے آگے
 سمجھے ہوتا ہے واقف ہے، وہ شفاعت نہیں کرتے، لیکن
 اسی کی جس کیلئے خدا پسند کرتا ہے، اور وہ خدا کے خوف
 سے ڈرتے رہتے ہیں اور ان میں جو یہ کہے کہ میں خدا
 ہوں تو اسکو بھی اسی طرح ہم جہنم کی سزا دین گے

إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهُ وَاحِدٌ سُبْحَانَهُ أَنْ
 يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ لَّهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ
 وَمَا فِي الْأَرْضِ مَا وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا
 لَنْ يَسْتَنكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا
 لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ وَمَنْ
 يَسْتَنكِفَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ
 فَسَيَحْشُرُهُ إِلَيْهِ جَمِيعًا (سبا ۲۳-۲۴)
 وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ
 وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ
 بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ (ال عمران)
 وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ
 لِلْمَلَأِكَةِ اهْبُؤا إِلَيْنَا كَمَا كُنْتُمْ تُعْبَدُونَ
 قَالُوا سُبْحَانَكَ أَنْتَ وَلِيْنَا مِنْ
 دُونِهِمْ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ
 أَكْثَرَهُمْ بِهِمْ مُمِئِينَ (سبا-۵)
 يَوْمَ يَقُودُ الرُّوحَ وَالْمَلَائِكَةُ
 صَفَاءً لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ

خدا تو ایک ہی ہے وہ اس سے پاک ہے کہ اس کے
 کوئی اولاد ہو یا سمانون میں اور زمین میں جو
 کچھ ہر وہ اس کی ملکیت ہے، اور خدا کا وکیل
 ہونا کافی ہے مسیح کو اس سے عار نہ ہوگا کہ وہ خدا
 کا بندہ ہے، اور نہ مقرب فرشتوں کو (اس عار سے ہی)
 اور جو لوگ اسکی عبادت سے عار اور غور کریں گے
 تو وہ ان سب کو اپنے پاس اکٹھا کر لیا،
 خدا اس کا حکم تم کو نہیں دیتا کہ تم فرشتوں
 کو اور پیغمبروں کو خدا بناؤ کیا تم کو مسلمان
 ہونے کے بعد کفر کرنے کا حکم دے گا،
 اور جس دن وہ سب کو جمع کر لیا پھر فرشتوں
 سے کہے گا کہ کیا یہ مشرکین تھیں کو پوجتے تھے؟
 وہ کہیں گے پاک ہی تو، تو ہمارا والی ہی
 وہ نہیں ہیں، بلکہ وہ جنوں کو پوجتے تھے؟
 وہ اکثر انہی جنوں پر ایمان لائے ہیں،
 جس دن روح اور فرشتے صف بستہ خدا کے
 سامنے کھڑے ہونگے تو کچھ بول نہ سکیں گے لیکن

الرَّحْمَنُ وَقَالَ صَوَابًا (بنا-۲) ^{۱۰}
 وَكَمْ مِّن مَّلَكٍ فِي السَّمَاوَاتِ لَا يَقْبِضُ
 شَفَاعَتَهُمْ شَيْئًا إِلَّا مَن يُعِدَّ أَنْ
 يَأْذَنَ اللَّهُ يَمُنُّ بِمَا يَشَاءُ وَيَرْضَى (نجم)
 أَفَأَصْفَكَ رُتْبَتَكُمْ بِالنَّبِيِّ إِنْ أُنزِلَ
 مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِنَّا نَأْتِيكُمُ الْقُرْآنَ
 قَوْلًا عَظِيمًا، وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا
 الْقُرْآنِ لِيَذَّكَّرُوا وَمَا يَزِيدُهُمْ
 إِلَّا نُفُورًا، قُلْ لَوْ كَانَتْ مَعَهُ
 الْهَيَّةُ كَمَا يَقُولُونَ إِذْ أَتَى الْقُرْآنَ
 الْفُجُورَ سَابِلًا، يُسْمِعُهُ وَتَعْلَىٰ إِنَّمَا
 يَقُولُونَ عَمَلًا كَبِيرًا، تُسَبِّحُ لَهُ
 السَّمَاوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَن
 فِيهِنَّ، (اسراءیل-۵۱۴)
 وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ
 الرَّحْمَنِ إِنَّا نَأْتِيكُمُ الْبُرْهَانَ وَخَلَقْنَاهُمْ
 سَتَكْبَتِ شَيْءًا دَتَهُمْ وَيَسْأَلُونَ

وہ جس کو وہ فرمان اجازت دے اور وہ ٹھیک
 اور آسمانوں میں کتنے فرشتے ہیں جنکی شفا
 کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی لیکن اس کے بعد
 خدا جس کو چاہے اجازت دے اور پسند کرے
 کیا تمہاری لیے خدا نے بیٹوں کو پسند کیا ہے
 خود فرشتوں میں تو رکھیا ان اپنے پسند
 تم یقیناً بہت بڑی بات سمجھتے ہو گے
 ہم نے اس قرآن میں پھیر پھیر کر سمجھنے کو بائیں
 کی ہیں لیکن یہ ان کی نفرت کو اور بڑھا دیا
 اور پیغمبر اگر اس ایک خدا کے برحق کیسا
 بھی چند خدا ہوئے تو اس تحت لے خدا کی طرف
 وہ راستہ ڈھونڈتے تھے (کہ اس کے ہاتھ سے حکومت
 چھین کر خود قبضہ کر لیں) یہ مشرک جو کچھ ہیں
 خدا اس سے بنے و برتر ہیں اساتون آسمانوں
 اور ان مشرکوں نے فرشتوں کو جو رحمت والے
 خدا کے بندے ہیں، عورتیں بنا دیا کیا وہ ان کی
 پیدائش کے وقت حاضر تھے ہم انکی گواہی لکھیں گے

مذہب اور عقائد میں یہی اور انکی تائید ہے

وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّسُولُ مَا عُبِدْنَا مِمَّا كَفَرْنَا لَعَجَبُونَ
اور ان سے اس کی باز پرس کی جائیگی، اور انھوں نے

مَا لَهُمْ بِيَدِكَ مِنْ عَلِيمٍ إِنَّهُمْ
کہا کہ اگر خدا چاہتا تو ہم ان (فرشتوں) کو نہ پوجتے

إِلَّا تَخْضُوعًا، (زخرف - ۲)
انھیں اس کا تحقیقی علم نہیں وہ صرف ٹھکل دکھانے میں

قرآن پاک میں اس مفہوم کی اور بہت سی آیتیں ہیں، مگر یہاں استقصار مقصود نہیں

یہودیوں کا خیال تھا کہ فرشتے کھاتے پیتے بھی ہیں، چنانچہ توراہ میں جہاں حضرت ابراہیم

کے پاس فرشتوں کے آنے کا ذکر ہے یہ بھی مذکور ہے کہ ابراہیم نے ان کیلئے دعوت کا سامان

کیا، اور انھوں نے کھایا (تکوین ۸۰-۸۱) لیکن قرآن پاک نے اس قصہ کو دہرا کر یہ تصریح کر دی جو کہ

فرشتے انسانی ضرورتوں سے پاک ہیں، چنانچہ حضرت ابراہیم نے ان کیلئے دعوت کا سامان کیا مگر

فَلَمَّا ذَرَأْتِ الْيَهُودَ لَقِيتَهُمْ يَرْكَبُوهُمْ
جیسا براہیم نے دیکھا کہ وہ کھانے کو ہاتھ نہیں لگاتے

وَأَوْحَيْنَا مِنْهُمُ خَيْفَةَ قَالُوا الرَّسُولُ إِنْ آتَانَا
تو اس کو وہ انجان معلوم ہوا اور ازل میں ڈرا انھوں نے

أُرْسِلْنَا إِلَى قَوْمٍ لَوْطٍ، (ہود - ۷۰)
کہا ڈر نہیں ہم لوط کی قوم کی طرف دانے برابر کرنے

کفار تشریش کا مطالبہ کیا کہ انسان کے بچے کوئی فرشتہ پیئیر بنا کر کیوں نہیں بھیجا گیا، اس

جواب میں کہا گیا،

وَنُوحِئْنَا لَهُ لَوْلَا جَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَدَّاعًا
اور اگر ہم پیئیر کو فرشتہ بنا کر بھیجتے تو (ادمیوں) کیلئے

لَلْبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَا يَلْبَسُونَ
ہو سکا آدمی ہی بناتے اور جس شے میں اب ہم نہیں لگاتے

اللَّهُ أَعْلَمُ
اللہ ہی سہی میں وہ پھر بھی پڑے رہتے یعنی یہی سچ ہے

اس آیت اور دوسری آیتوں سے ملکوتیت اور بشریت کی تو تون کا اختلاف ظاہر ہوتا ہے

فرشتے کبھی کبھی عارضی طور سے انسان کے مثالی لباس میں بھی جلوہ گر ہوتے ہیں، جیسا کہ حضرت مریمؑ وغیرہ کے قصوں میں ہے،

فَمَثَلٌ لِّهَا بَشَرًا سَوِيًّا، (مرید-۲) وہ فرشتہ ایک چھہ خالص بشر کی مثالی صورت میں ظاہر ہوا

یہی وہ صورت تھی جس میں حضرت ابراہیمؑ کو فرشتوں کے انسان ہونے کا دھوکا ہوا اور ان کیلئے دعوت کا سامان کیا گیا۔ یہ دھوکا جلد فوج ہو گیا اور معلوم ہو گیا کہ انسان کی مثالی صورت میں فرشتے ہیں، ان تمام تفصیلات کے بعد یہ غور کرنا ہے کہ فرشتوں پر ایمان لانے سے اسلام کا کیا مقصود ہے؟ حقیقت میں اس سے دو باتیں مقصود ہیں،

۱- ایک یہ کہ اسلام سے پہلے بت پرست اقوام اور دوسرے اہل مذاہب میں ان فرشتوں کو خدائی کا جو مرتبہ دیا گیا تھا، اس غلط عقیدہ کو مٹا کر یہ حقیقت ظاہر کی جائے کہ ان کی حیثیت بے اختیار محکوم بندہ کی ہے جب تک اس کی تصریح نہ ہوتی، بلکہ توحید کی تکمیل ممکن نہ تھی،

۲- دوسرا مقصد یہ ہے کہ مادہ کے خواص و طبائع کو دیکھ کر مادہ پرست جو ان مادی خواص و طبائع کی بالذات کار فرمائی کا یقین کرتے ہیں اس کا ازالہ کیا جائے، کیونکہ یہی پتھر ان کی ٹھوکر کا باعث ہوتا ہے اور بالآخر خدا کے انکار تک ان کو پہنچاتا ہے، درحقیقت ان مادی خواص و طبائع پر روحانی اسباب ہیں جو خدا کے حکم سے اس کے مقررہ اصول کے مطابق نظام عالم کو چلا رہے ہیں، مادہ اور اس کے خواص بالذات میٹر نہیں، بلکہ کوئی دوسرا جو اپنے ارواح مجردہ کے ذریعہ سے ان کو موثر بناتا ہے، اس عقیدہ سے مادیت کا نبت ہمیشہ کے لئے ٹوٹ جاتا ہے، غرض منزہ خالق اور مادی مخلوق کے درمیان احکام و شرائع کا نزول اور قدرت الہی کے افعال کا صدور ان محکوم ارواح مجردہ کے ذریعہ ہوتا ہے،

رسولوں پر ایمان

وَرَسُولِهِ

یہ عقیدہ اسلام کی ان خصوصیات میں سے ہے جن کی تکمیل صرف اسی کے ذریعہ سے انجام کو پہنچی ہے، آنحضرت ﷺ کے وجود مبارک سے پہلے دنیا کی ہر قوم کو بجا سے خود یہ خیال تھا، کہ وہی اللہ تعالیٰ کی خاص محبوب اور پیاری ہے تمام دنیا کی قوموں میں ہدایت ربانی کے لیے وہی منتخب کی گئی ہے، اُس کے علاوہ دنیا کی تمام قومیں اس فیض سے قطعاً محروم ہیں اور ہیں گی، اسی کی سرزمین دیوتاؤں اور دیویوں کا مسکن اور اسی کی زبان خدا کی خاص مقدس زبان ہے، بابل و نینوا ہو یا مصر و یونان ایران ہو یا آریہ ورت ہندستان ہر ملک کے لوگوں کو بجا و خود تنہا خدا کی مقرر کردہ برکزیہ مخلوق ہونے کا دعویٰ تھا، اور وہ صرف اپنے کو خدا کے پیغام اور خطاب کے مشرف ہونے کا مستحق جانتے تھے لیکن تعلیم محمدی نے تنگ خیالی کے اس محدود دائرہ کو دنیا کی عظیم نشان و سمیت سے بدل دیا آپ نے یہ سکھایا کہ دنیا کی تمام قومیں خدا کی نظر میں یکساں ہیں نہ عرب کو عجم پر اور نہ عجم کو عرب پر فضیلت ہے اور نہ کالے کو گورے پر اور نہ گورے کو کالے پر کوئی تقدم حاصل ہے ساری زمین خدا کی ہے اور تمام قومیں ایک خدا کی مخلوق ہیں، آپ نے فرمایا لوگو! تم سب ایک ہی باپ (آدم) کی اولاد ہو اور وہ سبھی

لے منہ احمد بن حنبل از ابو نصر تابعی

سے پیدا ہوا تھا، اسی طرح یہ بھی تعلیم وہی کہ انسانوں اور قوموں کا امتیاز رنگ روپ ملک
 مزد و پوم اور زبان سے نہیں ہے، بلکہ صرف تقویٰ اور نیکو کاری سے ہے،

اس تعلیم کا سب سے پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ قوموں اور ملکوں کی نظری فضیلت کی پرانی داستان فراموش
 ہو گئی، دنیا کی تمام قومیں ایک سطح پر آگئیں اور مساواتِ انسانی کا راستہ صاف ہو گیا، بنی اسرائیل
 جن کو خدا کا کنبہ ہونے پر ناز تھا، وحی محمدیؐ نے ان کی اس حیثیت کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، اور کہا

بَلْ أَنْتُمْ دَبَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقْنَا (مائدہ ۳) بلکہ تم بھی خدا کی مخلوقات میں سے بشر ہو،

بنی اسرائیل کو دعویٰ تھا کہ نبوت اور پیغمبری صرف ہمارے خاندان کا ورثہ ہے جس طرح
 اس آریہ ورت کا دعویٰ ہے کہ خدا کی بولی صرف ہمیں کے ریشیوں اور منیوں نے سنی جو وید کے دور
 میں محفوظ ہے، اسی طرح دوسری قوموں کو بھی اپنی اپنی جگہ پر ہی خیال تھا اسلام نے اس
 کو خدا کے انصاف و عدل و کرم اور رحمتِ عام کے منافی قرار دیا، اور کہہ دیا :-

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ

یہ (نبوت) اللہ کی ہر بانی پر جس کو چاہے دے

وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (جمعہ)

اور اللہ بڑی ہر بانی والا ہے

قُلْ إِنَّا هُدًى هَدَى اللَّهُ أَنَّا

کہہ دو کہ ہدایت اللہ کی ہدایت ہے (اسرائیلی علماء

يُؤْتِي أَحَدًا مِّثْلَ مَا أُوتِيَآ وَبِمَا جُودُوا

اپنے ہم مذہبوں سے کہتے ہیں کہ کیا یہ ممکن ہو کہ

عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ إِنَّا الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ

جیسا دین تم کو دیا گیا کسی اور کو دیا جائے یا نئے

يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ

دین داتے تم سے خدا کے آگے جھکنا سکیں کہہ دو کہ

لے جامع ترمذی آخر کتاب المناقب لے قرآن إِنَّا أَكْرَمُكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَنْفَاقُكُمْ،

يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو

الْفَضْلِ الْعَظِيمِ

رال عمران - ۸

مگر آج وہ وہ افضل والا ہے

(یہ نبوت کا) فضل اللہ کے ہاتھ میں ہی وہ ہے

کو چاہتا ہو اُس کو دیتا ہو اور اللہ کی رحمت سب

پر عام ہو اور وہ اپنی مصلحتوں کو اچھی طرح جانتا

ہو اور جس کو چاہتا ہو اپنی رحمت کیساتھ مخصوص

اہل کتاب میں جو منکر ہیں، وہ یہ نہیں پسند

کرتے، اور نہ مشرکین پسند کرتے ہیں کہ نہ پرستگار

پروردگار کی طرف سے کوئی بھلائی نازل ہو

اور اللہ اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہتا ہو

مخصوص کرتا ہو، اور اللہ بڑے فضل والا ہے

بَايُوذُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن أَهْلِ

الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ

عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِّنْ ذِكْرِنَا وَاللَّهُ

يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو

الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (بقرہ - ۱۳)

اُس نے یہ تعلیم دی کہ روسے زمین کی سرآبادی میں ہر قوم میں اور ہر زبان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کی راہ دکھانے والے اُس کی آواز پہنچانے والے اور انسان کو ان کی غفلت سے جو کھانے والے پنپیر یا نائب پنپیر آئے، اور یہ سلسلہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک پہنچا رہا ہے۔ بعثت محمدیؐ سے پہلے دنیا کی کل آبادی مختلف گھرانوں میں بٹی ہوئی اور ایک دوسرے سے نا آشنا تھی، ہندوستان کے رشیوں اور مینیوں نے آریہ ورتت باہر کی دنیا کو خدا کی آواز سننے کا کبھی مستحق نہیں سمجھا تھا ان کے نزدیک پریشد صرف آریہ ورتت کی ہدایت اور ہنمانی کا خواہاں تھا۔ زروشت نے پاک نژادان ایران کے سوا سب کو زرداں کے جلوہ نورانی سے محروم عقین کیا تھا، بنی اسرائیل اپنی خاندان کے سوا کہیں اور کسی بنی یا رسول کی بعثت کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، عیسائی صرف

اپنے کو خدا کی فرزندگی کا مستحق سمجھتے تھے، لیکن محمد رسول اللہ ﷺ نے آکر بتایا کہ خدا کی ہر امت اور ہنمانی کے ظہور کے لئے کسی ملک، قوم اور زبان کی تخصیص نہیں، اس کی نگاہ میں عرب و عجم، شام و ہند سب برابر ہے، محمد رسول اللہ ﷺ کی ہمہ بین آنکھوں نے پورب بچھم، اتر، کھن، ہر ملک اور ہر قوم میں خدا کا نور دیکھا، اور ہر زبان میں اس کی آواز سنی،

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ (یونس - ۵) اور ہر قوم کے لئے ایک رسول ہے،

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا (محلہ) اور یقیناً ہم نے ہر قوم میں ایک رسول بھیجا،

وَلَقَدْ آتَيْنَا مِنْ قَبْلِكَ رَسُولًا (دوم - ۵) اور ہم نے تجھ سے پہلے کتنے رسول ان کی اپنی

اپنی قوم میں بھیجے،

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ، (رعد - ۱) اور ہر قوم کے لئے ایک رہنما آیا،

وَإِنَّ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ (فاطر - ۳) اور کوئی قوم نہیں جس میں ایک ہتیار کر نیوا

نہ آیا ہو،

وَكَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ نَبِيِّ فِي الْأَوَّلِينَ، (زخرف - ۱) اور ہم نے پہلی قوموں میں کتنے پیغمبر بھیجے،

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا بَلِيغًا (ابراہیم - ۱) اور ہم نے ہر پیغمبر کو اس کی قوم کی بولی میں

بھیجا، تاکہ وہ ان کو بتا سکے،

اس آخری آیت میں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ رسول تعلیم الہی تشریح و بیان کیلئے مامور ہیں،

ایک یہودی کے لئے حضرت موسیٰ کے سوا کسی اور کو پیغمبر ماننا ضروری نہیں، ایک عیسائی تمام

دوسرے پیغمبروں کا انکار کر کے بھی عیسائی رہ رہ سکتا ہے، ایک ہندو تمام دنیا کو پٹھہ، شور، اولہ

چنڈاں لکڑ بھی پکا ہندورہ سکتا ہے، ایک زر و شتی تمام عالم کو بحرِ ظلمات لکڑ بھی نورانی ہو سکتا ہے اور وہ ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو نوز بائد جھوٹا لکڑ بھی دینداری کا دعویٰ کر سکتا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ناممکن کر دیا ہے کہ کوئی ان کی پیروی کا دعویٰ کر کے ان سے پہلے کے کئی پیغمبر کا انکار کر سکے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد میں جو دعا پڑھتے تھے، اس میں ایک فقرہ یہ بھی ہوتا تھا وَ النَّبِيُّونَ حَقٌّ وَ مُحَمَّدٌ حَقٌّ (سب نبی برحق تھے، اور محمد بھی برحق ہے) غرض کوئی شخص اس وقت تک محمدی نہیں ہو سکتا جب تک وہ پہلے موسوی دعیوی اور ایرانی و ہندی نہ بن لے، اور کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ دنیا کے تمام پیغمبروں کی یکساں صداقت و حقانیت اور راست بازی اور معصومیت کا اقرار نہ کر لے اور یقین نہ کرے، کہ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے عرب کی طرح ہر قوم کو اپنی ہدایت و رہنمائی سے سرفراز کیا ہے اور ان کا ماننا ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ ان کا

بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ

انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے

وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ

رسولوں کے درمیان فرق کریں اور کہتے ہیں کہ

وَرُسُلِهِمْ وَنُفُورًا مِّنْ بَعْضِ

ہم بعض کو مانیں گے اور بعض کو نہیں مانیں گے اور

وَنُفُورًا مِّنْ بَعْضِ مَا يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْبَيِّنَاتِ

چاہتے ہیں کہ اس کے پیچ پیچ میں کوئی راستہ نکالیں

بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا أُولَٰئِكَ هُمُ

وہی تو حقیقت میں کافر ہیں، اور کافروں

الْكَافِرُونَ حَقًّا وَاعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ

کے لئے ہم نے اہانت و الاغذاب تیار رکھا ہے

عَذَابًا مُّهِينًا وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ

۱۰ صبح بخاری باب التہجد،

وَرُسُلِهِمْ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ
مِنْهُمْ وَأُولَئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ
أَجْرَهُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا
رَحِيمًا، (نساء - ۲۱)

وَالْمَلَائِكَةَ وَالْكِتَابَ وَالنَّبِيِّينَ،
(بقرہ - ۲۲)

وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَ
كُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ
ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا (نساء - ۲۰)

بقرہ کے خاتمہ میں ہے،

كُلُّ أُمَّتٍ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ
وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ
رُسُلِهِمْ، (بقرہ - ۲۰)

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ،
(بقرہ ۱۱۷، دال عمران - ۹)

اور جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے
اور ان رسولوں میں سے کسی کے درمیان فرق
نہیں کیا، تو وہی لوگ ہیں جن کی فردوسی خدا
ان کو دینگا، اور اللہ بخشنے والا، رحمت والا،
اور فرشتوں پر، کتاب پر، اور سب نبیوں پر
ایمان لانا نیکی ہے،

اور جس نے خدا کا اور اس کے فرشتوں کا
اور اس کی کتابوں کا، اور اس کے رسولوں
اور قیامت کا انکار کیا، وہ نہایت سخت گمراہ ہے

ہر ایک خدا پر، اور اس کے فرشتوں پر اور
اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان
لایا، ہم خدا کے رسولوں کے درمیان تفریق
ہم ان پیغمبروں میں سے کسی کے درمیان
تفریق نہیں کرتے،

پیغمبروں میں تفریق کرنے کے یہ معنی ہیں کہ ان میں سے بعض کو مائین اور بعض کو
مائین، اسلام نے اس کی مانعت کی اور عام حکم دیا کہ دنیا کے تمام پیغمبروں اور رسولوں کو یکساں

خدا کا رسولِ صادق اور استباز تسلیم کیا جائے،

یہودی حضرت عیسیٰ کو نوذبا لٹھ جھوٹا اور کاذب سمجھتے تھے، اور ان پر طرح طرح کی تہمتیں

لگاتے تھے، اور اب بھی ان کا یہی عقیدہ ہے، یہودیت اور اسلام میں جو اشتراک ہو وہ مسیحیتِ زبانی

ہے، اس لیے اگر اسلام کی راہ میں حضرت مسیح کا نام نہ آئے، تو بہت سے یہود مسلمان ہونے کو تیار ہو جائیں

مگر اسلام نے کبھی یہ ننگ گوارا نہیں کیا، اور جب تک کسی یہودی سے حضرت عیسیٰ کی نبوت

مصومیت اور تقدس کا اقرار نہیں لے لیا، اس کو اپنے دائرہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں

چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بہت سے یہود آپ کی رسالت اور شریعت پر ایمان لائے

کو تیار تھے مگر حضرت عیسیٰ کو ماننے کیلئے تیار نہیں تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دوستی کے عظیم اعلان

قائدوں سے محروم رہنا گوارا کیا، مگر مسیح علیہ السلام کی سچائی سے محروم رہنا قبول نہ فرمایا اور ان عسات

اسے یہود! کیا برہے تم کو ہم سے، مگر یہی کہ

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ هَلْ تَنْقُصُونَ مِنَّا

ہم خدا پر، اور جو ہماری طرف اتار گیا، اور

إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا

جو پہلے اتار گیا، اس پر ایمان رکھتے ہیں اور

وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلُ وَإِنَّ أَكْثَرَكُمْ

تم میں اکثر بے حکم ہیں،

فَسِقُونَ (مائدا ۹)

خود قریش کا یہ حال تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ کے نام سے چٹکتے تھے، تاہم ان کی خاطر

حضرت عیسیٰ کی نبوت، تقدس اور مصومیت کا انکار نہیں کیا گیا، قرآن نے کہا،

اور جب مریم کے بیٹے کی کمارت بیان کی گئی

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا

اے تفسیر ابن جریر طبری جلد ششم ص ۱۶۷ مصر،

قَوْمَكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ، وَقَالُوا
 عَالِهَتْنَا خَيْرٌ مِمَّا ضَرَبُوا لَكَ
 الْآجِدَالَ إِنَّهُمْ قَوْمٌ مُّخْصَمُونَ
 إِنَّ هَذَا عَبْدٌ نَعَمْنَا عَلَيْهِ،

تو تیری قوم اس سے چلانے لگتی ہے
 بولی کہ ہمارے مبودا چھے ہیں یا وہ
 نام جو وہ تجھ پر دھرتے ہیں، صرن جھگڑنے کو
 بلکہ وہ جھگڑالو ہیں، وہ ایک بندہ ہے جن

(ذخوف - ۶) ہم نے فضل کیا،

قریش کو معلوم تھا کہ اسلام عیسیٰ بن مریم کو بندہ اور رسول ماننا ہے، خدا نہیں، باوجود
 اس کے عیسائیوں کی طرح مسلمانوں کو بھی حضرت عیسیٰ کے ماننے کی وجہ سے عیسیٰ پرستی کا الزام دھرتے
 تھے، قرآن نے ان کے اس بے مننی اعتراض کی تردید کی،

اسلام میں پیغمبروں کی کوئی تعداد محدود نہیں ہے، طبرانی کی ایک ضعیف روایت میں
 کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء مبعوث ہوئے، دوسری روایت میں اس سے کم تعداد بھی مروی ہے
 قرآن پاک میں نام کیسا تھے صرف انہی انبیاء علیہم السلام کا ذکر جن سے عرب مانوس تھے، یا ان کے
 ہمسایہ یہود و نصاریٰ کے صحیفوں میں جن کے تذکرے تھے، قرآن میں بعض ایسے انبیاء بھی مذکور ہیں
 جن سے صرف عرب واقف تھے، اور یہود و نصاریٰ بے خبر تھے، مثلاً حضرت ہود، اور حضرت شعیب
 بعض ایسے بھی ہیں جن کو یہود و نصاریٰ جانتے تو تھے لیکن پیغمبرین تسلیم کرتے تھے مثلاً حضرت اود
 اور حضرت سلیمان، وحی محمدی نے ان سب کو پیغمبر تسلیم کیا، اور ان کی صداقت و عظمت کا اقرار کیا
 اسی سلسلہ میں ایک اور واقعیت کی طرف اشارہ کر دینا مناسب ہے، اسلام سے پہلے
 نبوت رسالت، اور پیغمبری کی کوئی خاص واضح اور غیر مشتبہ حقیقت دنیا کے سامنے نہ تھی

یہود کے ہاں نبوت کے معنی صرف پیشین گوئی کے تھے اور نبی پیشین گو کو کہتے تھے، اور جس کے متعلق وہ یقین رکھتے تھے کہ اُس کی دعا یا بددعا فوراً قبول ہو جاتی ہے، اسی لئے حضرت ابراہیمؑ حضرت لوطؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کی نبوت اور رسالت کا بعض وہند لاسا خاکہ اُن کے ہاں موجود ہے، بلکہ حضرت ابراہیمؑ کے مقابلہ میں شالم کے کاہن مالک کی پیغمبرانہ شان اُن کے نزدیک زیادہ نمایاں معلوم ہوتی ہے، حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ کی حیثیت اُن کے ہاں مہن بادشاہ کی ہے، اور اُن کے زمانہ کے پیشین گوئی کرنے والے پیغمبر اور ہیں، یہی سبب ہے کہ یہود کے قصوں اور کتابوں میں اسرائیلی پیغمبروں کی طرف نہایت سخیف باتیں بے تامل منسوب کی گئی ہیں، عیسائیوں کے ہاں بھی رسالت اور نبوت کی کوئی واضح حقیقت نہیں بیان کی گئی ہے اور نہ یہ نہ کہا جاتا کہ مجھ سے پہلے جو آئے، وہ چورا ورڈا کو تھے، موجودہ انجیلوں میں نہ خدا کے رسولوں کی تعریف ہے، نہ اُن کے تذکرے ہیں، نہ اُن کی سچائی اور صداقت کی گواہی ہے، حضرت زکریاؑ اور حضرت یحییٰ جن کے تذکرے انجیل میں ہیں، وہ بھی پیغمبرانہ شان کے ساتھ اُن کے ہاں مسلم نہیں، لیکن مہج رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر اس جلیل القدر منصب کی حقیقت ظاہر کی، اس کے فرض بتائے، اُس کے خصوصیات کا اظہار کیا، اور اُن سب پر ایمان لانے کو نجات کا ضروری ذریعہ قرار دیا، آپ نے بتایا کہ نبوت و رسالت خاص انسانوں کو خدا کا بھٹا ہوا ایک منصب ہے جس کو دیگر وہ دنیا میں اس غرض سے بھیجے گئے کہ خدا کے احکام لوگوں کو بتائیں، اور سچائی اور نیکی کا راستہ اُن کو دکھائیں، وہ ہادی (رہنما) نذیر (مشیر کرنے والے) داعی (خدا کی طرف بلانے والے) بشر (خوشخبری

لے دیکھو توراہ صحیفہ تکوین، باب ۲۰، ۲۱، سفر تکوین ۱۲-۱۴، ۱۵، انجیل،

سنانے والے، معلم (سکھانے والے) مبلغ (خدا کے احکام پہنچانے والے) اور نور (رودستی) تھے، خدا
 اُن سے ہم کلام ہوتا تھا، اپنی باتوں سے اُن کو مطلع کرتا تھا، اور وہ اُن سے دوسری انسانوں کو گواہ
 کرتے تھے، وہ گناہوں سے پاک اور برائیوں سے محفوظ تھے، وہ خدا کے نیک اور مقبول بندے
 تھے، اور اپنے عہد کے سب سے بہتر انسان تھے، اُن کے سب کام خدا کے لیے تھے، اور خدا اُن کیلئے
 تھا، یہ بہتیاں اپنے فرائض کو انجام دینے کے لیے ہر قوم میں پیدا ہوئیں جنہوں نے اُن کو مانا، نجات
 پائی اور جنہوں نے جھٹلایا، ہلاک و برباد ہوئے، قرآن پاک نے اُن کی زندگی کے سوانح اُن کی
 تبلیغ کی، روادا، اُن کے اخلاق کی بلند مثالیں، اور اُن کی خدا پرستی کا خلاصہ اس طرح بیان
 کیا ہے کہ اُن کے پڑھنے اور سننے سے اُن کی پیروی کا جذبہ اُن کی اتباع کا شوق اور اُن کی
 صداقت کا یقین دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے، اور ساتھ ہی اُس نے شانِ نبوت کے خلاف
 جو غلط باتیں دوسرے صحیفوں میں اُن کی طرف منسوب تھیں، انکو چھوڑ دیا ہے اور اُن کی تردید کر دی ہے،
 الغرض نبوت اور رسالت کی سب سے اہم خصوصیت اسلام نے جو یہ قرار دی کہ نبی و رسول گناہوں
 سے پاک اور برائیوں سے محفوظ، اور معصوم ہوتے ہیں، نبی اسرائیل کو نبوت و رسالت کے اس بلند
 کی ہو بھی نہیں لگی تھی، اس لیے انہوں نے نہایت بے باکی سے اپنے پیغمبروں کی طرف ہر قسم کے
 گناہ منسوب کر دیئے، عیسائی ایک حضرت عیسیٰ کو تو معصوم کہتے ہیں، باقی سب کی گنہگاری کے
 قائل ہیں لیکن اسلام نے دنیا کے تمام پیغمبروں اور رسولوں کی عظمت کی ایک ہی سطح قائم کی ہے،
 اس کے نزدیک گناہوں سے پاک اور عصمت تمام انبیاء اور مرسلین کا مشترک وصف ہے کیونکہ
 گنہگار گناہگاروں کی رہنمائی کا مستحق نہیں، اور اذہا اندھے کو راہ نہیں دکھا سکتا اس بنا پر محمد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی و تعلیم نے خدا کے تمام معصوموں کی عظمت و جلال و نیامین قائم کی اور جن کو باطنوں نے ان کی عصمت و بے گناہی کے دامن پر اپنے وہم و نادانی سے داغ لگائے تھے ان کو دھو کر پاک و صاف کیا، اور یہ رسالتِ محمدیؐ کا عظیم الشان کارنامہ ہے،

خود انجیل کے طرز سے ظاہر تھا، کہ حضرت عیسیٰؑ احکامِ عشرہ کے برخلاف اپنی ماں کی عورت نہیں کرتے تھے، قرآن نے اس کی تردید کی اور خود حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے کہلوا یا،

وَبَرَّ الْوَالِدَيْنِ وَ لَمْ يُجْعَلْنِي جَبَّارًا

اور اپنی ماں کے ساتھ نیکی کرنے والا،

شَقِيًّا، (مریوہ - ۲)

بچہ کو خدا نے جبار اور بد بخت نہیں بنایا،

کیونکہ احکامِ عشرہ کے مطابق ماں باپ کا ادب نہ کرنا بد بختی تھی، اسی طرح موجودہ انجیل نے حضرت عیسیٰؑ پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہ نماز و روزہ کی پروا نہیں کرتے تھے، قرآن نے ان کی زبان سے کہلوا یا،

وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ

اور خدا نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے،

مَا دُمْتُ حَيًّا، (مریوہ - ۲)

جب تک میں جیوا ہوں،

یہ وہ حضرت مریمؑ پر تہمت رکھتے تھے، قرآن نے اس الزام کو دور کیا، اور کہا،

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَتْ

اور مریم بنت عمران جس نے اپنی عصمت

فَوْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُوحِنَا وَ

کی حفاظت کی تو ہم نے اس میں اپنی روح

وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُنْتِ

پھونکی، اور اس نے اپنے پروردگار کی باتوں

وَكَانَتْ مِنَ الْقَائِمِينَ، (محمودہ - ۲)

اور اس کی کتابوں کو سچ جانا، اور وہ ہندگی

ہر نبی اور ان میں سے

وہم پرست یہود حضرت سلیمانؑ کو گنڈا، تونڈ اور عملیات وغیرہ کا موجد سمجھتے تھے، حالانکہ
سحر و جادو وغیرہ توراہ میں شرک قرار دیا چکا تھا، قرآن نے علانیہ یہودیوں کے اس الزام کی تردید کی،
وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ
اور سلیمان نے کفر کا کام نہیں کیا بلکہ شیطانوں
كَفَرُوا وَيَعْلَمُونَ النَّاسَ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ
نے کیا، لوگوں کو وہ جادو سکھانے لگے،

اسی طرح حضرت لوطؑ پر بدکاری کا جو الزام یہود لگاتے ہیں، اس کی تردید کی،
اور گنڈا چکا ہے کہ قرآن نے یا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے تمام پیغمبروں کے نام
نہیں لیے ہیں، صرف ناموں کی فہرست یا نامعلوم اشخاص کے نام لیے لینے سے دلوں میں جوسیت
نہیں پیدا ہو سکتا، تاہم معلوم تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صدائے دعوت ایک نیا دنیا کے
کناروں تک پہنچے گی، اور بہت سی غیر توہین اور دوسرے انبیاء کی امتین اس حلقہ میں داخل
ہوں گی، اور اپنے اپنے انبیاء کا نام و نشان صحیفہ محمدی میں تلاش کریں گی، اس لیے ایک
جامع آیت میں تمام انبیاء کا ذکر کر دیا گیا، اور ان کی صداقت کی پہچان بتا دی گئی فرمایا،

| | |
|---|---|
| ہم نے (اسے محمد) تمہارا پاس دجی بھیجی جس طرح | إِنَّا وَحَيْنَا إِلَيْكَ لَمَّا وَحَيْنَا |
| نوح اور ان کے بعد کے پیغمبروں کے پاس بھیجا، | إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَوْحَيْنَا |
| ہم نے ابراہیم کو، اور اسماعیل کو اور اسحاق کو، | إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ |
| یعقوب کو اور ان کے خاندان کو، اور عیسیٰ کو، اور | يَعْقُوبَ وَالْآسَافِطِ وَعِيسَىٰ وَإِيُوبَ وَ |
| ایوب کو اور یونس کو اور ہارون کو اور سلیمان کو، اور | يُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ وَإِنَّا |
| بھیجے اور داؤد کو اور عطا کی، اور دوسرے رسولوں | دَاوُدَ وَزُورًا وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ |

کو بھیجا جن کا حال تم سے ہم نے پہلے بیان کیا ہے
 ان رسولوں کو جن کا حال ہم نے تم سے بیان نہیں
 کیا اور خدا نے موسیٰ سے بات کی، ان رسولوں کو
 خوشخبری سنانے والا اور ہتھیار کر نیوالا بنا کر بھیجا،
 تاکہ لوگوں کو رسولوں کے آجانے کے بعد خدا کے

عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَوْ فَتَضَعُكُمْ
 عَلَيْكَ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكَلِيمًا
 مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ
 لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَ
 كَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا

آگے کوئی عذر باقی نہ رہ جا اور خدا غائب و نامعجز

(ہیبا - ۲۳)

انبیاء کے متعلق یہی حقیقت سورہ مومن میں دوبارہ بیان کی گئی ہے،

اور ہم نے یقیناً تم سے پہلے بہت سے پیغمبر بھیجے
 ہیں کچھ وہ ہیں جن کا حال تم سے بیان کیا ہے
 کچھ وہ ہیں جن کا حال تم سے بیان نہیں کیا

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ
 مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ
 مَنْ لَوْ تَقَطَّصَّ عَلَيْكَ (مومن ۸)

تعلیم محمدی کے اصول کے مطابق یقین کرنا ضروری ہے کہ دنیا کی بڑی بڑی قوموں اور
 ملکوں جیسے چین، اور ایران اور ہندوستان میں بھی آنحضرت ﷺ سے پہلے خدا کے انبیاء مبعوث
 ہو چکے ہیں اور اس لئے یہ تمام قومیں اپنے جن بزرگوں کی عزت و عظمت کرتی ہیں اور اپنے دین و مذہب
 کو جن کی طرف منسوب کرتی ہیں، ان کی صداقت اور راستبازی کا قطعی انکار کوئی مسلمان نہیں کر سکتا
 اسی بنا پر بعض علمائے ہندوستان کے کرشن اور رام کو بلکہ ایران کے زردشت کو بھی اور بعض علماء
 نے تو بوجہ تک کو پیغمبر کہا ہے، بہر حال امکان میں تو شک ہی نہیں لیکن یقین کیسا تھا ان ناموں

۱۰ کلمات طیبات حضرت شاہ مرزا منظر جانجانا سے مل دخل ابن حزم،

کی تینیں بھی حد سے تجاوز کرنا ہی اصل یہ ہے کہ قرآن نے انبیاء کی دوہین کی ہیں، ایک وہ جن کے ناموں کی اُس نے تصریح کی ہے اور دوسرے وہ جن کے نام اُس نے بیان نہیں کئے ہیں، اس لئے صحیح یہ ہے کہ جن انبیاء کے نام مذکور ہیں، تمام مسلمانوں کو ان پر نام بنام ایمان لانا چاہیے اور جن کے نام مذکور نہیں، ان کی نسبت صرف یہ اجمالی ایمان کافی ہے کہ ان قوموں میں بھی خدا کے فرستادہ پیغمبر آئے تھے، گو یہ تخصیص ان کے نام نہیں معلوم ہیں، وہ تو ہیں جن کا نام لگتی ہیں، اگر ان کی زندگی، اور ان کی تعلیم نبوت اور رسالت کی شان کے مطابق ہیں، تو ان کی نبوت اور رسالت کی طرف رجحان اور میلان بلکہ قرینہ غالب ہو سکتا ہے لیکن یقین اس لئے نہیں کیا جاسکتا کہ ہمارے پاس ان باتوں پر یقین کرنے کا ذریعہ صرف وحی ہے اور وہ اس تخصیص تینیں سے خاموش ہے،

اس قسم کے انبیاء جن کے نام کو قرآن میں مذکور نہیں، مگر وہ آنحضرت ﷺ کے پہلے گزر چکے ہیں، اور ان کے پیروان کو اپنے ہاں نبوت و رسالت کا درجہ دیتے ہیں، ان کی شناخت اور پہچان کا ایک اصول قرآن نے مقرر کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کو توحید کی تعلیم دی ہے

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا

اور ہم نے ہر قوم میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ

أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ

کی پستش کرو اور جھوٹے معبود سے بچے رہو،

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ

اور ہم نے تجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں بھیجا، لیکن

إِلَّا نُوْحِيَ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا

اس کو یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی خدا نہیں

فَاعْبُدُونِي ۝ (انبیاء - ۲)

بھیجی کو پوجو،

اس لئے وہ تمام قدیم رہبران انسانی اور رہنما یان عالم جو دنیا میں کسی مذہب کو لاواؤز چلکی

تبلیغ و تعلیم توحید کی دعوت اور بت پرستی سے اجتناب تھی، اور جن کی زندگی اس تعلیم کے شاہکار بن گئی تھی، ان کی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اپنی قوم کے اور اپنے وقت کے رسول اور پیغمبر نہ تھے۔ اتنی بڑی بڑی قومیں خود قرآن کے اصول کے مطابق انبیاء اور رسولوں کے وجود سے خالی رہ سکتی تھیں، اسی بنا پر اسلام کی ان تلقینات میں سے جن کے تسلیم کئے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا، ایک یہ بھی ہے کہ وہ تمام ملکوں کے پیغمبروں اور تمام قوموں کے رسولوں کو جو حضرت خاتم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے پہلے پیدا ہوئے، یکساں صداقت کیساتھ تسلیم کر جانے سے تمام دنیا کو ایک ہی تعلیم دی ہے اور وہ توحید ہے البتہ ان انبیاء میں سے ایک کو دوسرے پر بعض بعض حیثیتوں سے ترجیح دی ہے۔

ان رسولوں میں سے ہم نے کسی کو کسی پر فضیلت

تِلْكَ الرَّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى

دی، ان میں سے کسی سے اللہ نے کلام کیا

بَعْضٍ مِنْهُمْ مِنْ كَلَمَةِ اللَّهِ وَ

کسی کے بہت درجے بڑھے اور ہم نے کسی

رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ وَاتَيْنَا

ابن مریم کو نشانیان دین اور پائی کی روح سے

عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيْنَتِ وَإِنَّا

اس کی تائید کی،

بِرُوحِ الْقُدُسِ، (بقرہ ۸۵-۸۴)

آپ نے دوسرے انبیاء کی جا پر تعظیم و تکریم مہیاں تک کی ہے کہ ان کے مقابلہ میں کبھی کسی اور

ہستی بھی فراموش کر دی ہے ایک دفعہ ایک صحابی نے آپ کو یا خیر البریۃ امے بہترین خلق کہا

خطاب کیا، فرمایا: وہ تو برا ہی کہہ رہے تھے، ایک دفعہ ایک صحابہ نے دریافت کیا کہ سب سے بڑا مال مال کون

کون تھا؟ فرمایا: یوسف بن یوسف، بنی اسرائیل، اللہ ایک نعمتوں کا انوار ہے کہ ایک آدمی کو

۱۴۰۰ مند ابن جنبل جلد ۲ صفحہ ۱۵۳، ۱۵۴ صحیح بخاری کتاب انبیاء مناقبہ حضرت یوسف علیہ السلام ۱۴۰۰

مدینہ میں کہہ رہا تھا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ کو بشر پر فضیلت دئی ایک مسلمان یہ کھڑے
 سُن رہے تھے، اُن کو غصہ آگیا کہ ہماری پیغمبر کی موجودگی میں تم یہ کہہ رہے ہو اور اس کو ایک پیغمبر کا
 اُس نے دربار نبوی میں جا کر شکایت کی، آپ نے اُن صحابی کو بلا بھیجا اور مقدمہ کی ڈوا دئی پھر نہایت برہم
 ہو کر فرمایا کہ پیغمبر میں باہم ایک دوسری پر فضیلت نہ دو، یعنی ایسی فضیلت جس سے کسی دوسری نبی کی تفتیق ہوتی ہو
 یہی وہ تعلیماتِ محمدی ہیں جن کے ذریعہ سے دنیا میں وحدتِ مذاہبِ روحانی مساوات

انسانی اخوت، اور تمام انبیاء اور پیغمبروں کے ادبِ احترام کے جذبات پیدا ہوئے نبی اسرائیل
 کے وہ پیغمبر جن کو ماننے والے تمام دنیا میں چند لاکھ سے زیادہ نہ تھے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
 ذریعہ سے اُن کی عظمت و جلالت اور ادب و احترام کو نیا لے چالیں کر ڈیڑھ سے زیادہ ہو گئے وہ حضرت
 مریم اور حضرت عیسیٰ جو چھ سو برس تک یہودیوں کی جھوٹی تہمت سے رہے محمد رسول اللہ نے اگر فتنہ
 اس کو مٹا دیا، اور اُن کی پاکی کی گواہی دی جس کے بدولت آج چالیس کروڑ زبانیں ان کی عصمت
 کی شہادت دیر ہی ہیں، ہندوستان، ایران، چین، جن کے سچے رہنماؤں کا اُن کے ملک باہر کوئی
 ادب نہ تھا، جہاں جہاں مسلمان گئے، اُن کے جائز ادبِ احترام کو اپنے ساتھ لیتے گئے،
 وہ سب جو پیغمبروں کے ناموں تک سے ناواقف تھے، جو نبوت و رسالت کے خصائص

کے علم سے محروم تھے، جو انبیاء اور رسولوں کی سیرتوں سے نا آشنا تھے، جو اُن کے ادب و احترام
 اور تصدیق و اعتراف سے بیگانہ تھے جن کو اپنے دیوتاؤں کے سامنے عیسیٰ بن مریم پر تحقیرانہ
 آتی تھی، اور جو حضرت موسیٰ کی فضیلت کا ذکر سن کر اپنے غصہ کو ضبط نہیں کر سکتے تھے محمد رسول اللہ

۱۰ صحیح بخاری مناقب حضرت موسیٰ ص ۴۸، ۱۱ قرآن پاک سورہ زخرف رکوع ۳۰ صحیح بخاری مناقب
 حضرت موسیٰ

صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی تعلیم سے ان کا یہ حال ہوا کہ وہ ایک ایک پیغمبر کے نام و نشان اور تاریخ و سیرت کے واقف ہو گئے، اور تبرکاً ان کے ناموں پر اپنی اولادوں کے نام رکھنے لگے، اور جو آج بھی تمام مسلمانوں میں شائع اور ذائع ہیں، انھوں نے پیغمبروں کی صداقت اور سچائی کی گواہی دی، ان کے ادب و احترام کو اپنے سینوں میں جگہ دی، ان کی تعظیم و تکریم کو اپنے دین و ایمان کا جزو بنالیا، ونبیائی کسی قوم میں یہ رواج نہیں ہے، کہ انبیاءِ عظیم السلام کے نام ادب سے لئے جائیں، اگر ایک مسلمان کے لئے لازم ہے کہ جب کسی پیغمبر کا نام لے تو ادب سے لے، اور ان پر درود و سلام پڑھے،

کتاب الہی پر ایمان

و کتبہ

ایک مسلمان کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کے صحیفہ وحی پر ایمان لائے
 ہر چند یہ عقیدہ گذشتہ عقیدہ رسالت کا لازمی نتیجہ ہے، یعنی رسول کو رسول مان لینا اس کی
 تعلیمات اور وحی کو مان لینے کا مراد ہے، تاہم یہ تصریح اس لئے کی گئی ہے تاکہ پوری طرح معنی
 اور واضح ہو جائے کہ رسول کو رسول مان لینے کے بعد اس کے صحیفہ وحی کو مان کر اس کی تعلیمات
 پر عمل کرنا ضروری ہے، سورہ بقرہ کے شروع ہی میں سچے مومنون کی تعریف میں کہا گیا ہے:

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ
 إِلَيْكَ، (بقرہ ۸-۱)

اور جو اس (کتاب یا وحی) پر ایمان رکھتے
 ہیں، جو تجھ پر (اے محمد) اتاری گئی،.....

کتاب الہی پر ایمان لانے سے مقصود ان تمام صداقتوں اور حکمون کو جاننا اور قبول
 کرنا ہے جو اس میں مذکور ہیں، یہ گویا پوری شریعت مطہرہ کو قبول کر لینے کا مختصر ترین طریقہ تعبیر ہے
 اور اس لئے ایمانبات کی بہت سی دوسری باتیں جن کی تفصیل ہر موقع پر ضروری نہیں، اس ایک
 فقرہ کے تحت میں آجاتی ہیں قرآن پر ایمان لانے کے یہ معنی ہیں کہ جو کچھ قرآن میں علمی و عملی عقائد

عبادات و احکام مذکور ہیں ان سب کو بے کم و کاست ہم تسلیم کرتے ہیں، اگر کوئی سرسوی ان کو تسلیم نہیں کرتا تو ان کی تعمیل و پیروی کا اس سے کیونکر مطالبہ کیا جاسکتا ہے؟ اسی بنا پر اس کی تشریح و تفسیر صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ان الفاظ میں فرمائی ہے کہ بِمَا جِئْتُ بِهِ جُؤِ كُفْرًا لِيُكْرَ اِيَّاسِ بِرَايَانِ لَا اَوْ قَرَانِ لِيُكْرَ اِيَّاسِ
 وَ اٰمَنُوْا بِمَا نَزَّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ (محمدؐ)

لیکن قرآن اگر اتنا ہی کہتا کہ میرے پیرو صرف مجھ پر ایمان لائیں تو یہ کوئی اہم بات نہ ہوتی کہ صاحب مذہب کی یہی تعلیم ہوتی ہے، قرآن نے عقائد کی اس دفعہ میں بھی اپنے تکمیلی پہلو کو پیش رکھا ہے اور یہ ضروری قرار دیا ہے کہ اہل قرآن قرآن کیساتھ ہی دوسری آسمانی کتابوں کی صداقت کو بھی تسلیم کریں یعنی کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک صحیفہ محمدی کے ساتھ دوسرے پیغمبروں کے صحیفوں کو بھی من جانب اللہ تسلیم نہ کرے، چنانچہ سورہ بقرہ کے شروع والی

ذکرہ بالا آیت کے ساتھ یہ بھی فرمایا،

وَمَا اُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ، (بقرہ ۵-۱۱)

اور جو ایمان لائے اس پر ... جو تجھ سے پہلے اترا

پھر اسی سورہ کے آخر میں فرمایا،

رَسُولِ اِيْمَانٍ لَّيَّا، اس پر جو خدا کی طرف سے اس پر

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنزِلَ اِلَيْهِ

اترا، اور اہل ایمان بھی، ہر ایک خدا پر اس کے

مِنْ دِيْنِهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ

فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر ایمان لایا،

بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهِ وَ كُتُبِهِ، (بقرہ ۲۵-۲۴)

بقرہ کی آیتوں میں بعض انبیاء علیہم السلام کا تفصیلی ذکر ہے اور بقیہ تمام انبیاء کا اسمانی ذکر ہے

ان کی کتابوں اور وحیوں کی تصدیق کا حکم دیا گیا ہے،

قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا
وَمَا أُنزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ
وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ
وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ
النَّبِيُّونَ مِن دُونِهِمْ

(بقرہ ۸ - ۱۶)

آل عمران میں کسی قدر تفصیل ہے،

قُلْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا
وَمَا أُنزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ
وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ
وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ
مِن دُونِهِمْ

(آل عمران - ۵)

(اے مسلمانو! تم کہو کہ ہم خدا پر اور جو کچھ ہماری
طرف آتا گیا، اس پر اور جو کچھ ابراہیم اسماعیل اور
اسحاق اور یعقوب اور خاندان یعقوب کی طرف
آتا گیا، اس پر اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا
اس پر اور جو کچھ اور سب پیغمبروں کو ان کے پروردگار
کی طرف سے دیا گیا، ہم ان سب پر ایمان لائے

کہہ کہ ہم خدا پر اور جو کچھ ہم پر آتا گیا، اس پر اور
جو کچھ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب
اور خاندان یعقوب پر آتا گیا، اس پر اور جو کچھ
موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا، اس پر اور دوسرے سب
پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے جو
کچھ دیا گیا، اس پر ہم ان سب پر ایمان لائے

سورہ نساء میں اس پر ایمان لانے کے حکم کیساتھ ساتھ اسکے انکار کو کفر بھی قرار دیا گیا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَ
رَسُولِهِ وَالْكِتَابَ الَّذِي نَزَّلَ عَلَيَّ
وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابَ الَّذِي نَزَّلَ عَلَيَّ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اور خدا پر اور
رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر
آتا رہا، اور اس کتاب پر جو پہلے آتا رہا اور جس نے

خدا کا اور اُس کے فرشتوں کا اور اُس کی

کتابوں..... کا انکار کیا؟

نہایت سخت گمراہ ہوا،

رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ

قَبْلُ ط وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ

وَكُتُبِهِ..... فَقَدْ ضَلَّ ضَالًّا

بُعِيدًا، (الآية) (نساء - ۲۰)

سورہ مومن میں ان منکروں کو عذاب کی بھی دھمکی دگنی ہو جو کسی پیغمبر کے پیغام کی تکذیب کریں

جن لوگوں نے کتاب کو، اور جو پیغام دیکر

ہم نے اپنے پیغمبروں کو بھیجا، اس کو جھٹلایا

وہ عنقریب جانیں گے، جب ان کی گردنوں

میں طوق اور زنجیریں ہونگی، وہ گھسٹے جائیں گے

الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْكِتَابِ بِمَا أَرْسَلْنَا

بِهِ رَسُولَنَا فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ

إِذَا الْأَعْنَاقُ بُعِيَتْ وَأَعْيُنُهُمْ كَالْحِجَابِ

يَسْمَعُونَ (مومن - ۸)

نام کی تخصیص کے ساتھ قرآن پاک میں چار آسمانی کتابوں کا ذکر ہے، تورہ جس کو ایک جگہ

صحف موسیٰ بھی کہا گیا ہے (اعلیٰ - ۱) اور حضرت داؤد کی زبور، اور حضرت عیسیٰ کی انجیل

اور خود قرآن ان کے علاوہ ایک موقع پر صحف ابراہیم کا بھی تذکرہ ہے۔

یہ باتیں گذشتہ صحیفوں میں بھی ہیں ابراہیم

إِنَّ هَذِهِ الْأَنْبِيَاءُ الْأُولَىٰ

اور موسیٰ کے صحیفوں میں،

صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ (اعلیٰ)

ان کے اسوا اجمال کیساتھ دو موقعوں پر گذشتہ آسمانی کتابوں اور صحیفوں کے الفاظ

کیا اگلے صحیفوں میں جو کچھ ہے، اُس کی

أُولَئِكَ تَأْتِيهِمْ بَيِّنَةٌ مَّا فِي الصُّحُفِ

گو اہی ان کو نہیں پہنچی؟

الْأُولَىٰ، (طہ - ۸)

وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَسْمَانِ (شعراء ۱۱)

اور بے شبہ یہ پہلوں کی کتابوں میں مذکور ہے
 اس بنا پر انبیاء کی طرح ان کتابوں پر بھی ہر مسلمان کا یہی ادر اجمالی ایمان ہے جن کتابوں
 نام مذکور ہیں ان پر ناموں کے ساتھ اور جن کے نام مذکور نہیں ان پر بالاحوال ایمان ضروری ہے کہ
 قوم میں اگر کوئی آسمانی کتاب ہے جس کا وجود قرآن سے پہلے ہی لیکن اس کا تشریحی نام قرآن میں
 مذکور نہیں ہے اور اس میں توحید الہی کی دعوت اور طاغوت سے بچنے کی نصیحت بھی ہے تو اگرچہ ہم اسے
 بتصریح خدا کی کتاب تسلیم نہیں کر سکتے تاہم بالتصریح اس کا انکار بھی نہیں کر سکتے اسی بنا پر آنحضرت
 ﷺ نے یہ فرمایا کہ اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب یہی حال دوسری مشکوک کتابوں کا
 یہود توراہ کے سوا کچھ نہیں مانتے عیسائی توراہ کے احکام نہیں مانتے لیکن اسکی اخلاقی نصیحتوں کو
 قبول کرتے ہیں تاہم انجیل سے پہلے کی دوسری زبانوں اور ملکوں کی آسمانی کتابوں کی نسبت مسلمانوں
 کی طرح ادب اور احتیاط کا پہلو بھی اختیار نہیں کرتے، پارسی اوستا کے باہر خدا کے کلام ہونے کا شبہ
 بھی نہیں کر سکتے اور برہمن ویدوں کے باہر خدا کے فیضان کا تصور بھی نہیں کر سکتے لیکن قرآن پر
 ایمان لانے والا مجبور ہے، کہ صحیفہ ابراہیم توراہ، زبور اور انجیل کو خدا کی کتابیں یقین کرے، اور
 دوسری انکی آسمانی کتابوں کی جن میں آسمانی تعلیمات کی خصوصیتیں پائی جاتی ہوں تکذیب کرے
 کہ انکا کتب الہی ہونا ممکن ہے،

حقیقت میں اسلام کی تعلیم دنیا کی مہتمم باشان تعلیمات میں سے ہے جس کا وجود کسی دوسرے
 مذہب میں نہ تھا، یہ رواداری بے تخصی اور عام انسانی اخوت کی سب سے بڑی تعلیم ہے، یہودی اپنی

۱۔ صحیح بخاری کتاب التوحید و حدیث الانک و تفسیر سورہ بقرہ

کتاب کو چھوڑ کر تمام دوسری آسمانوں کتابوں سے انکار کر کے بھی نجات کا منتظر ہو سکتا ہے عیسائی
 توڑات اور تمام دوسرے صحیفوں کا انکار کر کے بھی آسمانی بادشاہوں کا متوقع ہو سکتا ہے پارسی
 اوستا کے سوا دوسری ربانی کتابوں کو باطل مان کر بھی مینو (جنت) کا استحقاق پیدا کر سکتا ہے،
 ہندو اپنے ویدوں کے سوا دنیا کی ہر آسمانی کتابوں کو دھل و فریب مان کر بھی اوگن سے نجات
 حاصل کر سکتا ہے، بودھ مت والے اپنے سوا تمام دنیا کی وحیوں کا انکار کر کے بھی زرداں کا درجہ
 حاصل کر سکتے ہیں اگر مسلمان جب تک قرآن کے ساتھ تمام دنیا کی آسمانی کتابوں کو منجانباً
 تسلیم کرے، جنت کا مستحق نہیں ہو سکتا،

یہ تعلیم صرف نظریہ کی حیثیت نہیں رکھتی، بلکہ عملاً اس پر اسلامی حکومت کے قوانین، احکام
 اسرائیل، یہودیوں کی نظریں صرف دو ہی قومیں ہیں، بنی اسرائیل اور غیر بنی اسرائیل، یا
 اسرائیل کا گھرانہ، اور غیر قومین یا مخوتان، اور غیر مخوتان، اور انہی دو ذون تقسیموں پر ان کے
 قانون کی بنیاد ہے، عیسائیوں میں مذہبی حیثیت سے سبھی، یہود اور بت پرست گوتم توہین
 مانی جاتی ہیں، مگر چونکہ ان کے مذہب میں قانون نہیں ہے اس لیے وہ اکثر امور میں رومن لاکے پر درج
 ہیں لیکن رومن عیسائیوں میں بھی ملکی حیثیت سے دو ہی تقسیمیں ہیں، رومی اور غیر رومی، ایک رومی ملک میں
 غیر رومی کا کوئی حق نہیں کہ رومی حکومت کیلئے اور غیر رومی غلامی کیلئے پیدا ہوا ہے، پارسیوں میں پاکشادان ایران
 اور بیرونی لوگ دنیا کی دو ہی حیثیتیں ہیں، ہندوؤں میں اونچی ذاتیں اور اچھوت قوموں کی دو ہی صورتیں ہیں
 مگر اسلام کے گذشتہ عقیدہ کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قانونی حیثیت دنیا کی قوموں کی
 چار حصوں میں تقسیم فرمایا، اور ان کے علیحدہ علیحدہ حقوق قرار دیئے جن پر اسلام کی تیرہ صدیوں میں اعمال ہوئے

یہ تقسیم حسب ذیل ہیں،

۱۔ مسلمان جو قرآن اور دوسری آسمانی کتابوں کو کتاب الہیٰ تقیین کرتے ہیں، ان میں سے ہر ایک دوسرے کا بھائی اور بھائی اور برائی میں ایک دوسرے کا شریک ہے، وہ آپس میں ایک دوسرے سے شادی بیاہ کر سکتے ہیں، اور ایک دوسرے کے ہاتھ کا ذبح کیا ہو جائز کھا سکتا اسلام کی سلطنت میں ان کے حقوق یکساں ہیں،

۲۔ اہل کتاب یعنی ان کتابوں کے پیروجن کے نام قرآن میں مذکور ہیں، یہ یوں کہو کہ جو قرآن کو گو آسمانی کتاب نہیں مانتے، مگر ان کتابوں میں سے جن کا نام قرآن میں مذکور ہے کسی کو گو آسمانی کتاب مانتے ہیں، وہ اپنی حفاظت کا مالی ٹکس (جزیہ) ادا کر کے اسلامی حکومتوں میں رہ سکتے ہیں، ان کے معاہدہ اور مذہبی عمارتیں محفوظ رہتی ہیں، ان کو اپنے مذہب کے بدلے پر مجبور نہیں کیا جاتا، ان کی جان و مال اور عزت کے مسلمان محافظ ہوتے ہیں، ان کی عورتوں سے مسلمان نکاح کر سکتے ہیں، اور ان کے ہاتھ کا ذبح کیا ہو جائز کھا سکتے ہیں، ان کا جائز کھانا ہم کھا سکتے ہیں اور ہم اپنا کھانا ان کو کھا سکتے ہیں،

۳۔ شبہ اہل کتاب یعنی وہ لوگ جو قرآن اور توراہ و انجیل و زبور کو نہیں مانتے مگر وہ خود اپنے لیے کسی آسمانی کتاب پر ایمان لانے کے مدعی ہیں، جیسے صابئی جو ایک آسمانی کتاب کے دعویٰ کے باوجود ستارون کو پوجتے تھے، اور مجوس یعنی پارسی جو ایک آسمانی کتاب رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں، اور ساتھ ہی سورج، آگ، اور دیگر مظاہر قدرت کی پرستش کرتے ہیں، ترکستان اور ہندوؤں کی فتح کے موقع پر ہلانے اسلام نے انہی پر قیاس کر کے ہندوؤں اور بودھوں وغیرہ کو

بھی اسی صنف میں داخل کیا، مسلمان اُن کی عورتوں سے نکاح نہیں کر سکتے، اور اُن کا ذبیحہ نہیں کھا سکتے، ان دو باتوں کے علاوہ اہل کتاب کے بقیہ تمام حقوق آنحضرت ﷺ نے اُن کو عطا کیے ہیں، وہ اسلامی حکومتوں میں اداے جز یہ کے بعد ہر قسم کے ملکی حقوق میں شریک ہیں، اُن کی جائیداد و آب و اور اُن کے معبودوں کی حفاظت اسلامی حکومتوں کا فرض ہے،

۴۔ کفار و مشرکین یعنی وہ لوگ جن کے پاس کوئی آسمانی کتاب ہے، اور نہ وہ کسی دین الہی کی طرف منسوب ہیں، اُن کو چند شرائط کے ساتھ امن دیا جاسکتا ہے، لیکن حقوق حاصل کرنے کے لئے اُن سے کہا جائے گا کہ وہ کسی نہ کسی آسمانی دین کے اندر اپنے کو داخل کر لیں، جیسا کہ عباہیوں کے ابتدائی زمانہ میں حرائی عاقبوں نے اپنے کو صابئیوں میں داخل کر کے اپنے حقوق حاصل کئے تھے،

اس تفصیل سے معلوم ہو سکتا ہے، کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی اس تعلیم نے دنیا میں امن و امان اور مسلمانوں میں مذہبی رواداری کے پیدا کرنے میں کتنا عظیم الشان حصہ لیا، یہی وہ نظریہ تھا، جس نے مسلمانوں کو اپنی مذہبی عقائد و شریعت کی سخت پردی کے باوجود دنیا کی دوسری قوموں کیساتھ مشارکت و میل جول کے لئے آمادہ کیا، اور مجوسیوں، صابئیوں، یہودیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں کے ساتھ مل کر مختلف ملکوں میں اُن ملکوں کے مناسب مختلف تمدنوں کی بنیاد رکھنے کی اُن میں قوت پیدا کی

وعدۃ الادیان | تمام رسولوں اور اُن کے صحیفوں کی تصدیق کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ محمد رسول اللہ کی تعلیم یہ ہو کہ آدم سے لیکر محمد علیہما السلام تک جتنے سچے مذہب خدا کی طرف سے آئے وہ سب ایک تھوڑا بچہ اور حقیقت آپ کی ہی تعلیم تھی، اسلئے اسی ایک مذہب کا نام ہے، جو آدم سے محمد علیہما السلام

ہر بارمی باری پیغمبروں کے ذریعہ سے آتا رہا، اور انسانوں کو اس کی تعلیم دی جاتی رہی،
 صحیفہ محمدی نے ہمارے سامنے دو لفظ پیش کئے ہیں ایک دین اور دوسرا شرع ہنسک
 اور مہناج، شرع اور مہناج کے معنی راستہ کے ہیں اور ہنسک کے معنی طرق عبادت کے ہیں، دنیا میں
 یہ راز سے پہلے محمد رسول اللہ ﷺ کے قلب پاک پر منکشف ہوا کہ دین الہی ہمیشہ سے ایک تھا
 ایک رہا اور ایک رہے گا اور معرفت ایک ہو خواہ وہ کتنی ہی مختلف شکل و رنگ کی قدیوں میں روشن
 اصل دین میں تمام پیغمبروں کی تعلیم یکساں تھی، ایک ہی دین تھا، جس کو لیکر اول سے آخر تک تمام
 انبیاء آتے رہے، اس میں زمان و مکان کے تغیر کو کوئی دخل نہ تھا، اور نہ قوم و ملک کے اختلاف سے اس میں
 کوئی اختلاف پیدا ہوا، وہ ہر زمانہ اور ہر مقام میں یکساں آیا، اور وہ ان پیغمبروں نے اس کی یکساں تعلیم دی
 یہ دائمی حقیقت اور یکساں تعلیم کیا ہے؟ یہ مذہب کے اصل اصول ہیں یعنی خدا کی ہستی، اسکی
 توحید، اس کے صفات کاملہ، انبیاء اور مرسلین کی بعثت خدا کی خالص عبادت، حقوق انسانی، اخلاق
 فاضلہ، اچھے اور برے اعمال کی باز پرس، اور جزاء و سزا، یہ تمام مذاہب کے وہ بنیادی امور ہیں جن پر
 جملہ مذاہب حقہ کا اتفاق ہے، اگر ان میں کسی جہت سے کوئی اختلاف ہو تو طریقہ تعبیر کی غلطی ہو
 یا باہر سے آکر اس تعلیم میں کوئی نقص شامل ہو گیا ہے،
 دوسری چیز جس کو آنحضرت ﷺ کی زبان وحی ترجمان نے شرعاً مہناج، اور
 ہنسک کہا ہے وہ جزئیات احکام اور متفقہ مقصد کے حصول کے جدا جدا راستے ہیں جو ہر قوم و مذہب
 کی زمانی و مکانی خصوصیات کے سبب بدلتے رہتے ہیں، مثلاً عبادت الہی، ہر مذہب کا جزو لازم ہے
 لیکن طریق عبادت میں تھوڑا تھوڑا اختلاف ہر مذہب میں موجود ہے عبادت کیلئے کوئی خاص سمت ہے

مذہب نے مقرر کی ہے، مگر وہ سمت خاص خاص مصلحوں کے لحاظ سے مختلف مقرر کی ہوئی ہے۔
 طرح اعمال قبیحہ کا انہماک تمام مذاہب کا متفقہ نصب العین ہے، مگر اس انہماک کے راستے اور
 طریقے جدا جدا ہیں، غرض یہ راستے اور طریقے مختلف پیغمبروں کے زمانے میں اگر اصلاح و تہذیب
 کے قابل پائے گئے تو بدلتے رہے، مگر اصل دین جو ازلی سچائی اور ابدی طاقت ہے، قابل تبدیل
 اور ناقابل تغیر رہا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کا دنیا میں وقتاً فوقتاً ظہور اسی ضرورت سے ہوتا رہا کہ وہ اسی ازلی و
 ابدی صداقت کو ہمیشہ اہل دنیا کے سامنے پیش کرتے رہیں، اور دین کو اس کے اصل مرکز پر ہمیشہ
 قائم رکھیں، اور ساتھ ہی اپنی اپنی قوم و ملک اور زمانہ کے حالات کے مطابق خاص احکام اور جزئیات
 جو قوم کے مناسب حال ہوں، وہ اس کو بتائیں اور سکھائیں،

انبیاء کے سوا سچ پر نظر کرنے سے اس کی پوری تصدیق ہوتی ہے، کہ ایک صاحب شریعت
 نبی کے بعد دوسرا صاحب شریعت نبی اسی وقت مبعوث ہوا ہے، جب کہ اگلا صحیفہ وحی جو دنیا
 و شریعت کا محافظ تھا، کھو گیا، یا انسانی دست برد سے ایسا بدل گیا کہ اسکی اصلیت مشتبہ ہو گئی
 صحیفہ ابراہیم کے گم ہو جانے کے بعد جس کا نہایت ناقص خلاصہ توراہ کے سفر تکوین میں ہے، صحیفہ موسیٰ
 نازل ہوا، صحیفہ موسیٰ کے نو پیدا اختلاف کو دور کرنے کے لیے زبور وغیرہ مختلف صحیفے آتے رہے پھر
 انجیل آئی اور انجیل میں انسانی تصرفات کے راہ پانے کے بعد قرآن آیا، چونکہ قرآن دنیا کے آخر تک
 کے لیے آیا ہے، اس لیے ہر تحریف اور انسانی تصرف سے اس کی حفاظت کی گئی ہے، اور قیامت
 تک کی جائے گی، اسی لیے اس کے بعد کسی اور صحیفہ کی ضرورت نہیں ہے اور نہ کسی پیغمبر کی بعثت

کی حاجت ہی، البتہ اس کے معافی کی صحیح تشریح اور بدعات و احداثیات کے اسناد کے لئے ائمہ، خلفائے مجددین، محدثین، اور علمائے راہنہین پیدا ہوتے رہے ہیں، اور ہوتے رہیں گے، اور ان کی اصلاح کی صداقت کی پہچان سنتِ محمدیؐ کا احیاء اور بدعات کا قطع و قمع ہی،

اب ہم کو پھر اوپر سے چلنا ہے، اور اپنے ایک ایک دعویٰ کو وحیِ محمدیؐ کی روشنی میں دیکھنا ہی

وحدتِ دین کی حقیقت کو وحیِ اسلامی کے آخری ترجمان نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے

اس نے دین میں میرے لئے وہی راہ مقرر

کی جو نوح سے کئی تھی، اور ہم نے تیرے پاس

جو حکم بھیجا اور جو کہہ دیا، ہم نے ابراہیم سے

موسیٰ سے اور عیسیٰ سے، یہ کہ دین کو قائم رکھو

اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو، مشرکوں کو جھڑپو

بلا تا ہی، وہ ان پر گران گذر تا، خدا اپنی طرف

جس کو چاہتا ہی چن لیتا ہے، اور اپنی طرف

اس کو راہ دیتا ہے جو (اسکی طرف) رجوع

ہوتا ہی اور یہ تفرقہ لوگوں نے وحیِ کامِ حقیقی

ملنے کے بعد آپس کی ضد اور تعصب سے پیدا

کیئے ہیں، اور اگر تیرے رب کی طرف سے ایک

بات وقت مقررہ تک کیلئے نہ ہو چکی ہوتی

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ

بِهِ نُوْحًا وَّ الَّذِي اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ

وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوسٰى

وَعِيسٰى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّينَ وَلَا

تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ط كَبُرَ عَلٰى الْمُشْرِكِيْنَ

مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ط اَللّٰهُ يَخْتَبِرُ

اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَيَهْدِيْ اِلَيْهِ مَنْ

يُّنٰبِ، وَا مَا تَفَرَّقُوْا اِلَّا مِنْ بَعْدِ

مَا جَاءَهُمْ الْعِلْمُ بِنَبِيٍّ مِّنْهُمْ وَ

لَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ اِلَى

اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّفُضِيَ بَيْنَهُمْ ط وَاِنَّ

الَّذِيْنَ اُوْرثُوْا الْكِتٰبَ مِنْ بَعْدِهِمْ

تو رکشفِ حقیقت کر کے ان کے اختلافات کا
فیصلہ کر دیا جاتا، اور جن کو ان اگلوں کے بعد کفار
وراثت میں ملی، وہ اس امر حق کی طرف سے ایسے
شک میں ہیں، جو ان کو چین چین لینے دیتا سو تو
سب کو اسی حقیقت کی طرف بلا، اور اسی پر
استواری سے قائم رہ، جیسا کہ تجھ کو حکم دیا گیا
اور ان تفرقہ اندازوں کی غلط خواہشوں کی پیروی
نہ کر، اور کہہ کہ میں ایمان لایا، ہر اس کتاب پر جو خدا
نے آما رہی اور مجھے حکم ملا، کہ میں تمہارے پیچ میں

انصاف کروں، ہمارا رب اور تمہارا رب

وہی ایک اللہ ہے، ہم کو ہمارے کاموں کا بدلہ دینا

لَيْفِي شَكٍّ مِنْهُ مَرْيَبٌ، فَلَنْ يَلْفَ
فَادْعُ وَسَتَقُولُ كَمَا أَمَرْتُ، وَلَا
تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ هُمْوَءٍ وَقُلْ أَمَّنْتُ بِمَا
أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ رَجِيحٍ وَأَمَرْتُ
لَأَعْدَلَ بَيْنَكُمْ، اللَّهُ سَرَّ بَيْنَنَا
وَرَشِكُمْ لَنَا أَعْمَالَنَا، وَلَكُمْ
أَعْمَالَكُمْ، لَا حِجَّةَ بَيْنَنَا وَ
بَيْنَكُمْ، اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا، وَ
إِلَيْهِ الْمَصِيرُ

(شوری - ۲)

اور کہ تمہاری کاموں کا ہم میں کچھ جھگڑا نہیں، اللہ سب کو اکٹھا کرے گا اور اسی کی طاقت پر جاننا ہے

ان آیات مبارکہ میں کس خوبی کے ساتھ اس حقیقت کے چہرہ سے پردہ اٹھا گیا، اور
بتایا گیا ہے کہ وہی ایک دین ہے، جو نوح کو، ابراہیم کو، موسیٰ کو، اور تم کو اسے محمد (صلوات اللہ علیہ وسلم) عطا کیا
گیا ہے، اگلوں کے بعد پھلوں نے جن کو یہ کتاب ملی، اپنے ذہنی تحریفیات اور دستی تصرفات سے
اس میں تفرقے پیدا کئے، اور آپس کی ضد اور تعصبات سے فرقہ واری کی الگ الگ راہیں نکالی
پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اس وحدتِ دین کی حقیقت کا یقین اہل کتاب کو نہیں ہے، حالانکہ وہ شکوک و شبہات
کے دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں، پھر حکم ہوتا ہے کہ اے محمد رسول اللہ! تم اس حقیقت کی طرف

لوگوں کو بلاؤ، اور استواری کے ساتھ اپنی اس دعوت اور دعویٰ پر قائم رہو، اور یہ اعلان کرو کہ میرا مسلک یہ ہے کہ خدا کی طرف سے جو کتاب بھی دنیا میں آئی ہو میں اس کی صداقت کو تسلیم کرتا ہوں اور تم اے اہل کتاب جو مختلف فرقوں اور مذہبوں میں بٹ گئے ہو، تمہاریساتھ انصاف کرو یعنی جس میں جو سچائی ہے اس کو قبول کرو۔ یا معاملات میں تمہاریساتھ عدل و انصاف کرو پھر فرمایا ہمارا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے، دو نہیں، اگر اتحاد چاہو، تو اس نقطہ پر ہم تم سے ہو سکتے ہیں، البتہ ہمارے اور تمہارے راستوں میں جو اختلاف ہے اس کے ذمہ دار ہم تم خود ہیں، نہ تم ہمارے کاموں کے جوابدہ ہو اور نہ ہم تمہاری کاموں کے، اب ہمارے درمیان یہاں کوئی جھگڑا نہیں، اسی وحدت کی دعوت محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان وحی نے ایک درایت میں ہی

| | |
|---|--|
| یَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ | اے کتاب والو! آؤ، ہم تم ایک بات پر جو ہے |
| سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ | تمہارے درمیان یکساں ہے، ہمتوں ہو جائیں |
| إِلَى اللَّهِ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَ | وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی پرستش نہ کریں |
| لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ | اور نہ کسی کو اس کا شریک بنائیں، اور نہ |
| اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا | آپس میں ایک، ایک کو خدا کو چھوڑ کر رب بنائے |
| بِأَنَّا مُسْلِمُونَ، | اگر وہ اس کو قبول نہ کریں تو کہہ دے کہ تم گواہ |

(ال عمران - ۶۴) رہو کہ ہم حکم الہی کے تابع مسلم، ہیں،

یہود و نصاریٰ جنہوں نے اپنی فرقہ واریوں سے اصل دین میں تفریق پیدا کر دی تھیں

ان کی طرف اشارہ کر کے محمد رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا،

إِنِّ الدِّينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا
بَشِيكاً دُهَجْمُونَ نَعَى دِينِ مِى الْكَلْبِ الْكَلْبِ
شَيْعَا لَسْتَ مِنْهُمُ فِى شَيْءٍ ط إِنَّمَا
كُونِى وَاسِطَةً بَيْنَهُمْ وَإِنِّ كَمَا مَعَالِمِ اللّٰهِ كَمَا جَوَالِدِ
كَانُوا يَفْعَلُونَ (انعام - ۲۰)

پھر دونوں کو اس کے بعد ہی اصل دینِ قیم کی جو ابراہیم کا تھا دعوت دی گئی،
قُلْ إِنِّى هَدَى رَّبِّى إِلَى صِرَاطٍ
مُسْتَقِيمٍ دِينًا قِيمًا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ
حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (انعام ۲۰) مذہب اور وہ (ابراہیم) مشرکوں میں سے نہ تھا

غرض اسلام وہ دینِ قیم ہی جو ہمیشہ انبیاء کا دین رہا، اور موجودہ دینِ اسلام جو دونوں
کی تحریفات و تصرفات اور فرقہ پروریوں کو مٹا کر اسی ایک متحدہ دین کی پکار ہے جس کی طرف
انبیاء اپنے اپنے زمانوں میں ہمیشہ لوگوں کو بلاتے رہے، اسی لیے اکثر انبیاء علیہم السلام کے ناموں
کو گنانے کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت فرمائی گئی،

أَوَلَيْكَ الذِّنُّىنَ هَدَى اللّٰهُ
بِهِدً اللّٰهُمَّ اقْتَدِ بِهِ (انعام - ۱۰)

یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی
سو تو انہی کی راہ چل،

بعض اسلامی حدود و شرائع کی تشریح کے بعد فرمایا گیا،

يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذِينَ لَكُمْ وَيُهْدِيَكُمْ
سُنَنَ الدِّينِ مِّنْ قَبْلِكُمْ (نساء - ۵)

خدا چاہتا ہے کہ تمہارے واسطے بیان کرے
اور تم کو ان کے راستے دکھائے جو تم سے پہلے تھے

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام اپنے حدود و شرائع میں بھی اگلے پیغمبروں کی تعلیمات کیساتھ
اتحاد رکھتا ہے اور یہ امر واقعہ ہے جو لوگ قرآن کا اسلٹھا نکھا کرتے تھے کہ یہ کوئی الگ صحیفہ ہے ان کا کیا

إِنَّ هَذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ

بے شبہ یہ بات، اگلے صحیفوں میں تھی، یعنی

صُّحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ، (اعلیٰ-۱)

ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں،

ایک اور آیت میں کہا گیا،

وَأَنَّ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ، (شعراء-۱۱)

اور یہی پہلے پیغمبروں کی کتابوں میں تھا،

ایک مقام پر یہ فرمایا گیا،

مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لَكَ مِنْ قَبْلِكَ

(بے محمد) تجھ سے (اس کتاب میں) وہی کہا

مِنْ قَبْلِكَ ۗ (حم السجدة ۵-۸)

گیا ہے جو تجھ سے پہلے پیغمبروں سے کہا گیا،

اس اعلان میں یہ ظاہر کر دیا گیا کہ محمد رسول اللہ (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) سے وہی کہا گیا جو اگلے

پیغمبروں سے کہا جا چکا تھا، ان معنوں میں قرآن کوئی نئی دعوت لیکر نہیں آیا ہے بلکہ یہ اسی پرانی دعوت
کی تکرار ہے جس کی آواز دنیا سے گم ہو چکی تھی، یاد بگئی تھی، اگر فرق ہے تو اجمال و تفصیل، یا
تکمیل کا کہ اسلام گزشتہ اجمال کی تفصیل اور دین سابق کی تکمیل ہے۔

اس لئے اسلام یہ ہے کہ اس پر یقین کیا جائے کہ وحی کے آغاز سے آخر تک ایک ہی پیغام

تھا جو آتا رہا، ایک ہی دین تھا، جو سکھایا جاتا رہا، اور ایک ہی حقیقت تھی جو دہرائی جاتی رہی لیکن

وہ بار بار انسانوں کے نسیان و تنافل اور تصرف و تحریف سے بدلتی رہی گم ہوتی رہی، اور آخری

دفعہ دنیا کے کمالِ باوغ کے زمانہ میں وہ پوری حفاظت کے وعدہ کیساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے

اور کامل ہو کر نازل ہوئی، اور قیامت تک محفوظ و باقی رہے گی،

دوسری چیز جس کی مذہب میں ثانوی حیثیت ہے، اور جو اصل مقصد نہیں، ذریعہ ہر ذمہ بدلتی رہتی ہے، اور عبد محمدؐ تک برابر بدلتی رہی ہے، اُس کا نام شرع، منہاج اور منک ہے۔ یہودیوں کو آنحضرت ﷺ پر اعتراض تھا کہ آپ یہودی شریعت کے جزئیات میں کیوں تبدیلی کرتے ہیں، قرآن نے اُس کے جواب میں یہی ہمیشہ کہا کہ یہ مقصود نہیں ذرائع ہیں، اصول نہیں۔ فردع میں ہر قوم کی مناسبت سے اُن میں تغیر ہوتا رہا ہے، اور ہوتا رہے گا، اس کی ایک مثال قبلہ ہے، کہ مقصود اصلی نماز ہے، اور سمت کا تعین ایک فرعی اور ثانوی چیز ہے، بنی اسرائیل کو اپنی آبائی مسجد (بیت المقدس) سے گرویدگی تھی، وہ ان کا قبلہ ہوئی، براہیہ عربوں کو اپنی مرکزی مسجد (مکہ) سے وہی دلچسپی اور لگاؤ تھا، اس لیے اُن کا قبلہ نبی، چنانچہ قرآن نے تعین قبلہ کے موقع پر کہا،

وَلِكُلِّ وَّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيٰهَا فَاسْتَبِقُوا

اور ہر ایک کے لئے ایک سمت ہے جو حدھودہ

منہج کرتا ہے سو تم نیکیوں کی طرف سمت کرو

(الحیرات، (بقرہ ۱۸۰ - ۱۸۱)

یعنی سمتوں اور تہوں کی تعین کو اہمیت کی چیز نہ سمجھو بلکہ نیکیوں کو اصلی اہمیت دیا سکتے ہو

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ

نیکی یہی نہیں ہے کہ تم پورب یا پچیم کی طرف

قَبْلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ

رخ کرو، بلکہ نیکی یہ ہے کہ جو ایمان لائے

الْبِرُّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ الْاٰیۃِ (بقرہ ۱۷۷)

(اور وہ جس نے نیک کام کرے)

اسی طرح خانہ کعبہ کجج یہودیوں میں نہ تھا، اسلام نے جب اس کو رکھا کیا تو کہا

نے اپنے عام مذہبی اجتماع اور قومی عبادت کے لئے کوئی نہ کوئی طریقہ ضروری کیا اور اسلام نے فراموش

کے حج کو اس لیے تجویز کیا ہے،

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا لَهَا مِنْكُمْ رَسُولًا
فَلَا يَنبَأُ عَنكَ فِي الْأُمُورِ
إِلَىٰ رَبِّكَ طِائِفًا لِّعَلَىٰ هُدًى
مُّسْتَقِيمٍ وَإِنْ جَادَ لَوْكَ فَقُلْ
اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ،

(حج - ۹)

ہر قوم کے لیے ہم نے عبادت کا طریقہ بنایا
جس کی اس قوم کے لوگ مذہب یا پندی کرتے
ہیں، سو اس بات میں وہ تجھ سے جھگڑانہ کرتے
تو اپنے رب کی طرف بلائے جاؤ بیشک سوچو
کی سیدھی راہ پر ہی اور اگر وہ تجھ سے جھگڑانے
لگیں تو کہو کہ اللہ بہتر جانتا ہے جو تم کرتے ہو

سورہ مائدہ میں عدل و انصاف اور قانونی جزا و سزا کے طریقوں کے ضمن میں ان
یہودیوں اور عیسائیوں سے جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا، یہی کہا گیا کہ وہ اپنی اپنی کتابوں
ہی کے احکام پر عمل کریں جن کو وہ چھوڑ بیٹھے ہیں،
پہلے یہودیوں سے کہا،

إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى
وَأَنْوَارٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ
اسْتَمَرُوا لِلدِّينِ مِنْ هَادٍ وَأُولَ الْأَنْبِيَاءِ
وَالْأَحْبَادِ بِمَا اسْتَحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ
وَكَانُوا عَلَيْهِ شُرُكًا عَرَامًا ذٰلِكَ

ہم نے توراہ اتاری، اس میں ہدایت،
اور روشنی تھی، پیغمبر جو حکم دیتے تھے وہ
یہود کا فیصلہ کرتے، اور ان کے عالم
نقیہ کہ اللہ کی کتاب پر وہ گمان تھے
اور وہ تھے اس پر خیر دار،

پھر عیسائی شریعت کی نسبت کہا:-

وَقَفَّيْنَا عَلَى آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ
 مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ
 التَّوْرَةِ وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ
 هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ
 يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَهُدًى مَّا وَدَّ
 مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ وَلِيَحْكُمُوا أَهْلَهُ
 الْإِنجِيلَ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ

اور ہم نے ان پیغمبروں کے پیچھے مریم کے بیٹے
 عیسیٰ کو بھیجا، سچ بتاتا ہوا اس کو جو اس کے
 پہلے تھا یعنی تورات اور ہم نے اس کو انجیل دی
 اس میں ہدایت اور روشنی (ہے) اور تصدیق
 کرتی ہوئی اپنے سے پہلے کی یعنی تورات کی، اور
 ہدایت اور نصیحت پر ہنر بخارون کیلئے اور چاہیے کہ
 انجیل والے اس کا حکم دین جو اس میں خدا نے اتارا

۱۰۰۰۱۰۰

اس کے بعد آنحضرت صلی علیہ وسلم کو خطاب کر کے کہا :-

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا
 لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيِّمًا
 عَلَيْهِ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ
 وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ
 مِنَ الْحَقِّ (مائدہ - ۷)

اور ہم نے تیری طرف یہ کتاب سچائی کیساتھ
 اتاری جو اپنے پہلے کی کتاب کی تصدیق کرتی ہے
 اور امانت کیساتھ اس پر شامل ہو سوتوان کے
 درمیان اس کے مطابق فیصلہ کر جو خدا نے اتارا اور
 تیری پاس جو سچائی آئی ہو اس کو چھوڑ کر ان کی

جو پیروی کرنی ہے

دیکھو کس خوبی کیساتھ صحیفہ محمدیؐ نے اگلی کتابوں کی تصدیق اور مدح و تعریف کی اور ان
 اہل مذاہب کو جو اسلام پر ایمان نہیں لائے اپنی اپنی کتب منزلہ پر عمل کرنے کی دعوت دی اور پھر یہ دیکھو
 کیا کہ قرآن تمام گذشتہ کتابوں پر ایمان و محافظت بنکر آیا ہے اور اس میں ان سب کتابوں کی سچائی
 یکجا ہے لیکن ان لوگوں نے اپنی اپنی کتابوں کو چھوڑ کر اسے (غلط فہم ہونے) کی پیروی شروع کر دی

یہ ہوا کیا ہیں کتاب الہی میں تحریف و تصرف کر کے آسانیاں پیدا کرنا اور احکام الہی کے مقابلہ میں
 انسانی اجتہادات کی آمیزش (فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُمُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا
 مِنْ عِنْدِ اللَّهِ افسوس ہو ان پر جو اپنے ہاتھوں سے کتاب بناتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ یہ خدا کی
 طرف سے ہے، (بقرہ - ۹) آنحضرت ﷺ کو حکم ہوتا ہے کہ شریعت الہی کو چھوڑ کر ان
 اہل کتاب کی ہوا کی پیروی نہ کریں، اس کے بعد دو جزا، دستار میں ان خفیف اختلافات،
 تہذیبوں کو جو تورات، انجیل اور قرآن میں ہیں، غیر اہم بتایا گیا، فرمایا :-

لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَ
 مِنْهَا حَاطَ (مائیدہ - ۴۷) اور ایک راستہ بنا دیا،
 ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک دستور

انہی اختلافات کی بنا پر یہود اور نصاریٰ دونوں ایک دوسرے کو برسرِ باطل کہتے تھے،

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَنَسْتَبِطَنَّ النَّصَارَىٰ
 عَلَىٰ شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارَىٰ لَنَسْتَبِطَنَّ
 الْيَهُودَ عَلَىٰ شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ (بقرہ ۱۳) وہ دونوں خدا کی کتاب پڑھتے ہیں،
 دونوں مل کر مسلمانوں سے کہتے تھے،

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ
 تَهْتَدُوا ذَن (بقرہ - ۱۳) ہدایت پاؤ گے،
 اور انہوں نے کہا کہ یہودی یا نصرانی بن جاؤ تو

ارشاد ہوا کہ تم دونوں اپنے اپنے الگ راستوں کو چھوڑ کر اور اصل دینِ ابراہیمی پر متفق ہو جاؤ،
 قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَ
 کہ بلکہ ابراہیم کے دین کی پیروی کر دو جو مرقہ

مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ قُولُوا آمَنَّا
 بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَى
 إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ
 وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ
 وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفِيقُ
 بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ
 فَإِنِ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ
 حُنِّدْنَا وَإِنِ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي
 شِقَاقٍ ج (بقرہ ۱۷۶-۱۷۷)

اور اگر وہ کفر کرنا کریں تو ہمیں خدا اور فرشتے پر

یہود اور نصاریٰ کو یہ دعویٰ تھا،

لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ
 هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ، (بقرہ ۱۳۰-۱۳۱)

جواب دیا گیا،

تَلَفَ أَمْ أَنِمْهُمْ (بقرہ ۱۳۰-۱۳۱)

بلکہ

لَنْ يَمُوتَ أَسْلَمًا وَجْهًا لِلَّهِ وَهُوَ
 مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرٌ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ

تھا، مشرک نہ تھا، تم لوگ کہو کہ ہم خدا پر
 جو کچھ ہماری طرف اترا، اور جو براہیم، ادا
 اسمیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد
 پر اتارا گیا، اور جو موسیٰ، اور عیسیٰ کو دیا گیا، اور
 جو سب نبیوں کو ان کے خدا کی طرف سے دیا
 گیا، سب پر ایمان لائے، ہم ان رسولوں
 پر میں فرق نہیں کرتے، اور ہم اس ایک خدا
 کے تابع ہیں، تو اگر یہ بھی اسی طرح لائیں جس
 طرح تم ایمان لا ہو تو انھوں نے ہدایت پائی

یہود اور نصاریٰ کے سوا کوئی حقیقت میں داخل
 نہ ہوگا،

یہ ان کی باطل آرزو میں ہیں،

ان جس نے بھی اپنے کو خدا کا مطیع بنایا
 اور وہ نیکو کار ہے، تو اسکی مزدوری اس کے

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يُجْزَوْنَ (بقرہ ۱۳) خدا کے پاس ہر نہ ان کو خوف ہوگا اور نہ نعم،

تمام اہل مذاہب کو یکساں خطاب کر کے فرمایا،

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا

بیشک جو ایمان لائے (یعنی مسلمان) جو یہودی

وَالنَّصَارَى وَالصَّابِئِينَ مَن آمَنَ

ہوئے اور نصاریٰ اور صائبی، جو بھی خدا پر،

بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا

آخری دن پر ایمان لایا، اور نیک عمل کیا تو انکی

فَنَهُمُ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ

مزدوری ان کے پروردگار کے پاس ہر نہ ان پر

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يُجْزَوْنَ (بقرہ ۸۰)

خوف ہوگا، نہ وہ غمگین ہوں گے،

اب جو ایمان لائے یعنی مسلمان، اور جو یہودی بنے، اور نصاریٰ اور صائبین ان میں

سے جو بھی اپنے اپنے دور نبوت میں خدا کی توحید پر، روز آخر کی صداقت پر ایمان لایا، اور اچھے

عمل کئے، ان کو اپنی کا پورا ثواب ملے گا یعنی جس نے بھی اپنی اپنی پیغمبری کی اصلی تعلیم اور سچی شریعت کے مطابق جو نیک

و کفر اور بت پرستی سے یقیناً پاک تھی عمل کیا اسکو اس کا ثواب ملے گا، خدا کی توحید اور روز آخر کی صداقت پر

ایمان لانا اور اچھے کام کرنا صرف عقل کی ہدایت سے نہیں ہو سکتا، بلکہ کسی رسول کی تعلیم ہی سے ہو سکتا ہے،

اور اس پر تمام اہل مذاہب کا اتفاق ہے اس لئے رسالت کی تصدیق بھی اس کے ضمن میں داخل ہے کہ

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ

بیشک جو اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں

وَيُرِيدُونَ أَن يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ

اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں میں

وَيَقُولُونَ لَوْ أَنَّا نَسُوا اللَّهَ وَرُسُلَهُ لَكُنَّا

جدا ہی کر رہے اور کہتے ہیں کہ ہم کسی کو مانتے ہیں اور

بَعْضٌ وَيُرِيدُونَ أَن يُتَّخَذَ وَابِعَيْنَا

کسی کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ وہ اس میں

درمیان کار راستہ اختیار کریں، وہی حقیقی کافر
ہیں، اور ہم نے کافروں کے لئے اہانت کرنا
مذاب تیار کیا ہے، اور جو لوگ اللہ اور اس کے
رسولوں پر ایمان لائے، اور ان میں سے کسی کا
بھی انکار نہیں کیا، یہ وہ ہیں جن کو انکی مزدواری
خدا دیگا، اور خدا بخشنے والا رحیم کریم والا ہے،

سَبِيلًا، أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ
حَقًّا، وَاعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا
مُّهِينًا وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ
وَلَمْ يَفِرُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ، أُولَٰئِكَ
مَنُوفٌ يُؤْتِيهِمُ أَجْرَهُمْ وَكَانَ
اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا، (نبیاء - ۲۱)

دوسری آیت میں ہے،

مومن وہی ہیں جو خدا اور اس کے رسول پر
ایمان لائے،

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ
وَرُسُلِهِ، (نور - ۹)

اس بنا پر ان آیتوں سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ قبول عمل کے لئے ایمان شرط ہے
دوسری یہ کہ ایمان و عمل کے لئے نبی کی تصدیق ضروری ہے، اسی لئے اوپر جن چار فرقوں کا ذکر ہوا، وہ
چاروں وہ ہیں جو کسی نہ کسی ہمنیبر کے ماننے والے ہیں، اس بنا پر کامل اسلام یہ ہے کہ تمام رسولوں
کو صادق مانا جائے، چنانچہ اس کی تفصیل سورہ مائدہ میں ہے،

کہدے اے کتاب والو! تم کچھ نہیں جانتے تم
تو راہ ادا بخیل کو اور جو کچھ تمہاری طرت امارا
گی، اس کو قائم نہ کرو، اور (اپنی ہمنیبر) جو تیری نظر
اترا ہو وہ ان کی کشتی اور انکار کو اور بڑھائے گا،

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُ عَلَىٰ شَيْءٍ
حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَ
مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ، وَلَيَزِيدَنَّ
كَثِيرًا مِّنْهُمْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ

تو ان منکروں کا غم نہ کر، اُس میں کوئی شبہ
 نہیں کہ جو مسلمان ہوئے اور جو یہودی ہو
 اور صابئی اور عیسائی جو خدا پر اور ذوقِ نبوت
 پر ایمان لایا، اور اچھے کام کئے تو ان پر کوئی
 خون نہیں، اور نہ وہ ننگین ہوں گے،

طَنِينًا وَكُفْرًا جَ فَلَا تَأْسَ عَلَى
 الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
 وَالَّذِيْنَ هَادُوْا اِذَا الصَّابِئُوْنَ وَالنَّصْرٰنِيِّ
 مَنَ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ
 صٰلِحًا فَلَا حَرَجَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
 يَحْزَنُوْنَ، (مائدہ ۵-۱۰)

اس کے بعد ہی اس کا ذکر ہے کہ یہودیوں نے ہمیشہ رسولوں کا انکار کیا، اور نصاریٰ کو
 کو چھوڑ کر تشریفات اور الوہیتِ مسیح میں مبتلا ہو گئے، اس لئے اصل سلام سنیہ ونوں ہٹ گئے ہیں فرمایا
 بیشک ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا، اور انکی
 طرف کئی رسول بھیجے، جب کبھی ان کے پاس
 کوئی رسول ان کی نسانی خواہشوں کے خلاف
 احکام لیکر آیا، تو انھوں نے کتھون کو جھٹلایا
 اور کتھون کا خون کرنے لگے، اور خیال کیا کہ
 اس سے کچھ خرابی نہ ہوگی، سو اندھے ہو گئے،
 بہرے، پھر خدا ان پر رجوع ہوا، پھر ان میں
 بہترے اندھے اور بہرے ہو گئے، اور اللہ
 دیکھتا ہی، وہ جو کرتے ہیں، بے شہدہ کافر
 لَقَدْ اٰخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي اِسْرٰئِيْلَ
 وَاَرْسَلْنَا اِلَيْهِمْ رُسُلًا كَلِمًا جَاءَهُمْ
 رَسُوْلٌ بِمَا لَآ تَهْتٰوْنَ اَنْفُسَهُمْ فَرِيْقًا
 لَّدُوْا وَاَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ وَاَحْسَبُوْا اَلَا
 تَكُوْنُنَّ فِتْنَةً فَعَمَّوْا وَاَصَمُوْا ثُمَّ
 تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمَّوْا وَاَصَمُوْا
 كَثِيْرًا مِّنْهُمْ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا
 يٰعْمَلُوْنَ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ
 اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَاَقَا

الْمَسِيحُ بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ
 رَبِّي وَرَبَّكُمْ طَائِفَةٌ مِّنْ تُشْرِكِ بِاللَّهِ
 فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَا فِيهَا
 النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنَ النَّصَائِذِ
 لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ
 ثَلَاثَةٍ وَوَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا إِلَهُ وَاحِدٌ
 وَإِن لَّمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ
 الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابُ الْيَوْمِ
 (مائدہ ۷ - ۱۰)

ہوئے جنہوں نے یہ کہا کہ مریم کا بیٹا مسیح ہی اللہ
 ہے، مسیح نے تو یہ کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل اللہ
 کو پوجو جو میرا اور تمہارا رب ہے، بیشک جو اللہ
 کا شریک بناؤ گا تو اللہ نے اس پر جنت حرام
 کر دی اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور گنہگاروں
 کی کوئی مدد کرنے والا نہیں ہے شہدہ کافر ہو
 جنہوں نے کہا اللہ تین میں تیسرا ہی حالانکہ کوئی
 اللہ نہیں مگر وہی ایک، اگر وہ اپنا اس قول سے
 باز نہ آئے تو ان میں سے کافروں کو یقیناً دردناک

مذہب جنہوں نے کہا

یہ تو ان یہود و نصاریٰ کے ایمان کا حال تھا، اس کے بعد اسی رکوع میں ان کے

نفسِ عمل کا جائزہ لیا گیا ہے اور اسی کے بعد ہی ان سے کہا گیا ہے،

وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ
 وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوا آلِهَةً
 وَلِلَّهِ كَثِيرٌ مِّنْهُمُ الْفَسِقُونَ (مائدہ ۷)

اور اگر اللہ اور اس نبی پر اور جو اس نبی پر اترا
 اُس پر یہ لوگ ایمان لے آتے تو ان (مشرکوں) کو
 وہ اپنا دوست نہ بناتے لیکن ان میں اکثر نافرمان ہیں

اسلام یعنی تمام نبیوں اور رسولوں کے واحد اور مشترک دین کا اصل لا اصول و باریت

ہیں توحیدِ کامل اور رسالتِ عمومی یعنی اللہ تعالیٰ کو توحید کی تمام صفوں میں کامل بلا شریک نام
 اور اس کے تمام پیغمبروں اور رسولوں کو کسبان صادق اور راست باز تسلیم کرنا، چنانچہ فرمایا،

أَفَعَرِدِينَ اللَّهُ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ
 مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا
 كَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ قُلْ أَمَّا بِلِلَّهِ
 وَمَا نُزِّلَ عَلَيْنَا وَمَا نُزِّلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ
 وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَ
 الْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ
 وَالنَّبِيُّونَ مِنْ دَبْحُولًا فَتَمَرِّقُوا بَيْنَ
 أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ
 مَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ
 يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ
 الْخَسِرِينَ،

رَالِ عَمْرَان - ۱۹

اور وہ اپنے دین میں اللہ سے بڑھ کر کوئی اور دین چاہتے ہیں

کیا وہ دین الہی کے سوا کوئی اور دین چاہتے
 ہیں حالانکہ جو بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہو
 خوشی سے یا مجبوراً خدا کا مسلم یعنی فرمانبردار اور
 کسی کی طرف سے لوٹاؤ جائیں گے (بے پیغمبر) کہہ کر
 ہم اللہ پر اور جو اس نے ہم پر اتارا، اور جو ابراہیم
 پر اور اسماعیل پر اور اسحاق پر اور یعقوب پر اور
 ان کی اولادوں پر اترا اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ
 سب پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے ملا
 ہم سب کی صداقت کو تسلیم کرتے ہیں ہم ان میں
 سے کسی میں کوئی فرق نہیں کرتے، اور ہم اسی خدا
 کے مسلم یعنی فرمانبردار ہیں، اور جو اسلام کے سوا
 کوئی اور دین چاہے گا، تو وہ اس سے قبول نہ کیا جائے گا،

اس آیت سے ظاہر ہے کہ خدا پر اور تمام رسولوں پر ایمان لانا دین اللہ ہے، اور اسی
 کا نام اسلام ہے جس نے اس اصول کو قبول نہیں کیا، وہ آخرت میں نقصان اٹھائے گا، آل عمران
 میں ہے کہ یہود و نصاریٰ تاویلات باطلہ اور اتباع مشابہات کی وجہ سے گمراہ ہو گئے یعنی دین
 اسلام سے روگرداں ہو کر، اختلافات میں پڑ گئے، فرمایا،

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ
 بیشک دین خدا کے نزدیک اسلام ہے ۱۱

وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ اٰذُو الْكِتٰبِ اِلَّا
 مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بِنَبِيِّهُمْ
 وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ
 سَرِيعُ الْحِسَابِ فَاِنَّ حَاجُوَكُمْ فَعُلُّ
 اَسْلَمْتُ وَجَّهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ
 (ال عمران - ۲)

جن کو کتاب دی گئی، انھوں نے علم آنے کے بعد
 اُس میں آپس کی ضد کے سبب اختلاف کیا، جو اللہ کی آیتوں کا انکار کر لیا، تو اللہ جلد حساب
 لینے والا ہے، تو اگر اسے پیغمبر یا حجج سے پھر کجگفتی
 کریں تو کمدے کہ میں نے اور میرے پیروں کے
 تو اپنے گنہگار کا تابع فرمانِ مسلم، کر دیا ہے

اسی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے کہ یہود و نصاریٰ سے سوال کریں کہ

وہ اسلام کو قبول کرتے ہیں یا نہیں ؟

وَقُلْ لِلَّذِيْنَ اٰذُو الْكِتٰبِ وَ
 الْاٰمِيْنَ اَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا
 فَقَدْ اَهْتَدُوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا
 عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَاللّٰهُ يَبْصِرُ الْبٰلِغٰتِ
 (ال عمران - ۲)

اور اے پیغمبر، ان سے جن کو کتاب دی گئی
 اور عہد کے جاہلون سے کہہ دو کہ کیا تم نے بھی
 اسلام قبول کیا، اگر کیا تو انھوں نے سیدھی
 راہ پائی، اور اگر انکار کیا تو حجج پر مرن پہنچا
 دینا ہے، اور اللہ بندوں کو دیکھتا ہے

یہود و نصاریٰ کو اس اسلام کے قبول کرنے پر ہدایت نامہ کے ملنے کی بشارت ہوئی

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام ہدایت نامہ ہے، یہی وہ دین ہے جس کو یہود و نصاریٰ تمام اہل مذاہب نے جو
 کسی گذشتہ پیغمبر کی امت ہون کھو دیا تھا، اور اب جس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے
 دوبارہ دینا میں پیش کیا گیا ہے، اس لئے جو ہدایت ان قوموں کے پاس تھی، وہ ناقص تھی اور

اسلام جس کو لے کر آیا وہ کامل ہے نیز یہ معلوم ہوا کہ جن آیتوں میں یہ کہا گیا ہے کہ اب جو ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور نصرانی اور صابئی جو بھی خدا اور یومِ آخر پر ایمان لایا، اور اُس نے نیک کام کیا، اُس کو خوف و غم نہ ہوگا، اُن میں خدا پر ایمان لانے سے مقصود توحیدِ کامل ہے اور اُس کا یہ منشا نہیں کہ یہود و نصاریٰ اور صابئی وغیرہ اپنے موجودہ گمراہ عقیدوں کے باوجود نجات کے مستحق ہیں، یہود و نصاریٰ کیا مسلمان بھی اُس توحیدِ کامل کے بغیر نجات کے مستحق نہیں، جب تک مسلمانوں کا ایمان اور عمل صالح ٹھیک اُس تعلیم کے مطابق نہ ہو جو ان کے رسول کے ذریعہ سے دنیا میں آئی، یہ اصول ہر ایک کیلئے خواہ وہ مسلمان ہو یا یہودی یا عیسائی ہو یا صابئی، غرض کسی نبی کی پروردگی کا دعویٰ نبوتِ محمدی کا یہ دعویٰ نہیں کہ وہی ایک ہدایت ہے، اور اُس کے سوا سب منزلتِ ہدایت کے

یہ دعویٰ ہے کہ وہی ایک کامل ہدایت ہے، اور بقیہ مذاہب سابقہ موجودہ حالت میں ناقص ہیں یعنی وہ ابدی کامل ہدایت جو اپنے اپنے وقتوں میں سب نبی لیکر آتے رہے، چونکہ اُن کے پرورد اپنے تاویلاتِ تحریفیات، تصرفات، اور اختلافات سے اس کو برباد کر چکے تھے اس لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی کو لیکر آخری وفدِ تشریف لائے، اور اب وہ ہدایت ہمیشہ کامل رہی، کبھی ناقص نہ ہوگی، کیونکہ اُس کا صحیفہ ہدایت (قرآن) تحریف و اختلاف اور تصرف و محفوظ و پاک رہے گا، یہی وجہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کو نبوتِ محمدی کی دعوت جہاں دی گئی ہے، ہدایت کی

بشارت بھی سنائی گئی ہے، چنانچہ اسی آیت میں جو ابھی اور پر گزری، یہ ہے،

وَقُلْ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَتُوا لِّلَّذِينَ آمَنُوا

اے پیغمبر! ان سے جو جن کو کتاب دی گئی اور عرب کے جاہلون سے

ءَاٰمَنُوْا فَاِنَّ اَسْلَمُوْا فَقَدْ هَدَوْا (ال عمران) کہہ کیا وہ اسلام لائے، اگر اسلام لائے تو انھوں نے سیدھی ہدائی

سورہ بقرہ میں ہے،

قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا
وَمَا أُنزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ
وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا
أُوْحِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوحِيَ النَّبِيُّونَ
مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ
مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ فَإِن
أَمْتُوا بِبَيْتِلِ مَا أُمْتُوا بِهِ فَقَدْ أَهْتُوا
وَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقِ

(بقرہ - ۱۷)

یہ وہ بھئی صدیق ہیں

اے مسلمانو! کہو کہ ہم اللہ پر اور جو ہماری
طرف اترنا اور جو ابراہیم پر اور اسماعیل پر اور اسحاق
پر اور یعقوب پر اور ان کی اولاد پر اترنا اور جو
موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور سب پیغمبروں کو ان پر وحی

کی طرف سے دیا گیا، اسب پر ایمان لائے ہم
ان میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور
ہم اسی خدا کے مسلم یعنی فرما بزرگ ہیں تو اگر
یہ بھی اسی طرح نامین جس طرح تم نے مانا تو ہم
نے سیدھی راہ پائی اور اگر وہ اس سے باز رہیں

یہود و نصاریٰ اور اہل کتاب کو تعلیم محمدی کی طرف دعوت اسی ہدایت کے پانے
کے لئے جو جو اسلام یعنی انبیاء کے دین ازلی سے عبارت ہے اور جس کو لیکر محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے اور اب فلاح و نجات اسی کے ماننے پر ہے

جو اس کو جو تیری طرف (اے پیغمبر!) اترنا اور
جو تجھ سے پہلے اترنا دونوں کو اسے میں اور
زندگی پر نشین رکھتے ہیں، وہ اپنے پروردگار کی
ہدایت پر ہیں اور وہی کامیاب ہیں

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ
وَمَا أُنزِلَ مِنْ تَبْلُوكَ وَبِالْآخِرَةِ
هُمْ يُوقِنُونَ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى
مِّنْ رَبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

(بقرہ - ۱۷)

حضرت موسیٰ کے قصہ کے بعد فرمایا، کہ رحمت الہی گو عام ہو مگر یہ نعمتِ خاص طور سے ان کا حصہ ہے جو تعلیمِ محمدی کو قبول کریں، اور وہی نجاتِ کامل کے مستحق ہیں،

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ
فَسَاكِبْهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ
الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِي مُؤْمِنُونَ
الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ
الْأُمِّيَّ الَّذِي يَحْدُثُ ذُنُوبًا مَّكْتُوبًا
عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ
يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ
مُحَرِّمًا عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ
إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ
فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ
وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ
أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ه قُلْ
يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ
حَدَّثَنَا الَّذِي جِيءَ لَكَ السَّمَوَاتِ

اور میری رحمت ہر چیز کو سمائے ہو تو اس رحمت
کو میں ان کے لیے لکھوں گا جو پرہیزگار ہیں اور
زکوٰۃ دیتے ہیں، اور جو ہمارے حکم کو مانتے
ہیں جو اس ان پڑھ، فرستادہ پیغمبر کی پیروی
کرتے ہیں جس کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل
میں لکھا پاتے ہیں، جو ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے
اور بُرائی سے باز رکھتا ہے، اور اچھی چیزوں
کو ان کے لئے حلال کرتا اور بُری چیزوں کو
حرام کرتا ہے، اور ان کے بندھن کو اور ان
زنجیروں کو جو ان پر پڑی تھیں اتار دیتا ہے
اور اس پیغمبر کو مانا اور اسکی تائید کی اور اسکی مدد
کی، اور اس روشنی کے پیچھے چلے جو اس سے آتا ہے
وہی کامیاب ہیں، کہہ دے (اے پیغمبر!) کہ اے
انسانو! میں تم سب کی طرف اس خدا کا رسول
ہوں جس کی آسمانوں اور زمین کی شہنشاہی ہے

وَالْأَرْضِ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۚ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ ۝
النَّبِيِّ الَّذِي اَلْتَمَسْتُمْ بِاللّٰهِ
وَكَلِمَتِهِ ۚ وَاَتَّبِعُوْا لِقَوْلِكَوَتَهْتَدُوْا

اُس کے سوا کوئی خدا نہیں، وہی جلاتا، اور وہی
ماتا ہے، سوا اللہ اور اس کے اس آن پڑھو پھا
رسان رسول پر ایمان لاؤ، جو اللہ پر اور
اس کی باتوں پر ایمان رکھتا ہے، اور اس

(اعراف - ۱۹)

رسول کی پیروی کرو تاکہ تم سیدھی راہ پاؤ،

ان آیات میں صاف ظاہر کر دیا گیا کہ گذشتہ مذاہب کے پیروں کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

پر ایمان لانا اس لیے ضروری ہے کہ وہ دین خالص جو انسانی تصرفات اور آمیزشوں سے مکرر ہوا
تھا، وہ صحف الہی کی پیشینگیوں کے مطابق آپ کے ذریعہ سے پھر نکھارا گیا ہے، اور جن اضافوں اور
جزئیات احکام کی سختیوں کو انسانوں نے اس میں شامل کر دیا تھا، وہ آپ کے ذریعہ سے دوا
کی گئیں، نیز آپ عالمگیر پیغمبر بنا کر مبعوث کئے گئے ہیں، اس نے ہدایت تاملہ نبوت عمومی اور
نجات کامل اور فلاح عام، اب صرف وحی محمدی کے اندر محدود ہے۔

الغرض دین محمدی کو قبول کرنا اس لئے تمام انسانوں پر ضروری ہے کہ وہ دین ازل
جو ہر مذہب کا جوہر تھا اور جو اس کے پیروں کی تحریف تصرف سے برباد ہو گیا تھا، اسی کو صحیفہ
محمدی لیکر آیا ہے، اب وہ ہمیشہ محفوظ رہے گا، کیونکہ اس کا بنی نام اللہ ہے، اس کا دین کامل دین اور
اس کا صحیفہ تمام صحف الہی پر مبنی اور حاوی ہے، اور قیامت تک خدا کی طرف سے اس کی پوری
حفاظت اور بقا کا وعدہ کیا گیا، یہ چاروں دعوے یعنی تکمیل دین، قرآن کا نہیں ہونا، قیامت
تک اس کا محفوظ و باقی رکھنا، اور ختم نبوت جسب ذیل دلائل سے ثابت ہے،

تکمیل دین قرآن کے سوا کسی اور صحیفہ نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ مکمل ہے اور اس کے ذریعہ سے

دین الہی اپنے تمام اصول و فروع (مناسک و مناہج و شرائع) کے لحاظ سے تکمیل کو پہنچ گیا، بلکہ گذشتہ مذاہب میں سے ہر ایک نے اپنے وقت میں یہی کہا کہ اُس کے بعد ایک اور نبوت آئے گی جو اُس کے کام کی تکمیل کرے گی، خدا نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا،

”میں اُن کے لئے اُن کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا، اور اپنا کلام

اس کے منہ میں ڈالوں گا، اور جو کچھ میں اُسے فرماؤں گا وہ سب اُن سے کیگا“ (استثناء ۱۸-۱۹)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد اُن کے مانند ایک اور نبی آئیگا تھا،

جس کے منہ میں اللہ تعالیٰ خود اپنا کلام ڈالے گا، اس سے ثابت ہوا کہ حضرت موسیٰؑ کی طرح

ایک اور صاحبِ شریعت نبی خدا کے لئے کلام کیسا آئے گا، اسی طرح حضرت عیسیٰؑ نے بھی کہا

”لیکن وہ فارقلیط (احمد) پاکیزگی کی روح ہے، جسے باپ (خدا) میرے نام سے بھیجے گا“

تھیں سب چیزیں سکھائے گا، اور سب باتیں جو میں نے تم سے کہی ہیں یاد دلاؤں گا“ (یوحنا ۱۴)

اور وہ فارقلیط (احمد) آکر دنیا کو گناہ سے راستی اور عدالت سے قصور وار ٹھہرائیگا

گناہ اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لائے..... میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں

تم سے کہوں پر اب تم اُن کی برداشت نہیں کر سکتے، لیکن جب وہ یعنی سچائی کی روح

آئے گی تو وہ تمہیں ساری سچائی کی راہ بتائے گی، اس لئے کہ وہ اپنی ناکہ کی لیکن

جو کچھ سنے گی، سو کہے گی، میری بزرگی کرے گی، (یوحنا ۱۶-۸)

حضرت عیسیٰؑ نے بھی اپنے کلام کو ہنوز نا تمام ہی فرمایا، اور ایک آئندہ آئیولے کا پتہ دیا

جو اس کی تکمیل کرے گا،

آخر وہ موعود الامم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آیا اور دعویٰ کیا کہ میں موسیٰ کے مانند نبی اسرائیل بجا ہوں

یعنی بنی اسماعیل میں سے آیا ہوں، اور میرے منہ میں خدا نے اپنی بولی ڈالی ہے اور یہ دعویٰ کیا کہ میں ہی وہ سچائی کی روح ہوں جو مسیح کی اصلی بڑائی ظاہر کرنے، سچائی کی راہ بتانے، اور مسیح کی ادھوئی بات کو کامل کرنے کے لیے آئی ہے میں اپنی نہیں کہتا بلکہ وہی کہتا ہوں جو اوپر سے سنا ہوں اور آخر زمانہ نبوت کے ختم پر وحی الہی نے اسکی زبان سے یہ اعلانِ عام کیا،

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ

آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا، اور اپنی

اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ

نعمت تم پر تمام کر دی، اور تمہارے لیے سلام

لَكُمْ الْاِسْلَامَ دِينًا (مائدہ-۱) کا دین پسند کیا،

اسی تکمیل کا یہ اثر تھا کہ اس نے یہود کے بعض سخت فقہی احکام کو جو ان کی سمیت گیری کے لیے

ان پر عائد تھے، اور اصل دین ابراہیمی میں داخل نہ تھے، یا انسانوں کے اعمال اور تصرفات تھے،

بدل کر ایسے مناسب اور آسان احکام عطا کئے، جو سر زمانہ کے لیے موزون ہو سکتے ہیں، اسی لیے اس نے

کسی اپنے بعد میں آنے والے پیغمبر کی پیشینگوئی نہیں کی، نہ کسی نئے کلام کے نزول کی خبر دی، نہ کسی

نئی شریعت کا منتظر کیا کہ تکمیل کے بعد اب کسی نئے آئیوے کسی نئے کلام، اور کسی نئی شریعت کا

موقع کہاں؟ اور اسی بنا پر قرآن نے ہر جگہ وَمَا نُزِّلَ مِنْ قَبْلِكَ (جو محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے پہلے نازل

کیا گیا) پر ایمان لانے کی تاکید کی، لیکن وَمَا نُزِّلَ مِنْ بَعْدِكَ کے قبول کرنا کہیں اشارہ تک نہیں کیا

اور دیکھو آیت مَحَلُّ الطَّعَامِ كَانَ جِلْدًا لِبَنِي إِسْرَائِيلَ إِذْ مَا حَرَّتْهُمُ اسْرَائِيلَ عَلَى نَفْسِهِ الْاِبْر (ال عمران-۱۰)

قرآن ہمیں کتب ہی اس میں کالی کا صحیفہ تمام اگلی کتابوں کا مصدق ہے۔

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ (مائدہ - ۷) اپنے آگے کی کتابوں کی تصدیق کرنیوالا،

وہ تمام اگلی کتابوں کی صداقتوں اور تعلیموں پر مشتمل ہے اس لئے جو کوئی اس صحیفہ کو قبول

کرتا ہے، وہ تمام اگلی کتابوں کی صداقتوں اور تعلیموں کو قبول کر لیتا ہے، یہ حیثیت قرآن کے سوا

کسی دوسرے صحیفہ کو حاصل نہیں فرمایا،

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا

لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيِّمًا

عَلَيْهِ (مائدہ کا - ۷) تصدیق کرتی ہے، اور اس پر شاہد و حاوی ہے،

لفظ ہمیں کی تفسیر اہل زبان مفسرین نے یہ کی ہے،

ابن عباسؓ شاہد اور امین، قرآن اپنے پہلے کی ہر کتاب کا امین ہے،

قَالَ وَهُوَ قرآن سے پہلے جو کتابیں تھیں ان کا وہ امین اور شاہد ہے،

غرض قرآن اگلی کتابوں کی صداقتوں اور سچی تعلیموں کی امانت اپنے اندر رکھتا ہے،

قرآن محفوظ ہے اور رہے گا | پیغمبر کی تعلیم کی حفاظت اس کے صحیفہ الہی کی حفاظت پر موقوف ہے

قرآن سے پہلے کوئی کتاب الہی و انتہ اور نادانتہ لفظی تحریفات اور تصرفات سے پورے طور

پر بری نہیں رہی لاکھوں پیغمبروں میں سے چند کے سوا کسی کا صحیفہ دنیا میں باقی نہیں اور جو باقی

ہو وہ فنا ہو کر نئے نئے قالب میں بدلتا رہا ہے، توراہ جل جل کر خاک ہوئی پھر ان سوختہ اوراق سے نئے

کئی اور ترجموں کی تحریفات سے اپنی اصل کھو بیٹھی، انجیل میں تحریف جعل تو اسی زمانہ میں شروع ہو چکی

پھر مترجموں کی کتب ہونت نے حقیقت بالکل مشتبہ کر دی، زروشت کا صحیفہ سکندر کے نذر ہوا، اس صفت کا تھا کا ایک حصہ بچا کھچا رہ گیا ہے ان کتابوں کا یہ حال اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دائمی اور آخری کتابیں بنا کر نہیں بھیجا تھا، اسی بنا پر ان کی دائمی حفاظت کا وعدہ نہیں کیا گیا لیکن قرآن کی نسبت یہ وعدہ ہوا کہ وہ ہمیشہ کے لئے باقی اور محفوظ رہے گا، اس کی بقا اور حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لی، فرمایا، اور کس وثوق سے فرمایا،

إِنَّا نَحْنُ نُحْفِظُهَا لِنُذَكِّرَ لَكَ وَإِنَّا لَنَافِعُونَ
ہم نے اس نصیحت (کی کتاب) کو اتارا، اور
بے شبہ ہم ہیں، اس کی حفاظت کریں گے

یہ وعدہ الہی ایک اور آیت میں ان الفاظ میں دہرایا گیا ہے،

إِنَّا نَحْنُ نُحْفِظُهَا لِنُذَكِّرَ لَكَ وَإِنَّا لَنَافِعُونَ
بیشک ہمارے ذمہ ہے اس (قرآن) کو
سمیٹ کر رکھنا، اور اس کا پڑھنا، پھر
جب ہم پڑھیں تو تو اس کے پڑھنے کیساتھ رہ
پھر بے شبہ ہم پر ہے اس کو کھول کر بتانا

اس آیت میں قرآن کی قرأت یعنی لفظ و عبارت اور بیان یعنی معنی و دونوں کی ذمہ داری خدا کے تعالیٰ نے خود اپنے اوپر لی ہے، تیسری آیت میں اس کی تصریح ہے کہ اس حق میں باطل کی آمیزش کبھی راہ نہ پاسکے گی، فرمایا،

وَإِنَّ كِتَابَ عَزِيزٍ لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ
اور بیشک یہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو باطل
میں بہت سید ہے اور کلام میں خلف

تَنْزِيلٍ مِّنْ حَيْكُمٍ حَمِيدٍ
پچھے سے اُس کے پاس آئے گا، ایک حکمت والے

(رحمہ السجود ۵ - ۵) اور خوبوں والے کی طرف سے اترے،

اس کتاب کو غالب فرمایا گیا، یعنی جو اپنے ہر حرفت کو اپنے دلائل کے زور سے پست کرے گی، باطل نہ اُس کے سامنے سے اُس میں مل سکتا ہو، اور نہ پچھے سے اپنی نہ لفظ و عبارت کی طرف سے اور نہ حقیقت و معنی کی جہت سے، کیونکہ وہ ایک حکمت والے کی طرف سے اتر ہی ہو، اس لیے وہ اپنی حکمت و دانائی کی تعلیم سے غالب رہے گی، اور چونکہ وہ ایک سرسرخ خوبوں والے کی جانب سے عطا ہوئی ہو، اس لیے ہر باطل کے عیب سے پاک رہے گی،

یہ قرآن کا اپنا دعویٰ ہے کہ ورساڑھے تیرہ سو برس کی تاریخ اُس کی صداقت پر گواہ ہے، ختم نبوت | مقدماتِ بالا کا نتیجہ گو خود یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کی قرآن کے بعد کسی صحیفہ کی، اور اسلام کے بعد کسی دین کی ضرورت نہ ہو، لیکن وحی محمدی نے ہر شاک کے ازالہ کے لیے آگے بڑھ کر یہ تصریح بھی کر دی کہ اب نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم ہو گیا، اور آپ کے بعد کسی نبی کی حاجت نہیں کہ دین کامل اور صحیفہ الہی محفوظ ہو چکا، اور ہدایت رہانی کے دروازہ کے بند ہونے کا خطرہ دور ہو گیا، چنانچہ خود تاریخ انسانی گواہ ہے کہ بعثت محمدی کے بعد دنیا کی حالت بدل گئی، متفرق قومیں پیوستہ ہو گئیں، زمین کے کونے ایک دوسرے سے مل گئے، اور توحید کامل کا غلغلہ عرش سے فرش تک بند ہو گیا، اور خدا کے تمام رسولوں کو سچا اور صادق ماننے کا دلولہ آہستہ آہستہ ترقی پانے لگا، یہاں تک کہ ان قوموں نے بھی جو مسلمان نہیں ہوئیں، ان دونوں صداقتوں کو اصولاً تسلیم کر لیا۔

وحدتِ ادیان
اور
دینِ اسلام

تفصیل بالا کے بعد یہ واضح ہو گیا کہ وحدتِ ادیان کا منشا کیا ہی نہیں یہ کہ اصل میں ایک ہی دین ہے جو تمام انبیاء کا مذہب رہا، لیکن وہ بعد کو ان کے پیروؤں کے

صحائف میں تحریف و تصرف کے سبب بگڑتا رہا، اسی دینِ ازلی کو لے کر محمد رسول اللہ ﷺ صحائف میں آئے، اور اسی کا نام اسلام ہے، جو اپنے صحیفہ کی بقا و حفاظت اور دین کی تکمیل اور نبوت کے اتمام کے سبب ہمیشہ قائم و باقی رہے گا، اگر تمام مذاہب سابقہ اپنے اپنے اس اصل دین پر آجائیں جس کی تعلیم ان کے پیغمبروں نے دی تھی، تو وہ وہی دینِ ازلی ہو گا جس کا نام اسلام ہے، اور جو حقّی اور حقیقی موسوی عیسیٰ اور محمدی میں سوائے اجمال و تفصیل کے کوئی فرق نہ رہے گا، اسی لئے فرمایا گیا،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّا
نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّن قَبْلِ
أَنَّ تَطْمَئِنُّ وَجُوهُكُمْ وَأَنَّهَا
أَدْبَارُكُمْ نَظِيرًا لِّمَا كُنْتُمْ
تَكْفُرُونَ (نساء - ۱۰۴)

اے وہ لوگو جن کو پہلے کتاب دی گئی، اس سے
پہلے کہ تم چہروں کو بگاڑو، اور ان کو پیچھے
کی طرف پھیرو، یا سب کے گنہگاروں،
جس طرح لعنت کی تھی، ہم ان پر لعنت کریں،
اس وحی پر ایمان لاؤ، جو ہم نے اب اتاری،
(قرآن) جو ان تعلیمات کی جو تمہارے پاس

مشکرین عرب کے زیادہ اہل کتاب کو اس حقیقت کے سمجھنے کا زیادہ استحقاق تھا، اس لئے انہیں

کو سب سے پہلے اس کا منکر نہ ہونا چاہئے

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ
وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ
وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ

اور جو کتاب ہم نے اب اتاری جو تمہاری پاس
کتاب کو سچا بتاؤ، اور ایمان لاؤ، اور تم ہی پہلے

ولا تكونوا أول كافرين بآية، (دہرہ ۵)

لیکن ان کی حالت یہ ہوئی کہ

اور جب ان سے کہا گیا کہ خدا نے جو بھی تمہارا

وَإِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا مِّنْكُمْ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ

پر ایمان لاؤ، تو جواب دیا کہ جو ہم پر اترا ہم اس کو

قَالُوا نَوْمٌ مِّنْ بَيْنَا نَزَّلَ عَلَيْنَا نَذِيرًا

مانتے ہیں، اور وہ اس کے سوا کچھ انکار کرتے ہیں

بِمَا وَدَّعَاءَهُمْ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا

حالانکہ یہی (قرآن) حق ہے اور جو اس کے پاس ہے

مَعَهُمْ (بقرہ - ۱۱)

ہیں ان کے پاس

اس کے برخلاف محمد رسول اللہ ﷺ نے جس دین کو پیش کیا اسکی بنیاد تمام اگلی نبوتوں

اور کتابوں کی صداقت کے تسلیم کرنے پر رکھی گئی، یہی سبب ہے کہ اسلام نے کسی مسلمان کے لئے

صرف یہ ضروری نہیں قرار دیا کہ وہ تمہارا محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر ایمان لائے، بلکہ

یہ بھی قرار دیا کہ وہ تمام نبوتوں اور صحیفوں پر ایمان لائے، چنانچہ خود قرآن کی شہادت ہے کہ انھیں

ﷺ کو صرف اسی کی تکلیف نہ تھی کہ آپ کے ہم وطن آپ کے صحیفہ کو نہیں مانتے تھے بلکہ

اس کی بھی تھی کہ وہ اگلے صحیفوں کو بھی نہیں مانتے تھے، سورہ سبا میں ہے،

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا الْآنَ نُوْمِنُ بِهَذَا

اور مشکروں نے کہا کہ ہم اس قرآن پر ہرگز

النَّسْرَ إِنَّا وَكَلْنَا الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ

ایمان نہ لائیں گے، اور نہ اس سے اگلی کتاب

(سبأ - ۴)

پر زمینیں پورے پر

اور اسی لئے آنحضرت ﷺ نے تصریح کے ساتھ فرمایا کہ جو میری عبودیت اور رسالت

کے ساتھ عیسیٰ بن مریم کو بھی خدا کا بندہ اور اس کا رسول، اور کلمہ خدا کی طرف سے آئی ہوئی روح

تسلیم کر لیا وہ جنت میں جائیگا، بخاری کتاب الانبیاء ذکر عیسیٰ (الفرصۃ الہی وابدی دین صرف ایک ہی تھا

اور تمام انبیاء علیہم السلام اسی ایک پیغام کو لیکر دنیا میں آئے تھے، یہی وحدتِ دین کی حقیقت ہے جس کو قرآن نے اپنے ان الفاظ میں ادا کیا ہے،

اے پیغمبرو! ستمری چیزیں کھاؤ، اور بھلا کام

کرو میں تمہاری کاموں کا گواہ ہوں اور شکیب

تم سب کی امت ایک امت ہو، اور میں تم

سب کا (ایک) پروردگار ہوں، تو مجھ سے

ڈرتے رہو، تو ان کے پیروں نے اپنے مذہب کو

آپس میں ٹکڑے ٹکڑے ڈالا، ہر فرقہ اپنے پاس

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُّو مِنَ الطَّيِّبَاتِ

وَكُلُّوْا مِن مَّا رَزَقْنَاكُم مَّا تَعْمَلُوْنَ

عَلِيمُوْنَ، وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً

وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ فَمَنْ تَطَّعُوا

أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا، كُلُّ حِزْبٍ بِمَا

لَدَيْهِمْ فِرْحَانًا، (مؤمنوں - ۱۴)

سختیوں پر نازان ہے۔

اسی حقیقت کی فرید تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان الفاظ میں فرمائی ہے

تمام انبیاء ایسے بھائی ہیں جن کا باپ ایک

اور بائیں مختلف ہیں، اور ان کا دین ایک

الْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ لِعَلَّابِ أُمَّهَاتِهِمْ

شَيْءٌ وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ

(بخاری کتاب الانبیاء ذکر عیسیٰ)

پچھلے دن اور پچی زندگی پر ایمان

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، (بقرہ-۲۲) وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ، (بقرہ-۱)

اسلام کے سلسلہ ایمانیات کی آخری کڑی ایک پچھلے دن اور پچی زندگی یا پچھلی دنیا پر یقین کرنا ہے۔ سورہ بقرہ کے پہلے ہی رکوع میں ہدایت یاب اور کامیاب انسانوں کے ایمانیات کی آخری دفعہ بیان کی گئی ہے،

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ هُمْ يُوقِنُونَ (بقرہ-۱) اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں،

مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (۲۲) جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لایا،

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، (توبہ) جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائے ہیں،

”آخرت“ کے لفظی معنی پچھلی کے ہیں، اور یہ لفظ صفت ہے، عربی میں اوصاف کو موصوفت کا قائم مقام کر کے اکثر موصوف کو حذف کر دیتے ہیں، مثلاً دنیا کے لفظی معنی قریب ترین کے ہیں، اور یہ صفت ہے اس کا موصوف الحیاتہ (زندگی) یا الدار گھر ہے اس لئے الدار نیا کا مفہوم الحیاتہ الدار نیا قریب ترین زندگی، یعنی اس عالم کی موجودہ زندگی)

لہذا قرآن پاک میں جہاں جہاں ایمان کے تفصیلات ذکر کئے گئے ہیں، ان میں آخر پر ایمان سے آخر میں بیان کیا گیا ہے،

یَا دَا دَا الدُّنْيَا (قرب ترین گھر یعنی موجودہ عالم) ہے، اسی طرح الْآخِرَا اور الْآخِرَةُ کا مفہوم الْبُيُوتِ
 الْآخِرَةِ وَالْحَيٰوةِ الْآخِرَةُ وَالْاٰرَا الْآخِرَةُ (پھلادن اور پھلی زندگی، اور پھلا آئیوالا گھر ہے) یعنی موجود
 زندگی کے بعد آئیوالی دوسری دنیا کی زندگی اور گھر، اور قرآن پاک میں یہ لفظ انہی معنوں میں کیسی
 تمام پرایا ہے اور ہر جگہ اس کا مخذون موصوف حیات (زندگی) یا دار (گھر) ہے۔

چنانچہ حسب ذیل آیتوں کے پڑھنے سے یہ حقیقت منکشف ہوگی،

وَالَّذِي اٰرَا الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيٰوةُ (عنكبوت) اور بیشک آخری گھر اصل زندگی ہے،

وَالَّذِي اٰرَا الْآخِرَةَ خَيْرٌ (انعام-۴) اور بیشک آخری گھر بہتر ہے،

ان دونوں آیتوں میں دار یعنی گھر کا لفظ موجود ہے،

اَرْضَيْتُمْ بِالْحَيٰةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ (توبہ-۶) کیا پھلی زندگی کو چھوڑ کر اس موجودہ زندگی

پر تم راضی ہو گئے،

جنہوں نے انکار کیا، اور پھلی (زندگی) کی

ملاقات کو جھٹلایا، اور ہم نے موجودہ زندگی

میں ان کو نعمت دی،

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَاءِ

الْآخِرَةِ وَاَنْزَلْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ

الدُّنْيَا (مومنون-۳)

ان آیتوں میں الْحَيٰةِ الدُّنْيَا یعنی موجودہ دنیا کے تقابل سے ظاہر ہے کہ الْآخِرَةُ

مراد الْحَيٰةِ الْآخِرَةُ یعنی پھلی زندگی ہے، اور اس لفظ کے عموم میں وہ تمام منازل و مقامات

داخل ہیں، جو ابتداء سے موت سے لیکر خسر و نشر اور اس کے بعد پیش آتے ہیں یا ان میں جانچا جاوے

لہ دنیا و آخرت کا یہ تقابل قرآن پاک کی بشمار آیتوں میں موجود و مذکور ہے حضرت عیسیٰ کے متعلق ہے،

سے ثابت ہے کہ اس آیت میں:

جو ایمان لائے ان کو اللہ حیات دنیا میں
اور آخرت میں اس کی بات (کلمہ توحید)
پر مضبوط رکھے گا،

يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ
الَّذِي فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي
الْآخِرَةِ ۝ (ابراہیم - ۶)

اس آیت میں آخرت سے مراد عالم برزخ ہے، اور قرآن بھی اسی پر دلالت کرتے
ہیں کہ قیامت میں قول ثابت پر قائم رہنا کونسی بڑی بات ہوگی جبکہ ہر چیز اس وقت واضح
نمایاں ہوگی اسلئے اس آیت میں آخرت سے مراد عالم برزخ کے سوا کچھ اور مراد نہیں ہو سکتا، ایک

تیسرا | وَبِهَا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (ال عمران - ۵) دنیا اور آخرت میں معزز
م ۶۳۴ | سلسلہ دعائیں ہے

پروردگار ہم کو دنیا میں نیکی اور آخرت میں
نیکی دے۔

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ
حَسَنَةً ۝ (بقرہ - ۲۵)

کنار کے بظاہر عمل کے ذکر میں ہے۔

مَنْ كَسَبَتْ أَعْمَالَهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، (نورہ) ان کے عمل دنیا اور آخرت میں گر گئے،
مَنْ كَسَبَتْ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ، (نحل) انھوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی
مَنْ أَوْلِيَاءُ كُفْرِي فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
وَفِي الْآخِرَةِ، (حجرات - ۳) تم میں تمھاری قریب کی زندگی اور پھیلی زندگی
کے دوست،

اور کبھی دنیا کے پھانے اولیٰ اور پہلی زندگی) کا لفظ اختیار کیا گیا ہو فرمایا۔

وَأَخَذَ اللَّهُ كِفَالَ الْآخِرَةِ وَ
الْأُولَى، (مائدہ - ۱)

تو نہ انے اسکی پھیلی زندگی، اور پہلی زندگی
کی سزا بنایا۔

اور ساری لٹو ہو پھیلی اور پہلی زندگی،

وَأَنَّ لِلْآخِرَةِ وَالْأُولَى (سبل)

حدیث میں تصریحاً بیان ہے کہ قبر (یعنی برزخ) آخرت کی منزلوں میں سب سے پہلی منزل ہے۔
یوم آخر اور حیاتِ آخرت پر ایمان، اسلام کی نہایت اہم تعلیم ہے اور قرآن پاک میں ایمان
باللہ کے بعد اسی کی اہمیت پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے کیونکہ موجودہ دنیا کے تمام اعمال، اور
ان کے نتائج کی اہلی اور دہلی بنیاد اسی آئندہ دنیا کے گھر کی بنیاد پر قائم ہے اگر یہ بنیاد متزلزل ہو
تو اعمالِ انسانی کے نتائج کا ریشہ ریشہ بنیاد سے اکھڑ جائے، اسی لئے تمام مذاہب نے کسی
کسی اصطلاح میں دوسری زندگی کو متفقاً تسلیم کیا جائے،

آنحضرت ﷺ کی تعلیم نے اس آئندہ زندگی کو دو دوروں میں منقسم کیا ہے ایک
موت سے لیکر قیامت تک اور دوسرا قیامت سے لیکر ابد (ہمیشہ) تک جس میں پھر موت اور فنا
نہیں، پہلے دور کا نام برزخ اور دوسرے کا نام نبث یا حشر و نشر اور قیامت ہے اور ان سب کے
معنی جی اکٹھے لئے جانے، اور کھڑے ہونے کے ہیں لیکن ان سب سے مقصود ایک ہی حقیقت کی طرف
اشارہ ہے اور وہ موجودہ دنیا کے خاتمہ کے بعد دوسری دنیا کی زندگی ہے، اور اسی کو اس
دوسری زندگی یا اس کے عالم کا نام قرآن میں اَلْآخِرَةُ اور حَقُّی اَلْاٰسْمَا وَغَیْرُہَا
جس کے معنی دوسرے یا پچھلے گھر کے ہیں،

توراة و انجیل میں برزخ و قیامت کی تفصیل، نیز یہ کہ مرنے کے بعد اور یہ مسرت پہلے
کی روح کس حالت اور کیفیت میں رہے گی، مذکور نہیں ہے لیکن اسلام میں یہاں بھی گفتگو ہے اور
اہم نہیں، بلکہ اس نے اس کی پوری تفصیل کی ہے، اور بتایا ہے کہ مزید وہ عالم کے

لے بن ماجہ و حاکم بحوالہ کنز العمال جلد ۵ ص ۵۵، حیدرآباد دکن، ترمذی،

عالم برزخ اور میدانِ قیامت ہمارے سزا و جزا کے دو مقام ہیں، شخصی موت کے بعد ہر شخص عالم برزخ میں داخل ہو جاتا ہے اور وہاں اُس کے معاملات شروع ہو جاتے ہیں، پھر آخرت پر وقت چرس کو غدائے اپنی مصلحتوں اور حکمتوں کے لحاظ سے طے کر لیا ہے سلسلہِ خلق کے خاتمہ پر جب موجودہ دنیا پر عام موت اور فنا طاری ہوگی، دوسری زندگی کی دنیا شروع ہو جائے گی جو تماشہ ہماری پہلی دنیا میں ہمارے اچھے یا بُرے اعمال کا سراپا عکس، اوٹل ہوگی، چنانچہ سورہ توبہ کی حسب ذیل آیت میں ہمارے ان تینوں دور ہائے حیات کا ذکر ہے،

سَنَعِدُّ بِهٖمْ مَرَّتَيْنِ لَعَلَّ يَرْدُوْنَ
 اِلٰى عَذَابِ اَبَعِظِيْمٍ، (توبہ ۱۳)

ہم اُن کو دو مرتبہ عذاب دین گے پھر وہ

ایک بڑے عذاب کی طرف لوٹے جائیں گے

عذاب کی تین نسر لیں دنیا، برزخ، اور قیامت ہیں،

ان تینوں عالموں میں جو فرق ہے، وہ یہ ہے کہ اس موجودہ دنیا میں جسم (مادہ) نمایاں

اور روح پوشیدہ ہے اور روح کو جو کچھ مسرت و تکلیف یہاں پہنچتی ہے، وہ صرف اُس مادی

جسم کے واسطے سے پہنچتی ہے، ورنہ درحقیقت اس کی براہِ راست راحت و لذت کا اس

مادی دنیا میں کوئی امکان نہیں، دوسرے عالم میں جس کو برزخ کہا گیا ہے، روح نمایاں

ہوگی، اور جسم چھپ جائے گا، وہاں جو راحت و تکلیف پہنچے گی، وہ دراصل روح کو پہنچے گی،

اور جسم اُس کی تبعیت میں نہیں آسے گا، لیکن اس تیسرے عالم میں جہاں سے حقیقتی

اور غیر فانی زندگی شروع ہوتی ہے، روح اور جسم دونوں نمایاں ہوں گے، اور دونوں کی لذت

و تکلیف کے مظاہر بالکل الگ الگ ہوں گے،

ابرزخ

برزخ کا لفظ قرآن پاک میں تین جگہ استعمال ہوا ہے، اور ہر جگہ اس سے دو چیزوں کے درمیان کا پردہ، حاجب اور حائل مراد ہے، چنانچہ سورہ رحمن میں دو دریاؤں کا ذکر یحییٰ میں کیا گیا اور دوسرا کھاری ہے، اور ان کے بیچ میں ایک پردہ حائل ہے جو ان کو آپس میں ملنے نہیں دیتا،

بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ، ان دونوں کے بیچ میں ایک پردہ ہے

(رحمان - ۱) (جس سے) ایک دوسرے پر ٹھکرتے نہیں جاتا،

اسی عجیب غریب بحری منظر کا ذکر سورہ فرقان میں ہے اور وہاں بھی یہی لفظ واقع ہے

وَهُوَ الَّذِي مَثَّلَ لَنَا الْبَحْرَيْنِ هَذَا اور اسی نے دو دریاؤں کو ملا کے چلایا، یہ

عَذْبٌ فُؤَاتٌ وَهَذَا مِلْحٌ جَالٍ؟ میٹھا اور پیاس بھجاتا ہے، اور وہ کھاری

وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا حَاجًّا مَجْمُوعًا کڑوا ہے، اور ان کے بیچ میں ایک پردہ

اور روکی ہوئی اوٹ بنائی ہے، (فرقان - ۵)

اسی بنا پر موجودہ زندگی اور آئندہ زندگی کے درمیان جو مقام حائل اور حاجب ہے اس کا

نام برزخ ہے سورہ مومنوں میں نزع کے وقت کے بیان میں ہے کہ

وَمِنْ وُدَّ إِلَهُهُمُ بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِہِ اور ان فریبوں کے پیچھے ایک پردہ ہے

يُبْعَثُونَ ، (مُؤْمِنُونَ - ۶) اس دن کھٹکے و قیامت میں اٹھا جائیں گے ،

عربوں بلکہ کل ساری قوموں کے رسم و رواج اور مشاہدات کی بنا پر اسی درمیانی منزل (برزخ) کا نام قبر ہے، خواہ وہ خاک کے اندر ہو یا قبر دریا میں، یا کسی درندہ یا پرند کے پیٹ میں اسی لئے فرمایا،

وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ (حجرات)

بے شہدائے اللہ ان کو جو قبروں میں ہیں اٹھائے گا،

اب ظاہر ہے کہ یہ بعثت صرف انہی مردوں کے لئے مخصوص نہیں، جو تو وہ خاک کے اندر دفن ہوں، بلکہ ہر میت کے لئے ہے، خواہ وہ کسی حالت اور کسی عالم میں ہو، اسی لئے قبر سے مقصود ہر وہ مقام ہے جہاں مرنے کے بعد جسم خاکی نے جگہ حاصل کی،

موت و حیات کی منزلیں | قرآن پاک میں دو موتوں اور دو حیاتوں کا ذکر ہے ایک جگہ دو زخون

کی زبان سے کہا گیا ہے،

رَبَّنَا آمَنَّا أَلْفَنِينَ وَأَحْيَيْنَا أَلْفَيْنِ

ہمارے پروردگار تو نے ہم کو دو دفعہ مارا،

فَأَمَّا تَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَى خُرُوجٍ

اور دو دفعہ جلایا، ہم نے اپنے گناہوں کا

مِنْ سَبِيلٍ (مؤمن - ۲)

اقرار کیا، پھر کیا نکلنے کی کوئی راہ ہے،

ان دو موتوں اور دو حیاتوں کی تفصیل خود اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں فرمائی ہے،

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَانًا

کیسے تم اللہ کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم پہلے

نَاصِحَاتِكُمْ لَكُمْ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ

مردہ تھے، پھر تم کو اس نے زندہ کیا، (انسان

ثُمَّ إِلَهُهُ يُرْجَعُونَ ، (بقرہ - ۳)

بنا کر پیدا کیا) پھر تم کو مار دے گا، پھر تم کو جلایا گا پھر

یہ سورہ بقرہ کی آیت ہے

پہلی موت تو ہر انسان کی خلقت سے پہلے کی ہے جب وہ مادہ یا عنصر کی صورت میں تھا پھر زندہ ہو کر اس دنیا میں پیدا ہوا، یہ اس کی پہلی زندگی ہے، پھر موت آئی، روح نے مفارقت کی، اور جسم اپنی اگلی مادی صورت میں منتقل ہو گیا، یہ دوسری موت ہوئی، پھر خدا اس کی روح کو جسم سے ملا کر زندہ کرے گا، یہ اس کی دوسری زندگی ہوگی جس کے بعد پھر موت نہیں، قرآن پاک میں خود رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا گیا،

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُد مَيِّتُونَ، ثُمَّ
 أَنْتُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ
 تَخْتَصِمُونَ (زمر-۳)
 ثُمَّ أَنْتُمْ بَعْدَ ذَلِكَ لَمَيِّتُونَ ثُمَّ
 أَنْتُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَبْعُونَ (مومنون-۱) کے دن اٹھائے جاؤ گے،

اب سوال یہ ہے کہ برزخ کے عالم میں کیا کیفیت ہوگی، اس کے سمجھنے کے لئے ایک مختصر سی تمہید کی ضرورت ہے،

نیند اور موت کی مشابہت | اللہ تعالیٰ نے اس مادی دنیا میں روحانی عالم کی باتوں کے سمجھنے کیلئے اپنی عجیب و غریب قدرت سے ہم کو ایک حیرت انگیز عنایت کی ہے جس کو ہم نیند کہتے ہیں، روح کہا اپنے جسم سے دو قسم کا تعلق ہے، ایک ادراک و احساس کا، اور دوسری تدبیر و تئذیہ کا، نیند و عالم نیند جس میں ہمارے تمام آلات ادراک و احساس اس دنیا سے بے خبر ہو کر اپنے گرد و پیش کی مادی دنیا سے یکسر بگایہ بن جاتے ہیں، تاہم ہمارے نفس یا روح کا تعلق ہمارے جسم سے باقی رہتا ہے اور

وہ اس حالت میں بھی جسم کی مادی زندگی، نشوونما اور بقا کی تدبیروں اور دل و دماغ اور دیگر اعضاءے ریسہ کے گزار سانی اور خون کے دوران میں مصروف رہتی ہے، اسی کا نام روح کا جسم سے تدبیری تعلق ہے، اب نیندا اور موت میں فرق یہ تو یہ ہے کہ نیند کی حالت میں جسم سے نفس کا تدبیری تعلق قائم رکھتا ہے، اس لیے جسم باقی اور زندہ رہتا ہے، لیکن موت کی حالت میں جسم کا روح سے تدبیری تعلق بھی اکثر منقطع ہو جاتا ہے، اس لیے جسم کے اجزاء کچھ دنوں میں منتشر ہو جاتے ہیں موت اور نیند کی یہی مشابہت ہے جس کی بنا پر تمام انسانوں کی زبانوں میں موت کو نیند سے تشبیہ دیتے ہیں، اور دنیا بھر کی زبانوں کا یہ توفیق، اہل عام طبیعی کی خبر دیتا ہے، قرآن پاک میں اس حقیقت کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے،

اور وہی ہے جو تم کو رات میں مارتا ہے، اور

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَ

جاننا ہے، جو تم نے دن میں کیا، پھر تم کو دن

وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ تَتَوَفَّوْنَ فِيهِ

میں جلاتا ہے تاکہ مقررہ وقت پورا کیا جائے

فِيهِ لِيُقِضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى (انعام: ۶)

اس سے زیادہ تفصیل سورہ زمر میں ہے،

وہ اللہ ہی ہے جو روح کو ان کی موت کے وقت نجات دیتا ہے

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا

اور جو نہیں مری ہیں انکو ان کی نیند میں (وفات دیتا ہے)

وَالَّتِي كَمْ تَمَّتْ فِي مَنَامِهَا فَمِيسِرٌ

ہی تو جس پر موت کا حکم اس نے جاری کیا اسکو وہ نجات

الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهِمُ الْمَوْتَ وَيُرْسِلُهُ

ہو اور دوسری روح کو جس پر موت کا حکم نہیں یعنی

الْآخِرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ط إِنَّ فِي

نیند (الی کو) ایک مدت معینہ کیلئے چھوڑ دیتا ہے

ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ (زمرہ)

یہی وجہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی وحی نے "برزخ" کی زندگی کو نیند کے لفظ سے
تعبیر کیا ہے، قرآن پاک میں ہے کہ قیامت میں جب لوگ دوسری زندگی پا کر قبروں سے اُبھیں گے
تو گنہگاروں کی زبانوں پر یہ فقرہ ہوگا،

يَوْمَئِذٍ نَأْتِيهِمْ مَوْتَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ

اسے ہماری خرابی، کس نے ہم کو ہماری نیند

(سین - ۲) کی جگہ سے اٹھا دیا،

غزوہ اُحد کے موقع پر ہے کہ جن کو مرنے کا تھا، ان کی موت ٹل نہیں سکتی تھی، اگر وہ میدان
جنگ کے بجائے گھروں میں بھی ہوتے تو نکل نکل کر اپنے مقتل میں خود آجاتے، اس مفہوم کو قرآن
نے یوں ادا کیا ہے،

قُلْ لَوْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ بَيْوتَكُمْ لَبرَدْتُمْ
الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَى
مَضَاجِعِهِمْ (ال عمران - ۱۶)

کہہ دے کہ اگر وہ گھروں میں بھی ہوتے تو
جن کے لئے ارا جانا لکھا گیا تھا، وہ خود نکل
کر اپنی سونے کی جگہوں میں چلے آتے،

اسی لئے قرآن پاک میں دوسری زندگی کے لئے اکثر ثبوت "کا لفظ استعمال ہوا ہے
جس کے معنی جگانے اور بیدار کرنے کے بھی ہیں، جیسا کہ اوپر کی اس آیت میں ہے،

۱۷ صحیح بخاری (باب تہجد) میں جو کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؑ سے نماز تہجد کے لئے اس وقت
تک بیدار نہ ہونے پر سوال فرمایا، تو حضرت ممدوح نے ان لفظوں میں معذرت پیش کی، یا رسول اللہ! انما
بمبدأ اللہ فاذا شاء ان يبعثنا بعثنا (ہماری رو میں خدا کے ہاتھ میں ہیں، وہ جب جگانا چاہتا ہے جگانا
ہے) اس حدیث میں بھی بعث جگانے کے معنوں میں آیا ہے،

اور وہی ہے جو تم کو رات میں موت دیتا ہے،

اور دن کو جو تم کرتے ہو اس کو جانتا ہے پھر

تم کو دن میں جگاتا ہے،

اور بیشک اللہ ان کو جو قبروں میں ہیں

جگائے گا،

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ

وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ

يَعْبَثُكُمْ فِيهِ، (العام - ۷)

وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ،

(حج - ۱)

احادیث میں ہے کہ قبر میں سوال و جواب کے بعد لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ نہ

كُنْتُمْ اَعْرَؤُسٍ دَلَّهِنْ كِي نِيْنِد سُو جَا وُحْس كُو وِي جِگَا تَا هِي جُو اَس كُو سَبْ زِيَا دِه مَجْبُوْبِيْن

یہاں تک کہ خدا اس کو اس خواب سے اٹھائے گا۔

ان شواہد سے ظاہر ہے کہ برزخ کی زندگی جس میں روح جسم سے الگ ہوتی ہے رُح

کی ایک طویل و عمیق نیند کے مشابہ ہے،

خواب میں لذت و الم | انسان جب سوتا ہے تو اس کے ادراک و احساس کے آلات اپنی مادی

دنیا سے عارضی طور پر بے خبر ہو جاتے ہیں۔ مگر اس کے ادراک احساس کی تخیلی تمثالی یاد دہنی

دنیا اس کے سامنے بالکل اسی مادی دنیا کی طرح مشکل ہو جاتی ہے اس میں وہ خود اپنے جسم سے الگ

مگر ہو ہو وہی جسم دیکھتا ہے جو آتا جاتا، چلتا پھرتا۔ اور دیکھتا سنتا سب کچھ ہے اس کے سامنے کھانے

پینے اور لطف انگیزی کے سب سامان ہوتے ہیں نیز اس میں درود و نوح اور تکلیف کی تمام وہی صورتیں

۱۔ جامع ترمذی کتاب بخاری باب غدا بقرع ۱۰۰ احد یثحسن غریب ۱۵ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ الباقی

میں لکھے ہیں فیہذا المبتلی فی الروایا غیرانہ ذوی الا یقظہ منہا الی یوم القیامۃ (باب اختلاف احوال الناس فی البرزخ) یعنی یہ غدا بقرع خواب میں ہے لیکن یہ کہ یا یہاں خواب ہے جس سے قیامت تک جاگنا نہیں ہے،

ہوتی ہیں جو مادی دنیا میں ہیں اس کے خیالی جسم کو اگر اس عالم میں تکلیف ہوتی ہے تو وہ خود چنچ اٹھتا
 ہے اور اگر اس میں لذت ملتی ہے تو لطف اندوز ہوتا ہے اور ان دونوں کے اثرات اس کو اپنے مادی
 جسم میں جاگنے کے بعد بھی نظر آتے ہیں، غرض عالم خواب کی خیالی دنیا اور اس کی شادی و بیچ اور لذت
 و الم اور اس مادی دنیا کے جسمانی و مادی شادی و بیچ، اور لذت و الم میں کوئی فرق نہیں ہوتا اگر کچھ
 فرق ہے تو یہ ہے کہ عالم خواب کی لذت و تکلیف بیداری کے بعد ختم ہو جاتی ہے اور مادی دنیا کی لذت و
 تکلیف احساس و ادراک کے وجود تک قائم رہتی ہے، اور جس طرح مادی بیداری والی لذت و تکلیف
 خواب میں معدوم ہو جاتی ہے، اسی طرح خواب والی لذت و تکلیف بیداری میں رخصت ہو جاتی ہے
 خواب والے لذت و الم کے مختلف مناظر اور ان کے حقائق اور اسباب و علل پر اگر فلسفیانہ
 حیثیت سے غور کیا جائے، تو عجیب و غریب معاملات سامنے آتے ہیں، کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ وہ
 تمام احساسات و معلومات جو کبھی بھی ذہن انسانی میں آئے ہوں، اور ان کو بحالت بیداری
 مادی دنیا کے مشاغل اور زمانہ کے امتداد کے سبب انسان کتنا ہی فراموش کر چکا ہو وہ خواب
 میں مادی گراں باری سے آزادی کے بعد سامنے مجسم شکون میں نمودار ہو جاتے ہیں اور بیچ کی کڑیوں
 کے بھول جانے کی وجہ سے وہ اُس کو بے جوڑ معلوم ہوتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ انسان
 جن چیزوں کو بھول جاتا ہے وہ اُس کے حافظہ سے حقیقت میں معدوم نہیں ہو جاتیں، بلکہ دماغی
 حجرہ (ذہن) کے منتشر اسباب کے ذخیرہ (معلومات) میں چھپ کر گم ہو جاتی ہیں، اور پھر
 کو مل جاتی ہیں، اس لیے وہ تمام اچھے اور بُرے اعمال جو انسان نے عمر بھر کئے ہیں وہ
 وہ ان کو آج بھول گیا ہو، مگر ان کی یاد ذہن کے گوشوں میں پڑی ہو مودم و مفقود نہیں ہو گئی

خواب کی عجیب و غریب صورت وہ ہے جس کو تیشلی کہتے ہیں، جیسے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے
 کلوتے فرزند کے خدمت گاہ پر وقف کرنے کو فریبانی کی شکل میں، اور حضرت یوسفؑ نے والدین
 کو سورج اور چاند اور گیارہ بھائیوں کو گیارہ ستاروں کی صورت میں دیکھا، شاہ مصر کے سولی
 پانے والے مہاجر نے اپنے سولی پانے کو اس رنگ میں دیکھا کہ اس کے سر پر چوہا ہے اور بڑے
 بڑے پندے اس میں چونچ مار مار کر کھاتے ہیں، شاہ مصر نے مہر کی ہفت سالہ قحط سالی کو سات
 دہلی گایوں کی صورت میں دیکھا، آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کو اس شکل میں دیکھا کہ مسلمان
 سرمنڈوائے اور بال ترشوائے حج کر رہے ہیں، سیلمہ اور اسود غنسی دو کذابوں کو سونے کے دو گنگنوں
 کی صورت میں دیکھا، شہدائے احد کو موٹی گائے کی صورت میں ملاحظہ کیا، مدینہ کی دبا ایک پریشانی
 موکالی عورت کی صورت میں نظر آئی، خلافت کو ڈول کھینچنے کی اور حضرت عمرؓ کے علم کو دودھ کی اور
 ان کی دینداری کو لمبی قمیص کی شکل میں دیکھا، ان کے علاوہ ہر شخص کے ذاتی تجربوں سے بھی اس کی
 بشمار مثالیں فراہم کیا جاسکتی ہیں،

اس سے بڑھ کر یہ کہ انسان کے جسم میں اگر کسی قسم کا مادہ بڑھ جاتا ہے تو خواب میں اس
 کے مناسب مجسم شکلیں نظر آتی ہیں، مثلاً اگر ملغم کی زیادتی ہو تو پانی، دریا اور سمندر نظر آئیں گے اگر
 سودا بڑھ جائے تو ہاتھی اور کالی کالی صورتیں نظر آئیں گی، اسی طرح دوسرے تغیرات خلطی
 بھی اپنے مناسب جسمانی ہیئت میں خواب میں مجسم اور مشکل ہو کر دکھائی دیتے ہیں،

۱۵۔ یہ کل تیشلی خواب قرآن پاک میں مذکور ہیں ۱۵ ان خوابوں کو صحیح بخاری کتاب التبیر میں دیکھو ترجمہ اللہ علیہ
 شاہ ولی اللہ ذکر بزرگ،

اسی طرح اعمال جو جسم و مادہ سے بالکل الگ ہیں خواب میں اپنے مناسب قالب میں
مجسم ہو جاتے ہیں، اگر کسی بھائی کا حق واجب کسی نے ادا نہیں کیا تو خواب میں اس کو نظر آئیگا کہ
وہ اس کا گلا کاٹ رہا ہے، اگر کسی کی غیبت کی ہو تو معلوم ہوگا کہ وہ مردار کھا رہا ہے، سونے چاندی
کے خزانوں کو جمع کر کے اگر بخل کا اثر وہاں کی حفاظت میں بٹھایا ہے تو سانپ بن کر وہ اس کی
گردن میں لپٹتا اور کاٹتا ہے، دولت اور خواری کتنے کی، حماقت گدھے کی، اور شجاعت شیر
کی شکل میں نمودار ہوتی ہے، شب معراج میں آنحضرت ﷺ کے سامنے فطرت و دودھ
کی اور غیر فطرت شراب کی شکل میں پیش ہوئی، اسی طرح کہن سال دنیا ایک بڑھیا کی شکل میں نظر آئی،
اسی قسم کی تشبیہات قرآن مجید میں بھی آئی ہیں، مثلاً غیبت کی نسبت فرمایا،

وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا أَجْتَابُكُمْ
أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ
اور پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو پانہ کے کیا تم
میں سے کوئی پسند کر سکتا ہو کہ وہ اپنے مردہ
بھائی کی بوٹی بوج بوج کر کھائی، سو گھن آئی تم کو؟
(حجرات - ۲)

سو دکھانے کو خون اور پاگل پن کی شکل میں ظاہر کیا،

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ
إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِينَ هُمْ يَخْتَبِعُونَ الشَّيْطَانَ
جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ نہیں اٹھیں گے (یا
نہیں اٹھتے) لیکن جیسے وہ اٹھتا ہے جس کے پاس
شیطان نے چھو کر کھو دیئے توں،
(بقرہ - ۲۷۵)

تیموں کا مال ناجائز طریق سے کھانے کو پیٹ میں آگ بھڑا فرمایا،

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ
وہ لوگ جو یتیموں کا مال ظلم کر کے کھاتے ہیں

ظَلَمًا اِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ
وہ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں

نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا (نساء)
اور آگے جہنم کی آگ میں داخل ہونگے،

وہ خود غرض لوگ جو بکیوں کے کام نہیں آتے، قیامت میں ان نے بھی کوئی کام نہ
آئیگا، اور جو خود سیر ہو کر کھاتے ہیں، اور غریبوں کے دروگر سنگی سے بے خبر ہر اپنے مال کا یہ کھیل
(زکوٰۃ) بھی ان کے کھانے کو نہیں دیتے، دوزخ میں ان کو زخموں کا دھوون کھانے کو ملیگا فرمایا

اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ
بیشک وہ خداے بزرگ پر ایمان نہیں رکھتا

وَلَا يَحْضُرُ عَلٰی طَعَامِ الْمَسْكِيْنِ
تھا، اور مسکین کے کھانے پر آمادہ نہیں کرتا

فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهٰنَا حَمِيْرٌ
تھا، تو آج اس کا بھی یہاں کوئی دوست

لَا طَعَامَ اِلَّا مِنَ غَسَلِيْنٍ لَا يَخْلُو
نہیں، اور نہ زخموں کے دھوون کے سوا کوئی

اِلَّا الْخٰطِطُوْنَ، (حاقہ - ۱)
کھانا جس کو وہی گنگار کھائیں گے،

بے لوث نکلوانے فیاضی کی تمثیل سرسبز و شاداب باغ سے دی

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالِهِمْ
اور ان کی مثال جو اپنی دولت خدا کی

اِبْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا
خوشنودی چاہنے اور اپنے دلوں کی مضبوطی

مِنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بَرِيْرَةٍ
کے لیے خرچ کرتے ہیں، ایک باغ کی جو

(بقرہ - ۲۶۵ - ۲۶۶)
جو ایک ٹیلہ پر ہے،

خدا کی راہ میں جان دینے والوں، اور مرنیوں کو جان لو، اور حیات جاودان کو

غیر شجری دی گئی، فرمایا،

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ طَائِلٌ أَحْبَابًا (بقرہ کا)

جو خدا کی راہ میں مارا جائے، اُس کو مردہ
نہ کہو، وہ لوگ زندہ ہیں،

اسی طرح یہ ہے کہ جو خدا کو قرض دیکھا، خدا اُس کو بڑھا کر دے گا جو دوسروں کو موات کرے گا
خدا اُس کو موات کرے گا، جو دوسروں کی عیب پوشی کرے گا خدا اس کی ستاری کرے گا، قرآن و احادیث
اس قسم کی بالعا و فہم جزا و سزا کے ذکر سے بہرہ یاب ہیں،

جو لوگ راہِ خدا میں اپنا مال نہیں دیتے ان کی نسبت فرمایا،

سَيُطَوَّرُونَ مَا بَجَلُوا فِيهِ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ (ال عمران - ۱۸)

جس مال کا بخل کیا تھا، قیامت میں اُس کا
ان کے گلے میں طوق پڑے گا،

يَوْمَ نَحْمِي عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَيَكْفِي
بِهَاجِبٍ هُمْ وَ جُنُوبُهُمْ وَ ظُهُورُهُمْ
هَذَا مَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ

جس دن اُس سونے اور چاندی کو دوزخ
کی آگ میں گرم کیا جائیگا، پھر اس سے ان کی
پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی
کہ یہ ہے جو تم نے اپنے لیے کما رکھا تھا تو اب

تم اس کا مزہ چکھو جس کو تم کما کر رکھتے تھے،
(توبہ - ۵)

دنیا میں اللہ کے نورِ بصیرت سے روگردانی آخرت میں ظاہری ناہنیا کی صورت میں

رو نما ہوگی، اور اسی طرح جو خدا کو یہاں بھولے گا، پناہ حضرت آدم

سے جنت سے نکلے وقت یہ فرمایا گیا تھا،

وَمَنْ أَحْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ
اور جس نے میری یاد سے روگردانی کی تو اس کے

مَدِينَةً ضَنْدًا وَنَحْشَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ
 اَعْمَى، قَالَ رَبِّ كَمَا حَشَرْتَنِي اَعْمَى
 وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا، قَالَ كَذَلِكَ تَك
 اِيْتْنَا فَنَسِيْتَهَا وَكَذَلِكَ الْيَوْمَ تُنْسَى
 کے لئے ہر تنگ گزاران، اور ہم قیامت کے دن اسکو
 اندھا اٹھائیں گے، وہ کہیگا، میرے پروردگار
 تو نے مجھے اندھا بنا کر کیوں اٹھایا، میں تو دنیا
 میں آنکھوں والا تھا، خدا کے گا، اسی طرح تیرے
 پاس ہماری نشانیاں آتی رہیں، تو ان کو تو نے
 بھلا دیا، اور اسی طرح آج تو بھلایا جائے گا،
 (طرہ - ۷)

یہی مفہوم اور زیادہ اختصار کے ساتھ اس آیت میں ہے،

وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ اَعْمَى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ
 اَعْمَى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا، (اسرا ۱۷)

جو کوئی دنیا میں (دل کا) اندھا تھا، وہ

آخرت میں اندھا ہی اور راستہ سے بہت ٹھسکا ہوا

اس باب میں سب سے زیادہ مرتج وہ حدیث صحیح ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

جو کہ جھیل کا مال سانپ کی صورت میں گلے کا ہار ہو کر نظر آئے گا، یعنی وہ مال سونے اور چاندی

کے سانپ کی صورت میں ہوگا،

قَالَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ

أَمَّا اللَّهُ مَا لَا فَلَئِمُ يَوْمَ دُرِّكَاتٍ

مِثْلَ لَهْ مَالِهِ شَجَاعًا اقْرَعْ لَهُ

زَبِيْبِيَانٍ يَطْوِقُنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

يَأْخُذُ بِلَهْزٍ مِثْلِهِ اِذَا شُدَّ قَيْدُ يَقُولُ اِنَّا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو اللہ

نے مال دیا اور اُس نے اُس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی

تو اُسکا مال اسکو اچھل کر ڈسے ولے سانپ کی

صورت میں دکھایا جائے گا، جس کا سر زہر کی

شدت سے گنجا ہوگا، اُس کے منہ میں دو دانت ہونگے،

مالک انالکوزک

وہ اس کے گلے میں قیامت کے دن پڑا

(بخاری تفسیر ال عمران) بیوگیا اور وہ اس کے دونوں جہڑوں کو

(صفحہ ۵۵ جلد دوم) کاٹینگا، اور کے گائیں ہوں تیرا مال میں

اسی طرح وہ حدیث میں جن میں مختلف اعمال کا مختلف شکون میں آنا بیان کیا گیا ہے

مثلاً یہ کہ مرنے کے بعد قبر میں نماز اور روزہ وغیرہ اعمال عذاب سے بچنے کے لئے ڈھال بن کر دینے

بائیں سے نمودار ہوں گے، یہ بھی حدیث میں ہے کہ مرنے کے بعد جب ایک دفعہ فرشتہ، الہی مردہ

کو بیدار کرتا ہے تو اس کو آفتاب ڈوبتا ہوا دیکھا جاتا ہے، (مثلاً الشمس عند غروبها)

نیک مرد مسلمان اس تنگ وقت کو دیکھ کر نماز کی تیاری کرنا چاہتا ہے، یہ ظاہر ہے کہ یہ دنیا

والا آفتاب وہاں نہیں، بلکہ اس کی تمثیل ہوتی ہے، جیسا کہ حدیث کے الفاظ میں ہے یعنی یہ کہ

اس مردہ کو ایسا نظر آتا ہے، اور وہ درحقیقت آفتاب نہیں، بلکہ آفتاب کی مثالی صورت ہوتی ہے

گناہوں کی تمثیلی نرائیں | اوپر کے بیانات سے ہو یہ اسے کہ غیر مجسم اعمال اور معانی اپنے جن

تمثیلی پیکروں میں نظر آتے ہیں، وہ درحقیقت ان اعمال و معانی سے تمثیلی مشابہت رکھتے

ہیں، مثلاً ایک صحیح حدیث میں ہے کہ مشہور صحابی حضرت عثمان بن مظعون کی وفات کے بعد

ایک صحابی نے خواب میں دیکھا کہ ان کے لئے ایک نہر بہ رہی ہے اور جب اس کا ذکر آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو اپنے اس کی تعبیر میں فرمایا،

ذلت عملہ (بخاری کتابا بعیر) یہ نہر ان کا نیک عمل ہے،

لہ منہ ابن منہل علی سنن ابن ماجہ ذکر البقر ص ۳۶۶

اس تمہید کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس رویے کا واقعہ پر غور کرو جو ظاہر ہے کہ قیامت
 کا نہیں کہ ابھی وہ آئی نہیں، بلکہ برزخ ہی کا مرتع پیش کرتا ہے، جواب بھی قائم ہے، آپ نے ایک
 صبح کو فرمایا کہ رات میں نے دیکھا کہ دو آنے والے آئے، اور انھوں نے مجھے جگا دیا، میں ان کے ساتھ
 چل کھڑا ہوا تو میں نے دیکھا کہ (۱) ایک آدمی لیٹا ہے، اور دوسرا اس کے سر پر ایک بڑا پتھر پئے کھڑا
 ہے، اور وہ اس پتھر کو اس کے سر پر اس طرح دے مارتا ہے، کہ اس کا سر کلنا چود ہو جاتا ہے، اور
 پتھر لڑھکنے لگتا ہے، وہ اس کے پیچھے جا کر اس کو اٹھاتا ہے، اور اتنی دیر میں اس کا سر دور
 ہو جاتا ہے پھر وہ مارتا ہے اور پھر وہی صوت پیش آتی ہر دم آگے بڑھے تو دیکھا کہ (۲) ایک شخص اونٹھا پڑا ہے،
 اور دوسرا وہ ہے کا ایک آگس لئے کھڑا ہے، اور وہ اس سے اس کے جڑے کو، پھرتھنے کو، اور پھر انھوں
 کو گدی تک چیر ڈالتا ہے، پہلے ایک طرف، بعد ازیں دوسری طرف، پھر آگے بڑھے تو دیکھا کہ (۳)
 تنور کی قسم کی ایک چیز دکھ رہی ہے، اور کچھ مرد اور عورت اس میں ننگے پڑے ہیں، اور اس کے
 شعلے بھڑک بھڑک کر ان تک پہنچتے ہیں اور وہ چختے ہیں، آگے بڑھے تو نظر آیا کہ (۴) ایک
 خون کی جیسی سرخ نہر بہ رہی ہے، اور ایک آدمی اس میں تیر رہا ہے، نہر کے کنارے ایک
 آدمی کھڑا ہے جس کے پاس بہت سے پتھر رکھے ہیں، وہ تیرنے والا آدمی تیر کر جب اس شخص کے قریب
 آتا ہے، تو ایک پتھر اٹھا کر اس زور سے مارتا ہے کہ وہ پتھر اس کے منہ میں جا کر پیٹ میں اتر جاتا ہے،
 اس کے بعد ہم آگے بڑھے تو ایک سرسبز دشا داب میں نظر آیا جس میں بہار کی سرسبزگی
 رہی تھی باغ کے سامنے ایک دروازہ آدمی کو دیکھا جس کا سر آسمان میں تھا، اور اس چاروں
 طرف بہت سے چھوٹے چھوٹے بچے تھے، آگے بڑھے تو ایک بہت بڑا باغ دیکھا جس سے زیادہ بڑا

اور خوبصورت باغ میں نے نہیں دیکھا تھا، یہاں پہنچ کر اپنے دونوں ہمراہیوں کے کہنے سے اچھوڑ کر چڑھا تو ایک شہر ملا جس کی دیوار میں سونے کی ایک ایک چاندی کی ایک ایک اینٹ لگی تھی، ہم لوگ دروازہ کے پھاٹک پر پہنچے، دروازہ کھلوا یا تو اس کے اندر گھسے تو اس میں کچھ لوگ ملے، جن کا آدھا دھڑ نہایت ہی خوبصورت اور آدھا بہت ہی بدصورت تھا، میرے ہمراہیوں نے ان سے ایک نہر کی طرف جوج میں نہایت صاف نشانات بہ رہی تھی، اشارہ کر کے کہا کہ اس میں جا کر غوطہ لگاؤ، وہ غوطہ لگا کر آئے، تو ان کی بدصورتی کا حصہ جاتا رہا، اور وہ پورے دھڑ سے خوبصورت ہو گئے، میرے ہمراہیوں نے مجھ سے کہا کہ یہ جنتِ عدن ہے، اور وہ آج کا دولت خانہ ہے، میں نے نظر اٹھا کر دیکھا، سپید لکڑی کی طرح ایک محل دکھائی دیا، پھر میں نے ان ہمراہیوں سے کہا کہ آج تو میں نے عجیب عجیب چیزیں دیکھیں تو بتاؤ میں نے کیا کیا دیکھا، انہوں نے جواب دیا کہ پہلا شخص جس کا سر تھپر سے کھلا جا رہا تھا، وہ جو جو قرآن پڑھ کر اسکی تعمیل سے انکار کرتا ہے، اور صبح کی مفروضہ نماز سے غافل ہو کر سیرتتا ہے، اور دوسرا شخص جس کے گلپھڑے اور نیتھے اور آنکھیں پھاڑی جاتی تھیں، وہ جو جھوٹ بول کر تمام دنیا میں اس کو پھیلاتا ہے، اور تنور میں جو مرد اور عورتیں ننگی جل رہی تھیں، وہ بدکار مرد اور عورتیں ہیں اور جو شخص خون کی نہر میں تیر رہا تھا، اور منہ سے پتھر نکلتا تھا، وہ سود خوار ہے اور سدا بہار جن میں جو رازِ قد آدمی اپنے دیکھا، وہ ابراہیمؑ تھے، اور ان کے گرد جوتھے تھے وہ ننھے اور کسن پتھے، جو حضرت پر مرنے تھے کسی صحابی نے پوچھا یا رسول اللہ! مشرکوں کے بچے؟ فرمایا، اور مشرکوں کے بچے بھی، وہ لوگ جن کا آدھا دھڑ خوبصورت، اور آدھا بدصورت تھا وہ میں جنہوں نے کچھ

چھے کام بھی کئے تھے، تو خدا نے ان کے گناہ دھو دیئے،

بزرخ کی ان تمام سزاؤں پر خود کرنے سے معلوم ہوگا کہ ان کی نوعیت اور کیفیت ان کے

اعمال کے بالکل مناسب اور مشابہ قرار دی گئی ہے، نماز صبح سے غافل ہو کر، بالینِ راحت سے

سر نہ اٹھانے والے کا سر کھلایا جانا، جھوٹے کا کھپھڑا پھاڑا جانا، زانی اور زانیہ کا برہنہ تنور کی آگ

میں جلنا، خون چوسنے والے سو دوزخ کا انسانوں کے خون کے دریا میں تیرنا، اپنا دو بالشت کا

پیٹ بھرنے کے لیے سارے غریبوں کی روزی چھین چھین کر جمع کرنے والے کا پتھر کے ٹکے کھانا

سراسر ان کے دنیاوی اعمال کی تمثیل و تصویر ہے، اور آخر میں نصف حسنِ عمل سے آدھے دھڑ

کی خوبصورتی، اور نصف سو، عمل سے آدھے دھڑ کی بد صورتی پوری مشابہ ہے، اور صاف

ذہنات نہر کی صورت میں رحمت و مغفرتِ الہی کا ظہور بھی اسی تیباس پر ہے،

ابھی تک دنیا نے جو کچھ ترقی کی ہے، وہ نفس سے باہر آفاقی (یعنی اپنے سے باہر کی

بیرونی مادی) دنیا کی اشیاء کے خواص و صفات کے جاننے میں کی ہو جن سے سانس کی ایجاد

و احتراعات کا تعلق ہے، لیکن ابھی اس سے بھی زیادہ ایک وسیع دنیا اپنے اندر کی پڑی جس کو

قرآن نے "انفس" کہا ہے، ان انفس یا ارواح کے اوصاف و خصائص کا ابھی تک بہت کم

علم ہوا ہے، ہماری سائنس کا لوجی (علم انفس) ابھی اپنی ابتدائی منزل میں ہی اور اس پر کچھ علوم

(علم ارواح) ابھی طلسمِ فریب کے عجائبات میں اسی طرح گرفتار ہیں جس طرح موجودہ عمدتوں

آج کے معمولی سائنسک تجربے سحر و جادو کے نقشِ نگار بنو ہوئے تھے بہر حال ابھی تک علم انفس و روح

سائنس صحیح بخاری کتابا بعیر مخلصاً ص ۱۰۵ اللہ الباقی شاء، دنی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ذکر و اتحبات حشر

عجائبات پر پردے پڑے ہوئے ہیں، ایک ہی مسئلہ کہ شے کے یقین، اور اس کے خارجی وجود
 میں کیا تعلق ہے؟ ایک سما ہے، بہت سے ہندو اہل فلسفہ اور بعض مسلمان صوفیوں اور موجود
 زمانہ کے مشہور فلاسفر بکلی کے نزدیک تو کسی شے کے یقین اور وجود، یا یوں کہو کہ ذہنی اور
 خارجی وجود میں بہت کم فرق ہے، بلکہ گویا نہیں ہے۔

بہر حال نفس انسانی کے اندرونی قومی کا علم گویا بھی بہت کچھ محتاج تکمیل ہے، علم
 ثابت ہے کہ کسی شے کو تصویری یقین، اور خارجی وجود میں بہت ہی شدید تعلق ہے، سراسر انہم
 نے جو سراسر اسی اصول پر مبنی ہے، اس حقیقت کو کسی قدر واضح کر دیا ہے، اسی سے معلوم ہو
 کہ مذہب نے سب سے زیادہ ایمان پر جو یقین ہی کا دوسرا نام ہے، اس قدر زور بے سبب نہیں دیا ہے
 قرآن پاک نے یقین کی دو قسمیں کی ہیں، علم یقین اور عین یقین کسی شے کی دلیلیوں
 کو سن کر یا بعض علامتوں کو دیکھ کر اس کے وجود کا اقرار کر لو، تو یہ علم آیقین (یقین جاننا) ہے
 اگر وہ شے خود تمہارے احساس اور مشاہدہ کے سامنے آجائے جس میں پھر شک و شبہ کی
 گنجائش نہیں ہو سکتی، تو وہ عین یقین (خود یقین) ہے، قرآن پاک نے یقین کی ان دونوں صورتوں
 کو سو دہ تھانوں میں بیان کیا ہے،

| | |
|---|---|
| تم کو دولت و نعمت کی بہتات نے غفلت میں | الْهٰنِكُمْ اَلتَّصَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمْ |
| بتلا کر دیا، یہاں تک کہ تم نے قبروں کو جا | الْمَقَابِرَ، كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ، ثُمَّ |
| دیکھا، ابھی نہیں تم آگے جان لو گے پھر ابھی | كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ |
| نہیں تم آگے جان لو گے ہرگز نہیں اگر تم یقین | عَلِمَ الْيَقِيْنَ، لَتَوَوَّنَ الْجَحِيْمَ نَعْمًا |

لَتَرَوْنَهَا عَيْنَ الْيَقِينِ ،
 کا جانتا جانتے تو البتہ دوزخ کو دیکھ لیتے

(تکواثر - ۱)
 پھر البتہ عین الیقین سے اس کو دیکھ لو گے

بنابین اگر انسان اپنے اندر علم یقین حاصل کر کے جو کمال ایمان کا اعلیٰ درجہ ہے تو وہ
 اپنے باطن کی آنکھوں سے اپنی دوزخ میں دیکھ لے ،

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ
 نہیں یہ بات نہیں اگر تم کو علم یقین ہو تو

لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ ، (تکواثر)
 دوزخ کو بے شبہ دیکھ لو گے ،

کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عذاب کے عینی مشاہدہ کا قورسی مطالبہ کرتے تھے اور
 انہی نے اس کے جواب میں کہا ،

يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَ اِنْ
 وہ تجھ سے جلد عذاب مانگتے ہیں ، حالانکہ

جَهَنَّمَ لَحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ (عنکبوت)
 دوزخ گھیر رہی ہے منکروں کو

ایک دوسری آیت میں ہے کہ منافقین بزعم خود آزمائش کے ڈر سے جہاد کی شرکت سے
 غدر کرتے ہیں ، اُس کے جواب میں اُن سے فرمایا گیا کہ وہ تو ابھی آزمائش میں مبتلا ہیں ،
 دوزخ اُن کو گھیرے ہوئے ہے ،

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ اِنَّكَ لَبِئْسَ
 اور اُن میں کوئی ایسا ہی جو کہتا ہے کہ مجھو جہاد

لَا تَفْتِنِي اِلَّا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا
 عدم شرکت کی) اجازت دیدیجئے ، اور آزمائش

اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ
 میں نہ ڈائے ، ہاں وہ تو آزمائش میں پڑ چکے

(توبہ - ۷)
 اور دوزخ منکروں کو گھیر رہی ہے ،

لیکن یہ علم یقین جس کے حصول کا ذریعہ صرف ایمان ہے، ہر شخص اُس سے اس دنیا میں بہرہ نہیں ہوتا، بلکہ بہتر سے اُس کے منکر ہیں، اس لیے اُن کو یہ اپنے پاس کی دوزخ اس وقت نظر نہیں آتی لیکن موت جس کا آنا ایک دن یقینی ہے، جب وہ آئے گی تو مادہ کا یہ حجاب جو آنکھوں پر پڑا ہوا تھا جائیگا، اس وقت اس عالم غیب کے کچھ اسرار اُن پر منکشف ہو جائیں گے، اور اعمال کے تمثیلی نتائج اور ثواب و عذاب اور جنت و دوزخ کے بعض مناظر اُن کے سامنے آجائیں گے، اور اس وقت وہ اپنے یقین کی آنکھوں سے کسی قدر واقعات کا مشاہدہ کر لیں گے،

ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ (تکاثر-۱) پھر تم دوزخ کو عین یقین سے دیکھ لو گے۔

یہ موت کے بعد کا سماں ہوگا جس کو برزخ کا عالم کہتے ہیں، اس کے بعد جب قیامت آئیگی تو سردازِ فاش ہو جائے گا، یَوْمَ تُبْلَى السَّائِرَاتُ جس دن تمام جہتیں کھل جائیں گے اور بہشت و دوزخ اپنی ظاہری صورتوں میں اس طرح سامنے آجائیں گی، کہ بھرتک و شبہہ کا شائبہ بھی باقی نہ رہے گا، وہ علم حقیقی اور یقین تحقیقی کا دن ہوگا، قرآن میں قیامت کے موقع پر ہے

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ، ذَٰلِكَ يَوْمٌ
اور تو سنو گا بھونکا گیا، یہ ہے ڈر کا دن.....

الْوَعْدِ..... فَنُكْشِفُ عَنْكَ عِطَاءَكَ
..... تو ہم نے تیرا پردہ چھوڑ دیا

فَبَصَّكَ الْيَوْمَ الْخَالِدُ (ف-۲) تو آج تیری نگاہ تیز ہے۔

اس پردہ کے ہٹتے ہی اس دن انسان کے تمام اعمال ایک ایک کر کے اُس کے سامنے آجائیں گے، اور دوزخ منظر عام پر آجائے گی، فرمایا،

فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَةُ الْكُبْرَى
جب وہ بڑا ہنگامہ آئے گا جس دن انسان

یَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ مَا سَعَىٰ

بُرْزَخِ الْجَنَّةِ لَمَّا يَأْتِي (نارعات ۲)

حوالہ برزخ کا عین یقین | ایک طرف شاعر (ابوالتماہیہ) نے حیرت کے عالم میں کیا خوب کہا ہے

الموتُ بَابٌ وَكُلُّ النَّاسِ يَدْخُلُهُ

موت ایک دروازہ ہے اور تمام انسان اس دروازے میں داخل ہونگے، کاش مجھے معلوم ہوتا کہ اُس دروازے کے بعد

یہ علم جس کی حسرت اس شاعر نے ظاہر کی ہے، اس زندگی میں صرف علم یقین کے ذریعے

سے حاصل ہو سکتا ہے البتہ موت کے وقت جب وہ دوسرے عالم کے دروازہ پر کھڑا ہو گا تو اسکو

پس پردہ کا نظارہ تھوڑا بہت ہو جائے گا، اور وہی برزخ کا عالم ہے فرمایا،

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ

آتی ہے تو وہ زندگی کے پس پردہ کے بغیر منظر

کو دیکھ کر کہتا ہے اے میرے پروردگار! مجھے ایک

بار اور دنیا میں لوٹا دے تاکہ دنیا میں جو مال

چھوڑ کر آیا ہوں، اس سے شاید کوئی نیک کام

کروں، ہرگز نہیں، یہ بات ہی بات ہے جو

وہ کہتا ہے (اوداب) ان گنہگاروں کے نتیجے

اس دن تک ایک پردہ (برزخ) ہے جب

(مومنون - ۶)

موت کے نتیجے میں جاکر اٹھائے جائیں گے

ظاہر ہے کہ اگر موت کے وقت اور بعد کوئی غیبی کیفیت اس کے مشاہدہ میں نہیں آجاتی

تو اس کا شک و شبہ ذوقِ یقین سے کیسے بدل جاتا ہے، فرمایا،

وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۗ

اور موت کی بیوشی حقیقت کو لیکر آگئی،

ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيدُ (ق-۲)

یہی ہے، وہ جس سے تو بٹا کرتا تھا،

اس سے معلوم ہوا کہ سکرات کے وقت حقیقت کا کوئی منظر سامنے ضرور آجاتا ہے

اس تفسیر نے بھی اس آیت سے یہی سمجھا ہے، ابن جریر طبری لکھتے ہیں،

بِالْحَقِّ مِنْ أَمْرِ الْآخِرَةِ فَنَبِّئُهُ الْإِنْسَانَ

حق یعنی آخرت کا کچھ حال تو موت کی سکرات

حق تشبہ و عرفہ

انسان پر کھول دیتی ہے، یہاں تک کہ انسان

اس کو یقین کر لیتا ہے اور جان لیتا ہے

حافظ ابن کثیر محدث اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں :-

يَقُولُ عَزَّوَجَلَّ وَجَاءَتْ أَيُّهَا الْإِنْسَانُ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے انسان موت

سکرتہ الموت بِالْحَقِّ اِی كَشَفَتْ لَكَ

کی بیوشی حق کو لے کر آگئی یعنی تیرے اس

عَنِ الْيَقِينِ الَّذِي كُنْتَ تَحِيدُ فِيهِ

یقین کے پردہ کو کھول دیا، جس میں تو

کرتا تھا،

قاضی شوکانی محدث کی تفسیر میں ہے،

وَمَعْنَى بِالْحَقِّ أَنَّهُ عِنْدَ الْمَوْتِ يَتَّظَرُ

اور حق لے کر آنے کے معنی یہ ہیں کہ موت

لَهُ الْحَقُّ وَيُظْهِرُ لَهُ صِدْقَ مَا جَاءَتْ

کے وقت حق بات کھل جاتی ہے، اور

اس تفسیر ابن جریر طبری جلد ۲ ص ۹۱ سے تفسیر ابن کثیر پر فتح البیان ج ۶ ص ۲۹۸

یہ انرسل میں الاخبار بالبعث و پیغمبر چہ قیامت اور جزا و سزا کی خبریں لیکر

الوعد والوعید (ج ۵ ص ۴۳) آئے تھے ان کی سچائی جو یہاں ہو جاتی ہے

مفتی الوسی حنفی کی تفسیر کی عبارت یہ ہے (ج ۶ ص ۲۱۵)

والمعنی حضرت سکرة الموت اس آیت کا مطلب یہ ہو کہ موت کی بدہوشی

حقیقۃً اکلاً ووالذی نطقت بہا اس حقیقت امر کو سامنے کر دیتی ہے جس کو اللہ کی

کتاب اللہ تعالیٰ اور رسد علیہم السلام کتابوں اور اس کے رسولوں نے بیان کیا ہے

زمخشری متزلی رکشاف ج ۲ ص ۲۰۲ (کلکتہ) اور ابو حیان اندلسی مالکی کی تفسیر میں

بھی یہی ہے (بحر محیط ج ۸ ص ۱۲۴ مصر)

یہ مفسرین مختلف فرقوں سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان سب کی متفقہ تفسیر یہ ہے

اس تفسیر کی صحت کی مزید دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد ہی قیامت کے ذکر میں ہے

فَكشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ ہم نے آج تجھ سے تیرا پردہ کھول دیا، تو

حدید، (ق-۲) آج تیری نظر تیز ہے،

اس سے معلوم ہوا کہ موت کے وقت کسی قدر انکشاف ہوتا ہے اور قیامت کے دن

انکشاف تمام ہو جاتا ہے، لیکن بہر حال موت کے وقت یقین کا پردہ بالکل کھل جاتا ہے،

موت کے بعد خدا کی طرف موت کے لئے قرآن میں اکثر خدا کی طرف بازگشت یعنی خدا کی طرف

روح کی بازگشت لوٹ جانے کی اصطلاح اختیار کی گئی ہے،

قُلْ إِنَّ الْمَوْتَّ الَّذِي تَفِرُّونَ بیشک وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو اس

لنا ہی ہے پھر تم اس (خدا) کے پاس لوٹاؤ

جاؤ گے، جو حاضر و غائب کا جاننے والا ہے تو

وہ تم کو تھارت کر توت بتائے گا،

ہم سب خدا کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ جائیں گے،

تم سب کو خدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے

مِنْهُ فَانْتَهُ مُلْقِيكُمْ تَسْتُرُونَ إِلَى

عَالِي الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (جمعہ - ۱)

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاغِبُونَ (بقرہ ۱۵۹)

إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا (مائدہ ۱۲۸)

یہ طرزِ اوابسیوں آیتوں میں اختیار کیا گیا ہے، یہ بالکل برسی ہے کہ ہر رجوع و بازگشت کے مفہوم میں در و داور آمد و اخل ہی اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تمام ارواح انسانی خدا کے یہاں سے اس ہم و قالب کی قید میں آئی ہیں، اور موت کے وقت اس عناصر کی چار دیواری سے نکل کر پھر ان کو وہیں واپس جانا ہی، جہاں سے آئی تھیں، اس بازگشت کے سفر میں انکا ذرا در راہ صریح و ہی ہوگا، جو اس دنیا سے واپس آئے ہیں انھوں نے کیا کیا ہو یعنی ان کے اندرونی و بیرونی اعمال اور اس کے بعد جو ان کی زندگی ہوگی، وہ ان کے ان ہی اعمال کی نوعیت پر منحصر ہوتی ہے

اور وہی (خدا) ہے جو تمہیں رات کی موت

دینا ہے، اور دن کو جو کہ اپنے اس کو

جاننا ہے پھر تم کو دن میں جگا اٹھاتا ہوتا کہ

مقررہ وقت (اصلی موت) پورا ہوا پھر اسی

کی طرف تم کو لوٹ کر جاتا ہے، پھر وہ تم کو

تمہارے اعمال بتائے گا،

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ

مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ تَمَّ بَشَلُّكُمْ فِيهِ

لِيُقِضَ أَجَلٌ مُّسَمًّى ثُمَّ إِلَيْهِ

مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

تَعْمَلُونَ

(الغافر - ۷)

ایک اور آیت میں ہے ،

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيَكُمْ عَلَىٰ نَفْسِكُمْ

اے انسانو! تمہاری بغاوت کا نتیجہ تمہیں پر ہی

مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ

دنیا کی زندگی سے کچھ فائدہ اٹھانا، پھر ہماری

فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ،

ہی طرف لوٹ کرانا ہے تو ہم تم کو تمہارے اعمال

بتائیں گے،

(یونس - ۲)

اس میں دنیا کی زندگی کے بعد ہی خدا نے اپنی طرف واپس آجانے کی اطلاع دی ہے اور

اہل تفسیر نے بھی اس رجوع الی اللہ سے موت ہی کے معنی سمجھے ہیں، (طبری ۱۱ - ص ۶۴ مصر)

اب ہم ایک ایسی آیت پیش کرتے ہیں جس میں موت کا پورا نقشہ ہے، اور اس کے بعد

بیان ہے کہ اس دن مرنے کے بعد ہی خدا کے ہاں ہنکا کر لائے جاؤ گے، گویا جس طرح جانور

ہنکا کر لائے جاتے ہیں، ویسے ہی گنہگاروں کی روہیں موت کے بعد نکال کر لائی جاتی ہیں، فرمایا

كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ، وَقِيلَ لَهَا

ہرگز نہیں، جب روح ہانس منہسلی آگے، پیچھے

رَاقٍ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ ، وَالتَّيَّارُ

اور لوگ کہیں، اب کون ہی جھاڑ پھونک کر کے

السَّاقُ بِالسَّاقِ ، إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ

بچانے والا، اور سمجھا کہ اب جدائی کا وقت

آگیا، اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ گئی، اس دن

السَّاقُ ،

تیرے پروردگار کی طرف ہے، ہانکا جانا،

(قیامہ - ۱)

لیکن سید اور نیکو کاروں کو موت کے وقت یہ محبت بھری صدائے غیب سنائی دیتی ہے،

اے مٹھن رنج! تو اپنے مالک سے خوش

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمَطْمَئِنَّةُ اذْجَبِي

إِلَىٰ رَبِّكَ رَاضِيَةً مُّرْضِيَةً (سجوا) اور تیرا مالک تجھ سے خوش تو اپنی مالک کے پاس واپس چلی جا،

کیسی دلاؤ نیرمدا اور کیسی دکش واپسی ہوگی،

اس وقت کا سماں | وہ لمحہ جب اس روح کی ہمت کا زمانہ اور عمل کی فرست ختم ہوتی ہے
گناہ و ذنباک ہے، اُس وقت اُسکی زندگی صرف اُس کے گذشتہ اعمال کے قالب میں جلوہ
ہوتی ہے، ہر عمل کی صورت اس کو سامنے کھڑی ہوتی معلوم ہوتی ہے اور غیب کی کارکن
صورتیں چلتی پھرتی دکھائی، اور بولتی چلاتی سنائی دیتی ہیں،

وَلَوْ تَوَخَّيْ إِذِ الظُّلُمُونَ فِي عَمْرَاتِ
الْمَوْتِ وَالْمَلَكَةُ بِأَسْطُوَائِدٍ يُحِيطُ
أَخْرَجُوا أَنفُسَهُمْ إِلَىٰ يَوْمِ يُخْرُونَ
عَنْ آبِ الْهَوْنِ بِمَا كَانْتُمْ تَعْمَلُونَ
عَلَىٰ اللَّهِ غَيْرِ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ آيَاتِهِ
تَسْتَكْبِرُونَ، وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فَرَادَىٰ
كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُمْ
مَّا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ ج
(انعام - ۱۱)

اور کبھی تو دیکھے جس وقت گنہگار موت کی
بہوشی میں ہوں، اور فرشتے ہاتھ کھولے ہوں کہ
لگا لگا اپنے جسموں کے اندر سے) اپنی روح
کو، آج تم کو اس پر ذلت کی سزا میلی کہ تم خدا
کی شان میں جھوٹ باتیں کہتے تھے اور اس کے
حکموں کے ماننے سے غور کرتے تھے اور تم ایک
ایک کر کے (نہا) جیسے ہم نے پہلی بار تم کو پیدا کیا
ہمارے پاس آئے اور جو سامان و اسباب تم کو دیا
تھا، (جس نے تم کو مفرد بنایا تھا) اسکو اپنے پیچھے

ان آیات سے ظاہر ہے کہ موت کے وقت کس طرح فرشتے سامنے آتے
ہیں، اور روح جسم سے جس وقت الگ ہوتی ہے، اُس کے گناہوں کی سزا کا دور

شرع ہو جاتا ہے یہی بات ایک اور موقع پر مذکور ہے،

اور کبھی تو دیکھے جس وقت فرشتے کا فزون کی

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا

جان لیتے ہیں ان کے منہ پر اور پیچھے پارتے ہیں

الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ أَدْبَارًا

(اور کہتے ہیں) اٹھنے کے عذاب کا مزہ چکھو، یہ تمہارے

وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ، ذَٰلِكَ بِمَا

ہاتھوں کے پھیلے کئے ہوئے کاموں کا بدلہ ہوا

قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ

بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ (انفال - ۷)

اس سے واضح ہے کہ یہ سزا موت ہی کے عالم سے شروع ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ

یہ سزا نمودار اللہ کسی انتقام کے سبب نہیں دیتا، بلکہ وہ درحقیقت قانونِ عمل کے مطابق خود

انسان کے کاموں کا لازمی نتیجہ ہوتی ہے،

نکو کاروں کا نقشہ اس سے بالکل الگ ہے، ان کو ہر طرف سے بشارتیں سنائی دیتی

ہیں، اور ہر سمت خوشی و شادمانی کا سامان سامنے ہوتا ہے،

پھر کیوں نہیں جس وقت روح طلق تک پہنچ

فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلُقُومَ وَأَنْتُمْ

جاتی ہو اور تم اس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو، اور

حِينئذٍ تَنْظُرُونَ، وَأَنْتُمْ أَقْرَبُ إِلَيْهِ

ہم اس سے تمہاری نسبت زیادہ تر نزدیک ہوتے

مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تَبْصِرُونَ، فَلَوْلَا

ہیں لیکن تم کو دکھائی نہیں دیتا تو اگر تم کسی اور

إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ، تَرْجِعُونَهَا

حکم کے نیچے نہیں ہو تو کیوں نہیں اس روح کو

إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ، فَأَمَّا إِنْ كَانَ

پھر مٹا دیتا ہو اگر تم (اپنی انکساریت کی وجہ سے) سچے

مِنَ الْمُقَرَّبِينَ، فَرُدِّحْهُ وَرُدِّحْهُ

وَجَنَّتْ نَعِيمٍ وَأَمَّا أَنْ كَانَ مِنَ
 أَصْحَابِ الْيَمِينِ فَسَلَّمَ لَكَ مِنَ
 أَصْحَابِ الْيَمِينِ، وَأَمَّا أَنْ كَانَ مِنَ
 الْمَكْدُورِينَ الضَّالِّينَ، فَانزَلَ مِنَ
 حَمِيمٍ وَتَصْلِيَةً جَحِيمٍ، إِنَّ
 هَذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِينِ،

تو اگر وہ (مرنے والا) مقرب بندوں میں سے ہوگا
 تو خوشی و آرام اور نعمت کی بہشت ہی، اور اگر وہ اس
 سے کچھ کم درجہ (دہنے والوں میں ہو تو تجھ پر سزا
 دہنے والوں میں سے ہو اور اگر وہ حق کو چھٹا کر لے
 گا تو اس میں سے ہو تو گرم پانی کی دہانی، اور
 دوزخ میں بیٹھنا ہے، بے شبہ یہ بات کہ

(واقعہ - ۳) یقین کے لائق ہے،

یہ تمام سمان موت کے بعد اور عالم برزخ ہی کے مناظر ہیں،

برزخ کا عذابِ اُحت | اوپر کی آیتوں سے پوری طرح ہویدا ہے کہ روح و جسم کی تقاریر

کے بعد اچھی روحوں کے سامنے رحمت کے اور بری روحوں کے روبرو عذاب کے منظر گذرتے ہیں
 قرآن پاک میں کچھ اور آیتیں ہیں جن سے ثابت ہے کہ یہ منظر نہ صرف روح کے سامنے ہی
 گذرتے ہیں، بلکہ کبھی کبھی وہ اپنے اعمال کے مدارج کے مطابق رحمت یا رحمت کے اندر بھی
 داخل کرو جاتی ہے، منافقین کی نسبت قرآن میں ہے،

سَنَعِدُّ بِهٖمْ مَرَاتِنَ، ثُمَّ يَرُدُّوْنَ

ہم ان کو دو دفعہ عذاب دیں گے، پھر وہ

إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ، (توبہ - ۱۳)

ایک بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے

عَذَابٍ عَظِيمٍ سے ظاہر ہے کہ دوزخ کا عذاب مراد ہے، اب اس عذابِ دوزخ

سے پہلے عذاب کے دو دوران پر اور گذر چکے ہوں گے، ایک تو یہ دنیاوی عذاب ہے اور دوسرا

موت کے بعد ہی کا ہو سکتا ہے قرآن میں آل فرعون کے ذکر میں ہے،

وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ
النَّارُ لِعَرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا
وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ قَدْ آدَخِلُوا آلَ
فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ

اور فرعون والوں پر بری طرح کا عذاب
الٹ پڑا، آگ کہ اُس پر وہ صبح اور شام پیش
کئے جاتے ہیں، اور جس دن قیامت کی گھڑی
ہوگی، (ندا ہوگی کہ) فرعون والوں کو

(مومن - ۵) (پہلے سے بھی) بڑھ کر عذاب میں ڈالو،

اس سے ظاہر ہوا کہ گنہگاروں کو قیامت سے پہلے برزخ کے عالم میں بھی عذاب کا کچھ نہ
کچھ مزہ چکھایا جاتا ہے، ایسا ہی نیکو کاروں کو بہشت کے عیش و آرام کا منظر دکھایا جاتا ہے، اسی
آیت پاک کی تشریح میں گویا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے، تم میں سے جب کوئی مرتا ہو تو اس
پر صبح و شام اُس کا اصلی مقام پیش کیا جاتا ہے، اگر وہ اہل جنت میں سے ہوتا ہے تو جنت، اور اہل
دوزخ سے ہوتا ہے تو دوزخ، پھر اس کو کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا مقام اس وقت تک کیلئے کہ جب تو قیامت
کے دن اٹھایا جائے، ایک در صحیح حدیث میں ہے کہ جنتی مردہ کے سامنے جنت و دوزخ دونوں کے منظر
سامنے کر کے کتھے ہیں کہ اگر تو اچھے عمل نہ کرتا تو تیرا یہ مقام نہ ہوتا، مگر تیرے نیک عمل کے سبب اب
یہ جنت تیرا مقام ہے، اور اس دن تک کے لوگ اٹھائے جائیں، اس پر سرسبزی بھردی جاتی ہے،

۱۵ صحیح مسلم کتاب الجنۃ والنار باب عرض مقعد المیت جلد ۲ ص ۴۸۸ مصر و جامع ترمذی کتاب بخاری باب عذاب القبر حدیث

حسن صحیح و صحیح بخاری کتاب بخاری باب عذاب القبر ص ۱۸۴ و سکرات الموت ص ۹۶۴ صحیح بخاری کتاب بخاری ص ۱۸۴

۱۵ صحیح مسلم باب عرض مقعد المیت ص ۱۲۹ مصر،

مشرکوں اور قیامت کے منکروں کا سوال تھا کہ اگر یہ پیغام الہی سچ ہے تو ہم کو فرشتے یا خدا
نظر کیوں نہیں آتے جو اب میں کہا گیا کہ فرشتے جس دن نظر آئیں گے اس دن ایمان بالنبی کمان؟ اور پھر
کی آیتوں سے معلوم ہو چکا ہے کہ فرشتے موت کے وقت نظر آتے ہیں، یا پھر قیامت میں نظر آئیں گے اس لئے ارشاد

یَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلَائِكَةَ لَا بُشْرَىٰ يَوْمَئِذٍ
لِّلْمُجْرِمِينَ وَيَقُولُونَ حَجْرًا مَّحْجُورًا، وَ
قَدْ مَنَّآلِی مَا عَمِلُوا مِنَّ عَمَلٍ مُّجْتَلٍ
هَبَاءً مُّثَوَّرًا، أَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ
خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَأَحْسَنُ مَقِيلًا، وَ
یَوْمَ تَشْفِقُ السَّمَاءُ بِالْغَاوِرِ نَدَىٰ
الْمَلَائِكَةِ نَزِيلًا، الْمَلَكُ يَوْمَئِذٍ
بِالْحَقِّ لِلرَّحْمَنِ وَكَانَ یَوْمًا عَلٰی
الْكَافِرِیْنَ عَسِیْرًا، (فرقان ۳)

جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن ان
گنہگاروں کوئی خوشخبری نہیں اور کس کے ڈر یہ اونا
منظر جو ہم کو نظر آ رہا ہے، اب دٹ میں دکا جا اور ہم خدا
فرمانا ہوا ان کے کئے ہوئے کاموں کے پاس پہنچے اور انکو
اڑتا غبار بنا دیا (یعنی بیکار رہے سو وہ معدوم) جنت والے
لوگ یعنی جنکو جنت ملنے والی ہے اس دن ان کو کبھی خوب
ٹھکانا، اور دوپہر کے سونے کا مقام ہوگا، اور جس
آسمان بادل سے پھٹ جائیگا، اور فرشتے آہستہ
اُتارے جائیں گے، اس دن راجح سچا خدا کا ہوگا، اور

وہ دن کا نزول برکت ہوگا

کھلی بات ہے کہ آسمان کا بادل سے پھٹنا، اور فرشتوں کا اترنا قیامت کا نقشہ ہے۔ اب
اس سے پہلے فرشتوں کے دکھانی دینے کا وہ دن جس میں گنہگاروں کے لئے کوئی خوشخبری نہیں
اور وہ کہیں گے کہ کاش یہ اور اونا منظر ہماری نگاہوں کے سامنے نہ ہوتا، اور جنت کے مستحقین کو
ایک اچھا مستقر (قرار گاہ) اور دوپہر کی دھوپ سے بچانے والی خواہ گاہ ملی ہوگی، قیامت سے پہلے
اور موت کے بعد ہی کی کیفیت ہے،

سورہ محمد میں موت کے وقت کا حال بیان ہوتا ہے کہ جب فرشتے ان گنہگاروں

کی روحوں کو قبض کرتے ہیں تو ان کے چہروں پر اور پٹھوں پر ضرب لگاتے ہیں، فرمایا،

فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ

لَيَضْرِبُونَ وُجُوهُهُمُ وَأَدْبَارَهُمْ

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ اتَّبَعُوا مَا اسْتَحْذَاهُ

وَكِرَهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ

(محمد - ۳)

یہی ضرب خواہ اسی مادی جسم پر پڑتی ہو یا اس کے مثالی جسم پر یا روح پر، جو بھی

کئے، بہر حال اس سے ثابت ہو کہ گنہگار مردہ پر موت کے وقت ہی عذاب کا ایک ذمہ شروع ہوتا ہے،

سورہ انعام میں اس سے زیادہ ہے،

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي عَمْرَاتِ

الْمَوْتِ أَوِ الْمَلَائِكَةِ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ

أَخْرَجُوا أَنفُسَهُمْ الْيَوْمَ بِمَجْزُؤِنَ

عَذَابِ الْهُونِ، (انعام - ۱۱)

الْيَوْمَ جس کے معنی آج کے ہیں، ظاہر ہے کہ اس سے وہی زمانہ مراد ہے جس وقت

سے فرشتے بدن سے روح نکالتے ہیں، اس آج سے مقصود ہمارا دنیاوی آج نہیں ہے،

جو ہم گنہگاروں میں ختم ہو جاتا ہے، بلکہ بزرگ کا پورا زمانہ ہے (دیکھو فتح القدیر شوکانی و تفسیر

ابو السود و تفسیر روح المعانی آلوسی

قوم نوح کے غرق ہونے کے بعد ہی دوزخ میں جانے کا ذکر ہے،

أَعْرِقُوا إِذَا دَخَلُوا أَنَارًا فَلَمْ يَجِدُوا
لَهُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ أَنصَارًا

وہ ڈبو دیئے گئے، پھر وہ آگ میں داخل کئے

گئے، تو انھوں نے خدا کے سوا مددگار

نہیں پائے،

(نوح - ۲)

حضرت لوط اور حضرت نوح کی کافر بیویوں کی موت کے بعد ہی عذاب کا ذکر ہوا،

وَقِيلَ ادْخُلِ النَّارَ مَعَ الَّذِينَ دَخَلُوا
وَقِيلَ ادْخُلِ النَّارَ مَعَ الَّذِينَ دَخَلُوا

اور کہا گیا کہ داخل ہونے والوں کے ساتھ

تم دونوں بھی آگ میں داخل ہو جاؤ،

(تحریم - ۲)

یہ قیامت سے پہلے اور دنیا کے عذابِ ہلاکت کے بعد کے واقعات ہیں اور اسی

وقفہ کا نام بزرخ ہے،

سودہ لیسین میں ایک خیر خواہ قوم کا ذکر ہے جو عمر بھر اپنی قوم کو حق کی تبلیغ کرتے رہے

پھر وہ غالباً اسی حق کی راہ میں شہید ہوا، مرنے کے بعد جب اس کو بہشت ملی، تو اس نے بڑی

حسرت سے کہا کہ کاش میری قوم کو معلوم ہوتا کہ مرنے کے بعد خدا نے کس طرح مجھے مسامت

فرمایا اور عزت بخشی تاکہ وہ بھی ایمان سے میری طرح بہرہ ور ہو کر اس مغفرت اور عزت سے سرفراز ہوتی

قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۗ قَالَ يَلَيْتَ قَوْمِي
يَعْلَمُونَ، بِمَا عَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي

کہا گیا جنت میں داخل ہوا، اس نے کہا

اے کاش میری قوم کو یہ معلوم ہوتا کہ میرے

پروردگار نے میری مغفرت کی اور مجھے عزت

مِنَ الْمَكْرَمِينَ، وَ مَا أَنْزَلْنَا

عَلَىٰ قَوْمِهِ مِّنْ بَعْدِهَا مِثْرًا حَبْدٍ

والوں میں سے بنایا، اور ہم نے اُس کے

مِنَ السَّمَاوَاتِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ،

مرنے کے بعد اُس کی قوم پر آسمان سے کوئی

فوج نہیں اتاری، اور نہ ہم آرا کرتے ہیں

(ہینین - ۲)

شہیدوں کی نسبت تو خاص طور پر ہے،

بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ

بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس وہی

(ال عمران - ۱۷) پاتے ہیں،

اس سے معلوم ہوا کہ شہداء کو برزخ ہی میں کامل زندگی کے ساتھ حنت کی روزی

ملتی ہے اور عام نیکو کاروں کا یہ حال ہے کہ ان کو فرشتے اس وقت سلامتی اور حنت کی

کی خوشخبری سناتے ہیں، فرمایا،

الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ

جن کو فرشتے (گناہوں سے) پاک صاف حالت

يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ادْخُلُوا

میں وفات دیتے ہیں کہتے ہیں کہ تم پر سلامتی

الْجَنَّةَ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (نحل - ۳۱)

ہو اپنے کاموں کے بد لجت میں چلے جاؤ،

قبر کی اصطلاح | سطور بالا میں عالم برزخ کے وہ مناظر دکھائے گئے ہیں جو قرآن کی آیتوں میں

نظر آتے ہیں، اور احادیث صحیحین اس عالم کے حالات کی تفصیلات مذکور ہیں وہ عموماً قبر کی

بعض متزلزل عذاب قبر کے قائل تھے، اور ان کی دلیل یہ تھی کہ قرآن میں اسکا ذکر نہیں، یہ غلط فہمی انکو ایسے پیشانی

کہ قرآن میں لفظ قبر و قبور کیساتھ عذاب کا ذکر نہیں لیکن اگر وہ دیکھتے کہ قرآن میں بعد موت و قبل قیامت ارواح انسانی

کے عذاب و ثواب و رحمت و لعنت کا ذکر موجود ہے تو ان کو اس کا کار کی حیرت نہ ہوتی اور قرآن میں اسی قسم کی متعدد

موجود ہیں!

اصطلاح کے ساتھ بیان ہوئی ہیں لیکن اس لفظاً قبر سے درحقیقت مقصود وہ خاک کا تودہ نہیں جس کے نیچے کسی مردہ کی ہڈیاں پڑی رہتی ہیں، بلکہ وہ عالم ہے جس میں یہ مناظر پیش آتے ہیں، اور وہ ارواح و نفوس کی دنیا ہے، مادی عناصر کی نہیں، اسی لئے قرآن پاک نے اس عالم کے ^{مناظر} سے ہمیشہ نفس اور نفوس کو خطاب کیا ہے اور ان ہی کے عذاب و ثواب اور رحمت و لعنت کو ذکر ہے، اس عالم میں جو جسم نظر آتا ہے، وہ مرنے والے کے اعمال کا مثالی پیکر ہوتا ہے جو ہو ہو اُس کے خاکی جسم کا ثقی ہوتا ہے، تم نیند میں ہو، اور تمہارا نیم مردہ بے حس جسم بستر پر دراز ہے، مگر تم خواب میں دیکھ رہے ہو کہ بعینہ تمہارا جسم آگ میں جل رہا ہے یا باغ و بہار کی لذتوں میں مشغول ہو، اور تم کو اس کو وہی تکلیف اور راحت مل رہی ہے جو بیداری میں اپنی مشغول پڑے ہوئے جسم کی تکلیف و راحت سے مل سکتی ہے، اس جواب میں جس طرح تمہاری مادی جسم کے علاوہ تم کو اپنا ایک خیالی جسم نظر آتا ہے جو ہو ہو تمہارا مادی جسم ہی اسی طرح موت کے خواب میں بھی تم کو اپنا ایک مثالی جسم نظر آئے گا، جو اکثر حالتوں میں ہو ہو تمہارے اس خاکی جسم کے نظائر ہوگا، اور تمہاری روح اسی جسم مثالی کے عذاب و راحت متاثر ہوگی کہ اعمال کی اصل ذمہ دار روح انسانی ہے، جسم خاکی نہیں فرمایا اَنْفُسٍ لِّمَا كَسَبَتْ رَهِيْنًا (مدثر: ۲) (یعنی ہر روح اور جان اپنے اعمال کے ہاتھوں گرفتار ہوگی۔ اس لئے اصل تکلیف روح ہے، جسم نہیں جسم ہرزہ آرا کے ہے، دنیا میں اس کا ایک جسم خاکی تھا، بئرح میں اس کا ایک جسم لے اس سے اس شبہ کا ازالہ ہوتا ہے کہ ہم کو مردہ کا جسم سامنے پڑا نظر آتا ہے لیکن اس پر عذاب کوئی نظر نہیں آتا، اور نیز اس شبہ کا بھی ازالہ ہوتا ہے کہ قبر میں جب جسم سرگھل جاتا ہے تو پھر عذاب و ثواب کا اس کا اس کو کیسے ہوتا ہے۔

ہوگا، جو مادہ و مادیات سے پاک بری ہوگا تاہم اس کو اپنے جسم خاکی سے ایک قسم کی نسبت حاصل ہوگی، اور اتنی ہی نسبت کی بنا پر قبر کی اصطلاح عام بول چال میں جاری ہے، کیونکہ ہم اپنی آنکھوں سے مسلمان مردوں کو اسی قبر میں جاتے دیکھتے ہیں، قرآن پاک کی یہ آیت اور پرگندہ لگی ہے،

وَلَوْ تَرَىٰ اِذْ يُنْفَخُ الذِّبْنُ مِنْ كَفْرًا

اور اگر تو دیکھے جب فرشتے کافروں کی

الْمَلَائِكَةُ يُضْرَبُونَ وُجُوهُهُمْ وَ

ادب آ رہے، و ذوقاً عذاباً لحریقاً

اور پیٹھ پر اور رکھتے ہیں) چھوٹنے کا مزہ

اس آیت سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ گندگا روں پر موت کے بعد ہی عذاب شروع ہو جاتا ہے وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ ماران کے منہ اور پیٹھ پر پڑتی ہے، مگر یہ منہ اور پیٹھ وہ نہیں ہے جو بے جان لاش کی صورت میں ہمارے سامنے ہے، بلکہ اس آیت میں کافر کی روح کو جانور سے تشبیہ دینی ہے کہ جس طرح جانور کو تیز ہنکاتے وقت کبھی آگے (منہ پر) اور کبھی پیٹھ پر (پیر) مارتے ہیں، اسی طرح گویا کافر کی روح کو زبردستی فرشتے مارتے ہوئے اور ہنکاتے ہوئے چلنے کے

اور کہیں گے کہ چلو عذاب کا مزہ چکھو، یہی مفہوم صاف لفظوں میں اس آیت میں ہے،

اِلَىٰ رِبِّكَ يَوْمَ تَصْدِرُ الشَّجَرُ

اس دن تیرے پروردگار کی طرف سے

(قیامت - ۱) ہنکایا جانا،

بعض ایسی سید روحیں بھی ہوتی ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس دنیا

میں جسم خاکی کی شکل و صورت کی قید سے آزاد کر کے کوئی دوسرا مناسب مثالی جسم عطا

کرتا ہے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے کہ مومن کامل کی روح پرندوں کی شکل میں جنت میں اڑتی

پھرتی ہے اور خصوصاً شہدائے متعلق آیا ہے کہ وہ سبز زردون کی شکل میں ہونگے اور عرشِ اعلیٰ کی قدیمیں ان کا آشیانہ ہوں گی، اسی طرح دوزخ و بہشت کے متعلق آنحضرت ﷺ کا جو روایہ صادقہ پہلے گزرا ہے، اُس میں جن جسمانی قابلوں میں گنہگاروں کی سزا و تکلیف کی صورتیں دکھائی گئی ہیں، وہ تمام تر مثالی ہی ہیں، ظاہر ہے کہ مومن سعید اور شہدائے کے وہ مثالی قالب و رنگینکاروں کے یہ مثالی اجسام ان کے وہ قالب و جسم نہیں ہیں جو ان کی قبروں میں سڑ گلی کرنا ہونگے، یا وہ آگ میں جل کر خاک تر ہونے اور ذرے ہوا میں اڑ کر منتشر ہونگے، یا کسی جانور کے پیٹ میں جا کر اس کا جزء بدن بن گئے،

بعض حدیثوں میں آنحضرت ﷺ سے ان سٹی کی قبروں میں عذاب کے مشاہدات و سموعات کا تذکرہ ہے، تو ظاہر ہے کہ ماہی زبان و منظر میں ان قوموں کے نزدیک چٹ مروون کو نکاڑتی ہیں، اُس میت کی یادگار اس دنیا میں اُس کے اُس مٹی کے ڈھیر کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے، طرف اشارہ کیا جاسکے ایک صحیح حدیث میں اُس نیک مرد کا ذکر ہے جس نے فدائے خون سے یہ وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد اس کا جسم جلا کر رکھ لیا جائے تاکہ وہ خدا کے سامنے حاضر ہو سکیں، مگر قدرتِ الہی نے اس کو محترم کر کے کھڑا کر دیا، اور اُس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتوں سے نوازا۔

سوال و جواب | احادیث صحیحہ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مرنے کے بعد قبر میں

فرشتے آتے ہیں، اور وہ مروون سے توجیہ و رسالت کی نسبت سوال کرتے ہیں،

اس کی تصدیق قرآن پاک کی ان آیتوں سے بھی ہوتی ہے،

۱۔ سنن ابن ماجہ کتاب بخاری ص ۱۵۹ و کتاب لرقانی باب عذاب من اللہ

جن کو فرشتے (گناہوں سے پاک صاف حالت میں
وفات دیتے ہیں، کہتے ہیں کہ تم پر سلامتی ہو، اپنے
کاموں کے بدلہ جنت میں چلے جاؤ،
بیشک فرشتوں نے جن کی روحوں کو اس حالت
میں قبض کیا کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے، وہ
ان سے کہتے ہیں تم کس بات میں تھے وہ جواب
دیتے ہیں کہ ہم ملک میں بے یار و مددگار تھے،
فرشتے کہتے ہیں کہ کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی
کہ تم اپنا وطن چھوڑ کر باہر چلے جاتے،

الَّذِينَ تَتَرَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ
يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ادْخُلُوا
الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (محل ۱۴)
إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ
ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ
قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ
قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضَ اللَّهِ وَاسِعَةً
فَتَاجِرُوا فِيهَا فَأُولَٰئِكَ مَا لَهُمْ
بِجَهَنَّمَ، (نساء - ۱۴)

ایک اور آیت ہے،

یہاں تک کہ جہان جھٹلانے والوں کے پاس
ہمارے فرشتے ان کی روحوں کو قبض کرنے آئیں گے
اور کہیں گے کہ اس پر وہ جنکو تم خدا کے علاوہ پکارتے
تھے، (اس وقت وہ مشرک) کہیں گے کہ ہمارے وہ یوم نام
سے کنارہ کش ہو گئے اور انہوں نے اپنے اور اپنے گویا ہی
کہ وہ کافر تھے، تب خدا فرمائے گا کہ تم بھی ان لوگوں
میں جاؤ، جو جن دانس میں سے تم سے پہلے

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمْ فَسَلَّمْنَا بِتَوَفَّاهُمْ
قَالُوا آيِنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُونَ مِنْ
دُونِ اللَّهِ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا وَشَهِدُوا
عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَاذِبُونَ
قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ
قَبْلِكُمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ فِي النَّارِ
(اعراف - ۴)

یہ لوگ ہیں جن کو

پہلی آیت میں عدم ہجرت کے گناہ کے ترکیب مسلمانوں کا اور دوسری میں کافروں کا حال بیان کیا ہے کہ ان سے ان کی موت کے بعد ہی یہ سوال کیا جائے گا، بہر حال یہ تو خاص خاص گناہوں کے مجرموں کا حال تھا، اب عام لوگوں سے جو سوال ہو سکتا ہے وہ وہی ہے جس کا ذکر احادیث میں ہے یعنی توحید و رسالت کی معرفت کا ان سے سوال ہوگا۔

قرآن پاک میں ایک جگہ کلمہ طیبہ (اچھی بات یعنی کلمہ توحید) اور کلمہ خبیثہ (بری بات یعنی کلمہ کفر) کی ایک ایک مثال ہے کلمہ طیبہ کی مثال اُس درخت کی ہے جس کی جڑیں زمین میں مضبوط گرہمی ہیں، اسی کی شاخیں آسمانوں تک پھیلی ہیں، اور اس میں سدا بہار میوے لگے ہیں، اور کلمہ خبیثہ کی مثال اس درخت کی ہے جس کی جڑیں زمین سے اکھڑی پڑی ہیں، وہ اب گرا اور تب گرا، اس کے بعد قرآن میں ہے،

يُنْتِثُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ
الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ
وَلْيُضِلَّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ (ابراہیم: ۲۷)

اللہ ایمان والوں کو کچی بات پر اس دنیا میں
مضبوط رکھے گا اور آخرت میں بھی، اور اللہ
ظالموں کو بچلاتا ہے،

اس کی تفسیر صحیح حدیثوں میں یہ ہے کہ یہ برزخ کے اسی سوال و جواب سے متعلق ہے کہ صاحب ایمان جس طرح اپنی اس زندگی میں ایمان کی بات پر قائم تھا، اسی طرح برزخ میں بھی اس پر قائم رہے گا، اور جو کافر و مشرک یہاں اس پر قائم نہ تھا، وہاں وہ بھی قائم نہ رہے گا اور بہک جائے گا،

ہر چند کہ رسول پاک کی صحیح تفسیر کے ہوتے ہوئے کسی اور استدلال کی حاجت نہیں تاہم

تائیداً یہ عرض ہے کہ اس آیت میں اہل ایمان کے آخرت میں بھی قولِ ثابت پر ثابت قدم رکھے جانے کی بشارت ہو ظاہر ہے کہ اس آخرت سے قیامت اور بہشت و دوزخ کا دن تو مراد نہیں ہو سکتا کہ وہ تو کشفِ راز کا دن ہے، اُس دن تو کافر بھی اس قولِ ثابت سے پلٹنے کی جرأت نہیں کر سکتا، پھر یہ اہل ایمان کے لیے کوئی خاص بشارت نہ ہوگی، اور نہ یہ اس اظہارِ احسان کا مناسب وقت ہو سکتا ہوا لہذا اس بشارت اور احسان کا اعلان و اظہار آخرت کے حصہ میں ہو سکتا ہے جہاں ہنوز اسرارِ پس پر وہ کی پوری نقاب کشائی نہیں ہوتی اور ہر برزخ کا عالم ہی اس آیتِ پاک کی اس تفسیر سے جو احادیثِ صحیحہ پر مبنی ہے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آخرت کی وسعت مفہوم میں برزخ کا میدان بھی داخل ہی

حقیقت میں اس عالمِ برزخ کا سوال و جواب کوئی نیا واقعہ نہ ہوگا، بلکہ ہر برزخ کی پہلی زندگی کی ایمانی کیفیت اقرار و انکار کی مثال ہوگی، یا یوں کہو کہ آج کے آئینہ میں کل کا عکس نمایاں ہوگا یعنی اقرار و انکار کی جس کیفیت پر زندگی کا خاتمہ ہوا ہوگا، وہی بعد کو سوال و جواب میں نمایاں ہوگی۔ برزخ میں ارواحِ مسکن کا سکن آخری سوال یہ ہے کہ موت اور قیامت کی اس سیج کی منزل (برزخ) میں ارواحِ انسانی کا مسکن کہاں ہوگا؟ قرآنِ پاک میں اس کا جواب متعدد آیتوں میں ملتا ہے جسے پہلی آیت تو ان تذکرہ بالا آیات کے بعد ہے جس میں ذکر ہے کہ فرشتے جب منکرین سے سوال و جواب کر چکیں گے تو خدا ان کی روحوں کو حکم دیگا کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ عذاب کی آگ میں داخل ہو جائیں اُس کے بعد ہے

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا
بَشِيكًا جَهَنَّمَ لَمَّا رَأَىٰ آيَاتِنَا كُفْرًا

عَنْهَا آرَافَةٌ لَّهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ
وَلَا يَدُخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلْبَسُوا
فِي سَعِيرٍ الْجَنَابِطِ،
اور ان کے ماننے سے غور کیا ان کیلئے آسمان
کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور نہ جنت
میں داخل ہوں گے تا آنکہ اونٹ سوئی کے کپڑے
میں گھس جائے (یعنی کبھی نہیں)

(اعراف - ۵)

اس سے معلوم ہوا کہ آیات الہی کے منکر و نادر جھلانے والوں کی رو میں مرنے کے بعد
آسمانی بادشاہی کے حدود میں قدم نہ رکھ سکیں گی، اور وہ نفا سے زمین میں آوارہ پھرنے لگیں
یا اپنے خاکی جسموں کے لگاؤ سے جہاں وہ سپرد خاک ہوئے ہوں منڈلاتی رہیں گی، اور وہ
سے دوزخ کا منظر دکھیں گی، اور تکلیف اٹھائیں گی،

اس کے برخلاف ہمہ تن پاکباز مومن روح کا یہ حال ہوتا ہے کہ موت ہی کے وقت جنت
کا فرشتہ بلکہ خود زبانِ رحمت اُس کے کانوں میں یہ صدا دیتی ہے،

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي
إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً فَادْخُلِي
فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي،
اے مطمئن روح! اپنے پروردگار کے پاس
واپس چلی جا، تیرا پروردگار تجھ سے خوش
تو اپنے پروردگار سے خوش، تو میری بندوں میں

شامل اور میری بہشت میں داخل ہو جا،
(بخورہ - ۱)

ان سے بڑھ کر وہ پاک باز دو ہیں، یہ جنہوں نے اپنے خاکی جسموں کو فنا کی زندگیوں کو
خوشیوں اور زوال پذیر عشرتوں کو خدا کی راہ میں قربان کیا، تو ان کو خدا کی طرف سے ایک تیشی
جسم غیر فانی زندگی، اور روحانی عیش و مسرت کی لازوال دولت اسی وقت عنایت کی جاتی ہے اور

وَلَسَوْفَ لَوِ الْيَمَنُ يَفْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَالُهُمْ
 جہ خدا کی راہ میں مارے جائیں، ان کو مردہ نہ

بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (بقرہ - ۱۰)
 کہو، وہ زندہ ہیں، لیکن تم شعور نہیں کر سکتے،

یہ پرسترت زندگی کیسی ہوگی، اس کی تفصیل دوسری سورہ میں ہے،

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ
 اور تو ان کو جو خدا کی راہ میں مارے گئے، امر

اللَّهِ أَمْوَالًا تَآبَتْ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ
 زگمان کر، بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں،

يُرْزَقُونَ ۗ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ
 ان کو روزی دیا جاتی ہے، خدا نے اپنی ہر بانی سے

مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ
 ان کو جو دیا ہے، اس پر خوش ہیں، اور جو بھی

لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّاخَوْفٌ
 ان کے پیچھے سے ان تک نہیں پہنچے ہیں،

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ يَسْتَبْشِرُونَ
 ان کی طرف سے بھی خوش ہیں، کہ ان کو زکوٰۃ کی

بِنِعْمَةِ اللَّهِ وَفَضْلٍ وَأَنَّ اللَّهَ لَا
 خوف ہوگا، اور نہ وہ غمگین ہوں گے، وہ اللہ

يُضَيِّعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ،
 کے ہر و کرم سے مسرور ہیں، اور اللہ ایمان والوں

(ال عمران - ۱۷) کی مزدوری ضائع نہیں کرتا،

یہ پرسترت زندگی شہد اکو ملے گی، اس زندگی کا مقام خدا کے پاس بتایا گیا ہے، احادیث صحیحہ

میں ہے کہ ان زندہ شہیدوں کی روہین نفسِ عنصری سے پرواز کر کے جہاں لڑتی ہیں، تو وہ سبز

پرنڈوں کی صورت میں جنت کی سپر کرتی ہیں، اور عرشِ الہی کی قدملین ان کا نشین بنتی ہیں، اس کے

بعد غالباً اتنا ہر ذی عقل تسلیم کرے گا کہ انبیاء علیہم السلام کے روحانی مدارج و مراتب شہداء سے

بہر حال اعلیٰ اور برتر ہیں، اس لیے ان کا مقام بھی اسی اعلاہ قدس کے اندر ہوگا، اسی لیے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیر معراج اور اپنے رویے صادقہ میں بعض پیغمبروں کو آسمان اور بہشت کے مختلف مدارج میں دیکھا،

بعض وہ سمیروہیں ہیں جو میان سے نکل کر فرشتوں کی صف میں داخل ہو جاتی ہیں،
 جیسا کہ حضرت جبریل علیہ السلام کے متعلق احادیث صحیحہ میں آیا ہے، کہ وہ بہشت کے بعد اپنے دونوں بازووں
 سے فرشتوں کے ساتھ عالم ملکوت میں اڑ رہے تھے، عالم برزخ کے یہ دو اڑنے والے بازو درحقیقت
 ان کے ان دونوں جسمانی بازوؤں کی مثال ہیں جو اس جنگ میں ان کے جسم سے کٹ کر گر گئے تھے،
 اور وہ اس پر بھی اسلام کے علم کو اپنے بقیہ کئے ہوئے بازو اور گردن کے سہارے سے پکڑے تھے،
 عجب نہیں کہ قرآن پاک کی یہ آیت ایسے ہی لوگوں کی شان میں ہو۔

| | |
|--|---|
| بیشک جن لوگوں نے اقرار کیا کہ ہمارا پروردگار | إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ |
| اللہ ہے پھر ثابت قدم رہے ان پر فرشتے یہ | اسْتَقَامُوا أَنزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةَ |
| خوشخبری لیکر اترتے ہیں کہ خون نہ کھاؤ | أَلَّا تَخَافُوا دَاخِلَ الْجَنَّةِ وَأَنْتُمْ فِيهَا |
| اور غمگین نہ ہو اور اس جنت کی بشارت سنو | بِالْحَيَاةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ خُنَّ |
| جس نام سے وعدہ کیا تھا ہم دنیا کی زندگی | أَوْلِيَاءَ كُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي |
| میں تمہارے رفیق ہیں اور آخرت میں، | الْآخِرَةِ ج (حق السجد ۸-۴) |

یہ آوازہ بشارت اور فرشتوں کی رفاقت، اسی برزخ کا دلکش سمان ہو سکتا ہے

۲۔ آخرت کی دوسری اور حقیقی منزل قیامت اور جزاے اعمال

موت تو افراد کا معاملہ ہے، ایک مڑا ہے، اور دوسرا اسکی جگہ پیدا ہوتا ہے تو یہاں بھی باری باری اس باز یگاہ کے تختہ پر آتی ہیں، اور ایک قوم اپنا کھیل ختم کر کے کسی دوسری کے لیے جگہ خالی کر جاتی ہے یہ سلسلہ ازل سے قائم ہے، اور اب تک چل رہا ہے، کائنات جس نظام پر پیدا ہوئی تھی، وہ بعینہ قائم ہے، اور اس محفل کی جو رونق اول روز تھی، وہ اب تک اسی طرح باقی ہے، غرض

ع ہزار شمع بگشتند و انجمن باقی است

لیکن کیا کوئی ایسا دن بھی آئے گا جب یہ ساری بساط ہستی الٹ جائے گی کائنات کی یہ مجلس درہم برہم ہو جائے گی، اور آسمان وزمین کے کمرے ٹکرا کر چور چور ہو جائیں گے، اور پھر وہ خلافت عالم اپنی صفتِ خلق و احسان و جزا کے نئے منظر دکھائے گا، اور نئی زمین اور نیا آسمان پیدا ہو کر آئے اور عالم کسی نئے نظام پر وجود پذیر ہو گا،

دنیا کے وہ تمام لوگ جو حال کو دیکھ کر مستقبل کا پتہ لگاتے ہیں، کسی نہ کسی طرح اس سوال کا جواب اثبات میں دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ جس طرح یہ افراد آتے اور فنا ہوتے ہیں، اسی طرح ایک دن آئے گا جب اس پوری دنیا سے حیات پر موت طاری ہوگی، سب سے زیادہ اس سوال کے جواب میں کرید بگدا انکار کا حق فلسفہ اور سائنس کے محققوں (سائنٹسٹ) کو ہو سکتا ہے،

اہل فلسفہ کا بڑا گروہ اس امکان پر یقین رکھتا ہے کہ در اہل سائنس بھی اس کو بہر حال محال نہیں سمجھتے بلکہ طبیعیات و ہینٹ جدیدہ کے مختلف محققوں کے خیالات اس باب میں امکان سے آگے بڑھ کر توقع کی سرحد تک پہنچ چکے ہیں، وہ اس ہولناک دن کی آمد کے متعلق اپنے علم کے زور سے پیشین گوئیوں کرتے رہتے ہیں، اور اس عالمگیر موت کے مختلف اسباب ظاہر کرتے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ نظام عالم کی پوری گاڑی جس انجن سے چل رہی ہے، وہ گرم آفتاب جس کی یہ گری روز بروز کم ہوتی جاتی ہے، آخر ایک دن آئے گا جب یہ انجن بالکل ٹھنڈا ہو جائے گا، اور ساری گاڑی ٹوٹ پھوٹ جائیگی، ایک سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ یہ پورا نظام کائنات جذب کشش کے ستون پر قائم ہے، اور نقصانے ہستی کے یہ تمام نیارے روز بروز کھینچے چلے آتے ہیں، تو ایک دن وہ بھی آئے گا جب باہمی توازن باقی نہیں رہے گا، اس وقت تمام کرے ایک وسیع سے قریب ہو کر ٹکرا جائیں گے، اور یہ تصادم ان کو چور چور کر دے گا۔

ایک اور خیال یہ ہے کہ اس فضا میں کڑوڑوں ستارے تیر رہتے ہیں، ان میں سے بہت کم کا علم ہم کو ہوا ہے، بہت ممکن ہو کہ کسی زمانہ میں ہماری زمین کسی نئے ستارہ سے ٹکرا کر چور چور ہو جائے اور اس کی ساری آبادی ہمارے مشوراً ہو کر رہ جائے،

بہر حال اسباب طبعی کچھ ہوں مگر ایسا ہونا اہل سائنس کے نزدیک بھی امکان بلکہ وقوع کی امید سے خالی نہیں،

اہل مذاہب میں یہ عقیدہ کسی نہ کسی نوع سے ہر جگہ موجود ہے، اور اس کا جمل ذکر تمام آسمانی کتابوں میں ہے، تو راستیوں اس کے اشارے پائے جاتے ہیں، اور میں اس کی تصریحات

اور اُس میں اُس کو عدالت کا دن کہا گیا ہے، حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں یہود کے دو فرقے تھے، ایک صدوقی جو یونانیوں کے اثر سے آزاد خیال ہو گیا تھا، اور قیامت کا منکر تھا، مگر دوسرا فرقہ جو فریسی کہلاتا تھا، بدستور اپنے پرانے عقیدے پر قائم تھا، آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے زمانہ میں بھی جو یہود تھے، وہ قیامت، حشر و نشر اور بہشت و دوزخ کے قائل تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ جب قیامت آئیگی، تو اللہ تعالیٰ ایک انگلی پر آسمانوں کو، دوسری پر زمینوں کو تیسری پر درختوں کو چوٹی پر پانی کو، اور اندر کی نم مٹی کو، اور پانچویں پر تمام مخلوقات کو رکھے گا، اور بدادے گا، کہ میں ہوں بادشاہ انجیل میں یہ عقیدہ پوری تصریح کیا تھا مذکور ہے، حضرت عیسیٰ نے صدوقیوں کے مقابلہ میں تورات کی ایک آیت حیات اخروی کا ثبوت پیش کیا جو اور مکاشفات یوحنا میں قیامت کے حوالہ ہوا۔ کی پوری تفصیل و تشریح مذکور ہے، ہندو پرنے کے نام سے اس عقیدہ (فناے عالم) پر یقین رکھتے ہیں، لیکن اس حقیقت کی کامل تشریح خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے ذریعہ سے انجام کو پہنچی ہے، قیامت کے نام کسی شے کی حقیقت کی اولین گرہ کشانی، اس کے ناموں کی تشریح سے ہوتی ہوئی اور ان پاک میں قیامت کو بیویوں ناموں سے یاد کیا گیا ہے، اور ان میں سے ہر ایک نام اس کے ایک خاص پہلو کو نمایان اور ظاہر کرتا ہے، قرآن میں اس کا سب سے پہلا نام جو سب سے پہلی سورہ میں ہے وہ یوم النہ ہے، یعنی جزا کا دن جس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ عمومی جزا اور ربانی عدالت کا دن ہوگا، اس کے علاوہ اس کے چند نام قرآن میں جایا آئے ہیں،

سورہ زبور ۹۰-۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱

| | |
|---|-------------------------|
| وہ گھڑی، (وہ مقرر وقت) | السَّاعَةَ، |
| کھڑے ہونے کا دن (مردوں کے کھڑے ہونے کا دن) | يَوْمَ الْقِيَامَةِ، |
| سچا دن (نہ جس کے آنے میں کوئی شک ہی، اور نہ جس کے فیصلہ میں کوئی غلطی ہوگی) | الْيَوْمَ الْحَقِّ، |
| جانا ہوا دن، یا مقررہ دن، | يَوْمٌ مَّعْلُومٌ، |
| جانا ہوا وقت یا مقررہ وقت | الْوَقْتُ الْمَعْلُومُ، |
| موعودہ دن، | الْيَوْمُ الْمَوْعُودُ، |
| پچھلا دن، | الْيَوْمَ الْأَخِرُ، |
| قریب آنیوالی مصیبت کا دن، | يَوْمَ الْأَذْفَى، |
| ایک سخت دن، | يَوْمٌ عَسِيرٌ، |
| ایک بڑا دن، | يَوْمٌ عَظِيمٌ، |
| سخت دن، | يَوْمٌ عَصِيبٌ، |
| جی اٹھنے کا دن، | يَوْمُ الْبَعَثِ، |
| افسوس کا دن، | يَوْمُ التَّعَابِنِ، |
| باہم ملنے کا دن، | يَوْمُ التَّلَاقِ، |
| پکار کا دن، | يَوْمُ التَّنَادِ، |
| اکٹھے ہونے کا دن، | يَوْمُ الْجَمْعِ، |

| | |
|--------------------------|-----------------------|
| یَوْمَ الْحِسَابِ، | حساب کا دن، |
| یَوْمَ الْحَسْرَةِ، | حسرت کا دن، |
| یَوْمَ الْخُرُوجِ، | قبروں سے نکلنے کا دن، |
| یَوْمَ الْفَصْلِ، | فیصلہ کا دن، |
| الْفَارِغَةِ، | گھڑ گھرانے والی، |
| الغَاشِيَةِ، | چھا جانے والی، |
| الطَّائِمَةُ الْكُبْرَى، | بڑی مصیبت، |
| النَّبَأُ الْعَظِيمُ، | بڑی خبر، |
| الْحَاقَّةُ، | ضرور آنے والی گھڑی، |
| الْوَعْدُ، | وعدہ، |
| الْوَاقِعَةُ، | واقعہ پذیر، |
| أَمْرُ اللَّهِ، | خدا کی بات، |
| الصَّاحَّةُ، | بہرا کرنے والی گھڑی، |

قیامت کے اوصاف | یہ تو وہ نام ہیں جو اسم مفرد یا اضافت یا صفت کی صورت میں ہیں ان کے علاوہ فقروں اور جملوں کی ترکیبوں کے ساتھ اس کے بکثرت نام قرآن میں آئے ہیں، مثلاً،

یَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ (انعام و نحل و طہ) جس دن زنگھا پھونکا جائے گا،
یَوْمَ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ جس دن سچوں کو انکی سچائی کام دے گی،

(ما برہ - ۱۶)

| | |
|---|--|
| جس دن نہ مال کام آئے گا نہ اولاد: | يَوْمًا لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ (شعرا ۵) |
| جس دن گنہگار اپنے دو فون ہاتھ چپکا کرے گا: | وَيَوْمَ لَيَبْغُضَنَّ الطَّالِبُ عَلَى يَدَيْهِ (فرقان ۳) |
| اور جس دن آسمان پھٹے گا | وَيَوْمَ تَشَقُّقُ السَّمَاوَاتُ (۴) |
| جس دن گواہ کھڑے ہوں گے، | وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ (مومن ۲) |
| جس دن میں کوئی شک نہیں، | لِيَوْمِهِ لَا رَيْبَ فِيهِ (ال عمران ۱۲۱) |
| جس دن ہم ہر قوم سے ایک گروہ کو اکٹھا کریں گے، | وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا (غل ۷) |
| جس دن لوگ جہان پر روکار کیلئے کھڑے ہوں گے، | يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ (مطففين) |
| (جس دن) لوگ قبروں سے نکلیں گے، | يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ (نمر-۱) |
| جس دن آدمی اپنے بھائی اور ماں اور چچا | يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ وَأُمِّهِ وَ |
| اور بیوی اور بیٹیوں سے بھاگے گا، | أَبِيهِ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ (عبس-۱) |
| جس دن کوئی کسی دوسرے کا بدلہ نہ ہو سکیگا | يَوْمَ لَا يَجْرِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا (بقرہ ۶۵) |
| جس دن ان کی زبانیں انکے خلاف گواہی دیں گی، | يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنُهُمْ (نور ۲۴) |
| جس دن کوئی دوسرے کیلئے کچھ نہ کر سکیگا، | يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا (انفطار) |
| جس دن کوئی دوست کسی دوسرے دست | يَوْمَ لَا يَنْفَعِي مَوْلَى عَنْ مَوْلَى شَيْئًا (فا ۲۱) |

الغرض یہ اور اسی قسم کے دوسرے اوصاف اس مولناک دن کے بیان کئے گئے ہیں جن سے اس عظیم الشان دن میں انسان کی بکسی، عاجزی اور اپنے اعمال کے سوا کسی دوسری چیز کے کام آنے سے قطعی یا دوسری ظاہر کی گئی ہے۔

قیامت میں فسادِ نظام ہوگا، قیامت کے متعلق بعض متکلمین کو یہ شبہ ہوا ہے کہ وہ ماوراءِ قناتے میں

یا عدمِ محض کا نام ہے حالانکہ یہ بات قرآنی تصریحات کے خلاف ہے، قرآن پاک کی بسیوں آیتوں میں قیامت کی جو تصویر کھینچی گئی ہے، وہ تمام تر فناءے حیات اور آسمان و زمین کے نظام کی برہمی اور انکی تباہی کے خاکہ کے سوا کچھ اور نہیں ہے، چنانچہ حسبِ بی آیات پر غور کرنے سے یہ نتیجہ خود بخود سامنے آجائے گا۔

الْقَارِعَةُ مَا الْقَارِعَةُ وَمَا أَدْرَاكَ

متنبہ کرنے والی اور کیا چیز ہے متنبہ کرنوالی،

مَا الْقَارِعَةُ، يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ

تم کو کس نے بتایا کہ کیا چیز ہے متنبہ کرنوالی، یہ

الْمَبْتُوثِ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ

دن ہے جب لوگ پریشان پروانوں کی طرح

الْمَنْفُوشِ، (قارعة - ۱)

پھاڑ رونی کے گالوں کی طرح ہون گے،

إِذَا ذُلُّوْا لَآرْضٍ زَلْزَالِهَا

جب زمین خوب ہلانی جائیگی، اور وہ اپنا

أَخْرَجَتْ أَلْأَرْضُ أَشْقَالَهَا، وَقَالَ

بوجھ نکالے گی، اور انسان کہے گا، زمین

الْأِنْسَانِ مَا لَهَا، يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ

کو کیا ہوا، اس دن وہ اپنی حالت

أَحْبَادَهَا. (زلزال - ۱)

بیان کرے گی،

إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ، وَأَذِنَتْ

جب آسمان پھٹ جائیں گے اور وہ اپنے

لِرَبِّهَا وَحَقَّتْ، وَإِذَا الْأَرْضُ

الک کی فرمانبرداری کریں گے، اور وہ فریاد

رَبِّتِ، وَالْقَتَّ مَا قَبَّهَا دَخَلَتْ

کے لائق ہیں جب میں پھیلائی جائیگی، اور جو کچھ

(انشقاق - ۱)

اس میں ہے اس کو ڈال دیگی، اور خالی ہو جائیگی

إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ وَإِذَا الْكُوكُوبُ

جب آسمان پھٹ جائیں گے اور جب ستارے

انْتَشَرَتْ، وَإِذَا الْبِحَارُ جَزَّتْ، وَ
إِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ، عَلِمْتَ نَفْسٌ
مَا قَدْ مَاتَ وَأَحْرَتْ،

(انفطار - ۱)

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَإِذَا النُّجُومُ
انْكَدِرَتْ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ،
إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَوَاقِعٌ، فَإِذَا الْبِحَارُ
طُمِئَتْ، وَإِذَا السَّمَاءُ فُرْجَتْ، وَ
إِذَا الْجِبَالُ نُفِثَتْ،

(مُؤَسَّلَات - ۱)

فَإِذَا بَرِقَ الْبَصْرُ وَخَسَفَ الْقَمَرُ
وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ،

(قیامتہ - ۱)

يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْهَيْلِ وَتَكُونُ
الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ، (معارج - ۱)
فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ
وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا

بکھر جائیں گے اور جب سمندر چلائے جائیں گے،
اور جب قبر کے لوگ زندہ کئے جائیں گے، اس
وقت روح نے جو کچھ پہلے اویسٹھے بھیجا ہے، سکو
جانے گی،

جب آفتاب اندھیرا کیا جائیگا جب ستارے
تاریک ہو جائیں گے جب پہاڑ چلائے جائیں گے،
جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ یقیناً ہوئیگا
جب ستارے ماند کر دیئے جائیں گے، اور جب
آسمان کھول دیا جائیگا، اور جب پہاڑ ریزہ
ریزہ کر دیئے جائیں گے،

جب نگاہ ماند ہو جائے گی، جب ماہتاب
بے نور ہو جائے گا، اور آفتاب و ماہتاب اکٹھا
کر دیئے جائیں گے،

جب آسمان گھلے ہوئے تانبے کی طرح اور جب
پہاڑ روٹی کے کالوں کے مانند ہو جائیں گے،
جب صور میں ایک پھونک پھونکی جائیگی، جب
زمین اور پہاڑ اٹھائے جائیں گے اور دونوں

ذِكَّةً وَاحِدَةً فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ
الْوَاقِعَةُ، وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ
يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ. (المحاقة - ۱)
يَوْمَ تَرْجَبُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ
وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيلًا...
..... فَلَئِمَّ تَتَفَوَّنَ إِنْ كَفَرْتُمْ
يَوْمًا مَا يُجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا السَّمَاءُ
سُفَطْرِيْبُهُ، كَأَنَّ وَعْدَهُ مَفْعُولًا

(مزل - ۱)

يَوْمَ تَبْدَلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ

(ابراہیم - ۷)

فَإِذَا انْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ قَرْدًا

كَالِدِّهَانِ، (رحمن - ۲۰)

وَإِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ لَئِيْمٌ

لَوْ قَعَّتْهَا كَاذِبَةٌ، خَافِيْضَةٌ

رَافِعَةٌ، إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ

رَجًّا وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا فَكَانَتْ

ہلکتے ہو جائیں گے، اُس دن ہونیوالی
بات ہو جائیگی، اور آسمان پھٹ جائیگا،
اور اس دن کمزور ہو جائے گا،

جب زمین اور پہاڑوں میں لرزہ ہوگا اور
پہاڑ گھٹلا ہوا مانبا ہو جائیں گے،.....

..... کیونکہ تم سنی ہو سکتے ہیں

جب اس دن کالہکا کرتے ہو جو بچوں کو
بوڑھا بنا دیکھا، آسمان اس دن پھٹ جائیگا

اور خدا کا وعدہ پورا ہو جائے گا،

جب یہ زمین دوسری زمین سے بدل

دی جائے گی،

جب آسمان پھٹ جائیں گے، اور سرخ

تھپٹ کی طرح ہو جائیں گے،

جب ہونے والی بات ہو جائیگی، جس کے

ہونے میں جھوٹ نہیں ہے، زیر و زبر کر دینے

جب زمین خوب ہلائے جائیگی، اور پہاڑ

پراگندہ کئے جائیں گے، اس وقت وہ پریشان

ذرات کی طرح ہو جائیں گے، (واقعہ-۱)
 وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا
 وَبُيِّنَتْ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سُرَابًا
 اور آسمان کھول دیے جائیں گے، تودہ دروازے
 دروازے ہو جائیں گے، اور پہاڑ چلائے جائیں گے،
 تودہ سراب ہو جائیں گے، (نبأ-۱)

غرض اس قسم کی اور بہت سی آیتیں ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ قیامت صرف نظام عالم
 کی درہمی، اور دنیا کی حیاتِ موجودہ کی تباہی کا نام ہے جس کے بعد ایک نئی زمین اور ایک نیا آسمان
 بنے گا، اور پھلپنی دنیا کے نتائج پر اس دنیا کی حکومت کا قانون جاری ہوگا،

يَوْمَ تَبْدَلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ
 وَالسَّمَاوَاتُ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ
 الْقَهَّارِ،
 جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل
 دی جائے گی، اور آسمان بھی بدل جائیں گے،
 اور سب لوگ اس ایک سب پر قابو رکھنے والے
 خدا کے سامنے نکل کر آئیں گے، (ابراہیم-۷)

قیامت کی حقیقت | اگرچہ قرآن پاک میں متفرق طور پر اس ہولناک دن کے احوال و کیفیات
 کا ذکر گونا گون طریقوں سے کیا گیا ہے تاہم ایک خاص سورہ بھی اس نام سے اس میں موجود ہے جس میں
 نہایت اختصار و ایجاز کے باوجود انتہائی بلیغانہ وسعت ہے، چھوٹے چھوٹے فقروں میں بڑے سے بڑے
 اور اہم سے اہم مطالب کو اس طرح بیان کیا ہے، کہ عقل ساکت اور قلب مطمئن ہو جاتا ہے، اس
 سورہ کا آغاز ان آیتوں سے ہوتا ہے،

لَا أُقْسِمُ بِبَيْتٍ مِّنَ الْقِيَامَةِ، وَلَا
 بِنِ قِيَامَتِ الْوَالِدِ، وَلَا
 بِنِ قِيَامَتِ الْوَالِدِ، وَلَا
 بِنِ قِيَامَتِ الْوَالِدِ، وَلَا
 بِنِ قِيَامَتِ الْوَالِدِ، وَلَا

أَتَسْمِعُ بِالنَّفْسِ الْوَلَوَّامَةِ، أَلَيْسَ

الْإِنْسَانُ أَنْ لَنْ يَجْمَعَ عِظَامَهُ

بَلَىٰ قَادِرِينَ عَلَىٰ أَنْ تُسَوِّيَ بَنَانَهُ

بَلَىٰ يُرِيدُ الْإِنْسَانُ لِيَفْجُرَ

أَمَامَهُ، يَسْئَلُ أَيَّانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ وَخَسَفَ الْقَمَرُ

وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ

الْمَقَرُّ كَلَّا لَا دَرَسَ إِلَىٰ رَبِّكَ

يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ، بَلَىٰ

الْإِنْسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ

وَلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذِيرَهُ،

(قیامتہ - ۱)

نفس کی قسم کھاتا ہوں کیا (انسان) سمجھتا ہے

کہ ہم (اس کے مرنے کے بعد) اسکی ہڈیوں کو اکٹھا

نہیں کر سکتے؛ کیوں نہیں، ہم تو اس کے پورے

کو درست کر سکتے ہیں، یہ نہیں، بلکہ اصلی بات یہ ہے

کہ انسان چاہتا ہے کہ خدا کے سامنے ڈھٹائی

کرے پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہے؟ تو

جب نگاہ چونہ چلانے لگے، اور چاند بے نور

ہو جائے اور سورج اور چاند ایک جگہ کر دیں

انسان اس دن کیسے کہے گا کہ اب کہاں ہے جہان

کی جگہ، ہرگز نہیں، کہیں بچاؤ نہیں، اس دن

تیرے رب کے پاس ہے جا ٹھہرنا، اس دن

انسان کو جو اس نے آگے بھیجا (عمل) اور جو

پچھے چھوڑا (مال و دولت) وہ بتایا جائے گا۔

بلکہ انسان اپنے حال کو آپ ادیکھتا ہے اگرچہ

وہ زبان سے بہانے تراشا کرے،

ان میں سے پہلی ہی آیت میں اللہ تعالیٰ نے روز قیامت، اور نفسِ ولوآمہ کی کے بعد وگیری

قسم کھائی ہے نفسِ لوآمہ یعنی ملامت کرنے والے نفس سے مقصود انسان کے اندر کا ضمیر ہے جو

اس کے ہر بے کام کے وقت اندر سے نگیں و نادم ہوتا ہے اور اُس کو اسکے کے اس کام پر ملامت کرتا ہے، آخری آیت میں اسی کیفیتِ ضمیر کو ان لفظوں میں ادا فرمایا، بلکہ انسان اپنے حال کو آہستہ خوب جانتا ہے، اگرچہ وہ زبان سے اپنی برائیوں اور کوتاہیوں کے لیے سیکڑوں بہانے تراشا کرے، انسان کی اسی قلبی کیفیت کا نام نفسِ لوامہ ہے،

۱۔ اجتماعیات کے عالم اچھی طرح جانتے ہیں، کہ فرد اور جماعت کے احوال میں ایک خاص قسم کی مناسبت ہے، جس طرح شخص پیدا ہوتا ہے، بڑھتا ہے، بیمار ہوتا ہے، تندرست ہوتا ہے، گنگنا ہوتا ہے، کمزور ہوتا ہے، پشیمان ہوتا ہے، محنت کرتا ہے، کمزور ہوتا ہے، بدنام ہوتا ہے، خاص طبعی قوانین کی مطابقت سے وہ قوت حاصل کرتا ہے، اور ان کی مخالفت سے وہ بیمار، کمزور ہوتا ہے، پھر ایک خاص عمر کو پہنچ کر رفتہ رفتہ اُس کے قوائے عمل سرد پڑتے جاتے ہیں اور وہ مر جاتا ہے، بعینہ ہی تمام احوال جماعتوں اور قوموں کو بھی پیش آتے ہیں، وہ بھی پیدا ہوتی ہیں، بڑھتی ہیں، تندرست ہوتی ہیں، کمزور ہو جاتی ہیں، گنگنا ہو جاتی ہیں، کمزور بنتی ہیں، اور ایک خاص وقت اور عمر کو پہنچ کر ان کے علیٰ قویٰ کمزور و مضمحل ہو جاتے ہیں، اور وہ فنا ہو جاتی ہیں، دنیا میں اسی اصول پر ہزاروں قومیں پیدا ہو کر فنا ہو چکی ہیں جن کے نام بھی تاریخ کے صفحوں پر آج تک موجود نہیں ہیں، تو جس اصول پر اشخاص اور اشخاص کا مجموعہ جماعتیں، اور جماعتوں کا مجموعہ اقوام پیدا ہوتی اور فنا ہوتی ہیں، کیا اسی اصول پر تمام اقوام عالم کا مجموعہ جو پیدا ہوتا ہے، بڑھتا، اور ترستی کرتا چلا جاتا ہے، کیا ایک دن فنا سے محض کے آغوش میں جا کر نہ سو جائیگا، یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے قیامت کے ثبوت میں اکثر عاد و ثمود وال فرعون وغیرہ قوموں کی تباہی سے قیامت

کی عمومی تباہی پر استدلال کیا ہو اس کی مزید تفصیل آگے آئے گی،

بہر حال اب جس طرح شخص کے اندر ایک نفسِ لوامہ، یا ضمیر یا احساس ہو جو اس کے ہر برے فعل کے وقت اس کو ملامت کرتا، اور اُس کو گنہگار ٹھہراتا ہے، اور جب کبھی وہ اپنے تمام مجموعی کارناموں پر نگاہ ڈالتا ہے، تو اپنے کو تصور دار جانتا اور گنہگار سمجھتا ہے، اسی طرح قوموں کا ضمیر بھی، اپنے گناہوں پر پکھپاتا، اور اپنی تقصیروں پر نادم اور کوتاہیوں پر شرمندہ ہوتا ہے، اور ٹھیک سی طرح یہ پوری انسانیت بھی ایک ناپنے افراد کے مجموعی کارناموں پر نادم و پشیمان ہوگی، اور اس کا ضمیر و نفسِ لوامہ بھی اُس کو ملامت کریگا، کائناتِ انسانی سے بڑھ کر خود کائناتِ ہستی بھی اس کے جو اس کے اندر کیا گیا، اپنے خالق کے سامنے اپنی پشیمانی و ندامت کا اظہار کرے گی اسی عمومی اعترافِ تصور اور کئی ندامت و پشیمانی کا نام قیامت ہے، اور اسی مناسبت سے سورہٴ بالا میں نفسِ لوامہ اور قیامت کو باہم ایک قسم یعنی شہادت میں یکجا کیا ہے، اب اس تفصیل کی روشنی میں سورہٴ مذکور کی آیتوں کو دوبارہ پڑھیے:

۲۔ اس عالم کی ہر چیز پر اگر غور سے نگاہ ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ وہ متضاد عناصر و قوتوں کا مجموعہ ہے اُس میں سردی و گرمی، بیماری و تندرستی، بقا و فنا، اور دیگر قسم کی تضاد قوتیں دوپہلو رکھی گئی ہیں، ان تضاد قوتوں میں جب تک اعتدال قائم رہتا ہے، وہ چیز زندہ رہتی ہے، اور جس وقت یہ اعتدال جاتا رہتا ہے، اسی لمحہ وہ فنا ہو جاتی ہے، ایک درخت میں ایک پھول کھلا رہتا ہے اور گرمی اور موسم کی تاثیر نے اس پر عمل کیا، جب تک ان تضاد تاثیرات و استعدادات میں اعتدال

۱۔ استفادہ از تفسیر سورہٴ قیامہ مولانا حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ،

کی کیفیت رہی وہ پھول شگفتہ رہا، جس آن کسی ایک توت نے شکست کھائی، پھول کی ہستی معرشت
 میں لگئی، یہی حال دنیا کی ہر چیز کا ہے، اور اسی اصول پر افراد، خاندان، جماعتیں، قومیں، بلکہ حیوانا
 شجر، حجر، غرض دنیا کی ہر چیز چل رہی ہے۔

پوری کائنات ہستی کو لیجئے، اُس کو تلاقِ عالم نے ان ہی تضاد عناصر و اخلاط پر قائم فرمایا ہے
 دن، نزلت، اور تپتی، تازگی، سردی، گرمی، پانی، آگ، بہار، خزان، آسندرتی، بیماری، دولت، افلاس
 حیات، موت، آسمان، زمین، نیکی، بدی، خیر و شر، غرض جس کو بھی دیکھو یہی معلوم ہوگا کہ یہ ربیع
 کی چار دیواری، تضاد قومی، اور حالات کی بنیادوں پر قائم ہے، ان میں جب تک اعتدال
 قائم ہے، اس دنیا کی کل چل رہی ہے، جس دن ان کے اعتدال میں فرق آیا وہی دن اسکی فنا ہو گیا
 لیکن جس طرح افراد و اشخاص میں بیماری کے بعد سندرستی، اور سندرستی کے بعد بیماری کی
 صلاحیت موجود ہے، اسی طرح اس نظام کائنات میں بھی سندرستی کے بعد بیماری اور بیماری کے بعد
 بعد سندرستی کی صلاحیتیں پائی جاتی ہیں، کتنی دفعہ یہ واقعہ پیش آیا ہے کہ دنیا ظلم و جور سے بے زین ہو گئی
 کشت و خون کے سیلاب نے اُس کے امن و امان کو غرق کر دیا، کہ دفعہ وہ پھرا بھری، اور اس کا غرق
 امن و امان کشتی نوح بن کر کرہ ارضی کو بچا لے گیا، بارہا اس باغِ ہستی میں خزان آئی، اور پھر یہاں
 کا موسم اس پر چھا گیا، اجرام سماوی کی باہمی سابقت میں ہماری زمین کئی دفعہ ٹکرا جانے کے ترس
 پہنچی اور پھر بال بال بچ گئی، یہ کرے اپنی رفتار میں اوقات گرنے کے قریب پہنچے کہ پھر سنبھل گئے
 مگر فساد و صلاح کا یہ نظام اسی وقت تک چل رہا ہے، جب تک ان تضاد قوی، اور کائنات
 کے استعدادات میں اعتدال قائم ہے، جس دن اعتدال فنا ہوگا، نظام ارضی کا پورا کارخانہ بھی

درہم برہم ہر باسے گا، اس وقت زمین اپنی عمر کی پوری تاریخ اور کارناموں کے ساتھ اپنے مالک کے سامنے کھڑی ہوگی اور اپنے اوپر کی ہر کوتاہی و قصور کی شہادت اپنی زبان سے دے گی،

اِذَا زُلْزَلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا
وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا وَقَالَ
الْإِنْسَانُ مَا لَهَا، يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ
أَخْبَارَهَا، يَا أَيُّهَا رَبِّيَ أَوْحِ لَهَا،
يَوْمَئِذٍ تُصَدِّدُ النَّاسَ أَسْمَاتًا
يُبْرُوا أَعْمَالَهُمْ، فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ
ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ، وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ
ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ، (زلزال - ۱)

جس وقت پوری زمین ہلانی جائیگی، اور جب وہ
اپنے اندر کے بوجھوں کو اٹھل دے گی، اور انسان
کہے گا کہ اس کو کیا ہو گیا ہے، اس دن وہ اپنی
باتیں بیان کرے گی کہ اس کے پروردگار نے
اس کو حکم دیا ہے، اس دن لوگ ٹہیں گے کہ
اپنے عمل دکھیں تو جس کسی نے ذرہ برابر نیکی کی
ہو وہ اس کو دیکھ لے گا، اور جس نے ذرہ برابر
کراہی بھی اس کو دیکھ لے گا،

صور قیامت | قرآن میں قیامت کے ذکر میں صور پھونکنے کا بار بار ذکر ہے، فَإِذَا نُفِثَ فِي السُّورِ
پھر جب صور پھونکا جائے گا، صور کے لفظی معنی زنگھا کے ہیں، اصل یہ ہے کہ قدیم الایام میں بالبیون، کنایوں
آرامیوں، اور عبرانیوں وغیرہ تمام پرانی قوموں میں بادشاہی جلال و جلوس اور اعلان جنگ کے موقعوں
پر زنگھا پھونکا جاتا تھا، اس لئے زنگھا پھونکنے کو بادشاہی جلال کا اظہار یا غیر معمولی خطرہ کا اعلان ہے،
جسنا پتہ توراہ میں یہ مکارہ بکثرت استعمال کیا گیا ہے، قرآن میں ہے کہ اُس دن نہ ہوگی، لَمَنْ
الْمَلِكُ الْيَوْمَ، آج کس کی بادشاہی ہے، پھر اللہ تعالیٰ خود ہی جواب دے گا، لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ
اس ایک سب پرانے والے کی، غرض وہ دن آسمان و زمین اور نظم کائنات کے شہنشاہ مطلق کے

انہارِ جلال اور شدید خطرہ حساب کے اعلان کا ہو گا اس لئے نفعِ صورت اور نرسنگھا پھونکنے کا قدیم محاورہ اس کے لئے استعمال کیا گیا، اور یہ بھی ممکن ہو کہ اللہ تعالیٰ واقعہ اس دن اپنی شہنشاہی کا نرسنگھا پھونکنے کا حکم دے، اور اس کی تعمیل ہو، جیسا کہ صورت کے لفظی معنی ولادت کرتے ہیں،

عربوں کا انکار | اس تفصیل سے معلوم ہو گا کہ قیامت اپنے اندر کتنی عظیم الشان حقیقت رکھتی ہے

لیکن اہل عرب کو توحید کے بعد جس عقیدہ سے شدت کے ساتھ انکار تھا، جس کے ماننے پر وہ کسی طرح آمادہ نہیں ہوتے تھے، اور جو ان کی عقل میں کسی طرح نہیں سماتا تھا، وہ یہی قیامت، اور حشر و نشر کا مسد ہے، جاہلی عرب حیات بعد الموت، خدا کے آگے اپنے اعمال کے مواخذہ اور پورے اور سزا و جزا سے قطعاً لاعلم تھے، اسی لئے ان کو اعمال کے خیر و شر اور نیکی و بدی میں وہ تمیز نہ تھی جس پر اخلاق و معاملات کا تمام تر دار و مدار ہے، عرب کا شاعر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اس تعلیم کو تعجب سے کہتا ہے کہ

| | |
|--|--|
| اموت ثمّ بعث ثمّ حشرا | حدیثِ خرافۃ یا اہ عمر |
| کیا موت ہو پھر جی اٹھنا ہے، پھر اکٹھا ہونا | اے ام عمر! (شاعر کی بیوی کا نام) یہ خرافات ہیں |
| قریش کا ایک اور شاعر کہتا ہے، | وکیف حیاتہ اصدا وھما |
| یحدّ ثنّاً النبی یات سنجی | حالانکہ صدی اور ہام ہو کر پھر زندگی کیسی؟ |
| یہ نبی ہم سے کہتا ہے کہ ہم پھر زندہ کئے جائیں گے | |

ان کا عقیدہ تھا کہ انسان مر کر پڑہ ہو جاتا ہے اور آواز دیتا پھرتا ہے اسی کا نام ان کے ہاں صد اور وہاں

۱۔ صحیح بخاری جلد اول باب الحجۃ ص ۵۵۰

قرآن مجید میں بھی ان کے یہ اقوال بکثرت نقل کئے گئے ہیں، مثلاً

عِزًّا إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذَا لِكَرْبِجٍ
کیا جب ہم مر جائیں گے، اور مٹی ہو جائیں گے

تَعْبِيًّا، (ق-۱)

عِزًّا إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذَا لِكَرْبِجٍ
کیا ہم دوبارہ اٹنے پاؤں وٹائے جائیں گے

كُنَّا عِظَامًا مَا نَحْزِرُهُ (نزعۃ-۱)

کیا جب ہم مٹری ہوئی ہڈی ہو جائیں گے،

عِزًّا إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذَا لِكَرْبِجٍ
کیا جب ہم ہڈی اور چورا ہو جائیں گے تو ہم نئے

لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا (امیرائیل)

بنا کر پھر اٹھائے جانے والے ہیں،

مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ (سین)

ان مٹری گئی ہڈیوں کو کون جلائے گا،

ان میں بعضوں کا عقیدہ دہریوں کی طرح تھا کہ یہ دنیا اسی طرح قائم رہے گی، موت

و حیات کا بھی سلسلہ اسی طرح برابر جاری ہے گا، اور اس دنیاوی زندگی کے علاوہ کوئی

دوسری زندگی نہیں ہے،

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا
انہوں نے کہا کہ یہی ہماری موجودہ زندگی ہے

نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ
دوسری نہیں، مرنے ہیں اور جیتے ہیں،

(جاثیہ-۳)

وَقَالُوا إِنَّا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا
اور انہوں نے کہا کہ یہی ہماری موجودہ

دُمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ، (انعام-۳)

زندگی ہے، ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے

انہیں اپنے اعمال کے حساب و مواخذہ کا بھی یقین نہ تھا۔

إِنَّهُمْ كَانُوا إِلَّا يَرْجُونَ حِسَابًا (نباء) وہ حساب کی امید نہیں رکھتے تھے،

حباب بن الارت نہایت قدیم مسلمانوں میں ہیں یہ لوہاری کا پیشہ کرتے تھے، ان کے کچھ دام قریش کے ایک رئیس عامر بن وائل پر واجب الادا تھے، وہ جب جا کر تقاضا کرتے تو عامر کتابت تک تم محمد کا انکار نہ کر دے گا میں تم کو کچھ نہ دوں گا، انھوں نے کہا یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک تم مر کر پھر جو نہیں اس نے کہا گیا مر کر مجھے پھر جنیا بھی ہو، انھوں نے کہا بیشک اس نے مذاق سے کہا تو اچھا پھر وہیں میرا مال د دولت اور سر و سامان ہو گا، وہیں تم دام بھی لے لو گے اس سے اندازہ ہو گا کہ اس بارہ میں اہل عرب کا کفر کتنا شدید تھا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کے سامنے توحید کے بعد جس عقیدہ کو سب سے زیادہ زور کے ساتھ پیش کیا وہ یہی تھا قرآن مجید کی کئی سورتوں میں سب سے زیادہ اسی مضمون کو مختلف تعبیروں اور موثر طریقوں سے رد و مزہ کے معنی مشاہدات اور دلائل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، ان میں ہیبت الہی، ہنگامہ قیامت اور حشر و نشر کے استعجاز کی ایسی تصویر کشی ہے کہ سننے والا سرتاپا اثر ہو جائے، انسان کے عجز، عقل کے قصور، خدا کی عظمت و قدرت اور کائنات کی حیرت انگیز خلقت کو اس طرح بیان کیا ہے، کہ سامع ہر دم پر لرزہ بر اندام ہو جاتا ہے، پھر ایک طرف حیات ابدی، نعم جنت اور بہشت کی مسترتوں کا، اور دوسری طرف موت کی بے بسی، دنیا کی فنا، دوزخ کی دہشت اور عذاب الہی کی تہدید کا ایسا ہولناک کھینچا ہے، کہ نفس انسانی اپنے تاثر کو چھپانے پر قادر نہیں رہتا،

وحی الہی نے قیامت اور بہشت و دوزخ کے حالات و مناظر کو سب پہلے جن اسباب سے

۱۰ صبح بخاری تفسیر کبیر، صفحہ ۶۹۱

پیش کیا ہے، اُن سے اہل نظر صحابہ بناواقف نہ تھے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں، پہلے ایک بڑی سورت نازل ہوئی جس میں جنت و دوزخ کا بیان ہے، یہاں تک کہ جب لوگ سلام کی طرف مائل ہوئے تب حلال و حرام کے احکام نازل ہوئے، اور اگر پہلے ہی یہ حکم اترتا کہ شراب نہ پو، بدکاری نہ کر، تو لوگ نہ مانتے یہ آیت کہ **بِالسَّاعَةِ مُوَعِدًا هُمُ وَالسَّاعَةُ اَدُّهُنَّ اَمَّا بَلَكُمُ اَنْ كُمْ وَعَدُ** کا وقت قیامت کی گھڑی ہے، اور قیامت کی گھڑی نہایت مصیبت کی اور تلخ ہوگی، مگر منظر بن اُتری، اور میں اُس وقت کم سن بچی تھی، کھیلتی تھی، بقرہ اور نسا کی سورتیں (جس میں احکام میں اس وقت اتریں، جب میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہنے لگی تھی،

اس تشریح سے ثابت ہوتا ہے کہ تعلیم محمدی نے اس حقیقت کو ایمان کے اصول و اساس میں کیوں داخل کیا ہے، اگر تعلیم عقائد میں داخل نہ ہوتی، تو دلوں میں اعمال کی جزاء و سزا کی ہیبت اور عظمت نہ بٹھتی، اور نہ احکام الہی کی تعمیل کی طرف دلی رجحان اور میلان پیدا ہوتا، بلکہ یہودیوں کی طرح جن کے صحیفوں میں زیادہ تر دنیاوی ہی جزاء و سزا کا ذکر باقی رہ گیا ہے دوسری اہل ایمان کے دل بھی سخت اور تاثر سے خالی ہو جاتے، چنانچہ اس فلسفہ کو خود قرآن مجید نے بیان کیا ہے:

فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ قُلُوبُهُمْ

تو جو لوگ آخرت کا یقین نہیں کرتے اُن کے

دل نہیں مانتے، اور وہ غور میں مبتلا ہیں،

اسی لئے مسلمانوں کو حکم ہوا کہ نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کی تلاوت کریں جس کا ایک

آیت بھی ہے **يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْكَ كِبَاؤُكَ وَلَوْ كُنْتَ غَالِبًا** "روز جزا کا مالک" اسلام چاہتا ہے کہ یہ حقیقت اس کے پیروں

اس صحیح بخاری جلد دوم، باب تالیف القرآن،

کے دنوں میں پوری طرح گھر گئے

قیامت پر قرآنی دلائل | قرآن نے قیامت کی ضرورت پر تمام دوسری دلیلوں سے قطع نظر کر کے عموماً

دو باتوں سے استدلال کیا ہے، اول یہ کہ انسان بے کار اور بے مقصد نہیں پیدا کیا گیا اگر اس کے اعمال کا مواخذہ اور جزا و سزا نہ ہو تو خیر و شر اور نیکی و بدی کا فطری امتیاز لغو، اور انسانی زندگی تمام تر بے مقصد

اس کے تمام کام بے نتیجہ ہو جائیں،

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ

(اے لوگو!) کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تم کو بیکار

پیدا کیا، اور تم ہماری طرف لوٹاؤ گے،

إِنَّا لَنُرْجِعُونَ، (مومنوں-۹)

أَحْسَبُ أَنَّ الْإِنْسَانَ أَن يَتُوكَ سُدًى (قیامت) کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ بیکار چھوڑ دیا جائیگا،

دوسری بات جو اس روز جزا کی ضرورت کے ثبوت میں قرآن نے پیش کی ہے، وہ اللہ تعالیٰ

کا عادل اور منصف ہونا ہے۔ اگر اچھے اور بُرے انسانوں کے اعمال کی جزا و سزا نہ ہو تو دونوں

کا درجہ برابر ہو جائے، اور نیکی و بدی اور گناہ و ثواب کے کوئی معنی نہ رہیں، بلکہ نعوذ باللہ خدا ظالم

اور غیر منصف قرار پائے، اس موجودہ مادی دنیا میں بھی انسانوں کو اپنے اعمال کی کچھ نہ کچھ جزا ملتی ہے

تاہم یہ صاف نظر آتا ہے، کہ بہت سے گنہگار، سیہ کار اور ظالم یہاں آرام اور چین کی زندگی بسر کرتے

ہیں، اور بہت سے نیکو کار، پرہیزگار اور اچھے لوگ مصیبتیں اور تکلیفیں جھیلتے ہیں، اس لیے یقیناً یہ موجودہ

زندگی اعمال کی جزا و سزا کی اصلی جگہ نہیں ہو سکتی، اس بنا پر دوسری زندگی کا ماننا ضروری ہے

جہاں شخص کو اس کے اعمال کا پورا نتیجہ مل سکے، اس موجودہ دنیا میں دنیاوی حکام اپنے

ماقص علم کے مطابق اچھوں اور بُروں کو ان کے اعمال کی جزا و سزا دیتے رہتے ہیں، پھر کتنا ضروری ہے

کہ پوری دنیا کا عالم الغیب حاکم اپنے صحیح علم کے مطابق لوگوں کو جزا و سزا دے کر اپنے عدل و انصاف کا ثبوت دے، سورہ والنتین میں اسی استدلال کی طرف اشارہ ہے،

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ فَمَا يُكَذِّبُكَ
بَعْدُ بِالذِّكْرِ، أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمَ
الْحَاكِمِينَ،

لیکن جو ایمان لائے، اور جنہوں نے نیک کام
کئے ان کیلئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے، پھر اس کے
بعد تجھ کو کیا چیز جزا پر یقین لانے نہیں دیتی
کیا اللہ تمام حاکموں میں سب سے بڑا حاکم نہیں
(تمام فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بہتر فیصلہ
دینے والا نہیں)

(والنتین - ۱)

اسی لئے قرآن پاک کی مختلف آیتوں میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ نیک و
سنا تجھے عمل کیسا نہیں ہو سکتا، ایک جگہ خدا فرماتا ہے،

أَمْ تَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ
أَمْ تَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ (ص)

کیا ان کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے انکی
طرح کر دین جو زمین میں فساد کرتے ہیں یا
پرہیزگاروں کو بدکاروں کی طرح کر دین

دوسری جگہ ارشاد ہوا،

أَوْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ
أَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَخْبِئَهُمْ وَمَا لَهُمْ
سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ، (جاثیہ - ۲)

کیا انہوں نے جنہوں نے گناہ کئے یہ خیال
کیا ہے کہ ہم ان کو ان کی طرح کر دین گے جو ایمان
لائے، اور نیک کام کئے، ان دونوں کی زندگی
اور موت برابر ہوگی؟ ان کا یہ خیال بڑا بڑا

لوگوں کو روزِ جزا اور قیامت پر یقین کرنے سے جو دہم مانع تھا، وہ یہ تھا کہ مرنے کے بعد پھر کوئی جنتیا نہیں، تو قیامت کے دن کیونکر جلائے جائیں گے، یہ حقیقت میں استبعادی شبہ ہے، یعنی چونکہ مر کر دوبارہ مینا اب تک انسان کے تجربہ میں نہیں آیا، اس لئے اس کو دوبارہ زندگی کا خیال مستبعد معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ اُس کے اُن ہونی اور محال ہونے پر کوئی عقلی دلیل نہیں ہی وحیِ محمدیؐ نے اس گتھی کو اس طرح سلجھایا کہ کفار کے استبعاد کے دہم کو حسبِ ذیل مختلف طریقوں سے دور کر دیا،

۱۔ مر کر جینے کے بعد تاریخی مثالیں پیش کیں، جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ، حضرت عزیرؑ اور اصحابِ کہف کے قصوں میں مذکور ہیں، اور ان سے استدلال کیا کہ جب خدا آدمی یا پرند مر کر جی سکتے ہیں، تو پوری دنیا بھی مر کر جی سکتی ہے،

۲۔ جس طرح زمین گرمیوں میں خشک اور بے حیات ہو جاتی ہے، اور پھر دفعۃً بارش کے ایک چھینٹے سے اُس میں زندگی پیدا ہو جاتی ہے، سبزہ گل آتا ہے کھیتیاں لہلہا اٹھتی ہیں اس کی طرح قدرتِ الہی کی ایک بارش زمین سے انسانی ذہنوں کو اگلوادگی، اَوَاخِرَتِ الْاَرْضِ اَنْتَالْهَاءِ اور زمین اپنے اندر کے بوجھوں کو باہر نکال دیتی، اور دوبارہ نئی زندگی پیدا کر دے گی،

۳۔ دوبارہ زندگی پر تعجب اور استبعاد اس لئے ہے کہ خدا کے دائرہ قدرت کی پوری وسعت ہماری سمجھ میں نہیں آئی جس نے آسمان بنائے، زمین بنائی، آسمان سے پانی برسایا، مردہ زمین سے زندہ کھیتیاں، سبزہ اور درخت اُگائے، اور پانی کے ایک قطرہ سے انسان بنایا کیا وہ ان کی فنا کے بعد دوبارہ ان کی ایجاد پر قادر نہیں؟

۴۔ حیات کا یہ تمام کارخانہ پہلے نیست و معدوم تھا، خدا نے اُس کو بہت و موجود کیا

پھر رفتہ رفتہ اُس کو معدوم کر دیا تو جس نے پہلے بنیر کسی سابق مثال کے اس کارخانہ کو پیدا کیا، وہ کیا دوبارہ اس کو پیدا نہیں کر سکتا، جس نے نقش اول بنایا کیا نقش ثانی کھینچنے پر اُس کو قدرت نہیں؟

۵۔ دنیا میں باری باری بہت سی قومیں وجود میں آئیں، اور قوانین الہی کے مطابق انھوں

نے جسمانی زور و طاقت، مالی وسعت، اجتماعی اور تمدنی عظمت، اور سیاسی قوت حاصل کی بڑی

بڑی عمارتیں بنائیں، عظیم الشان تمدن کی بنیاد ڈالی، قوموں کو اپنا محکوم بنا کر حکومت و سلطنت قائم

کی، پھر جب انھوں نے غرور و نخوت، ظلم و ستم اور دوسرے قوانین الہی کی جو قوموں کی ہستی، اور

عظمت کی بقا کے لئے ضروری ہیں، مخالفت کی، تو وہ فنا کر دی گئیں، اور ان کا نام و نشان

بھی صفحہ ہستی سے مٹ گیا، عربوں سے سوال کیا کہ تمہارے عابد و نمود جو کبھی بنو سام کے مالک

سواق و شام و مصر و عرب پر چھائے ہوئے تھے، کیا ہوئے،؟ با اور تبع کی عظیم الشان حکومتیں

کیا ہوئیں؟ فرعون اور اکی سلطنت کا کیا حال ہوا؟ قوم لوط اور قوم مدین کوزین کیونکر نکل گئی؟

أَوَلَمْ نَسْخَرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا
کیا یزین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے کہ

كَيْفَ كَانَتْ عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا مِنْ
اُن سے پہلے کا کیا انجام ہوا، جو ان سے

قَبْلَهُمْ يَكْفُرُوا أَهْدَيْنَا لَنَا سَبِيلَهُمْ
قوت اور زمین میں یادگاروں کے لحاظ سے

وَأَمَّا فِي الْأَرْضِ (مومن - ۳)
کہیں بڑھ کر تھے،

الْعَالِيَاتِ كُنْتُمْ تَنْبُو الَّذِينَ مِنْ
کیا نوح کی قوم، اور عاد و ثمود کی، اور جو ان کے

تَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ
بعد آئے جن کو خدا ہی جانتا ہے، اُن کی خبر

وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ هَلْ يَعْلَمُ صَوْمُ اللَّهِ (ابراہیم ۲۰) تم کو معلوم نہیں ہوئی ؟

یہ تو وہ قومیں ہیں جن کا قرآن نے ذکر کیا ہے، ان کے علاوہ دنیا کی تاریخ میں کتنی قوموں کے عروج و دنیا کی داستانیں محفوظ ہیں، بائبل، اسیرسی، اکتادی، اور مصری قومیں جو کبھی روئے زمین پر کوس من الملک بجاتی تھیں، ہزار ہا سال سے بے نشان ہیں، نامن جیسے فاتح کیا ہوئے یونانی اور روم جو کبھی دنیا کے تہا مالک بن گئے تھے، اب ان کا کس وجود ہے؟ مجوس جو روم کے مقابل صدیوں تک برسرِ پیکار رہے، اب ان کی تعداد چند ہزار سے زیادہ نہیں، امریکہ کے قدیم باشندے جو کبھی اس براعظم کے واحد مالک تھے، اب فنا کے قریب ہیں،

الغرض جس طرح افراد جی کر مر جاتے ہیں، جماعتیں وجود میں آ کر مٹ جاتی ہیں، تو میں پیدا ہو کر فنا ہو جاتی ہیں، اسی طرح پوری دنیا کے مخلوقات بھی ایک دن آئیں گے، جب قانونِ الہی کے مطابق معدوم ہو جائے گی،

جس طرح عوام جو قوموں کی تاریخ سے واقف نہیں، صرف افراد کو جیتے اور مرتے دیکھتے ہیں، وہ گواہوں کی فنا کا یقین رکھتے ہیں، لیکن قوموں کی فنا کے مسئلہ کو نہیں سمجھ سکتے، اور اس میں شک کرتے ہیں، اسی طرح جن کی نظر دنیا سے خلق کی تاریخ پر نہیں، وہ اس کے فنا سے کامل پرانی جمالت اور نادانی سے اعتبار نہیں کرتے، حالانکہ ایک وہ دن آئے گا جب پوری دنیا اپنے وجود کی صلاحیت سے معرہ ہو کر فنا ہو جائے گی، کائنات کا یہ نظام بدل جائے گا، اس موجودہ عالم کا قانونِ طبعی، ایک دوسرے قانونِ طبعی سے منسوخ ہو جائیگا، اور جیسا کہ سائنس کتا ہے اور قرآن نے نقشہ کشیا ہے، آفتاب ہا ہتا بے سارا، اور تمام اجرامِ فلکی مگر اگر چور چور ہو جائیں گے، اور پوری دنیا کی عدالت قائم

ہو کر نئی زمین اور نیا آسمان بنے گا،

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ

وَالسَّمَاوَاتُ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ

الْقَهَّارِ (ابراہیم۔۔)

جس دن چیز میں آواز میں سے بدل جائیگی

اور آسمان بھی، اور مخلوق اکیسے زبردست خدا

کے سامنے نکل کھڑی ہوگی،

سورہ ق میں قیامت پر استدلال ان ہی دلیلوں سے کیا گیا ہے،

ق، وَالْقُرْآنُ الْمَجِيدُ، بَلْ

عَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنذِرٌ مِّنْهُمْ

فَقَالَ الْكَافِرُونَ، هَذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ

وَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا جِذَابًا

لَجَّحِمْ أَبْعِدُ، قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ

الْأَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَ نَاكِتٍ خَفِيفٍ

بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَهُمْ

فِي أَمْرٍ مَّرِيعٍ، أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى

السَّمَاءِ فَتُفْسِدُ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَ

زَيَّنَّاهَا وَمَالَهُمْ مِنْ فُرُوجٍ، وَالْأَرْضُ

بِأَنْبَتِهَا وَالْقَيْنَا فِيهَا، رَوَّاسِي وَأ

أَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ يَهِيمُ

قسم ہے اس بڑی شان والے ذران کی رجو

مردہ دلوں کو زندہ کرنا ہی ان کا فردن کو عقلی

انکار نہیں ہو بلکہ ان کو اس پر تعجب ہو کہ ان

میں ایک آدمی اگر ان کو (قیامت کا) ڈر سنا

وہ کہتے ہیں کہ یہ تعجب کی بات ہو کیا جب ہم

مر جائیں گے، اور مٹی ہو جائیں گے (تو پھر زندہ

ہوں گے) یہ دوبارہ لوٹنا تو دوران عقل ہو

(خدا کہتا ہے یہ تعجب کی کیا بات ہو ہم کو

معلوم ہے کہ زمین ان (مردہ جسموں) میں جوئی کرتی

ہی، اور ہمارے پاس محفوظ کی کتاب ہے، بلکہ بات

یہ ہے کہ ان کافروں نے سچائی جھٹلا دی

جب وہ ان کے پاس آئی، پس وہ ابھی

تَبْصُرًا ۚ وَذَكَرَىٰ لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ
 وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبْرَكًا فَأَنْبَتْنَا
 بِهِ حَبَابًا وَأَحْبَبْنَا الْحَبِيدَ، وَالنَّخْلُ
 بَسِطٌ لِّهَا طَلْعٌ نَّضِيدٌ ۗ أَلَا تَذَكَّرُونَ
 وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلَدًا كَانَتْ مَيِّتًا ۗ كَذَٰلِكَ
 الْخُرُوجُ ۗ كَذَٰلِكَ بَيَّنَّا لِقَوْمٍ ذُو جُنُودٍ
 وَأَصْحَابِ الرَّاسِ، وَثَمُودَ، وَعَادَ
 وَفِرْعَوْنَ وَأَخِيَّانَ لُوطَ وَأَصْحَابَ
 الْأَيْكَةِ وَقَوْمَ تُبَّعٍ طَٰكِلَ كَذَٰلِكَ
 الرُّسُلُ نَحَقٌ وَعَيْدٌ ۗ أَفَعَيْنَا
 بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ
 مِنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ،

(ق - ۱)

باتوں میں پڑ گئے، کیا انھوں نے اپنے اوپر کے
 آسمانوں کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو کیسا بنایا
 اور کس طرح اس کو سجایا، اور کہ اس میں کس طرح
 نہیں، اور زمین کو پھیلایا ہے، اور اس میں پہاڑ
 کے لنگر ڈالے اور اس میں قسم قسم کی رونق کی چیز
 اگائیں کہ ہر رجوع ہونے والے بندہ کو اس سے
 سوچھ ہو، اور یاد آئے اور آسمان سے برکت کا
 پانی برسایا، پھر اس سے باغ اور کھیت کھیت کے
 اناج اگائے اور کھجوروں کے بے درخت جن خوش
 اوپر تلے ہیں، یہ بندوں کو روزی پہنچانے کیلئے
 اور اس پانی سے مروہ آبادی کو ہم زندہ کر لیتے
 اسی طرح (قرون سے) نکلتا ہوگا، اور کافروں
 سے پہلے نوح کی قوم، رس والون اور ثمود اور
 عاد اور فرعون اور لوط کے بھائیوں نے اور بل
 فالون نے اور تبع کی قوم نے اسکو جھٹلایا، ان
 میں سے ہر ایک نے پیغمبروں کو جھٹلایا، تو میری
 دھمکی پوری اتری، کیا ہم پہلے پیدا کیے تھے،

موجود ہوا وہ نہیں پیدا کر سکتے، بات یہ ہے کہ ان کافروں کو از سر نو پیدا کرنے میں شک ہے۔

سورہ قیامت میں بھی اس کا بیان ہے اس کی آخری آیتیں یہ ہیں،

آيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ سَيُذْرَكَ
سَدَّيْ، اَلْعَرِيْكَ نُوْطَفَةٌ مِّنْ مَّيْمَنِيْ
يُمْنِيْ، لَوْ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقْتُ فَرَسِيْ
فَجَعَلْتُّ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الَّذِيْنَ كَرِهْتُمُوْهُ
اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقَدِيْرٍ عَلٰى اَنْ يَّحْيِيَ
الْمَوْتِيْ (قیمہ - ۲)

کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ یونہی بیکار چھوڑ
دیا جائے گا، کیا وہ پانی کی ایک ٹپکی ہوئی بوند
نہ تھا، پھر وہ بندھا ہوا خون ہوا، پھر خدا نے
اس کو بنایا، اور اس کو ٹھیک کیا، پھر اسکو
جوڑا کیا یعنی نر و مادہ کیا، کیا وہ خدا اس
قادر نہیں کہ مردوں کو دوبارہ جلائے؟
اور وہ بولے کہ جب ہم ہڈی اور چورا ہو جاتے
تو پھرتے بنا کر اٹھائے جائیں گے؟ کیا
یہ نہیں دیکھتے کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں کو
اور زمین کو بنایا، وہ ان لوگوں کے مثل کو
دوبارہ بھی بنا سکتا ہے،

وَقَالُوْا اِذَا كُنَّا عِظًا مَّادْرًا فَاْتَا
عَاِمًا لَّيْمَعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا
يَّرْوٰ اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَ الْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ
(نبی اسرائیل - ۱۱)

ایک اور جگہ فرمایا،

ذٰهُوَالَّذِيْ يَبْدُوْا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهُمْ
وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ
(روم - ۳)

اور خدا وہی ہے جو خلق کا آغاز کرتا ہے
پھر اس کو دوبارہ خلق کرے گا، اور یہ (دوبارہ)
خلق کرنا اس کے لیے آسان ہے،

(لوگو! اگر تم کو دوبارہ زندگی میں شکر تو

اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ

فَاَنۡخَلَقْنَا كُرۡمًا مِّنۡ تَرَابٍ ۙ
 ہم تو پہلے تم کو (آسی مردہ) اسی سے پیدا کر چکے ہیں

(سجہ - ۱) (پھر دوبارہ کیوں نہیں پیدا کر سکتے)

قیامت کے متعلق تمام دور دراز اور طول و طویل شکوک و شبہات کا کتنا مختصر جواب ہے

قَالَ مِّنۡ مَّجۡئِیِ الْعِظَامِ وَرَہۡی رَمِیۡمُ
 وہ بولا کون ان سڑی کھوکھلی ہڈیوں کو جلائیگا

قُلۡ یٰۤاٰیُّہَا الَّذِیۡۤا اَنۡشَاہَا اَدۡلٰ
 کہہ دے وہی جس نے پہلی دفعہ اُون کو

مَوۡتَہَا ۙ (سین - ۵) بنایا،

غرض وحی محمدی نے ہر پہلو سے کفار کے اس استعجاب اور استعجاب کو دور کیا، اور ان کو دوبارہ

زندگی کا یقین دلایا،

حشر جہانی | اس بحث پر لوگوں نے قیامت برپا کر رکھی ہے کہ یہ دوبارہ زندگی اسی گوشت و پودے

کے ساتھ ہوگی، یا صرف روحانی ہوگی، جہاں جسم و جسمانیات کا مطلق گدزنہ ہوگا؟ گو قرآن پاک کی مختلف

آیتیں مختلف پہلوؤں کو پیش کرتی ہیں جن میں اشارۃً ہر قسم کی باتیں آجاتی ہیں، تاہم قیامت کے

متعلق اوپر کی آیتوں میں سے ایک ایک آیت پر غور کرو، کفار کو تعجب ہے کہ کیا ہمارا جسم مر کر پھر

جئے گا، کیا ہماری ان سڑی گلی ہڈیوں میں دوبارہ جان پڑے گی، اور ہم قبروں سے نکل کر پھر اٹھ

کھڑے ہون گے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جسمانی زندگی کے علاوہ زندگی کا کوئی دوسرا مفہوم ان کے

حاشیہ خیال میں بھی نہیں تھا، مگر اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم تعجب نہ کرو،

انکار پر آمادہ نہ ہو کہ تمہارے یہ فاشدہ جسم نہیں اٹھائے جائیں گے، اور نہ تمہاری ان بوسیدہ ہڈیوں

میں روح چھوکی جائے گی، بلکہ وہ دوسرا سر و روحانی زندگی ہوگی، کیونکہ جب دوبارہ جسمانی زندگی

کا تحمل ان کے لئے ناقابلِ فہم تھا، تو خالص روحانی زندگی کا تحمل تو اور بھی ان کے فہم سے بالا تر تھا اور اب بھی ہے کہ ہم اس مادی دنیا کے جاننے والے سر تا پا روحانی زندگی کے تصور سے بالکل نا آشنا ہیں، اس لئے مصلحتِ الہیٰ اسی کی تفتیش تھی، کہ وہ اصل واقعہ پر زور دے، کیسے اور کیوں سے غرض نہ کرے اور صاحبِ فہم کو اس کے فہم کے مطابق اس راز کو سمجھنے دے اپنا پختہ قرآنِ پاک کے اس اسلوبِ بیان کو اگر سمجھنا ہے، تو ان آیتوں پر غور کرنا چاہیے،

وَقَالُوا ءَاٰذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ
 ءَاِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيْدٍۭ۟ۢۙ هُمْ
 يَلْقٰۤئِیْ رَبِّہِمْ کَفِرًاۙ وَّۤاٰن
 اور انھوں نے کہا کہ کیا جب ہم زمین میں
 کھو جائیں گے، کیا ہم نئی پیدائش میں پھر
 ہوں گے (خدا فرماتا ہے یہ کچھ بہین بلکہ)
 یہ اپنے پروردگار کی ملاقات کے منکرین،
 (سجدا ۷۵ - ۱)

غور کرو کہ ان کی مادی معدومیت کے بعد مادی پیدائش کے پر تعجب انکار پر اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا کہ یہ تنکوک و شبہات اس لئے ان کو پیش آتے ہیں کہ مرنے کے بعد خدا کی ملاقات اور اس کے سامنے ہونے سے ان کو انکار ہے، اور حواسی کو چھوڑ کر اصل مقصود یہی ہو کہ موت کے بعد اور آخرت میں خدا کے سامنے ہونے پر یقین رکھا جائے، اس سے ان کو کیا مطلب کہ وہ کس طرح ہوگا،؟ چنانچہ اس کے بعد ہی فرمایا

قُلْ یٰۤاَیُّوۡسُفٰۤی کُمۡ تَمَلٰکُ الْمَوٰتِ
 الَّذِیۡ حٰی وَّکَلَّ بِکُمۡ ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمۡ
 تَرْجَعُوۡنَ ، (سجدا ۷۵ - ۱)
 جواب میں کہدے کہ ملک الموت جو تم پر
 متعین ہو وہ تم کو موت دیگا، پھر تم اپنے
 پروردگار کی طرف لوٹا دیے جاؤ گے،

یہی ملاقات اور رجوع الی اللہ، اس عقیدہ حشر کی اصلی روح ہے،
 بات یہ ہے کہ ہم ان ہی باتوں کو سمجھ بوجھ سکتے ہیں جن کی مثالیں اور نظریں اس مادی
 دنیا میں ہماری نگاہوں سے گزرتی رہتی ہیں، اور وہ عالم جو نگاہوں سے مستور، بلکہ تصور سے
 بھی دور ہے اس کی باتوں کو اس طرح سمجھنا کہ ہر سوال اور مکرر سوال سے ہم بے نیاز ہو جائیں
 آفرینا نامکن ہے، ان کے متعلق جو کچھ کہا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ اس دیدہ شہستان جو یعنی دنیا کے
 قیاس پر اس مادی شہستان بقا یعنی آخرت کا ہر نقشہ اور خاکہ بتایا اور سمجھایا جا اور یہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا
 جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ہر قسم کی قدرت پر یقین رکھتے ہیں ان سے تو کچھ کہنا ہی نہیں لیکن جو شخص
 جسمانی حشر کا تصور اس لیے حال سمجھتا ہے، کہ عام انسانوں نے کسی مردہ جسم کو زندہ ہوتے نہیں دیکھا،
 تو اس کے نزدیک تمنا و حانی زندگی کا تخیل تو اور بھی زیادہ محال ہونا چاہئے، کیونکہ کسی انسان نے
 اب تک کسی انسان کو روحانی وجود میں نہیں دیکھا، بلکہ وہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکا، وہ
 جب انسانی زندگی کا تصور کرے گا تو جسم و شکل و اعضا کے ساتھ ہی کرے گا، ان سے مجرور ہو کر نہیں کرے گا
 موت جسم سے روح کی مفارقت کا نام ہے، اس لیے اگر یہ سچ ہے کہ قیامت میں نئی
 زندگی ملے گی، تو ظاہر ہے کہ موت کے بعد کی کیفیت اور صورت سے کوئی الگ صورت اور کیفیت ہوگی
 جس کا نام حیات ثانیہ رکھا گیا ہو، اور وہ یہ ہے کہ روح کا دوبارہ تعلق جسم کیساتھ تسلیم کیا جائے
 ورنہ غیر جسمانی زندگی تو قیامت کے پہلے بھی تھی اب نئی بات کیا بڑھ گئی جس کا نام حیات ثانیہ رکھا گیا
 گو روح انسانی جسم کے اندر ہر فعل کی فاعل ہے مگر فاعل کے فاعل بننے کے لیے آلات
 و اوزار کی بھی ضرورت ہوتی ہے جن کے بغیر وہ اپنے فعل کے بجالانے سے مجبور رہتا ہے، اسی طرح

روح اپنے فعلِ لذتِ عالم کے انجام دینے کے لئے۔۔۔ جسمانی آلات اور اذکار کی محتاج ہو کہ لذتِ عالم کا کوئی روحانی احساسِ جمالیات کے شائبہ سے متراہ ہو کر ہو ہی نہیں سکتا، اس بنا پر روح محض جنت کی لذتوں سے مستمتع یا دوزخ کی تکلیفوں سے متاثر ہونا کسی جسمانی وساطت کے بغیر تصور میں نہیں آتا۔ خواب میں دیکھو کہ روح کو جو لذت یا تکلیف پہنچتی ہے اس میں بھی جسمانی پیکر و شکل کی صورت نمودار ہوتی ہے۔ جسم و جسدِ احقر جسمانی ماننے کے بعد یہ بحث بے سود ہے کہ آیا وہی جسم دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ جس کے قالب میں وہ روح پہلے دنیا میں رہی تھی، یا کسی دوسرے نئے جسمانی پیکر و شکل کی روح چھوٹی چلی جائے گی یا یہ کہ آئندہ جسم اپنی مادیت اور ترکیب میں اسی دنیاوی جسم کے مماثل ہوگا، جب کہ یہ حقیقت ہے اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اعمال کی ذمہ داری روح پر ہے، جسم پر نہیں، اور اسی طرح جزا و سزا کی راحت و تکلیف کا اصلی مورد روح ہی جسم نہیں، تو پھر اب وہ کسی قالب میں بھی ہو، اور کسی رنگ میں بھی ہو، روح پر مواخذہ، اور ثواب و عذاب کی لذتِ عالم کا احساس یکساں ہوگا۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ جو جسم ہم کو دوسری دنیا میں ملے گا، اسکی خصوصیات و لوازم اس خالی جسم کے خصوصیات و لوازم سے بالکل الگ ہوں گے، چنانچہ خود ہمارے تخیل اور تصور اور نیز خواب و رویا میں جو جسم ہم کو نظر آتا ہے وہ جسم ہو کر نظر آنے کے باوجود مادی جسمانیت سے سراسر پاک ہوتا ہے، اسی لفظِ جسم کے بولنے سے ان ہی خصوصیات کا جسم سمجھ لینا ضروری نہیں، اور نہ اس جسم پر قیاس کر کے اس جسم پر اشکالات وارد کئے جاسکتے ہیں۔

خلق جدید | چنانچہ جو جسم قیامت میں عنایت ہوگا، وہ نئی خلقت اور نئی آفرینش کا ممنون ہوگا۔ اسی لئے قرآن نے منکروں کے جواب میں یہ کہا ہے کہ

بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ (ق ۱)

بلکہ یہ لوگ نئی آفرینش سے شک میں ہیں

منکرین کی زبان سے کہلوا یا،

ءَاِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا (اسراء ۵)

کیا ہم درحقیقت نئی آفرینش کر کے اٹھاؤ گے

ایک دوسری سورہ میں یہ یقین ہے،

اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ (سبا - ۱)

بیشک تم ایک نئی آفرینش میں ہونے والے ہو

پھر تمہیں دیکر فرمایا،

كَمَا بَدَأْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُكُمْ

جس طرح ہم نے پہلی پیدائش کا آغاز کیا

(انبیاء - ۷)

اسی طرح ہم اس کو دوبارہ بنائیں گے،

اسی لئے اُس عالم کی اس نئی خلقت و پیدائش والے جسم کو بعینہ اسی جسم کے مطابق

سمجھنا صحیح نہیں ہے، اور نہ اس خاکی جسم کے تمام خصوصیات کا بعینہ اسی جسم میں ہونا ضروری ہے

اس کو اگر اس عالم کے لفظ جسم سے تعبیر کیا جاتا ہے، تو اس لئے کہ ہماری زبان میں روح کے

علافت و قالب کے لئے جسم سے بہتر، قریب تر اور مشابہ تر کوئی دوسرا لفظ نہیں،

یہ بات کہ حشر میں بعینہ گذشتہ گوشت و پوست کا ہونا اس لئے ضروری سمجھا جائے کہ

وہ بھی عذابِ ثواب میں شریک ہوں تصریح قرآنی پر اضافہ ہے، قرآن میں تو یہ تصریح ہے کہ

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِآيٰتِنَا سَوْفَ

بے شبہہ جو لوگ ہماری آیتوں کے منکر ہوئے

نُصَلِّبُوْهُمُ نَارًا كَمَا نُصَلِّبُتْ جَلُوْدَهُمْ

ہم ان کو آگ میں ڈالیں گے، جب جب

بَدَا لَهُمْ جَلُوْدًا غَيْرُهَا لَيَدُوْنَهُمْ

ان کی کھالیں پک جائیں گی، ہم ان کو

الْعَذَابِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا

کھالین نیگے، جو پہلی کھالوں کی غیر ہوگی تاکہ

حِکْمًا (نساء - ۸)

غناج کھپیں بیشک اللہ غالب و رحمت والا ہے،

جب کھالین کے بعد دیگرے بدتی جائیں گی، تو پہلا حصہ جسم جو گناہ میں شریک تھا، کہاں

باقی رہا؟ اسی طرح یہ تصریح ہے کہ انسان کے ہاتھ پاؤں اور کھالین اس کے اعمال پر شہادت

دین گی، اس سے معلوم ہوا کہ وہ اصلی مجرم جو ان اعمال کا ذمہ دار اور اس مقدمہ کا مدعا علیہ ہے

ان جسمانی اعضا کے علاوہ ہے، اور وہ روح انسانی ہے،

ذمہ داری روح پر ہے | یہی سبب ہے کہ موت و حیات، عذاب و ثواب و اعمال کے مواخذہ کا

اسلام نے جس سے تعلق بتایا ہے، وہ نفس یعنی روح ہے،

أَنْ تَقُولَ نَفْسٌ يَحْسَرُ عَلَى مَا

تو (قیامت میں) کوئی نفس یہ کہنے لگے کہ اے

فَرَّطْتُ فِي جَنْبِ اللَّهِ (شہد - ۶)

انفس اس پر کہ میں نے اللہ کے پہلو میں کئی

وَلَتَنْظُرَ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ،

اور چاہیے کہ ہر نفس دیکھے کہ اس نے کل (قیامت)

(حشر - ۳)

کے لئے کیا، آگے بھیجا،

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ (مکویہ - ۱)

(اس دن) ہر نفس جان لیگا جو اس نے حاضر کیا

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ

(اس دن) ہر نفس جان لیگا جو اس نے آگے

(انفطار - ۱)

بھیجا، اور پیچھے چھوڑا،

فَلَا تَظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا (انبیاء - ۴)

(تو اس دن) کسی نفس پر کوئی ظلم نہ ہوگا،

جنت کی نسبت ہے،

فَلَا تَعْلَمُوْنَ نَفْسًا مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّنْ

کوئی نفس نہیں جانتا کہ ان کیلئے (جنت میں)

مِن قُرْآنٍ آخِرٍ (سجہ ۵-۲)

کیا انکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے

ان آیتوں میں دیکھو کہ عمل کی ذمہ داری اور اس کے اچھے اور بُرے نتیجوں کا بار جسم نہیں

بلکہ روح انفس پر ڈالا گیا ہے، اور اسی کو تکلیف و لذت سے آشنا کیا گیا ہے جنت میں داخلہ

کی خوشخبری بھی اسی کو دی گئی ہے،

فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ، اے مطمئن روح! میرے بندوں میں شامل

(بخرا - ۱) اور میری جنت میں داخل ہو جا،

دنیاوی جسم بدلتے رہنے

پر بھی وہی جسم رہتا ہے

نوع اعمال اور ان کے نتائج کی اصل ذمہ دار جنت و دوزخ کی

لذت و الم کی اصل احساس کرنے والی ہستی صرف روح ہے اور جسم

کی حیثیت صرف ایک لباس و آلہ احساس کی ہے، اس سے زیادہ اسکی کوئی حیثیت نہیں

یہ جسم لاکھ بار بدلے، مگر روح اگر وہی ہے، تو وہ انسان وہی ہے اور اسی کو اپنی ذمہ داری کی

جزا و سزا مل رہی ہے،

لوگ اپنی ظاہر بینی سے اصل زور جسم پر دیتے ہیں، حالانکہ اس مٹی کے ڈھیر میں اگر روح کا

خزانہ چھپا نہ ہو تو پھر اس مشتِ خاک میں دھرا کیا ہے دیکھو انسان بچپن سے لے کر بوڑھا پے

تک وہی ایک شخص ہے جو پہلے تھا، حالانکہ اس کی جسمانی ہنیت اور اس کے جسم کا مادہ ہر آن

اور ہر لمحہ فنا ہو کر بدلتا ہے، بیماریوں میں وہ سوکھ کر کاٹا ہو گیا، پھر ندرستی کے بعد نئے ذرا در

داخل ہو کر لہلہائے تم غلطی سے یہ سمجھتے ہو کہ ہر حال میں وہی جسم یکساں طور پر قائم ہے حالانکہ حکیم سے پوچھو

تو وہ بتایا گا کہ اس کے ذرے کیونکر ان جھڑتے اور گھٹتے رہے اور جو خوراک کھا تا رہا وہ خون ہو گیا کیونکہ بدل تھیل نبی، اور ان کی جگہ لیتی رہی، پھر کیا ایسے ہر ان فنا ہوتے رہنے والے اور چند سال کے بعد بالکل بدل جانے والے کو دائم الوجود اعمال کا ذمہ دار اور ان کے نیک بد کی اصلی جزا یا سزا پانے کا مستحق ٹھہرایا جا سکتا ہے، لیکن جس طرح دنیا میں اگر کوئی مجرم آج بھاگ گیا، اور چند سال کے بعد پکڑ کر جیب لایا گیا، تو وہ یہ عذر نہیں کر سکتا کہ چونکہ وہ ہاتھ جس سے اُس نے چوری کی تھی اور پاؤں جن سے وہ مال لیکر بھاگا تھا، اس عرصہ دراز میں بدل گئے ہیں، اسلئے وہ لائق تعزیر نہیں کیونکہ وہ روح جس نے اپنے ارادہ و نیت سے اس کام کو اسکے ہاتھوں اور پاؤں کے ذریعہ کر لیا تھا جس طرح کل بھی بیسہ آج بھی ہے، اور جو تکلیف اُس کو اپنے پہلے جسم کے ذریعہ کل پہنچ سکتی تھی، بیسہ آج بھی پہنچ سکتی ہے اور اس جسمانی تعزیر سے اسکی روحانی شخصیت میں اصلاً کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا، اسلئے پہلے ہی جسم کے ضروری ہونے پر ذور دنیا بے سود ہے اسی سے یہ بھی معلوم ہو گا کہ جسم اگر بدل بھی جائے تو اعضاء کی شہادت کا مسئلہ اپنی جگہ پر صبح ہو گا، جسم کے اعضاء دنیا میں بدلتے جاتے ہیں، مگر جو بیماری اگلے اجزاء میں پیدا ہو گئی تھی وہ ان کے فنا ہو جانے کے بعد بھی قائم رہتی ہے، مٹ نہیں جاتی، بلکہ وہی ان کے بعد کے آنے والے اجزاء میں برابر سرایت کرتی رہتی ہے،

انزوی جسم کیسا ہو گا | رد جون کو آخرت میں جو جسم ملین گے وہ حقیقت میں ان کے اعمال ہی کے ظل و عکس ہون گے یعنی جیسے اعمال ہوں گے ویسے ہی ان کو جسم عنایت ہوں گے، چنانچہ اس دنیا کے جسمانی رنگ کے لحاظ سے خواہ کوئی کالا ہو یا گورا، مگر اس دنیا میں اس کا یہ کالا پن اور گورا پن اعمال کی سیاہی و سپیدی کی صورت میں بدل جائے گا، خدا نے فرمایا :-

کتنے چہرے اس دن روشن ہوتے اور شاد ہونگے،

اور کتنے چہروں پر اس دن کدورت ہوگی، اور

ان پر سیاہی چھانی ہوگی،

جس دن کتنے چہرے سپید ہون گے اور کتنے کھائے،

لیکن جن کے چہرے کالے ہوئے، کیا تم وہ ہو جاؤ گے

کہ بعد پھر کافر ہو گئے تھو تو اپنے کفر کرنے کے

بدلہ عذاب کا مزہ چکھو، اور جن کے چہرے سپید ہوئے

تو وہ اللہ کی رحمت میں ہون گے، اسی میں

سدا رہیں گے،

وَجُودًا يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةً صَاحِبَكُ

مُسْتَبْرَةً وَجُودًا يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا

عَبْرَةً، تَرَاهُهَا مَرَّةً (عس ۱)

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ

فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ

أَكْفَرُ تَوْبَعَدَ إِيْمَانِكُمْ فَذُوقُوا

الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ، وَأَمَّا

الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ

اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (ال عمران ۱۱)

صحیح حدیثوں میں ہے کہ جنت میں سب لوگ جوان بن کر داخل ہونگے اور جسم پر کبھی بڑھاپا نہیں

آئیگا، ان کا قد حضرت آدم کے اولین ہستی قد کے مطابق ہوگا، دوزخیوں میں سے کسی کا سر ہاڑ کے

برابر ہوگا، کسی کا ایک پہلو مغلوب ہوگا، کسی کے سونٹ ٹٹکے ہونگے، دل کے اندھے آنکھوں کے اندھے

بن کر اٹھیں گے، سزاؤں کے بعد جب ان کے جسم چور چور ہو جائیں گے، تو پھر صحیح و سالم نئے جسم بنو

ہون گے، اور پھر ان کی وہی کیفیت ہوگی، یہی آیا ہے کہ جو اپنے کو بڑا سمجھے ہیں، وہ چوٹی ٹنکریا

میں اٹھیں گے ان تمام شواہد سے ہویدا ہے کہ اس دنیا کے جسمانی قالب ہمارے اس دنیاوی جسم

کے مطابق نہیں، بلکہ ہمارے دنیاوی اعمال کے مطابق ہوں گے،

جزا اور سزا

یومِ آخرت یا یومِ دین پر ایمان لانے سے اسلام کا حقیقی منشا یہ ہے کہ لوگ اُس کا یقین کریں کہ اُن کے ہر عمل کا بدلہ ہے کچھ اس دنیا میں، اور پورا دوسری دنیا میں، اسی کا نام جزا و سزا ہے دنیا کے دوسرے مذاہب بھی اس مسئلہ میں اسلام کے ہمنوا ہیں،

جزا و سزا دیگر مذاہب میں درحقیقت مذاہب کا حقیقی تعلق اسی عقیدہ سے ہے کہ انسان اپنے

اعمال کا اوتہ دار ہے اور اچھایا بُرا جیسا کام اس سے صادر ہوتا ہے، اس کے مطابق اچھایا بُرا

معاوضہ اس کو دوسری دنیا میں ضرور ملیگا، اس عقیدہ کا نشان مصر و بابل جیسی دنیا کی قدیم قوموں

میں بھی ملتا ہے ہندوستان کے مذاہب میں اس دوسری دنیا کو دوسری جنم سے تعبیر کیا گیا ہے اُن کا خیال

یہ ہے کہ انسان جب مرتا ہے تو اس کے اچھے یا بُرے کاموں کے مطابق اس کی روح کسی جانور یا گھاس

پھوس یا درخت کے قالب میں جا کر اپنے عمل کا نتیجہ بھگتی ہے، اور پھر انسانوں کے قالب میں لانی

جاتی ہے اور کام کرتی ہے اس کے بعد جس کے گناہ زیادہ ہوتے ہیں، اس کو ہم لوگ میں جانا

پڑتا ہے، جہانِ نرک (دوزخ) میں، وہاں وہ ہر قسم کی سزا بھگتی ہے، بعد ازیں اپنے بعض اچھے

کاموں کی بدولت چند لوگ (چاند کی دنیا) میں جاتی ہے جس روح کے کچھ کام اب بھی باقی ہیں

وہ اس دنیا میں ہوا، بادل اور بارش کے ذریعہ سے دوبارہ آتی ہے، اور اپنے کام کے مطابق
 حیوانات یا نباتات کے روپ میں سزا پاتی ہے، اور پھر چھوٹ کر انسان بنتی ہے، یہاں تک کہ
 اُس کے کام اتنے اچھے ہو جائیں کہ وہ سزا کے قابل نہ رہ جائے، اس وقت وہ مادی قالبوں
 کی قید سے نجات پا کر سورج لوک اور چند لوک وغیرہ اجسام سماوی کی دنیاؤں میں جا کر
 آرام کرتی ہے، اور پھر اپنے علم و عمل کی کسی کمی کے سبب بادل ہوا، اناج یا کسی دوسری
 مخلوقات کے قالب میں ہو کر اس کو اس دنیا میں پھر آنا پڑتا ہے، اور پھر وہی عمل شروع ہوتا ہے
 یعنی وہ نئے نئے جنموں میں سزا بھگتی ہے، اور اس وقت تک آمدورفت اور آواگون کے حکم پر
 میں بھنسی رہتی جو جیت تک اس سے اچھے باڑے کا مون کا صدور ہوتا رہتا ہی اس لیے کامل
 اور دائمی نجات کی صورت یہ ہے کہ انسان یہ ہے کہ انسان سے اچھایا بڑا کوئی کام صادر نہ
 ہو یہی ترکِ عمل، روح کو مادہ کی قید سے آزاد کر کے ہمیشہ کے لئے چھٹکارا (موت) دلاتا ہے
 کہ موجودہ مادی دنیا پر لے (قیامت) کے بعد جب پھر نئے سرے سے بنے گی تو پھر وہی عمل اور
 سزا یعنی آواگون کا چکر شروع ہوگا، اور پھر اسی طرح ہمیشہ چھٹکارا پائے گی، اور پھر دوسرے
 پر لے کے بعد نیا دور اسی طرح شروع ہوگا، یہ چکر اسی طرح ہمیشہ رہے گا،
 یہ وہ چکر ہے جس سے انسان کو کبھی نکلنا نصیب نہ ہوگا، الا یہ کہ ہمالہ کی چوٹی یا غاریں
 بیٹھ کر ترکِ عمل کے ذریعہ سے خود اپنے وجود سے ہاتھ دھو لیا جائے، لیکن اگر اس اصولِ نجات پر
 دنیا عمل کرے تو یہ بہارستانِ دم کے دم میں خارستان بن جائے، ہر قسم کا کاروبار بند ہو کر دنیا آج
 سے آپ فنا کے قریب آجائے بدی کے ساتھ نیکی کا وجود بھی صفحہ ہستی سے مٹ جائے، اور باقی

دائمی وابدی نجات میسر نہ ہو کیونکہ ہر پرے کے بعد وہی جہنم، اور کرم اور آدا گون پھر شروع ہوتا ہے۔
 لیکن دنیا کے دوسرے مذاہب نے اس چکر اور بے عملی سے انسان کو نجات لائی ہے انھوں نے
 موجودہ دنیا کے بعد ایک ہی دنیا اور تسلیم کی ہے جس میں لوگوں کو اچھے اور بُرے اعمال کی پوری
 پوری جزا ملے گی، مختلف زردشتی فرقوں نے آریہ نسل ہونے کے باوجود ہندوؤں کے تنازع کے بجائے
 مختلف سامی مذاہب کے خیالات کی نقالی کی ہے، اور خصوصاً بعد والوں نے اسلام کے عقائد کو ارواحی
 ویران کے عجیب و غریب مشاہدات کا رنگ دیکر اور اس کی کتاب کو اسلام سے بھی پہلے کی قرا
 دیکر تمام تر قبول کر لیا ہے،

صحیفہ ابراہیم یعنی سفر تکوین میں دنیا کی محنت و مشقت اٹھانے کے بعد پھر حنت میں داخل
 کا اشارہ ہے، (تکوین ۲-۱۹) مٹی ہذا حضرت موسیٰ کے صحیفوں میں اخروی جزا و سزا کے اصول لکھے
 ہیں، نیکو کاروں کے لئے ایک ستھری آبادی کا ذکر ہے جس میں دودھ اور شہد کی نرین ہتی ہیں، کھان
 کے لئے ہلاکت، بربادی اور درتاک عذابوں کی خبر ہے، مگر ترجموں نے ہر جگہ اس کو دنیاوی
 ثواب و عذاب بلکہ ارضی موعودہ کی ظاہری سلطنت کے معنوں میں دکھایا ہے، حالانکہ بعض مقامات
 میں بے جوڑ سی بات ہو کر رہ گئی ہے، حضرت آدم کی جنت عدن اور اس کے چار دریاؤں کا ذکر
 تکوین کے دوسرے باب میں ہے، علاوہ ازیں تورات میں موت کے بعد کی زندگی کی تصریح ملتی ہے،
 حضرت ابراہیم (پیدائش ۲۵-۸) اور یعقوب علیہما السلام (پیدائش ۲۹-۳۳) کی موت کی

لے تنازع کے رد میں اللہ وہی جون سنہ ۱۹ء میں ایک مضمون ہے، وبتان الذہاب کا مصنف جو زردشتی مذہب
 سے پوری واقفیت رکھتا تھا، اُس نے اپنی کتاب میں اسکی پوری تفصیل درج کی ہے،

تعمیر ان لفظوں میں کی گئی ہے کہ جان بحق ہوا، اور وہ اپنے لوگوں میں جا ملا ساتھ ہی ہمیشہ کی بھلائی
 (استنثار ۶-۲۴) کا بھی تذکرہ ہے، اور جہنم کی آگ (استنثار ۳۲-۲۲) کا بھی بیان ہے اور
 ہر ایک کو اُس کے عمل کا بدلہ دینے جانے کی بھی تصریح ہے، (یرمیا، ۱-۱۱) روح کی بقا اور
 آسمان پر چڑھنے کی تعلیم بھی اُن صحیفوں میں موجود ہے، (واعظ ۳-۲۱) مرنے کے بعد روح کے
 خدا کے پاس واپس پھر جانے کا بھی تذکرہ ہے (واعظ ۱۲-۱۰) اور انسان کے اپنے ابدی
 مکاں میں جانے کی بھی تصریح ہے، آخرین ہی خدا سے ڈرا اور اس کے حکم کو مان کر انسان کا
 کافر بن گیا ہے، کیونکہ خدا ہر ایک فعل کو ہر ایک پوشیدہ چیز کے ساتھ خواہ بھلی ہو خواہ بری
 عدالت میں لائے گا، (واعظ ۱۲-۱۳-۱۴) اور یہی خدا کی عدالت کے دن کی تصریحات بار بار
 ہیں، مثال سلیمانی میں ہے کہ انسان کی راہیں خداوند کی آنکھوں کے سامنے ہیں اور وہ اسکی ساری
 روشنوں کو جانچتا ہے، شرم کی بدکاریاں اُس کو کپڑے میں لپیٹ لیں گی، اور وہ اپنے ہی گناہوں کی رسیدوں
 سے جکڑ جائے گا، وہ بے تربیت پائے مر جائے گا، اور نئی جمالت کی شدت میں بھٹکتا پھر سکے گا۔ (۵-
 ۲۱) دانیال میں ہے کہ اُس وقت بہترے جو زمین میں خاک پر سوتے ہیں، جاگ اٹھیں گے بعض
 حیات ابدی کے لئے اور بعضے رسوائی اور ذلت کے لئے (۱۲-۲) حزقیال (۲۸) میں جنت کی طلائی اور
 جواہرات کی بنی ہوئی عمارتوں کے اشارات ہیں،

حضرت مسیح سے پہلے یہودیوں میں عسرونی نام ایک فرقہ پیدا ہوا جس نے حکمران یونانیوں کا
 تقرب حاصل کرنے کے لئے اُن کی بعض باتیں قبول کر کے یہودی تعلیم میں شامل کیں، مہملہ اُن کے وہ

لے برٹش انسائیکلو پیڈیا، ص ۷۰۰، (صد و تیس، صد و کیر)

قیامت اور حیاتِ آخری کا بھی منکر ہوا، مگر اس کے مقابل کا دوسرا فرقہ جس نے اپنے کو فریسی (علحدہ رہنے والا) کہا، اپنے پرانے عقیدوں پر قائم رہا۔ اور قیامت، حیاتِ آخری اور جنت و دوزخ کے عقائد کو بدستور ماننا رہا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں فریسی ہی اعتقاد رکھتے تھے کہ جنت مادی ہوگی، اور دہان بہشتیوں کو ان کی بویان واپس ملیں گی، (مرقس ۱۲-۱۳) یہودیوں کی پھلی کتابوں میں جزا و سزا کی تفصیل موجود ہے، چنانچہ اسلام کے زمانہ میں بھی عرب کے یہودی اس پر ایمان رکھتے تھے، اور کہتے تھے کہ یہود کیسے ہی گنہگار ہوں مگر چند روز سے زیادہ دوزخ میں نہیں رہیں گے، (بقرہ - ۸ و آل عمران - ۳) یہ چند روز باختلاف روایت تین روز چالیس روز یا گیارہ مہینے ہیں،

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں یہودیوں کے ان دونوں فرقوں کے درمیان سخت اختلافات برپا تھے، اور دونوں ایک دوسرے کی تردید و ابطال میں مصروف تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آکر صدوقیوں کے اس عقیدہ کی تردید کی، اور قیامت اور جزا و سزا پر ایمان لانے کی تعلیم دی، حضرت عیسیٰ کے ایک حواری یوحنا نے اپنے مکاشفہ میں جنت اور دوزخ کی پوری تصویر کھینچی،

حضرت عیسیٰ کے اس جواب سے جو انھوں نے ایک صدوقی کے سوال کا دیا کہ اس دنیا میں لوگ شادی اور بیاہ نہیں کریں گے، بلکہ فرشتوں کے مانند رہیں گے، ایسا سمجھا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے جنت کو صرف زمانی وجود سمجھا ہے، مگر درحقیقت ایسا نہیں ہے، حضرت عیسیٰ

لے کتب تفسیر میں ان آیتوں کی تفسیر دیکھو ۱۷۱ سل کا ترجمہ قرآن حاشیہ زیر ترجمہ آیت بقرہ رکوع ۸،

اپنی زندگی کی آخری شب میں اپنے شاگردوں کے ساتھ بیٹھ کر جب انگور کا انشرہ پیتے ہیں تو کہتے ہیں
 "میں تم کہتا ہوں کہ انگور کے پھل کا رس پھرنے پیوں گا، اس دن تک کہ تمہارے ساتھ اپنے
 باپ کی بادشاہت میں نیانہ پیوں" (متی ۲۶-۲۹)
 وہ یہودی علماء کو خطاب کر کے فرماتے ہیں،

"اے سانپو! اور اے سانپوں کے بچے! تم جہنم کے عذاب کیونکر بھاگو گے" (متی ۲۳، ۳۳)
 اپنے ایک دعوتی دوزخ کا منظر دکھاتے ہیں، اور فرماتے ہیں :-

اس نے دوزخ کے درمیان عذاب میں ہونے کے اپنی آنکھیں اٹھائیں اور ابراہیم (حضرت
 ابراہیمؑ) کو دور سے دیکھا اور اس کی گود میں لعزہ کو، اور اس نے پکارنے کے کہا کہ اے باپ ابراہیم
 مجھ پر رحم کر اور لعزہ کو بھیج کہ اپنی انگلی کا سرا پانی سے بھگو کے میری زبان ٹھنڈی کرے، کیونکہ
 میں اس لوہے میں ترپتا ہوں، (لوقا ۱۶-۲۳)

مکاشفاتِ یوحنا میں دوزخ کو آگ اور گندھک کہا گیا ہے، (۱۴-۱۰) اور متی کی انجیل
 میں اس کے دروازے بھی بتائے گئے ہیں، (متی ۱۶-۱۸) اسی طرح جنت اور آبی طلائی جواروں کی
 تعمیر اور نہر آبِ حیات کا ذکر مکاشفات کے ایسیوین باب میں ہے اور وہاں کے انگور سی انشرہ کا
 کا بیان متی میں ہے، (۱۹-۲۶) وہاں کے آپسیر کا ذکر بھی انجیل میں آتا ہے (لوقا ۱۶-۲۳)
 اسی طرح ہر ایک کے عمل کا حساب لے جانے اور عمل کے مطابق بدلہ ملنے کا ذکر بھی
 حواریوں کے خطوط میں موجود ہے،

"مبارک وہ مرد ہے جس کے گناہوں کا حساب خداوند نہ لیگا، (رومیوں ۴-۸)

تو ہر ایک ہم میں سے خدا کو اپنا حساب آپ دیگا، (رومیوں ۱۴-۱۳)
 "لیکن دے اس کو جو زندگی اور مردوں کا انصاف کرنے پر تیار ہے حساب بن گے"

(اول پطرس ۴-۵)

اس باب میں اسلام کا تکمیلی پہلو یہ ہے کہ اُس نے اس عقیدہ کو نہ صرف پوری تفصیل کیا بلکہ اس کے تمام ضروری اجزاء فراہم کئے، گزشتہ مذاہب کے تشنہ بیانات پر سیر حاصل جتھیں کیں، اُن کے نقائص کی تکمیل کی، اور نئے اجزاء کے اصول اس صفائی سے بیان کئے کہ اس عقیدہ کا ہر پہلو شکوک و شبہات سے پاک ہو گیا،

آئندہ مباحث کے سمجھنے کے لئے پہلے چند اصول ذہن نشین کر لینے چاہئیں،

عالم آخرت کا فہم و ادراک | اُس عالم آخر میں جو کچھ ہو گا وہ اگرچہ ہمارے اس زیر تجربہ زیر مشاہدہ

مادی عالم سے بالکل الگ ہو گا، تاہم چونکہ انسانی فہم کی مجبوری کی وجہ سے وہ اسی زبان و محاورات میں ادا کیا گیا ہے، جو اس مادی عالم کے ساتھ مخصوص ہیں، اس لئے یہ الفاظ جن مادی خصائص کو مستلزم ہیں، یا ہم اُن کے دیکھنے اور سننے کے اس دنیا میں مادی ہو گئے ہیں، ان لفظوں

کو سنکر بعینہ وہی سمجھنا چاہتے ہیں جو اس دنیا میں اُن لفظوں سے سمجھے رہے ہیں، اسی سبب بعض

کم فہم وہاں کے وقائع و احوال کا بیان سن کر اُن میں سے بعض کو محال اور ناممکن کہہ اٹھتے ہیں

اور بعض اُن کی تشریح و تاویل اس طرح کرتے ہیں کہ لفظ بمعنی میں ادنیٰ اشتراک بھی باقی نہیں رہتا،

یہ دونوں راستے سخت خطرناک ہیں، اسی لئے وحی محمدیؐ نے ان نازک و دقیق اسرار کے بیان میں

انسانی فطرت کی کمزوریوں کا پورا لحاظ کیا ہے، اس نے نہ تو یہودیوں کی طرح ان واقعات

کو ستر پامادی کہہ کر عالمِ آخرت کو بھی عالمِ آب و گل بنا دیا ہے، اور نہ عقل و خرد کے بعض نادان عینوں کی طرح اُن کو مادہ سے متبادلہ و برتر کر دیا ہے کہ اُن کا وجود ہی مہووم و فرضی ہو گیا ہے بلکہ انسانی عقول کے اختلافِ مراتب کا لحاظ کر کے بزم کے اہل نظر اور تماشائیوں دونوں کی تشفی اور تسکین کا سامان بہم پہنچایا ہے،

ان اُردوی و قانع کے مختلف مفہوموں اور مصداقوں کا لحاظ کر کے وحیِ محمدیؐ نے ایسے جچے تلے الفاظ اختیار کئے ہیں جن سے ایک فلسفی بھی بہرہ یاب ہو سکتا ہے، اور ایک عامی بھی، اور دونوں اپنی اپنی جگہ پر اپنے اپنے ایمان کا لطف اٹھا سکتے ہیں، اور ایک ایسے مذہب کے لئے جو سارے انسانی طبقوں کو اپنا مخاطب بنانے کا دعویٰ کرتا ہے، ایسی ہی وسعت کی ضرورت تھی تاکہ وہ سب کے لئے اپنی اپنی جگہ پر تشفی کا باعث ہو سکے، ان تمام اُردوی واقعات کو جن الفاظ میں بیان کیا ہے، وہ ظاہر ہے کہ طبعاً وہی الفاظ ہو سکتے ہیں، جن کے چاروں طرف اس دنیا کا مادہ ماحول، مادی مفہوم و مصداق اور جسمانی تعلقات پٹے ہوئے ہیں، ان لفظوں کے سننے کے ساتھ جو مفہوم ہمارے ذہن میں آتا ہے وہ ستر پامادی مادی قیود و لوازم کے ساتھ آتا ہے، ہم جب "آگ" کا لفظ سنتے ہیں، تو موائے دنیاوی آگ کا مفہوم ذہن میں آتا ہے، جس کو ہم یہاں دیکھتے ہیں، جو انسانوں، درختوں اور ہر اس چیز کو جو اس کے اندر رہتی ہے، بلا تیز کیا جلا دیتی ہے، مگر اُردوی آگ ایسی نہ ہوگی، اس کے اندر بعض درخت ہوں گے جو نہیں جلیں گے، وہ صرف گنہگار انسانوں کو جلائیگی، کسی کے پاؤں کو چھوئیگی، کسی کی لہر کسی کی کسی کے گلے تک پہنچے گی، اور وہ ایسی تیز گرم ہوگی کہ یہ دنیاوی آگ اس کے مقابلہ میں ٹھنڈک ہی "وزن"

کا لفظ سننے کیساتھ اس عالم میں تولنے کی ساری خصوصیتیں ہمارے سامنے آجاتی ہیں، تو از رو، پانسنگ، پپے، ڈنڈی اور تولی جانے والی چیزیں جہیت اور نقل کا ہونا اسی طرح نامہ عمل کے لکھنے کا مفہوم جب ہم سمجھنا چاہیں، تو کاتب کی انگلیاں قلم، دو ات، سیاہی، کاغذ اور حروف کی ساری قیدیں ہمارے ذہن میں آئیں گی، اس بنا پر ان الفاظ کے لغوی معنوں اور ان کے قریب القوم مجازی معنوں کے سمجھنے میں اختلاف آرا کی بڑی گنجائش ہے، اس لئے حق تو یہ ہے کہ ان پر بلا مزید تشریح اس طرح ایمان لایا جائے کہ ہماری تشریح سے ان کے الفاظ کے مفہوم کی وسعت تنگ نہ ہو جائے۔
 باہن ہمہ ان لوگوں کو بھی دائرہ سے خارج نہ کیا جائے، جو ان الفاظ سے وہ مفہوم سمجھ کر تسلی پانا چاہتے ہیں، جن کے وہ الفاظ متحمل ہو سکتے ہیں کہ اگر مراد الہی یہی تنگی ہوتی تو اللہ تعالیٰ انسانی عقولوں کے اختلاف مراتب کا لحاظ کئے بغیر اپنے مفہوم کو اس وسعت کے بجائے تنگ تنگ الفاظ میں ظاہر فرما سکتا تھا، مگر ایسا نہیں کیا، تاکہ اسلام مختلف العقول انسانوں کے لئے عالمگیر ثابت ہو سکے،

ایک دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ عالم آخرت کے وقائع اور حالات کے سمجھنے میں اشکالات و اعتراضات اسلئے پیش آتے ہیں کہ ہم وجود اور اس کے موجودہ تمام قوانین فطرت کو اس طرح لازم و ملزوم سمجھتے ہیں کہ جب کسی شے کے وجود کا تذکرہ کیا جائے گا تو معاً اس کے وہی خصوصیات و لوازم سامنے آئیں گے جن کے دیکھنے کے ہم اس دنیا میں عادی ہیں، حالانکہ ارباب عقل نے یہ طے کر دیا ہے کہ اس موجودہ دنیا کے محمولات و مسببات اور ان کے موجودہ علل و اسباب میں جو لزوم ہے وہ محض عادی رویشی اسلئے ایسا ہے کہ ہم ایسا دیکھتے ہیں، یہ نہیں کہ اسلئے ایسا ہے کہ ایسا ہی ہونا چاہیے،

اس بنا پر اگر صرف اتنی سی بات ذہن نشین کر لیجائے کہ موجودہ مادی دنیا میں جو قوانینِ فطرت و دلیل و اسباب و ران کے نتائج کا فرماہین؟ یہ صرف اتنی سی عالم اور موجودہ دنیا کے قوانین ہیں اگر خدا تعالیٰ کوئی نئی دنیا بنائے، یا نیا عالم خلق کرے تو ضروری نہیں کہ یہی موجودہ قوانینِ فطرت وہاں بھی کار فرما ہوں بلکہ بالکل ممکن ہے کہ اس نئے عالم میں نئے قوانین پر عمل ہوتی خصوصیات کے جسم ہوں نئی قسم کی زندگیاں ہوں نئی قسم کی آگ ہو نئی قسم کے باغ اور ان کے پھل ہوں نئی قسم کے موجودات و مخلوقات ہوں نئے دلیل و اسباب ہوں اور نئے قوانینِ فطرت ہوں وحیِ محمدیؐ نے اسی نئے عالم کے متعلق کہا ہے،

يَوْمَ تَبْدِلُ الْأَرْضَ غَيْرَ الْأَرْضِ
جس دن یہ زمین نئی زمین سے بدل جائیگی

وَالسَّمَوَاتِ (ابراہیم۔۔) آسمان، (نئے آسمانوں سے)

اب کون کہہ سکتا ہو کہ اس نئی زمین اور نئے آسمان میں بھی وہی مادی قانون جاری ہوگا جو اس موجودہ زمین و آسمان میں جاری ہے، اس بنا پر جسمائیت و مادیت کے وہ تمام اعتراضات اور آئندہ حیات کے متعلق وہ تمام اشکالات جو اس دنیا اور اس کے قوانین کی بنا پر پیدا ہوتے ہیں بالکل بے بنیاد اور بے حقیقت ہیں،

اس ضروری تہید کے بعد جزا و سزا کی اسلامی تشریحات کی جانب تہدم اٹھایا جاتا ہے،

وَهُوَ الْهَادِي إِلَى الصَّوَابِ،

اصول جزا | اللہ تعالیٰ نے جس طرح موجودہ عالم کو اپنے خاص نظام اور قانون پر بنایا ہے، اہل فلسفہ قانونِ قدرت اور اہل مذہب تقدیر اور اندازہ الہی کہتے ہیں، اسی طرح اُس نے اپنے عالم کے لئے ایک نظام اور تقدیر قائم کی ہے جس کے مطابق اس عالم کا کاروبار انجام پاتا ہے

انسان غلطی سے یہ سمجھتا ہے کہ یہ اصولِ فطرت صرف مادیات تک محدود ہیں، حالانکہ مادیات ہوں، یا روحانیات، ذہنیات ہوں یا عملیات، ہر ایک میں یہ کیساں جا رہی ہے، ہر ایک میں جس طرح یہ قانونِ فطرت ہے کہ نہ ہر کھانے سے انسان کا جسم مر جاتا ہے، اسی طرح یہ بھی اصولِ فطرت ہے کہ گناہ سے اسکی روح مر جاتی ہے اور جس طرح اصولِ حفظانِ صحت کی عدم پیروی سے انسان بیمار ہو جاتا ہے اسی طرح اصولِ تزکیہ قلب کی عدم متابعت سے بھی وہ مریض ہو جاتا ہے، پھر جس طرح دوا و اصولِ حفظانِ صحت کی پابندی سے وہ اپنی جسمانی بیماری کے آلام سے نجات پاتا ہے، ایسا ہی روحانی تدبیرِ علاج کے ذریعہ بھی وہ شفا یاب ہوتا ہے، اعمال کے لوازمِ نتائج، غرض جس طرح دنیا میں ہر چیز کی ایک خاصیت ہے اور وہ جب یہاں خود پذیر ہوتی ہے تو اس کیساتھ اس کے خواہ و آثار بھی پیدا ہوتے ہیں اسی طرح انسان کی اندرونی کیفیات و اعمال کے بھی کچھ آثار و لوازم ہیں، جو اس سے الگ نہیں ہو سکتے، غور و فکر اور خاکساری، نخل اور فیاضی، انتقام اور عفو، شجاعت اور زبردلی، تقویٰ اور فسق، ایمان اور کفر، ہر ایک کا ایک نہ ایک اثر و نتیجہ ہے اور ہر ایک کے کچھ نہ کچھ خصائص و لوازم ہیں، جو اس سے اسی طرح الگ نہیں ہو سکتے، جس طرح شکیا سے سمیت، شکر سے مٹھاس، اور آگ سے حرارت جدا نہیں ہو سکتی، اور ان مسمومی، روحانی، اور نفسیاتی چیزوں میں علت و معلول کا وہی لزوم ہے، جو جسمانی، مادی اور طبیعیاتی اشیاء میں ہے، اشخاص کی نیکو کاری و بدکاری، اور افراد کی سعادت و شقاوت کے جو اصول ہیں، وہی جماعت اور قوموں کی صلاح و فساد، اور سعادت و شقاوت پر بھی حاوی ہیں، جس طرح ایک سائنسٹ (حکیم) کا کام ان مادی فزیکل اصول کو جاننا اور بتانا ہے اور اسکی تعلیم کا نام ہماری اصطلاح میں (سائنس) ہے، اسی طرح ان روحانی اسبابِ علل اور آثار و نتائج کو جاننا اور بتانا، انبیاء علیہم السلام

کا کام ہے اور ان کی اس تعلیم کا نام شریعت ہے، انبیاء کی اس تعلیم کے مطابق ہم کو اعمال کے روحانی آثار و نتائج کا وہی یقین ہونا چاہئے جو ایک حکیم کی تعلیم کے مطابق ہم کو جسمانی اشیاء کے خواص اور آثار کا ہوتا ہے، سائیکالوجی (علم النفس) اور سوشیالوجی (علم الاجتماع) کی وسعت تحقیق نے اس مفہوم کے سمجھنے میں اب بہت کچھ سہولت پیدا کر دی ہے،

عقابِ ثوابِ دَعْل ہر | الغرض یہ مادی و جسمانی دنیا علت و معلول اور عمل و ردِ عمل کے جس اصول پر مبنی ہو اسکی وسعت کے دائرہ میں انسان کا ہر قول اور ہر عمل شامل اور داخل ہو ہی سبب کی گناہ کے لازمی نتیجہ کا نام اسلام میں عقاب اور اعمال صالحہ کے لازمی نتیجہ کا نام ثواب کھا گیا، قرآن نے انہی دونوں اصطلاحوں کو بار بار استعمال کیا ہے، عقاب کا لفظ عقب سے نکلا ہے، جس کے معنی پیچھے کے ہیں، اس لئے عقاب اس اثر کا نام ہے جو کسی فعل کے کرنے کے بعد لازم آجاتا ہے، اور ثواب کا لفظ ثوب سے لیا گیا ہے جس کے معنی لوٹنے کے ہیں، اس لئے یہ کسی اچھے کام کے لوٹنے والے نتیجہ اور جزا کے معنی میں بولا گیا ہے،

اسی ایک مسئلہ کو اگر اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو جزا اور سزا کے شرعی اصول کے سمجھنے میں کوئی وقت نہ ہو، چنانچہ قرآن پاک میں یہی کہی دفعہ فرمایا گیا ہے،

الْيَوْمَ نَجْزِيكَ مَا كُنْتَ تَعْلُوْنَ (جاثیہ ۴) بدتم کرتے تھے وہی آج بدلہ پاؤ گے،

اس سے معلوم ہوا کہ جزا و سزا ہمارے ہی اعمال کے ردِ عمل (درمی کشن) کا نام ہے ایک اور جگہ بھی

رَبُّنَا الَّذِي يُكَلِّمُ الْوَعْدِ بِمَا نَسَىٰ (طہ ۱۰۱) تاکہ ہر جان کو اس بدلہ دیا جائے جو وہ کرتی تھی

ان آیتوں میں یہ صاف تصریح ہے کہ یہ جزا و سزا ہمارے ہی دنیاوی اعمال کے آثار و لوازم ہیں

فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ
بِهِمْ مَا كَانُوا يَكْفُرُونَ (مغل ۴)

تو ان کے بڑے کام ان پر پڑے، اور ان کا ٹھٹھا
کرنا ان پر الٹ پڑا،

غرض جزا و سزا انہی اعمال کے نتائج کا دوسرا نام ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
گویا اسی اصول کی تشریح میں یہ اشارہ فرمایا کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے میرے بندو! یہ تمہارے
ہی اعمال ہیں جو میں تم کو لوٹا کر بیان دے رہا ہوں تو جو کوئی جزائے خیر پاوے وہ خدا کا شکر ادا کرے
اور جس کو بُرائی ملے وہ خود کو ملامت کرے!

حصولِ راحت کا اصول | یہ فطری قانون ہے کہ ہم کسی بڑی تکلیف سے اسی وقت بچ سکتے ہیں جب
اس کی خاطر ہم اس سے چھوٹی چھوٹی تکلیفیں کو برداشت، اور کسی بڑی خوشی کے حصول کے لئے
ہم اپنی چھوٹی خوشیوں کو قربان کرتے رہیں، عاجلہ یعنی موجودہ، اور آخرتہ یعنی آئندہ
ان دونوں کا جب کبھی تقابل پیش آتا ہے تو دونوں ہمت اور ہمت خیال لوگ عموماً موجودہ (عاجلہ)
راحت کو پسند کر کے آئندہ کی راحت کی فکر نہیں کرتے کہ ان کی نگاہ میں موجودہ راحت کو چھوٹی ہمت
مگر نقد ہے اور آئندہ کی راحت کو بڑی اور خوش آئند ہو مگر وہ نسیہ ہے اور ان کا اصول یہ ہے کہ نقد راہ
نسیہ مگر آواز لیکن بند ہمت اور عالی حوصلہ طبائع کا طریق عمل اس کے بالکل برخلاف ہے، فارغ
کشور کشا آج اپنی جائین جو کھم میں ڈالتے ہیں، تاکہ کل سلطنت ان کے ہاتھ آئے تاجراور سوداگر آج
اپنے سرمایہ کو بازار کے سپرد کر دیتے ہیں تاکہ دولتِ فردا سے بہرہ مند ہوں، ہر مذہب انسان اپنی بچہ کو زمین
پچیس برس تک تعلیم و تربیت و رشتہ و امتحان کی مصیبتوں کی آگ میں بے مال جھونک دیتا ہے تاکہ اسکی

۱۵۔ عیون المسلمین و تریبہ و تہذیب ابن فضل ج ۵ ص ۱۵۴، ۱۶۰ و ۱۶۵، وادب المفرد بخاری باب النظم،

آئندہ زندگی راحت و مسرت میں بسر ہو، لوگ اپنے سرمایہ عزیز کو تکلیفین اٹھا اٹھا کر جمع کرتے جاتے ہیں تاکہ کل اس سے زیادہ ضروری موقع پر اسکو کام میں لاسکیں، اور تنگدستی کی بڑی تکلیف پہنچ سکیں، غرض اگر انسانوں کی تمام کوششیں پر ایک غائب نگاہ ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ کامیابی کے حصول کا یہی اصول انکے اندر جاری و ساری ہے کہ تھوڑی سی تکلیف کو اس لئے برداشت کر لیا جائے کہ کسی بڑی تکلیف سے رہائی ملے، چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو اس لئے برداشت کیا جائے کہ کوئی بڑی خوشی حاصل ہو، اور عارضی کامیابیوں کو اس غرض سے قربان کیا جائے کہ کوئی پائدار اور دائمی کامیابی نصیب ہو، مگر یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ آئندہ کی خوشی و کامیابی کی فراوانی اور اس کے دوام و پائیداری کا ہم کو یقین ہو، کیونکہ اگر ایسا یقین نہ ہو تو ہم کبھی اس ایثار و قربانی پر آمادہ نہ ہوں، اسی کیلئے ایمان کی ضرورت ہے تاکہ ہمارے اندر یقین پیدا ہو جائے، اور ہم اس ایثار و قربانی کو خوشی خوشی گوارا کر لیں، جن لوگوں میں یقین پیدا نہ ہوگا، ان سے یہ عظیم الشان قربانی بھی نہیں ہو سکتی، اسی لئے گنگا، انسانوں کی یہ کیفیت قرآن نے بیان کی ہے،

كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَ تَذَرُونَ

الْآخِرَةَ (قیامت - ۱)

ہرگز نہیں، بات یہ ہے کہ تم موجودہ زندگی سے

محبت رکھتے ہو اور آئندہ زندگی کو چھوڑتے ہو،

حالانکہ انسان اسی اصول کار کو اگر دنیا کی طرح آخرت کے معاملات میں بھی برتنے تو اس کی

کامیابی میں کوئی شک رہتا آئندہ کا خیال کر کے موجودہ سے دست بردار ہو جانا یہی کامیابی کی

کی کنجی ہوا اور اسی اصول کے تحت میں دین و دنیا کی تمام نیکیوں اور کامیابیوں کا راز پوشیدہ ہے موجودہ

عارضی لذت کو آئندہ کی دائمی لذت پر اور حال کی معمولی راحت کو مستقبل کی دیرپا راحت پر قربان

کر دینا وہ سچائی ہو جس کے تسلیم کرنے سے کوئی انحراف نہیں کر سکتا، تم صبح خیزی کی معمولی تکلیف کو صحت کی دیرپا راحت کی خاطر قربان کرتے ہو، وندش اور دودھ و صوب کی محنت کو اس لئے قبول کرتے ہو کہ کل کی پیری اور بیماری کی تکلیف سے تم کو وہ بچائے غرض آج کی چھوٹی چھوٹی تکلیفوں کو اٹھاؤ گے تو کل کی بڑی تکلیف سے تم کو نجات مل سکے گی، اور آج کی عارضی خوشیوں کو قربان کر دو گے تو کل کی دائمی خوشی نصیب ہوگی یہی وہ فلسفہ ہے جس کو قرآن نے اس آیت میں ادا کیا ہے،

وَجَزَاءُ هُوَ بِمَا صَبَرُوا وَجَنَّةٌ وَحَرِيرًا
اور خدا نے ان کے صبر کرنے پر ان کو باغ

(دھہ - ۱) اور ریشم کے کپڑے مزدوری دی،

یہ صبر کیا تھا؟ دنیا کی عارضی خوشیوں کی قربانی تاکہ آخرت کی بڑی خوشی حاصل ہو اور یہاں ادا سے نیکی اور احترام پر جو ہم کی معمولی تکلیفوں کی برداشت تاکہ وہاں کی بڑی تکلیف سے نجات ملے، یہی سبب ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ حَفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِدِ وَ حَفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ یعنی جنت دنیاوی تکلیفوں سے اور دوزخ دنیا کی معمولی خوشیوں سے گھری ہوئی ہے، انہیں تقویٰ، اور نیکی کی ان معمولی قیدوں سے گھبراتے اور گناہ کی عارضی و فانی لذتوں کے طلبگار ہوتے ہیں آخرت کی بڑی تکلیف میں گرفتار ہوں گے اور وہاں کی ابدی لذت سے محروم رہیں گے اور جو دین دنیاوی انہیں و تقویٰ کی ان معمولی تکلیفوں کو گوارا کریں گے وہ گناہ کی عارضی لذتوں سے بچیں گے، وہ آخرت کی لامتناہی لذتوں سے شاد و کامیاب ہوں گے یہی فلسفہ قرآن پاک کی اس آیت میں ادا ہوا ہے،

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَادِرَ رَبِّهِ
لیکن جو اپنے پروردگار کے سامنے گھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو ناجائز لذتوں اور خوشیوں
فَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ فَإِنَّ الْجَنَّةَ

یہ بات کہ انسان کا ہر عمل فعل صحیفہ عالم پر ہمیشہ کے لئے ثبت ہو جاتا ہے، اس کو قرآن نے کئی طریقوں سے ادا کیا ہے،

ایک اس طرح کہ انسان کی زبان سے جب کبھی کوئی لفظ نکلتا ہے خواہ وہ کتنی ہی تنہائی میں بولا جائے خدائی شاہد اس کے سننے کو موجود رہتے ہیں، اور وہ اس کو سن کر محفوظ کر لیتے ہیں،

اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِينَ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ، مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْ رَبِّكَ عَتِيدٌ، (رق - ۱۰)

جب دو لینے والے واسطے اور بائیں بٹھے لیتے جاتے ہیں، کوئی بات وہ نہیں بولتا، مگر ایک نگران اس کے پاس حاضر رہتا ہے۔

کبھی اس کو اعمال کی تحریر کتابت کے الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے،

اَوْ يَحْسِبُونَ اِنَّا لَنَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ بَلَى وَاَرْسَلْنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُوبُ، (زخرف - ۷)

کیا یہ منکر سمجھتے ہیں کہ ہم ان کے بھید اور انکی کانچھوسی نہیں سنتے کیوں نہیں، بلکہ ہمارے فرستادہ ان کے پاس (اعمال) کو لکھتے ہیں

اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَكْرَهُونَ، (یونس - ۳)

بیشک ہمارے فرستادہ تمہاری چالوں کو لکھتے رہتے ہیں،

کبھی اللہ تعالیٰ ہر عمل کے موقع پر خود اپنی حاضری اور ذاتی علم و شہادت کو ظاہر کرتا ہے،

وَمَا تَكُونُ فِي شَبَابٍ وَمَا تَلَوْا مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَّلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا لَنَا عَلَيْكُمْ شُهُودٌ اِذْ تُقِيضُونَ (یونس - ۷)

اور تو کسی کام میں نہیں ہوتا اور نہ قرآن سے کچھ پڑھتا ہے، اور نہ تم لوگ کوئی کام کرتے ہو لیکن ہم موجود ہوتے ہیں جب تم اس میں

کبھی یہ کہا ہے کہ ہر انسان کا نامہ عمل اس کی گردن میں لٹکا ہی، قیامت کے دن وہی فرد عمل کی صورت میں انسان کے سامنے پھیلا دیا جائے گا کہ اپنا اعمال نامہ تم خود پڑھ لو، فرمایا :-

وَكُلُّ إِنْسَانٍ لِّزَمَانًا طَيْرُهُ فِي
عُنُقِهِ وَنُحْرُجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا
يَلْقَاهُ مَنْشُورًا، إِفْرَاءُ كِتَابِكَ وَكَفَى
بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ وَعَلَيْكَ حَسِيبًا (نبی اسرائیل)

اور ہم نے ہر انسان کا نتیجہ عمل اسکی گردن میں
چپکا دیا ہے، اور قیامت کے دن ہم دفتر کر کے
نکالیں گے جس کو وہ کھلا ہوا پایگا کہ اپنا دفتر
پڑھ لے آج تیرا نفس خود ہی محاسب ہو تو کافی ہو

اس آیت کا ایسا محل ہو کہ نامہ عمل کو اگر کوئی واقعی کاغذ کا دفتر یا حساب و کتاب کا رجسٹر سمجھے تو سمجھ سکتا ہے اور کہہ سکتا ہے کہ یہ تبصر اس لیے اختیار کی گئی کہ جس طرح کاغذ اور رجسٹر میں قلمبند حساب کوئی بھول نہیں سکتا، اور ایک ایک چیز اس میں درج ہوتی ہے، اسی طرح یہ اعمال انسانی فراموش نہ ہوں گے بلکہ لکھے ہوئے رجسٹر کی طرح محفوظ رہیں گے، فرمایا:

وَوَضَعَ الْكِتَابَ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ
مُسْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ
يَوَيْلَنَا مَا مَالِ هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ
صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا
وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا وَلَا
يَظُنُّوْنَ أَنَّ بَعْثَ أَحَدًا (کہف-۶)

اور نامہ اعمال رکھا جائیگا، تو کہنگاروں کو تو
دیکھے اس میں جو کچھ لکھا، اس سے ڈر رہے ہوں گے
اور کہیں گے کہ ہائے افسوس کہ اس کاغذ کو
کیا ہو کہ چھوٹی بڑی بات نہیں چھوڑتا لیکن
اس کو شمار کر لیا، اور جو کچھ انھوں نے زندگی
میں کیا، اس کو سامنے پائیں گے، اور تیرا

یہ دفتر اس کی نظر میں ہے

ہاں ہمہ اگر کوئی ٹھیٹ لفظوں کا پابند ہو کر نامہ عمل کو واقعی کا غزون کا دفتر تھتا ہی
 تو اس میں شک نہیں کہ الفاظ کے ظاہری معنی اس کی تائید کریں گے، مگر کون سمجھا سکتا ہے کہ یہ کیونکر ہوگا
 اسی لئے اس پر بحث فضول ہے کہ یہ کیونکر ہوگا، چاہے یہ ہو یا وہ، بہر حال ہمارے اعمال کا ایک ایک
 نقطہ محفوظ رہے گا، اور وہ خدا کے سامنے پیش ہوگا، اور یہی اس عقیدہ کا اصل مقصد ہے

اعضاء کی شہادت | انسان کا ہر عمل اپنے پچھے اپنے کرنے والے کے اندر اپنا اچھا یا بُرا اثر چھوڑتا

ہے اگر دل کا آئینہ صاف ہو تو اسکو اپنے عمل کا چہرہ اس میں صاف دکھائی دے فرمایا،

بَلِ الْإِنْسَانِ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ

بلکہ انسان کو اپنے نفس کا حال آپ

وَلَوْ أَلْفَىٰ مَعَادِيرَکَ (قیامت) دکھائی دیتا ہے اگرچہ وہ اپنی غدر تر شاہی

یہی وہ آئینہ ہے جو گناہ کے میل سے زنگ آلود ہو جاتا ہے،

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مِّنْ تَطْفِيفٍ

نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے

گویا اسی آیت کی تفسیر میں آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ جب انسان پہلے پہل

گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے، اگر وہ توبہ و انابت کرتا ہے اور آئینہ

اس سے باز رہتا ہے تو وہ مٹ جاتا ہے اور اگر اسی طرح گناہ کیے جاتا ہے تو اس نقطہ کا دائرہ

بڑھتا جاتا ہے، یہاں تک کہ ایک دن پورے دل پر چھا جاتا ہے،

اسی طرح وہ اپنے جن اعضاء سے جو بڑا کام کرتا ہے، اس کا اثر ان پر چھا جاتا ہے، یہاں

کہ چہرہ پر اس اثر کے نقوش ابھرتے ہیں، آنکھوں میں اسکی لکیریں پڑ جاتی ہیں اور ہاتھ پاؤں

پر اُس کے نشان نمایاں ہو جاتے ہیں، عالمِ غیب اور عالمِ غیب کو چھوڑو، اسی عالمِ ظاہر میں تاڑ پھاؤ
 کنی نگاہیں، انسانوں کے چہرہ، آنکھوں اور ہاتھ پاؤں کے عنوانِ بیان سے انسان کے اندر کی تحریریں
 پڑھ لیتی ہیں، اسی طرح قیامت میں اُنکے اعمال کے آثار و نتائج اُن کے ایک ایک عضو سے نمایاں ہو گئے
 يَعْرِفُ الْمَجْرُمُونَ لَبِئْسَ مَا هُمْ (رحمان ۲) گنگنا راپنی نشانی سے پہچان لئے جائیں گے۔

ایسی حالت میں اس وقت جب انسان کی زبانِ قہر خداوندِ عدالت کے رعبِ جلال
 سے ہر سکوت پڑ جائے گی، اگر انسان کے ہاتھ پاؤں اور کھال تک اُس کے اعمالِ بد پر گواہی دینے
 تو تعجب کی کیا بات ہے؟ فرمایا،

اے گنگنا رو! آج نیکو کاروں سے الگ ہو کر

پہچان میں آ جاؤ..... آج ہم ان کے

پر مہر لگا دین گے، اور ان کے ہاتھ ہم سے

اور ان کے پاؤں ان کے کرتوتوں کی گواہی

اور جس دن خدا کے دشمنوں کی طرف

ہانکے جائیں گے، اور وہ درجہ بدرجہ جہنم

یہاں تک کہ جب وہ اس کے پس پینے تو ان کا

آنکھوں، اور ان کی کھالوں ان پر ان کے

کی گواہی دی انھوں نے کہا تم نے ہر چیز

گواہی دی، کہا کہ جس خدا نے ہر چیز کو

وَأَمَّا زُورُ الْيَوْمِ أَيُّهَا الْمَجْرُمُونَ

..... الْيَوْمَ نَخْتُمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ

وَنُكَلِّمُنَا أَيْدِيَهُمْ وَأَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ

بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (نہن - ۴)

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ أَعْدَاءَ اللَّهِ إِلَىٰ النَّارِ

فَهُمْ يُوزَعُونَ حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاؤُوا

شَاهِدًا عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ

وَجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ

وَقَالُوا الْيَوْمَ لَئِن لَّمْ يَكُنْ لَنَا

عَلَيْنَا قَوْلُ اللَّهِ لَئِن لَّمْ يَكُنْ لَنَا

أَلْفَقَ كُلَّ شَيْءٍ، (حَمْدُ السَّجْدِ ۳) اسی نے ہم کو بھی گویا کیا،

اس لئے ان اعضاء کی گویائی بھی اسی نوع کی ہوگی جس نوع کی گویائی دنیا کی ہر چیز کو حاصل ہو سکتی ہے اس گویائی سے اگر کوئی حقیقی ہی زبان کی گویائی مراد لیکر تشفی پاتا ہے تو اس کو اس کا حق حاصل ہے،

میزان اکثر انسانوں کے اچھے یا بُرے دونوں قسم کے اعمال ہوتے ہیں ایک قسم کا عمل کم ہوگا اور دوسرا زیادہ یا دونوں برابر، دو مادی چیزوں کے درمیان تفاضل اور گھٹ بڑھ کا علم ہم کو تو لے یا گننے سے ہوتا ہے اس لئے وزن اور حساب سے عموماً عدل و انصاف، حق اور ٹھیک ٹھیک کا مفہوم ادا کیا جاتا ہے اعمال انسانی کے متعلق نہ لے فرمایا ہے کہ انسان کو اس کے عمل کے مطابق پورا پورا بدلہ ملے گا، فرمایا،

جَزَاءً وَّ فَاقًا، (نبأ - ۱) پورا پورا بدلہ،

اس برابری اور کمالِ عدل و انصاف کے مفہوم کو ترازی کی ناپ و درعدالت کی میزان

کے استعارہ سے ادا کیا، فرمایا،

فَلَنُصِّنَنَّ عَلَيْكُمْ لِعَلِّيٍّ وَمَا لَنَا
غَائِبِينَ، وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ
فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ
هُمْ الْمُقْلَبُونَ، وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ

فَأُولَئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ (اعراف) جو اپنی جانیں ہار بیٹھے،
فَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ
تو جس کی تول بھاری ہوئی تو وہ خوش

میش میں ہوگا اور جس کی تول مکی ہوئی تو اس

فَصَوِّفِي عَيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ وَأَمَّا مَنْ

کی مان دوزخ ہے،

خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُمَّةٌ هَاوِيَةٌ (قارح)

ان دونوں آیتوں میں تول کے بھاری اور ہلکے ہونے سے مقصود، اعمال خیر کی کمی بیشی

پہلی آیت میں اس کا اشارہ موجود ہے کہ وزن سے مراد حق و عدل ہے، اور یہ کہ انسان کا ہر عمل علم

الہی میں موجود ہوگا، اور وہ کسی طرح بیش و کم نہ ہوگا،

اس مفہوم میں یہ استعارہ قرآن میں بکثرت مستعمل ہوا ہے ایک جگہ ہے،

وہ اللہ جس نے کتاب کو حق کیساتھ اتارا

اللَّهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَ

اور میزان کو،

الْمِيزَانَ (شوری ۲۰)

یعنی کتاب الہی، حقانیت کے ساتھ اتری ہے، اور اسی کے ساتھ میزان بھی جس سے مراد

عدل ہے (طبری تفسیر آیت مذکورہ) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نظام کائنات کی ہر چیز میں جو عدل

کامل رکھا ہے، اس کو بھی میزان ہی کے لفظ سے ادا فرمایا ہے،

اور خدا نے ترازو رکھی ہے،

وَوَضَعَ الْمِيزَانَ (رحمان)

حساب کی بیشی کے علم کا دوسرا طریقہ حساب ہے، دوسری آسمانی کتابوں کی طرح قرآن میں بھی

استعارہ استعمال ہوا ہے، اور بار بار فرمایا ہے کہ ہم قیامت میں تمہارے عمل کا حساب لیں گے

اس حساب سے بھی وہی مقصود ہے جو وزن سے ہے چنانچہ سورہ انبیاء میں یہ مفہوم مزید تصریح کی

مذکورہ اور جس سے میزان کی حقیقت بھی پوری طرح سمجھ میں آتی ہے، فرمایا،

اور ہم قیامت کے دن کے لئے ترازو لیں یعنی

وَنُضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ

فَلَا تَظُنُّكَ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ
 انصاف رکھیں گے پھر کسی پہ کچھ ظلم نہ ہوگا اگر
 مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا
 رائی کے دانے کے برابر بھی کچھ ہوگا تو ہم نے اس کے
 وَكُنْفِي بِنَا حِسْبَيْنِ (انبیاء-۴)

اس آیت سے دو باتیں سمجھی جاسکتی ہیں، ایک تو یہ کہ وزن سے مقصود انصاف اور عدم ظلم ہے اور دوسری یہ کہ حساب سے مقصود یہ ہے کہ عمل انسانی کا کوئی ذرہ بھی معاوضہ میں چھوٹنے نہ پائے گا اور نہ وہ خدا کے ظم سے غائب ہوگا لیکن بہر حال وزن و حساب کے مادی ہی مفہوموں کو اگر کوئی صحیح یا درست کرے، تو وہ بھی حق پر ہے،

جنت و دوزخ | اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان اعمال کی تکلیف اور ذمہ داری سے مقصود الہی کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ ارواح انسانی کو سعادت ابدی اور ترقیات غیر تمنا ہی عطا کی جائیں، مگر اس سعادت و ترقی کی بنیاد خدا نے اعمال نیک کے حصول اور اعمال بد سے پرہیز پر رکھی ہے، اس لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ خلقت انسانی کی غرض یہ ہے کہ وہ احکام الہی کی تعمیل کرے تاکہ وہ اپنی مقررہ سعادت و عودہ ترقی کو حاصل کرے اور اسی عالم کا نام جہان یہ سعادت ابدی اور ترقیات غیر تمنا ہی ملتی ہیں "بہشت" ہے، اور اس عالم کا نام جہان جا کر دنیاوی کیوں کی تلافی اور گذشتہ حیات فانی کے اعمال بد کے نتائج سے پاکی حاصل ہوگی اور اس لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ جنت ہی انسان کا اصلی گھر ہے، مزید تفصیل آگے آتی ہے،

جنت انسان کی | حضرت آدمؑ کا قصہ جو توراہ اور قرآن پاک میں مذکور ہے وہ آغاز خلقت کی شخص تار نہیں وہ حقیقت انسانی کی تھی اور حقیقی تفسیر ہے عام طور سے سمجھا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ وراثت ہے

نے حضرت آدمؑ کو اپنے فضل سے جس جنت میں جگہ دی تھی، وہ پہلے اُن کو اور اُن کی نسل کو ہمیشہ کیلئے دیدی گئی تھی، مگر چونکہ اتفاقاً اُن سے گناہ سرزد ہوا، اس لئے وہاں سے نکال کر زمین میں بھیج دیئے گئے، مگر ایسا سمجھنا صحیح نہیں ہے کہ آدمؑ علیہ السلام کا زمین میں آنا تو اُن کی پیدائش سے پہلے ہی مقدر ہو چکا تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ اُن کی خلقت سے پہلے ہی فرشتوں پر یہ نلام کر چکا تھا کہ

إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً (بقرہ: ۳۰) میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں،

حضرت آدمؑ کا زمین میں خلیفہ ہونا، اُن کے زمین میں سکونت پذیر ہونے کی پیشین گوئی ہے، مگر زمین میں بھیجنے سے پہلے اُن کو جنت میں رکھنا پھر گناہ کے بعد وہاں سے اُن کو نکال کر زمین میں بھیجا، یہ اشارہ رکھتا ہے کہ آدمؑ اور اُن کی نسل کی اصلی جگہ ہی جنت ہے، مگر اس سو دوری اُن کے گناہ کی وجہ سے ہے اور اس کا حصول خدا کی اطاعت اور نیکو کاری کے ذریعہ ہو گا، چنانچہ اُن کے زمین میں اترتے وقت اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرما دیا،

| | |
|--|---|
| ہم نے کہا کہ تم سب اس جنت سے اترو پھر | قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَاِمَّا |
| کبھی تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت | يَايْتِكُمْ مِّنْیَ هُدًى فَمَنْ يَّبِعْ |
| پہنچے تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی | هُدًى اِیْ فَلَاحِقٌ عَلَیْهِمْ وَاَلَهُمْ |
| تو اس کو نہ ڈر ہو گا نہ غم، اور جنہوں نے نہ مانا | يَحْزَنُوْنَ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَاَلَّذِیْنَ |
| اور ہمارے حکموں کو چھٹلایا تو وہی ہیں دوزخ | بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ |
| وہی وہ اس میں رہا کریں گے۔ | هُمُ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ (بقرہ: ۳۱) |
| خدا نے کہا کہ اس جنت سے تم دونوں | قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمُ |

لِبَضِّ عَدُوٍّ فَاِمَّا يَاتِيَنَّكُمْ مِّنِي
 هُدًى مِّنْ لَّدُنِّي اتَّبِعْ هٰذَا اِي فَلَاصِلٌ
 وَلَا تَشْفِي رَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي
 فَاِنَّ لَهُ مَعِي شَرًّا ضَرًّا وَنَحْسًا
 يُوَدِّرُ الْقَضِيَّةَ اَعْمٰى
 (طہ - ۷۷)

ایک ساتھ اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو
 تو اگر تمہارے پاس میری طرف کوئی رہنمائی ہے
 تو جس نے میری رہنمائی کی پیروی کی تو وہ نہ گمراہ
 ہوگا اور نہ بھٹکتا ہوگا، اور جس نے میری یاد سے
 منہ پھیرا تو اس کے لئے تنگ معاش ہوگی
 اور قیامت میں ہم اس کو اندھا ٹھہرائیں گے

توراہ میں ہے کہ جنت میں دو درخت تھے، ایک نیک و بد کی پہچان کا، اور دوسرا زندگی
 جاوید کا، توراہ کے رو سے آدم کو اسی نیک و بد کی پہچان کے درخت کا پھل کھانے سے منع کیا
 گیا ہے لیکن آدم نے اس کو کھا لیا، اور اس کی وجہ سے سب سے پہلے ان کو اپنی برائی کا علم ہوا، آخر خدا
 نے ان کو جنت سے نکال دیا کہ وہ زندگی کے درخت کا پھل کھا کر خدائی کا دعویٰ نہ کر بیٹھیں جب
 وہ جنت سے نکالے گئے، تو ان سے کہا گیا (سفر تکوین - ۲)

اور اس درخت سے کھایا جس کی بابت میں نے تجھ سے حکم کیا کہ اس سے مت کھانا، زمین سے
 سب سے لعنتی ہوئی، اور تکلیف کے ساتھ تو اپنا عمر بھر اس سے کھا یگا، اور وہ تیرے لئے گناہ
 اور اذیت کا سبب بنے گا، اور تو کھیت کی نبات کھائے گا، اور تو اپنے منہ کے پسینہ کی روٹی
 کھا یگا جب تک کہ زمین میں پھر نہ جائے

قرآن پاک میں اس درخت کا نام جس کے پھل کھانے سے آدم کو روکا گیا تھا، تصریحاً مذکور
 نہیں لیکن ایک آیت سے اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ نیک و بد کی شناخت کا درخت تھا، اور شیطان

یہ لکھ کر ان کو کھلایا کہ یہ حیات جاوید، اور ملک جاویدان کا درخت ہے، مگر اس کے کھانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان
برہنگی کا علم ہو گیا، جو نیک و بد کی تمیز کا نتیجہ ہے فرمایا،

فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا
آدَمُ هَذَا أَدْنَىٰ أَعْيُنِكَ عَلَىٰ شَجَرَةِ الْمَخْلُوقِ
وَمَلَكَ لَا يَبْلُغُ أَفَّا كَلَّا مِنْهَا فَبَدَّتْ
لَهَا سَائِجَاتُ نُحُومٍ (طہ - ۷۷)

شیطان نے آدم کو وسوسہ دیا کہا اے آدم
کیا میں تجھے حیات جاویدانی اور سلطنت غیر
فانی کا درخت بتاؤں، تو (آدم اور خواہ)
دونوں نے اس درخت کا پھل کھایا تو انکی

برہنگی ان کی نظر میں

اب سوال یہ ہے کہ حیات جاویدان غیر فانی بادشاہی سے مقصود کیا ہے، ظاہر ہے کہ
جنت ہی شیطان کا مقصود یہ تھا کہ اس جنت میں جس میں تم اب ہو، بے درد سر ہمیشہ رہتے ہو
نہ تم کو بتاؤں؟ انسان نے خواہش کی تو اس نے نیک و بد کی تمیز کے درخت کا پھل کھا دیا اور
کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ نیک و بد کی تمیز ہی پر انسان کی شرعی تکلیف اور مواخذہ کی بنیاد ہے
ہر وہ مخلوق بلکہ ہر وہ انسان جو اس ادراک سے خالی ہے، وہ شرعی تکلیف اور مواخذہ سے
گرا بنا رہیں، غرض اس خیر و شر کی معرفت کا لازمی نتیجہ شریعت کی تکلیف تھی، پناہ یہ وہ اس
کے سر ڈالی گئی، اور پھر نسل آدم میں یہ نیک و بد کی تمیز فطری الہام کے ذریعہ عنایت ہوئی اور
وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا، لَأَفْأَلَمَّهَا
فَجَوْرَهَا وَتَقَوَّاهَا، (و الشمس)

عجب نہیں کہ قرآن پاک کی یہ آیتیں اسی مفہوم کی طرف اشارہ کرتی ہوں،
ہم نے اپنی امانت (تکلیف شرعی) آگاہوں

اور نفس اور اس کی بناوٹ کی قسم پھر نفس
میں اس کی بدی اور اسکی نیکی کو الہام کیا،

وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ
 يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا
 الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا
 لِيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ
 وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ وَيَتُوبَ
 اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ
 وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا (احزاب)

اور زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کی تو انھوں نے
 اُس کے اٹھانے سے انکار کیا، اور انسان نے
 اُس کو اٹھالیا کہ وہ ظالم اور نادان تھا تاکہ
 اللہ نفاق والوں اور نفاق والیوں اور شرک
 والوں اور شرک والیوں کو سزا دے اور
 ایمان والوں اور ایمان والیوں پر رجوع ہو
 اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے،

انسان نے اپنی جمالت سے اس تکلیف شرعی کی امانت کو اٹھالیا، جو نیک و بد کی معرفت
 لازمی نتیجہ تھا، اور وہ اس تکلیف شرعی کا لازمی نتیجہ جزا اور سزا تھی، لیکن خدا کی رضامندی یہی تھی کہ
 اُس کے سب بندے اُس کی رحمت اور مغفرت کے مستحق ٹھہریں کہ اسکی رحمت و شفقت کا تقصیر
 یہی ہو کہ گنہگاروں کو معاف کرے اور نیکو کاروں پر اپنی خاص رحمت نازل کرے، لیکن اگر کاشفکار
 کھیتوں کو بر رحمت سے مستفید ہونے کے قابل نہ بنائے تو وہ اس کی برکت سے مستفید نہ
 ہوگا، اسی طرح جو بندہ شرک و نفاق میں مبتلا ہو جانے سے اپنے آپ کو اس کی رحمت کے قابل
 بنائے تو وہ بھی اس کی رحمت کی بارش سے سیراب ہو سکے گا،

غرض اس طرح وہ مصلحت الہی جو انسان کی پیدائش سے تھی، پوری ہوئی، اور وہ حیات
 جاوید اور غیر فانی بادشاہی جس کا حصول قضاے الہی نے انسان کی محنت، جدوجہد اور سعی و عمل سے
 ہو قوت رکھا تھا، اور جسے شیطان نے آدم کو بلا سعی و محنت محض بخت سے دلوانا چاہا تھا، بالآخر اس کا

لنا تقدیر الہی، جدوجہد سعی و عمل، اور نظام ربانی کے مطابق شریعت کی پیروی کے ذریعے
مقرر ہوا، جیسا کہ پہلے سے طے شدہ تھا، فرمان آیا،

اِهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَاٰمَا يَتَّبِعُوْنَ
مَنْ يَّهْدِيْ هُدًى فَمَنْ يَّبِعْ هُدًى اٰى
فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُوْنَ (بقرہ - ۲۲)

یہاں سے تم سب اترو، پھر اگر تمہارے پاس
میری طرف سے کوئی رہنمائی آئے تو جس نے
میری رہنمائی کی پیروی کی تو ان کو نہ ڈر
ہوگا، نہ غم،

اِهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ
عَدُوٌّ فَاٰمَا يَتَّبِعُوْنَ مَنْ يَّهْدِيْ
فَمَنْ يَّبِعْ هُدًى اٰى فَلَا يَضِلُّ وَلَا
يَشْتَقِي (طہ - ۷۷)

تم دونوں یہاں سے نیچے اترو، تم ایک
دوسرے کے دشمن ہو، پھر اگر تمہارے پاس
میری طرف سے رہنمائی آئے تو جس نے میری
رہنمائی کی پیروی کی، تو وہ نہ گمراہ ہوگا،

جب انسان کا اصل مقام، وہی حیات جاوید، اور مملکت ابدی تو اسی کا حصول اس
کی تمام کوششوں کا محور ہونا چاہیے، اور اسی حیات فانی اور لازوال بادشاہی کی دولت کو اپنی
اس فانی زندگی اور زوال پذیر بادشاہی کے تمام کاموں کے مزد و معاوضہ میں حاصل کرنا چاہیے،
اگر وہ اپنے باپ کی اس آسمانی بادشاہی کو پالے جس کی صفت یہ ہے،

فَلَا يَخْرُجُ مِنْهَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى
اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْوٰى لَا وَّ
اِنَّكَ لَا تَظْمَؤُ وَا فِيْهَا وَلَا تَصْحٰى (طہ)

تو شیطان تم کو جنت سے باہر نہ کر دے تو پھر تو
میں پڑ جائے اور جنت میں تجھ کو یہ ملا جائے کہ اس
میں تو نہ بھوکا ہوگا اور نہ تنگنا نہ پیاسا ہوگا اور

مزد و معاوضہ کی باتیں اٹھائیں

آدم اس جنت سے نکلے تو ان کو بھوک بھی لگی، ننگے بھی ہوئے، پیاس بھی معلوم ہوئی، دھوپ کی تپش کی تکلیف بھی ہوئی، اور زمین میں اگر ان ہی چار چیزوں کی منتقت میں گرفتار ہوئے کھانا، پینا، پہننا، ہٹنا، یہی انسان کی چار مختصر ضروریات ہیں، ان ہی کو آدم نے اپنی موادِ حیات سے پھیلا کر ضروریات کا ایک عالم پیدا کر لیا، جس کے ہیا کرنے، ضرورت سے زیادہ حاصل کرنے اور عمدہ بنانے میں اپنی موجودہ زندگی کی تمام تر توجہ کو مصروف کر کے اہل جنت کی طلب کے ہاتھ دھوٹھا یہیں سے شریعت کی تکلیف عائد ہوئی، اور جائز اکل، جائز شرب، جائز لباس، اور جائز مسکن کے حصول کے طریقوں کی تعلیم اور ناجائز طریقوں سے احتراز کا حکم ہوا، اسی سے شریعت کے اصول، معاملات اور اخلاق انسانی کی ذمہ داریاں پیدا ہوئیں، اور پھر اس لئے تاکہ اس حیاتِ فانی میں پھنس کر حیاتِ غیر فانی کی طلب کو وہ بھول نہ جائے، عرفانِ الہی (عقائد صحیحہ) اور عبادتِ الہی اطاعتِ الہی کی تلقین ہوئی، جو حجت کی اصل غذا اور ذریعہ ہے،

اُولَئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ الَّذِينَ
يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ
یہی وہ میراث لینے والے ہیں جو سایہ دار
باغ کے وارث ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ
رہنے والے ہیں، (مومنون - ۱)

لیکن یہ وراثت انسان کو اپنے اعمالِ خیر ہی کے ذریعہ ملے گی، چنانچہ اہل جنت کو حجت کے داخلہ کے وقت یہ بشارت ملے گی،

وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَ
تَلَذُّ الْأَعْيُنُ ج وَ أَنْتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ
اور اس جنت میں وہ کچھ ہے جس کو دل چاہے
اور آنکھوں کو لطف ملے، اور تم کو اس میں ہمیشہ

رہنا ہے اور یہی وہ جنت ہے جس کے وارث

اپنے کاموں کے بدلہ تم بنائے گئے،

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (ذخرف - ۶)

اور ان ہی کو مناد ہی غیب یہ ندا دے گا،

اور ان کو پکار کر کہا گیا کہ یہی وہ جنت ہے

وَنُودُوا إِنَّ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا

جس کے تم وارث اپنے ان کاموں کے بدلے

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (اعراف - ۵)

ملت توحید کے مبلغِ اعظم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کا ایک فقرہ یہ بھی تھا،

اور مجھے باغِ نعت کے وارثوں سے بنا،

وَاجْعَلْنِي مِمَّنْ وَّرَثَةِ حَبَّةِ النَّعِيمِ،

ان آیتوں سے ظاہر ہے کہ اسلام نے انسان کا اصلی مقام وہی قرار دیا ہے، جہاں نہ بھوک

ہے، نہ پیاس، نہ برہنگی ہے، نہ دھوپ کی تکلیف، جہاں کی بادشاہی لازم اور جہاں کی زندگی

غیر فانی ہے، لیکن اس کے حصول کا ذریعہ صرف انسان کا نیک عمل اور صحیح عرفان ہے، جن کے

مجموعہ کا نام تقویٰ ہے،

یہ وہ بہشت ہے جس کا وارث اپنے بہنوں

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا

میں سر ہم اس کو بنائیں گے جو تقویٰ والا ہوگا،

مَنْ كَانَ تَقِيًّا (مائدہ - ۴)

انسان کے تین گھر ہیں، ایک موجودہ فانی عالم جس کو دنیا کہتے ہیں، اور

انسانی جزا و منرا کے

دوسرا درمیانی، عالمِ موت، یا عالمِ قبر جس کا نام برزخ ہے، اور تیسرا

تین گھر

غیر فانی زندگی کا گھر جس کو دارِ آخرت کہتے ہیں، یہودیوں کے یہاں اُلیٰ ذرا ہی دنیا کی جزا

منرا پر جو ان کے ہاں تیسرے کا ذکر بہت کم، اور دوسرے کا مطلق نہیں، اور عیسائیوں میں پورا

زود تیسری منزل کی منزل اور جزا پر ہے، اور پہلی اور دوسری منزلوں کے ذکر سے خاموشی ہی، لیکن وحی محمدی کی تکمیل نے ان تینوں گھروں کو انسانی منزل اور جزا کا مقام قرار دیا، انسان کو اپنے اعمال کی پہلی جزا و منزل تو اسی دنیا میں کامیابی و ناکامی کی صورت میں ملتی ہے، گو اس کامیابی و ناکامی کے سمجھنے کا معیار مختلف ہو، اس کے بعد جب انسانی روح دوسری منزل میں قدم رکھتی ہے، تو یہاں بھی وہ اپنے اعمال کی تھوڑی بہت جزا و منزل کا منظر دیکھ لیتی ہے، اس کے بعد جب موجودہ دنیا کے پوسے کار و بار کا خاتمہ ہو کر اس فانی کائنات کا ہر نقش و نگار مٹ جائے گا، اور پھر نئی زمین اور نیا آسمان بنے گا، تو فانی انسانوں کو وہی زندگی کیلئے بیدار کیا جائے گا، اور اس وقت وہ اپنے اعمال کی پوری جزا و منزل پا لیں گے،

انسان کا پہلا دارالجزا | غرض انسان کا پہلا دارالجزا یہی دنیا ہے، گو اس کے ہر نیک و بد فعل کی پوری جزا تو دوسری دنیا کی زندگی میں ملتی ہے، لیکن اس کے نیک و بد فعل کے مماثل اس موجودہ دنیا کی زندگی میں بھی اس کو کچھ نہ کچھ جزا ملا کرتی ہے، انسان کی عزت، شہرت، ناموری، ہر نوعی محبوبیت، تسکین، اطمینان، سرور، فارغ البالی، حکومت، یہ سب اس زندگی کے اعمال خیر کے نتائج ہیں، ان کے برخلاف ذلت، رسوائی، بے عزتی، کس میری پریشان حالی، بے اطمینانی، غم، محکومیت، اس کے اعمال بد کے اثرات ہیں،

یہودیوں کی توراہ میں اعمال کے نتائج میں زیادہ اہمیت اسی دنیاوی دارالجزا کو دیکھی، جو بلکہ توراہ میں ہی خیال سے زیادہ نمایاں ہے کہ خدا کی فرمانبرداری اور نافرمانی کی جزا اسی دنیا کے نتائج براحت کی صورت میں اسی زندگی میں ملتی ہے، مثلاً خدا کے حکموں پر عمل کر دے تو اس کا

نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری کھیتیاں سرسبز ہوں گی، اولادیں برومند ہوں گی، جانور حسین گے، درخت پھل
 دیں گے، اور دشمن مغلوب ہوں گے، اور اگر خدا کی نافرمانی کرو گے، تو تیرے بائیں آئین کی، قحط
 پڑیں گے، اولادیں جیتی نہ رہیں گی، جانور مر جائیں گے، شہر تباہ ہو جائیں گے، باغ پھل نہ دیں گے، اور
 دشمن تم پر چھا جائیں گے، عیسائیت نے اس کے بالمقابل سارا زور زمین کی مملکت پر نہیں بلکہ آسمان کی
 کی بادشاہت پر دیا ہے، اور اس ظاہری زندگی کے فوز و فلاح کو اپنے مقصد سے خارج قرار دیا ہے، حضرت
 علیؑ نے دعوت کو لے کر آئے، وہ یہودیت و عیسائیت کی اس افراط و تفریط دونوں سے پاک
 ہے، اس نے ایمان اور عمل صالح کا نتیجہ اس دنیا کی بادشاہی بھی قرار دیا، اور اس دنیا کی بھی زمین
 کی حکومت بھی، اور آسمان کی جنت بھی، یہاں کی سرسبزی و شادابی بھی، اور وہاں کا باغ و بہا
 بھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نیکوکار مسلمانوں کے ذکر میں فرمایا،

فَاتَّهَمُوا اللَّهَ تُوبَابَ الدُّنْيَا وَ
 حُسْنَ تَوَابٍ لِّمَا خَوَّتَهُ وَاللَّهُ
 يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ، (ال عمران - ۱۵)

تو خدا نے ان کو دنیا کا بدلہ بھی دیا، اور آخرت
 کے ثواب کی خوبی بھی، اور اللہ کی کریمانوں
 کو پیار کرتا ہے،

ایمان اور عمل صالح والوں سے یہ وعدہ تھا کہ

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
 الصَّالِحَاتِ دِينَهُمْ مِّنْ قَبْلِهَا وَاجْتَرَاءً
 عَظِيمًا ، (فتح - ۴)

خدا نے ان سے جو ایمان لائے، اور اچھے
 کام کئے، گناہوں کی بخشش اور بڑی
 مزدوری کا وعدہ کیا،

اور یہ بھی ان ہی سے وعدہ ہے،

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسَّخِرَنَّ لَهُمْ
فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخَفَّ الَّذِينَ
مِن قَبْلِهِمْ (نور - ۷)

خدا نے ان سے جو تم میں سے ایمان لائے
اور اچھے کام کئے، وعدہ کیا ہے کہ وہ ان
کو ملک میں حاکم بنائے گا، جس طرح ان سے
انگلوں کو عالم بنایا تھا،

لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ جس طرح اس دنیا کی فانی زندگی سے اُس دنیا کی باقی زندگی
زیادہ پائدار ہے، اسی طرح اُس دنیا کے ثواب سے اُس دنیا کے ثواب کی قدر و قیمت بھی زیادہ ہے
اور اسی دنیا کے حُسنِ عمل کی کوشش سے اس دنیا کی بہتری بھی ملتی ہے، فرمایا،

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا
حَسَنَةٌ وَأَوْلَادًا لَهُمْ خَيْرٌ
لِّمَنْ عَمِلَ إِلَّا الْمُتَفِينِينَ (محل - ۴)

جنہوں نے نیک کام کئے، اس دنیا میں ان
کے لئے بھلائی ہے اور بے شہد آخرت کا گھر بہتر ہے
اور پرہیزگاروں کا گھر کیا اچھا ہے،

اسی طرح بدکاروں کی جہاں اُس دنیا کی دوزخ اور آگ کے عذاب کو فرمایا، اسی
طرح اس دنیا کی دولت و خواری اور سوائی کو بھی فرمایا،

خَسِرَ الَّذِينَ بَدَّلُوا الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ، (حج - ۲)

اُس نے دنیا اور آخرت کا نقصان اٹھایا
انکے لئے دنیا میں رسوائی ہے، اور آخرت میں
بڑی مار ہے،

لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خَيْرٌ وَلَهُمْ فِي
الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ (بقرہ - ۱۷)

خَسِرْتُمْ أَمْوَالَكُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (بقرہ - ۲۰)

ان کے کام دنیا اور آخرت میں برباد ہوئے
یہ بھی فرمایا،

تو میں ان کو دنیا اور آخرت میں سنت منرا

دون گنا،

فَاعْزِزْ بِهِمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي

الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ، (ال عمران - ۶)

یگانگی اور بد حالی کی سزا بھی یہیں ملتی ہے،

اور جس نے میری نصیحت سے منہ پھرا لیا

کے لئے تو تنگ گزران ہوا اور قیامت میں اس کو

اندھا اور ٹھانڈا بنایا (کہ دنیا میں وہ دل کا اندھا

بنایا گیا)

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ

مَعِيشَةً صَنْكًا وَنَحْشًا لَا يُوَفَّرُ

الْقِيمَةَ أَعْمَى ، (طہ - ۷۷)

انتہا یہ ہے کہ خود صحابہ کو جنگِ احد میں جو فتح نہیں ملی، اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی ان کی بعض

کو تاہمیوں اور گداز شدوں کا ثمرہ بتایا،

تم میں سے جو لوگ اس دن جب دونوں دنوں

بھڑپ بچھے بیٹے، ان کے بعض کاموں کی

وجہ سے شیطان نے ان کو بھپسا دیا،

إِنَّ الَّذِينَ لَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى

الْجُجُنَّ لَإِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ

ببعض مَا كَسَبُوا ج (ال عمران - ۱۶)

ایک اور مقام پر عام طور سے فرمایا گیا،

جو مصیبت تم کو پہنچی، وہ تمہارے ہاتھوں

کے کرتوتوں کے باعث، اور وہ بہت سی

باتوں سے درگزر تا ہے،

وَمَا آصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا

كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ

(شوری - ۴)

یہود کے ذکر میں قرآن نے اس مسئلہ کو بالکل واضح کر دیا ہے، عذاب کے موقع پر فرمایا:-

ان پر ذلت ماری گئی، جہاں پائے گئے، لیکن

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذَّلَالَةُ أَيْنَ مَا

دجھان عزت حاصل ہی وہ خدا کے ذریعہ
لوگوں کے سہارے اور اللہ کا عقد کمال سے
اور ان پر (قومی) محتاجی ماری گئی یہ اس لئے
کہ وہ خدا کے حکم کا انکار کرتے تھے
پیغمبروں کو مار ڈالتے تھے، یہ اس لئے کہ وہ
نافرمان ہیں اور حد و دالہی سے آگے
بڑھتے ہیں،

تَقْفُوا أَلَّا يَجْبَلَ مِنَ اللَّهِ وَجَبَلٍ
مِّنَ النَّاسِ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ
اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ
ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ
اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ لِيُخْرِجُوا
ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ
(ال عمران - ۱۲)

اس کے بالمقابل عام اہل کتاب سے کہا گیا :-

اور اگر یہ تورات اور انجیل کو اور جو انکی طرف
ان کے پروردگار کی طرف سے (اب) اتارا
گیا، اس کو قائم رکھتے تو وہ اپنے اوپر (برکات
آسمانی) سے کھاتے اور اپنے پاؤں کے نیچے
(ارضی خیر و برکت) سے کھاتے،

وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِالتَّورَةِ وَ
الْانجِيلِ وَمَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ مِّنْ
رَّبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِن فَوْقِهِمْ
مِن تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ،
(مائدہ - ۹)

ایک اور موقع پر اشارہ ہے،

اور ان آبادیوں کے رہنے والے ایمان لائے
اور پرہیزگاری کے کام کرتے، تو ہم ان پر
آسمان اور زمین سے برکتوں کو کھولتے ہیں

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا
وَتَقَوَّالْفَتْحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ
السَّمَاءِ وَالأَرْضِ وَلَكِن كَذَّبُوا

فَاخَذَ نُهَوْبَهَا كَاوَايَكْسِبُونَ،

انھوں نے خدا کے احکام کو پھلایا، تو ہم نے

(اعراف - ۱۲)

ان کے اعمال کی پاداش میں ان کو کپڑیاں،

مگر یہ دارا بجزارفانی ہے | لیکن یہاں ایک لغزش گاہ بھی ہے، جس سے اہل ہوش کو باخبر رہنا چاہئے

اس دنیا میں، گو انسان کو اعمال کی جزا و سزا کسی نہ کسی رنگ میں ضرور ملتی ہے، مگر کیا شخصی زندگی

کیا جامعی حیات کے لحاظ سے یہ دارا بجزا جس کا نام دنیا ہے، عارضی اور فانی ہی، یہاں کا غم بھی فانی

اور یہاں کی خوشی بھی عارضی ہے، اس لئے صرف اسی دنیا کی کامیابی کو اپنی زندگی کا اصل مطلوب

و مقصود اور غایت و منتہا نہیں بنانا چاہیے، بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ اس سے بھی زیادہ ایک اور وسیع

آسمانی مملکت، اور لازوال ربانی سلطنت ہی، جو فنا و زوال کے ہر عیب اور ہر نقص سے پاک ہے اور

جہاں کی نعمتیں اس دنیا کی نعمتوں سے کہیں زیادہ بہتر اور غیر فانی ہیں، اس لئے اس فانی دنیا کی

لذتوں میں پڑ کر اس کو بھول نہیں جانا چاہیے، اس مسافر کی عقل سلیم کو داد کون دے گا جو راستہ

کی عارضی خوش منظریوں اور سفر کی فانی دلچسپیوں میں پڑ کر اپنی خوش سواد اور سدا بہار وطن کو فراموش کر بیٹھے

بَلْ تَوَدُّونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا هٰه

بلکہ تم دنیاوی زندگی کو بڑھ کر چاہتے ہو،

وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَّاٰبَتِي (اعلیٰ - ۱)

حالانکہ آخرت کی زندگی اس سے بہتر اور اس

وَلَا جُرُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ،

اور بیشک آخرت کی فردوری (یہاں کی فردوری

(یوسف - ۷)

سے) بہتر ہے،

اس طرح گنہگاروں کے لئے یہاں کی ذلت و رسوائی سے بڑھ کر ایک اور ذلت و رسوائی

کا مقام ہے،

فَاذْقَهُمْ اللَّهُ الْجَزْمَىٰ فِي الْحَيَاةِ ۖ

تو خدا نے ان کو اس دنیاوی زندگی میں

اللَّهُ نِيَا وَلِعَذَابِ الْأُخْرَةِ الْكَبْرَةَ

رسوئی کا مزہ چکھایا، اور شبہ نہیں کہ آخرت کا

لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ، (زمر - ۳)

عذاب اس سے بھی بڑا ہی، اگر وہ جانتے،

اس دنیا کی ذلت و رسوائی تو شاید سہ بھی لیجا تو مگر وہاں کے عذاب کی سختی کو کون سہ سکتا ہے کہ

وَلِعَذَابِ الْأُخْرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَىٰ،

اور آخرت کا عذاب البتہ زیادہ سخت اور یاد

(طہ - ۷۷)

دیر پا ہے،

اس لئے اس فانی دنیا میں انسان کو اپنے حسن عمل کے بدولت جہ زور و قوت، جاہ

جہاں، نعمت و مال، اور حکومت و سروری ملے، ان کو بھی آخرت کی لازوال نعمتوں اور دہان کی

غیر فانی بادشاہی کے حصول میں صرف کرنا چاہئے کہ اس سے خود ان دنیاوی نعمتوں کو بھی بقاء،

پایداری حاصل ہوگی، اسی فلسفہ کو محمد رسول اللہ ﷺ کی وحی حقیقت طراز نے فاروق کی

نصیحت کے ضمن میں ان لفظوں میں ادا کیا ہے،

وَأَتَّبِعْ نِيًّا أَمَا لَكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ

اور خدا نے جو تجھ کو دیا ہے اس سے آخرت

وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا

کا گھر تلاش کر، اور دنیا سے اپنا حصہ نہ

أَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ لَا يَبِغِ

بھول، اور جس طرح خدا نے تجھ پر احسان

الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ،

کیا ہے، تو بھی (خدا کے بندوں پر) احسان

(قصص - ۲۷)

کرا اور اس دولت (زمین میں خرابی نہ چا

پنا سچہ نامتلف یہود پر تھا ہی اسی نے آئی کہ وہ دنیاوی زندگی کی دولت، جاہ و دولت کی محبت

ایسے پھنسے کہ ان کو اپنے کاروبار میں آخرت کے سود کا خیال بھول کر بھی نہ آیا،

فَخَلَفَ مِنْ بَدْرٍ هُمْ خَلْفٌ وَرَدُوا
 الْكِتَابَ يَأْخُذُونَ وَعَرَضَ هَذَا لِأَدْنَى
 وَيَقُولُونَ سَيُغْفَرُ لَنَا وَإِنْ يَأْتِ
 عَرَضٌ مِثْلُهُ يَأْخُذُوا وَلَا أَلَدُ يُوْخَذُ
 عَلَيْهِمْ مِيثَاقُ الْكِتَابِ أَنْ لَا يَقُولُوا
 عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ، وَدَرَسُوا مَا
 فِيهِ ط وَالذَّارِ الْأَخْرَجُ خَيْرٌ لِلَّذِينَ
 يَتَّقُونَ ط أَفَلَا تَعْقِلُونَ،

تو ان کے بعد کچھ باخلف کتاب کے وارث ہوئے
 جو اس دنیا کے سامان و اسباب کو لیتے ہیں
 اور کہتے ہیں کہ ہم کو معاف ہو گا اور اگر دوسرا
 ہی سامان و اسباب پھر آئے تو پھر لیں کیا ان
 سے کتاب کے حق میں یہ عہد نہیں لیا گیا کہ وہ
 پر حق کے سوا کچھ اور نہ بولیں، حالانکہ جو
 اس میں ہے، وہ اس کو پڑھ چکے ہیں، اور
 آخرت کا گھر پر ہنر نگاروں کے لئے بہتر ہے

کیا تم سمجھتے نہیں،

(اعراف - ۲۱)

یہ دارا بجز دارالاصلاح | اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت و شفقت سے انسان کو پیدا کیا، اور اس
 بھی ہے | ہمیشہ کی زندگی کا مقام بھی دکھایا، اور بتا دیا کہ اس مقام کا دہائی د

ابدی استحقاق خود تمہارے عمل سے تم کو حاصل ہو سکتا ہے، اور یہ دنیاوی زندگی اسی لئے اس کو دی گئی
 کہ وہ اس زمانہ میں اس سدا بہار سرزمین کی ملکیت کو اپنے عمل کی قیمت کو خرید سکے، پھر جو پکارا انسان
 دوسری مصلحتوں کے لحاظ سے طبعا کمزور اور ذرا موش، اور بھولنے والا بھی پیدا ہوا، اس کو اللہ تعالیٰ نے
 تعالیٰ نے اس کو اپنی اسی استوار زندگی میں بار بار اپنے سننے، سہ دھرنے اور کامیاب بننے کے موقع
 عنایت کئے، رسولوں کی بھست، مصلحتوں کی آمد، شریعت کی تعلیم، پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

کا سلسلہ گناہوں پر جسمانی سزا و تعزیر، عمل خیر پر روحانی لذت اور عمل شر پر روحانی عذاب و کدورت کے لوازم اسی لئے مقرر ہوئے کہ اُس کو ہر قدم پر اپنے اعمال پر تشبیہ اور اپنی غلط روی کا احساس ہو اور ان سب کے علاوہ اُس نے اپنی غایت رحمت سے انسانوں کی تنبیہ اور اصلاح کے لئے حسب ذیل مراتب مقرر کئے،

۱۔ نیکی سے برائی کا کفارہ، چونکہ انسان کتنی ہی کوشش کرے، اپنی فطری کمزوریوں کی حد سے باہر نہیں نکل سکتا، اس لئے جس طرح اس دنیا میں اُس نے انسانوں کے دلوں میں فطری اصول و دینیت کر دیا ہے کہ جس کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہو، اُس کی معمولی برائیوں سے چشم پوشی کی جاتی ہے، یا یہ کہ آخر میں اُس کا کوئی ایک نیک کام اتنا زبردست ہو جاتا ہے کہ اس سے اُس کی تمام اگلی برائیوں کی فرد و صل جاتی ہے، اسی کا نام کفارہ عمل ہے، چنانچہ وحی محمدی نے اسے

طور پر یہ حقیقت ان الفاظ میں تلقین کی کہ

رَانَ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ، (ہود) بے شبہ نیکیاں، برائیوں کو دور کر دیتی ہیں

اس آیت کا یہ بھی منشا ہے کہ نیکیوں کی تدریجی ترقی بالآخر برائیوں کو کم کرتی جاتی ہے، یہاں کہ وہ پورا نیکو کار انسان بن جاتا ہے، اور یہ بھی خوشخبری اس میں پوشیدہ ہے کہ یہ نیکیاں اُس کی پہلی برائیوں کے نتیجہ کو بھی انشاء اللہ مٹا دیں گی، اس معنی کی اور آیتیں بھی قرآن پاک میں ہیں،

اِنَّ تَجْتَنِبُوا كَثِيْرًا مَّا نَهَوْا عَنْهُ

نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ

مَدْخَلًا كَرِيْمًا، (نساء - ۵)

تم کو جن باتوں سے منع کیا گیا ہو، اگر ان میں کی

بڑی باتوں سے تم بچتے ہو گے تو ہم تمہاری تقصیر

تم سے تارویں گے اور تم کو عزت کے مقام میں داخل

لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ
 وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَزَّرْتُمُوهُوَ
 أَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَأُكَفِّرَنَّ
 عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَا أُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ
 تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ (مائدہ ۷۵)
 اُولَئِكَ الَّذِينَ نَسَبَلْنَاهُمْ
 أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَنَجَّيْنَاهُمْ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ
 فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ (احقاف ۲)

البتہ اگر تم نماز کھڑی کرو، اور زکوٰۃ دو
 میرے پیغمبروں پر ایمان لاؤ، اور ان کی مدد کرو گے
 اور اللہ کو اچھی طرح کا قرض دو گے تو میں
 تمہارے گناہوں کو آٹا راون گا، اور تم کو ان
 جنتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں
 یہ وہ ہیں جن کے اچھے عمل کو ہم قبول
 اور ان کی برائیوں سے درگزر کریں گے

۲۔ توبہ کفارہ ہے: انسان کے تمام کاروبار میں اصل شے اُس کا دل ہے، اسی سے وہ پاک ہوتا ہے اور اسی سے ناپاک بنتا ہے، انسان کا دل اگر خلوص کے ساتھ کسی وقت خدا کی طرف رجوع کرے، اور اپنی تقصیروں اور نردگذاشتوں پر اُس کی بارگاہ میں مدام و شرمسار ہو کر اپنی پھٹی بند سے بیزاد ہو کر آئندہ کے لئے نیکو کاری کا خدا سے حکم وعدہ کرے تو اس کا نام توبہ ہے یہ توبہ گنہگار سے گنہگار انسان کو بھی خدا کی آغوشِ محبت میں لا کر ڈال دیتی ہے، آدم علیہ السلام کا قصور اور پھران کی توبہ اور رحمتِ الہی کا رجوع، واقعہ کے علاوہ اس بات کی ایک مثالی صورت بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آغوشِ رحمت کس طرح گنہگار انسان کو واپس لینے کے لئے ہمیشہ دانتی ہوتی رحمتِ الہی کے اس پرجوش نظارہ کی جو کیفیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیفہ روحی اور پیامِ نبوت میں نظر آتی ہے، اُس سے ہندوستان کا مزیت اور دھرم قطعاً محروم، تورات ناموش زبور کی سرلی

آواز مدہم، اور انجیل کی خوشخبری بہم ہے، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیام ربانی میں اسکی کیفیات اور اصول و شرائط کو جس شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا، وہ گویا رب العالمین کی طرف سے رحمۃ للعالمین کا خاص حصہ تھا، فرمایا،

اَلَا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا
فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا
يُظَلَّمُونَ شَيْئًا ۝ (موسیٰ-۴)

مگر جس نے توبہ کی، اور ایمان لایا، اور نیک
کام کئے، تو وہ جنت میں داخل ہونگے، اور
ان پر کچھ ظلم نہ کیا جائے گا،

اس سے آگے بڑھ کر یہ کہ ایک توبہ کی بھلائی، اس کے گناہوں کے سارے دفرہ دھو کر انکی جگہ آپ لے لیگی

اَلَا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا
فَأُولَٰئِكَ يَبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ
حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا (فرقان)

مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا، اور اچھے کام
کئے تو یہ وہ میں جن کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں
میں بدل دیگا، اور اللہ بخشنے والا رحم والا ہے

اور یہی اس کی شانِ رحمت کا اقتصار ہے، یہاں تک کہ چور اور ڈاکو بھی اپنے گناہوں سے توبہ کرنے
تو ان کو بھی بہارت ہے،

فَمَن تَابَ مِن بَعْدِ ظُلْمِهِ وَاصِلًا
فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ
غَفُورٌ رَّحِيمٌ، أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ
لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يُعَذِّبُ

تو جس نے اپنے پر ظلم کرنے کے بعد توبہ کی، اور اچھے
کوسہ ہارا تو بیشک اللہ اس پر رجوع ہوگا اور
اللہ بخشنے والا مہربان ہے، کیا تجھے نہیں معلوم کہ
آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے

مَنْ يَشَاءُ وَيَغْفِرْ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ

جس کو چاہے سزا دے اور جس کو چاہے معاف

عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (مائداہ - ۶)

کرے، اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے،

اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قطعی اصول ظاہر فرما دیا کہ

وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَآمَنَ وَ

اور بیشک میں اُس کو بخشنے والا ہوں جس نے

عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ (طہ - ۳)

توبہ کی، اور ایمان لایا، اور نیک کام کئے، اور

لیکن توبہ کس کے لئے ہے اور کس شرط کے ساتھ ہے؟

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ

اللہ کو اُن کی توبہ قبول کرنی ضرور ہے جو وہ

يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِمِجَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ

سے برا کام کرتے ہیں، پھر جلد توبہ کرتے ہیں تو یہی

مِنْ قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ

وہ ہیں جن کو اللہ معاف کرتا ہے اور اللہ

عَلَيْهِمْ طَوْقًا وَاللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا، وَ

سب جانتا ہے اور حکمت والا ہے اور اُن کی توبہ

لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ

نہیں ہے، جو بُرے کام کرتے جاتے ہیں یہاں تک

حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ

کہ جب اُن میں سے کسی کو موت آئی تو اُس نے

إِنِّي بَتُّ الْإِسْمَاءَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ

کہا اب میں نے توبہ کی، اور نہ اُن کی توبہ ہے

وَهُمْ كُفَّارٌ (نساء - ۳)

جو کافر ہو کر مرین،

مقصود یہ ہے کہ توبہ کے بعد اُس بندہ کے دل میں آئندہ تلافی اور تدارک کا احساس بھی

موجود ہو اور ظاہر ہے کہ موت کے وقت یہ احساس ممکن ہی نہیں، ہاں اگر وہ توبہ اپنے احساس

کے اثر سے کرے، اور اُس کے بعد اتفاقاً موت آجائے تو یقیناً رحمتِ الہی اُسکے قبول کرنے

میں تامل نہ کرے گی،

اور جنہوں نے بُرے کام کو پھر اس کے بعد باز آئے،
(توبہ کی) اور یقین کیا تو بیشک تیرا پروردگار کے
بعد بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے،

وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا
مِنْ بَعْدِهَا وَآمَنُوا بِرَبِّهِمْ
مِنْ بَعْدِهَا فَغُفِرَ لَهُمْ سَائِرُ
ذُنُوبِهِمْ (اعوا)

اور جو کوئی بُرا کام کری یا اپنے آپ پر ظلم کرے پھر
اللہ سے اپنے گناہ کی معافی چاہے تو وہ اللہ کو
بخشنے والا اور رحم کرنے والا پائے گا،

وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ
ثُمَّ يَسْتَقِفِرَ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا
رَحِيمًا (نساء - ۱۶)

۳۔ مصائب کی تشبیہ و رکھنا، دنیا میں انسان کو مصائب سے زیادہ بری اور تکلیف دہ

چیز کوئی دوسری نہیں معلوم ہوتی، لیکن یہ حقیقت بھلانے کے لائق نہیں کہ افراد، بلکہ جامعین اور
قومیں بھی مصائب ہی کی تشبیہ اور سرزدنش سے تینہ اور ہشیار ہو کر آما وہ اصلاح ہوتی ہیں، چنانچہ
اکثر اخلاقی محاسن کے جوہر کو مصیبتوں ہی کی آگ بکھار کر کڈن بتاتی ہے، صبراً استقلال تو واضح شکر
محبت اور رحم ان تمام اخلاقی فضائل کی تربیت ان ہی مصائب کے زیر سایہ ہوتی ہے، مغرور سے
مغرور انسان بھی جب کسی اتفاقی مصیبت کی ٹھوکر کھاتا ہے، تو سنبھل جاتا ہے، اس لئے غافل انسانوں
اور خود فراموش سرستوں کو ہوش میں لانے کے لئے کبھی کبھی کی مصیبتوں سے بڑھ کر کوئی دوسری
چیز نہیں کہ ان کی بدولت ملحد سے ملحد انسان بھی ایک دفعہ بے قرار ہو کر خدا کا نام لے ہی لیتا ہے،
دولت و نعمت اور کامیابی و مسرت وہ شرابے جس کے نشہ کا آثار اتفاقی مصائب ہی
کی ترشی سے ہو سکتا ہے، انسان خدا کو کتنا ہی بھولا ہو اور اپنی دولت ثروت پر کتنا ہی مازان ہو

لیکن جب وہ کسی افتاد سوردوچار ہوتا ہے تو دفعۃً اُس کی آنکھیں کھل جاتی ہیں، بیماری تنگ دستی نوزو کی موت آرزوؤں کی اکائی اُن میں سے ہر چیز وہ ٹھوکر ہے جس کو کھا کر مرست سے مرست اگہم بھی ایک دفعہ چونک کر ہشیار ہو جاتا ہے اور اس کو اپنے راستہ کی غلطی معلوم ہو جاتی ہے، اس لیے اُن مصائب میں انسانوں کے اعمال بد اور گناہوں کا کفارہ بننے کی صلاحیت پوری طرح موجود ہے کہ اس تھوڑی تکلیف سے بندہ میں جو احساس پیدا ہوتا ہے، وہ بڑی بیش قیمت چیز ہے،

قرآن پاک نے اس نکتہ کو جا بجا بیان کیا ہے، اور بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہگاروں کو اس سے پہلے کہ اُن کو ہلاک کرے، مصائب کی آزمائشوں میں ڈالتا ہے، تاکہ شاید وہ اپنے بھولے ہوئے مالک کو یاد کریں، اور اپنی غلط روی پر متنبہ ہو کر اپنی ہدایت و اصلاح کی فکر کریں، فرمایا،

وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ
وَنَقَصْنَا مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ
(اعراف - ۱۶)

اور بیشک ہم نے فرعون والوں کو قحطوں
اور بھلون کی کمی کی مصیبت میں گرفتار کیا
تاکہ وہ نصیحت پر آمین،

بنی اسرائیل کے متعلق ہے،

وَيَلْوَنُهُمْ بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ، (اعراف ۲۱)

اور ہم نے اُن کو نعمتوں اور مصیبتوں کے
ساتھ آزمایا تاکہ وہ شاید باز آئیں،

اسی سورہ میں ایک اور جگہ اس اصول کو ایک کلیہ کی حیثیت بیان کیا گیا ہے،

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ إِلَّا
أَخَذْنَا أَهْلَهَا بِالْبِئْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ
اور ہم نے کسی آبادی میں کوئی نبی نہیں بھیجا
لیکن وہاں کے رہنے والوں کو سختیوں

مصیبتوں میں گرفتار کیا تاکہ وہ شاید گروہ گراہیں

لَعَلَّهُمْ يَنْصُرُونَ، (اعراف - ۱۲)

مسلمانوں سے فرمایا گیا،

اور البتہ تم تم کو تھوڑے خوف، بھوک اور دلت

وَلَنْبَلُونَكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَ

کی اور جانوں کی اور بھلوں کی کمی سے آزمایں گے

الْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ الْأَنْفُسِ

اور ان صابروں کو خوشخبری سنا کر جن کو جب

وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ

کوئی مصیبت سنا تی ہو تو کہتے ہیں ہم خدا کے

إِذَا صَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا

ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے

لِللَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاغِبُونَ أُولَئِكَ

ہیں، یہ ہیں جن پر اللہ کی برکتیں اور رحمتیں

عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ

ہونگی، اور یہی سیدھی راہ پائے ہوئے ہیں

وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ (بقرہ ۱۹۵)

اس اصول کے تحت میں آنحضرت ﷺ نے اس کے متعدد جزئیات بیان فرمائے

ہیں، حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت اتری مَن يَعْمَلْ سُوءًا يُجْرِبُهُ (نِسَاءً) (جو کوئی

برائی کرے گا اس کا بدلہ اُسکو دیا جائیگا) تو میں نے آنحضرت ﷺ سے اس کا مطلب پوچھا

فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ سے عتاب ہے، اس کا بدلہ دنیا میں بندہ کی تکلیف سے پورا ہو جاتا ہے

جیسے اس کو بخارا جا کر یا وہ کسی اور مصیبت دوچار ہو جائے یہاں تک کہ جب میں کوئی چیز رکھ کر

بھول جائے اور اس سے جو تکلیف اس کو پہنچے، وہ تکلیف بھی کفارہ بن جاتی ہے یہاں تک

کہ بندہ گناہوں سے اس طرح صاف ستھرا ہو کر نکلتا ہے جیسے بھٹی سے سونا، دوسری حدیثوں

لے یہ درستی ہم معنی حدیثیں کثرت حدیث میں ہیں مثلاً ترمذی تفسیر واخر النساء سنن ابی داؤد واصل کتاب بخاری،

میں ہے کہ اپنے فرمایا کہ مسلمان کو کوئی مصیبت پیش نہیں آتی ہے، لیکن یہ کہ اللہ تعالیٰ اُس کو اُس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے، یہاں تک کہ اگر اُس کے کوئی گناہ چھو جائے تو وہ بھی کفارہ بن جاتا ہے، تیسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مسلمان کو کوئی تکلیف یا بیماری، یا غم یا اذیت نہیں پہنچتی، لیکن یہ کہ وہ اُس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ اگر اُس کے کوئی گناہ چھو جائے، تو وہ بھی چوتھی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کسی مسلمان کو کوئی تکلیف کا گناہ چھینے سے لے کر اوپر تک جتنی بھی پہنچے، اللہ تعالیٰ اس سے اُس کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے، جیسے درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں، پانچویں روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ دنیا میں جو مسلمان کسی جرم کا مرتکب ہوا، اور اُس کی سزا اُس کو نہیں مل گئی، تو وہ اُس کے لئے کفارہ ہے اور اُس کو اس گناہ سے پاک و صاف بنانے والی ہے۔

سطور بالا سے ہر ایک ہے کہ کوئی انسان جو اقرار توحید کے بعد گناہ سے ملوث ہو گیا، دنیا میں توبہ، اعمال نیک اور مصائب پر صبر و شکر کے ذریعہ سے نجات پاسکتا ہے، اور اس دنیا سے اسی طرح پاک و صاف ہو کر نکل سکتا ہے کہ موت کے بعد اس کو کسی نئے کفارہ گناہ کی ضرورت پیش نہ آئے،

اسی لئے قرآن پاک میں ہے،

وَلَنْدِيْقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْاَلَدِيِّ

دُونَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (سجۃ ۲)

اور ہم البتہ ان کو بڑے عذاب کے پہلے ادنیٰ عذاب

کا کچھ مزہ چکھائیں گے تاکہ وہ اب بھی باز آئیں

۱۵ صحیح بخاری ادا ل کتاب لمرضی میں یہ تینوں روایتیں ہیں ۱۵ صحیح بخاری کتاب لرد علی الجہتہ،

اس آیت پاک سے معلوم ہوا کہ عذابِ الہی کا مقصد انتقام اور نفسِ منرا اور عقوبت نہیں بلکہ تشریفِ نفس کو راہِ راست پر لانا ہے، اسی لئے ایک اور آیت میں فرمایا،

مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ
وَاَمَنْتُمْ طَوَّكَانَ اللَّهُ مُشَاكِرًا عَلِيمًا

اللہ تعالیٰ تم کو عذاب دیکر کیا کرے گا، اگر تم
شکر کرو اور ایمان لاؤ گے خدا (میکوں) کا بدل

(سجاء - ۲۱)

کرے گا (تمہاری سرعمل کو) جاننے والا ہے

الغرض یہ عذاب اس دنیا میں آئندہ گناہوں سے بچانے اور گزشتہ گناہوں سے پاک کرنے کے لئے ہوتا ہے، اور عالمِ برزخ اور عالمِ بعثت چونکہ نئے عمل کے محل نہیں اسلئے ان دونوں مقاموں میں آئندہ کا کوئی سوال نہیں پیدا ہو سکتا، صرف گزشتہ بد اعمالیوں کی سزا بھگت کرانے کے نتائج سے نجات مل سکتی ہے، اور یہی عالمِ برزخ اور عالمِ بعثت کے عذابوں کا مقصد ہے، آلات کہ پروردگار عالم خود اپنی رحمت سے نوازے اور معاف فرمائے،

عذابِ برزخ بھی کفارہ ہے | لیکن اگر کسی انسان کے اندر گناہوں کی ناپاکیاں اتنی زیادہ ہیں کہ اس کی دنیاوی زندگی کے تمام کفارے بھی اسکو دھو کر پاک و صاف بنا سکے تو اس کو اپنے مرنے کے بعد بھی برزخ کے عالم میں اپنے اعمالِ بد کی مناسب سزاؤں کی صورتوں میں تکلیفیں اٹھا کر پاک و صاف بنا پڑے گا، یہی عالمِ برزخ کا عذاب ہے، اس سے ظاہر ہوگا کہ عالمِ برزخ کی یہ سزائیں اس لئے ہیں کہ ہم نے دنیا میں اپنی ناپاک خواہشوں اور ناپاک کاموں سے احترا کر نے کی جو رحمت نہیں اٹھائی اور اچھے کاموں کے کرنے میں جو تھوڑی سی تکلیف پیش آئی ہے اسکو برداشت کر کے اچھے کام جو نہیں کئے ان دونوں کے معاوضہ میں عالمِ برزخ میں اگر عذاب

کی تکلیفیں اٹھائیں تاکہ حیاتِ ثانی کے دروازہ پر پہنچ کر بھی اگر ہم ان سزاؤں کے ذریعہ پاک
وصاف ہو سکیں تو پاک وصاف ہو کر اپنی میر و ثی بہشت کے قابل بن سکیں جو صرف پاکوں کے لیے ہے
بے گناہوں کی جگہ ہے، یعنی ان کی ہے، جو یا سرے سے کسی گناہ کے مرتکب نہ ہوئے ہوں یا یہ
گناہ کے مرتکب ہوئے، مگر اعمالِ نیک، توبہ، اور مصائب میں صبر و شکر کر کے یا برزخ میں سزا
پاکر وہ گناہوں کے داغ سے نجات پا گئے،

یہ بات کہ عذابِ دوزخ بھی ہمارے گناہوں کا کفارہ ہے، اسلام کے اس اصول سے
ترشح ہے کہ ایک مسلمان کی ہر تکلیف اس کے کسی نہ کسی گناہ کا کفارہ ہے اس بنا پر عذابِ برزخ
بھی اُس کے گناہ کا کفارہ ہو گا، قرآنِ پاک کی بعض آیتوں سے یہ بات بھی کتنا نکلتی ہے
گنہگار حشر کے دن کہیں گے،

وَبَلَّغْنَا آجَلَنَا الَّذِي أَجَلْتُمْ لَنَا،
اور ہم مقررہ وقت جس کو تو نے ہمارے لئے
مقرر کیا تھا، پہنچ چکے،
(انعام - ۱۵)

اس سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ وہ حشر سے پہلے عذاب کے ایک دورے کو ختم کر چکے،
بعض حدیثوں میں بھی اس کناہ کی تصریح ملتی ہے کنز العمال میں ایک حدیث ہے،
عَنْ ابْنِ عُمَرَ، طَوْلَ مَقَاهِ أُمَّتِي
ابن عمر سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری
امت کے لوگوں کا اپنی قبروں میں طویل قیام
ان کو گناہوں سے خالص کرتا ہے،
(کنز العمال باب عذاب القبر جلد ۹ ص ۹۰)

اسی لئے ایک اور حدیث میں آیا ہے،

اَلْكَوْعَدَّ اَبَا اُمَّتِي فِي مَبُوْرِهِمْ
میری امت کے لوگوں کو زیادہ تر عذاب انکی قبروں میں ہوگا

اس حدیث کا (اگر وہ ثابت ہو تو) منشا یہ ہے کہ امتِ محمدیہ کے اکثر افراد اسی برزخ کے محدود زمانہ عذاب میں کھر کر اور پاک و صاف ہو کر جنت کے قابل ہو جائیں گے اور عذابِ دوزخ کی ضرورت ان کو پیش نہ آئے گی، حافظ ابن قیم ایک موقع پر لکھتے ہیں:

فَاِنَّ وَفْت بِالْخَلَاَصِ مِنْهَا فِي هَذِهِ
اگر ان بیماریوں کا علاج اس دنیا میں نجات

الدَّارِ وَالْاٰلَا فِي الْبَرْزَخِ، فَاِنَّ وَفِي
کے لئے پورا ہو گیا تو خیر، ورنہ برزخ کی سزا عطا

بِالْخَلَاَصِ وَالْاٰلَا فِي مَوْقِفِ الْقِيَامَةِ
کیا جائیگا تو اگر یہ نجات کیلئے کافی ہو گیا، تو خیر و نہ

وَهُوَ الْهَامَا يَخْلُصُهُمْ مِنْ تِلْكَ الْبَقِيَّةِ
قیامت کا مقام، اور انکی ہولناکیاں باقی بیماریوں

قیامت و قیامت

روایے برزخ کی حدیث میں جو پہلے مفصل گزر چکی ہو وہ منظر دکھایا گیا ہے، جس میں گنہگار عذاب کے دور سے نکل کر، اور نہر حیات میں نئی زندگی پا کر بہشت کے مستحق قرار پائے ہیں، غالباً انہی نجات پانے والے مومنوں کو دیکھ کر مشرکین بھی قیامت میں یہ کہیں گے،

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا مَحْشَرًا لِّجَنَّةٍ
اور جس دن وہ ان سب اکٹھا کر لیا کریں گے وہ

قَدْ اَسْتَكْبَرْتُمْ مِّنْ اِلٰهِنَا وَقَالَ
جن باتم نے بہت سے انسانوں کو اپنا بنا لیا،

اُولٰٓئِيْهِمْ مِّنْ اِلٰهِنَا رَبَّنَا اَسْمَعُ
ان کے دوست انسان کہیں گے کہ ہمارے پروردگار

بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّ بَلَّغْنَا اَجَلَنَا الَّذِيْ
ہم میں سے ایک نے دوسرے سے کام نکالا،

اس حدیث کو شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے حجة اللہ الباقیہ باب لوقائع المحشریہ میں نقل کیا ہے لیکن مجھے اس کا ماخذ معلوم نہ ہو سکا اسے شفاء العلیل لابن قیم مطبوعہ حینیہ مصر ص ۱۲۵۲ سے صحیح بخاری کتاب التبعیر

أَجَلَّتْ لَنَا

اور ہم مقررہ وقت کو جس کو تو نے ہمارے

لئے ٹھہرایا تھا۔ پہنچ چکے۔

(انعام - ۱۵)

یہ الفاظ کہ ہم اپنے مقررہ وقت کو جس کو تو نے ہمارے لئے مقرر کیا تھا پہنچ چکے، یہ منیٰ کہتے ہیں کہ عالم برزخ کا مقررہ دورہ عذاب ہم ختم کر چکے، اور اب حشر و فشر کے عذاب کا دوسرا دورہ شروع ہوا ہے اس لئے بعض دوسرے نیک بختوں کی طرح ہم کو بھی اب جھٹکا رہنے چاہئے جو اب ملیگا

قَالَ النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَلِدِينَ فِيهَا
إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ط إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ
عَلِيمٌ ۝ (انعام - ۱۵)

فرمایگا، آتشِ دورخ تمہارا ٹھکانا ہوا،
اس میں سدا رہو گے لیکن یہ کہ جو اللہ چاہے

بیشک تیرا رب حکمت اور علم والا ہے

اس جواب کا مطلب یہ ہے کہ ابھی تمہارا دورہ عذاب ختم نہیں ہوا ہے اور تمہاری پانیرنگی ابھی کامل نہیں ہوئی، اس لئے ابھی اس دوسرے عالم کا عذاب بھی تم کو سہنا ہی پھر جب خدا چاہے گا تم کو اس سے نجات دیگا، اس کا ہر کام علم و حکمت پر مبنی ہے، اس کے علم و حکمت اور مسلمات کا جب تقاضا ہوگا تم کو نجات ملے گی،

عذابِ دورخ کفارہ گناہ ہے، ابھی یہ آیت اوپر گزر چکی ہے،

خدا کو تمہارے عذاب سے کیا کام، اگر تم

شکر کرو اور ایمان لاؤ کہ خدا تمہاری شکر گزار ہے

کو قبول کرنا والا اور (تمہاری دلوں کے حال کو)

كَأَيُّفَعَلُ، اللَّهُ يَعْدُ أَبْكَرًا

شَكَرْتُمْ وَأَمَّنْتُمْ ط وَكَانَ اللَّهُ

شَاكِرًا عَلِيمًا - (نساء - ۲۱)

لے حسب تفسیر ابن عباس، ابن جریر طبری ج ۸ ص ۲۴۲ ص ۲۴۲

اس سے ابھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو گنہگار دن کے عذاب سے کوئی خوشی نہیں حاصل ہوتی
 نہ وہ چاہتا ہو کہ اس کے گنہگار بندے اس عذاب میں مبتلا ہوں، لیکن ازل سے اس نے اپنے جو قانون
 مقرر کر دیے ہیں، وہ ان کو توڑنا بھی نہیں، جس وقت آدم کو جنت کی سرزمین سے نکال کر اس
 دنیا میں اس لئے بھیجا گیا کہ وہ اپنے عمل کے استحقاق سے اس جنت کو دوبارہ ہمیشہ کے لئے حاصل
 کرے اسی وقت یہ قانون بھی ان کو سنایا گیا تھا،

اَهْبَطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَاِمَّا يَأْتِيَنَّكَ
 مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا
 خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ
 وَالَّذِينَ كَفَرُوا اذْ كُنَّا اِيَّاكُمْ
 اَوْلِيًّا اَصْحَابِ النَّارِ هُمْ فِيهَا
 خَالِدُونَ (بقرہ - ۷۷)

یہاں سے تم سب اترو، تو اگر تمہارے پاس
 میری طرف سے کوئی ہدایت اترے تو جس نے
 میری ہدایت کی پیروی کی تو ان پر نہ کوئی خوف
 ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جنہوں نے
 ناشکری کی، اور ہماری نشانیوں کو جھٹلایا
 تو وہی دوزخ والے ہوں گے، وہ اس میں

اس آیت میں مستحق دوزخ ہونے کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں، ایک کفران اور
 دوسری تکذیب، دیکھو کہ اوپر کی نساہت والی آیت میں عذاب دوزخ سے نجات پانے کی دو
 شرطیں شکر اور ایمان، ان کے بالکل بالمقابل ہیں، اس سے ظاہر ہوا کہ شکر اور ایمان استحقاق جنت
 کی شرطیں اور کفران اور تکذیب استحقاق دوزخ کے اسباب ہیں بقیہ تمام نیکیاں سکما اور ایمان کے فروغ
 و تمام برائیاں کفر اور تکذیب کی شاخیں ہیں،

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اس لئے نہیں بنایا کہ وہ انکو پیدا کر کے دوزخ کا ایندھن بنائے

بلکہ اُس نے تو ان کو اپنی رحمت کے ظہور کے لیے پیدا کیا، غیظ و غضب کے اظہار کے لئے نہیں فرمایا،

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ
يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا
الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا
جَهُولًا لِّلَّذِينَ بَدَّلُوا اللَّهَ الْمُنْفِقِينَ
وَالْمُنْفِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ
وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَ
الْمُؤْمِنَاتِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا
رَحِيمًا (احزاب - ۹)

ہم نے یہ امانت آسمانوں پر، زمین پر اور پیادوں
پر پیش کی، تو ان سب نے اُس کے اٹھانے
سے انکار کیا، اور ڈرے، اور انسان نے
اُس کو اٹھالیا، کہ وہ ظالم اور نادان تھا تاکہ
اللہ نفاق کرنے والوں اور نفاق کرنے والیوں
اور شرک کرنے والوں اور شرک کرنے والیوں
کو سزا دے، اور ایمان والوں اور ایمان
والیوں پر وہ اپنی رحمت کے ساتھ رجوع فرمائے
اور اللہ تو بخشنے والا اور رحمت والا ہے،

اس آیت پاک سے صاف ہویدا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اصلی صفت یہی ہے کہ وہ غفور رحیم ہے
یعنی بخشش و رحمت اس کی صفت ذاتی ہے، اب اگر کوئی اپنے آپ پر ظلم کر کے گناہ کرتا ہے، اور اسلئے
وہ اپنے کو رحمت الہی سے دور کر لیتا ہے، تو یہ خود انسان کا فعل ہے،

فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا
الَّذِينَ يَظْلِمُونَ (توبہ - ۹)
اللہ نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا، لیکن وہ اپنی جان
پر آپ ظلم کرتے ہیں،
اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا،

غرض جو کچھ ہے وہ اپنے اعمال کا نتیجہ ہے،

لِيَجْزِيَ كُلَّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَى (طہ - ۱) کہ ہر جان کو اپنے ہی کئے کا بدلہ دیا جائیگا،

اس لئے بہشت یا دوزخ جو کچھ ہے انسان کے اپنے ہی عمل کا لازمی نتیجہ ہے جس طرح دنیا کے ہر عمل کا کوئی نہ کوئی لازمی نتیجہ ہے مثلاً کھانے کا نتیجہ شکم سیری پینے کا سیرابی بھوک کا تکلیف، بیماری کا بے آرامی، گرنے کا چوٹ، زہر کا موت شہد کا مٹھاس، غرض ہر اچھے یا برے فعل کا ایک لازمی جسمانی نتیجہ ہے، جو دنیا میں ہمارے عمل کے بعد ہم کو ملتا رہتا ہے اسی طرح ہم اپنے اعمال کا ایک روحانی نتیجہ بھی لازمی ملنے والا ہے جو ہم کو اس دوسرے عالم میں ملے گا جس طرح زہر کھا کر مرنے کی ذمہ داری خود ہم پر عائد ہوتی ہے، اور ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم زہر کھا کر مر گئے یا گرنے سے ہم کو چوٹ کیوں آئی، اسی طرح ہم یہ سوال بھی نہیں کر سکتے کہ ہم کو ان کے اعمال کے بعد دوزخ کی سزا کیوں ملی کہ دونوں ہمارے اعمال کے یکساں لازمی نتیجے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی غایت رحمت سے ہم کو اعمال کے نتیجوں سے قبل از وقت مطلع فرما دیا، ہم کو اس کے نیک و بد کی تمیز کا احساس عجب عاقل عنایت کی ضمیر عطا کیا، پھر ہی اور رسوں بشی شریعت وہی کتاب رحمت فرمائی، اس پر بھی اگر ہم باز نہ آئے، اور ان اعمال کا ارتکاب کیا تو اب ہم کو ان اعمال کے نتائج سے کون بچا سکتا ہے،

رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ ذَلِكَ
یہ رسول بھیجے، نیکوں کو خوشخبری سنا دے اور بدکاروں کو ہشیا کرنے والے تاکہ خدا پر

(سبأ - ۶۳) انسان کی حجت باقی نہ رہے،

پھر اپنی رحمت سے سب سے آخر میں اپنی رحمت کے کامل نظر کو دنیا میں بھیجا،

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ
ہم نے تجھ کو (اے پیغمبر) ساری دنیا کیلئے

(انبیاء - ۷۷) رحمت بنا کر بھیجا،

لیکن ظالم و ناپسند انسانوں نے اس رحمت کے قبول سے انکار کیا، اور طرح طرح کی بدعتیں اور بد اعمالیوں سے اپنے کو برباد کیا، اور جس غرض سے خدا نے ان کو پیدا کیا تھا، اس سے اعراض کیا، اور اپنے کو خود اپنے ہاتھوں سے ہلاکت و بربادی میں مبتلا کیا،

وَمَا كَانَتْ رَبُّكَ لِیُهْلِكَ الْقُرْیٰ
اور نہ تھا تیرا رب جو آبادیوں کو ظلم سے ہلاک

بِظُلْمٍ وَّ أَهْلَهَا مُصْلِحُونَ وَلَوْ شَاءَ
و برباد کرتا، ورنہ آسماں لیکہ ان کے رہنے والے

رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً
لوگوں کو (زبردستی) ایک راہ پر کر دیتا لیکن

وَلَا یَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ إِلَّا مَن رَّزَقْنَا
وہ ایسی زبردستی نہیں کرتا، اور وہ یوں ہی ہمیشہ

رَبُّكَ : وَذٰلِكَ خَلَقْتَهُمْ
اختلافات میں رہتے ہیں، مگر جن پر تیرے رب

(ہود - ۱۰)

اس آیت سے واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو رحمت کے لیے بنایا ہے عذاب کیلئے

نہیں لیکن انسان خود اپنے عمل سے خدا کی رحمت کے بجائے اس کے عذاب کا سزاوار اپنے

کو ٹھہراتا ہے، اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس فرماتے ہیں،

لِلرَّحْمَةِ خَلَقْتَهُمْ وَلَمْ تَخْلُقْتَهُمْ
خدا نے انسانوں کو رحمت کے لیے پیدا کیا

لِلْعَذَابِ (طبری جلد ۱۳ ص ۱۳۷) عذاب کے لیے نہیں،

لیکن اگر ظالم و ناپسند انسان نے خدا کی ان پے درپے رحمتوں کے باوجود اپنے کو اس کی

رحمت کا مستحق نہ بنایا تو کیا وہ خداے رحمان و رحیم جس کا یہ اعلان ہے،

کَتَبَ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۝

اُس خدا نے (مخلوقات) پر رحمت کو اپنے اوپر

واجب کر لیا ہے،

(انعام - ۲)

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ

تم پر سلامتی ہو، تمہارے رب نے رحمت کو اپنے

اوپر فرض ٹھہرا لیا ہے،

الرَّحْمَةَ ۝

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (اعراف)

اور میری رحمت نے ہر چیز کو سمال لیا ہے،

وَرَبِّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ الْكَفِيُّ

اور تیرا پروردگار بخشنے والا رحمت والا ہے،

وَرَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي، (صحیح بخاری)

اور میری رحمت میرے غضب پر سبقت لگتی،

وہ اپنے گنہگار و سیکار بندوں سے ہمیشہ کے لئے اپنا منہ موڑ لے گا، حالانکہ اُس کی رحمت

کسی غرض سے نہیں، بلکہ بے غرض ہے، فرمایا،

وَرَبِّكَ الْغَفِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ (انعام ۱۲)

اور تیرا رب بے نیاز رحمت والا ہے،

اور تسلی دہی ہے،

لِعِبَادِي الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ

اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنے اوپر آپ

أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ

ظلم کیا ہے، خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو، خدا

إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا

سب گناہوں کو معاف کرتا ہے، بیشک

إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ، (زمرہ ۶)

وہی بخشنے والا رحمت والا ہے،

اُس کی رحمت کا ظہور جس طرح اس دنیا میں ہوا ہے، اُس دنیا میں بھی ہوگا، اور وہاں

اُس کی رحمت کا سب سے بڑا منظر اُس کے مقامِ لعنت (دوزخ) سے دوری اور اُس کے مقامِ رحمت

(بہشت) سے قرب ہی فرمایا:

مَنْ بَصُرَتْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْنَاهُ وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ،
جس سے خدا کا عذاب ہٹایا گیا وہی ہے،
جس پر اُس نے رحمت کی، اور اُس کی رحمت

(الغافر - ۳) کا یہ حصول ہی کھلی کامیابی ہے،

اللہ تعالیٰ کی ان پے پے رحمتوں کا یہ تقاضا ہے کہ وہ گنہگاروں کو زیادہ سے زیادہ یہ کہ
اُن کے نتائجِ عمل کے بھگت لینے کے بعد آخر کار اپنی رحمت کے سایہ میں لے لے اور وہ اُن کے
اپنی بخششوں سے سرفراز فرمائے،

دوزخ قید خانہ نہیں | انسان جب عدم حفظِ صحت کی غلط کاریوں کے سبب بیمار ہو جاتا ہے
شفا خانہ ہے | تو اکثر یہی سمجھا جاتا ہے کہ فطرت نے اس کو اُن کے معاوضہ میں بیماری کی

کالیف کی سزائیں دی ہیں، مگر واقعہ یہ نہیں ہے، واقعہ یہ ہے کہ ان غلط کاریوں کے جوڑے، نتائج
انسان کے جسم کے اندر پیدا ہو گئے ہیں، اُن کو دور کرنے کے لئے جسمِ جدوجہد کرتا ہے، اس لڑائی
کا نام بیماری اور اس لڑائی کی کشمکش کا نام بیماری کی کالیف و آلام ہیں جو ہم دروسِ درد و سکھ
اعضا، سستی، اور بخوابی وغیرہ الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں، یہی روحانی بیماریوں کا حال ہے جو حکیم اصطلاح
شرعی میں گناہ اور جن کے نتائج بد کو عذاب کہتے ہیں، یہ نتائجِ آتشِ دوزخ اور اس کے شہداء
و آلام کی صورت میں ظاہر ہوں گے، اور جن کا منشا یہ ہوگا کہ روحِ انسانی اپنی غلط کاریوں کے
نتائج بد کو دور کرنے کے لئے جدوجہد میں مصروف ہوگی، اور جو نہیں وہ اُن سے عہدِ برآ ہوگی،

رحمت سے سرفرازی پا کے اس عذاب سے نکل کر اپنی موروثی بہشت میں داخل ہوگی،
 اس ہتید سے یہ ظاہر ہے کہ دوزخ کی مثال یہ نہیں ہے کہ وہ مجرموں کے لئے قید خانہ ہے،
 بلکہ یہ ہے کہ وہ بیماروں کے لئے شفا خانہ ہے، بیمار کو شفا خانہ کے اندر بھی ہر قسم کی تکلیفیں محسوس
 ہوتی ہیں، درد، اعضا شکنی، شدت تشنگی، سوزش جسم، وہاں اُس کو کڑوسی سے کڑوسی غذا
 پلائی جاتی ہے، بد مزہ سے بد مزہ کھانا کھلایا جاتا ہے، ضرورت ہوتی ہے، تو اُس کو نشتر دیا جاتا ہے،
 اس کا کوئی عضو کاٹا جاتا ہے، کوئی داغا جاتا ہے، اور ان سب کی تکلیفیں اُس کو اٹھانی پڑتی ہیں،
 مگر یہ ساری ایذا رسانی، کسی انتقام اور تکلیف دہی کی غرض سے نہیں ہوتی، بلکہ عدم صحت کی
 غلط کاریوں کے بڑے نتائج سے اس کے جسم کو محفوظ رکھنے کی غرض سے کی جاتی ہے، اُس کو جو تکلیفیں
 وہاں محسوس ہوتی ہیں، وہ گوشفا خانہ کے اندر ہی محسوس ہوتی ہیں مگر ان سب کا سبب شفا خانہ
 نہیں بلکہ خود اس بیمار کا اصول صحت دانستہ یا نادانستہ انحراف کرنا اور اسکی وجہ ان بیماریوں میں مبتلا ہونا
 یہ اصول اُن آیتوں اور صحیح حدیثوں سے پوری طرح سمجھ میں آتا ہے جن میں بالآخر عذاب
 دوزخ سے نجات پانے کی کیفیت بیان کی گئی ہے، دنیاوی آلام و تکالیف کی نسبت قرآن نے
 یہ اصول پیش کیا ہے،

وَلَمِيحِصَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
 اور تاکہ خدا ایمان والوں کو پاک وخالص
 الْكَافِرِينَ، (ال عمران - ۱۲)

کرے اور کافروں کو مٹائے،

یہی اصول عذاب آخری پر صادق آتا ہے کہ اس سے بھی مقصود گنہگار اہل ایمان

کی رہی و صفائی ہے۔ چنانچہ ہمیشہ صحیحین سے کہ حقوق عباد کے بعد

حَتَّىٰ إِذَا هُذِبُوا وَنُقُوا الْأُذُنَ لَهْمًا
 یہاں تک کہ جب گنہگار چھٹ جائیں گے،
 فِي دُخُولِ الْجَنَّةِ (صحیح بخاری باب
 پاک و صاف ہو جائیں گے، تب ان کو جنت
 القصاص يوم القيامة ص ۹۶)
 میں داخل ہونے کی اجازت ملے گی،

اس حدیث میں یہ دو لفظ ھُذِبُوا و نُقُوا ذرا تشریح طلب ہیں، ھُذِبُوا کا مصدر ھُذِبَ
 ہے، تہذیب کے لغوی معنی یہ ہیں کہ درختوں کی خراب شاخیں اس لئے چھانٹ دی جائیں، تاکہ
 ان میں سرسبزی و شادابی پیدا ہو، اور توتی کی نئی زندگی ان کو مل جائے، اور نُقُوا کا مصدر نَقِبَ
 ہے، تنقیہ کے اصلی معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کے اندر سے خراب و فاسد مادہ کو الگ کر دیا جائے تاکہ
 وہ پوری طرح نکھر جائے، اس تشریح سے صاف کھل گیا کہ گنہگاروں کو جنت کے داخلہ کے لئے کیا
 درکار ہے، اسی لئے قرآن پاک میں ہے کہ اہل جنت جب جنت کے قریب پہنچیں گے تو مذاہب کی
 طِبْتُمْ فَأَدْخَلُوا حَٰلِدِينَ،
 تم پاک و صاف ہو چکے تو جنت میں سدا

(ذمہ - ۸) کے لئے آجاؤ،

الغرض جب اُس طیب و پاکیزگی کا دور آئے گا تو گنہگاروں کو بھی نجات ملے گی، اسی لئے
 ہر گنہگار کے لئے دوزخ سے نکلنے کی مدت خواہ کتنی ہی طویل ہو، مگر بہر حال اسکی انتہا ہو فرمایا،
 لَا يَتَيْنُ فِيهَا أَحْقَابًا (نبا)
 دوزخ میں وہ صد ہا سال تک پڑے رہیں گے،

لیکن بالآخر ان صد ہا سال کا بھی ایک دن خاتمہ ہوگا، اور خدا نے چاہا تو ان کو نجات بھی
 حدیث روایے دوزخ میں ہے کہ آپ نے دوزخ میں کچھ ایسے لوگوں کو بھی دیکھا جنہوں نے
 کچھ اچھے اور کچھ بُرے کام کئے تھے، ان کا اظہار و ہر تو نہایت خوبصورت اور آدھا سخت بد صورت

تھا، جب اُن کی سزا کی مدت ختم ہوئی تو فرشتوں نے اُن سے کہا کہ جاؤ اور اس نہر میں جا کر پڑ جاؤ سنا
وہ نہر تھی جس میں خالص سپید پانی بہ رہا تھا، وہ اس میں جا کر پڑ گئے، پھر نکل کر آئے، تو اُن کی وہ
بدصورتی جاتی رہی، اور نہایت خوبصورت ہو گئے، اس سے ظاہر ہے کہ خدا کی رحمت کیونکر گنہگاروں
کو سرفراز فرمائے گی!

گویا دوزخ بھی ایک نعمت ہے | اس تفصیل کے بعد اگر یہ کہا جائے کہ قیامت اور دوزخ کی ہولناکیاں
سزائیں بھی گنہگاروں کے لئے اللہ تعالیٰ کی اسی طرح نعمت ہیں جس طرح اس دنیا میں شفاخانوں
کا وجود بیماروں کے لئے نعمت ہے، اگر دوزخ نہ ہوتی تو گنہگاروں کی پاکیزگی اور پاکوں کی جنت
یہاں اُن کے داخل ہونے کی کوئی صورت نہ تھی، اس رحمان و رحیم کی رحمت و کرم نے گوارا نہ کیا کہ ان
بدبختوں کو اُن کی نافرمانیوں کے باوجود ہمیشہ کے لئے محروم رکھا جائے، اس لئے اُن کی صفائی کے لئے
پہلے بزرخ کا حمام مقرر کیا، اور جو اس سے بھی پاک نہ ہو سکیں، اُن کے لئے دوزخ کی آگ مقرر
کی کہ وہ اپنی ہر قسم کی بد اعمالیوں کے میل کچیل کو جلا کر نکھر کر پاک ہو جائیں، اور کذن بن کر
بالآخر اپنی آبائی اور فطری وراثت (جنت) پائیں، اس نظریہ کو پیش نظر رکھ کر قرآن پاک کی
ان آیتوں کو پڑھئے جن میں قیامت اور دوزخ کی ہولناکیوں اور مصیبتوں کو بھی نعمت سے تعبیر
کیا گیا ہے، فرمایا:

يَوْمَسَلُّ عَلَيْكُمْ شُواظٌ مِّنْ تَارٍ وَّاَوْ
قَمِ يَرَاكُ كَمَا صَافَتْ اَبْرَدُ وَّهَوَانِ لَيْسَ شَيْطَانِ

نَحَاسٌ فَلَا تَنْصَرِفَانِ جِ قِيَامِ
چھوٹیں گے، پھر کوئی تمہاری مدد نہ کر سکے گا تو

لہ عیجو بخاری کتاب التبعیر

اپنے پروردگار کی کن نعمتوں کو تم جھٹلاؤ گے،
 پھر جب آسمان پھٹ کر ٹھپٹ کی طرح ٹکلا بنی
 ہو جائے گا تو اپنے پروردگار کی کن نعمتوں کو
 تم جھٹلاؤ گے، پھر اس دن کسی انس و جن
 اُس کے گناہ کی نسبت پوچھا نہ جائیگا، تو تم
 اپنے پروردگار کی کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے،
 گنہگار اپنی نشانیوں سے پہچان لیے جائیں گے،
 پھر وہ اپنی نشانیوں کے بال اور پاؤں سے
 پکڑے جائیں گے، تو اپنے پروردگار کی کن
 نعمتوں کو تم جھٹلاؤ گے، یہ وہ دوزخ جس کو
 گنہگار جھٹلاتے تھے، وہ اس دوزخ اور گرم
 پانی کے بیچ میں گشت کریں گے، تو تم اپنے
 پروردگار کی کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے،

الْاَعْيُورِ رَبِّكُمْ اَتَكْتَبُ بَانَ، فَاِذَا انشَقَّتِ
 السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ
 فَبِأَيِّ الْاَعْيُورِ رَبِّكُمْ اَتُكْتَبُ بَانَ
 فَيَوْمَئِذٍ لَا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْبِهِ
 اِنْسٌ وَّلَا جَانٌّ فَبِأَيِّ الْاَعْيُورِ
 رَبِّكُمْ اَتَكْتَبُ بَانَ، يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ
 بِسِمَتِهِمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَ
 الْاَقْدَامِ فَبِأَيِّ الْاَعْيُورِ رَبِّكُمْ
 اَتَكْتَبُ بَانَ، هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي
 يُكْتَبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ، يَطْرُقُونَ
 بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ اِنِج فَبِأَيِّ
 الْاَعْيُورِ رَبِّكُمْ اَتَكْتَبُ بَانَ،

(رحمن ۱۲)

ان آیتوں کی تفسیر کسی پہلو سے بھی کیجئے، یہ بات بہر حال مانی پڑے گی کہ قیامت اور روز
 کے موناک احوال، مجرموں کے حق میں نعمت ہیں، اس لئے بھی کوئی نہیں وہ ان کے ڈر سے
 براہیوں کو چھوڑ کر راہِ راست پر آتے ہیں اور اس لئے بھی کہ آخرت میں وہ ان ہی کے ذریعہ
 سے اپنے گناہوں کے نتائج بد سے بری ہو کر بہشت ربانی کے لائق بن سکیں گے،

دوزخ میں رحمتِ الہی

کا
ظہور اور نجات

انسان اور وہ بھی اللہ کی توحید کا قائل اور رسولوں کی صداقت کا معترف
خواہ کسی قدر گمراہ اور گنہگار ہوتا ہم اس کے نامہ اعمال میں کچھ نہ کچھ نیکیاں ضرور

ہوں گی، قیامت گوا اللہ تعالیٰ کے عتابِ جلال کا روز ہوگا جس میں ہر گنہگار کو اپنی گنہگاری

کا ملزم ہونا پڑے گا، مگر بلا آخر اس رحمان و رحیم کی شانِ رحیمی کا طور ہوگا، اور رَحْمَتِي سَبَقَتْ

عَظْمِي (اور میرے غصے سے میری رحمت سبقت لے گئی ہے) کے اعلان کا مصداق شفا

کی صورت میں جلوہ گر ہوگا، اور گنہگاروں کو اس کی بدولت گناہوں کے داغ سے پاک

ہو کر پاکوں کی بہشت میں داخلہ کی اجازت ملے گی، فرمایا:

وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا

اور جو اللہ پر ایمان لائے اور اچھے کام کرے،

اس سے اُس کی بُرائیاں جھاڑ دے گا، اور

يَكْفُرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ

اُس کو جنت میں داخل کرے گا،

(تغابن - ۱)

اور دوسرے لوگ جنہوں نے اپنے گناہوں

وَآخِرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا

کا اقرار کیا، اور ملایا، ایک کام نیک اور دوسرا

عَمَلًا صَالِحًا وَآخِرُ سَيِّئَاتِهِمْ عَسَى اللَّهُ

بد، شاید اللہ ان کو معاف کرے بیشک اللہ

أَنَّ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ عَفُوفٌ

بخشنے والا رحم والا ہے،

رَحِيمٌ، (توبہ - ۱۳)

اس معافی کی دو صورتیں ہیں، ایک توبہ کہ وہ بالکل یعنی عذاب کے بغیر ہی معاف کر دے

دوسری یہ کہ وہ دوزخ میں کچھ دن جا کر خدا کی معافی سے سرفراز ہو کر اس سے نکلے، فرمایا،

اور تم میں کوئی نہیں جو جہنم میں وارد نہ ہو، تیرے

وَأَنْ تَسْأَلُوا لَهُ أَهْلًا وَمَوْلًا كَانَتْ

عَلَى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا، ثُمَّ يُنْجَىٰ
رب کا یہ ضروری فیصلہ ہی پھر ہم ان کو جو

الَّذِينَ اتَّقَوْا أَوْ نَادُوا الظَّالِمِينَ ﴿۵۰﴾ خدا سے ڈرے نجات دین گے اور شرکوں اور

مِنْهَا جِتْيًا، (مرید - ۵) کافروں کو ہم اس میں گھٹنے کے بل گرے ہوئے

احادیث صحیحہ میں اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حسب ذیل تصریحات مذکور ہیں

۱۔ حضرت جابر رضی سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شفاعت کے ذریعہ

لوگ دوزخ سے چھوٹی لگڑیوں کے مانند نکلیں گے " (صحیح بخاری، کتاب شفاعت)

۲۔ حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ

سے کچھ لوگ اسکی مجلس کھا کر نکلیں گے اور جنت میں داخل ہوں گے " (صحیح بخاری، کتاب شفاعت)

۳۔ حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت والے

جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں داخل ہو چکے ہوں گے تو خدا فرمائے گا کہ جس کے دل میں رانی کے

برابر بھی ایمان ہو، اس کو دوزخ سے نکالو، تو وہ کہے ہو کر نکلیں گے، پھر وہ نہر حیات میں ڈال

دیئے جائیں گے، تو وہ اس طرح اوگین گے جس طرح سیلاب کے بہاؤ میں خشکی دارہ آگیا ہی (صحیح بخاری، کتاب شفاعت)

۴۔ حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ آپ نے قیامت کے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا

"پھر میں سجدہ میں گر پڑوں گا اور پڑا رہوں گا، تو آواز آئیگی کہ اے محمد! سر اٹھا مانگ دیا جائیگا، تو

میں سر اٹھاؤں گا اور اس حمد سے جو خدا مجھے سکھائے گا اسکی حمد کروں گا، اور سفارش کروں گا کہ

خدا ایک خدمت گزار بنا لیا تو میں ان کو دوزخ سے نکالوں گا اور جنت میں داخل کروں گا، پھر لوٹ کر آؤں

اور سجدہ میں گر پڑوں گا، پھر وہ کچھ لوگوں کو بخش دیکھا، اسی طرح تیسری، پھر چوتھی بار کر دیکھا، پھر

پھر چوتھی بار کر دیکھا، پھر چوتھی بار کر دیکھا، پھر چوتھی بار کر دیکھا، پھر چوتھی بار کر دیکھا، پھر

دوزخ میں پھر وہی رہ جائیگا جس کو قرآن نے روک رکھا ہو" (صحیح بخاری کتاب شفاعت)

۵۔ حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محمد کی شفاعت

سے کچھ ایسے لوگ دوزخ سے نکلیں گے اور جنت میں داخل ہوں گے جن کا نام جہنم والے ہو گا۔ (صحیح بخاری کتاب شفاعت)

۶۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے سوال پر آپ نے فرمایا کہ "میری سفارش سے سر فرزا ہو نیکی خوش قسمتی

اس کو حاصل ہوگی جس نے خلوص قلبی اللہ کی توحید کا اقرار کیا ہو" (صحیح بخاری کتاب شفاعت)

۷۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ "جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے فیصلہ سے فرشتے

پائیگا اور چاہیگا کہ ان کو جہنم میں لے جائے اس کی توحید کی گواہی دی تھی اور دوزخ سے نکالے تو فرشتوں کو

ان کے نکالنے کا حکم دینا، فرشتے ان توحید والوں کو اس علامت سے پہچانیں گے کہ ان کی پیشانیوں

میں سجدہ کے نشان ہوں گے کہ خدا نے آدم کے بیٹے کی پیشانی کے نشان سجدہ کو دوزخ کی آگ سے

حرام کر دیا ہے تو وہ ان کو جلائے سکے گی، فرشتے جب ان کو نکالیں گے تو وہ جلے جلے ہوں گے پھر

ان پر آبِ حیات پھڑکا جائیگا، تو وہ اس طرح اوگیں گے جس طرح سیلاب کے بہاؤ میں خشکی دانہ

اُگتا ہے" (صحیح بخاری کتاب شفاعت)

۸۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے، آپ نے فرمایا کہ جنت والے جنت اور دوزخ

والے دوزخ میں داخل ہو چکے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا، دیکھو جس کے دل میں ایک رائی کے

دانہ کے برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکالو، تو وہ جل کر کوئلہ ہو کر نکلیں گے پھر نہر حیات

میں ڈال دیئے جائیں گے تو اس طرح وہ اگیں گے جس طرح سیلاب کے کنارے خشکی دانہ

اُگتا ہے" (صحیح بخاری کتاب ایمان)

احادیث کی کتابوں میں اس قسم کی اور بہت سی حدیثیں ہیں جن کا استقصا یہاں مقصود نہیں، ان تمام حدیثوں میں قرآن پاک کی اس اہم آیت کا جلوہ موجود ہے،

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَ
يَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ،

بیشک اللہ اس کو معاف نہ کریگا کہ اُس کیسے
شُرک کیا جائے، اور اُس کے سوا جو گناہ ہو وہ
اُس کو جس کے لئے چاہے گا معاف کر دیگا،
(نساء - ۱۸)

اس آیت میں تصریح ہے کہ شرک کے علاوہ ہر گناہ کے نتیجے سے برأت کیجاتی ہے مگر شرک وہ بیماری ہے جس کے نتائج سے عہدہ برآ ہونا ممکن نہیں، اس لئے اُن کے نتائج بدھکتے بغیر نجات کا تصور بھی خدا کے قانونِ ابدی کے خلاف ہے،

شرک کفر کی بخشائش نہیں | احکامِ الہی اور شریعتِ ربانی کی کھلی ہوئی دو قسمیں ہیں، ایک کا تعلق دل

اور قلب سے ہے اور جو بنیادِ اصل کے ہے، اس کو مذہب کی زبان میں ایمان، فلسفہ کی اصطلاح میں

علم، اور تصوف کی بولی میں عرفان کہتے ہیں، اور دوسری قسم وہ ہے جو اس عقیدہ اول کی فرع

اور نتیجہ ہے، اور جس کا تعلق اعضاء اور جوارح سے ہے، اُس کو ہم مختصراً عمل اور تفصیلاً عبادات و عبادت

اور اخلاق کہتے ہیں، شرک و کفر کے گناہ کا تعلق قسم اول سے اور دوسرے گناہوں کا تعلق قسم دوم

سے ہے، دونوں میں ایمان و علم و عرفان کی اگر ایک کرن بھی ہو، تو اس نکتہ کی روشنی کی امید

کسی طرح کیجا سکتی ہے، مگر جس کا شانہ دل میں اس نور کا ایک ذرہ بھی ہو اُس کی روشنی سے ہمیشہ

کے لئے ناامیدی ہے، اسی لئے ایمان کے بغیر اعمال بھی کالعدم ہو جاتے ہیں، اور جان ایمان کچھ

بھی موجود ہے، اعمالِ خیر کا کچھ نہ کچھ وجود ضروری ہے، البتہ اعمالِ شرک کا بھی ساتھ ساتھ وجود

جن کی تلافی عذابِ دوزخ کے بعد یا خدا کی رحمت سے ہو سکتی ہے، اور نجات مل سکتی ہے، ایمان و علم و عرفان جس کی حقیقت ایمان بالنبیؐ ہے، اُس کا حصول موت کے بعد جب حقائق خود بخود ہمارے سامنے آجاتے ہیں، ہماری وسعت کا نتیجہ نہیں، بلکہ خود اُن حقائق کے ظہور کا نتیجہ ہوگا، اس بنا پر شرک و کفر کے گناہ کی مغفرت کی امید قانونِ الہی کے مطابق ناممکن ہے، البتہ عمل کی کمی کی تلافی جو دوسری قسم کا گناہ ہے، خدا کی رحمت سے بعید نہیں ہے،

سمجھنے کے لئے ان دونوں کی کھلی ہوئی مثال یہ ہے کہ دنیا میں تعلیمی امتحان کے لئے ۳۳ نمبر کم از کم فرض کیا گیا ہے، اب اگر کسی کا پرچہ بالکل سادہ ہے، اور اس لئے اس کا نمبر صفر محض ہو تو رحمت سے رحمت کے لئے بھی یہ ناممکن ہے کہ اُس کو ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ میں بھی کامیاب کر سکے، لیکن جس نے کچھ جوابات لکھے ہیں، اور کچھ چھوڑ دیئے ہیں، اور کچھ غلط لکھے ہیں، تو اگر وہ ۲۹ و ۳۰ کے قریب بھی پہنچ گیا ہے، تو رحمتِ امتحان ۳۳ تک اس کو پہنچا کر ادنیٰ درجہ میں کامیاب بنا سکتا ہے۔ الغرض ایمان و علم و عرفان کے مجرم جن کا نام شرک و کافر ہے، اپنے ناقابلِ تلافی نتیجہ کے بھگتے بغیر عذابِ دوزخ سے رہائی کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ اُن کی دنیاوی زندگی کا عرفانی فقدان رحمتِ الہی کو اپنی طرف جذب کرنے کی قدرت ہی نہیں رکھتا، مگر کیا شرک و کفر کے گنہگاروں کے لئے شرک و کفر کے دورہ عذاب کے طے کر لینے کے بعد بھی رہائی کا تصور کیا جاسکتا ہے؟ اس کا جواب آئندہ سطروں میں ملے گا،

کیا دوزخ کی انتہا ہے؟ | دوزخ جو عقابِ الہی کا گھر ہے، کیا ہمیشہ آباد رہیگا؟ اللہ تعالیٰ کی رحمت

عمومی کے قائلوں کے نزدیک اس کا جواب نفی میں ہے، اُن کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مقررہ مدت

کے بعد ایک دن جب جہنم کی آگ رحمت الہی کے چھینٹوں سے بالآخر سرد ہو جائے گی، حدیث صحیحہ میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جنت میری رحمت، اور دوزخ میرا عذاب ہے، اسی کے ساتھ حدیث صحیحہ میں وارد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کا فیصلہ کیا، اسی وقت اُس نے اپنے عرش کے اوپر یہ لکھ دیا کہ

رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي
میرا رحمت میرے غضب سے سبقت لیتی ہے

(حاشیہ صفحہ ۹۹)، لہٰذا ابتدائی اسلامی فرقوں میں جہنم کی اہمیت اور غیر اہمیت پر بہت سے مناظرے ہو چکے ہیں جن کی تفصیل میں وکیل کی کتابوں میں موجود ہے، ایک دو کو چھوڑ کر اس پر تو بے شبہہ قطعیت کے ساتھ سب کا اتفاق ہے کہ جنت کا وجود دائمی اور ابدی ہے، لیکن جہنم کے دوام اور اہمیت میں کسی قدر اختلاف ہے، عام اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ جہنم اور جنت دونوں کا وجود دائمی ہے، گنہگار مومن اپنے گناہ کے بقدر عذاب اٹھا کر یا خدا کی رحمت سے معاف ہو کر بالآخر جنت میں داخل کے جائے گا، لیکن مشرک و کافر کے گناہ کبھی معاف نہ ہوں گے، اور وہ ہمیشہ دوزخ میں چلیں گے، فقہاء اور محدثین کا ایک گروہ جو مرجئیہ کہلاتا ہے اس بات کا قائل ہے جو مومن ہو گا وہ گنہگار بھی ہو گا، تو بھی دوزخ میں نہ جائے گا، بلکہ معافی سے سرفراز ہو کر شروع ہی سے جنت میں داخل ہو گا، اس کے برخلاف خوارج اور معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ مومن بھی اگر گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو گا تو وہ بھی کفار کی طرح ہمیشہ دوزخ ہی میں رہے گا، اور بھی اس بارہ میں لوگوں کی مختلف رائیں ہیں، اہل سنت کے ایک مختصر گروہ کا جس میں صحابہ کرام اور تابعین کے نام بھی ہیں اور متاخرین میں جس کے پرچم حامی حنفی حنفی حنفی ہیں، یہ خیال ہے کہ جب گنہگار اپنے اپنے گناہوں کے بقدر عذاب پا چکیں گے، تو جہنم فنا کر دی جائے گی، حنفی حنفی حنفی نے اپنی دو کتابوں (شفا، الغلیل اور حادی الارواح) (دونوں مطبوعہ میں حادی الارواح اعلام الموقعین کے ساتھ چھپی ہے) میں قرآن، احادیث، آثار صحابہ اور عرش کی چھپیں دلیلوں سے اپنے مسلک کو مبرہن کیا ہے، (دیکھو شفا، الغلیل از ص ۲۵۲ تا ص ۲۶۲ حنیہ مصر، اور حادی الارواح از ص ۱۲۳ تا ۱۳۵ جلد دوم مطبوعہ جدیدہ مصر) علامہ ابن تیمیہ نے بھی اس نظریہ کو سلف اہل سنت کے ایک فرقہ کا خیال تسلیم کیا ہے، (حادی الارواح ابن قیم جلد دوم ص ۱۶۴) ایک زیدی مینی عالم شیخ مقبلی نے بھی اس کو قبول کیا ہے، (اعلم الشارح فی اشارات علی الامار والشارح (ص ۱۲۱) صوفیہ میں شیخ محی الدین ابن عربی اور ان کے تبعین یہ فرماتے ہیں کہ کافر و مشرک جن پر خلود نار کا حکم ہے، وہ بالآخر دوزخ میں رہتے رہتے ایسے ہو جائیں گے کہ ان کو اسی دوزخ میں راحت و لذت معلوم ہونے لگے گی، جیسے بعض کپڑے غلاظتوں ہی کو پسند کرتے ہیں اور ان ہی میں لطف اٹھاتے ہیں، میں نے اس باب کو بہت ڈرتے ڈرتے لکھا ہے، کہ اس میں اجمال الہی کی تصریح کا جرم عائد ہوتا ہے، اگر یہ قطعاً کفر و پہلو حق نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے، اور توبہ کی توفیق بخشے اور اپنی مراد کا دروازہ مجھ پر کھولے،

صحیح بخاری باب رحمت اللہ جلد دوم ص ۱۱۰ صحیح مسلم ۱۵ صحیح بخاری باب ولقد سبقت کلمتنا العبادنا المتمرین جلد دوم صفحہ ۱۱۰ صحیح مسلم باب رحمت اللہ

اب اگر دوزخ جو اُس کے غضب کا منظر ہے، اُس کی جنت ہی کی طرح دائمی و باہمی ہو تو
 اس کا غضب اس کی رحمت پر سبقت لے جاتا ہے، یا برابر ہوا جاتا ہے، اور اُس کا تخیل بھی اس
 رحمان و رحیم کی نسبت نہیں ہو سکتا، اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو
 حصوں میں سے صرف ایک حصہ دنیا میں اُتارا اور ^{۹۹} حصے قیامت کے دن کے لئے رکھے ہیں، اس لئے
 ماننا پڑتا ہے کہ ایک دن آئیگا، جب اُس کے غضب پر اسکی رحمت غالب آئیگی، اور اُس کی رحمت کے
 سوا کچھ باقی نہ رہے گا، اور یہ وہ دن ہوگا جب گنہگار اپنے گناہوں کی ناپاکیوں اور نچاستوں سے اپنے
 اپنے مقدرہ وقت پر پاک ہو کر اُس کی رحمت کی سرفرازی کے قابل نہیں گئے،

اسلام کے رو سے سب سے بڑے مجرم مشرک و کافر ہیں جو اس وقت تک نہ پاکین گئے
 جب تک دوزخ کے تیز دھن میں ایک گرم کوئلہ بھی باقی ہے تاہم ان کے عذاب کی مدت کی نسبت
 بھی قرآن میں حسب ذیل تین تصریحات ہیں،

۱۔ کَالْبَشِيرِ فِيهَا أَحْقَابًا (بنی۔ ۱) وہ دوزخ میں صد ہزار سال ٹھہریں گے،

صد ہزار سال کی مدت کسی قدر بڑی ہو، پھر بھی ایک دن اُس کا خاتمہ ہوگا، دوسری
 آیت جو صریحاً کفار و مشرکین کے حق میں ہے، یہ ہے،

۲۔ النَّارُ مَثْوًى لِّلْمُكْرِمِينَ فِيهَا

وَالَّذِينَ كَفَرُوا فِيهَا يَدْمَغُونَ

بِأَنفُسِهِمْ يَوْمَئِذٍ إِنَّهُمْ فِيهَا
 رَبِّ الْعَالَمِينَ (العنکبوت: ۱۵)

۱۵۔ یہی صریحاً باب سورۃ تہ اللہ،

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ شرک و کفر کی سزا تو اصل میں قانوناً یہی ہے کہ دوزخ میں دائمی سزا دی جاتی رہے، مگر اسکی رحمت کا اقتضا کچھ اور ہے، لیکن وہ حکیم و علیم ہے، اس لئے وہ اپنا ہر کام اپنی حکمت و مصلحت اور علم کے مطابق کرتا ہے، اور وہی جانتا ہے کہ کس کے حق میں کیا کرنا چاہئے، کب کرنا چاہئے،

تیسری آیت میں ہی

۳۔ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ
وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ط إِنَّ
رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ (ہود-۹)

وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے، جب تک آسمان
ذمین قائم ہیں لیکن یہ کہ جو تیرا رب چاہے
تیرا رب جو چاہتا ہے، وہ کرتا ہے،

دوسری اور تیسری آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں اپنی مشیت کو عذاب کی انتہا بتایا ہے، اور اپنے کورب کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے جس سے اشارہ نکلتا ہے کہ اس کی مشیت سے بالآخر اس عذاب کا ختم ہو جانا اس کی رُبوبیت کا اقتضا ہے۔

قرآن پاک میں کوئی ایسی صاف و تصریح آیت موجود نہیں ہے جس سے دوزخ کی بقائے دوام، عدم انتہا، اور تسلسل وجود پر تصریح استدلال کیا جاسکے، حالانکہ اس کے برخلاف بہت سی آیات و بقاؤں عدم انقطاع و عدم فنا کی بیسیوں آیتیں قرآن پاک میں موجود ہیں، چنانچہ ان دونوں کے فرق کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے اس اور پر والی آیت کو ہم تمام دکال یہاں نقل کرتے ہیں، فرمایا،

فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُّوا قَفِي النَّارِ لَهُمْ
رِيحٌ زَقِيمٌ وَسُخْرٍ يُسُخَّرُونَ

تو لیکن جو بد بخت ہو کر وہ دوزخ میں ہوں گے
اس میں ان کو گند ہون کی طرح چلانا

فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ
 إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ
 لِّمَا يُرِيدُ، وَإِنَّمَا الَّذِي يَنْصُرُ
 نَفْسَ الْجَنَّةِ خَالِدٌ فِيهَا مَا دَامَتِ
 السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ
 رَبُّكَ ۗ عَطَاءٌ غَيْرُ مَحْجُوزٍ ۚ

اور دیکھنا ہے، جب تک آسمان اور زمین ہیں
 وہ اس دوزخ میں رہیں گے، مگر جو چاہے تیرا
 رب، بیشک تیرا رب جو چاہے کر ڈالتا ہے، اور
 لیکن وہ جو خوش قسمت ہوئے، تو وہ جنت
 میں ہوں گے، ہمیشہ اس میں رہیں گے جب تک
 آسمان و زمین قائم رہیں، مگر جو چاہے تیرا

یہ غیر منقطع بخشش ہوگی،

(ہود - ۹)

دیکھو کہ اہل جنت اور اہل دوزخ دونوں کے لئے خلوص و دوام فرمایا، پھر ان دونوں میں
 اس کے بعد اپنی مشیت سے استثناء فرمایا، مگر اہل دوزخ کے دوام کے ذکر میں فرمایا کہ "مگر جو چاہے
 تیرا رب، بیشک تیرا رب جو چاہے، کر ڈالتا ہے" اس سے معلوم ہوا کہ وہ چاہے، تو دوزخ کے غذا
 کو ختم کر دے، اور چاہے تو قائم رکھے، لیکن اہل جنت کے دوام کے ذکر میں تصریح فرمایا "مگر جو چاہے
 تیرا رب، یہ غیر منقطع بخشش ہوگی" اس سے معلوم ہوا کہ اہل جنت کے حق میں اسکی مشیت ہی ہوگی،
 کہ وہ بے انقطاع اور غیر منتهی دوام و تسلسل کے ساتھ ہمیشہ قائم و باقی رہے، اس آیت کی تفسیر
 میں متعدد ائمہ سلف مثلاً ابن زید اور شعبی وغیرہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے
 بارہ میں تو اپنی مشیت ظاہر فرمادی کہ وہ مسلسل اور غیر منقطع ہے لیکن اہل دوزخ کی نسبت اپنی
 کو کسی مصلحت سے مخفی رکھا ہے،

اس تفسیر غریبہ دور مشور سیوطی، تفسیر آیات ہود رکوع ۹ و انعام رکوع ۱۵

ایک مقام پر خاص طور پر کفار و مشرکین کا نام لیکر طرح فرمایا گیا ہے،

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ
وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا
أُولَئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ، إِنَّ الَّذِينَ
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ لَهُمْ
خَيْرُ الْبَرِيَّةِ طِبْعًا وَجَزَاءً هُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ
حَدِيثُ عَدْنٍ نِيَّحِيٍّ مِنْ مَحْتَمَلِ الْأَنْهَارِ
خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا، (ربینہ)

بیشک اہل کتاب اور مشرکوں میں سے جنہوں نے
کفر کیا، وہ جہنم کی آگ میں (خالد) پڑے رہیں
یہ بدترین لوگ ہیں، بیشک جو ایمان لائے اور اچھے
کام کئے وہ بہترین لوگ ہیں، ان کی جزا ان کے
پہ درزنگار کے نزدیک بننے کے باغ میں، جن
میں نرن بہتی ہوں، وہ اس میں ہمیشہ
(خالد) رہیں گے،

غیر سے دیکھو کہ اس میں اہل دوزخ کے مقابلہ میں اہل جنت کے دوام کی نسبت کتنی تاکید
پڑتا ہے، پہلے "عدن" فرمایا جس کے معنی قیام" اور بننے کے ہیں، پھر خالدین" کہا کہ وہ اس میں
رہا کریں گے "بعد ازین" ابداً فرمایا کہ وہ جنت میں ابدی طور سے قیام کریں گے،

اسی طرح ایک اور سورہ میں ہے،

وَيَدْخُلُهُ جَنَّةٌ تَجْرِمُ مِنْ
تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا
ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ، وَالَّذِينَ
كَفَرُوا وَإِذْ كُنَّا بآيَاتِنَا أَدْلِكَ
أَصْحَابِ النَّارِ خَالِدِينَ فِيهَا

اور اس کو ان باغوں میں داخل کرے گا،
جن کے نیچے سے نرن بہتی ہوں گی جن میں وہ
ہمیشہ رہا کریں گے، اور وہی بڑی کامیابی ہے
اور جنہوں نے انکار کیا، اور ہماری باتوں
کو جھٹلایا وہی دوزخ والے ہیں، اس میں

وَبِئْسَ الْمَصِيرُ، (تغابن - ۱) رہا کریں گے، اور وہ بری جگہ ہے،
 دیکھو کہ تقابلًا دونوں میں خالدین (رہا کریں گے) اور خالدین فیہا ابدًا (میشیہ رہا
 کریں گے) کا فرق کتنا نمایاں ہے کہیں یہ کیا گیا ہے کہ کفار کے عذاب میں مدت کی تعیین سے سزا
 خاموشی برتی گئی ہے، اور جنت میں خلود کی تصریح فرمادی گئی ہے، مثلاً

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ
 فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ
 أَكْفَرْتُمْ بَعْدَ آيْمَانِكُمْ فَذُوقُوا
 الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ وَأَمَّا
 الَّذِينَ أَبْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَنِعْمَتُ
 اللَّهِ طَاهَرُوا فِيهَا خَالِدُونَ (ال عمران)

جس دن کچھ منہ سپید ہوں گے اور کچھ سیاہ
 تو جو سیاہ ہوئے، تو کیا ایمان کے بعد کافر
 ہو گئے تھے، تو اپنے کفر کی پاداش میں عذاب
 کا مزہ چکھو، اور جن کے منہ سپید ہو کر نور
 اللہ کی رحمت میں ہوں گے، اور اس رحمت
 میں سدا رہیں گے،

آیت بالا میں عذاب کے ذکر میں مدت کی تصریح سے سزا سزا خاموشی ہے، اور رحمت
 کے ذکر میں خلود کی تصریح تمام ہے،
 ان ہی آیتوں کی تفسیر میں آنحضرت ﷺ اور بعض صحابہ کرام سے روایتیں ہیں کہ
 ایک دن آئے گا، جب دوزخ کے میدان میں ہو کچھ عالم ہو گیا، اور کوئی ایک مرتسب بھی وہاں
 نظر نہیں آئے گا، چنانچہ ؛

۱۔ طبرانی میں حضرت ابو امامہ صحابی سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا
 کہ جہنم پر ایک دن ایسا آئے گا جب خزاں رسیدہ پتے کے مانند ہو جائیگا اور اس کے دروازے

کھل جائیں گے۔

۲۔ حضرت جابرؓ یا کسی اور صحابیؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جہنم پر ایک دن

ایسا آئیگا جس میں اُس کے دروازے کھل جائیں گے، اور اُس میں کوئی نہ ہوگا،

۳۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں جو کہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ جہنم پر ایک

دن آئے گا جب اس میں کوئی نہ ہوگا۔

۴۔ تفسیر عبد بن حمید میں حضرت عمرؓ سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر

اہل دوزخ رگستانِ عالج کے ذرات کے بقدر شمار بھی دوزخ میں رہیں، پھر بھی ایک دن

آئے گا جب وہ اُس سے نکلیں گے،

۵۔ عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ جہنم پر ایک دن آئے گا جب

اس کی خالی دروازے بھڑ بھڑائیں گے، اور اس میں کوئی نہ ہوگا، اور یہ اُس وقت ہوگا

جب لوگ اس میں صد ہزار سال (احقاب) کی مدت پوری کر لیں گے،

۶۔ عبد الرزاق، ابن منذر، طبرانی اور بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات میں ہے کہ حضرت

جابر بن عبد اللہ صحابی یا ابو سعید خدری صحابی یا کسی اور صحابی نے فرمایا کہ اِذَا مَا شَاءَ رَبِّي

کا استنثار پورے قرآن پر عاوی ہے یعنی جہاں جہاں قرآن میں خَالِدٌ بِنِ فَيْصَالٍ اس

میں رہیں گے، وہاں یہ مشیت الہی کا استنثار قائم ہے۔

۷۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ دوزخ پر ایک زمانہ آئے گا جب اس کے

خالی دروازے کھڑکھڑائے جائیں گے۔

دفعہ شبہ | قرآن پاک میں ایسی بھی چند آیتیں ہیں جن سے لوگوں کو دوزخ کے دھم کا خیال ہوا ہے،

مثلاً وہ من آیتیں جن میں کفار کو خلدین فیما ابداً ہمیشہ کے عذاب کی دھمکی دی گئی ہے،

۱- اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ

لَهُمْ سَعِيْرًا، لَا خَلِيْلِيْنَ فِيْهَا

اَبَدًا ج (احزاب - ۸)

۲- وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ

فَاِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدًا فِيْهَا

اَبَدًا، (جن - ۲)

۳- اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا

لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرْ لَهُمْ وَاَلَيْهِمْ

طَرِيْقًا اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ

فِيْهَا اَبَدًا ط (نساء - ۳۳)

ان تینوں آیتوں میں خلدین فیما ابداً دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے کا مطلب

لا، (حاشیہ ص ۷۸۶) حافظ ابن قیم نے شفا راہل (ص ۲۵۸) میں ان روایات کو غیر مطبوعہ کتب سے نقل کیا ہے، ان میں سے بعض ابن جریر طبری میں بھی آیات مذکور کی تفسیر میں حصصاً تفسیر سورہ ہود

جلد ۱ ص ۶۶ میں مذکور ہیں، اور حافظ جلال الدین سیوطی نے بھی تفسیر در المنثور، تفسیر سورہ ہود، جلد ۱ ص ۲۵ میں زیارت مذکور ہو کر ذکر کیا ہے اور کتاب لا سہار والہ فات بہتھی (ص ۱۲) مطبوعہ الہ آباد میں چھپا ہوا ہے

تاریخ ۲۵ میں زیارت مذکور ہو کر ذکر کیا ہے اور کتاب لا سہار والہ فات بہتھی (ص ۱۲) مطبوعہ الہ آباد میں چھپا ہوا ہے

تاریخ ۲۵ میں زیارت مذکور ہو کر ذکر کیا ہے اور کتاب لا سہار والہ فات بہتھی (ص ۱۲) مطبوعہ الہ آباد میں چھپا ہوا ہے

یہ ہے کہ ایسے لوگ جن کے حق میں یہ آیتیں آئی ہیں، وہ اُس وقت تک دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے

جب تک حسبِ مشیتِ الہی دوزخ کے خاتمہ کا دور نہیں آئے گا،

باقی چند آیتوں میں اَبَدًا (ہمیشہ) کے بغیر صرف خَالِدٌ ہے، جیسے

هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ، وہ اس میں خالدا رہیں گے،

یا ایک جگہ ہے،

وَذُو قُرْبَىٰ اَعْدَاءِ بَنِي اِمْلَانَ لَعْنَةُ الرَّحْمٰنِ (سجدا ۲۰) اور خَلْوًا کے عذاب کا مزہ چکھو،

تو یہاں ایک بات سمجھ لینی چاہئے کہ خلود کے دو معنی ہیں، ایک حقیقی دوام اور دوسرا

قیامِ طویل، ان دو میں سے کسی ایک معنی کی تخصیص قرینہ سے ہوگی، اسی دوسرے معنی کے

اعتبار سے عربی اشعار میں پہاڑوں اور بدویانہ چوٹیوں کے پتھروں کے لئے خَوَالِدٌ اور

خالدا ت کے لفظ صفت میں آتے ہیں، کیونکہ وہ تادیرا و رزمانہ دراز تک باقی رہنے

والے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ تہما خَالِدِينَ بِنِیٰ کا لفظ ابدیت کے مفہوم میں صریح نہیں

جب تک اُس کے ساتھ کوئی اور قرینہ قائم نہ ہو، جو دوام کے معنی کی تخصیص کر دے جیسا کہ

قرینہ اِن آیتوں میں ہے جہاں اہل جنت کو خَالِدِينَ کہا گیا ہے کہ تقریباً بیس آیتوں میں اس خلود

کے معنی دوام اور عدمِ انقطاع کے بتائے گئے ہیں، اس لئے جنت کے سلسلہ میں جہاں

صرف خَالِدِينَ بھی ہے، وہاں ہمیشگی اور دوام ہی کے معنی لئے جائیں گے، برخلاف اس کے

جہاں دوزخ کے ساتھ خَالِدِينَ کا لفظ ہے، وہاں دوام کے مفہوم کے لئے کوئی

قرینہ موجود نہیں، اس لئے دوزخ والی آیتوں میں خلود سے مقصود یہ ہے کہ گنہگار

زمانہ دراز تک دوزخ میں رہیں گے، غالباً یہی وجہ ہو کہ گنہگار اہل ایمان کی سزا میں کبھی خلدین کے ساتھ ابداً استعمال نہیں کیا گیا ہے، گنہگار اہل ایمان میں سب سے بڑی دھکی دس کو دی گئی ہے جس نے کسی مسلمان کا خون بے سبب بہایا ہو، مگر اس کے لئے بھی خلدین کے ساتھ ابداً استعمال نہیں کیا گیا، فرمایا:

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِدًا
فَجَزَاءُ لَهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا
اور جو کوئی کسی باایمان کو قصداً قتل کرے گا
تو اس کا بدلہ دوزخ ہے جس میں وہ خالداً
(یعنی مدت دراز تک پڑا) رہے گا،
(لسنۃ - ۱۳)

یہی سبب کہ معتزلہ اور خوارج کے سوا تمام اہل اسلام اس بے گناہ مسلمان مقتول کے قاتل کی بالآخر بخشائش کے قائل ہیں،

اس سے معلوم ہو کہ ان آیتوں میں "خلود" سے مراد، "میشگی" نہیں ہے، بلکہ زمانہ دراز ہے کہ اہل توحید کی بالآخر نجات قرآن و حدیث کی متفقہ تعلیم ہے، اور اس لئے مومن کے لئے اس کے کسی جرم کی سزا میں "میشگی" کا مفہوم داخل ہی نہیں ہو سکتا، بنا برین ان آیتوں میں "خلود" کے معنی منطقی دوام نہیں بلکہ عرنی دوام، یعنی مدت دراز کے ہیں، ہم عام طور سے مجرم کے لئے جس دوام کی قانونی اصطلاح بولتے ہیں، جس سے مراد اب تک کیا، قیامت تک کا زمانہ بھی نہیں ہو سکتا، بلکہ عمر بھر بھی نہیں ایک طرف اس سے قانونی قید کی دراز ترین مدت مراد ہے جس کا قانونی اندازہ بیس سال کیا گیا ہے، کتنے مجرم ہیں جو اس مدت کو کاٹ کر آزادی حاصل کرتے ہیں، اور ایسے بھی ہیں جو کسی شاہی عفو عام کے سلسلہ میں قبل مدت ہانی پا جاتے ہیں،

دو چار آیتیں ایسی بھی ہیں جن میں مذکور ہے کہ یہ گنہگار دوزخ سے الگ نہ ہوں گے

چنانچہ وہ آیتیں حسب ذیل ہیں،

۱۔ اِنَّ الْفَجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍۭٓ يَّصْلُوْنَ بِهَا

۱۔ بیشک گنہگار دوزخ میں ہیں وہ انہما

يَوْمَ الدِّيْنِ، وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِيْنَ

کے دن اس میں داخل ہوں گے اور وہ

(انفطار۔)

اس سے چھپے نہیں رہ سکتے،

۲۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ اَتَّبَعُوْا اَلْوَانَ

۲۔ اور کہیں گے کہ کاش ہم کو دوبارہ دنیا کی

لِنَالِئَةٍ فَتَنَّا مِنْهُمَا مَبْرَءٍ وَّا

زندگی ملتی تو ہم اپنی پیشواؤں سے ہی الگ ہو جاتے

مِنَّا ط كَذٰلِكَ يَرِىْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ

جیسے وہ ہم سے یہاں الگ ہو گئے اللہ ان کے

حَسْرَاتٍ عَلَيْهِمْ وَّمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ

کاموں کو ایسے ہی حسرت میں بنا کر ان کو دکھاتا

مِنَ النَّارِ (بقرہ - ۲۰)

اور وہ دوزخ سے نکلنے والے نہیں،

۳۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَّالْوَانَ لَهُمْ

۳۔ بیشک جنہوں نے کفر کیا، اگر انکی ملکیت

مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهُ مَعًا

میں کل رشتے زمین ہو، اور اتنا ہی اور ہوتا کہ

لِيَقْدَرُوْا عَلَيْهِمْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

اسکو فدیہ دیکر قیامت کے عذاب سے رہائی

مَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ وَّلَهُمْ عَذَابٌ

پائیں تو وہ ان کی طرف سے قبول نہ ہو، اور ان

اَلِيْمٌ، يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ

کے لئے دوزخ سے نکل جائیں، لیکن وہ اس سے نکلنے والے

النَّارِ مَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنْهَا

نہیں، اور ان کے لئے قائم عذاب ہے،

وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقْتَدِرٌ (مائدہ - ۶)

۴۔ جب وہ چاہیں کہ اس دوزخ سے غم

کی وجہ سے نکل پڑیں، وہ اس میں ٹوٹا دینے

جائیں گے اور (کہا جائیگا کہ) جلنے کی سزا

۵۔ لیکن جنھوں نے نافرمانی کی تو ان کا

ٹھکانا دوزخ ہی، جب وہ چاہیں گے کہ وہ

اس سے نکل جائیں، اس میں ٹوٹا دینے

جائیں گے، اور کہا جائے گا کہ دوزخ کی

اس مار کا مزہ چکھو جس کو تم جھلکاتے تھے،

۴۔ کَلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا

مِنْ غَمٍّ أَعِيدُوا إِلَيْهَا وَقَدْ ذُوقُوا

عَذَابَ الْحَرِيقِ، (حج - ۲)

۵۔ وَأَمَّا الَّذِينَ نَسَقُوا لَهُمْ

النَّارَ كَلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا

مِنْهَا أَعِيدُوا إِلَيْهَا وَقِيلَ لَهُمْ

ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّتِي كُنْتُمْ

تُكذِّبُونَ، (سجده ۲۸)

یہ دو پانچ آیتیں ہیں جن سے بعضوں کو عذاب دوزخ کے دوام اور غیر منقطع ہونا کا خیال پیدا ہوا ہے، مگر ان میں سے ایک ایک آیت پر غور کرو تو ان کے خیال کی غلطی فوراً معلوم ہو جائے گی۔ پہلی آیت کا منشا اسی قدر ہے کہ کوئی گنہگار اگر یہ سمجھے کہ وہ کسی جگہ چھپ کر دوزخ کے عذاب سے بچ جائے گا تو یہ محال ہے کہ عذاب سے چھپ کر بچ جانا کسی طرح ممکن نہیں دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ دوزخی کہیں گے کہ ہم کو دوزخ سے نکل کر دوبارہ دنیا میں جانے دیا جائے، تو اب کی ہم نیکی کا کام کریں گے، اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اب یہاں سے نکل کر دنیا میں دوبارہ جانا نہیں، تیسری آیت میں ہے کہ پورے پورے زمین کی دولت دے کر بھی آخرت میں نجات خریدی نہیں جاسکتی، اور نہ وہاں سے کوئی نکل کر بھاگ سکتا ہے۔ چوتھی اور پانچویں آیت کا صریح مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی دوزخی دوزخ کے عذاب گھبرا کر اس سے

نکل بھاگنا چاہے گا تو وہ پکڑ کر پھر اسی میں ڈال دیا جائے گا، ان آیتوں سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ گنہگار از خود دوزخ سے نکل نہ سکیں گے، اور نہ مدتِ عذاب کے اندر وہ خلاصی پاسکتے ہیں، مگر اس سے خدا تعالیٰ کے حکم و اجازت سے بالآخر اس سے نجات پانے کی نفی نہیں نکلتی، اور اس کی بقدر گناہ عذاب کی مدت بسر کرنے کے بعد بھی نجات نہیں مل سکتی، اور نہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بہشت کی طرح دوزخ کو بھی غیر متناہی دوام بخشا گیا ہے،

یہی وہ آیتیں ہیں جن سے گنہگاروں کے لئے دوامِ عذاب کا مفہوم نکالا جاسکتا ہے۔ ایک ایک آیت کو غور سے پڑھو کہ ان میں سے کسی میں بھی دوزخ کے دوام بقا اور عدم بقا یا اس کے عذاب کے عدم انتہا کی تصریح ہے،؟ حالانکہ اس کے بالمقابل جنت کی بقاے دوام اور عدم انقطاع کی تصریح بار بار اور تکرار ہے۔

ایک اور کلمہ سجاظا کے قابل ہے اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ خدا نے گنہگاروں کو عذاب دوزخ کی ابدیت اور دوام کی دھکی دی ہے، تاہم اس حقیقت سے چشم پوشی نہیں کرنی چاہئے کہ نسلی کا بدلہ نہ دینا یقیناً برائی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی قدوسیت کا دامن تمارا پاک ہو کر ایک لَاحْتِخْلِفُ الْمِعَادَ (ال عمران - ۲۰) تو وہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا اِنَّهٗ كَانَ وَعْدًا مَّابِیۡنًا (مربو - ۴) اس کا وعدہ جنت پورا ہی ہو گا، لیکن اگر برائی کا بدلہ حسب تہدید سابق برائی کے ساتھ نہ دیا جائے تو حقیقت میں خلاف وعدگی نہیں جو قابلِ ملامت ہو بلکہ اس کا نام مغفرتِ کرم اعطا اور عفو ہے جس کا اہل اس رحمان و رحیم اور عفو و غفور سے بڑھکر کوئی دوسرا نہیں۔ اس لئے گنہگاروں کیساتھ جیسا کہ اس نے فرمایا، اپنی حکمت و مصلحت کی بنا پر وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔

چنانچہ مند ابوعلی میں حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ خدا نے کسی نیک کام پر جس ثواب کا وعدہ فرمایا ہے، وہ اُس کو ضرور ہی پورا کر لیا، لیکن جس کسی کو اُس کے کسی کام پر عذاب کی دھمکی دی ہے تو اُس کو اختیار حاصل ہے۔

کوئی کہہ سکتا ہے کہ اگر بالآخر گناہوں کی مغفرت اور خدا کی رحمت میں یہ وسعت اعموم ہے کہ بڑے سے بڑے گنہگار بھی دوزخ کی آگ میں حل کر بلا آخر پاک صاف اور جنت میں داخل ہونے کے قابل ہو جائیں گے، تو اشارات و کنایات کے بجائے، اُن کی معافی کی صریح تصریح کیوں نہیں کر دی گئی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایسا کیا جاتا تو یہ اُن مجرموں اور گنہگاروں کے حق میں اچھا نہ ہوتا، کیونکہ اس سے اُن میں مذمت اور توبہ کے رجحان کے بجائے خود سرکشی گستاخی اور شوخی پیدا ہوتی اور ان میں آئندہ کے نتائج بد سے بڑھ کر خوفی آجاتی اور ایسا ہونا تہنیه و اصلاح و تدارک کی مصلحتوں کے سراسر منافی ہوتا، اس لئے اُن کی قانونی سزا تو اللہ تعالیٰ نے دائمی عقاب مقرر فرمائی، لیکن آخر کار اُن کی نجات کو اپنی مشیت اور علم و مصلحت کے سپرد فرما کر، اُن کو یک گونہ اپنے سے ناامید بھی نہیں ہونے دیا، اور امید و بیم کی حالت میں رکھ کر اپنے سامنے جھکنے اور محبت کرنے کا جذبہ بھی پیدا کر دیا، اور یہ اس باب میں عظیم الشان اصلاح ہے، جس کو ایک طرف عیسائیوں نے کفارہ کی اور دوسری طرف ہندو مذاہب نے کرم کی تعلیم دیکر غارت کر دیا تھا،

عیسائیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ کے مصلوب ہو کر جی اٹھنے پر ایمان لانے سے

۱۔ بحوالہ شفاء العلیل ابن قیم ص ۲۲۲ مصر،

تمام گناہ دفعۃً معاف ہو جاتے ہیں، اس تعلیم نے اعمال کو غیر ضروری چیز ٹھہرا دیا تھا، اس کے برخلاف ہندو مذاہب نے خدا کو اتنا بے اختیار ٹھہرایا کہ اعمالِ بد کے نتائج جن کو کرم کہتے ہیں خدا چاہے بھی تو معاف نہیں ہو سکتے، اسلام نے اگر ترازو کے ان دونوں پلوں کو برابر کر دیا، ایک طرف فرمایا کُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ہر نفس اپنے عمل کے ہاتھ میں گروہے (مدثر-۲) اور دوسری طرف فرمایا يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ خدا جس کو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے عذاب دے (مائدہ) یعنی قانوناً ہر انسان اپنے عمل کے نتائج کا یقیناً پابند ہے مگر خدا تعالیٰ کی قدرت اور رحمت اس قانون کے باوجود جو چاہے کر سکتی ہے جس طرح اس دنیا کا حال ہے کہ گو خدا کے بنائے ہوئے قانون یہاں جاری ہیں جن کو آپ قانونِ نطرت کہتے ہیں مگر با اینہم اس کا حکم اور اس کی خواہش اور مصلحت ان پر بھی حاکم ہے، اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے اس تعلیم نے ایک طرف اعمال کو غیر ضروری ہونے سے بچالیا، اور دوسری طرف خدا کی قدرتِ تام اور رحمتِ عام کا دروازہ بھی کھلا رکھا۔

عذابِ طویل کا سبب | بعض کم فہم یہ اعتراض کرتے ہیں کہ انسان کا گناہ تو ایک لمحہ کا کام ہے پھر اس کا عتاب اتنا طویل کیوں رکھا گیا، سال دو سال یا عمر بھر کے گناہ کی سزا صد ہا اولہ ہزار ہا سال کے عتاب سے دنیا مناسب نہیں، حالانکہ یہ لوگ اگر دنیاوی ہی واقعات پر غور کرتے تو وہ ان کی تسکین کے لئے کافی ہوتے، دنیا کا ہر بڑے سے بڑا قانونی گناہ ایک لمحہ میں انجام پاتا ہے، چوری، عملِ خلافِ قانون، یا کسی کو قتل کرتے کتنی دیر لگتی ہے؟ مگر اس کے عتاب میں سالوں کی قید ہم خود اپنی انسانی عدالت گاہوں میں تجویز کرتے ہیں اور اس کو خلافِ عقل نہیں کہتے۔

دوسری صحیح تر مثال یہ ہے کہ انسان کو دیکھو کہ ذرا سی جسمانی بد پرہیزی اور اصولِ صحت کی معمولی سی غلطی کی پاداش میں وہ کبھی ہفتوں، مہینوں، بلکہ سالہا سال بیمار رہتا ہے اور ایک مدت دراز میں جا کر کہیں ان چند لمحوں کی غلطی کی تلافی کر پاتا ہے، اور کبھی اس معمولی غلطی کی بدولت عمر بھر اُس کے روگ میں مبتلا رہتا ہے، اور آخر میں جان دیدیتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ گناہ اُسکی تلافی کی مدت میں یکسانی نہیں ہوتی، بلکہ ہمیشہ غلطی کی مدت کے مقابلہ میں اسکی تلافی کی مدت ہزار ہا گنا زیادہ ہوتی ہے، کیونکہ طبیعت پر جو اثر پڑتا ہے، اسکی تلافی کی مدت، غلطی کی نوعیت، طبیعت کی صلاحیت، اور خلاقِ عالم کی مصلحت کی بنا پر مختلف ہوتی ہے، اسی لئے عقابِ طویل سے رہائی یا سفایابی کی مدت بھی ہر گنہگار کے لئے یکساں نہیں ہو سکتی، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ،

شُرک و کافر کا انجام | اگر یہ صحیح ہے کہ بالآخر ایک دن جہنم کی آگ سرد ہو جائیگی تو کیا اہل کفر و شرک بھی اپنے گناہوں سے پاک ہو کر رحم و کرم کے سزاوار ہو جائیں گے؟ جواب یہ ہے کہ

قرآنِ پاک میں اسکی تصریح موجود ہے کہ شرک و کفر کا گناہ معاف نہ ہوگا یعنی اُس کے

آخر وہی نتائج کی پاداش ضروری ہے اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ شرک و کفر کی جزا دوامِ عذاب اور خلود (خُلِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا) ہے، یعنی جہنم تک دوزخ قائم ہے، اُس سے اُن کو نجات نہیں مل سکتی مگر جب حسبِ مشیتِ الہی وہ دن آئے کہ دوزخ کی مدت حیات ختم ہو جائے تو اس وقت

عجب نہیں کہ اُن کو بھی اس سے رہائی مل سکے،

چنانچہ شکرین و کافرین کے ذکر میں خدا فرماتا ہے،

قَالَ النَّادِمُونَ اَلَمْ نَخْلِدْ بِنِجْمِهَا
فرمایوگے، دوزخ کی آگ تمہارا ٹھکانا ہے

إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ

بیشہ رہو گے، مگر یہ کہ جو چاہے اللہ بیشک

عَلِيمٌ (انعام - ۱۵)

تیرا پروردگار حکمت اور علم والا ہے،

اس آیت کا آخری کلمہ خاص طور سے غور کے قابل ہے، فرمایا "تیرا رب حکمت اور علم والا ہے"

اس موقع پر خدا کے لئے خاص طور سے رَبِّ كَالْفِطْرِ لَنَا، یہ معنی رکھتا ہے کہ اسکی شانِ ربوبیت اگر

چاہے گی، اور اس کے غیر محمد و دو علم و حکمت کا اقتضا ہوگا تو دوزخ کے خاتمہ پر ان کو ہانی مل سکتی

لیکن اس میں شک ہے کہ آیا اس کے بعد بھی وہ جنت میں داخل ہو سکیں گے، کیونکہ

حضرت عیسیٰ کی زبان سے قرآن میں یہ تصریح الہی ہے،

إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَوَّهٖ

یہ کہ بے شہد اللہ کا جو شریک بنائے گا تو

اللَّهُ عَلَىٰ الْحَبَّةِ وَالْمَاءِ النَّارُ

اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور

(مائدہ - ۱۰)

اس کا ٹھکانا دوزخ ہے،

نیز ایک اور آیت میں ہے،

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا

بیشک جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا

عَنْهَا لَا تَصْحٰحُ لَهُمْ آبَؤَابُ السَّمَاءِ

اور ان کے ماننے سے غور کیا تو ان کیلئے

لَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلْبِغُوا الْجِلْدَ

آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے،

فِي سَعِيرٍ الْجَنَّةِ

اور وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گے تاکہ

(اعراف - ۵)

اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہو جائے

الغرض خدا کے اعلان کردہ قانونِ جزا کا اقتضا تو یہی ہے کہ گوردوزخ کے عذاب کا خاتمہ

ہو جانے پر بھی جنت کے احاطہ میں ان کا گزرنہ ہو، لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کا دائرہ بہت وسیع ہے، جیسا کہ خود اُس نے اہل دوزخ کی نسبت کہا ہے کہ

إِنَّمَا شَاءَ رَبُّكَ ط إِنَّ رَبَّكَ

وہ سدا دوزخ میں رہیں گے لیکن تیرا رب

فَعَالٌ لِّمَا يُرِيدُ ، (ہود - ۹)

جو چاہی، بیشک تیرا رب جو چاہی کر گزرتا ہے

اس دائرہ کی وسعت کو کون کم کر سکتا ہے، کیونکہ اپنی رحمت کی وسعت کی نسبت اس کا

رَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (اعراف ۱۹) اور میری رحمت ہر شے کو اپنی گنجائش میں لے جو

اس رحمتِ عام کی وسعت سے آسمان وزمین کا کون گوشہ محروم ہے، اس سے بڑھ

یہ کہ پیغمبر کے جھٹلانے والوں کی نسبت خدا فرماتا ہے،

فَإِنْ كَذَّبُوا فَقُلْ رَبُّكُمْ ذُو

تو (اے پیغمبر) اگر وہ تجھے جھٹلائیں تو کہہ دو کہ

رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ

تھارا پروردگار وسیع رحمت والا ہے اور اس کا

عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ (العام - ۱۰)

عذاب گنہگاروں سے لوٹا یا نہیں جاسکتا،

یعنی کسی دوسرے میں یہ طاقت نہیں کہ اُس کے بھیجے ہوئے عذاب کو گنہگاروں

کے سر ہال دے، لیکن خود اس کی رحمت بڑی وسیع ہے جو وہ چاہے تو ان کو دنیا ہی یا

ہدایت دیکر جنت نصیب کرے، یا آخرت میں عذاب دینے کے بند درگزر کر دے اور ان

کی اصلی رحمت کا محل وہی ہے جہاں کسی دوسری رحمت کا وجود نہ ہو گا۔ فرماتا ہے

مَنْ يُصِرْ وَيُعِنِّهُ يَوْمَئِذٍ

جس سے اُس دن عذاب نہ لے گا، تو خدا

فَقَدْ رَحِمَهُ ط (العام - ۲)

اس پر رحم کیا،

صحیح بخاری و مسلم و ترمذی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر مومن کو معلوم ہو کہ خدا کے پاس کتنا عقاب ہے تو وہ جنت سے مایوس ہو جائے اور اگر کافر کو یہ معلوم ہو کہ اس کی رحمت کتنی وسیع ہے تو وہ بھی جنت سے ناامید نہ ہو۔ مصلح الدین سعدی نے فرمایا:
اسی حقیقت کو اپنے ان دو شعروں میں ادا کیا ہے،

بہت سید اگر برکتہ تیغ حکم بہ مانند کر و بیاں صتم و بکم
وگر درد ہدیک صلاے کریم عز اذیل گوید نصیب برم
خود اس رحمان و رحیم کا جس کی بادشاہی آسمان و زمین کو محیط ہے، یہ ارشاد
ہے کہ وہ جو چاہے کر سکتا ہے،

يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ
يَسْمَعُ سِرًّا وَفِيهِ مَلَكُ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَإِلَيْهِ
الْمَصِيرُ (مائدہ ۷۵-۷۶)

لیکن اس کی یہ مشیت جیسا کہ اس نے (انعام رکوع ۱۵) میں فرمایا ہے، اسکی وسیع حکمت
و مصلحت پر مبنی ہے۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے، مگر کرتا وہی ہے جو اسکی مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے،
اس سے زیادہ اس باب میں کچھ اور کمنا حد سے آگے بڑھنا ہے کہ جس کی تصریح خود خدا
تعالیٰ نے فرمائی، اس کی تصریح کا حق کسی کو کیا ہے، اس نے مشرک و کافر کے آخر انجام کے
سوال کا جواب صرف مشیت الہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے،

دو ذرخ تمھارا ٹھکانا ہے، اس میں سدا رہو

لیکن جو چاہے اللہ، بے شک تیرا پروردگار

النَّارُ مَثْوً لِّمَنْ خَلِدَ فِيهَا إِلَّا

مَا شَاءَ اللَّهُ ط إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ

حکمت والا، اور علم والا ہے،

عَلَيْهِ، (انعام - ۱۵)

جمہور کا مسلک | جو کچھ کہا گیا وہ اس جماعت کا خیال ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمتِ عمومی

کی متفقہ ہے، جمہور کا مسلک اس سے کچھ مختلف ہے اس کے نزدیک بہشت کی طرح دو ذرخ بھی ہمیشہ باقی رہے گا، اور ان لوگوں کو جو شرک کفر کے مرکب ہوں گے کبھی دو ذرخ سے نجات نہیں ملے گی،

اس عقیدہ کے مطابق گنہگاروں کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو گنہگار تھے، مگر وہ ان میں

ایمان رکھتے تھے، ایسے لوگ عذاب کے بغیر ہی یا عذاب کے بعد اللہ تعالیٰ کے عفو و کرم سے سرفراز

ہو کر بالآخر جنت میں داخل ہوں گے، دوسرے وہ جو ہمیشہ شرک و کفر میں مبتلا رہے اور اس سے

توبہ کئے اور ایمان لائے بغیر مر گئے۔ ایسے لوگوں کی بخشائش کبھی نہ ہوگی۔ اور وہ ہمیشہ کے لئے

جہنم میں داخل کر دیئے جائیں گے، ان کی گنہگاری اس درجہ ہوگی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو

اپنی طرف کسی طرح جذب نہ کر سکیں گے، یہ وہ زمین شور ہوں گے جس میں اس رحمتِ عام

کی بارش بھی کوئی روئیدگی پیدا نہ کر سکے گی،

رحمتِ عمومی کے متفقین گذشتہ آیتوں سے جو معنی نکالتے ہیں، وہ جمہور کے نزدیک

صحیح نہیں، وہ ان کے بیان کردہ مطالب کو تاویلات کا درجہ دیتے، اور اس کی بارش کو

روایات کو صحت اور قوت سے خالی جانتے، اور قرآن مجید کی حسبِ ذیل آیتوں سے اپنے

دعویٰ پر استدلال کرتے ہیں۔

۱۔ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكَافِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا
۱۔ بیشک خدا نے کافروں پر لعنت کی اور ان

سَعِيْرًا خَلِيْدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا (اَحْزَابُ) کے لئے وہ آگ مہیا کی جس میں وہ ہمیشہ سدا
۲۔ وَمَنْ يُعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَاِنَّ
۲۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی

لَهُ نَارٌ جَهَنَّمَ خَلِيْدًا فِيْهَا اَبَدًا، کرے گا تو اس کے لئے جہنم کی آگ ہے اس

میں وہ ہمیشہ سدا پڑے ہیں،

(جن - ۲)

۳۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاِظْلَمُوْا
۳۔ بیشک جنہوں نے کفر کیا، اور حد سے

بَاغُوْا اللّٰهَ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَاَلِيْبُدِّيْهِمْ
آگے بڑھے، نہیں ہو کہ اللہ ان کو بخشنے

طَرِيْقًا اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خَلِيْدًا
نہ یہ کہ ان کو راہ دکھائے لیکن جہنم کی راہ

فِيْهَا اَبَدًا، (نِسَاء - ۱۲) اس میں وہ ہمیشہ سدا پڑے رہیں،

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ اون پر ہمیشہ عذاب ہوگا، اور جب عذاب ہمیشہ ہوگا تو

عذاب کی جگہ یعنی دوزخ بھی ہمیشہ قائم رہے گی،

ان آیتوں کے علاوہ اور بھی دوسری آیتیں ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ

کا عذاب کفار سے کبھی دور نہ ہوگا،

۱۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاَلُوْا اَنْ لَّهُمْ
۱۔ بیشک جن لوگوں نے کفر کیا، بالقرآن کے

مَا فِيْ الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهُ مَعَهُ
پاس ساری زمین کا خزانہ ہو اور آٹنا ہی

لِيَقْتُلُوْا رَاۤسَ مِنْ عَذَابٍ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
اس کے ساتھ اور، تاکہ وہ اس کو قہر دے

مَا تَقْبَلُ مِنْهُمْ وَاِنَّ لَهُمْ عَذَابًا
قیامت کے دن کے عذاب چھٹ جائیں،

تو ان سے یہ فدیہ قبول نہ کیا جائیگا اور ان کیلئے دروزخ سے نکل نہیں سکیں گے اور وہ اس میں نکل سکیں گے اور ان کیلئے قائم ہے۔
۲۔ وہ دروزخ سے نکل نہیں سکیں گے۔

جہنم والی عذاب ہے

أَلَيْسَ يُرِيدُونَ أَنْ يُخْرَجُوا مِنَ
النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ وَلَهُمْ
عَذَابٌ مُّقِيمٌ، (مائدہ ۵-۶)
۲۔ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ بَقَرَةُ

قیامت کے منکروں کی نسبت فرمایا،

۳۔ تو آج اس (دوزخ) سے وہ نہیں
نکلے جائیں گے، اور نہ ان کا غدر سنا جائیگا
۴۔ ہاں کافر اور مشرک قائم رہنے والے
عذاب میں ہوں گے،

۳۔ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُونَ مِنْهَا وَلَا
يُستَعْبَدُونَ، (جاثیہ ۱۴)
۴۔ الْآنَ الظَّالِمِينَ فِي عَذَابٍ
مُقِيمٍ، (شوری ۵)

ظلم کا اطلاق قرآن میں شرک پر کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اہل شرک کا عذاب قائم رہیگا

۵۔ بیشک جنہوں نے کفر کیا اور اسی کفر کی حالت
میں مر گئے ان پر اللہ کی فرشتوں کی اور پڑھنے
کی سب کی لعنت ہے، اس میں وہ سدا رہیں گے
ان کے عذاب میں کمی نہیں کی جائیگی، اور نہ
ان کو مہلت دی جائیگی۔

۵۔ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَأَوْمَنُوا وَ
هُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ
اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ
خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ
الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يَنْظُرُونَ (بقرہ ۱۹)
۶۔ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَالَّذِينَ هُمْ
لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا

۶۔ اور ان کے لئے جنہوں نے کفر کیا جہنم کی آگ ہے
تو ان کا فیصلہ کیا جائیگا کہ وہ مر جائیں
اور

عَنْهُ مِنْ عَذَابٍ (فاطر-۴) نہ سزا میں کچھ کمی کی جائے گی،

شُرک و کفر والوں کی مغفرت کسی حال میں نہ ہوگی، فرمایا،

۷۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهٖ (نساء) ، - بیشک اللہ اسکو معاف نہ کرے گا کہ اسکے ساتھ شُرک کیا جائے

۸۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاَوْصَدُوْا عَنْ مَّبِيْلِ اللّٰهِ تَعَرَّوْا وَاَوْهَمُوْا كُفْرًا فَلَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (محمد-۴) ان کو ہرگز معاف نہ کیا جائے گا،

۹۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاَوْصَدُوْا عَنْ مَّبِيْلِ اللّٰهِ تَعَرَّوْا وَاَوْهَمُوْا كُفْرًا فَلَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (محمد-۴) ان کو ہرگز معاف نہ کیا جائے گا،

ان کے لئے جنت کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہے،

۹۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاَوْصَدُوْا عَنْ مَّبِيْلِ اللّٰهِ تَعَرَّوْا وَاَوْهَمُوْا كُفْرًا فَلَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (محمد-۴) ان کو ہرگز معاف نہ کیا جائے گا،

۱۰۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاَوْصَدُوْا عَنْ مَّبِيْلِ اللّٰهِ تَعَرَّوْا وَاَوْهَمُوْا كُفْرًا فَلَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (محمد-۴) ان کو ہرگز معاف نہ کیا جائے گا،

۱۱۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاَوْصَدُوْا عَنْ مَّبِيْلِ اللّٰهِ تَعَرَّوْا وَاَوْهَمُوْا كُفْرًا فَلَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (محمد-۴) ان کو ہرگز معاف نہ کیا جائے گا،

۱۲۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاَوْصَدُوْا عَنْ مَّبِيْلِ اللّٰهِ تَعَرَّوْا وَاَوْهَمُوْا كُفْرًا فَلَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (محمد-۴) ان کو ہرگز معاف نہ کیا جائے گا،

۱۳۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاَوْصَدُوْا عَنْ مَّبِيْلِ اللّٰهِ تَعَرَّوْا وَاَوْهَمُوْا كُفْرًا فَلَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (محمد-۴) ان کو ہرگز معاف نہ کیا جائے گا،

۱۴۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاَوْصَدُوْا عَنْ مَّبِيْلِ اللّٰهِ تَعَرَّوْا وَاَوْهَمُوْا كُفْرًا فَلَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (محمد-۴) ان کو ہرگز معاف نہ کیا جائے گا،

۱۵۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاَوْصَدُوْا عَنْ مَّبِيْلِ اللّٰهِ تَعَرَّوْا وَاَوْهَمُوْا كُفْرًا فَلَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (محمد-۴) ان کو ہرگز معاف نہ کیا جائے گا،

۱۶۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاَوْصَدُوْا عَنْ مَّبِيْلِ اللّٰهِ تَعَرَّوْا وَاَوْهَمُوْا كُفْرًا فَلَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (محمد-۴) ان کو ہرگز معاف نہ کیا جائے گا،

۱۷۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاَوْصَدُوْا عَنْ مَّبِيْلِ اللّٰهِ تَعَرَّوْا وَاَوْهَمُوْا كُفْرًا فَلَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (محمد-۴) ان کو ہرگز معاف نہ کیا جائے گا،

۱۸۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاَوْصَدُوْا عَنْ مَّبِيْلِ اللّٰهِ تَعَرَّوْا وَاَوْهَمُوْا كُفْرًا فَلَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (محمد-۴) ان کو ہرگز معاف نہ کیا جائے گا،

اس قسم کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ مرتے دم تک شرک و کفر میں مبتلا رہے اور توبہ نہیں کی، ان کا گناہ بخشا نہ جائیگا اور وہ جنت میں کبھی داخل نہ ہو سکیں گے بلکہ ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں پڑے رہیں گے، جہاں نہ ان کے عذاب میں کبھی تخفیف ہوگی اور نہ ان کو موت آئے گی۔

تصویر کے دونوں رخ آپ کے سامنے آگئے،

ع بیا کایں دا اور یہا را بہ پیش دا اور اندازیم

بہشت و دوزخ کی جزا | اوپر عالم برزخ کے ذکر میں ہم تفصیل بتا چکے ہیں کہ آخرت میں جزا و سزا
دوسرا بھی تیشی ہے

تما مشریشی ہوگی، اس تیشی کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ جیسا عمل ہوگا اسی کے
مناسب مشابہ اس کی جزا یا سزا ہوگی مثلاً قرآن میں ہے کہ جو زکوٰۃ یعنی اپنے مال کا پانچواں حصہ
کھانے کے لئے نہ دیکھا تو اس کو دوزخ میں نہنوں کا دھوون کھانے کو بلایا گیا یا یہ کہ جو خدا کی راہ میں اپنا
دیگامرنے کے بعد اُسکو جانِ تازہ اور حیاتِ نو بخشی جائے گی، وہ دو تہذیب کو دھوپ کی تہذیب
بچنے کیلئے قصر و محل اور پینے کے لئے ٹھنڈے پانی اور عزت کی جگہ عنایت کی گئی تھی اگر اس
دنیا میں ان نعمتوں کے ملنے کا حق اس دنیا میں ادا نہ کیا تو دوسری دنیا میں اُسکو یہ سزا ملے گی

فِي سَمُوٰهٍ وَّحَمِيْمٍ لَا وَّظِلٌّ مِّنْ تَحْتِهَا

لَا بَارِدٌ وَلَا كَرِيْمٌ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ

ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ج ص ۲ (واقعہ ۲)

وہ لو اور کھولتے پانی میں، دھوپ کے سایہ میں
ٹھنڈا نہ باعث، بے شک وہ پہلے ازہ
نعمت میں تھے۔

۱۰ حدیث میں ہے کہ زکوٰۃ مسلمانوں کی دولت کا پل ہے۔

دنیا سے برزخ کی حدیث میں، جو کہ آپ نے کچھ ایسے لوگوں کو دیکھا جن کا آدھا دھڑ خوبصورت

اور آدھا بدصورت تھا، یہ وہ تھے جن کے کچھ کام اچھے اور برے تھے، اس لئے بد اعمالی بدصورتی اور

نیکی خوبصورتی کے رنگ میں نمایاں ہوئی، عرض طور سے یہ اصول ان حدیثوں سے مستنبط ہوتا ہے

۱۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ جو مومن خود بھوکا رہ کر کسی دوسرے بھوکے

مومن کو کھلائے گا تو خدا اس کو جنت کے پھل کھلائیگا، اور جو پیاسا ہو کر کسی دوسرے پیاسے کو

پلائیگا تو خدا اس کو جنت میں شراب ٹھہرائیگا، اور جو کوئی کپڑوں کا جھنڈا ہو کر ننگے کو پہنائیگا

تو خدا اس کو جنت کے سبز جوڑے پہنائیگا۔ (ترمذی کتاب الزہد والرفاق ص ۴۴)

۲۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی کسی

مسلمان کی دنیاوی تکلیفوں میں سے کسی کو دور کریگا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسکی تکلیف

دور فرمایگا، اور جو کوئی کسی نادار کو یہاں کسی مصیبت میں پھنسائیگا تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت

میں اسکو مصیبت میں مبتلا فرمایگا اور کسی مسلمان کی ستر پوشی کریگا تو خدا دنیا و آخرت میں اسکی ستر پوشی

کریگا اور جو کوئی اپنی بھائی کی مڈ میں جتک ہیگا خدا اس وقت تک اسکی مدد ہیگا۔ (ترمذی ص ۲۲)

۳۔ جو انسان پر رحم کریگا خدا اس پر رحم فرمایگا۔ (ترمذی)

تشیل کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ جو امور معنوی اور غیر مجسم ہیں، وہ اپنی مناسبانی

شکل و صورت میں ظاہر ہوں گے، مثلاً

۱۔ قرآن میں جو کہ جو اس دنیا میں حقیقت بینی سے اندھا ہوگا، وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔

دیکھو کہ دنیا کی معنوی قلبی اہمیاں اور دوسرے عالم میں ظاہری جسمانی اہمیاں کی شکل میں ظاہر ہوگی،

بہترین معجزاتی
تعمیرات

۲۔ حدیث میں ہے کہ اہل تکبر قیامت کے دن چوٹیوں بنا کر اٹھائے جائیں گے، جن پر ہر قطر سے ذلت و خواری چھانی پھریگی۔ دیکھو کہ تکبر کی جزا، ذلت و خواری سے ملے گی، اور چوٹیوں سے ذلت و خواری کوئی ہستی نہیں، اس لئے ان کی بڑائی اور تکبر کا معاوضہ یہ ہوگا کہ وہ چوٹی بن کر اٹھیں۔

۳۔ اسی طرح آپ نے فرمایا کہ جو نخل کریگا، قیامت میں اس کا مال سانپ بن کر اس کو ڈسیگا۔

صفت نخل اس کے حق میں اسی سانپ کی صورت اختیار کر کے اسکی تکلیف کا باعث ہوگی۔ آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص بلا وجہ بھیک مانگ کر اپنی آبروریزی کرتا ہو، قیامت میں وہ اٹھے گا تو اس کے منہ پر گوشت نہ ہوگا۔ دیکھو کہ دنیاوی بے شرمی و بیجانی بے گوشت چرم کی

صورت میں ظاہر ہوگی، اسی طرح یہ بھی فرمایا کہ دو بیبیوں کا وہ شوہر جو ایک کا حق ادا کرتا اور

دوسری سے غفلت برتتا تھا، قیامت میں اسی طرح آئیگا کہ اس کا ایک پہلو (گویا منفلوج ہو کر

جھک گیا ہوگا) ایک پہلو کا عدم ادائیگی اپنی تشبیلی صورت میں ایک پہلو کی منفلوجی کیفیت

میں نمودار ہوگا، یہ چند حوالے ذکر کئے گئے ہیں، ان ہی پر جزا و سزا کے اور دوسرے جزئیات

کو قیاس کرنا چاہئے، اس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے حسب ذیل آیتوں پر غور کرنا چاہئے۔

وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ

مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

أَعْمَى، قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي

أَعْمَى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا، قَالَ

جس نے میری یاد سے منہ پھیرا تو اسکو تنگ

گذران ملتی ہو اور قیامت کے دن ہم اس کو

اندھا اٹھائیں گے، وہ کہیگا تو میرے پروردگار

تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا میں تو دیکھتا تھا

لہ ترمذی کتاب زہد الرقاق ص ۱۱۱ صحیح بخاری کے الفاظ میں مثل لہ مالہ شجاعاً اذ وقع لہ ترمذی ص ۱۵۱ ایضاً

كذالك انتك ايتنا فنتيتهاج و
فرمائے گا، اسی طرح میری آئیں تیرے پاس

كذالك اليوم تنسني،
آئیں تو تو نے ان کو بھلا دیا، ایسے ہی آج

(طہ - ۷) تو بھلا یا جائے گا،

دیکھو کہ دل کی نابینائی، قیامت میں ظاہری نابینائی، اور یہاں خدا کو بھولنا، اور

اس کے احکام کو یاد نہ کرنا، وہاں رحمت الہی کی یاد سے بھول کی شکل میں نمودار ہو گا،

دوزخ کی جسمانی | دوزخ میں جسمانی اور روحانی دونوں سزائیں ملیں گی، قرآن پاک میں جن
سزائیں جسمانی سزائوں کا ذکر ہے وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ آتشِ دوزخ اور اس کی سوزش کا ذکر بار بار آیا ہے، بلکہ النار یعنی آگ کو یاد دوزخ

کا دوسرا نام ہے، ان ہی معنوں میں السعير یعنی جلتی آگ بھی بار بار استعمال ہوا ہے اور عذاب

الحریق (جلن کا عذاب) بھی دو چار جگہ کہا گیا ہے، اور ایک جگہ یہ بھی ہے کہ

تلفح وجوههم النار وهو فينا
ان کے چہروں کو دوزخ کی آگ جھلسائیگی

كالحدون، (مومنون - ۶) اور ان کی صورتیں اس میں بگڑ جائیں گی،

دوزخ کا ایک اور نام سقر ہے جس کے متعلق یہ ہے کہ

وما ادراك ما سقر، لا تبقي و
اور تمہیں کیا معلوم سقر کیا ہے، نہ وہ رحم کھائیگی

لا تذرج لواحده للنسیر (مدثر - ۱)
نہ چھوڑے گی، چہروں کی جھلس دینے والی۔

كلاط انھا نظی لا نزاع للشوی،
ہرگز نہیں وہ شعلہ والی آگ ہی منہ کی

(معارج - ۱) کھال او پھرنے والی،

دوزخ محل کے برابر اونچی چنگاریاں اتنی
بڑی پھینکی گی جیسے زرد رنگ کے اونٹ

إِنهَا تَرْفِي بِشَرِّكَ الْقَصْرِجِ كَأَنَّهُ
جَمَلٌ صُفْرٌ (موسلات - ۱)

۲۔ وہاں سایہ نہ ہوگا بلکہ یہ علم ہوگا،

چھو ایک چھاؤں کی طرف جس کی تین پتھیں
ہوں گی: گھن کی چھاؤں اور تپش میں کام

إِنظَلِقُوا إِلَى ظِلِّ ذِي ثَلَاثِ شُعَبٍ
لَا ظِلِيلٍ وَلَا يُغْنِي مِنَ اللَّهَبِ (موسلات - ۲)

۳۔ وہاں ٹھنڈا ک نہ ہوگی

اُس میں وہ نہ ٹھنڈا ک کا مزہ چکھیں گے
اور نہ کسی پینے کی چیز کا،

زَايِدٌ وَقُونَ فِيهَا بُرْدٌ أَوْ أَشْرَابًا

(نبا - ۱)

۴۔ دوزخ میں نہ موت آئے گی کہ چین آجائے، اور نہ ایسی زندگی ہی ہوگی جس میں کوئی

مست ہو دو جبکہ فرمایا،

لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَى (طہ دعویٰ)

وہاں وہ نہ مرے گا نہ جیے گا،

۵۔ پینے کو گرم پانی ملیگا، جس سے آنتیں گل پڑیں گی،

اور وہ گرم پانی پلائے جائیں گے تو وہ
پانی اُن کی آنتوں کو بکڑے کر دیکھا،

وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ

(محمد - ۲)

۶۔ اور پیپ پین گئے،

لیکن کھولتا پانی اور پیپ،

إِنَّا حَمِيمًا وَنَخَسَاتًا، (نبا - ۱)

۷۔ اُن کے اوپر سے گرم پانی چھوڑ جائے گا۔

يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ (حج)

ان کے سر پر گرم پانی ڈالا جائیگا،

۴۔ کھانے کو سینڈھے کا پھل لے گا،

أَمْ شَجَرَةً الزُّقُودِ.....

..... یاسینڈھے کا پھل

إِنهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِي أَصْلِ الْجَبَدِ

..... وہ ایک درخت

طَلْعَهَا كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيْطَانِ،

ہے دوزخ کی جڑ میں؛ اس کے تنوں

فَانَهُمْ لَا يَكُونُ مِنْهَا فَمَا لَيُونَنَّ

جیسے شیطانوں کے سر، تو وہ کھائیں گے

مِنْهَا الْبُطُونُ، ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا

اور اس سے پیٹ بھریں گے، پھر اس

لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيمٍ (وَالصَّفِّ ۲)

پہ گرم پانی کی ٹوٹی ہوئی،

إِنَّ شَجَرَ لَا الزُّقُودِ لَا طَعَاهُ إِلَّا يَمُوتُ

سینڈھے کا درخت گنکار کی غذا ہو جیسے کھلا

كَالْمُهْلِ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ كَغَلِي الْحَمِيمِ (وَالصَّفِّ ۲)

آنا، وہ پیوں میں کھوتا ہو جیسے کھوتا پانی

۵۔ خاردار جھاڑی کی خوراک ہوگی جس سے بدن کو کوئی فائدہ نہ ہوگا،

لَيْسَ لَهُمْ طَعَاهُ إِلَّا مِنْ ضَرِيحٍ

اور ان کے لئے کوئی کھانا نہ ہوگا لیکن

لَا يَمِينٍ وَلَا يَغْنَى مِنْ جُوعٍ ۝

خاردار جھاڑی چونہ موٹا کرے گی، اٹ

(عاشیہ - ۱)

نہ بھوک سے بے پروا کرے گی،

۱۰۔ زخموں کے دھوون کی خوراک ملے گی،

وَلَا طَعَامًا إِلَّا مِنْ غَسَقِينَ (ط ۲)

اور نہ کوئی کھانا، مگر زخموں کا دھوون،

۱۱۔ کھانا نکلانہ جائے گا،

اور گلے میں اٹکنے والا کھانا،

وَطَعًا مَّا ذَاغُصَّةٍ (مُزَّمِّل - ۱)

۱۲۔ آگ کے کپڑوں کا لباس ہوگا۔

کافروں کے لئے آگ کے کپڑے قطع ہوں گے،

فَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقُتِلُوا لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ، (حج - ۲)

۱۳۔ لوہے کے ہتھوڑے پڑیں گے،

اور ان کے لئے لوہے کے ہتھوڑے ہیں،

وَلَهُمْ مَّقَامِعٌ مِّنْ حَدِيدٍ (حج - ۲)

۱۴۔ گلے میں طوق اور زنجیریں،

جب ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی، وہ کھینچے جائیں گے،

إِذَا الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلِيلُ يُجَبَّبُونَ ۗ (مومن - ۸)

ہم (خدا) نے کافروں کے لئے زنجیریں اور طوق اور آگ تیار رکھی ہے،

إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلِيلًا وَاعْلَالَآ وَسَعِيرًا، (دھر - ۱)

وہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے۔

مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ (ابراہیم - ۱)

دوزخ میں روحانی سزائیں | ان جسمانی سزاؤں کے ساتھ روحانی سزائیں بھی ہوں گی۔

دل نظر کی نگاہوں میں ان سے بھی بڑھ کر ہیں، چنانچہ دوزخ کی وہ آگ جس کی گرمی اور سوز

کا حال اوپر گزر چکا، وہ دل کو جا کر جھانکے گی، فرمایا،

سلاگانی ہوئی، اللہ کی آگ، جو دلوں کو

نَادِ اللَّهُ الْمُوقَدَةَ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى

جھانکے گی،

الْأَفْنِدَةَ، (زھمراہ - ۱)

اور جب عذاب کو دکھیں گے تو اپنی

پیشانی کو چھپائیں گے،

اے حسرت اس پر کہ میں نے خدا کے

پہلو میں کمی کی،

وہ جب جب دوزخ سے غم کی وجہ سے

نکلنا چاہیں،

وَأَسْرُ وَاللَّذِئِمَّةَ لَمَّا رَأَوْا الْعَذَابَ

(یونس - ۶)

يَحْسِرُ فِي عَلِيٍّ مَا فَرَطْتُ فِي جَنْبِ

اللَّهِ، (زمر، ۶)

كَلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يُخْرَجُوا مِنْهَا

مِنْ غَمٍّ، (حج - ۲)

ذلت کا عذاب،

تو آج ذلت کے عذاب کا بدلہ دینے

جاؤ گے،

فَالْيَوْمَ تَجْرُونَ عَذَابَ الْهُونِ

(احقاف - ۲)

اس افسوس و حسرتِ مذمت سے بڑھکر یہ کہ ان کو معذرت پیش کرنے کی بھی اجازت نہ ہوگی،

آج معذرت نہ پیش کرو،

كَأَنْتُمْ زُرَّاءُ الْيَوْمِ (تحریر)

اللہ عوجل سے مکالمہ کا شرف ان کو نہ ملے گا، جب یہ بات کرنا چاہیں گے تو وہ فرمایا گیا،

ذلیل ہو اس دوزخ میں، اور مجھ سے

إِحْسَنُوا فِيهَا وَلَا تَكَلِّمُونِ،

بات نہ کرو،

(مومن - ۶)

سب سے بڑھکر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے جلوہ سے محروم رہیں گے،

ہرگز نہیں، وہ اس دن اپنے رب سے پڑے

میں ہوں گے،

كَلَّا أَنْصَرُّ عَنْ رَبِّي يَوْمَئِذٍ

لَمْ حُجُّوا يَوْمَئِذٍ، (تطہیف)

اُن میں سے جنہوں نے اس دنیا میں اپنے پروردگار کو بھلا دیا تھا، اُس دن وہ بھی اُن کو اپنی رحمت و شفقت کی یاد سے بھلا دے گا، فرمایا

كَذَلِكَ أَنْتَ ابْتِغَاءَ مَحَبَّةٍ
كَذَلِكَ الْيَوْمَ تُنسى (طہ - ۷۷)

ایسے دوزخی بھی ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی نیچاہِ کرم سے بھی محروم رہیں گے، وہ انکی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا، نہ اُن سے کچھ بات کرے گا، اور نہ اُن کی اصلاحِ حال کی کوئی فکر کرے گا، یہ حقیقت میں شفیق و مہربان رب کی انتہائی ناراضی کی تصویر ہے، اس دوزخ کے احساس کو وہی کچھ سمجھ سکتے ہیں جو عشق و محبت کے زخمِ خورہ ہیں، فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ يَشْرُونَ بَعْدَ اللَّهِ وَ
أَيَّمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَئِكَ لَا
خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا
يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ
أَلِيمٌ (ال عمران - ۸)

جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی (چھوٹی) قسموں کے ذریعہ سے تھوڑی سی دولت خرید کرتے ہیں آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں، نہ قیامت میں خدا ان سے بات کرے گا، نہ اُن کی طرف دیکھے گا، نہ اُن کو سنوارے گا، اور اُن کے لئے

دردناک عذاب ہے،

جنت

جنت کے نام | اُس مقام کا نام جو نیکو کار انسانوں کا دائمی گھر ہوگا، قرآن پاک میں عموماً

الْجَنَّةُ (باغ) بتایا گیا ہے، اور کبھی کبھی اس کو مناسب اضافتوں کے ساتھ بھی ادا کیا گیا

ہی مثلاً جَنَّةُ النَّعِيمِ (نعمت کا باغ) جَنَّةُ الْخُلْدِ (بقائے دوام کا باغ) جَنَّتِ عَدْنِ

(دوامی سکونت کے باغ) جَنَّةُ الْمَأْوٰی (پناہ کا باغ) ان کے علاوہ اور دوسرے لفظوں

سے بھی اس کی تعبیر کی گئی ہے مثلاً فَرْدَوْسٌ (باغ) رَوْضَةٌ (چمن) دَارُ الْخُلْدِ

(میشگی کا گھر) دَارُ الْمُقَامَةِ (قیام کا گھر) دَارُ السَّلَامِ (امن و سلامتی کا گھر)

جنت کا دوام | اس موجودہ دنیا میں بھی گولڈن ایج اور مسرتیں ہیں، مگر جو چیز یہاں نہیں ہے

وہ بقائے دوام ہے، یہاں کی ہر لذت عارضی، اور ہر مسرت آتی ہے یہاں خوشی کا کوئی ایسا

تیرا نہ نہیں جس کے بعد غم و ماتم کا نالہ نہ ہو، یہاں ہر بھول کیسا تھکانے، ہر روشنی کیسا تھما کر

ہر وجود کیسا تھکا، ہر سیری کے بعد بھوک، ہر سیرابی کے بعد پیاس اور ہر غنا کے بعد محتاجی

ہی انسان ہزاروں شکلیں اٹھانے اور ہزاروں صدے سمنے کے بعد ایک مسرت کا پیام سنتا

اور خوشی کا منظر دکھتا ہے، مگر ابھی اس سے سیر ہونے کی بھی نوبت نہیں آتی کہ اس کل خاتمہ ہو جانا

خوش اس موجودہ عالم فانی کی ہر شے آتی جانی ہے، اور یہی یہاں کی سب سے بڑی کمی ہے،

لیکن جنت اُس مملکت کا نام ہے، جہان کی لذتیں جاودانی، اور جہان کی مسرتیں غیر فانی ہیں، جہان حیات ہے مگر موت نہیں، راحت ہے مگر تکلیف نہیں، لذت ہے مگر الم نہیں، مسرت ہے مگر غم نہیں، جہان وہ سکون ہے جس کے ساتھ اضطراب نہیں، اور وہ شادمانی ہے جس کے بعد خزن و اندوہ نہیں، شیطان نے حضرت آدمؑ کے سامنے جنت کا جو نقشہ کھینچا تھا، وہ

بالکل صحیح تھا، اس نے کہا، اے آدم!

هَلْ اَدُلُّكَ عَلَى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ

کیا میں تجھے سدا جینے کا درخت اور

مُلْكٍ لَا يَبْئَسُ، (طہ - ۷)

بادشاہی بتاؤں جس کو فنا نہیں،

مگر جنت کا یہ وصف سنا کر اُن کو جدھر کا راستہ بتایا، وہ موت کے درخت اور فنا کے ملک کی طرف کا تھا، اور یہی وہ فریب تھا جس میں آدم گرفتار ہوئے، چنانچہ اسی جنتی زندگی کی تلاش میں وہ چیز کھالی جو اُن کے حق میں زہر تھی، یعنی گناہ کا پھل، نتیجہ یہ ہوا کہ جنتی اور غیر فانی ملک سے نخل کر اُن کو اس فنا کے ملک میں آنا پڑا، اور پھر اس جنتی اور غیر فانی ملک کا استحقاق اُن کے اور اُن کی نسل کے اعمالِ صالحہ کا صلہ قرار پایا، چنانچہ فرمایا:

اَهْرَجْنَاهُ الْخُلْدِ الَّتِي وَعَدْنَا لِمُقْتَدِرٍ

یا ہمیشگی کا باغ جس کا وعدہ پرہیزگاروں

كَانَتْ لَهُمْ جَزَاءً وَصِيْرًا،

سے کیا گیا جو اُن کا صلہ ہو گا، اور وہی

(فرقان - ۲) کی جگہ،

یہ ہمیشگی کا باغ وہ غیر فانی مملکت ہے، جہاں کا آرام دائم اور جہاں کی سلامتی ابدی جہان کی لذت بے انتہا جہاں کی زندگی غیر منقطع، جہاں کا سرور غیر ختم، اور جہاں کا عیش جاوداں ہے۔

چنانچہ اس کی تصریح قرآن پاک کی سورہ آیتوں میں مختلف طریقوں سے کی گئی ہے، فرمایا،

۱۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا

أَبَدًا وَعَدَّ اللَّهُ حَقًّا وَمَنْ

أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا، (نساء)

اس تاکید پر تاکید، اور پر زور طریقہ تبصیر پر نظر ڈالئے کہ صرف خلود پر اکتفا نہیں

کی، بلکہ ساتھ ہی آبد آفرما کر اس خلود کو غیر فانی اور قیام کو ابدی ظاہر فرمایا، اس پر بھی بس نہ کی

بلکہ یہ بھی اضافہ کیا کہ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے، پھر مزید تاکید کا اضافہ کیا کہ اور اللہ سے زیادہ سچی

بات کس کی ہو سکتی ہے؟ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ خلود و جنت اور بقاے غیر فانی کی قطعیت کتنی ہے،

۲۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا

أَبَدًا (نساء - ۵)

۳۔ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا

الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا (مائدہ ۱۶)

۴۔ وَجَنَّاتٍ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّبِينٌ

۱۔ اور جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے ہم

ان کو باغوں میں داخل کریں گے جن کے

نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی، وہ ان میں

ہمیشہ کے لئے رہیں گے، اللہ کا وعدہ

سچا ہے اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہوگی

۲۔ اور جو ایمان لائے، اور اچھے عمل کئے ہم

ان کو ان باغوں میں داخل کریں گے جن کے

نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی، ان میں وہ

ہمیشہ رہیں گے،

۳۔ ان کے لئے وہ باغ ہیں جن کے نیچے سے

نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے،

۴۔ اور اللہ ان کو خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے

خَلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا

(توبہ - ۳)

۵ - وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا

(توبہ - ۱۳)

۶ - وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا

(تغابن - ۱)

۷ - وَمَنْ يُوْءَمِرْ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ

صَالِحًا يَدْخُلْ جَنَّةً تَجْرِي مِنْ

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا

قَدْ أَحْسَنَ اللَّهُ لَهُ رِزْقًا

(طلاق - ۲)

۸ - جَزَاءُ هُوَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ

عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا (بنيہ - ۱)

یئے وہ باغ ہیں جن میں ہمیشہ کا آرام ہے،

اور جن میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے،

۵ - اور ان کے لئے وہ باغ مہیا کئے ہیں

جن کے نیچے نہریں رواں ہیں، وہ ان میں ہمیشہ

رہا کریں گے۔

۶ - اس کو ان باغوں میں داخل کرے گا

جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، ان میں

وہ ہمیشہ رہا کریں گے،

۷ - اور جو اللہ پر ایمان لائے، اور

نیک کام کریں اس کو وہ ان باغوں

میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں

بہتی ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے

اللہ نے اس کو روزی خوب دی،

۸ - ان کی مزدوری ان کے رب کے حضور

میں بنے کے وہ باغ ہیں جن کے نیچے

نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے

یہ آیتیں وہ ہیں جن میں اہل جنت کو جنت میں خلودا بہی کی قطعی بشارت سنائی گئی ہے

ان کے علاوہ وہ آیتیں ہیں جن میں جنت کی راحتوں اور لذتوں کی ابدیت اور دوام کی خبر کی ہے فرمایا:

۹۔ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ

يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا

حَسَنًا لَا يَمُوتُ فِيهَا أَبَدًا (کہف - ۱)

سورہ ص میں جنت کی اکثر نعمتوں کے بیان کے بعد ہے،

۱۰۔ هَذَا مَا توعَدُونَ لِيَوْمِهِ

الْحِسَابِ، إِنَّ هَذَا الِوَرْدُ قُنَا مَالَهُ

مِنْ نَفَادٍ ج ۱ (ص - ۳)

۱۱۔ وَأَمَّا الَّذِينَ سَعِدُوا فإِنَّهُ

الْجَنَّةُ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ

السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ

عَطَاءً غَيْرٍ مَجْذُوزٍ (هود - ۹)

یعنی خدا کی مشیت کے سوا ان کو اس جنت سے کوئی الگ نہ کر سکے گا لیکن اس کی

مشیت ہی ہوگی کہ ان کے لئے اس کی بخشش دائمی اور غیر منقطع طریقہ سے ہمیشہ قائم رہے پھر

جس کے تعلق اس کی مشیت کا یہ اعلان ہے، وہ فنا کیونکر ہو سکے گی،

۱۲۔ وَجَنَّتْ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقْتَدِرٌ

۱۲۔ اور وہ باغ جن میں ان کے لئے قائم

رہنے والی نعمت ہوگی، (توبہ - ۳)

- ۱۳۔ اَكْلُوا ذَا اَيْمُو وَظِلِّصَا (رعد ۵)
 ۱۳۔ جنت کا میوہ اور اس کا سایہ وہی ہی
- ۱۴۔ وَفَالِهَةِ كَثِيرَةٍ لِّاَلْمَقْطُوْعَةِ
 ۱۴۔ اور بہت سے میوے جن کا نہ انقطاع
 ہوگا، اور نہ جن کی روک ہوگی،
- ۱۵۔ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا
 ۱۵۔ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور نیک
 الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرٌ مَّمْنُوْنٍ
 کام کئے ان کے لئے وہ مزدوری ہے جس کا
 (تین) سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا،

فناے راحت اور انقطاع مسرت کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ راحت و مسرت کے اسباب کا خاتمہ ہو جائے، اور دوسرے یہ کہ خود لذت اٹھانے والے کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے، پہلی صورت کی نفی تو گذشتہ آیتوں میں کر دی گئی کہ راحت و مسرت کے اسباب کا وہاں خاتمہ نہ ہوگا، اب رہ گئی دوسری صورت تو گو خالد بن ابد اللہ اس کی نفی بار بار کی جا چکی ہے، مگر ایک جگہ تصریح یہ کہہ یا گیا ہے کہ اس اعطاء میں موت کا گذر نہ ہوگا فرمایا

۱۶۔ لَا يَدْرِيْ وُقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتِ
 ۱۶۔ جنت میں جانے والے پہلی موت کے سوا

اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُولٰٓئِجَ (دخان ۳)
 پھر موت کا مزہ نہیں چکھیں گے،

لیکن ایک تیسری صورت یہ بھی ممکن تھی کہ مسرت کے اسباب بھی قائم رہیں، اور اہل جنت کی زندگی بھی دائم ہو، مگر کچھ دنوں کے بعد ان کو وہاں سے نکال کر ایک اور جگہ لے جائیں گی، اس کی تصریح بھی فرمادی کہ یہ بھی ممکن نہ ہوگا کہ کوئی اہل جنت کو ان کے عیش و آرام کی منزل کو ہوں سے باہر نکال سکے، فرمایا،

لَا يَسْهُو فِيهَا نَصَبٌ وَ مَا هُوَ
وہاں ان کو کوئی غم نہ چھوئے گا، اور نہ وہ

مِنْهَا يُخْرِجِينَ ط (حجر - ۴)
اس میں سے نکالے جائیں گے،

یہ بھی ممکن ہے کہ خود اہل جنت اس سے گھبرا کر نکل آئیں تو فرمایا کہ ان کی جبلت و

فطرت ایسی ہوگی کہ وہ خود بھی اس مہمان خانہ الہی سے کلنا پسند نہیں کریں گے، فرمایا،

خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا
سدا رہیں گے اس میں، اس سے منتقل ہونا

جَوَلا، (کہف - ۱۲) نہ چاہیں گے،

دوام و بقا اور تسلسل و عدم القطاع کی اس توہرتو تاکید اور مراد سے اندازہ ہوگا

کہ اسبابِ مسرت کی بقا، راحت کا دوام اور زندگی کا تسلسل جنت کی اصلی خصوصیت ہوگی

یہی وہ حقیقت ہے جس کی لالچ شیطان نے

وَمَلِكٍ لَّا يَبْغِي، (طہ - ۷)
اور غیر فانی سلطنت،

لکھ کر آدم کو دلائی تھی، اور اس بہانہ سے اس عالم بقا سے ان کو اس عالم فنا میں بھجوا دیا۔

آخر وہ زمانہ آئے گا، جب آدم کی اولاد کو ان کے نیک اعمال کی بدولت اس غیر فانی

بادشاہی کی وراثت ہمیشہ کے لئے حاصل ہوگی،

غیر فانی بادشاہی دنیا میں شخصی راحت و آرام کا بند سے بند تخیل، ایک لفظ بادشاہی کے

بخوبی ادا ہو سکتا ہے، اگر انسان کو اس کی انتہائی آرزوؤں کے برانے کی خوشخبری دینے

کے لئے کوئی لفظ ہو سکتا ہے تو یہی ہے، گویا بادشاہی اس کیفیت کا نام ہے جس میں انسان کی

کوئی آرزو کامیابی سے محروم نہ رہے، سامانِ راحت اور اسبابِ شادمانی کی فردانی سے اس کی مسرت

میں کسی غم کا شائبہ نہ ہوا اونچے اونچے محل، ہرے بھرے باغ، بہتی نہریں، سرسبز و شاواہاب
تختے، سونے چاندی کے اسباب، زرد و جواہر کے برتن، زریں مکر غلام و خدام، ریشمی لباس
طلائی تخت، موتیوں کے ہار، سونے کے کنگن، شراب کے زمر دیں اور بلورین پیالے حسین
و جمیں بیگمات، غرض ایک لفظ بادشاہی کے یہ تمام ضروری لوازم ہیں،

جنت کی مختصر ترین لیکن سچی تعریفیں آدم کے دشمن نے آدم کے سامنے کی تھی،

وَمَلِكٍ لَّا يَبْلَى (طہ - ۷۰) اور غیر فانی بادشاہی،

آنے والی زندگی کے اس غیر فانی عیش و مسرت کے لئے مختلف پیغمبروں نے

مختلف لفظ استعمال کئے ہیں، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کیلئے آسمانی بادشاہی
کی اصطلاح قائم فرمائی، اور اپنی گفتگو کے تمام استعاروں میں اس مفہوم کو اسی لفظ سے ادا کیا،

مگر جیسا کہ بار بار کہا گیا ہو کہ انسانی لغت کے الفاظ سے جو مادیت کی گودوں میں پلے، اور
مادیت کے ماحول میں پھولے پھلے ہیں، کسی روحانی مفہوم کی تعبیر ناممکن ہو کہ اس کے ہر لفظ کے

مفہوم کو ان ہی لوازم اور خیالات کے ساتھ انسان سمجھنے پر مجبور ہے، جو ہمیشہ سے اس
لفظ کے ساتھ وابستہ چلے آتے ہیں، آپ بادشاہی کو آسمانی لکڑ کسی قدر مادہ سے پسند کریں مگر

بادشاہی کے مفہوم کے ساتھ جو موروٹی خیالات و لوازم وابستہ ہیں، وہ دور نہیں ہو سکتے،

چنانچہ خود حضرت عیسیٰؑ اپنی زندگی کی آخری شب میں شاگردوں کو جب شراب کا پیالہ ہر کر

دیتے ہیں، تو آسمانی بادشاہی کے مادی لطف و مسرت کا ذکر ان لفظوں میں کرتے ہیں،

”میں پھر تمہیں کہتا ہوں کہ انکو رکاشیرہ پھر نہ پونگا اس دن تک کہ تمہارے ساتھ اپنے

باپ کی بادشاہی میں اُسے نیانہ پویں“ (متی ۲۶ - ۲۹)

آپ نے دیکھا کہ باپ کی آسمانی بادشاہی میں بھی انگوڑی کا شیرہ پینے کو ملے گا،
اور یوحنا حواری نے جب اس آسمانی بادشاہی کا خواب دیکھا تو وہ ان کو اسی سونے
چاندی کے محل، آبِ حیات کی نہر، اور جواہرات کی دیواروں میں نظر آئی، (مکاشفات
یوحنا باب ۲۱ و ۲۲) اور پھر

”وہاں رات نہ ہوگی، اور وہ چراغ اور سورج کی روشنی کے محتاج نہیں کیونکہ
خداوند ان کو روشن کرتا ہے، اور وہ ابد الابد بادشاہی کریں گے“ (۲۲ - ۵)
لیکن یہ بادشاہی عیسوی پیغام میں ہنوز تفسیر کی محتاج ہے، نہ تو کے آخری پیغام
نے اس اجمال کی تفصیل ان لفظوں میں کی ہے :

فَرَقَهُمُ اللَّهُ شَرَّ ذَٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّوْمًا
فَضْرًا وَسُرُورًا وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا
جَنَّةً وَحَرِيرًا مُّتَّكِنِينَ فِيهَا عَلَىٰ لَأَازِجٍ
لَّا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَلَا زَمَهْرًا وَرِجَاجًا
وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلُّهَا وَذُلَّتْ
أُفُقُهَا مَنَابِلُهَا، وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ
بِأَنْدِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَأَلْوَابُ كَأَنَّ
قَوَارِيرًا تَلَاهَىٰ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا

تو اللہ نے اہل جنت کو اس دن کی تکلیف سے
بچا لیا، اور ان کو تر و تازگی اور شاد و کامی سے
اور ان کے صبر کے بدلے میں ان کو لذت بخش
اور (پینے کے لئے) ریشمی کپڑے دیئے، وہ ان
باغوں میں تختوں پر تکیے لگا کر ہونگے ان میں نہ
ہوگی نہ ٹھنڈ اور ان کے سایے ان پر جھکے ہوں گے ان
کے خوشے پتے ہو کر نلکے ہونگے چاندی کے برتن
اور نقرئی شیشوں کے آنچورے جو باپ کر

تَمَّيْرًا، وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَتْ
مِنْ أَجْهَازِ جَبَلِجَادٍ عَيْنًا فِيهَا تُسْمَى
سَلْسَبِيلًا، وَيُطَوَّنُ عَلَيْهَا وَرَدًا
مُخَلَّدُونَ إِذْ أَرَادْتُمْ أَنْ تُضَلُّوا
لَوْ لَوَّاهُمْ نُوْرًا، وَإِذْ أَرَأَيْتَ ثَمْرًا
رَأَيْتَ نَعْمًا وَمَلْكًَا كَلِيمًا، عَلَيْهِمْ
ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَإِسْتَبْرَقٌ
وَدَخَلُوا مِنْ حَيْثُ يَشَاءُونَ
فِيهَا مِنْ حَيْثُ يَشَاءُونَ
إِنَّ هَذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ
سَعْيَكُمْ مَشْكُورًا

(دھرا - ۱)

بنائے گئے ہیں، اُن کو لوگ اُن کے پاس
لیے پھریں گے اور اُن کو وہاں وہ پیالہ پلایا جائیگا
جس میں سونٹھ ملی ہوگی، اُس میں ایک چشمہ کا
نام سلسبیل ہے، اور سردار بننے والے کس نے اُن کو
اُن کی خدمت میں گھوم رہے ہوں گے اور
تو انھیں دیکھے تو سمجھے کہ موتی بھرے ہیں
اور جب تو یہ سب دیکھے تو وہاں نعمت و
عیش اور بڑی بادشاہی دیکھے انکی پرستار
بہتر و بہتر اور دیرینہ عیش اور اُن کو
لگن پہنائے جائیں گے اور اُن کا پروردگار
اُن کو پاک شراب پلائیگا، یہ تمھاری مزدوری
ہوگی، اور تمھاری محنت کی قدر کی جائیگی،

یہ پورا نقشہ اُس عیش و مسرت کا ہے جو اس دنیا کے شاہانہ مخلوق کے متعلق تخیل میں آتا ہے
اس بیان کی تائید و تصدیق اس صحیح حدیث سے ہوگی جو جامع ترمذی میں حضرت معمرہ صحابیؓ سے
روی ہوگی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موسیٰ نے اپنے پروردگار سے پوچھا کہ اگر پروردگار
جنت والوں میں سے سب سے کم رتبہ کون ہوگا، فرمایا وہ شخص جو جنت والوں کے جنت میں داخل
و چلنے کے بعد آخر میں آئے گا، تو اس سے کہا جائیگا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ، وہ کہیگا کہ اب میں

کہاں جاؤں کہ لوگ اپنے اپنے مقام پر جا چکے، اور ربانی نوازشوں پر قابض ہو چکے، اُس سے کہا جائیگا کہ "کیا تو اس پر راضی ہو کہ تجھے وہ ملے جو دنیا کے بادشاہوں میں سے کسی کے پاس نہ تھا عرض کر یگا خداوند میں راضی ہوں۔" فرمایگا تیرے لئے اتنا، اور اس سے دونا، اور اس سے گنا اور چو گنا ہے۔" کہیگا خداوند میں راضی ہو گیا خدا فرمایگا تیرے لئے وہ اور اس کا دو گنا ہو، عرض کر یگا میں راضی ہو گیا، فرمایگا اس کے ساتھ یہ بھی کہ جو تیرا دل آرزو کرے، اور جو تیری آنکھ کو لذت بخشنے لے

باغ کا استعارہ | آخرت کے خانہ عیش و راحت کے لئے قرآن پاک نے عموماً جنت اور عیش و روضہ کے لفظ کا استعمال کیا ہے، ادا ان اسکی وجہ یہ قرار دیتے ہیں کہ عرب کے شور و بے حال اور خشک صحرا کے بننے والوں کی انتہائی آرزو چونکہ سرسبز و شاداب باغوں ہی کی ہو سکتی ہے، اس لئے قرآن کے لئے یہ لفظ اُس مقام آخرت کے لئے قرآن نے استعمال کیا ہے مگر یہ سمجھنا چاہئے کہ قرآن کا مخاطب صرف عرب نہیں بلکہ دنیا کا گوشہ گوشہ ہے، اسلئے عرب کی تخصیص بے معنی ہے، کیا دنیا کے سرسبز و شاداب ملکوں کے بننے والوں کے تخیل میں باغ و راز اور رنگ گل کی بہار پندیدہ نہیں ہے، اصل یہ ہے کہ یہاں بیابان و گلستان کی تخصیص نہیں، یہ فطرت انسانی کی تصویر ہے انسان کسی خطہ ارضی میں آباد ہو مگر وہ سرسبز و شاداب قطعات، باغ و بہار اور کنار آب نہر کو عیش و مسرت کا مقام سمجھتا ہے اور ان کو دیکھ کر اندر سے اُس کی روح وجد کرتی ہے،

اس استعارہ کے استعمال کا ایک اور ذمہ بھی توجہ کے قابل ہے، انسان کا گھر وہ عیش و

ہوتا ہے جس میں حزن و غم کی آمیزش بھی شامل ہوتی ہے، اہل و عیال اور دولت و مال کے متعلق ہر قسم

لے جامع ترمذی تفسیر سورہ سجدہ (حدیث حسن صحیح)

ان کی فکرین اُس کے دل کے دامن سے لپٹی ہوتی ہیں، مگر حیب انسان سیر و تفریح کے لئے باغ و چمن کا رخ کرتا ہی، تھوڑی دیر کے لئے وہ ہر غم کو بھول جاتا، اور ہر تعلق کو دل سے نکال دیتا ہے اور ایسا شاداں و فرحان بن جاتا ہے کہ غم و الم اُس کے ہر گوشہ خاطر سے دور ہو جاتے ہیں۔
 وحی محمدی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام نے اس لفظ کو اسی لئے استعمال کیا ہے تاکہ اسے
 اُخروی عیش و مسرت، شادی و خوشی، اور فراغِ خاطر کی پوری تصویر کھینچ جائے،

سامانِ حنت کے | یہ حقیقت بار بار دہرائی گئی ہے کہ عالمِ آخرت کی اشیاء کو جن دنیاوی
 دنیاوی نام

الفاظ سے ادا کیا گیا ہے، اُن سے مقصود بالکل وہی نہیں ہیں جو ان
 لفظوں سے سمجھنے کے ہم مادی ہیں بلکہ اُن اُخروی اشیاء کو ان دنیاوی الفاظ سے اس لئے ادا
 کیا گیا ہے کہ وہ اُن سے خاص مناسبت رکھتی ہیں، ورنہ از روئے حقیقت ان الفاظ کے لغوی
 مفہوم و معنی سے اُن کی اُخروی حقیقتیں بدرجہا بلند و اتم ہوں گی، چنانچہ قرآن مجید کی ان آیتوں میں

وَنَبِّئِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
 أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
 الْأَنْهَارُ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ
 رِزْقًا قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا
 مِنْ قَبْلُ وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا وَ
 لَهُمْ فِيهَا أَدْوَابٌ مُطَهَّرَةٌ وَ
 هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ إِنَّ اللَّهَ

اور اُن کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے
 یہ خوشخبری سنا کہ اُن کے لئے وہ باغ ہیں
 جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی، وہ جب
 جب ان باغوں سے کوئی پھل دیئے جائے گا
 کہیں گے کہ یہ وہی ہے جو اس سے پہلے ہم
 کو دیا گیا تھا، اور وہ اُن کو ایک دوسرے
 کے مشابہ دیا جائیگا، اور اُن باغوں میں ان کی

لَا يَسْتَحِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مِمَّا

بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا

صاف تھری بویاں ہوگی اور ان باغوں میں ہا

گے کریں بے شبہ خدا اس سے شرمندہ نہیں کہ وہ ایک

پتھر کی یا اس سو بھی کم رتبہ چیز کی مثال بیان کرے

(البقرہ - ۳)

ان آیتوں کے سباق و سیاق اور نظم و ترتیب پر گمان کر کے میرے ذہن میں یہی معنی آتے

ہیں کہ ان میں دنیاوی الفاظ اور ان کے اخروی مفہوم کے درمیان تشابہ کا بیان ہو ورنہ حقیقت

کے رو سے ان الفاظ کے دنیاوی لغوی معانی اور اخروی معنوں میں وہی نسبت ہے جو پتھر اور

کسی عظیم الجثہ شے کے درمیان ہو سکتی ہے، یہی سبب ہے کہ جنت کی لذتوں اور نعمتوں کی نسبت

قرآن نے یہ بھی کہا ہے،

تو کسی نفس کو معلوم نہیں کہ ان کے لئے ان کے

(اچھے) اعمال کے بدلہ میں آنکھوں کی جو

ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے،

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُ مِنَ

فِرْعَانِ جَزَاءً بِمَا كَانُوا

يَعْمَلُونَ (سجدا - ۲)

اس آنکھوں کی ٹھنڈک یعنی لذت و راحت کی کیفیت دنیاوی تخیل سے چونکہ بہت

بند ہے، اس لئے یہ فرمایا گیا کہ جنت کی راحت و لذت کی حقیقت علم و فہم سے پوشیدہ اور مخفی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مفہوم کو اپنے ان مبارک الفاظ سے واضح فرمادیا ہے،

خدا فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے

لئے وہ مہیا کیا ہے جس کو نہ کسی آنکھ نے

دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان

قَالَ اللَّهُ أَعَدُّ لِعِبَادِي

الصَّالِحِينَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا

أَذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ

بشر

کے دل میں اس کا خیال آیا،

اگر حنت کے باغوں، نہروں، میوؤں، غلاموں، شرابوں، نشی کپڑوں اور طلائی زیوروں کی وہی آخری حقیقت ہے، جو ان لفظوں سے لغوی طور پر ہم اس دنیا میں سمجھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بہشت کی لذتوں اور مستروں کو ایک "مخفی حقیقت" نہ فرماتا، اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسکی توضیح میں اس درجہ بندی کرتے کہ وہ ایسی چیزیں ہیں جن کو آنکھوں و گھانے کا ٹونے سنا، اور نہ وہ کسی انسان کے خیال میں گذریں، مزید تاکید روایت کے دوسرے الفاظ میں ہے،

بلہ ما اطلعتم علیہ (صحیح بخاری تفسیر سورہ سجدة) جو تم جانتے ہو اس کو چھوڑ دو،

صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں، بلہ ما اطلعکم اللہ علیہ، اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ بلکہ خدا نے تم کو اس پر مطلع بھی نہیں کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ خدا نے اس کا جو حال بتایا ہے، اس سے بھی درگزر کرو۔

غرض ان لفظوں سے جو بھی تم سمجھ سکتے ہو، اس کو چھوڑ کر آگے بڑھو، اصحاب تفسیر نے حضرت ابن عباسؓ سے بنا نقل کیا ہے،

سفيان ثوري، عيش سے اور ابو ظبيان

وقال السفیان الثوري عن

اور وہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے

الاعمش عن ابی ظبيان عن ابن

ہیں کہ جنت میں جو کچھ ہے وہ دنیا کی چیزوں

عباس، لا يشبه شئ مما فی الجنة

ناموں کے سوا اور کسی بات میں مشابہ نہیں

مافی الدنيا الا فی السماء،

صحیح بخاری، باب کلام الرب و تفسیر سورہ سجدہ، صحیح مسلم کتاب الجنة و تفسیر سورہ سجدة صحیح مسلم کتاب الجنة و تفسیر سورہ سجدہ

دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں،

لَيْسَ فِي الدُّنْيَا مِمَّا فِي الْجَنَّةِ إِلَّا
الْأَسْمَاءُ،
جنت میں جو کچھ ہے، وہ ناموں کے سوا
دنیا میں نہیں،

غرض ان الفاظ سے ان ہی دنیاوی مشاہدات کی چیزوں کو سمجھنا ضروری نہیں بلکہ ان سے
بدرجہ بلند لہذا اور مستریٰ مراد ہیں جن کی تعبیر کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ کسی وجہ
مناسب کے سبب ان کو ان دنیاوی لفظوں سے ادا کیا جائے، اور اس پر بھی مفہوم ادا نہ ہو سکے، اس
میں اشکال نحو ذی اللہ، اللہ تعالیٰ کی عدم قدرت کلام کے سبب نہیں ہے، بلکہ عاجز انسانوں کی ذہنی
ورماندگی کے سبب ہے کہ نادیدہ و ناشنیدہ اور درول ناخلیدہ منہا ہم کے لئے ان کی
زبان و لغت میں کوئی لفظ ہی نہیں،

جنت کی مستریٰ اعمال کی تمثیل ہیں | یہ اصول بارہا بیان میں آچکا ہے کہ دوزخ کی تکلیفیں
ہوں، یا جنت کی مستریٰ، دونوں اعمال انسانی کی تمثیل ہیں، اسی لئے قرآن پاک
نے بصریح تمام یہ کہا ہے:

إِنَّمَا تُحْرَمُونَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (طودہ) وہی بدلہ پاؤ گے جو تم کرتے تھے،

حدیث میں آتا ہے کہ قیامت میں خدا فرمائے گا اے میرے بندو، یہ تمہاری عمل ہیں جو
تم کو واپس مل رہے ہیں تو جو سچی پاؤ وہ خدا کا شکر ادا کرنا اور جو برائی پاؤ وہ اپنے آپ کو ملامت کرے۔
مثلاً وہ لوگوں کو جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے خوف سے ہمیشہ ترساں لڑناں رہتے تھے ان کو جنت

لے تفسیر ابن جریر طبری، آیت مذکورہ و بہیقی فی البعث کما فی الدر المنثور للسیوطی، تفسیر آیت مذکورہ۔

میں امن و سلامتی کے ساتھ وہاں کی تمام راجتیں ملیں گی تو

قَالُوا إِنَّا لَنَأْتِيْكُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ
فَمَنْ لِّلَّهِ عَذَابٌ أَلِيمٌ
السَّمُومِ (طوسہ - ۱)

کہیں گے ہم اس سے پہلے اپنے گھر والوں میں
ڈرتے تھے تو خدا نے ہم پر مہربانی فرمائی
ہم کو دوزخ کی لو کے عذاب سے بچالیا،

اس آیت سے صاف نمایاں ہے کہ جو لوگ دنیا میں خدا کے قہر و غضب سے ڈرتے
تھے، وہ قیامت میں گرم لو (سموم) کے عذاب سے بچائے جائیں گے، قہر و غضب کی تشبیل
آتش، لوہ غیرہ گرم چیزوں سے ہے، تو جو لوگ دنیا میں خدا کے قہر و غضب سے ترساں تھے،
دیکھو کہ قیامت میں ان کو سموم یا گرم ہوا کی لو سے بچائے جانے کی بشارت ملی،

دولت مند و قومی دست منکرین اور غریب مسلمانوں کو دیکھ کر دنیا میں ان پر تھمرا

ہنستے تھے، قیامت میں اس کا الٹا ہو گا کہ یہ ان پر نہیں گے، فرمایا،

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ
آمَنُوا يَصْحَكُونَ
فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ
يَصْحَكُونَ (تطيف)

بیشک گنہگار، ایمان والوں پر ہنستے تھے
.....
تو آج ایمان والے
کافروں پر نہیں گے،

نیکو کاروں کے دنیا کے آنسو یہاں تہمت اور خندہ مسرت میں بدل گئے اور گنہگاروں
کی دہاں کی ہنسی یہاں آنسوؤں کا تار بن کر ظاہر ہوئی،
گنہگار جو دنیا میں اپنی دولت و قوت کے نشہ میں چور اور اپنے اہل عیال کیساتھ خواہش

اور مسرور رہتے تھے وہ یہاں نکلے ہوں گے اور جو وہاں نکلے تھے وہ یہاں خوش روز مسرور ہوں گے

فَسَوْفَ يَدْعُوا ثُبُورًا وَلَا يُصَلُّوْنَ
تو وہ موت کو پکارے گا اور روزخ میں داخل ہوگا، کیونکہ وہ اپنے اہل و عیال میں

(اشفاق - ۱۱) (مغرورانہ) خوش تھا،

اور جو کوا روہان اہل و عیال میں بٹھکے بھی مسرت نہ آتا تھا، اس کا یہ حال ہوگا کہ

فَسَوْفَ يَحْصِبُ حَصَابًا يَشِيْرًا
تو اس سے آسان حساب لیا جائیگا اور وہ خوش خوش اپنے لوگوں کے پاس ٹھیکے

قرآن پاک میں بارہا یہ آیتیں یا بعینہ ان ہی معنوں کی آیتیں آئی ہیں،

وَلَبِشْرٍ لِّلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کو باغوں کی خوشخبری سنا جن کے نیچے

الْاَنْهَارُ، (بقرہ - ۳) نہیں بہتی ہیں،

ان آیتوں میں ایمان، اور عملِ صالح کے بالمقابل باغ اور اسکی نہروں کا ذکر پابندی کے ساتھ آتا ہے، اس سے ادھر خیال جاتا ہے کہ ان دونوں میں کوئی خاص تشبہی تعلق ہے، یہ ظاہر ہے کہ درخت اصلی چیزیں ہیں جن کی ترقی اور نشوونما پانی سے ہوتی ہے بعینہ اسی طرح ایمان اصل ہے جس کی جڑوں کی سیرابی اعمالِ صالحہ کی آبیاری سے ہوتی ہے اگر ایمان ہو اور اعمالِ صالحہ نہ ہوں تو وہ ایک ایسا درخت ہوگا جس کی ترقی اور نشوونما کی امید نہیں، اور اگر صرف عملِ صالح ہو اور ایمان نہیں تو ریگ میں پانی کی روانی ہے جس کا وجود و عدم یکساں ہے، اس تشبہ کے ذہن

میں آنے کے ساتھ قرآن پاک کی یہ آیت سامنے آتی ہے،

وَأُدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ
يُحِبُّهُمْ فِيهَا سَالَةً، أَلَمْ تَرَ كَيْفَ
ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً
كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَ
فَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ، تُؤْتِي أُكْلَهَا
كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا ط وَيَضْرِبُ
اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ
يَتَذَكَّرُونَ، (ابراہیم - ۲۴)

اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے وہ
ان باغوں میں داخل کئے گئے جن کے نیچے
نہریں بہتی ہیں، وہ اپنے پروردگار کے حکم سے
ان میں سدا رہیں گے، وہاں سلامتی کی مباد
ہی کیا تو نے نہیں دیکھا کہ خدا نے کیسی ایک
مثال بیان کی ایک بات ایک سحرے
درخت کی طرح ہے جس کی جڑ مضبوط ہو
اور ٹہنی آسمان میں ہو اپنے پروردگار کے
حکم سے وہ ہمہ وقت پھل لایا کرتا ہے اور
خدا مثالیں بیان کرتا ہے کہ لوگ شاید سنیں

اس آیت میں جنت اور کلمہ طیبہ کے درخت کی پوری تشبیہ و بیانات تک تقابل ہے
کہ پہلے میں جب یہ کہا گیا کہ اپنے پروردگار کے حکم سے وہ ان باغوں میں سدا رہیں گے تو
دوسرے میں ہے کہ وہ درخت اپنے پروردگار کے حکم سے سدا پھل دیتا رہیگا۔ کلمہ طیبہ سے یہاں
مراد ایمان ہے جس کی جڑ مضبوط و مستحکم اور اس کی شاخیں آسمان میں اور اس کے پھل سدا پھلتے رہتے ہیں
یعنی بخاری میں ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون صحابی کی وفات کے بعد ان کی ایک بہن

لے تفسیر ابن جریر بطبری تفسیر آیت مذکورہ،

صحابیہ نے خواب میں دیکھا کہ ایک نہر بہ رہی ہے اور جب یہ معلوم ہوا کہ یہ حضرت عثمان بن مظعون کی ہے انھوں نے آکر یہ خواب آنحضرت ﷺ سے بیان کیا، آپ نے اسکی تعبیر میں فرمایا اذْكَرَ عَمَلُهُ يَجُوزِي لَهُ، یعنی یہ نہر ان کا عمل ہے جو ان کے لئے بہ رہی ہے (بخاری کتاب التبعیر) ان دونوں سابقہ حالوں سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ ایمان کی تشبیل سدا بہار و رخت، اور عمل کی تشبیل نہرواں سے ہے، اس بنا پر اہل جنت کے لئے بار بار جس باغ اور نہر جاری کی بشارت دی گئی ہے، وہ حقیقت میں ان کے ایمان اور عمل صالح کی تشبیلی شکلیں ہوں گی، ان کا ایمان خوشنما اور سدا بہار باغ، اور ان کے اعمال صالحہ صاف و شفاف نہر کی صورت میں نمایاں ہونگے اور وہ ان سے لطف و لذت اٹھائیں گے،

اسی قیاس پر جنت کی دوسری لذتوں اور مسترتوں کی حقیقت کی تشریح کیجا سکتی ہے، علوم نبوی کے ایک بڑے دانشور اور امیر اشرعیت کے ایک بڑے دانائے راز شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ حجۃ اللہ الیہ لکھتے ہیں،

| | |
|-----------------------------|---|
| والذوالوقائع الحشریۃ من هذا | حشر کے واقعات از قبیل تشبیل ہیں..... |
| القبیل..... | حال یہ کہ |
| وبالجملۃ فتشبیحات وتمثلات | یہ تمام امور معانی کا جسمانی قالبوں میں |
| لما عندھا..... وتتشبیہ | مثالی صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے..... |
| النعمة بمطعمه هنیئ ومشراب | اللہ تعالیٰ کی عنایت |
| مریئ و منکر شہی و ملبس ضعی | دور بانی خوش مزہ کھانے خوشگوار پینے |

و مسکن بھی،

کی چیزوں، رغبت انگیر لذت نکاح، و پسند

(ص ۳۶ - ہند) لباس اور عمدہ مسکن کی صورتوں میں نمایاں ہوگی،

ہم نے آیات و احادیث کے حوالوں سے پہلے کئی دفعہ یہ دکھایا ہے کہ اس تشیل و تشیح کے

کیا معنی ہیں اور کیونکر غیر مجتم معانی، اپنے مناسب قابلوں میں مجتم ہو کر وجود پذیر ہوتے ہیں، دنیا کے تمام اعمالِ صالحہ کی اگر تحلیل کی جائے تو ان کی اولاد و قسمن بکلیں گی، خدا پر ایمان اور خلوص

دل سے اسکی طاعت جس کو حقوق اللہ کہتے ہیں اور دوسری بندگانِ الہی کیساتھ حسن سلوک، بندگانِ الہی کیساتھ جو نیک سلوک کیا جاسکتا ہے وہ یہی ہے کہ انکی عزت و آبرو کا پاس کیا جائے جس کو

عفت و عصمت کہتے ہیں، اور ان کے ضروریاتِ زندگی کے متیا کرنے میں امداد کی جائے اور ضروریاتِ زندگی سے کھانا پینا، پہننا، اور رہنا ہیں، ان ہی کی نسبت ہم ان کے ساتھ حسن سلوک

کر سکتے ہیں، اب یہ پانچ قسمیں ہوں، جنت کی نعمتیں ان ہی پانچ قسموں میں منحصر ہیں ایمان و اخلاصِ اطاعت کی جزا وہ خود تبارک و تعالیٰ ہے، وہ اپنے قرب اور اپنے دیدار سے نوازے گا،

عفت و عصمت کی جزا حسین و جمیل بیویوں کی صورت میں نمایاں ہوگی، دوسروں کے کھلانے کی جزا حیت کے باغ اور پھل اور قسم قسم کے الوانِ طعام ہیں، دوسروں کو پلانے کی جزا خوش مزہ خوشبو

پینے کی مختلف چیزوں کی فراوانی ہے، پہنانے کی جزا ریشم و حریر و بیاداس اور بہتر سے بہتر خوشنما لباس ہے، اور رہنے اور رکھنے میں حسن سلوک کی جزا خوش منظر مکان و قیامگاہ ہے،

ایک اور پہلو سے دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی بہشت کی صفت بیان فرمائی

ان لک الا تجوع فیہا ولا تعریٰ بے شک تیرے لئے اس بہشت میں نہ

وَإِنَّكَ لَا تَظْمُونَهَا وَلَا تَضْحَىٰ
بھوکا ہونا، نہ ننگا ہونا، اور نہ پیاسا ہونا،

(طہ - ۷) نہ دھوپ میں رہنا،

یہی چار مختصر انسانی ضرورتیں ہیں، جو پھیل کر ایک دنیا ہو گئی ہیں جب آدم کی اولاد کو اپنے اعمال صالحہ کی بدولت نجات ملے گی تو پھر ان کے لئے وہی بہشت ہے جس میں نہ بھوکا ہونا، نہ پیاسا ہونا، نہ ننگا ہونا، نہ گرمی اور نہ دھوپ کی تکلیف میں گرفتار ہونا، اس حقیقت کی تعبیر دو طرح سے کی جا سکتی ہے، یا تو یہ کہ بہشت میں اہل بہشت کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ وہ ان تمام انسانی ضرورتوں سے یکسر پاک و بے نیاز ہو جاتے ہیں، اس لئے وہاں نہ کوئی بھوکا ہوگا نہ پیاسا، نہ ننگا ہوگا، اور نہ دھوپ اور لو کی سختی میں گرفتار، دوسرے یہ کہ بہشت میں اہل بہشت کو کھانے کے لئے ایسے الوانِ نعمت ملیں گے جن کو کھا کر انسان پھر بھوکا نہ ہوگا، اور پینے کے لئے شراب و شربت کی وہ نہرین بہیں گی جن کو پی کر پھر پیاسا نہ ہوگا، اور پہننے کو وہ کپڑے ملیں گے جو پھر نہ میلے ہونگے اور نہ بوسیدہ ہو کر پھٹیں گے، اور رہنے کے لئے ایسے گھنے باغ اور بلند مکانات ملیں گے جہاں دھوپ کا گزرنہ ہوگا،

یہ اصول پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ دنیا میں انسان کے لئے جو لطف لذت ہو وہ تھوڑی سی تکلیف کا نتیجہ ہے، انسانی اصول یہ ہے کہ بڑی لذت کے حصول کے لئے تھوڑی تکلیف گوارا کرتا ہے، اور بڑی مسرت پر چھوٹی چھوٹی مسرتوں کو قربان کرتا ہے، اسی اصول پر اس کے تمام اعمال کی کامیابی و ناکامیابی کی بنا پر اعمالِ صالحہ کے بجالانے میں انسان کو اس دنیا میں چھوٹی چھوٹی تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی ہیں، اور اپنی عارضی خوشیوں اور

لذتوں کو اُن پر قربان کرنا ہوتا ہے صبح کے نمازی کو خوابِ سحر کی لذت کو خیر باد کہنا، اور دوپہر کی حلقی دھوپ میں نذر کے لئے مسجد جانا پڑتا ہے خود بھوکا رہ کر دوسروں کو کھلانا پڑتا ہے، اپنی بہت سی ناجائز مگر بظاہر دلچسپ خوشیوں کا ایشہ کرنا پڑتا ہے، اس طرح پاکیزہ زندگی گزارنے پر اُس کو آخرت کی غیر فانی دولت اور ابدی سعادت میسر آتی ہے،

انسان کو دنیا میں ان اعمالِ صالحہ کی خاطر جن چیزوں کو قربان کرنا پڑتا ہے ان میں پہلی چیز تو خود اس کی زندگی ہے، پھر انسانی زندگی کی وہ چار قسمیں ہیں جن کا نام کھانا پینا اور رہنا ہے، اس لئے آخرت میں ان قربانیوں کی جزا میں ان ہی کے مناسب مائل جو خیرات ملیں گی، وہ غیر فانی زندگی، الا ان طعام، اقسام شراب و شربت، انواع لباس اور تہن مسکن ہیں، قرآن پاک میں ہے،

| | |
|---|--|
| پس جس نے خدا سے سرکشی کی اور دنیاوی | فَاَمَّا مَنْ طَغَىٰ ۙ وَآثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۗ |
| زندگی رکے ناجائز لطف، آرام، کو ترجیح | فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاوِي ۙ وَاَمَّا مَنْ |
| دی تو دوزخ اس کا ٹھکانا ہو سکیں جو خدا | خَافَ مَقَاهِرَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ |
| کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور اپنے نفس کو | الْهَوٰى ۙ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاوِي ۙ |
| ناجائز خواہشوں سے روکا تو اس کا ٹھکانا | (نازعات ۲۰) |

گو اس کی جزئی نیکیوں کی جزا، تو وقتاً فوقتاً اس دنیا میں تھوڑی تھوڑی کر کے شہرت، تعریف ہر دلعزیزی، اور دولت کی صورت میں ملتی رہتی ہے، مگر پوری زندگی کی مجموعی جزا دوسری زندگی ہی میں اس کو ملے گی،

وَإِنَّمَا تُوَفُّونَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ
اور تمہاری مزدوری قیامت کے دن

الْقِيَامَةِ ط (ال عمران - ۱۹) پوری ادا کی جائے گی،

لطف دستر کا تصور | دستر ایک نفسی کیفیت کا نام ہے جو انسان کو اپنی کسی خواہش کے

پورے ہوتے وقت حاصل ہوتی ہے، اس بنا پر دستر کے وجود کے لیے کسی خواہش کی تکمیل

ضروری ہے اب انسانی خواہشوں کی تحلیل کر دو تو بالآخر ان کی انتہا انہی باتوں پر ہوگی جن کی طلب اس

کی فطرت کے اندر ودیعت کر دی گئی ہے، اب غور کرو کہ وہ کیا چیزیں ہیں، یا کیا چیزیں اس کے فہم

میں آسکتی ہیں، وہ یہی ہیں، باغ و بہار، لباس و طعام، حور و قصور، خدم و حشم، سامان اسباب و

ذرو جو ہر دستر اور راحت کا جب کبھی تخیل آئیگا، اور جب کبھی ہم ان کو سمجھنا چاہیں گے، اور کہنا

چاہیں گے تو ہم کو ان ہی چیزوں کا نقشہ کھینچنا پڑیگا، اور ہماری انسانی فطرت انہی دستروں

خوشیوں کو ڈھونڈنے کی عادی ہے، اور ان ہی کے حصول کی خاطر دنیا میں ہر طرح کی کامی

اور گنہگاری کی ترکیب ہوتی ہے، اس لئے ان سے احتراز کرنے پر جو چیزیں ہم کو وہاں ملیں گی

وہ ہمارے ان ہی عادی و مانوس اسباب دستر کی صورتوں میں ہمارے سامنے پیش

ہوں گی، اور ہم ان سے لطف اندوز ہوں گے،

لطف دستر کا اعلیٰ ترین تخیل | اس دنیا سے کون و فساد میں ہم ایک عجیب قسم کی مصیبت میں مبتلا

ہیں، ہم کو تخیل کے کماط سے اپنی آرزوؤں اور خواہشوں کو وسیع اور غیر محدود دنیا بخشنی گئی ہے

لیکن عملاً اپنی اپنی خواہشوں اور تمناؤں کے مطابق اپنی دنیا بنا لینے پر قدرت نہیں، نتیجتاً

یہ ہے کہ اگر ہم نے صبر و شکر کا دامن نہیں پکڑا ہے تو ہم سے زیادہ اس دنیا میں تصور

تخیل کی تکلیف میں کوئی اور گرفتار نہیں، جنتِ آخرت کی اُس دنیا کا نام ہے جو ہمارے اعلیٰ تر تخیل اور ہماری تئساؤں اور آرزوؤں کے مطابق ہوگی،

جنتِ عدنِ نَدِ خُلُوْنَهَا مَجْرِي
رہنے کے باغ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں، ان
مِنْ تَحْتِهَا اِلَّا نَهْرٌ لَّهُمْ فِيْهَا مَا
کے لئے ان باغوں میں وہ ہر جو وہ چاہیں
يَشَاءُوْنَ ؕ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ
اللہ اسی طرح پرہیزگاروں کو بدلہ دینگا،
الْمُتَّقِيْنَ ۗ (نحل - ۴)

وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْ اَنْفُسُكُمْ
اور تمہارے لئے جنت میں وہ ہر جو تمہارے
وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ (تَحْمُّ السُّجُوْدِ) ^{میں سے}
دل چاہیں، اور تمہارے لیے اس میں وہ ہر جو
لَهُمْ مَا يَشَاءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا
ان کے لئے جنت میں وہ ہر جو وہ چاہیں، اور
مَزِيْدٌ ۗ (ق - ۲)

وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَ
ہمارے پاس اس سے بھی بڑھ کر ہے،
تَلٰٓئِنِ الْاَعْيُنُ ۗ (زخرف - ۷)
اور جنت میں وہ ہر جس کی دل خواہش
لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاءُوْنَ خٰلِدِيْنَ كٰلِكَ
کرین، اور جو آنکھوں کو لذت دے،
عَلٰٓى رَّبِّكَ وَعَدًّا مَّسُوْرًا (فرقان)
ان کے لئے جنت میں وہ ہے جو وہ چاہا
لَهُمْ مَا يَشَاءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ
کریں گے، یہ وعدہ ہے تیرے رب کے ذمہ،
ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس
وہ ہے جو وہ چاہیں گے، (زمر - ۲)

الغرض جنت وہ مقام ہے جہاں ہم کو وہ کچھ ملے گا جہاں تک ہمارا مرغِ خیال نہ لڑ کر پہنچ سکتا ہے۔

لطف و مسرت کا وہ بلند سے بلند تخیل جو تصور میں آسکتا ہے وہاں ہماری لئے تیار ہوگا، صحت
 میں ہر قسم کے لوگ تھے، جنت کے سامان مسرت کے متعلق وہ اپنی اپنی پسند اور آرزو کے مطابق
 آپ سے پوچھتے رہتے تھے، اور آپ جواب دیتے تھے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے
 فرمایا کہ جنت میں جو سب کم رہے ہوگا اس کی کیفیت بھی یہ ہوگی کہ خدائے تعالیٰ اس سے فرمایا کہ
 اپنی انتہائی آرزو دل میں خیال کر وہ کرے گا تو خدا فرمایا کہ تجھ کو وہ سب یا گیا جس کی تو نے آرزو کی
 تھی اور اس کے برابر اور یہاں تک کہ بازار کا شوق ہوگا تو بازار بھی لگیگا لیکن وہ یہی خرید و فروخت
 نہ ہوگی کہ وہاں کسی چیز کی ہوگی، بلکہ وہ مثالی صورتوں میں ہوگی (الا الصور من الرجال)
 کسی کو جنت میں کھتی کا شوق ہوگا تو وہ سبزہ غلہ اور پھرتیاری، یہ سب کام منٹوں میں
 انجام پا جائیگا، ایک بڑی نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں گھوڑے بھی ہوں گے فرمایا کہ
 اگر تم کو جنت ملی تو اگر تم یہ بھی چاہو گے کہ سرخ یا قوت کا گھوڑا ہو جو تم کو جہاں چاہو بہشت میں لے
 پھرے تو وہ بھی ہوگا، دوسرے نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ بھی ہوگا فرمایا کہ
 تم جنت میں گے تو تمہاری لئے وہ سب کچھ ہوگا جو تمہارا دل چاہیگا، اور تمہاری آنکھیں پسند کریں گے
 جنت میں اہل جنت کے مختلف رہتے ہوں گے، اس لئے اعلیٰ کے لباس و سامان
 کو دیکھ کر ادنیٰ کو اپنی کمی کا خیال ہوگا، تو اس کے تصور میں یہ پیدا کرو یا جائیگا (حقیقی تخیل ایسا ہے
 کہ خود اس کا لباس و سامان اس سے بہتر ہو اور یہ اس لئے ہوگا کہ جنت میں کسی کو غم ہونا ممکن نہیں

لے صحیح مسلم لے ترمذی، دیکھو مشکوٰۃ صفحہ ۱۰۰۰ لے صحیح بخاری لے ترمذی لے ترمذی،
 کل حدیثیں مشکوٰۃ صفحہ ۱۰۰۰ سے لی گئی ہیں،

جنت جہان کوئی جسمانی
دروہانی آزار نہیں

کسی صاحبِ اول نے جنت کی یہ تعریف خوب کی ہے، ع
بہشت آنجا کہ آزار سے نہ باشد

دنیا میں کوئی بڑی سے بڑی مسرور زندگی بھی ایسی نہیں مل سکتی جس کے پہلو میں مسرت
کے پھول کے ساتھ غم کا کوئی کاٹنا نہ چھوڑا ہو، یا تو موجودہ مسرت کے آئینہ ختم ہو جانے
کا خوف ہو اور یا گذشتہ ناکامی کا افسوس ہو اس بنا پر یہاں کی کوئی خوشی بھی کامل نہیں، مگر جنت
مقام ہوگا جہاں نہ ماضی و حال کا غم ہوگا اور نہ مستقبل کا خوف ہوگا چنانچہ اہل جنت کے متعلق آیا ارشاد ہوا
لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ
وہ ان کو خوف ہوگا اور نہ غمیں ہوں گے،

اور یہی بہشت کی سب سے بڑی نعمت ہوگی، اس میں جسمانی دروہانی ہر قسم کی نعمتیں داخل ہیں،
دنیا میں کوئی انسان اُس وقت تک کوئی لقمہ گلے سے نہیں اتار سکتا، اور نہ کوئی چھڑا
بدن پر رکھ سکتا، جو جب تک اُس کے سر کا پسینہ پاؤں تک نہ آئے دنیا کی تمام فانی مسرتیں بہار
فانی کوششوں کا فانی نتیجہ ہیں، مگر جنت کی خوشیاں بے غم و تکلیف ہماری گذشتہ فانی نیکیوں کا
غیر فانی نتیجہ ہیں، اور محض اللہ تعالیٰ کا رحم و کرم ہو کہ وہاں ہم کو ہماری آسائش کا تمام سامان
قسم کی ادنیٰ زحمت و مشقت اٹھائے بغیر میسر آئیگا، جس کے بغیر دنیا میں کوئی انسان زندہ
نہیں رہ سکتا، اور جس کی کشمکش سے یہ دنیا ہر انسان کے لئے دوزخ بنی ہے، چنانچہ اہل جنت
جنت میں داخل ہو کر اور شاہانہ تزک و احتشام اور لباس و زیور سے آراستہ ہو کر خدا کی حمد و تعریف

کا ترانہ ان لفظوں میں گائیں گے،

جنت عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا
رہنے کے باغ جن میں وہ داخل ہوں گے

يَجْلُونَ فِيهَا مِنَ اسَاوِرٍ مِنْ ذَهَبٍ

وَلَوْلُؤُا جَ وَ لِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي اَذْهَبَ

عَنَّا الْحَزْنَ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ

بِالَّذِي اٰحْتَنَا دَا اِنَّا الْمَقَامَةُ مِنْ

فَضْلِهِ لَ اَيْمٰنًا فِيهَا نَصَبٌ وَّ

لَ اَيْمٰنًا فِيهَا الْعُوْبُ

(فاطر - ۱۲)

لَا يَمْسُهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَّ مَا هُمْ

مِنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ (حجر - ۴۵)

سے نکالے جائیں گے،

جنت جہاں رشک حد نہیں | موجودہ دنیا خیر و شر کے متقنا و عناصر سے بنی ہے یہاں ثواب کے

ساتھ گناہ، رحم کے ساتھ سنگدلی، محبت کیساتھ کینہ، یہ گناہ دیکھنا اور بغض و حسد وہ آگ ہے جس نے

یہاں کے قلبی امن امان کے خرمین میں آگ لگا رکھی ہے، ہر شخص یہاں دوسروں کی اچھی حالت

کو دیکھ کر جلتا ہے اور دوسروں پر غصہ کے جوش و خروش سے اُبتا ہے، جنت وہ عالم ہے جہاں

اس آگ اور سیلاب کا وجود نہ ہوگا، ہر قسم کے گناہ، سنگدلی، عداوت اور بغض و حسد کا خاتمہ

ہوگا اور خالص محبت و الفت کے دریا موجزن ہوں گے، فرمایا:-

لَا يَمْعُرُونَ فِيهَا الْغَوَا اَللّٰهُمَّ (مریم - ۴۲) اے میں و سلامتی کے سوا کوئی بیہودہ بات نہیں سنیں گے

ان میں وہ سونے کے کنگن اور نوتی پہنائے

جائیں گے، اور ان کی پوشاک ان میں رشیم

ہوگی، اور وہ کہیں گے پاک ہے وہ جس نے

ہم سے غم دور کر دیا، بیشک ہمارا پروردگار

گناہوں کا معاف کرنے والا ہے، اور

نیکوں کی قدر کرنے والا ہے، اور جس نے

ہم کو اپنی مہربانی سے رہنے کے گھر میں آمارا

اور ہم کو وہاں نہ مشقت پہنچی اور نہ اس میں

اس میں ان کو کوئی آزار نہ ہوگا، اور نہ وہاں

سے نکالے جائیں گے،

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غَلٍّ
 وَنَجَّوْنَاهُمْ مِنَ ظُلُمَاتٍ إِلَى نُورٍ (اعراف ۵)
 اور ہم نے ان کے سینوں سے کینہ کو کھینچ لیا،
 ان کے نیچے نہیں بہتی ہیں،
 اور ہم نے ان کے سینوں سے کینہ کو کھینچ لیا،
 بھائی بھائی بنکر تختوں پر آنے سامنے بیٹھے ہوں گے
 إِخْوَانًا عَلَى سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ (حجرات ۱۲)

اسی کی تفسیر میں حدیث صحیح میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ وہاں نہ دلوں کا اختلاف ہوگا نہ باہم
 بغض اور کینہ، سب کے دل ایک دل کی طرح متحد ہوں گے۔

وہاں کی جہانی زندگی کیسی ہوگی؟ بہشت میں زندگی کی جو لذتیں ہوں گی، ان کی تعبیر الوانِ نعمت

اور انواعِ ثمرات و شراب، اور دوسرے مادی لذائذ سے ہو سکتی ہے، مگر وہ حظ و مسرت اور طینت
 و سکینت کے علاوہ کسی معنی میں بھی مادی خصوصیات سے آلودہ نہ ہوں گی، یہاں سر کھانے پینے

کے ساتھ بول و براز، پسینہ اور سوسہ ہضم کی علت لگی ہوئی ہے، اور بغیر اس کے انسان یہاں زندہ
 نہیں رہ سکتا، مگر وہاں یہ کچھ نہ ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت کھائیں گے اور

بیس گے، لیکن نہ تھوکیں گے، نہ وہاں بول و براز کی حاجت ہوگی، نہ وہاں ناک سے رطوبت نکلیے گی،
 نہ بلغم اور کھلکا، جیسی گھنونی چیزیں ہوں گی، کھانا ایک ڈکار میں ہضم ہوگا، وہاں پسینہ نہیں

کی خوشبو ہوگی، جو بہشت میں داخل ہوگا، اس کو وہ نعمت ملیگی کہ پھر کبھی تکلیف نہ ہوگی، نہ ان
 کی پٹے بوسیدہ ہونگے اور نہ انکی جوانی زائل ہوگی، وہاں مٹا دی غیب یہ بکار کر کہد یگا، یہاں دستار

ہر کہ بیار نہ پڑو گے، وہ زندگی ہے کہ پھر موت نہ آئے گی، وہ جوانی ہے کہ پھر بوڑھے نہ ہو گے اور

آرام ہے کہ پتھر کلیف نہ پاؤ گے، لوگوں کے چہرے اپنے اپنے اعمال کے مطابق چمکیں گے، کوئی ستارہ کی طرح، کوئی چود ہوئی کے چاند کی طرح۔

غور کرو کہ وہ جسمانی زندگی، ہماری موجودہ جسمانی زندگی سے کتنی مختلف ہوگی، اس پر تعجب نہ کرنا چاہئے، انسان کبھی شکم مادر میں ایک بچہ کی صورت میں زندہ تھا، مگر وہاں اسکی زندگی، اسکی غذا، اُس کی سانس اور دوسرے لوازم حیات، بیرون شکم کے دنیاوی اصول حیات و قوانین زندگی سے بالکل مختلف تھے، اور جس طرح شکم مادر میں بچہ کا اس بیرونی زندگی کے حکایات کو تعبیر کے ساتھ سن کر مادہ انکار ہونا دانشمندی نہ ہوگی، ایسے ہی اس مادی زندگی کے خوراک اور اس عالم آب و گل کے باشندے اس دوسری زندگی کے اصول حیات، طرز غذا، اور دوسرے لوازم حیات کو سن کر مادہ انکار ہوں تو ان کا یہ فعل بھی دانشمندی کے خلاف ہوگا،

جنت ارتقاے روحانی ہے | مادی و جسمانی خلقت فطرت کی لاکھوں برس کی تاریخ کے مطالعہ اور تحقیق سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہے کہ مادہ نے لاکھوں برس کے تغیرات کے بعد انسانی جسم تک ترقی کی ہے، وہ پہلے جماد بنا، پھر نبات کی شکل میں آیا، پھر حیوان کا قالب اختیار کیا، پھر جسم انسانی کی صورت میں نمودار ہوا، اور یہ مادیت کی معراج ترقی ہے، جمادیت ٹکڑی نباتیت پیدا ہوئی، نباتیت فنا ہو کر حیوانیت نمودار ہوئی، پھر حیوانیت معدوم ہو کر انسانیت ظہور پذیر ہوئی اور ارتقا کے انسانی کا جسمانی پہلو تکمیل کو پہنچ گیا، لیکن انسانیت کا دوسرا رخ جو روحانیت سے عبارت ہے، ہنوز اپنے آغاز طفولیت میں ہے، کیا اس پر بھی اسی ارتقائی دور کے مدارج نہیں آئیں گے،

لہٰذا یہ ساری حدیں صحیح مسلم صفتہ اچھے میں ہیں،

ایک مادہ پرست صرف باہم ارتقا تک زینہ زینہ چڑھ کر ٹھہرتا ہے لیکن مذہب اس سے بھی آگے
 لے چلتا ہے اور یہاں سے وہ اڑ کر سقفِ آسمان تک پہنچتا ہے، اور ملکوتیت کی سرحد کی ترقی شروع
 کرتا ہے، قرآن پاک کی ان آیتوں پر غور کرنے سے اس نظریہ کے اشارات بخلتے ہیں،

الَّذِينَ يَرْتُونَ الْفُرْدُوسَ هُمْ

جو فردوس کی وراثت پائیں گے، اور وہ اس

فِيهَا خَالِدُونَ، وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ

میں سدا رہیں گے اور ہم (خدا) نے انسان کو مٹی

مِنْ مَّسَلَّةٍ مِّنْ طِينٍ نُّوحَجَلْنَاهُ

کی کشید سے بنایا، پھر اس کو درجہ انسانی کے ایک

نُطْفَةٍ فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ نُّوْخَلَقْنَا

ٹھہراؤ کی جگہ میں ایک بوند بنایا، پھر اس بوند کو

النُّطْفَةَ عَلَقَةَ فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً

بندھا ہوا خون بنایا، پھر اس خون کو لوتھڑا

فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظْمًا فَلَسَوْنَا لِعِظْمٍ

بنایا، پھر اس لوتھڑے کو ہڈیاں بنایا، پھر

لِحَمَاقٍ ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ

ہڈیوں کو گوشت پہنایا، پھر اس کو ایک نئی

فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ط

صورت میں اٹھا کر کھڑا کیا، تو برکت والا

سب بہتر بنانے والا (خدا)

(مومنون - ۱)

لیکن یہ ترقی ہمیں تک پہنچ کر رک نہیں جائے گی، بلکہ آگے بھی ہوگی، اس لئے جس طرح ما

کے پیٹ کی تنگ و تاریک دنیا میں زیت و حیات کے کچھ قواعد تھے، پھر عالم کی اس سے بھی

وسیع تر دنیا میں اُس نے قدم رکھا، جہاں ترقی و حیات کے دوسرے ہی اصول ہیں، اسی

طرح اس دنیا سے نکل کر اُس وسیع تر دنیا میں قدم رکھے گا، جہاں ترقی اور

سعادت کے اور دوسرے اصول ہوں گے، چنانچہ اس کے بعد ہی فرمایا،

ثُمَّ إِنَّكُمْ لَعَبْدَ ذَلِكَ لَمَيِّتُونَ ثُمَّ
 پھر بیشک تم اس کے بعد مرنے والے ہو، اور
 إِنَّكُمْ لَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُونَ (مومنوں)

جس طرح انسانیت سے پہلے لاکھوں برس میں ایک نوع کی کیفیت مٹ کر دوسری
 نوع کی کیفیت پیدا ہوتے ہوئے انسانیت تک نوبت پہنچی، موت کے معنی یہ ہیں کہ اب نوع
 انسانی کی تمام کیفیات مٹ کر ایک بلند تر نوع کی کیفیتوں کی تیاری شروع ہوئی، صد ہا ہزار
 سال کے بعد قیامت سے دوسری نوع ملکوتی کا ظہور ہوگا،

یہاں مسئلہ ارتقاء کا دوسرا اصول سامنے آتا ہے، جس کو بقاے اصلاح کہتے ہیں،
 ان مدارج ترقی کے اثنا میں ہزاروں وہ نوعیں فنا ہوتی رہتی ہیں جنہیں آگے بڑھنے کی صلاحیت
 نہیں ہوتی، اور وہی باقی رہ جاتی ہیں جنہیں آئندہ بقا کی پوری استعداد ہوتی ہے، جس طرح پھلپنی استعداد
 سے آئندہ کی استعداد پیدا ہوتی ہے، اسی طرح اس دوسری ملکوتی نوع کی استعداد ان ہی کو ملتی
 ہے جن کے اندر اپنی پھلپنی مادی و جسمانی زندگی میں اسکی استعداد پیدا ہو چکی تھی، دوزخ کے درجے
 ان لوگوں کے مقامات ہیں جو گویا ہنوز، جامداتی و نباتی و حیوانی منزلوں میں ہیں اور ممکن ہے
 کہ وہ اس دارالامتحان میں اپنی کمی استعداد کے بقدر رہ کر آگے کی استعداد پیدا کر لیں،
 اور ملکوتیت کی ترقی حاصل کر سکیں،

بہشت کے مختلف مدارج ان کی استعدادوں کے مقامات ہیں جو اپنی پہلی ہی زندگی
 میں اس ترقی کی استعداد پیدا کر چکے تھے، لیکن یہاں پہنچ کر بھی ان کی روحانی ترقی کا دروازہ بند
 ہوگا، بلکہ وہ بقدر استعداد تکمیل کے مدارج طے کرتے چلے جائیں گے، شاید اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان رہبشتیوں کے لئے زخم ہونیوالی

فَلَمْ يَجْرِعْ غَيْرَ مَمْنُونٍ ط

مزدوری ہے،

(تین - ۱)

ایک دوسری آیت میں ہے کہ نشاۃ ثانیہ میں اہل ایمان کے آگے چھپے رہنے بائیں

نور ہوگا، پھر بھی دعا کریں گے،

ان کا نور ان کے سامنے اور دہنے دور ہوگا

نُورُهُمْ نَسِيءٌ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَ

اور وہ کہیں گے، اے ہمارے پروردگار

بِأَيِّمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَنْتَ لَنَا

ہمارے نور کو کامل اور ہم کو معاف کر، تو

نُورَنَا وَاعْفُ لَنَا جِ انكَ عَلَى كُلِّ

ہر بات کر سکتا ہے،

شَيْءٍ قَدِيرٌ (تخویر - ۲)

مومنوں کے لبوں پر اللہ کے بخشے ہوئے نور کی مزید تکمیل اور تمام کی دعا، ادھر

اشارہ کر رہی ہو کہ ان کے مدارج میں ترقی ہوتی رہے جس کا اقتضائے خدا کی ربوبیت کا نشاۃ

ثانیہ میں سلامتی کا گھر | انسان امن و سلامتی کا بھوکا ہے لیکن وہ اس امن و سلامتی کو اسباب

راحت کے انبار میں تلاش کرتا ہے، اور نہیں پاتا، وہ دنیا میں امن کا گوشہ ڈھونڈتا ہے،

اور وہ اس کو نہیں ملتا لیکن یہاں اگر اس کو نہ صرف امن کا گوشہ، بلکہ امن و سلامتی کی ایک

دنیا ملے گی وہ پرند جو عمر بھر چار عناصر کے قفس میں گرفتار رہا، یہاں وہ سدرۃ المنتہیٰ کی شاخ

پر آزادانہ پرواز کرے گا، جنت کے جہاں وحی محمدی نے اور بہت سے نام بتائے ہیں، وہاں اس

کا ایک نام دارالسلام بھی بتایا ہے جس کے معنی امن و سلامتی کے گھر کے ہیں،

اہل جنت کی نسبت ارشاد ہے،

لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ عِنْدَ رَبِّهِمْ
ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس

(انعام - ۱۵) سلامتی کا گھر ہے،

اللہ تعالیٰ نے جس شریعت کو دیکھا اپنے پیغمبر علیہ السلام کو مبعوث فرمایا ہے، وہ
حقیقت میں اسی امن و سلامتی کی نوید و بشارت ہے، اسی لئے فرمایا۔

وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى دَارِ السَّلَامِ (نور)

اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو سب سے پہلے اس امن و سلامتی
کے گھر کی دعوت پیش فرمائی۔ عبد اللہ بن سلام ایک یہودی عالم تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

جس صدائے نبوت نے سب سے پہلے ان کے دل میں گھر کیا وہ یہ تھی ”لوگو! سلامتی پھیلاؤ، بھوکوں

کو کھلاؤ، جب نیا عقلت کی نیند سوو تو تم اٹھ کر خدا کی عبادت کرو! امن و سلامتی کے گھر میں نہاں ہو کر نصیب

جنت کے ذکر میں اس امن و سلامتی کا تذکرہ قرآن پاک میں بار بار آیا ہے، ایسا معلوم

ہوتا ہے کہ جنت کے در و دیوار سے امن و سلامتی کے ترانے سنائی دیں گے،

وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ
اور فرشتے ہر دروازہ سے ان کے سامنے

كُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ
یہ کہتے ہوئے آئیں گے کہ تم پر سلامتی ہو کہ

فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ (رعد - ۲۶)

تم نے صبر کیا تھا، تو کیسا اچھا پھیلنا گھر کا،

وہاں امن و سلامتی کے سوا کچھ اور سنائی نہ دے گا،

إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا (واقعة ۱)

لیکن سلامتی سلامتی کی بکار،

فرشتے اہل جنت کو یوں کہیں گے،

بِاخْلُوقِهَا جَسَدِي بِذَلِكَ يَوْمَهُ

اس جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو،

یہ زندگی جاوید کا دن ہے،

الْخُلُودِ، (رق-۳)

اس میں سلامتی کے سوا کوئی اور یہود

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا الْغَوَا الْأَسْلَمًا

بات نہ سنیں گے،

(موجہ-۴)

جنت کا ایک اور نام قرآن میں مقام امین من والا مقام بتایا گیا ہے، فرمایا،

بے شک پرہیزگار لوگ امن والے

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ

مقام میں ہوں گے،

(رخان-۳)

مقام رحمت | خدا کی رحمت کب نہیں؟ اور کہاں نہیں؟ مگر دنیا کے فطری قوانین کے بموجب

اس دنیا میں ایسے واقعات اور حادثے بھی پیش آجاتے ہیں جن کو ہم رحمت کے بجائے قہر الہی سے

تعبیر کرتے ہیں، پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ خود ہم کو ہمارے اعمال کی بدولت خداوند تعالیٰ کے قہر

غضب میں مبتلا ہونا پڑتا ہے لیکن ایک عالم وہ ہے جہاں اس کی رحمت کے سوا اس کے قہر

غضب کا نام و نشان نہ ہوگا، وہاں ہر طرف اس کی رحمت اور فیض و کرم کی بارش ہوگی اور

اس کی رحمت کے سوا وہاں کوئی اور منظر کہیں اور کبھی دکھائی نہ دے گا،

ان کا پروردگار ان کو اپنی رحمت خوشنودی

يُبَشِّرُهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَ

اور ان باغوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں

رِضْوَانٌ وَجَنَّتْ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ

ان کے لئے ہیشہ کا آرام ہے،

مَقِيلٌ لَا (توبہ-۳)

اہل جنت کو جن کے چہرے خوشی سے دکتے ہوں گے، یہ آواز سنائی دے گی

وَأَمَّا الَّذِينَ ابْصُرَتْ وُجُوهُهُمْ
لیکن جن کے چہرے روشن ہوئے تو وہ اللہ کی

رَحْمَةً اللَّهُ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (ال عمران)

مقام نور اجت نورا کا وہ مقام ہے جہاں ظلمت و تاریکی کا نام و نشان نہ ہوگا، جنتیوں کے

چہرے روشن ہوں گے، کوئی ستاروں کی طرح چمکے گا، اور کوئی چاند کی طرح، ہر طرف ان کے

انوار کی بارش ہوگی، آگے پیچھے، داہنے بائیں ہر سمت سے نور و رخشاں ہوگا، فرمایا،

نُورَهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَ

اُن کا نور اُن کے سامنے اور اُن کے

بِأَيْمَانِهِمْ، (تحریر-۲)

داہنے دوڑے گا،

اس دن اہل ایمان کے نور ایمان کی بجلیاں ہر طرف کو نہین گی،

يَوْمَ تَرَىٰ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ

جس دن تو مومن مردوں اور مومن عورتوں

يَسْعَىٰ نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ

کو دیکھے گا کہ ان کا نور اُن کے سامنے اور ان کے

بَشَرَانِكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ تَجْرَىٰ مِنْ

داہنے چمکے گا، آج تم کو خوشخبری ہو وہ باغ

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ

ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ

هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (حدید-۱۲)

رہا کرو گے، یہی بڑی کامیابی ہے،

اُس دن اہل نفاق اہل ایمان سے آرزو کریں گے کہ ذرا ٹھہر جائیے کہ ہمارے ظلمت کی

میں بھی ایک دم کے لئے روشنی ہو جائے،

يَوْمَ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ

جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں اہل

لِلَّذِينَ آمَنُوا أَضْرًا وَاَنَا نَفْسٌ

ایمان سے کہیں گی کہ ذرا ٹھہر دو کہ ہم بھی تمہارے

مِنْ نُورِ كَوْكَبٍ (حدید - ۲) نور سے روشنی لیں،

مقامِ رضوان | جنت کے انعامات کی فہرست میں سب سے آخری چیز مقامِ رضوان ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ سے راضی اور خوش ہونا کہ اُس کے بعد نہ کبھی وہ اپنے اس بندہ پر عتاب فرمائے گا نہ اُس سے ناراض ہوگا، بلکہ اس کو اپنی رضامندی اور خوشنودی کی لازوال دولت عطا فرمینگے متقیوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں رکھی ہیں، ان میں جنت، نہریں، پاک بیویاں، اور ان کے بعد روح کی مسرت رکھی ہے، لیکن ان سب کے بعد بھی اپنی سب سے آخری نعمت اپنی اسی رضامندی کو ظاہر فرماتا ہے، چنانچہ سورہ توبہ میں رحمت اور رضوان کے بعد جنت کے ذکر کو جگہ دی گئی ہے،

يَسِّرُهُمْ رَبُّهُم بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ
رِضْوَانٍ وَجَنَّتْ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ
مَّقِيمٌ - (توبہ - ۳)

سورہ حدید میں بھی اسی طرح منفرت اور ضاعے الہی کے بعد بطور تکرار جنت

کا ذکر آتا ہے، فرمایا،

وَفِي آيَاتِهِ عَذَابٌ شَدِيدٌ لِّأُولِي
مَغْفِرَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَمَا
الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ
سَابِقُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِّنَ رَبِّكُمْ

اور آخرت میں سخت عذاب اور خدا کی
بخشش اور رضامندی بھی ہے، اور دنیا کی
زندگی تو دھوکے کا سامان ہے اپنے
رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف دوڑو

وَجَنَّتِ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَ
الْأَرْضِ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا
بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ
يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ
الْعَظِيمِ (حَدِيد - ۳)

جس کا پھیلاؤ آسمان اور زمین کے پھیلاؤ کے
برابر ہے، یہ ان کے کیسے بنائی گئی ہے جو اللہ
اور اس کے رسولوں پر یقین رکھتے ہیں یہ اللہ
کی مہربانی ہی جس کو چاہتا ہے، دیتا ہے اور
اللہ بڑی مہربانی والا ہے،

سورہ آل عمران میں جنت کی تمام نعمتوں کو گنا کر ان کا خاتمہ رضوان کی عظیم الشان

بشارت پر کیا گیا ہے، فرمایا،

لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ
تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ
فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ
مِّنَ اللَّهِ، (ال عمران - ۲)

جنھوں نے پرہیزگاری کی، ان کے لئے ان کے نیچے
پروردگار کے پاس ایسے باغ ہیں جن کے نیچے
نہریں بہتی ہیں، ان میں وہ سدا رہیں گے اور
ان کی بیویاں اور اللہ کی خوشنودی،

سورہ توبہ میں جنت کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر نعمت رضوان الہی کو قرار دیا ہے،

وَعَدَّ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ
جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
خَالِدِينَ فِيهَا وَسَلِكُنَّ طِبَابَةً فِي
جَنَّتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ
الْكَبِيرِ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (توبہ - ۱۹)

اللہ نے باایمان مردوں اور عورتوں سے ان
باغوں کا وعدہ کیا جن کے نیچے نہریں بہتی
ہیں، ان میں سدا رہیں گے، اور رہنے کے
ستھرے گھر، اور اللہ کی رضامندی سے
بڑی بڑی عورتوں کی بڑی کامیابی ہے،

بہشت کی مطمئن روحوں کو یہ نویدِ مسترت سنائی جاتی ہے،

یا ایتھا النفس المطمئنة
اسے اطمینان والی روح، تو اپنے رب کے
ارجعی الی ربک راضیة مرضیة
پاس اسی طرح واپس جا کہ تو اس سے رضی

ہو اور وہ تجھ سے راضی ہو، (بخرا-۱)

اہل جنت کی یہ صفت آتی ہے،

رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ (مائدہ-۱۶) خدا ان سے خوش اور وہ خدا سے خوش

ان ہی آیتوں کی تفسیر میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ بشارت سنائی ہے کہ خداوند

تعالیٰ اہل جنت کو آواز دینگا کہ اے جنت والو! وہ جواب دین گے کہ اے خداوند ہم حاضر

ہیں، سب بھلائیاں تیرے پاس ہیں، فرمائے گا جنت کی نعمتیں پا کر، اب تم خوش ہو عرض

کریں گے پروردگار کیوں خوش نہ ہوں کہ تو نے ہم کو دیکھ دیا جو کسی کو نہیں یا فرمائے گا کہ میں ان تمام

گذشتہ نعمتوں سے پرہیز کر چھڑاؤ وہ تم کو دے دوں؟ کہیں گے اے پروردگار! ان سے بہتر کیا ہے؟ فرمائے گا

یہ کہ اپنی رضامندی و خوشی تم پر آروں پھر اس کے بعد میں کبھی تم سے ناراض نہ ہوں گا؟

مقامِ طیب و طاہر موجودہ دنیا کی ہر چیز آلودگیوں اور نجاستوں سے بھری ہے لیکن بہشت

مقام ہے جو پاکی، ستھرائی، لطافت اور طہارت کا منظر ہے اس میں وہی داخل ہوں گے، جو

گناہوں سے پاک ہو چکے ہوں، فرمایا،

طیبم فادخلوا خلدین (زمرہ) تم پاک ہو چکے تو جنت میں ہمیشہ کیلئے داخل ہو جاؤ

۱۵۔ صحیح بخاری و مسلم ص ۱۰۸۰

جو زندگی وہاں ملے گی، وہ بھی پاک و صاف اور ستھری اور جسمانی و روحانی الائیش سے بری ہوگی، فرمایا،

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ
وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً
طَيِّبَةً وَنُؤْتِيَنَّهٗ مِنْ جَدِيدٍ
مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ، (نحل ۱۳)

مرد ہو یا عورت جس نے مومن بن کر اچھے کام
کئے ہم اُس کو ایک پاک زندگی دیکر بلائیں گے
اور اُن کو ہم اُن کے سب سے بہتر عمل کے مطابق
بدل دیں گے،

جو گھر وہاں ملیں گے وہ بھی پاک و صاف اور ستھری ہوں گے،
وَمَسْكِنٍ طَيِّبَةٍ ، (صف ۲)

اور پاک گھر،

جو بویاں ملیں گی وہ بھی پاک ہوں گی،
وَأَزْوَاجٍ مُّطَهَّرَةٍ (آل عمران)

اور پاک بویاں،

وہاں کی جو بایں ہوں گی وہ بھی پاک،
وَهُدًى وَآلِ الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ
(حج - ۳)

اور اہل جنت کو پاکیزہ گفتگو کی طرف
رہنمائی کی جائے گی،

ان کو پینے کی جو چیز ملے گی وہ بھی پاک ہوں گی،

شَرَابًا طَيِّبًا ، (دھر - ۱)

پینے کی پاک چیز،

غرض کہ ہر چیز وہاں پاک صاف طیب ظاہر اور تمام روحانی جسمانی آلودگیوں سے میرا ہوگی
تمام تسبیح و تہلیل اس آرام و اطمینان کے بعد اہل جنت کی روحانی لذت اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تسبیح و

تہلیل ہوگی، یہ ان کی روحانی غذا ہوگی، وہ عالم جہاں ہر طرف انوار الہی برسیں گے، جہاں صفائی اور ستھرائی کے سوا کوئی اور منظر نہ ہوگا، جہاں قدس و نزاہت کی ہر طرف صورتیں نظر آئیں گی، وہاں حمد و ثنا کے روح افزا ترانے بھی ہر طرف سے بلند ہوں گے،

دَعُوا لَهُمْ فِيهَا بِسْمِكَ اللَّهُمَّ

جنت میں ان کی ندا یہ ہوگی کہ اے میرے اللہ!

وَحَيْثُ هُمْ فِيهَا سَلَامٌ وَأَخْرَجُوا لَهُمْ

تیری پاکی، اور ان کی آپس کی دعا، سلامتی

أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ،

ہوگی، اور ان کی آخری پکار یہ ہوگی کہ دنیا

کے پروردگار اللہ (تعالیٰ) کی حمد ہو،

(یوسف - ۱)

جنت کی تمام شاہانہ نعمتوں کے بعد بڑی نعمت یہ ہوگی کہ خدا کی بیخ تسبیح کی نئی

نئی پر لطف راہیں وہاں ان پر کھلیں گی، فرمایا،

إِنَّ اللَّهَ يَدْخُلُ الَّذِينَ آمَنُوا

بیشک اللہ ان کو جو ایمان لائے اور اچھے

وَعَمَلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ

کام کئے ان باغوں میں داخل کرے گا

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يُجْلُونَ فِيهَا مِنْ

جن کے نیچے نہریں تھی ہوں، ان میں ان کو

أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ لَوْ لَوَاهِرَ

سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے

لِيَأْسُوهُمْ فِيهَا خَيْرٌ وَهُمْ وَالِي

اور ان کی پوشاک ان میں ریشم کی ہوگی

الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُمْ وَالِي

اور وہ راہ دکھائے جائیں گے، اچھی بات کی

صِرَاطِ الْحَمِيدِ (حج - ۳)

اور وہ دکھائے جائیں گے اس سرباچار

وہ اپنے سر پر ورد اور نعمت کے شکر یہاں فرشتوں کیساتھ ملکر جو اللہ کا سرور سرمدی کھائے

اور یہ وقت ہوگا جب عالم وجود کے ہر گوشہ سے اس کی حمد کا ترانہ بلند ہوگا فرمایا:

وَقَالَ لَهُمْ خُزْنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ
 طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ وَقَالُوا
 الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقْنَا وَعَدَّهُ
 وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَّبِعُوهُ مِنَ الْجَنَّةِ
 حَيْثُ نَشَاءُ لَوْ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ
 تَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِينَ مِنْ حَوْلِ
 الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ
 وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ
 لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

(زمر - ۸)

اہل جنت کے متعلق قرآن پاک میں ایک جگہ ہے،

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا إِلَّا سَلَامًا
 وَلَهُمْ فِيهَا مَزْجٌ مُبْتَلًى
 وہ نہ سنیں گے وہاں بیکار بات، مگر سلام
 اور ان کی روزی اس میں صبح اور شام
 ہوگی،

(مربہ - ۴)

اس صبح و شام کی روزی سے مقصود کیا جنت کے کھانے کے لوانِ نعمت ہیں؟

اگر ایسا ہوتا تو صبح و شام کی تخصیص کیا تھی وہ تو ہر وقت سامنے ہونگے، میرا گمان یہ ہے کہ اس روزی

سے خدا کی تسبیح و تہلیل کی روحانی روزی اور آانی غذا مراد ہے، اور حدیث کے ان لفظوں کو اسی کی تفسیر جانتا ہوں، صبحِ مسلم میں جو کہ اپنے جنت کی نعمتوں کے سلسلہ میں فرمایا،

يُسَبِّحُونَ اللَّهَ بُكْرَةً وَعَشِيًّا، وہ صبح اور شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس

(صفة الجنة) کریں گے،

ایک اور حدیث میں ہے کہ اپنے فرمایا کہ اہل جنت کو خدا کی تسبیح و تقدیس کا ایہام ہو رہا ہے اور شاید قرآن پاک کی اس آیت کے یہی معنی ہوں،

وَهْدٌ وَآلِ الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ اور اچھی بات کی طرف ان کی رہنمائی کی

وَهْدٌ وَآلِ صِرَاطِ الْحَمِيدِ (حج ۳) جا سکی اور اس میں اپنا حمد کا راستہ ان کو بتایا جائیگا،

مقامِ قرب | اہل جنت کو جو کچھ نصیب ہو گا ان کے سوا سب سے اعلیٰ مرتبہ، قرب خاص کا مقام ہو گا بندے اپنے پروردگار کی حضوری کا شرف پائیں گے، قرآن پاک میں جا بجا ان کے لیے یہ آتا ہے جَزَاءُ هُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اُن کی جزا ان کے پروردگار کے پاس یہ قرب خاص کے اشارے ہیں، اور ایک جگہ یہ اشارہ اس تصریح سے بدل جاتا ہے،

اِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهْرٍ بے شک پر ہیز نگار بانوں میں اور نہروں

فِي مَقْعَدٍ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيٍّ ہیں، سچائی کی نشستگاہ میں اس بادشاہ

مُقَدِّرٍ، (قمر ۳) کے حضور جس کا سب پر قبضہ ہے،

دیدار | جنت کی سب سے آخری لیکن بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کی تکی کا نظارہ ہو کون ہو جو اس ناطق انوار کے دیدار کی تاب لاسکے، تاہم یا تو یہ آنکھیں کچھ اور ہوں گی، یا وہ نورِ ناطق

کسی خاص شان میں نمایاں ہوگا، اس وقت یہ عالم ہوگا کہ وہ نور کا مرکز بن کر نمودار ہوگا اور جنت کی مشاق نگہیں اُس کی طرف اٹھی ہوں گی،

وَجُودًا يَوْمَ مَبْدِئِ نَاضِرَةٍ اِلَى رِبِّهَا
نَاضِرَةٌ ۙ (قیامہ - ۱)
کتنے پہرے اُس دن تو تازہ اور اپنے پروردگار
کی سمت دیکھ رہے ہوں گے۔

اسی آیت کی تفسیر میں حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے پروردگار کو بالمشاہدہ دیکھو گے، دوسری روایتوں میں ہے کہ اپنے فرمایا کہ جیسے چاند کو تم دیکھ رہے ہو ایسے ہی تم اپنے پروردگار کو دیکھو گے، اس دیدار و رویت میں کوئی ایک دوسرے کا مزاحم نہ ہوگا، اس تشبہ سے رسول اللہ ﷺ کے دو مقصود ہیں، ایک تو شدت یقین کا اظہار کہ جس طرح تم اس روشن چاند کو بے شک و شبہہ دیکھ رہے ہو، اسی طرح بے شک و شبہہ اپنے پروردگار کو دیکھو گے، دوسرا مقصد یہ ہے کہ جس طرح لاکھوں کا مجمع بھی ہو تو سب لوگ ایک چاند کو یکساں حیثیت سے باطنیان اس طرح دیکھ سکتے ہیں کہ ایک کا دیکھنا دوسرے کے دیکھنے میں عائق نہیں ہوتا، اسی طرح دیدار الہی میں کمر و ڈون کا ہجوم خدا کے دیدار سے ایک دوسرے کا مانع نہ ہوگا، اتنا ہی نہیں، بلکہ جس دن صبحی اپنے پروردگار کے حضور میں پیش ہوں گے، ان کی زبان پر سلامتی کی دعا ہوگی،

يَحْيِيهِمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَامًا ۗ
(احزاب - ۶)
ان کی دعا جب وہ اپنے پروردگار سے
میں گے، سلامتی ہوگی،

بلکہ اس سے بھی بڑھکر یہ کہ وہ سراپا رحمت پروردگار خود اپنی زبان سلامتی کا پیام نکالے
 سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبِّ رَحِيمٍ، رحمت والے پروردگار کی طرف سے پیام

(بینین - ۱۴) سلامتی ہوگا،

بخاری میں ہے کہ آپ نے فرمایا خداوند تعالیٰ اپنے بندہ سے ترجمان کے بغیر خود کلام فرمایا گیا
 یہ روایت کیونکر ہوگی؟ اہل روایت لفظ کے قابل ہیں اہل عقل زیادتی ایمان کی تاویل کرتے
 ہیں اہل حقیقت اسکو اسما و صفات کی ناقابل بیان جلوہ انگیزی سے تعبیر کرتے ہیں لیکن فیصلہ یہ ہے
 ع یا لکن داویر ہا را بہ پیش داویر اندازیم

ان تعلیمات کا عملی اثر اوپر کے صفحات میں قیامت، حشر و نشر اور جنت و دوزخ کے پرے
 مناظر گذر چکے یہ ایمان بالنبی مذہب کی حقیقت کا اصلی جوہر ہے اور اسی کے یقین میں مذہب کی
 اصلی طاقت پوشیدہ ہے معلوم ہو چکا ہے کہ اہل عرب کو ان حقائق کی تسلیم سے کس قدر انکار تھا، مکہ
 مکرجی اٹھنا، اور اس موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ان کے نزدیک کس قدر مستبعد تھا، قرآن پاک کا
 بڑا حصہ شکر کے ابطال اور توحید کے اثبات کے بعد اسی حیات بعد الموت کی تلقین اور اس پر ایمان
 کی دعوت پر عمل پیرا حضرت ﷺ اپنے اکثر خطبوں میں اس کا حال بیان کرتے تھے اور جمہور کے خطبوں
 میں خصوصیت کے ساتھ سوہق تلاوت فرماتے تھے جس میں قیامت کے حالات ہیں مگر دیکھو کہ ۲۳ برس کی مسلسل
 تعلیم قرآن پاک کی تاثیر اور محمد رسول اللہ ﷺ کے فیض ہدایت سے نہ صرف ان کا انکار اور
 سے بدل گیا، بلکہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ مناظر ان کے دل و دماغ کی لوح میں منقوش ہو گئے تھے

۱۵ صحیح بخاری جلد ثانی باب کلام الرب،

یا وہوگا کہ اسلام کے آغاز میں ایک عرب شاعر نے طنزاً کہا تھا،

اموت تُدبِتُ ثَمَّ حَشْرًا حدیث خرافۃ یا اقرعہ

کیا مرنا ہی پھر صنیا، اور پھر اکٹھا ہوتا اے عمر کی ماں، یہ خرافات باتیں ہیں

لیکن چند ہی سال کے بعد یہ طنز اسکا ر، رفریقین سے بدل گیا، اور اس وقت عرب

کا شاعر یہ کہنے لگا ہم آسمان تک پہنچ گئے، اور خدا سے امید ہو کہ ہم اس سے بھی اونچے جائیں گے

وَإِنَّا لَنَزَجُّ فَوْقَ ذَلِكَ مَطْهَرًا اور ہم یہ امید رکھتے ہیں کہ اس سے بھی بلند

مقام میں ظہور کریں،

آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ استغفار فرماتے ہیں کہ آسمان سے بھی بلند مقام اور کیا ہو؟ عرض

کرنا ہی کہ جنت یا رسول اللہ؟ آپ فرماتے ہیں انشاء اللہ دیکھو کہ جن کی نظریں زمین سے اونچی

نہیں جا پاتی، تھیں ان کا تخیل آسمان سے بھی اونچا جانے لگا جن کو مر کر پھر صنیا و وراذ عقل معلوم

ہوتا تھا جنکو آخرت کے مواخذہ کا کوئی ڈرنہ تھا جن کو اپنی اعمال کی جوابدہی کی پرانہ تھی جو سزا و جزا کے

مفہوم سے بیگانہ تھے جو جنت و دوزخ کے تخیل سے نا آشنا تھے وہ اس ہولناک منظر سے ڈرنے لگے دوسری

زندگی پر ان کو اسی طرح یقین آگیا جس طرح آج کی زندگی پر تھا، آخرت کے مواخذہ سے وہ بید کی طرح

کانپنے لگے اعمال کی جوابدہی سے ترسان لہزاں رہنے لگے، سزا و جزا کے خوف سے وہ اپنے ہر عمل کی

باز پرس خود کرنے لگے جنت کا اشتیاق ان کو بڑی سی بڑی قربانی پر آمادہ کر دیتا تھا، دوزخ کا

ڈران کے دل کے اندر کے تیرا کو چھڑا کرتا تھا، ان کی آنکھوں کو اشکبار کھتا تھا، فیضانِ درمہاری

لے اصابہ اور استیجاب ذکرنا بوجہی،

کو دیکھتا رہی کے ساتھ ادا کرنے پر ہر لمحہ اُن کو آمادہ کرتا رہتا تھا، راحت کے خواب اور کام کے
 بستر سے اُن کو چونکا کر عمل کے میدان میں تمنا لے آتا تھا، اور ہر نیک کام اور عمدہ عمل کیلئے نیک
 ہمتیں سرگرم اور سرتاپا مصروفِ جدوجہد بنا دیتا تھا، تنہائی اور تاریکی میں اُن کے دل اور بدن کو
 برائیوں اور بد اعمالیوں سے باریک بینی سے ڈالنے کی ضرورت تھی اُن کے ضمیر و دل کے صفحوں کو شہرتِ خدا کی آنکھوں کے سامنے کھلا رکھتا تھا
 ایک فوسکی حقیقت کے متعلق دو صحابیوں میں جھگڑا تھا، آنحضرت ﷺ نے فریقین کی
 باتیں سن کر ایک کے حق میں فیصلہ دیدیا، پھر فرمایا میں بھی ایک دینی ہوں، مدعی اور مدعا علیہ میں سے
 ممکن ہے کہ کوئی زیادہ اچھا بولنے والا ہو جو اپنے دعویٰ کو خوبی کیساتھ بیان کرے اور میں اُس کے موافق
 اُس کا فیصلہ دوں، لیکن حقیقت وہ چیز اُس کی نہ ہو تو گویا میں اُس کے گلے میں آگ کا ایک ٹکڑا پھینکا
 رہا ہوں یہ سن کر فریقین پر یہ اثر ہوا کہ دونوں روئے لگے اور ہر ایک پنا حصہ دوسرے کو دینے لگا۔
 حضرت عمرؓ خدا کے مطیع و فرمانبردار تھے، رسول کے عاشق و شیدائے نیکوں سے الگ الگ
 تھے، جنت کی بشارت سے سرفراز تھے، تاہم آخرت کے مواخذہ اور خواہی سے اس قدر خوفناک تھے
 کہ ایک دفعہ انھوں نے کہا کہ اگر وہ اعمالِ نبوی کے بعد میرے اچھے اور بُرے اعمال برابر ہوں تو بھی
 ہوں، اگر جنت نہ ملے تو پڑا نہیں مگر الہی دوزخ نہ ملے؟ وہ نزع کی حالت میں بہت بے چین تھے بعض
 صحابہ اُن کے اچھے اعمال گنا کر اُن کو تسلی دینے لگے، تو جواب میں کہا خدا کی قسم اگر کل زمین میرے لئے
 سونا ہو جاتی کہ اُس کو دیکر عذابِ الہی سے بچ سکتا تو میں دیدیتا۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ
 کہتی تھیں اے کاش میں جہنم کی گھاس ہوتی، اے کاش میں کچھ نہ ہوتی۔

السنن ابی داؤد کتاب الاقضية ۲ صحیح بخاری باب الحجرة، جلد اول ص ۵۵۵ صحیح بخاری فضائل حضرت عمرؓ

قیامت کے متعلق قرآن پاک کی یہ عجیب موثر آیت :

یا ایھا الناس اتقوا ربکم جو ان ذلزلۃ
 الساعۃ شیء عظیم یومہ تر و نہا
 تذہل کل مر ضعیۃ عما ارضعت
 و اتضع کل ذات حمل حملها و تری
 الناس سکران و ما ھم بسکران
 و لکن عن اب اللہ شدید (ج ۱)

لوگو! اپنے رب سے ڈرو، قیامت کا بھونچال
 ایک بڑی چیز ہے جس دن اس کو دیکھو گے ہر
 پلانے والی عورت اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول
 جائیگی، اور پیٹ والی اپنا پیٹ ڈال دے گی اور
 لوگوں کو نشہ میں دیکھو گے لیکن وہ نشہ میں نہ
 ہوں گے، بلکہ خدا کا عذاب سخت ہو گا،

جب اتر ہی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو سنایا، اور اسکی تفسیر کی تو انکے چہروں کا
 رنگ بدل گیا، اور انکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کا ذکر
 کیا، اور موت کے بعد کے عذاب کا حال بیان کیا تو صحابہ جنہیں مار مار کر رٹنے لگے، حضرت ابو ہریرہ
 کو ایک بار قیامت کے ایک منظر کے بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی تو اٹھنا سے روایت میں وہ
 تین دفعہ بہوش ہو کر گرے اور جب میر معاویہ کے سامنے یہ آیت دہرائی گئی تو ان پر بھی گریہ طاری ہوئی
 اس یقین و ایمان کا دوسرا سماں یہ ہے کہ بدل دکا میدان جنگ ہے، مشرکین کی ایک ہزار لوہے
 میں ڈوبی ہوئی فوج کا سیلاب منڈا آ رہا ہے، اور تین سو تیس مسلمان صفت ہاتھ کھڑکے

(بقیہ حاشیہ ص ۸۵۴) اول صفحہ ۵۲۱ تا ۵۲۲ ابن سعد جزا الناس ص ۱۵۵ صحیح بخاری مناقب عائشہ و تفسیر سورہ نورا
 و مترک حاکم ترجمہ عائشہ خور بن صنبل منہ عائشہ ص ۱۵۵ صحیح بخاری تفسیر سورہ حج جلد دوم ص ۶۹۳ جامع ترمذی
 تفسیر سورہ حج ص ۵۸ سنن نسائی کتاب الجناز باب لغو من البقر ص ۵۵ جامع ترمذی ابواب لہد،

ہیں کہ آپ صحابہ کی طرف خطاب کر کے فرماتے ہیں لو اس جنت کا موقع سامنے ہے جس کی نسبت آسمان زمین کے برابر ہے ایک نصاری حیرت سے پوچھتے ہیں کہ کیا آسمان زمین کے برابر ہے؟ آپ فرماتے ہیں ہاں، وہ خوشی سے واہ واہ کہہ اٹھتے ہیں آپ دریافت فرماتے ہیں کہ تم نے واہ واہ کیوں کہا، عرض کی، اس امید سی کہ شاید میں بھی اُس میں ہوں فرمایا تم اس میں ہو، یہ منکر ہے کہ جو یہاں نکال کر جلدی جلدی کھانے لگے، بالآخر جنت کے جانے میں آنا تو وقت بھی شاق گزارا ہوئے اور یہ بھی کیوں کیجائے، یہ کہہ کھجوریں پھینک دیں اور بلوار کھینچ کر آگے بڑھے، اور شہید ہوئے، غزوہ احد میں بھی اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آیا، احد کے میدان میں داروگیر کا شور مچا رہا تھا، لاشوں پر لاشیں گر رہی تھیں کہ ایک صحابی نے آگے بڑھ کر پوچھا یا رسول اللہ! اگر خدا کی راہ میں مارا گیا تو کہاں ہوگا فرمایا جنت میں، وہ کھجور کھا رہی تھے ہاتھ سے کھجوریں پھینکنا اور لڑا جانے سے پہلے ایک صحابی بھی، وہ ایک جہاد میں شریک تھے انھوں نے اسلامی فوج کے سپاہیوں کے سامنے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کے دروازے تھوڑوں کے سایے کے نیچے ہیں ایک معمولی سا مسلمان پاس کھڑا تھا، اُس نے آگے بڑھ کر پوچھا کہ کیا اپنے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے تھے، انھوں نے کہا ہاں، یہ سن کر وہ اپنے دوستوں کے پاس آیا اور سلام کر کے ہوائیاں توڑ کر پھینک دی اور بلوار لیکر دشمن کی صف پر جا پڑا اور شہادت حاصل کی، ان حیرت انگیز واقعات میں سے ہر ایک واقعہ پر غور کرو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے منکر اور کافروں کے دل و دماغ اور ذہن و اعتقاد کو کس طرح آن کی آن میں بدل دیا، اور دم کے دم میں ان کے عقائد و اخلاق کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا،

قضاوقدر

إِنَّا كُلُّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (قمر ۳)

اگرچہ قرآن پاک میں ایمان کے سلسلہ میں اس کا ذکر کہیں نہیں آیا مگر اس کا اعادہ بار بار قرآن میں اتنی دفعہ ہوا ہے کہ اس کی اہمیت اسکی مقتضی ہے کہ اسکو بھی ایمانیات کے پہلو میں جگہ دیا جائے چنانچہ بعض صحیح حدیثوں میں یہ ایمانیات کی آخری کڑی قرار بھی دی گئی ہے اور سلسلہ توحید میں سلام نے اللہ تعالیٰ کی وسعت قدرت اور مشیت مطاعہ کا جو نقشہ کھینچا ہے اسکا لازمی نتیجہ بھی یہی ہونا چاہیے اس عقیدہ کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ اب تک ہوا جو کچھ اب ہو رہا ہے اور جو کچھ آئندہ ہو گا وہ اللہ تعالیٰ کے علم سابق اور فیصلہ ازلی کے مطابق ہوا ہے، ہوتا ہے اور ہو گا، جس طرح مهندس اور انجینیر مکان بنانے سے پہلے مکان کی تمام جزئیات پر غور کر کے پہلے ہی نقشہ تیار کر لیتے ہیں، اور اسی مجوزہ نقشہ کے مطابق معمار اور مزدور اس تعمیر کو مکمل کرتے ہیں اسی طرح اس مهندس ازل خالق کائنات نے کائنات کی پیدائش سے پہلے اسکے تمام اصول قواعد اور دوسرے اہم جزئیات طے کر کے ہر چیز کی نسبت فیصلہ کر دیا تھا، اب اسی فیصلہ کے مطابق یہ کائنات اور اس کے تمام حوادث

۱۰ صحیح مسلم بروایت ابن عمرؓ و ابو ہریرہؓ باب الایمان،

دو اوقات انجام پارتے ہیں، موت و حیات فقر و غنا، کامیابی و ناکامی تکلیف و راحت ہر چیز پہلے سے طے شدہ ہے اور اسی کے مطابق وہ ظہور پذیر ہوتی ہے۔

نفس یہ عقیدہ بھی اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں، جو کچھ مخصوص ہے وہ اسکی کھلی تعلیم ہے، توراہ میں حضرت آدم و شیطان اور ہابیل و قابیل کے قصوں میں اس عقیدہ کے اشارات پائے جاتے ہیں، حضرت یوسف کا خواب اسی حقیقت کی تعبیر ہے، مگر ان اشارات سے گذر کر زبور میں اس کی کھلی کھلی تعلیم بھی ملتی ہے، زبور ۱۳۸-۱۴۱ میں ہے،

”تیرے کام حیرت افزا ہیں، اس کا میرے جی کو بڑا یقین ہے جب کہ میں پردے میں بنایا جاتا تھا، اور زمین کے سفلیں میں منقوش ہوتا تھا، تو میرے جسم کی صورت تجھ سے چھپی نہ تھی، تیری آنکھوں نے میرے بے ترتیب ماڈہ کو دیکھا اور تیرے دفتر میں یہ سب چیزیں تحریر کی گئیں، اور ان کے دلوں کا حال بھی کہ کب نہیں گی جب ہنوز ان میں سے کوئی بھی نہ تھی“

اس کے بعد زبور ۴۴ کا ترانہ حمد اسی لئے میں شروع ہوتا ہے،

”..... خداوند کے نام کی ستائش کریں کہ اُس (خدا) نے حکم دیا، اور وہ

(مخلوقات) موجود ہو گئے، اُس نے انکو پائنداری بخشی، اُس نے ایک تقدیر مقرر کی جو ٹل نہیں سکتی

انجیل میں اسکی تعلیم خدا کی مرضی کے عنوان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندگی کی آخری

شب کی دعائیں فرماتے ہیں ”میری مرضی نہیں، تیری مرضی پوری ہو“ (متی ۲۶-۲۹) اور اسی مرضی کا ذکر یوحنا (۵-۳۰-۳۱) اور خطوط (فلپیوں ۲-۱۳) میں ہے اور رومیوں کے نویں باب میں اسکی

پوری تفصیل ہو مگر خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم نے اول یہ کیا کہ اس مسد کی اصل حقیقت کی توضیح اور اسکی حکمت و مصلحت کی تشریح کی اور پھر یہ کیا کہ گذشتہ مذاہب کی طرح اپنے دین کے کسی ایک گوشہ میں بطور ایک حقیقت ثابتہ کے اس کو کہہ کر خاموشی اختیار نہیں کرنی بلکہ بار بار اتنی دفعہ دہرایا کہ سننے والوں کے دلوں میں اسکی عقیدت گھر کر لیا، اور یہ یقین یقین کی صورت میں ان کو رگ ریشہ میں پوست ہو گئی، اور ایسا اس نے اسلئے کیا کہ صبر و سکر کی اخلاقی تعلیم صرف نظریہ کی صورت میں نہ رہ جائے، بلکہ عملی حیثیت میں اسکے پیروؤں کے اندر استقلال و ثبات کی روح اور دنیا کے مصائب و حوادث میں تسلی و تسفی کی قوت پیدا کرے، اور اس طرح یہ عقیدہ پہلے کی طرح صرف ایک مذہبی یقین یا فلسفیانہ نظریہ کی حیثیت میں نہ رہے بلکہ ایک مفید عملی تعلیم کی شکل اختیار کرے۔

وحی محمدی نے اس اصطلاح کے لئے دو لفظ اختیار کئے ہیں، ایک قدر ہے جس کے معنی اندازہ کرنے کے ہیں، اور دوسرا قضا جس کے معنی فیصلہ کرنے کے ہیں،

| | |
|-------------------------------------|--|
| ہم نے ہر چیز کو اندازہ سے پیدا کیا، | إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (متر ۳) |
| وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے بنایا پھر | هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ طِينٍ ثُمَّ |
| ایک وقت کا فیصلہ کیا، | قَضَىٰ أَجَلًا (انعام - ۱) |

یہ دونوں لفظا بجائے خود اس عقیدہ کی اسلامی حقیقت کو پوری طرح واضح کر دیتے ہیں، مقصود یہ ہے کہ کائنات کی پیدائش سے پہلے کائنات کی ہر چیز کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنا اندازہ اور تقدیر سے ہر ایک کا فیصلہ فرما دیا ہے اور متعین کر دیا، اسی کے مطابق یہ کائنات چل رہی ہے اور خدا کے حکم کے بغیر ایک ذرہ بھی تغیر نہیں کر سکتا، ہوسمان کو جس طرح بنایا، آفتاب کو جس طرح روشن کیا

چاند کے متعلق جو اصول مقرر فرمایا، ستاروں کے نکلنے اور ڈوبنے کے جو احکام دیدنیے موت و حیات فنا و بقا اور عروج و زوال غرض کائنات کی ہر شق اور پہلو کے متعلق جو اصول تمہیں فرمایا، انہی پر وہ چل رہی ہے، قرآن پاک میں کائنات کے بہت سے حالات کے بیان کرنے کے بعد ہے۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا
ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ
وَالْقَمَرُ
قَدَرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْوَةِ
الْقَدِيمَةِ ۗ لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا
تُدْرِكَ الْقَمَرَ ۗ وَاللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ
وَكُلٌّ لِّنِي فَلَكَ لَيَّسَجُونَ (سین ۳)

اور سورج اپنے ٹھہراؤ پر چل رہا ہے یہی غالب
اور علم دانے کی تقدیر (اندازہ) اور چاند کو ہم
نے تقدیر (اندازہ) کر دی ہے مندرجہ
یہاں تک کہ وہ پرانی ٹھنی کی طرح (نمیدہ) نہ
لوٹا ہی نہ توسوچ کی قدرت میں ہو کہ چاند کو
پاکے اور رات دن سے آگے بڑھے یہ ایک

یہ تو آسمان کی بات تھی، زمین کے متعلق ارشاد ہوا،

وَقَدْ رَفَعْنَاهَا (حَدِّسْجَدًا)
اس سے آگے بڑھ کر یہ کہ دنیا کی ہر چیز میں اُس نے ایک اندازہ مقرر کر دیا،
قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (طلاق) اللہ نے ہر چیز کے لئے ایک اندازہ بنایا جو
موت و حیات بھی، اسی اندازہ کے مطابق ہے فرمایا،

فَوَدَّ نَحْنُ قَدْ رَفَعْنَا بِكُمْ الْمَوْتَ، (واقف) ہم نے تمہارے درمیان موت کو اندازہ کر دیا،

ہر شے میں اللہ تعالیٰ نے جو اندازہ لگایا ہے وہ وہی چیز ہے جس کو لوگ قانون

کہتے ہیں اور جس پر دنیا چل رہی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کائنات کے ہر حصہ اور ہر پہلو

متعلق اپنے احکام معین فرمادیں جن کی اطاعت اُس پر واجب ہے، علیٰ ہذا انسان کی ترقی و زوال، موت و حیات، بیماری و صحت، دولت و افلاس، آرام و تکلیف، سعادت و شقاوت، ہر ایک کے اصول و قواعد مقرر فرمادیتے ہیں، غرض اُنکو آرام و تکلیف جو کچھ بھی پیش آتی ہو خدا کے علم اور اجازت سے پیش آتی ہے،

مَا صَابَتْ مُصِيبَةٌ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ (تغابن ۲) نہیں پہنچی تم کو کوئی مصیبت لیکن اللہ کے حکم سے اور چونکہ تقدیر سے کوئی چیز نہٹ نہیں سکتی اسلئے مقدرات کو نوشتہ الہی سے تعبیر کرتے ہیں کہ جس طرح لکھی ہوئی بات قائم رہتی ہے، مٹی اور بھولتی نہیں، ایسے ہی یہ باتیں بھی مٹی اور لبتیں نہیں،

وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ اور کوئی عورت حمل میں نہیں رکھتی اور نہ جنمی ہے،
وَمَا يَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا يَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ لیکن خدا کے علم سے، اور نہ کسی دراز عمر کو عمر کی
إِلَّا فِي كِتَابٍ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ دراز می ملتی ہے یا اسکی عمر کم کی جاتی ہے لیکن وہ کتاب

میں ہے، بے شک یہ اللہ پر احسان ہے، (فاطر - ۲)

اس آیت پاک میں دو ٹکڑے ہیں، ایک یہ کہ جو عورت بھی اپنے پیٹ میں بچہ رکھتی ہے یا بچہ نہیں ہے، وہ خدا سے پاک کے علم سے ہے، دوسرا یہ ہے کہ جس کو چھوٹی بڑی جو عمر بھی ملتی ہے وہ کتاب الہی میں پہلے سے لکھی ہوئی ہے ان دونوں ٹکڑوں کے ملانے سے معلوم ہوگا کہ کتاب الہی میں ہونا اور علم الہی میں ہونا دونوں ہم معنی ہیں،

قرآن پاک نے اس کو بھی ظاہر کیا ہے کہ قضا و قدر کے عقیدہ کی فلسفیانہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اس کی نظر اس عقیدہ کی اخلاقی اہمیت پر ہے، انسان کا یہ حال ہے کہ وہ اپنی ناچیز کوشش کی ذرا

کامیابی پر فخر و غرور کے نشہ میں چور ہو جاتا ہے، اور ذرا سی ناکامی پڑوے دل شکستہ ہو کر ہمت ہار بیٹھتا ہے یہ دونوں مختلف اخلاقی بیماریاں اس لئے اُس کو لاحق ہوتی ہیں کہ وہ اپنے کام کے اچھے یا بُرے نتیجے کو خود اپنے کام کا لازمی نتیجہ جانتا ہے اس لئے وہ کبھی اپنے کئے پر مغرور اور کبھی ملول ہوتا ہے اور یہ دونوں کیفیتیں افراد اور اقوام کی متانت، استقلال اور صبر و ثبات کے جوہر کو برباد کرتی ہیں اسلئے ایک ایسے عقیدہ کی ضرورت تھی جو کامیابی کے فخر و مسرت اور ناکامی کے افسوس و حسرت و نون موتوں پر عاجز انسانوں کی دست گیری کرے، اور وہ ہی عقیدہ قضا و قدر ہے۔ اس عقیدہ کا منشا یہ ہے کہ ہم کو جو کامیابی ہوتی ہے وہ ہماری کوشش کا براہ راست نتیجہ نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے، اس لئے اس پر ہمارا فخر و غرور کرنا ہیچانہ ہے۔ اسی طرح ہم کو جو ناکامی پیش آتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی کسی حکمت و مصلحت کا نتیجہ ہے اور ہمارے کام سے پہلے ہی ہمارے کاموں کے نتیجے اُس علام الغیوب کے علم میں مقرر ہو چکے تھے اسلئے ہم کو دل شکستہ اور مایوس نہ ہونا چاہیے، بلکہ اُسی جوش و خروش اور سرگرمی سے پھر اذ سر نو جدوجہد میں مصروف ہو جانا چاہیے،

اس مسئلہ کی یہ پوری توضیح سورہ حدید میں ان لفظوں میں مذکور ہے،

| | |
|--|---|
| مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ | کوئی نصیب نہیں آتی ملک میں اور نہ خود |
| وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّنْ | تم اس ملک کے بننے والوں میں لیکن یہ کہہ |
| قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَ آهَابًا إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى | ایک کتابِ رالہی میں اپنی پیدائش سے پہلے |
| اللَّهِ يَسِيرٌ لِّكَلِمَتٍ مَّا سَوَّاهُ عَلَى | درج ہوتی ہے یہ کہ اللہ پر آسان ہے ایسا |

مَا فَاتَكُمْ، وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ
 وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَلِفٍ
 (حدید - ۳)

کیا گیا تاکہ تم اس پر جو تم سے جاتا ہو غم نہ کھایا
 کرو اور جو تم کو (اللہ) دے اس پر اتریا نہ
 کرو اور اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے کو پیار نہیں کرتا

دالے کو پیار نہیں کرتا،

اس آیت کریمہ نے مسلمانوں کو اس خوبی سے واضح کیا ہے کہ اس کی تائید
 کے لئے کسی فریضہ تشریح کی ضرورت باقی نہیں رہتی یہ اسی عقیدہ کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام کی گروہیں
 عین کامیابی و فتوحات کی حالت میں خداوند قادر مطلق کے آگے جھک جاتی تھیں اور ناکامی کی حالت
 میں ان کے دل یا اس نا امیدی سے دوچار نہیں ہوتے تھے، اور ان کی عملی زندگی کا جو نتیجہ بھی پیش
 آتا تھا وہ اس کو اپنی طرف سے نہیں، بلکہ خداوند عالم کی طرف سے سمجھ کر خاموش رہتے تھے یا
 بیکاری، مصیبت، سوزیوں کی مناسرت، لڑائیوں کی ناکامی، کسی موقع پر وہ رحمت الہی سے یاد
 ہونا نہیں جانتے تھے، اور ہر خطرناک سے خطرناک کام کے لئے وہ قدم اٹھا بیٹھے تھے کہ ان کا
 تھا کہ موت اپنے وقت پر آئے گی، اور جو کچھ ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا، اسی لئے ان کے دلوں میں وہ غم
 ہوتا تھا کہ نہ اس کو پہلا روک سکتے تھے، نہ سندرہ ہاسے جا سکتے تھے، نہ حوادث کا طوفان اسکو
 اٹکھاڑ سکتا تھا اور نہ بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلے اس کو جلا سکتے تھے۔

وَمَا كَانَتْ لِنَفْسٍ أَنْ تَسْوَتْ إِلَّا
 بِإِذْنِ اللَّهِ كَيْتَابًا مُّوَجَّهًا وَمَنْ
 يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَ

کسی کے اختیار میں نہیں کہ وہ اللہ کے حکم کے
 بغیر مر سکے یہ لکھا ہوا ہے جو کوئی دنیا کا
 معاوضہ چاہے گا تو ہم اس کو اس سے کچھ دیں گے

مَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْأَخِرَةِ فَوْقَهُ مِنْهَا
وَسَجَّحِي الشَّاكِرِينَ، وَكَأَيِّنْ مِنْ
بَنِي قَتْلٍ مَعَهُ رَبِّيُونَ كَثِيرًا، فَمَا
رَهْنُوا لَنَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ
اللَّهِ، وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا
اللَّهُ يَجِبُ الصَّابِرِينَ،

(ال عمران ۱۵۷)

اور جو آخرت کا معاوضہ چاہے، اُس میں سے
کچھ یہاں لوں گے اور پورا معاوضہ شکر کرنے
والوں کو آئندہ (وہاں) دیں گے، کتنے پیغمبر
تھے جو لڑے ہیں، اُن کے ساتھ بہت خدا کے
طالب تھے، تو خدا کی راہ میں اُن کو جو عیبیت
پیش آئی انکی وجہ سے نہ ہل پارہ اور سست ہوئے
اور نہ دب گئے، اور اللہ ثابت قدم رہتا ہے

اللہ کی تعریف

ان آیتوں نے یہ واضح کر دیا کہ قضا و قدر کے عقیدہ کا نتیجہ ہستی سستی اور دونوں نہیں

نہیں بلکہ بلندی، استقلال اور صبر و ثبات ہی، اور یہی وہ چیز ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کارناموں میں ہر دیکھنے والے کو صاف نظر آتی ہے، اُن کو صاحبِ ہستی
یہ تعلیم تھی کہ وہ دشمنوں سے کہیں کہ ہیں ڈر نہیں کیونکہ

لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ
مَوْلَانَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
الْمُؤْمِنُونَ، (توبہ - ۷)

ہم پر کوئی آفت انی ہی نہیں سکتی لیکن جو
خدا نے ہمارے لئے لکھ دیا ہے، وہ ہمارا آئی ہے
اللہ پر چاہئے کہ ایمان والے بھروسہ کر سکیں
خطرات اور مشکلات کی اُن کو پرہیز نہیں کہ جن کے لئے موت لکھی ہو، وہ سیدانِ جنت
کبھی مریں گے اور بشرحت پر بھی اور جن کی موت کا مقررہ وقت نہیں آیا وہ تو اس دنیا کی
اور سمندروں کے طوفانوں سے بھی سلامت بچ کر نکل آئیں گے،

يَقُولُونَ لَوْ كَان لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ

مَا قَاتَلْنَا هٰهٰنَا قُل لَّوْ كُنْتُمْ فِي

بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كَتَبَ عَلَيْهِمُ

الْقَتْلُ اِلَى مَضَاجِعِهِمْ (آل عمران ۱۶)

اِنَّ مَا تَكْفُرُوْنَ اِيْدُرِكُوْهُ الْمَوْتُ

وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوجٍ مُّشِيْدَةٍ (نساء)

منافی کہتے ہیں کہ اگر ہماری بات مان لی جاتی

تو ہم یہاں مارے نہ جاتے، کہہ دو کہ اگر تم اپنے

گھروں میں بھی ہوتے تو جن پر یہاں مرنا

لکھا جا چکا تھا، وہ ان خود اپنے منقل میں نکل کر

تم جہاں بھی رہو تم کو موت آکر پائے گی اگرچہ

تم مضبوط اور مستحکم قلعوں میں ہو،

یہی وہ عقیدہ ہے جو مسلمان کی ناقابل ہزیمت جرات اور غیر شکست پذیر عزیمت

بے خوف بہادری کا راز ہے، کچھ لوگوں نے اپنی غلط فہمی سے یہ سمجھا ہے کہ مسئلہ تقدیر کے ماننے سے

انسان کا مجبور محض ہونا لازم آتا ہے، اور اس سے یہ تعلیم نکلتی ہے کہ انسان اپنی تقدیر پر صابر و

شاکر ہو کر سست و غافل بن کر بیٹھا رہے، حالانکہ اگر یہ صحیح ہوتا تو نہ رسولوں کی بعثت کی ضرورت

تھی نہ ربانی کتابوں کے اترنے کی حاجت ہوتی، نہ تبلیغ و ارشاد کی تاکید ہوتی، نہ اصلاح و ہدایت

کا حکم ہوتا اور خدا کی مخلوق اپنے حال پر چھوڑ دی جاتی، مگر ایسا نہیں کیا گیا، لاکھوں سپہنیر بھیجے گئے، کتنی کتابیں

اترین، کروڑوں مبلغ اور مرشد بنا کر پھیلائے گئے، ہدایت و ارشاد کی تاکید پرتا گیا، آئی لوگوں کی

دعوت و اصلاح ہر مسلمان کا فرض ٹھہرایا گیا، کوشش و محنت، سعی و تلاش اور جہد و جہد کی ہر مسلمان

کو تاکید کی گئی، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جہد و جہاد سے معمور زندگی ہمارے لئے نمونہ ٹھہرائی گئی اور خلفائے

راشدین اور عام صحابہؓ نے اپنے کارناموں سے اس نمونہ کی کامیابی کی تصدیق کی،

اب کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین اور آپ کا عمل و متنا و چیزیں نہیں ہیں؟

ایک دوسرے کی مؤید تھیں، اور اس طرح یہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتی تھیں کہ اعمال و افعال میں سرگرمی (بجادی) لوگوں کو اپنے اپنے کام کئے جاؤ کہ تم میں سے ہر شخص سے وہی کام حاصل ہوں گے جن کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے، کام کرنا انسان کا فرض ہے اور اس کے نتیجے کے مطابق جزا و نینا خدا کا کام ہے، اور یہ تقدیر ہے فرمایا،

بے شبہ تمہاری کوششیں مختلف رخ کی ہیں

إِنَّا سَعَيْكُمْ لَشَبِيهِ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ

تو جس نے دیا، اور پرہیزگاری کی، اور نیکی کو

وَأَتَّقَىٰ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ فَسَنِيبَهُ

سچ کر دکھایا تو ہم اس کو آہستہ آہستہ آسانی

لِلْيُسْرَىٰ، وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَ

کی طرف لے چلیں گے اور جس نے نہ دیا،

اسْتَغْنَىٰ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ

بے پروائی برتی، اور نیکی کو جھٹلایا، تو ہم اس کو

فَسَنِيبُهُ كَالْيُسْرَىٰ وَمَا يُغْنِي

آہستہ آہستہ سختی کی طرف لے چلیں گے اور اس

عَنْهُ مَالَهُ إِذَا تَرَدَّىٰ إِنَّ

کی دولت مذہبی اس کو گرہے میں گرنے نہیں

عَلَيْنَا لِلْهُدَىٰ، وَإِنَّا لِلْآخِرَةِ

بچا سکتی ہی، بیشک راہ سو جھانا ہمارا فرض

وَالْأُولَىٰ،

ہی، اور آخر اور اول ہمارے لئے ہے،

(لیل - ۱)

یہ ہے قضا و قدر اور سعی و عمل کی باہمی تطبیق جس کی ثر و لیدگی نے اسلام سے پہلے ایک عالم کو گمراہ کر رکھا تھا، کام کرنا اور عمل کر دکھانا انسان کا فرض ہے اور اس کے مطابق اسکی جزا و نینا دینا جو اس کام کے لئے پہلے سے مقدر ہو چکی ہے، خدا کا کام ہے نیکیوں کو آہستہ آہستہ نیکی کے مزید راستے کے دکھانے کا نام توفیق و ہدایت ہے، اور بروں کو خدا کی طرف سے اس توفیق و ہدایت کے

یعنی کا نام عدم توفیق و ضلالت ہے اور ان دونوں میں سے ایک کا ملنا انسان کی ابتدائی
کوشش سے ہے، خدا فرماتا ہے،

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ
سُبُلَنَا، (عنکبوت-۷)

اور جو ہماری بات میں کوشش کرتے ہیں،

البتہ ہم ان کو اپنا راستہ سوچھاتے ہیں،

خدا کی طرف سے توفیق و ضلالت کا ملنا، خود انسان کے اچھے یا بُرے عمل کا لازمی نتیجہ ہے

وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ

اور ہم اس سے گمراہ نہیں بناتے لیکن انہی

کو جو ہمارا حکم نہیں مانتے،

(بقرہ-۱۳)

غرض پہلے فسق عدم اطاعت اور نافرمانی ہوتی ہے تب اس کے نتیجہ کے طور پر خدا کی طرف

سے ضلالت کا ظہور ہوتا ہے

وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى،

اور انسان کے لئے نہیں لیکن وہی جس کی

اس نے کوشش کی، اور بیشک اس کی کوشش

وَأَنْ سَعِيَهُ سَوْفَ يُرَى،

(خدا کے حضور) دکھی جائے گی،

(نجم-۳)

اس کی مثال بالکل بچہ کی سی ہے، بچہ چلنا یا بولنا کیونکر سیکھتا ہے، وہ پہلے چلنے اور

بولنے کی خود کوشش کرتا ہے تو اس کے والدین اس کو چلنا اور بولنا سکھاتے ہیں بچہ پاؤں اٹھاتا ہے

اور والدین اس کے ہاتھ پکڑ کر اس کو دو چار قدم چلاتے ہیں، اور اس طرح رفتہ رفتہ آہستہ آہستہ

چلنا سیکھتا ہے وہ پہلے زبان ہلاتا ہے اور مہم آوازیں نکالتا ہے تو والدین اس کو با معنی الفاظ کی

تلقین کرتے ہیں، اور اس طرح دوڑنے کی کوششیں مل کر بار آور ہوتی ہیں، اسی طرح تقدیر الہی

عمل انسانی باہم مل کر انسانوں کی عملی تاریخ تیار کرتے ہیں،

جبر و قدر | عموماً لوگ اسی موقع پر جبر و قدر کے مسئلہ کو چھیڑتے ہیں یعنی یہ کہ انسان اپنے عمل میں

مجبور ہے یا مختار؟ حالانکہ یہ سررشتہ کائنات کا وہ عقدہ ہے جس کا حل نہ صرف یہ کہ مذہب

کے ناخن سے نہیں ہوتا بلکہ عقل کے ناخن سے بھی نہیں ہو سکتا جس طرح اہل مذہب راوی الہی

اور راوی انسانی کی باہمی تطبیق میں حیران ہیں، اسی طرح فلسفہ الہیات کے معلم عظیم الہی اور انسان

کی عملی آزادی کے درمیان اور فلسفہ اخلاق والے انسان کی آزادی عمل اور اس کے موروثی اثرات

فطری ہذبات و ماحول کی تاثرات کی مجبور یوں کے درمیان جو تضاد ہمیشگی کا شکل بچا سکتے ہیں،

دنیا کے عام مذاہب کا بھی یہی حال تھا، ہر دھارے میں یہ گہرا اسی طرح پڑی ہوئی تھی اور

اس کے عمل کی صورتیں دو ہی انہوں نے نکالی تھیں یا تو سرے سے اس سے خاموشی برتی جاسکتی

اور دبے پاؤں اس راستہ سے گزر جایا جائے یا بحث چھیڑی تو جبر ہی کی طرف ان کا میلان

نمایاں تھا، چنانچہ یہی جبر مند و مذاہب میں تنازع، آواگون اور گرم کی صورت میں ہوا، عیسائیوں

میں حضرت آدم کے گناہ، اور خدا کی مرضی کے پیرایہ میں ہے اور یہودیوں کے مجموعہ تورات میں

حضرت ایوب کا صحیفہ اور ہیری رہبری کرتا ہے دوسری طرف مجوسی تھے جنہوں نے انسانی

اختیار و آزادی کو بہانہ بنا کر بڑھا دیا تھا کہ خود خدا بھی اس کے آگے مجبور تھا، خدا کونہ صرف

اسے انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰ نے اپنی گرفتاری کی رات کو دعائیں فرمایا اے خدا اگر تو اس پیالہ کو چھو

سکتا ہے تو ہٹا دے لیکن میری نہیں، بلکہ تیری مرضی پوری ہو جائے گی، عیسائیوں کے جبری و قدری فرقوں کی منہ

آزادی کا حال فریخ فاضل موسیووی کا کتاب لاسلام (ترجمہ عربی) سے کسی قدر معلوم ہو سکتا ہے

انسانوں کے بلکہ فرشتوں کے کاموں پر کوئی قابو حاصل نہ تھا، غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے مذاہب کی یہی دو ذمیتیں تھیں یعنی یا تو ان کو اس مشکل کی خبر ہی نہیں تھی یا تھی تو خدا کی قدرتِ مطلقہ اور مشیتِ عامہ کی اس طرح تعبیر کرتے تھے کہ انسان بالکل بے بس اور مجبور نظر آتا تھا، یا یہ کہ تمنا سنج کے چکے میں اس کو پھنسا کر اس کی زندگی کو اس کے پچھلے جنم کے کاموں کے ہاتھوں گرو کر دیتے تھے، یا پھر اس سے بچے تو انسان کو کامل خود غما بنا کر خود خدا کو مجبور بنا دیا۔

تمام انبیاء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شخصیت وہ نمایاں شخصیت ہے جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس دیرینہ راز کے چہرے سے پردہ ہٹایا، حقیقت یہ ہے کہ یہ دو صداقتیں ہیں، دونوں اپنی اپنی جگہ پر صحیح ہیں، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام دنیا اور اس کے ذرہ ذرہ پر قدرتِ مطلقہ رکھتا ہے آسمان زمین اور برود بھری کوئی چیز نہیں جو اس کے ارادہ اور مشیت کے بغیر حرکت بھی کر سکے اس طرح انسان اور اس کے تمام اعمال بھی اسی کی قدرت اور مشیت کے ماتحت ہیں، یہ عقیدہ ہے جو مذاہب کی، اور خصوصاً اسلام کی جان ہے، اگر یہ نہ ہو تو مذاہب کی قوت بے اثر ہو کر رہ جائے اور ایک ایسا خدا بنا لایا جائے جس کے اختیارات محدود، جسکی قدرتی انصاف اور جس کی شاہد شاہی تمام ہو۔

۲۔ دوسری طرف یہ بھی صداقت ہے کہ دوسری مخلوقات کو نہ سہی، مگر انسان کو اپنے اعمال کے کرنے نہ کرنے کا کسی نہ کسی طرح اختیار ضرور بخشا گیا ہے، اگر یہ اختیار نہ تسلیم کیا جائے اور انسان کو اسی طرح سرا یا مجبور فرض کیا جائے جس طرح دوسری مخلوقات ہے تو پھر انسان

لے شفاء لعل فی القضاء والقدر والتعلیل حافظ ابن قیم،

کے لئے خیر و شر کا امتیاز، جزا و سزا، شریعت، کتاب، تعلیم، اور انبیاء کی بعثت یہ تمام چیزیں
 بیکار محض ہو جائیں، ظلم و انصاف دنیا میں کوئی چیز باقی نہ رہے، انسان کا اپنے کسی فعل پر قابل
 مدح یا قابل ملامت ہونا بے معنی ہو جائے، کسی اچھے کام پر خدا کا اُس کو انعام اور برے کام
 پر عذاب دینا سراسر ظلم بن جائے بلکہ اس دنیا کی عدالت میں بھی وہ اپنے کسی فعل کا ذمہ دار نہ ٹھہرے
 الغرض یہ دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ پر درست ہیں، ایک یہ کہ خدا کو اپنی مخلوقات پر قدرت
 حاصل ہے، اور اُس کی مشیت و ارادہ ہر جزو کل پر حاوی ہے اور دوسری یہ کہ انسان کو بھی اپنے
 عمل پر کوئی نہ کوئی ایسا اختیار حاصل ہے، جس کی وجہ سے وہ اپنے اُس عمل کا ذمہ دار بنتا ہے، نیکی
 کے کاموں کے کرنے پر وہ تعریف کا، اور بدی کے کاموں پر ملامت کا سزاوار ٹھہرتا ہے اور اسی
 کی بنا پر وہ اپنی دوسری زندگی میں اپنے فعل کی جزا و سزا پانے کا مستحق ٹھہرے گا، اسی پر وہ
 فطرت کے سامنے دنیا کی عدالت میں، اور آخرت میں بھی مواخذہ اور باز پرس کی ذمہ داری میں
 گرفتار ہے، اور اسی کے لئے خدا کی طرف سے اُس کے پاس ہدایت کی کتاب اور راستہ دکھانے
 والے رسول اور نبی آتے ہیں،

آنحضرت ﷺ کا صحیفہ ربانی، پہلی اور آخری آسمانی کتاب ہے جس نے ان دونوں
 صداقتوں کو پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ ساتھ اپنی اپنی جگہ پر تسلیم کیا ہے اور ان کی تبلیغ
 کی ہے ایک طرف وہ کہتا ہے کہ خدا کی اجازت کے بغیر درخت کا ایک پتہ بھی گر نہیں سکتا اور دوسری
 طرف وہ کہتا ہے ہر جان اپنے کاموں کے ہاتھوں گروہ یعنی خدا کی ہمہ گیر قدرت و وسیع اختیار
 اور ناقابل رد مشیت کے باوجود اُس نے خود اپنے اختیار، خود اپنی مشیت اور خود اپنی حکمت

اے پیغمبر! ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو تمہاری
طرف کان لگاتے ہیں، تو کیا تم بہروں کو
سناؤ گے، اور اگرچہ وہ سمجھتے نہ ہوں، اور
ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو تمہاری طرف
دیکھتے ہیں تو کیا تم اندھوں کو سوجھاؤ گے
اور اگرچہ وہ نہ دیکھیں، بیشک اللہ لوگوں
پر ظلم نہیں کرتا بلکہ لوگ ہیں جو اپنے اذ
آپ ظلم کرتے ہیں،

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ
أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوا
لَا يَعْقِلُونَ، مِنْهُمْ مَّنْ يَنْظُرُ إِلَيْكَ
أَفَأَنْتَ تَهْدِي الْعُمْىَ وَلَوْ كَانُوا
بُصِيرُونَ، إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الضَّالِّينَ

(یونس - ۵)

وہ انسان جو اندھا اور بہرا بنتا ہے اور حق کا پیغام نہ سنتا ہے، اور نہ اس پر عمل کرتا
ہے خدا اس کو اندھا اور بہرا بنا کر پھر اس کو دیکھنے اور سننے کی تکلیف نہیں دیتا کہ اگر وہ ایسا
کرتا تو یہ اس کا ظلم ہوتا، اور ظلم کے برعکس اسے اس کا ہر ظلم اور ہر کام بری ہے لوگوں کو
قرآن کی ہدایت و ضلالت کے الفاظ سے بھی دھوکا ہوا ہے، حالانکہ ہدایت و ضلالت خدا
کا وہ فیضان ہے جو انسان کے اچھے یا بُرے کام کے جواب میں خدا کی طرف سے ہوتا ہے ضلالت کی نسبت
بیشک جنہوں نے اسلام کی تعلیمات کے
قبول سے انکار کیا، ان کو تمہارا تہنید کرنا
یا نہ کرنا دونوں برابر ہے وہ ایمان نہ لائیں گے
خدا نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر فر کر دیا

إِنَّ الدِّينَ كَفْرٌ مَّا سَأَأْتُوا عَلَيْهِمْ
عَآئِدًا تَصَدَّقُوا لَمْ تَنْدِرْهُمْ
لَا يُؤْمِنُونَ خَلَّمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ
وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ

غَشَاوَةً، (بقرہ ۸-۱) اور آنکھوں پر پردہ ہے،

دیکھو جب انسان سے کفر کا صدور پہلے ہو چکا، تب خدا کی طرف سے ضلالت کا فیضان ہوا، اور اس کو تشبیہا یوں ادا کیا، کہ ان کے دلوں پر ٹر پڑ گئی کہ سمجھتے نہیں، کانوں پر ٹر پڑ گئی کہ سنتے نہیں، اور آنکھوں پر پردہ پڑا ہے کہ دیکھتے نہیں، دوسری جگہ فرمایا،

بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ،

بلکہ خدا نے ان کے کفر کے سبب ان کے

(نساء ۲۲-۲۳) دلوں پر ٹر کر دی،

یہاں بھی ان کا کفر خدا کی طرف پر مقدم ہے، مقصد یہ ہے کہ جب کفر کا صدور ہوتا رہتا ہے، تو دلوں سے صداقت شناسی اور اثر پذیر می کا جوہر سلب ہو جاتا ہے اور یہی خدا کی طرف سے برخلات اُس کے اگر لوگ کانوں سے پیغام حق کے سننے اور آنکھوں سے دیکھنے، اور دل سے سمجھنے کی کوشش کریں تو اللہ تعالیٰ اپنی توفیق و ہدایت سے فرما دے ارشاد فرمایا،

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
يَهْدِي رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ،

بیشک جو ایمان لائے اور نیک کام کئے،
ان کو ان کا پروردگار ان کے ایمان کے

(یونس ۱-۲) سبب ہدایت دیگا،

وَالَّذِينَ هَدَىٰ وَإِزَادَهُمْ
هُدًى، (محمد ۲-۳)

اور جنہوں نے ہدایت قبول کی ان کو
ہدایت میں اور بڑھایا،

لے قرآن پاک میں جان جہان خدا کی اس ہر کایا کسی کو ہدایت نہ دے جانے کا ذکر ہوا وہاں اُس کے کفر و فسق کی علت ہمیشہ پہلے ذکر کر دی گئی ہے اس لئے ان آیتوں سے جبر پر استدلال صحیح نہیں،

ایرانی فلسفہ خیر و شر کی آمیزش نے اس مسئلہ کو اور زیادہ الجھا دیا ہے، حالانکہ عربی الفاظ خیر و شر کو اعمال کے خیر و شر سے بحث نہیں، عربی میں مطلق خیر کے معنی دولت و نعمت و آرام کے شر کے معنی غم و تکلیف اور مصیبت کے ہیں، قرآن پاک میں یہ دونوں لفظ ان ہی معنوں میں آئے ہیں، البتہ جب ان کے ساتھ لفظ عمل شر یک ہو گا تو عمل خیر اور عمل شر کے معنوں میں استعمال ہو گا، جیسے

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا
يَرَهُ ۗ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ
شَرًّا يَرَهُ (زلزال - ۱)

جو کوئی چوٹی برابر نیکی کرے گا وہ اس کو
دیکھے گا، اور جو بُرائی کرے گا وہ بھی
دیکھے گا،

اس لئے حدیثوں کے ان الفاظ میں

وَالْقَدْرُ خَيْرٌ وَ شَرٌّ مِّنْ
اللَّهِ تَعَالَى -

اور اس پر ایمان کہ خیر اور شر کی تقدیر خدا
کی طرف سے ہے،

کا یہ مطلب نہیں کہ انسانوں کے اچھے اور بُرے کام سب خدا کی طرف سے ہیں، بلکہ یہ معنی ہیں کہ انسانوں کو راحت و رنج، مسرت و تکلیف، دولت و افلاس اور صحت و مرض وغیرہ اچھائی اور بُرائی سب خدا کی طرف سے پہنچتی ہے، اور اس کے تسلیم کرنے میں کیا عذر ہو سکتا ہے؟ بعض لوگوں کو صحیح مفہوم کے سمجھنے میں ان آیتوں سے بھی شبہ ہوتا ہے جن میں یہ ذکر ہے کہ "اگر خدا چاہتا تو ان کو ہدایت دے دیتا" اس سے وہ غلطی سے یہ سمجھے ہیں کہ وہ خود خداوند تعالیٰ ہی جو ان کافروں کو ہدایت سے جبراً روکے ہوئے ہے، حالانکہ ان آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ

یہ لوگ از خود اسلام قبول نہیں کر سکتے، الایہ کہ خود خدا زبردستی ان کو مسلمان بنا دینا چاہے، مگر ایسے زبردستی سے مسلمان یا کافر اور نیک یا بد بنا دینا اللہ تعالیٰ کے جاری قانون کے خلاف ہی بنانا ہے۔ ان آیتوں کا یہی مطلب ہے،

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ

تم نہیں چاہو گے، الایہ کہ خود خدا چاہے، اور

(دھر - ۲)

(تم کو زبردستی مسلمان بنا دے)

فَمَا كَانُوا بِالْيُؤْمِنُوا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ

وہ نہیں ہیں کہ ایمان لے آئیں، الایہ کہ

اللَّهُ، (انعام - ۱۳)

خدا چاہے،

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى

اور اگر خدا چاہتا تو ان کو ہدایت پر

الْهُدَىٰ، (انعام - ۱۴)

متفق کر دیتا،

فَلَوْ شَاءَ لَهَدَىٰكُمْ أَجْمَعِينَ،

تو اگر وہ (خدا) چاہتا تو البتہ ان

(انعام - ۱۸)

سب کو وہ خود ہدایت دے دیتا،

وَلَوْ شَاءَ لَهَدَىٰكُمْ أَجْمَعِينَ،

اور اگر وہ خدا چاہتا، البتہ ان سب کو

(نحل - ۱)

ہدایت دے دیتا،

مگر اس کی مادیت نہیں کہ وہ بندے کے ارادہ اور کوشش کے بغیر از خود کسی کو ہدایت دے

اس لئے اس مشیت الہی کے ساتھ قرآن پاک کی وہ آیتیں مطابقت ہوں گی جن میں بندوں

کی مشیت کا بھی اعتبار کیا گیا ہے، فرمایا،

فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ (کہف)

تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے،

فَمَنْ شَاءَ اخْتَذِ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا،

تو جو چاہے اپنے پروردگار کی طرف راستہ

(دعوت و منزلت ۱)

تبول کرے،

فَمَنْ شَاءَ اخْتَذِ إِلَىٰ رَبِّهِ مَآبًا (مَبَآءُ)

تو جو چاہے اپنے پروردگار کی طرف اگست کرے

إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَخْتَذِ إِلَىٰ رَسَبٍ

لیکن جو اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کرنا

سَبِيلًا، (مفردان - ۵)

چاہے،

اللہ تعالیٰ کی طرف سے گمراہی بھی اترتی ہے مگر کن کے لئے، بہ تصریح فرمایا،

۱- وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ، (بقرہ ۳) اور اللہ اس کو گمراہ نہیں کرتا مگر افسوس کو

جب وہ کج ہوئے تو اللہ نے ان کے دلوں کو

۲- فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ

کج کر دیا اور اللہ نے حکم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا،

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (معدن)

بلکہ ان کے کام ان کے دلوں پر رنگ

۳- بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا

بن گئے،

يَكْسِبُونَ، (تَطْهِيف - ۱)

بلکہ ان کے کفر کے سبب اللہ نے ان پر کفر

۴- بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قُلُوبَهُمْ

وہ پھر گئے اللہ نے ان کے دلوں کو اس لئے

۵- أَضْرَمَ فُؤَادَهُمُ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ

(توبہ - ۱۶) پھیر دیا کہ وہ لوگ سمجھ نہ سکتے،

بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ،

اسی طرح اللہ کا نزل کے دلوں پر کفر

۶- كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْكَافِرِينَ

ان کے دلوں میں لپیٹے، (نفاذ کی بجا

۷- فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ لَّا تُؤَادُّهُمْ

تھی، تو خدا نے بیماری بڑھادی،

اللَّهُ رَاضًا، (بقرہ ۷ - ۲)

ان آیتوں میں سے ہر ایک پر غور کرو، ہر ایک سے یہ صاف و صریح معلوم ہوگا کہ انسان کی ہدایا عملی مقدم ہو اور اللہ تعالیٰ کا اُس کے جوابی اثر کو اپنی طرف سے ضلالت، گمراہی، زنگ، مہر اور بیماری فرمانا مؤخر ہو، اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضلالت، زنگ، مہر اور بیماری کا اثر نا غلبت اور انسانوں کا کفر و گناہ و نفاق معلول نہیں ہے، بلکہ حقیقت اس کے برعکس ہے یعنی انسان کا فسق و فجور، کجی، زنگ، کفر، انصراف (پھر جانا) نادانی اور قلب کی بیماری پہلے ہوتی ہے، اور خدا کی طرف سے اُس کے جواب میں ضلالت و گمراہی اور دل پر مہر و مہر کو ہوتی ہے اور یہی طبی اصول بھی ہے، انسان جب گرتا ہے تو چوٹ لگتی ہے اور غمگین ہوتا ہے تب اس کے فطرے ٹپکتے ہیں، اگر کوئی اُس کو الٹ کر بیان کرے تو یہ کیسی سخت نادانی ہوگی،

بہر حال اس مسئلہ میں مہبطِ وحی و رسالت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عجب مصلحت یہ ہے کہ اپنے اپنی اُمت کو اس پر جس شدت سے اپمان لانے کی تلقین فرمائی اسی شدت سے اُس میں بحث و مناقشہ سے منع فرمایا، اور درحقیقت اس نظر یہ سے اسی طرح فائدہ اٹھانے میں یہ ہے یہ کئی جہاں چٹکی کہ خوشبو آگئی،

اس عقیدہ کے تمام وسیع اطراف اور گوشوں کو چھوڑ کر جن کو تمکین کی مجاہدانہ کہ دشمن نے پیدا کیا ہے، قرآن حکیم کی صرف اس آیت کو سمجھ لینا کافی ہے،

وَلَا تَكْفُرْ بِاللَّهِ الْمَلِكِ الْقَدِيمِ الَّذِي لَا يَأْتِيهِ الضَّلَامُ ۚ

اور خدا کی سلطنت میں اُس کا کوئی شریک نہیں،

وَلَا تَكْفُرْ بِاللَّهِ الْمَلِكِ الْقَدِيمِ الَّذِي لَا يَأْتِيهِ الضَّلَامُ ۚ

اس ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کا ایک بارہ (تقدیر)

لَا تَكْفُرْ بِاللَّهِ الْمَلِكِ الْقَدِيمِ الَّذِي لَا يَأْتِيهِ الضَّلَامُ ۚ

ایمان کے نتائج

گذشتہ صفحوں میں ایمان کی حقیقت اور اس کی چھ شاخوں خدا، فرشتے، رسول، کتاب، یومِ آخر اور قدر کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں، اور دکھایا گیا ہے کہ ان میں سے ہر عقیدہ کی حقیقت کیا ہے اس کی صداقت کی دلیلیں کیا ہیں؟ اور اس کی تعلیم میں شارعِ عہدے نے کیا مصلحتیں رکھی ہیں، اور شروع میں یہ بحث بھی کی جا چکی ہے کہ ہر مذہب میں اور خصوصاً مذہبِ اسلام میں ایمان کو اولین اہمیت کیوں دی گئی ہے؟ وہ بحثیں اصول کی تھیں، یہاں خاتمہ میں نتائج کی حیثیت سے پھر اسی بحث کی تکرار کی جاتی ہے، یعنی یہ کہ حقیقتِ ایمانیات اسی لائق ہیں کہ ان کو مذہب میں ہی اولین درجہ دیا جائے کیونکہ مذہب جن نتائج تک پہنچا چاہتا ہے وہ ان ایمان کی روشنی کے بغیر پہنچا ممکن ہی نہیں ہے، اس سے پہلے کہ ہم کسی دستور پر عمل کریں، یہ ضروری ہے کہ ہم اس دستور کی خوبی اور سچائی کا یقین کریں کہ اگر ایسا نہ ہو تو ہم اس پر ایمان داری کے ساتھ نہ تو عمل کر سکتے ہیں، اور نہ ہمارے نفس و ضمیر پر اس کا اثر ہو سکتا ہے، یہ حقیقت ہر دلیل سے ثابت ہے کہ ہمارے تمام اعمال ہمارے دل کے تابع ہیں، اس لئے جب تک دل نہ بدلیگا ہمارے اعمال میں تغیر نہیں ہو سکتا، یعنی ہمارے اعمال کی اصلاح تمام تر ہمارے دل کی اصلاح کے زیر اثر ہے، اور ایمان کا مقصد دل کی اصلاح ہے کہ اگر یہ درست ہو گیا تو سب کچھ درست ہو گیا،

یہاں ایک خاص نکتہ ہے جس کو سمجھنے بغیر آگے نہیں بڑھنا چاہیے، یہودیوں نے سب سے زیادہ اہمیت عملی رسم و رواج کو دی تھی اور عیسائیوں نے اس کے برخلاف صرف ایمان پر نجات و فلاح کا وار و مدار رکھا، چنانچہ حواریوں کے خطوط و ملفوظات میں اس تعلیم کو بہت کچھ نمایاں کیا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے کہ عمل نہیں بلکہ صرف ایمان نجات کا ذریعہ ہے۔ اسلام کی پہلی کیلی شان اس بارہ میں یہ ہے کہ وہ دونوں کی اصلاح کر کے ان دونوں کو جمع کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ نجات نہ تھا ایمان، اور نہ تھا عمل پر، بلکہ ایمان صحیح اور عمل صالح کی جامعیت پر موقوف ہے، **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ** (جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے) دوسری بات یہ ہے کہ وہ ایمان کو محض ایمان کی بنا پر اہمیت نہیں دیتا، بلکہ اس لئے اہمیت دیتا ہے کہ وہ عمل صالح کی علت و سبب ہے، یعنی وہ عمل صالح کے لئے راستہ بناتا، اور تخم ریزی کے لئے زمین درست کرتا ہے، یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اس لئے نکل ایمان کی شناخت بھی اُس کے پھل ہی سے ہو سکتی ہے، اب اگر ایسا کوئی شخص تم کو نظر آتا ہے کہ زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتا ہے مگر اُس کے اعمال میں اس ایمان کے مطابق کوئی بہتر تغیر نظر نہیں آتا تو یہی سمجھنا چاہئے کہ ایمان نے اس کی زبان سے اتر کر اس کے دل کی گہرائیوں میں برگ و بار پیدا نہیں کیا ہے، یہی سبب ہے کہ قرآن پاک ہر نیکی اور خوبی کو ایمان کا خاصہ، اور مومنوں کا وصف لازم بتاتا ہے، ہر اہم موقع پر اُس نے مسلمانوں کو **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** اے وہ لوگو! جو ایمان لائے،

کی نداء سے خطاب کیا ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان احکام پر وہی عمل کر سکتے ہیں جو ایمان سے متصف ہیں، بہت سے موقوفوں پر ہے،

إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ، اگر تم ایمان والے ہو،

اس سے معلوم ہوا کہ یہ بات ایمان والوں ہی کے لئے خاص ہے اور وہی اس کے

اہل و سزاوار ہیں، فرمایا

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا
لِلَّهِ، (بقرہ ۶-۲۰) رکھتے ہیں، ایمان والے سب سے زیادہ اللہ سے محبت

اس سے معلوم ہوا کہ محبت الہی ایمان کی بہت بڑی علامت ہے ایک اور سورہ میں،

إِنَّمَا كَانَتْ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا
دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ
بَيْنَهُمْ أَنْ يُقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا
وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (نور-۱)

اس سے ظاہر ہوا کہ ایمان کا ایک نتیجہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور اس کے فیصلہ کے آگے سر جھکانا ہے، دوسری آیت میں ہے،

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (حجرات ۱) ایمان والے تو آپس میں بھائی ہیں

اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ مسلمانوں میں باہمی محبت اور شفقت ہونا بھی ایمان کی نشانی ہے، ایک اور آیت میں ہے،

وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ (ال عمران ۱۷۱) اور خدا ہی پر چاہیے کہ ایمان والے بھروسہ کریں
معلوم ہوا کہ خدا پر بھروسہ اور توکل اہل ایمان کی شان ہے سورہ مؤمنون میں اہل ایمان کے
اوصاف یہ بتائے گئے ہیں،

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ
بے شبہ اہل ایمان نے بھلائی پائی جو اپنی
فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ وَالَّذِينَ
نماز میں ادب سے جھکے رہتے ہیں، اور جو
هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ وَالَّذِينَ
نکمی بات پر دھیان نہیں دیتے، اور جو
هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ، وَالَّذِينَ
زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور جو اپنی شرمگاہوں
هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ
کی حفاظت کرتے ہیں
..... وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْتِهِمْ
اور جو اپنی امانتوں
وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ، وَالَّذِينَ هُمْ
اور وعدوں کی نگرانی رکھتے ہیں، اور
عَلَى صَلَاتِهِمْ يَتَذَكَّرُونَ (مؤمنون ۱۷۱)
جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں،

ان آیتوں سے اہل ایمان کے ضروری اوصاف یہ معلوم ہوئے، نماز میں خشوع و
تخصوع، بے کار باتوں سے احتراز، زکوٰۃ و خیرات دینا، عفت و پاکدامنی، امانت امانتوں
عہد، نمازوں کی پابندی، ان آیتوں میں ایک عجیب رمز ہے، دیکھو کہ اہل ایمان کے
اوصاف کا آغاز بھی نماز سے کیا گیا، اور انجام بھی نماز پر رکھا گیا، اس سے اشارہ نکلا کہ
نماز ایمان کی اولین و آخرین نشانی ہے اور اسی لئے ایمان کے بعد سب زیادہ اس پر زور دیا گیا ہے
ہم نے یہ چند آیتیں یہاں مثلاً نقل کی ہیں ورنہ اگر کوئی استقصا کرے تو قرآن میں

ایمان کے اثرات و نتائج اور بہت سے ملیں گے، احادیث میں بھی اس مضمون کی کمی نہیں، صحیح حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "ایمان کی کچھ اہم شراعتیں ہیں۔" حافظ بیہقی نے اپنی کتاب شعب الایمان میں مختلف حدیثوں سے ایمان کی ان شراعتوں کو ایک ایک کر کے گنایا ہے، اس کتاب کا خلاصہ مختصر شعب الایمان کے نام سے چھپ بھی گیا ہے، ایک حدیث میں ایمان کی شناخت، اخلاق کی پاکیزگی کو بتایا گیا ہے آپ نے فرمایا،

اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ
مومنوں میں اس کا ایمان سب سے زیادہ

خَلَقَا (سنن ابی داؤد۔ کتاب السنۃ) کامل ہو جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں،

حسن اخلاق کا اساسی مرکز محبت ہے، یہ محبت سب سے پہلے تو اسی ہستی سے ہونی چاہئے جو تمام محبتوں کا مرجع و مرکز ہے یعنی اللہ تعالیٰ، اور اس کے بعد اسی محبت الہی کے ضمن میں اسی سے بھی محبت کرنا جس کی ہدایت اور تعلیم کے وسیلہ سے یہ جوہر ایمانی ہم کو ہاتھ آیا، اس محبت کے سامنے دوسری تمام دنیاوی محبتیں اور قرابت اور رشتہ داری کے علاقے بیچ ہیں، فرمایا،

لَا يُؤْمِنُ أَحَدٌ حَتَّىٰ يَكُونَ
تم میں سے کوئی اس وقت تک ایمان میں

أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وُلْدِهِ وَوَالِدِهِ
کامل نہیں جب تک اس کے دل میں میری

وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ،
محبت اس کی اولاد، والدین، اور تمام

(مسند بخاری کتاب الایمان) لوگوں سے زیادہ نہ ہو،

ایمان کا تیسرا اثر یہ ہے کہ اس کو اپنی ہم جنس برادری اور پڑوسی سے بھی اسی طرح محبت

پیارا اور اخلاص ہو، جس طرح خود اپنے آپکے، فرمایا:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُ
أَحَدٌ كَرِهَتْهُ يَحِبُّ لِأَخِيهِ أَوْ
لِجَارِهِ مَا يَحِبُّ لِنَفْسِهِ،
(بخاری و مسند و کتاب الایمان)

قسم ہو اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان
ہے تم میں سے کسی کا ایمان اس وقت تک کامل
نہیں جب تک وہ اپنے بھائی یا پڑوسی (راوی کو
شک ہے) کے لئے وہی نہ چاہے جو وہ اپنے

لئے چاہتا ہے،

آپ نے ایک دفعہ صحابہ کو خطاب کر کے فرمایا، جب تک تم مومن نہ بنو گے جنت میں داخل نہ
ہو سکو گے، اور مومن نہ بنو گے جب تک تم آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو گے میں تمہیں
بتاؤں کہ تم میں آپس میں محبت کیونکر ہو سکتی ہے، آپس میں اسلام پھیلاؤ (مسلم کتاب الایمان)
یہ محبت کسی نمائش، ریا، یا ذاتی نفع و نقصان کے لئے نہ ہو، بلکہ خدا اور صرف خدا کیلئے ہو
فرمایا تین باتیں جس میں ہیں اس نے ایمان کا ثمرہ پایا، اول یہ کہ اس نے دل میں خدا اور رسول سے
بڑھ کر کسی اور کی محبت نہ ہو، دوسری یہ کہ بندگانِ خدا سے صرف خدا کے لئے محبت کرتا ہو، تیسری
یہ کہ کفر سے نجات پانے کے بعد پھر اس میں آلودہ ہونا اس کے لئے اتنا ہی تکلیف دہ ہو جتنا آگ
میں ڈالا جانا، ایک صحابی نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ کامل اسلام کس مسلمان میں ہے؟ فرمایا
اس مسلمان میں جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے، فرمایا کہ ایمان کی ستر
سے کچھ اوپر شاخیں ہیں جن میں سے ایک شرم و حیا ہے، یہ بھی تعلیم فرمادی کہ جس کو خدا اور آخرت پر
ایمان ہو اس چاہیے کہ زبان سے بات نکالے تو اچھی، ورنہ چپ رہی جس کو خدا اور آخرت پر
ایمان ہو اس کو چاہیے کہ اپنے پڑوسی کو دیکھے نہ پہنچائے، جس کو خدا اور آخرت پر ایمان ہو

اُس کو چاہیے کہ ہمان کی عزت کرے، ایک صحابی آپ کے اس ارشاد کو نقل کرتے ہیں کہ اپنے
 فرمایا تم میں سے کوئی اگر کوئی برائی دیکھے تو اس کو ہاتھ سے مٹا دے، یہ نہ ہو سکے تو زبان سے ٹوک
 دے یہ بھی نہ ہو سکے تو اپنے دل میں اس کو برا سمجھے اور یہ ایمان کا آخری درجہ ہے،

اس کے بالمقابل آپ نے متنبہ فرمایا کہ نفاق کی چار نشانیاں ہیں جس میں ان میں سے ایک
 بھی پائے جائے اُس میں اتنا نفاق کا عنصر موجود ہے، اگرچہ وہ نماز گزار اور روزہ دار ہی کیوں
 نہ ہو، اور اپنے کو وہ مسلمان ہی کیوں نہ سمجھتا ہو، ایک یہ کہ گفتگو کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے
 تو توڑ دے، امانت سپرد کی جائے تو خیانت کرے، غصہ آئے تو گالی بکے۔

اس تفصیل سے ظاہر ہو گا کہ تمام نیکیاں، اور ہر قسم کی بھلائیاں اور خوبیاں جس ایک حربہ
 کی شاخیں ہیں وہ ایمان ہے، اور اسی لئے وہ مذہب کا اصل الاصول ہے وہ نہ ہو تو انسانی
 نیکیوں کی ساری عمارت بے بنیاد ہے، اس تقریر سے کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ ایمان کے بعد عمل کی
 ضرورت نہیں، اسلام نے اسی نکتہ کو بار بار ادا کیا ہے کہ نجات کا مدار ایمان اور عملِ صالح دونوں
 پر ہے، اسی لئے اَمَنُوا کے ساتھ ساتھ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ پر بھی اُس نے ہمیشہ زور
 دیا ہے بلکہ اوپر جو کچھ کہا گیا ہے، اس کا منشا یہ ہے کہ ان دونوں میں ایمان اصل اور عمل اس
 کی فرع ہے ایمان ملزوم اور اعمالِ حسنہ اس کے خصوصیات اور لوازم ہیں، یعنی ان دونوں
 میں اصل و فرع اور لازم و ملزوم کا تعلق ہے جو ایک دوسرے سے الگ اور جدا نہیں ہو سکتے۔
 اس لئے جس طرح ایمان کے بغیر عمل سرسبز نہیں رہ سکتا، اسی طرح عمل کے بغیر ایمان ایک

لے یہ تمام روایتیں صحیحین کتاب لایمان میں ہیں لے صحیح بخاری کتاب لایمان، پیش نظر مسلم ہے،

بے برگ دبا درخت ہے جس کا فائدہ کے لحاظ سے عدم وجود برابر ہے، اس بنا پر جہاں ایمان ہے
اُس کے عملی نتائج و آثار کا وجود بھی ضروری ہے،

کاغذ کے نو سوچھ صفحے سیاہ ہو چکے، ناظرین کے ہاتھ ان اوراق کی گرانباری سے ^{۹۶} _{۱۱}
آنکھیں ان سطور کی کم سواد ہی سے تھک چکی ہوں گی، اس لئے بہتر ہے کہ رہبر و قلم کے ساتھ
قافلہ نظر کے دوسرے رفیق بھی کچھ دیر آرام کریں پھر چند کہ

رہبر و ان را خستگی راہ نیست
عشق ہم راہ است ہم خود منزل است

سلیمان ندوی

مصنفین
وارامین
رمضان ۱۳۵۰ھ



اس کتاب کے جملہ حقوق نقل و ترجمہ اور ایضاً تصنیف کے حق میں محفوظ ہیں، مہتمم صاحب کی
اجازت کے بغیر کوئی اقدام نہ فرمایا جائے